

وَنَزَّلْنَا عَلَیكَ الْكِتَابَ تَحْفَظُهَا حَقًّا وَنَزَّلْنَا بِهَا الْقُرْآنَ
 اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

طبیعی

جلد چہارم

الاعراف . الانفال

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

WWW.NAFISISLAM.COM

ناشر

فریدی بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، حصہ، ٹائٹل یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



ISBN 969-563-013-8



مصحح : حافظ محمد ابراہیم فیضی، قاری سکسٹر اور فیضی
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : دسمبر 1420ھ / فروری 2000ء
الطبع السانی : جولائی 1430ھ / مئی 2009ء

Farid Book Stall

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No: 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

فون نمبر: ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

فکس نمبر: ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

جلد چہارم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۶	شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۴	۴۷	حضرت آدم کا چاروں ملتوں کی وجہ سے ابلیس سے افضل ہونا	۷۹
۲۷	شکر اور اکر نے کے طریقوں کے متعلق احادیث	۵۴	۴۸	ابلیس کے ہاتھ کی قیاس کی بناء پر منکرین قیاس کے دلائل اور ان کا تجزیہ	۷۹
۲۸	شکر کی فضیلت کے متعلق احادیث	۵۶	۴۹	مخوڑین قیاس کا ماحول سے استدلال	۷۹
۲۹	ولقد خلقناکم ثم صورناکم (۱۱-۸)	۵۶	۵۰	مخوڑین قیاس کا آثار صحابہ اور ائمہ کی طرف سے استدلال	۷۹
۳۰	آیات سابقہ سے مناسبت	۵۸	۵۱	شیطان کے ساتھ طویل مکالمہ اس کی فضیلت کا موجب نہیں	۷۹
۳۱	ایک افضل کا جواب	۵۸	۵۲	ابلیس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا یا آسمان سے	۷۹
۳۲	حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح کے بعض اہم واقعات	۵۸	۵۳	تواضع کرنے والے کے لیے سر بلندی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی	۷۹
۳۳	حضرت آدم علیہ السلام کی سرمد دار تخلیق	۵۹	۵۴	اس بات کی تحقیق کہ ابلیس لعین کو کتنی زندگی کی مسلت دی ہے	۷۹
۳۴	حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کا مشاہدہ کرنا	۶۰	۵۵	افواء کا معنی	۷۹
۳۵	حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش	۶۰	۵۶	ابلیس لعین کا جبر اور قدرت میں حیران ہونا اور جبر اور قدرت میں محذور	۷۹
۳۶	حضرت آدم علیہ السلام کا سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور اس حدیث کی تحقیق	۶۰	۵۷	ابلیس لعین کا صراط مستقیم سے ہٹانے کی سعی کرنا	۷۹
۳۷	حضرت آدم کے سکون کے لیے حضرت حوا کو پیدا کرنا	۶۰	۵۸	ابلیس لعین کا چار جہات سے حملہ آور ہونا اور اس سے تدارک کی دعا	۷۹
۳۸	حضرت آدم علیہ السلام کو نبی میں تشریف لانا	۶۰	۵۹	ابلیس لعین کے اس دعویٰ کا سبب کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوں گے	۸۰
۳۹	حضرت آدم علیہ السلام کی وفات	۶۰	۶۰	کیا تمام اہل بدعت اور گمراہ فرقے دوزخی ہیں یا دام اسکن انت وزوجک	۸۱
۴۰	حضرت آدم علیہ السلام کا مینہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مبارک	۶۰	۶۱	الحجنہ (۱۹-۲۵)	۸۱
۴۱	بجہ کافری اور شرعی معنی	۶۰	۶۲	ابلیس کی دوسرا انداز ہی حضرت آدم کا زمین پر	۸۱
۴۲	قرآن مجید میں بھد کے اطلاقات	۶۰			
۴۳	ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟	۶۱			
۴۴	امر کو جو ب کے لیے ہوتا	۶۱			
۴۵	حضرت آدم سے افضل ہونے پر ابلیس کا یہ استدلال کہ آگ مٹی سے افضل ہے	۶۲			
۴۶	آگ سے مٹی کے افضل ہونے کی دس وجوہات	۶۲			

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۳	آٹا اور توبہ کرنا	۷۳	حضرت آدم کے فرشتہ اور داغی بننے کی طرح پر اعتراضات اور ان کے جوابات
۸۵	آپا شجر ممنوع سے کھانا نہ تھا اگر گندہ نہیں تھا تو سزا کیوں ملی اور آدم و حوا جیس کے معرکہ میں کون کامیاب رہا؟	۷۴	یسنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا (۳۱-۳۲)
۸۶	مشکل اور اہم الفاظ کے معنی	۷۶	آیات سابقہ سے مناسبت
۸۸	لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا	۷۸	مواد اور عورت کی شرم گاہوں کے مصلوبیت میں مذہب فقہاء
۸۹	حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا غلیظ بننا تھا یا شجر ممنوع سے کھانا	۷۹	جنت کے انسانوں کو دیکھنے اور انسانوں کے جنت کو نہ دیکھنے کی تحقیق
۹۱	جنت کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان	۸۰	فادش کا معنی اور مراد مگر کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فادش کا حکم دیا ہے
۹۲	فادش کا معنی اور مراد مگر کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فادش کا حکم دیا ہے	۸۱	قط اور عدل کے معنی
۹۳	اخلاص کا معنی	۸۲	اخلاص کا معنی
۹۴	قرآن مجید میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم	۸۳	عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث
۹۵	عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث	۸۴	عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث
۹۶	عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث	۸۵	اخلاص ہونے پر قائمہ اور اخلاص نہ ہونے کے نقصان کے متعلق احادیث
۹۷	اخلاص سے کیا ہوا کم عمل بغیر اخلاص کے زیادہ	۸۶	انسانوں کے شرکی کیفیت
۹۸	ابتداء فطرت میں ہر انسان مکلف امتیاز یافتہ ہوتا	۸۷	برہنہ طواف کی ممانعت کا شکی نزول اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہونے کی ممانعت
۹۹	تغیر کعبہ کے وقت تبندہ اتد کر کندھے پر رکھنے کی روایت پر بحث و نظر	۸۸	کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا سرفا ہونا
۱۰۰	بسیار خوری کی مذمت میں احادیث	۸۹	پرہیز کی اہمیت کے متعلق احادیث
۱۰۱	کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث	۹۰	کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث
۱۰۲	کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث	۹۱	کھانے پینے کے جواز کے متعلق احادیث
۱۰۳	کھانے پینے کی ممانعت اور جواز کے متعلق احادیث	۹۲	متعلق فقہاء اسلام کی آراء
۱۰۴	دھوکے بچے ہوئے پانی اور زم زم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا مستحب	۹۳	قل من حرم زینۃ اللہ النبی اخرج لعبادہ والطیبۃ من الرزق (۳۲-۳۳)
۱۰۵	لباس پہننے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث	۹۴	متعلق احادیث
۱۰۶	متعلق احادیث	۹۵	متعلق احادیث

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۵	لباس کی انواع اور اقسام کے متعلق احادیث	۱۶۱	۱۶۱	کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولنے کے متعدد محال	۱۳۷
۹۶	لباس کے رنگوں کے متعلق احادیث	۱۶۲	۱۶۲	کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق حدیث	۱۳۸
۹۷	اجلے صاف اور عمدہ لباس پہننے کے متعلق احادیث	۱۶۸	۱۶۸	اہل جنت کے دلوں سے دنیا کی رنجشوں اور شکایتوں کا نحو ہو جانا	۱۴۰
۹۸	قیمتی اور معمولی لباس پہننے کی احادیث میں تطبیق	۱۶۹	۱۶۹	کفار کی جنتوں کا مسلمانوں کو ورثہ میں ملنا	۱۴۰
۹۹	لباس پہننے کے شرعی اور فقہی احکام	۱۷۱	۱۷۱	جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے نہ کہ نیک اعمال	۱۴۱
۱۰۰	زینت اور حجب کے متعلق مفسرین مذاہب اربعہ کی تحقیق	۱۷۱	۱۷۱	دخول جنت کے لیے اعمال کو سبب قرار دینے کے محال	۱۴۳
۱۰۱	اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق	۱۷۵	۱۷۵	حشر کے دن کفار کی توبہ کارگر نہیں ہوگی	۱۴۳
۱۰۲	معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان	۱۷۷	۱۷۷	الاعراف کا معنی اور مصداق	۱۴۴
۱۰۳	ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں	۱۷۸	۱۷۸	وفادی اصحاب الاعراف رجحالا (۵۳-۴۸)	۱۴۵
۱۰۴	ربط آیات	۱۷۹	۱۷۹	اصحاب الاعراف کو دخول جنت کا وزن	۱۴۷
۱۰۵	رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہو یا جن کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا	۱۸۱	۱۸۱	کافروں کو دوزخ میں کھانے پینے سے محروم رکھنے کی سزا دینا	۱۴۷
۱۰۶	حکام کل کی وضاحت	۱۸۱	۱۸۱	اللہ کی راہ میں پانی خرچ کرنے کی اہمیت اور اجر و ثواب	۱۴۸
۱۰۷	نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں جلا ہوں گے یا نہیں	۱۸۲	۱۸۲	قرآن مجید کی خصوصیات	۱۵۰
۱۰۸	گناہ گار مسلمانوں کے لیے دائمی عذاب کا نہ ہونا	۱۸۲	۱۸۲	کفار کے اخروی خسارہ کا بیان	۱۵۰
۱۰۹	اللہ پر بہتان باندھنے اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے کی تفصیل	۱۸۳	۱۸۳	ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی سنتہ ایام (۵۴-۵۸)	۱۵۱
۱۱۰	کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر بہتان باندھنے والوں کی سزا	۱۸۳	۱۸۳	اہم اور مشکل الفاظ کے معانی	۱۵۲
۱۱	کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال	۱۸۳	۱۸۳	اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل	۱۵۳
۱۱۲	دوزخ میں کفار کے احوال	۱۸۵	۱۸۵	زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی	۱۵۳
۱۱۳	ضعف کا معنی	۱۸۵	۱۸۵		
۱۱۴	دو گئے عذاب پر ایک سوال کا جواب	۱۸۵	۱۸۵		
۱۱۵	ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنہا (۴۷-۴۰)	۱۸۵	۱۸۵		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۳	ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر	۱۵۵	حکمت	۱۳۲	چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا مضرب اور مستبر حدیث کی تحسین
۱۸۳	چالیس حدیثوں کی تبلیغ کرنے والے کے متعلق توبہ اور بشارت	۱۵۵	مرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف	۱۳۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین
۱۸۳	چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر بشارت کی فنی حیثیت	۱۵۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین	۱۳۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۵	حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قواعد اور شرائط	۱۵۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۳۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۶	دعائیں حد سے بڑھنے کا ممنوع ہونا	۱۵۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۳۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	محسن کا معنی	۱۵۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	اس کائنات میں حشر کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی نشانی	۱۵۶	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	اچھی اور خراب زمینوں میں مسلمانوں اور کافروں کی مثل	۱۵۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۸	لقد ارسلنا نوحا والی قومہ فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (۵۹-۷۳)	۱۵۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۹	حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ ولادت	۱۵۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۰	بت پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی؟	۱۶۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۱	حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا	۱۶۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۶	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۱	حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان	۱۶۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۲	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب	۱۶۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۳	طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفصیلات	۱۶۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۴	حضرت نوح علیہ السلام کی عمر	۱۶۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۵	قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد	۱۶۶	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۵	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۱۶۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۶	ایم اور مشکل الفاظ کے معانی	۱۶۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۶	حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات	۱۶۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۶	کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات	۱۷۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۰	قوم نوح کے استبداد اور کعب کا زلہ	۱۸۷	قوم ثمود کے قصہ کے حلق احاطہ اور آثار
۱۷۱	والی عباد انعام ہود (۷۳-۷۴)	۱۸۸	ولوط اذ قال لقومہ اتاتون
۱۷۲	حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب	۱۸۹	الفاحشۃ ما سبقکم بہا من
۱۷۳	حضرت ہود علیہ السلام کی قوم علوی طرفہ بحث	۱۹۰	احد من العلمین (۸۴-۸۵)
۱۷۴	علوی قوت اور سلطت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے حلق قرآن مجید کی آیات	۱۹۱	حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب
۱۷۵	قوم علوی کے وطن کی تاریخی حیثیت	۱۹۲	حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بحث
۱۷۶	صالحین کے عرس کی تحقیق	۱۹۳	حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور فخر لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا
۱۷۷	حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق	۱۹۴	قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء
۱۷۸	حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد ﷺ کی زیادہ عزت اور وجاہت	۱۹۵	حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں
۱۷۹	اللہ تعالیٰ توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل	۱۹۶	عمل قوم لوط کی عقلی قباحتیں
۱۸۰	والی ثمود انعام صالح (۷۳-۷۴)	۱۹۷	قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت
۱۸۱	قوم ثمود کی اجمالی تاریخ	۱۹۸	احاطہ میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان
۱۸۲	حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بحث	۱۹۹	عمل قوم لوط کی سزائیں مذہب فقہاء
۱۸۳	قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے مجرمہ طلب کرنا اور مجرمہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور ان پر عذاب کا نازل ہونا	۲۰۰	قوم لوط پر عذاب کی کیفیت
۱۸۴	قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے حلق قرآن مجید کی آیات	۲۰۱	والی مدین انعام شعيبا (۸۵-۸۶)
۱۸۵	اونٹنی کا قتل ایک شخص تھلپا پوری قوم ثمود	۲۰۲	حضرت شعیب کا نام اور نسب
۱۸۶	اونٹنی کے مجرمہ ہونے کی وجوہات	۲۰۳	مدین اور اسحاب لایک ایک قوم ہیں یا الگ الگ
۱۸۷	قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق	۲۰۴	حضرت شعیب کا مقام بحث
		۲۰۵	حضرت شعیب کی قوم پر عذاب کا نزول
		۲۰۶	حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر
		۲۰۷	ڈار لومہ کا کرنا جائز رقم بٹورنے والے
		۲۰۸	قوم شعیب کو ترغیب و ترہیب
		۲۰۹	قال الملا الذین استکبروا من قومہ (۸۸-۸۹)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۲۰۹	حضرت شعیب علیہ السلام کے کفر میں لوٹنے کے	۲۲۶	اعتراف کے جوابات	۲۳۷
۲۱۰	توکل کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۲۷	مجزرہ کی تعریفات	۲۳۸
۲۱۱	لوہے سے داغنے اور دم کرانے پر توکل سے بری ہونے کا شکل	۲۲۸	مجزرہ کی شرائط	۲۳۸
۲۱۲	دوا کرنے اور علاج کرانے کے متعلق احادیث	۲۲۹	افعال غیر علویہ کی دیگر اقسام	۲۳۹
۲۱۳	دوا اور دم سے نبی ﷺ کا علاج کرانا	۲۳۰	مجزرات انبیاء کے اختیار میں ہونے پر محدثین	۲۳۹
۲۱۴	افعال مذکور کا جواب	۲۳۱	نقضاء اور مشکمین کے دلائل	۲۳۹
۲۱۵	توکل کی تعریف پر ایک اور شکل کا جواب	۲۳۲	مجزرات پر انبیاء کے اختیار کے ثبوت میں	۲۴۱
۲۱۶	نزول عذاب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کی صداقت	۲۳۳	احادیث	۲۴۱
۲۱۷	وما ارسلنا فی قرینۃ من نبی الا	۲۳۴	انبیاء کے اختیار میں مجزرات ہونے پر ایک شکل کا جواب	۲۴۲
۲۱۸	انخذنا اہلہا (۹۷-۹۸)	۲۳۵	مجزرات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف	۲۴۲
۲۱۹	مشکل الفاظ کے معانی	۲۳۶	مجزرات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف	۲۴۲
۲۲۰	رنج اور راحت کے نزول میں کافروں اور مسلمانوں کے احوال اور افعال کا فرق	۲۳۷	پہلے تکذیب کرنے کی وجہ سے بعد میں ایمان نہ لانے کی توجیہات	۲۴۶
۲۲۱	نیک اعمال نزول رحمت کا سبب ہیں اور بد اعمال	۲۳۸	دعاؤں سے مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو فراموش کرنا	۲۴۶
۲۲۲	نزول عذاب کا باعث ہیں	۲۳۹	حضرت آدم سے حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ سے ہمارے نبی ﷺ تک کا زمانہ	۲۴۷
۲۲۳	اولم یہد للذین یرثون الارض	۲۴۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پرورش	۲۴۸
۲۲۴	من بعد اہلہا (۱۰۰-۱۰۸)	۲۴۱	نکاح نبوت اور فرعون کو تبلیغ	۲۴۸
۲۲۵	کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجے کی وجہ	۲۴۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات	۲۵۱
۲۲۶	کفار مکہ کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ	۲۴۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر	۲۵۲
۲۲۷	سابقہ امتوں کے عذاب سے کفار مکہ کا سبق حاصل نہ کرنا	۲۴۴	فرعون کے دعویٰ خدا الٰہی کا رد	۲۵۳
۲۲۸	سیدنا محمد ﷺ کا علم غیب اور آپ کی رسالت پر دلیل	۲۴۵	قبیلوں کا بنو اسرائیل کو غلام بنانا	۲۵۳
۲۲۹	تمام نبی ماحل معجزہ ہیں	۲۴۶	قال الملا من قوم فرعون ان هذا	۲۵۵
۲۳۰	نبی ﷺ کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے	۲۴۷	لسحر علیہم (۱۰۹-۱۱۱)	۲۵۵
		۲۴۸	برنی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو	۲۵۷

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۸	بد شگون کے سلسلے میں خلاصہ بحث	۲۵۷	سحر کی تعریف اور سحر اور مجرہ میں فرق	۲۳۶	سحر اور ساحر کا شرعی حکم
۲۷۹	قوم فرعون پر طوفان اور بڑی بدل و غیرہ بھیجنے کا عذاب	۲۵۹	سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم	۲۳۸	حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادو گروں کا مقابلہ
۲۸۲	ستر ہزار فرعونوں کا طاعون میں مبتلا ہونا	۲۶۰	جادو گروں کے ایمان لانے میں علم کی فضیلت	۲۵۰	رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ
۲۸۲	عقائد میں تقلید کا مذموم ہونا اور فردوس میں تقلید کا ناگزیر ہونا	۲۶۱	فرعون کا عوام کو شہادت میں ڈالنا	۲۵۱	آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکتا نہیں؟
۲۸۳	بنو اسرائیل کو شام پر قابض کرنا	۲۶۲	راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا	۲۵۲	وقال الملا من قوم فرعون اتذر
۲۸۳	سرزمین شام کی زمین کی فضیلت کے متعلق احادیث	۲۶۳	موسیٰ (۱۲۷-۱۲۸)	۲۵۳	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال
۲۸۵	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۲۶۴	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۴	اللہ پر ایمان کامل کی وجہ سے مصائب کا آسان ہونا
۲۸۶	مناسبت اور ربط آیات	۲۶۵	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۵	چلتا
۲۸۶	بنو اسرائیل نے کون سا سمندر پار کیا تھا اور کس جگہ کسی قوم کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا؟	۲۶۶	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۶	کسی بات کو سمجھنے کے لیے سوال کرنے کا جواز
۲۸۶	شرک کے فعل کا جہالت اور حماقت ہونا	۲۶۷	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۷	ولقد اخذنا آل فرعون
۲۸۷	بنو اسرائیل کی ناشکری اور احسان فراموشی	۲۶۸	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۸	بالسنین (۱۳۰-۱۳۱)
۲۸۸	کسی مسلمان موجد کو شرک قرار دینے کا بطلان	۲۶۹	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۵۹	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی
۲۸۸	و وعدنا موسیٰ ثلاثین ليلة (۱۳۲-۱۳۳)	۲۷۰	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۰	قوم فرعون پر پے در پے بلائیں اور آفتیں نازل کرنے کی حکمت
۲۸۸	ربط آیات مناسبت اور موضوع	۲۷۱	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۱	فل اور شگون نکلنے کی تحقیق
۲۹۰	حضرت موسیٰ کے لیے پہلے تیس راتیں اور پھر دس راتیں مزید مقرر کرنے کی حکمت	۲۷۲	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۲	بد شگون کی ممانعت کا سبب
۲۹۱	میقات کا معنی اور کسی کام کی مدت مقرر کرنے کی اصل	۲۷۳	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۳	نیک فعل کے جواز کا سبب اور بد فعل کو شرک قرار دینے کی توجیہ
۲۹۲	بدوں کے اعذار کی آخری مدت ساٹھ سال ہے	۲۷۴	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۴	عورت مکان اور گھوڑے میں بد شگون کی توجیہ
۲۹۲	شمسی اور قمری تاریخ مقرر کرنے کا ضابطہ	۲۷۵	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۵	بد شگون لینا کفار کا طریقہ ہے
۲۹۳	حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اور ان کو نصیحت فرمانان کی شان میں کی کاموجب نہیں	۲۷۶	فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال	۲۶۶	کسی چیز سے بد شگون لینے یا کسی دن کو منحوس قرار دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۷	حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لیے	۲۸۷	حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لیے	۲۸۷	حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لیے
۲۸۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ بنزلہ ہارون ہیں	۲۸۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ بنزلہ ہارون ہیں	۲۸۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ بنزلہ ہارون ہیں
۲۸۹	حدیث مذکور سے روافض کا حضرت علی کی	۲۸۹	حدیث مذکور سے روافض کا حضرت علی کی	۲۸۹	حدیث مذکور سے روافض کا حضرت علی کی
۲۹۰	خلافت بلا فصل پر استدلال	۲۹۰	خلافت بلا فصل پر استدلال	۲۹۰	خلافت بلا فصل پر استدلال
۲۹۱	روافض کے استدلال مذکور کا جواب	۲۹۱	روافض کے استدلال مذکور کا جواب	۲۹۱	روافض کے استدلال مذکور کا جواب
۲۹۲	حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں غلیظہ	۲۹۲	حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں غلیظہ	۲۹۲	حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں غلیظہ
۲۹۳	حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی	۲۹۳	حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی	۲۹۳	حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی
۲۹۴	کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارفہ	۲۹۴	کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارفہ	۲۹۴	کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارفہ
۲۹۵	اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام	۲۹۵	اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام	۲۹۵	اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام
۲۹۶	اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث	۲۹۶	اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث	۲۹۶	اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث
۲۹۷	اور آثار	۲۹۷	اور آثار	۲۹۷	اور آثار
۲۹۸	اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے	۲۹۸	اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے	۲۹۸	اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
۲۹۹	کلام کی بعض تفصیلات	۲۹۹	کلام کی بعض تفصیلات	۲۹۹	کلام کی بعض تفصیلات
۳۰۰	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ	۳۰۰	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ	۳۰۰	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ
۳۰۱	کے مذاہب	۳۰۱	کے مذاہب	۳۰۱	کے مذاہب
۳۰۲	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات	۳۰۲	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات	۳۰۲	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات
۳۰۳	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن	۳۰۳	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن	۳۰۳	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن
۳۰۴	مجید سے دلائل	۳۰۴	مجید سے دلائل	۳۰۴	مجید سے دلائل
۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث	۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث	۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث
۳۰۶	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک	۳۰۶	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک	۳۰۶	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک
۳۰۷	اور دلیل	۳۰۷	اور دلیل	۳۰۷	اور دلیل
۳۰۸	منکرین رویت کے ایک اور اعتراض کا جواب	۳۰۸	منکرین رویت کے ایک اور اعتراض کا جواب	۳۰۸	منکرین رویت کے ایک اور اعتراض کا جواب
۳۰۹	انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ	۳۰۹	انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ	۳۰۹	انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ
۳۱۰	دینے کے متعلق حدیث	۳۱۰	دینے کے متعلق حدیث	۳۱۰	دینے کے متعلق حدیث
۳۱۱	مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دے	۳۱۱	مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دے	۳۱۱	مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دے
۳۱۲	حدیث کے جوابات	۳۱۲	حدیث کے جوابات	۳۱۲	حدیث کے جوابات
۳۱۳	دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی	۳۱۳	دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی	۳۱۳	دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی
۳۱۴	ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث	۳۱۴	ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث	۳۱۴	ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث
۳۱۵	موقف	۳۱۵	موقف	۳۱۵	موقف

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۱	مطلق کو مقید پر محمول کر لینا نہ کرنے کے قواعد	۳۳۵	۳۳۹ حالت غضب میں طلاق دینے کا شرعی حکم
۳۳۲	شیخ قاضی کے دلائل پر بحث و نظر	۳۳۶	۳۴۰ شہادت کا معنی اور اس کا شرعی حکم
۳۳۳	شیخ کشمیری اور شیخ میر ظہری کے دلائل	۳۳۸	۳۴۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء مغفرت کی توجیہ
۳۳۴	شیخ کشمیری، شیخ میر ظہری اور جسٹس عثمان کے دلائل پر بحث و نظر	۳۳۹	۳۴۲ ان الذین اتخذوا المہحل
۳۳۵	گنہگاروں سے نیچے لباس لٹکانے کے حلق معصوم کی تحقیق	۳۴۰	۳۴۳ توبہ قبول کرنے کے بعد جو اسرائیل پر عذاب کی وعید کی توجیہ
۳۳۶	گنہگاروں سے نیچے لباس رکھنے کے حلق حرف آخر	۳۴۱	۳۴۴ بدعت میں کی تعریف
۳۳۷	کفار کی نیکیوں کا نفع ہو جانا	۳۴۲	۳۴۵ توبہ کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عموم
۳۳۸	فرائض اور واجبات کے ترک پر مواخذہ کی دلیل	۳۴۳	۳۴۶ اور شمول
۳۳۹	واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ	۳۴۶	۳۴۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے قصہ کی تلافی کرنا
۳۴۰	بنو اسرائیل کے چھڑا ہونے اور اس کی پرستش کرنے کے متعلق روایات	۳۴۷	۳۴۸ تورات کی تختیاں ٹوٹی تھیں یا نہیں
۳۴۱	کلام کرنے اور ہدایت دینے پر دارالوہیت کی توجیہ	۳۴۸	۳۴۹ ستر اسرائیلیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں مختلف روایات
۳۴۲	لما سقط فی ایدہم کافری	۳۴۹	۳۵۰ سورۃ البقرہ میں الصاعقہ اور سورۃ الاعراف میں الریحہ فرمانے کی توجیہ
۳۴۳	قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰ آیا طور سے واپسی پر مطلع ہونے یا پہلے	۳۵۰	۳۵۱ کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ ستر اسرائیلیوں کی وجہ سے نجات کو ہلاکت میں جلا کرے گا؟
۳۴۴	غضب کا معنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا معنی	۳۵۱	۳۵۲ اللہ کے معاف کرنے اور مخلوق کے معاف کرنے میں فرق
۳۴۵	غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۵۲	۳۵۳ حضرت موسیٰ نے دنیا اور آخرت کی جس بھلائی کا سوال کیا تھا وہ کیا چیز تھی؟
۳۴۶	غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق احادیث	۳۵۳	۳۵۴ نبی اور رسول کے معنی
۳۴۷	تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کی توجیہ	۳۵۴	۳۵۵ قرآن اور سنت میں نبی ﷺ پر ای کا طلاق
۳۴۸	حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکار کر کچھنے کی توجیہ اور دیگر فوائد	۳۵۵	۳۵۶ ای کا لغوی معنی
۳۴۹		۳۵۶	۳۵۷ رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل
۳۵۰		۳۵۷	۳۵۸

صفحہ نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر شمار	عنوان
۳۵۷	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید موسیٰ کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۵۷	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید موسیٰ کے
۳۵۸	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث	۳۵۸	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں
۳۵۹	نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی تحقیق	۳۵۹	نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی
۳۶۰	تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے متعلق احادیث	۳۶۰	تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے
۳۶۱	سورجہ تورات کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں	۳۶۱	سورجہ تورات کے متن میں نبی ﷺ کے
۳۶۲	سورجہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں	۳۶۲	سورجہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے
۳۶۳	امرا بطرول اور منی منہسکر میں نبی ﷺ کی خصوصیات	۳۶۳	امرا بطرول اور منی منہسکر میں نبی ﷺ کی
۳۶۴	اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب ہے	۳۶۴	اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب
۳۶۵	الطیسات اور النہاشت کی تفسیر میں مذہب باربعہ	۳۶۵	الطیسات اور النہاشت کی تفسیر میں مذہب باربعہ
۳۶۶	بنو اسرائیل کے بوجہ اور ان کے طوق کا تذکرہ	۳۶۶	بنو اسرائیل کے بوجہ اور ان کے طوق کا تذکرہ
۳۶۷	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۶۷	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید
۳۶۸	رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے شرعی حکم کی تحقیق	۳۶۸	رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے
۳۶۹	احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کی تصریحات	۳۶۹	احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو
۳۷۰	غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء مذہب باربعہ کی تصریحات	۳۷۰	غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق
۳۷۱	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل	۳۷۱	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل
۳۷۲	وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم	۳۷۲	وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم
۳۷۳	رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احرام	۳۷۳	رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احرام
۳۷۴	رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر مقدم ہے	۳۷۴	رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر
۳۷۵	قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ (۱۵۸-۱۵۷)	۳۷۵	قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ
۳۷۶	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر قرآن مجید کی آیات	۳۷۶	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول
۳۷۷	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث	۳۷۷	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول
۳۷۸	مہجرات جو سیدنا محمد ﷺ کی ذات مبارکہ میں ہیں اور جو آپ سے صادر ہوئے	۳۷۸	مہجرات جو سیدنا محمد ﷺ کی ذات مبارکہ
۳۷۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگوں کا مصداق	۳۷۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک
۳۸۰	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی نافرمانیاں	۳۸۰	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی
۳۸۱	وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقُرْبَةِ (۱۷۳-۱۷۲)	۳۸۱	وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقُرْبَةِ
۳۸۲	ناظرین پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو سزا	۳۸۲	ناظرین پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو سزا
۳۸۳	تسلیم کی تفصیل	۳۸۳	تسلیم کی تفصیل
۳۸۴	تسلیم کا فرض کلیہ ہوتا	۳۸۴	تسلیم کا فرض کلیہ ہوتا
۳۸۵	بعض احکام کا استنباط	۳۸۵	بعض احکام کا استنباط
۳۸۶	فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے	۳۸۶	فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے
۳۸۷	یودیوں میں نیکو کار اور بدکار	۳۸۷	یودیوں میں نیکو کار اور بدکار
۳۸۸	خلف اور خلف کا معنوی فرق	۳۸۸	خلف اور خلف کا معنوی فرق
۳۸۹	گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طبع کی مذمت	۳۸۹	گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طبع کی
۳۹۰	واذا اخذ ربک من بنی آدم (۱۷۲-۱۷۱)	۳۹۰	واذا اخذ ربک من بنی آدم
۳۹۱	بنو آدم سے پیش لینے کے متعلق احادیث	۳۹۱	بنو آدم سے پیش لینے کے متعلق احادیث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۶	اللہ تعالیٰ کے اسماء کے تو قیمنی ہونے کی تحقیق	۴۱	میشاق لینے کا مقام	۴۹۱	میشاق لینے کا مقام
۴۲۸	اللہ تعالیٰ کے ناموں (۹۹) اسماء کی تفصیل	۴۲	میشاق حضرت آدم کی پشت سے ذرعت نکل کر لیا گیا تھا یا بنو آدم کی پشتوں سے	۴۹۲	میشاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکل کا جواب
۴۲۹	اسم اعظم کی تحقیق	۴۳	کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟	۴۹۳	نہی منکر کا اصل کائنات ہوتا
۴۳۰	الحمد کا معنی	۴۴	واتل علیہم نبا الذی کے شن نزول میں مختلف روایات	۴۹۴	بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت
۴۳۰	اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحمد کی تفصیل	۴۵	بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ مماثلت کا بیان	۴۹۵	پاچھو والے کتے کی مثل کا تمام گمراہوں اور کافروں کو شامل ہوتا
۴۳۱	اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیمنی ہونے پر مذہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات	۴۶	آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام شرعیہ	۴۹۶	ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا معنی
۴۳۱	اس امت میں بھی حق کی ہدایت دینے والے اور حق کے ساتھ بدل کرنے والے ہیں	۴۷	ہدایت اور گمراہی کی جانب سے ہونے کا معنی	۴۹۷	مست سے جنت اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کرنے کی توجیہ
۴۳۲	اجماع کے حجت ہونے پر احادیث	۴۸	عقل کا عمل دل ہے یا دماغ؟	۴۹۸	دماغ کے عمل عقل ہونے پر دلائل
۴۳۳	والذین کذبوا بآیتنا (۱۸۸-۱۸۲)	۴۹	قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور اوراک کی نسبت کرنے کی توجیہ	۴۹۹	عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال
۴۳۴	مشکل الفاظ کے معانی	۵۰	عقل کے بارے میں ائمہ مذہب کے اقوال	۵۰۰	کفار کا جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونا
۴۳۵	تفکر کا معنی	۵۱	آیت سابقہ سے ارتباط	۵۰۱	اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی
۴۳۶	جلیل کفار نبی ﷺ کو کیوں بھنوں کہتے تھے اور اس کا جواب	۵۲	عقل کا عمل دل ہے یا دماغ؟	۵۰۲	اسم مسی کا معنی ہے یا غیر
۴۳۷	اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل	۵۳	دماغ کے عمل عقل ہونے پر دلائل		
۴۳۸	آیا بغیر دلیل کے ایمان لانا صحیح ہے یا نہیں؟	۵۴	قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور اوراک کی نسبت کرنے کی توجیہ		
۴۳۹	کافروں کو گمراہی پر پیدا کرنے کا معنی	۵۵	عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال		
۴۴۰	آیات سابقہ سے ارتباط	۵۶	عقل کے بارے میں ائمہ مذہب کے اقوال		
۴۴۱	مشکل الفاظ کے معانی	۵۷	کفار کا جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونا		
۴۴۲	وقت وقوع قیامت کو عقلی دیکھنے کی حکمت	۵۸	آیت سابقہ سے ارتباط		
۴۴۳	علم قیامت کے متعلق لوگوں کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات	۵۹	اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی		
۴۴۴	نہی منکر کا علمائے قیامت کی خبر دینا	۶۰	اسم مسی کا معنی ہے یا غیر		
۴۴۵	رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق علماء اسلام کے نظریات	۶۱			
۴۴۶	رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح	۶۲			

[illegible]

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۹	۲۸ جنگ بدر میں قتل ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار	۵۳۹	۸ سورۃ الانفال کے مقاصد	۵۳۹	۸ سورۃ الانفال کے مقاصد
۵۴۰	۲۹ جنگ بدر میں قتل ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء	۵۴۰	۹ مسئلہ لونک عن انفال (۱۰۰)	۵۴۰	۹ مسئلہ لونک عن انفال (۱۰۰)
۵۴۲	۳۰ غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق امام رازی کا تبدیل شدہ نظریہ	۵۴۲	۱۰ انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات	۵۴۲	۱۰ انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات
۵۴۳	۳۱ غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق مصنف کی تحقیق	۵۴۳	۱۱ مل غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف	۵۴۳	۱۱ مل غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف
۵۴۵	۳۲ ادبغشیکم الناس امنۃ منہ و یسرل علیکم (۱۰۱)	۵۴۵	۱۲ تنفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۵۴۵	۱۲ تنفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ
۵۴۶	۳۳ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چند انواع جس دن کی صبح جنگ ہوئی تھی اس رات مسلمانوں پر غنیمت کا طاری ہونا	۵۴۶	۱۳ تنفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۵۴۶	۱۳ تنفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ
۵۴۷	۳۴ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چند انواع جس دن کی صبح جنگ ہوئی تھی اس رات مسلمانوں پر اس رات غنودگی طاری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں	۵۴۷	۱۴ تنفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۵۴۷	۱۴ تنفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ
۵۴۸	۳۵ غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ اور بارش کا نزول	۵۴۸	۱۵ تنفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ	۵۴۸	۱۵ تنفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ
۵۴۹	۳۶ بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۵۴۹	۱۶ وجہ کا معنی	۵۴۹	۱۶ وجہ کا معنی
۵۵۰	۳۷ بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ تعالیٰ کی بقیہ چار نعمتوں کی تفصیل	۵۵۰	۱۷ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۵۰	۱۷ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات
۵۵۱	۳۸ رسول اللہ ﷺ کا مقتولین بدر سے خطاب فرمایا اور سماع موسیٰ کی بحث	۵۵۱	۱۸ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار	۵۵۱	۱۸ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار
۵۵۲	۳۹ سماع موسیٰ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ	۵۵۲	۱۹ ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق	۵۵۲	۱۹ ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق
۵۵۳	۴۰ سماع موسیٰ کے ثبوت میں بعض دیگر احادیث اور آثار	۵۵۳	۲۰ مل حرام سے نجات کے طریقے	۵۵۳	۲۰ مل حرام سے نجات کے طریقے
۵۵۴	۴۱ زحف کا معنی	۵۵۴	۲۱ میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں	۵۵۴	۲۱ میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں
۵۵۵	۴۲ میدان جنگ سے پہلے کی دو جائز صورتیں	۵۵۵	۲۲ کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف	۵۵۵	۲۲ کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف
		۵۵۵	۲۳ بحث مذکور میں فریقین کے درمیان محاکمہ	۵۵۵	۲۳ بحث مذکور میں فریقین کے درمیان محاکمہ
		۵۵۵	۲۴ "میں یقیناً مومن ہوں" کہنے کے دلائل	۵۵۵	۲۴ "میں یقیناً مومن ہوں" کہنے کے دلائل
		۵۵۵	۲۵ "میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنے کے دلائل کا تجزیہ	۵۵۵	۲۵ "میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنے کے دلائل کا تجزیہ
		۵۵۵	۲۶ بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا اس کا پس منظر اور پیش منظر	۵۵۵	۲۶ بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا اس کا پس منظر اور پیش منظر
		۵۵۵	۲۷ ابوسفیان کے قاتلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان	۵۵۵	۲۷ ابوسفیان کے قاتلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان
		۵۵۵	۲۸ غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑا گڑا کرنا	۵۵۵	۲۸ غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑا گڑا کرنا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دگنی یا اس سے کم ہو تو پھر مسلمانوں کا میدان سے بھاگنا جائز نہیں	۵۹۰	۶۰۶	خالصوں پر عذاب کے نزول میں صالحین کا شمول	۶۰۶
۳۵	میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت قیامت تک کیلئے عام ہے یا پھر پھر کے ساتھ مخصوص ہے	۵۹۱	۶۰۷	بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے نیکو کاروں کو عذاب کیوں ہوگا؟	۶۰۸
۳۶	مسلمانوں سے کفار بدر کے قتل کی نفی کے محال	۵۹۲	۶۰۸	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور شکر گزاری کرے	۶۰۹
۳۷	وصار میت اذرمیت کے شان نزول میں مختلف اقوال	۵۹۳	۶۰۹	اللہ اور رسول سے خیانت کی ممانعت کے شان نزول میں متعدد روایات	۶۱۰
۳۸	نبی ﷺ سے خاک کی مٹی پھینکنے کی نفی اور اثبات کے محال	۵۹۴	۶۱۰	حضرت ابولبابہ انصاری کی توبہ	۶۱۱
۳۹	معجزات کا مقدور ہونا	۵۹۵	۶۱۱	اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے محال	۶۱۲
۴۰	اچھی آنکھ کا معنی	۵۹۵	۶۱۲	امانت اور اکر کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۱۳
۴۱	اللہ نیک مسلمانوں کی نصرت اور حمایت فرماتا ہے بدکاروں کی نہیں	۵۹۶	۶۱۳	امانت اور اکر کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۴
۴۲	یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ (۲۸-۳۰)	۵۹۶	۶۱۴	مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا معنی	۶۱۵
۴۳	رسول اللہ کے حکم پر عمل کو واجب ہونا	۵۹۸	۶۱۵	مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۱۶
۴۴	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو واجب ہونا	۵۹۸	۶۱۶	مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق احادیث	۶۱۷
۴۵	اللہ تعالیٰ کی معلومات و احمیہ اور اس کی معلومات فرضیہ	۶۰۰	۶۱۷	یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ	۶۱۸
۴۶	فرض نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا واجب ہے مگر نفل نماز میں اس کے بلانے پر	۶۰۱	۶۱۸	یہ جعل لکم (۳۷-۳۹)	۶۱۹
۴۷	مسلمانوں کے حق میں کیا چیز حیات آفریں ہے	۶۰۲	۶۱۹	کبیرہ گناہوں کے اجتناب سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں	۶۲۰
۴۸	انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حامل ہونے کے محال	۶۰۳	۶۲۰	مومنوں اور کافروں کو دنیا اور آخرت میں فرق	۶۲۰
۴۹	بنو آدم کے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کا معنی	۶۰۴	۶۲۱	جب نبی ﷺ نے دنیا میں گناہگاروں کے لیے شفاعت کر دی ہے تو آخرت میں شفاعت کیوں ہوگی؟	۶۲۱
۵۰	رجحان کے دو انگلیوں سے کیا مراد ہے	۶۰۵	۶۲۱	اللہ تعالیٰ کا فضل	۶۲۱
			۶۲۱	کفار قریش کا نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کرنا	۶۲۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۸	اللہ تعالیٰ کا کفار کی سازش کو ناکام کر کے آپ کو ان کے زعم سے نکل لانا	۳۱	۳۸	واعلموا انما غنمتم من شئی	۳۸
۷۹	غزینہ الحارث کے مجموعہ نمونے	۳۲	۳۸	ربہ مضمون	۳۸
۸۰	کسی قوم میں جیساں کافی موجود ہو تو اس قوم پر عذاب نہیں آتا	۳۶	۳۸	نقل تفسیل اور سلب کی مختصر تشریح	۳۸
۸۱	کفار کے استغفار کی متعدد تفسیر	۳۶	۳۸	حق کا معنی	۳۸
۸۲	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۳۷	۳۹	مال قیمت کی تعریف	۳۹
۸۳	جلیل صوفیاء کے قصیدہ سرود پر علامہ قرطبی کا تبصرہ	۳۷	۳۹	فہم کی تقسیم میں فقہاء شافعیہ کا موقف	۳۹
۸۴	قل للذین کفروا (۳۸-۴۰)	۳۹	۴۰	فہم کی تقسیم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف	۴۰
۸۵	سابقہ آیات سے ارتباط اور شکن نزول	۳۹	۴۱	فہم کی تقسیم میں فقہاء مالکیہ کا موقف	۴۱
۸۶	ایمان لانے سے سابقہ گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل	۴۰	۴۱	فہم کی تقسیم میں فقہاء احناف کا موقف	۴۱
۸۷	کافر کے سابقہ گناہوں کے بخشے میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم	۴۲	۴۲	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۴۲
۸۸	زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۴۲	۴۲	شیخ بدیع میں سید عالم علیہ السلام کی دلیل نبوت	۴۲
۸۹	زندیق کا معنی اور مضمون	۴۳	۴۲	کفار کی تعداد کو کم کھانے کی حکمت	۴۲
۹۰	زندیق 'منافق' دہری اور طرد کی تعریفوں کا بھی فرق	۴۳	۴۵	مسلمانوں کی تعداد کو کم کھانے کی حکمت	۴۵
۹۱	زندیق کی توبہ اور اس کو قتل کرنے کے شرعی احکام	۴۳	۴۲	یا ایہا الذین امنوا اذالغیتکم	۴۲
۹۲	زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے الگ الگ محمل	۴۳	۴۲	فۃ (۴۵-۴۸)	۴۵
۹۳	زندیق کی توبہ قبول ہونے پر لہام رازی کے دلائل اور تحقیق مقام	۴۵	۴۳	آیات سابقہ سے ارتباط	۴۶
۹۴	حق کا معنی	۴۶	۴۳	دشمن سے مقابلہ کی ترناکی ممانعت کے متعلق احادیث	۴۶
۹۵	صرف جبرہ و عرب سے کفر کا تلبہ ختم کرنا مقصود ہے یا پوری دنیا سے	۴۶	۴۳	دشمن اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت اور اجر و ثواب	۴۷
			۴۳	دوران قتل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث	۴۷
			۴۳	دوران قتل ذکر کے متعلق علماء کے اقوال	۴۸
			۴۵	اختلاف رائے کی بناء پر مخالفت نہ کی جائے	۴۹
			۴۶	مسلمانوں کے ذوال کا سبب و حدت ملی کو پارہ پارہ کرنا ہے	۵۰
			۴۷	مشکل الفاظ کے معانی	۵۱
			۴۸	غزوہ ریا کی مذمت	۵۱

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۶۶۵	ہے	۶۵۲	ایلیس کا سراقہ کی شکل میں آکر کفار کو سکاتا	۱۹
۶۶۷	جلو کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی فضیلت	۶۵۲	ایلیس کو سراقہ کی شکل میں مشکل ہونے کی	۲۰
۶۶۸	لور اس دور میں ان کا مصداق	۶۵۳	قدرت دینے کی حکمت	
۶۶۹	مظلوم و شمنوں کا مصداق	۶۵۵	اذ یقول المسفقون (۵۸-۴۹)	۲۱
۶۷۰	دشمن اسلام کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کی	۶۵۶	مستولین بدر کی بوقت موت کیفیت	۲۲
۶۷۱	حکمت	۶۵۶	غذا اب کے مستحق کو غذا بندہ کی بھی جائز ہے	۲۳
۶۷۲	جلو کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۵۷	اللہ کسی زندہ پر کوئی ظلم نہیں کرتا	۲۴
۶۷۳	جلو کی فضیلت کے متعلق احادیث	۶۵۷	کفار بدر کا متبعین فرعون کے مماثل ہوتا	۲۵
۶۷۴	جلو کی حکمت اور اس سوال کا جواب کہ کافروں کو	۶۵۷	اہل مکہ پر اللہ کی ان نعمتوں کا بیان جن کی انہوں	۲۶
۶۷۵	قتل کرنا اللہ اور رسول کی رحمت کے منافی ہے	۶۵۸	لے کر شہر کی	
۶۷۶	جلو کے فرض میں ہونے کی صورتیں	۶۵۸	جو قوم خود کو کسی نعمت کا مال ثابت کرتی ہے اللہ	۲۷
۶۷۷	جلو کے فرض کفایہ ہونے کی صورتیں	۶۵۹	اس نعمت کو غذا اب سے بدل دیتا ہے	
۶۷۸	جلو کے مباح ہونے کی شرائط	۶۵۹	اس آیت کا پہلی آیت کی تفصیل ہوتا	۲۸
۶۷۹	جلو کے وجوب کی شرائط	۶۶۰	بنو قریظہ کی عہد شکنی	۲۹
۶۸۰	اہل غنیمت کی تقسیم کی تفصیل اور جنگی قیدیوں کو	۶۶۰	مشکل الفاظ کے معانی	۳۰
۶۸۱	فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق مذاہب	۶۶۰	فریق ہلالی کی عہد شکنی کی وجہ سے معاہدہ ختم	۳۱
۶۸۲	فقہاء	۶۶۰	کرنے کی صورتیں	
۶۸۳	جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے	۶۶۱	مسلمانوں کے سر پر لوہی عہد شکنی زیادہ مذموم اور	۳۲
۶۸۴	متعلق احادیث	۶۶۱	زیادہ بڑا گناہ ہے	
۶۸۵	جنگی قیدیوں کے فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے پر	۶۶۲	ولا یحبسبن الذین کفروا	۳۳
۶۸۶	مباحب ہوا یہ کے اعتراض کا جواب	۶۶۲	سبقوا (۵۹-۷۳)	
۶۸۷	کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو کوٹہڑی اور	۶۶۳	ربط آیات اور شان نزول	۳۴
۶۸۸	غلام بنانا جائز ہے؟	۶۶۳	ربط آیات	۳۵
۶۸۹	دشمن سے صلح کرنے کا حکم آیا منسوخ ہے یا نہیں	۶۶۳	خیر اندازی کے فضائل	۳۶
۶۹۰	دشمن سے صلح کرنے یا صلح نہ کرنے کے الگ	۶۶۳	اس دور میں خیر اندازی کے مصداق ایسی	۳۷
۶۹۱	الگ محل	۶۶۳	میزائل ہیں	
۶۹۲	دشمن کی نیت فاسد ہونے کے بلوجود صلح کا جواز	۶۶۳	ایسی ہتھیار بنانے کے لیے تیار کرنا اور اس کے	۳۸
۶۹۳	اسلام کی نعمت سے عرب کے مخالفہ حضروں کا	۶۶۳	لے سائنسی علوم حاصل کرنا افضل ترین عبادت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵۷	باہم شہر و شکر ہو جانا	۶۸۶	۷۸۶	مے متاثر ہو کر حضرت عباس کا مسلمان ہونا	۷۰۲
۱۵۸	عارضی اور قتل محبت اور دائمی اور باقی محبت کے	۶۸۷	۷۸۷	بدور کے قیدیوں سے جو مال غنیمت لیا گیا تھا	۷۰۳
۱۵۹	مبادی اور اسباب	۶۸۸	۷۸۸	مسلمان ہونے کے بعد ان کو اس سے زیادہ مال	۷۰۴
۱۶۰	صحابہ کرام کی باہمی محبت کا سبب	۶۸۹	۷۸۹	مل جانا	۷۰۵
۱۶۱	حضرت عمر حب اسلام لائے تو مسلمانوں کی کتنی	۶۹۰	۷۹۰	اللہ تعالیٰ کا علم ہامنی "مال اور مستقبل تمام زمانوں	۷۰۶
۱۶۲	تعدلو تھی؟	۶۹۱	۷۹۱	کو محیط ہے	۷۰۷
۱۶۳	یا ایہا النبی حرّض البیٹھ منین	۶۹۲	۷۹۲	اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ ﷺ سے کفار کی	۷۰۸
۱۶۴	علی القتال (۶۸-۶۹)	۶۹۳	۷۹۳	خیانت کا بیان	۷۰۹
۱۶۵	مسلمانوں پر تخفیف کر کے مشکل حکم کو منسوخ	۶۹۴	۷۹۴	عہد رسالت میں مومنین کی چار قسمیں	۷۱۰
۱۶۶	کرتا	۶۹۵	۷۹۵	مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر	۷۱۱
۱۶۷	کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی	۶۹۶	۷۹۶	فضیلت	۷۱۲
۱۶۸	وجوہات	۶۹۷	۷۹۷	مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا	۷۱۳
۱۶۹	مشکل الفاظ کے معانی	۶۹۸	۷۹۸	شروع پھر منسوخ ہونا	۷۱۴
۱۷۰	بدور کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا	۶۹۹	۷۹۹	ولایت کا معنی	۷۱۵
۱۷۱	صحابہ کرام سے مشورہ کرتا	۷۰۰	۸۰۰	کفار سے معاملہ کی پابندی کرتے ہوئے	۷۱۶
۱۷۲	مال دنیا کی طرح کی وجہ سے بعض صحابہ پر عتاب	۷۰۱	۸۰۱	دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرتا	۷۱۷
۱۷۳	نازل ہوا نہ کہ رسول اللہ ﷺ پر فدیہ کو ترجیح	۷۰۲	۸۰۲	دو مختلف باتوں کے سامنے والوں کے مابین دوستی	۷۱۸
۱۷۴	دینے کی وجہ سے	۷۰۳	۸۰۳	اور وراثت جائز نہیں	۷۱۹
۱۷۵	عقاب کی دوسری وجہ بلا اجازت مال غنیمت لینا	۷۰۴	۸۰۴	مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف	۷۲۰
۱۷۶	ہے	۷۰۵	۸۰۵	ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف	۷۲۱
۱۷۷	بدور کے قیدیوں کو آزاد کرنے کے وجوہات	۷۰۶	۸۰۶	النوع اعلیٰ	۷۲۲
۱۷۸	مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی	۷۰۷	۸۰۷	ہجرت کے مختلف معانی	۷۲۳
۱۷۹	قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل	۷۰۸	۸۰۸	ہجرت کے مختلف النوع اعلیٰ میں تطبیق	۷۲۴
۱۸۰	بدور میں بلا اذن مال غنیمت لینے کے بلو جو عذاب	۷۰۹	۸۰۹	فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی	۷۲۵
۱۸۱	نہ آنے کا سبب کیا تھا؟	۷۱۰	۸۱۰	وجوہات	۷۲۶
۱۸۲	یا ایہا النبی قل لمن فی	۷۱۱	۸۱۱	دار الکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم	۷۲۷
۱۸۳	ابدیہکم من الاسری (۷۵-۷۶)	۷۱۲	۸۱۲	ہجرت کی اقسام	۷۲۸
۱۸۴	بدور میں رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبر دینے	۷۱۳	۸۱۳	ہجرت الی اللہ کی توضیح	۷۲۹

تبر شمار	عنوان	صفحہ	تبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۹	ذوالارحام کی تعریف ان کے مصلوق اور ان کی				
	وراثت کے ثبوت میں احوال	۷۱۸			
۱۹۰	اختصاصی کلمات اور دعا	۷۱۸			
۱۹۱	مآخذ و مراجع	۷۲۱			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبليغا لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواء فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتنصيبه المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اسماءه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماؤه اجمة اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتبعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلنى في تبليان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واحص منى عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيف المعاندين في تقرير اللهم الحق فى قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبليان القرآن رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا مستفيضاً ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الآخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يا رب العالمين

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستثنیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں۔ کولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے۔ 'مور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کال اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اہل بیت اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما۔ اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر قرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا۔ اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نیا ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو فعلیات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الْأَعْرَافِ

(۷)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الاعراف

سورت کا نام

زیادہ مشہور اور محقق یہ ہے کہ اس سورت کا نام "الاعراف" ہے۔ علامہ سید محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ عرف سے ملتا ہے اس کا معنی بلندی ہے اور اس کا معنی جتنا نور پہچانتا بھی ہے۔ الاعراف جنت اور دوزخ کی درمیانی سرحد کا نام ہے۔ اصحاب الاعراف کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے دوزخ کے مستوجب نہ ہوں اور برائیوں کی وجہ سے جنت کے مستحق نہ ہوں پس وہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب میں ہوں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچاننے والے ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف انبیاء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف ملائکہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔
وَسَادَىٰ اصْحَابِ الْأَعْرَافِ (الاعراف: ۴۸)
اصحاب الاعراف نے ندا کی۔

(تاج العروس ج ۶ ص ۱۹۳، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

اس سورت کا نام الاعراف اس لیے ہے کہ اس سورت میں الاعراف کا ذکر ہے:

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ عَلٰی الْأَعْرَافِ رِجَالٌ
يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسُيُوفِهِمْ وَرِثَادًا اَصْحَابُ
الْجَنَّةِ اَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَمِنْهُمْ بَدِخْلٌ هَا وَهُمْ
يَقُطَعُونَ (الاعراف: ۴۶)
اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک حجاب ہے اور
الاعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو جنتیوں اور دوزخیوں میں سے
ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ جنتیوں کو پکار
کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں
داخل نہیں ہوں گے اور وہ اس کے امیدوار ہوں گے۔

حدیث میں بھی اس سورت کو سورت الاعراف سے تعبیر فرمایا ہے۔

عروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم مغرب کی نماز میں قنار
منفصل (سورہ البقرہ: ۹۸) سے لے کر آخر قرآن تک چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو اعلانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی

نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مردان نے کہا میں نے پوچھا بڑی بڑی سورتیں کون سی ہیں؟ حضرت زید نے کہا: الاعراف اور دوسری الانعام ہے۔ حدیث کے راوی ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں میں نے ان سے خود پوچھا تو انہوں نے فرمایا المائدہ اور الاعراف۔

(سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۸۱۲، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۶۳، سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۹۸۹) سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سورتیں جن میں ایک سویا اس سے زیادہ آیتیں ہیں ان کو السبع الطوال کہا جاتا ہے وہ یہ ہیں البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور الاصل اور جن سورتوں میں ایک سو آیتیں ہوں ان کو ذوات المسین کہتے ہیں اور جن میں اس سے کم آیات ہوں ان کو مثنی کہتے ہیں اور ان کے بعد مفصل ہیں۔ سورہ الحجرات سے البروج تک طوال مفصل ہیں اور البروج سے الینہ تک اوساط مفصل ہیں اور الینہ سے آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

(اور مختار درر المختار ج ۱، ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام المع ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مردان سے فرمایا: اے عبد الملک کیا تم (ایمیش) مغرب میں قل هو اللہ احد اور انا اعطینک الکونین پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے قسم کھا کر فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ المع۔

(سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۹۸۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) لیکن مشہور اور محقق قول یہی ہے کہ اس سورت کا نام الاعراف ہی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الاعراف کو پڑھا اور اس کو دو رکعتوں میں تقسیم کیا۔ (سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۹۹۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) الاعراف کا معنی اور مضائق

علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف العرف کی جمع ہے اور اس کا معنی بلند جگہ ہے۔ البتہ یحییٰ بن آدم نے کہا: کہ میں نے کسلی سے اس کے واحد کے متعلق پوچھا تو وہ خاموش رہے۔

(الجامع للحکام القرآن ج ۸، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عامریان کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بھی ہوں اور گناہ بھی ہوں۔ ان کے گناہ ان کو جنت سے روک دیں اور ان کی نیکیاں ان کو دوزخ سے روک لیں۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے حتیٰ کہ اللہ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ پھر ان کے درمیان اپنا حکم جاری فرمائے گا۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔ اللہ فرمائے گا میرے فضل اور میری بخشش سے جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر آج نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ تم مغموم ہو گے۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کا ایک گناہ بھی نیکیوں سے زیادہ ہو وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا اور جس شخص کی ایک نیکی بھی اس کے گناہوں سے زیادہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ مِمَّنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ حَقَّتْ
مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ حَسِبُوا أَنفُسَهُمْ
يَسْتَكْبَرُونَ ۝ (الاعراف: ۷-۸)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے پس جن کی
نیکوں کے پلڑے ہماری ہوئے تو وہی کامیاب ہوئے والے
ہیں ۝ اور جن کی نیکوں کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ وہ لوگ
ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا کیونکہ وہ ہماری
آنکھوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ایک رائی کے دانہ کے برابر وزن سے بھی میزان کا پلڑا جھک جاتا ہے اور فرمایا: جس شخص کی نیکیاں اور گناہ برابر
ہوں وہ اصحاب الاعراف میں سے ہو گا۔ ان کو پل صراط پر ٹھہرا دیا جائے گا پھر وہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو پہچان لیں گے۔ جب وہ
اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے سلام علیکم اور جب اہل جنت کی نظریاں ان کی طرف پھیری جائے گی تو وہ اہل دوزخ کو
دیکھیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا اور دوزخیوں کے ٹھکانوں سے اللہ کی پناہ چاہیں
گے اور جو نیکوں والے ہوں گے ان کو ان کی نیکوں کا نور دیا جائے گا وہ اس نور کی روشنی میں اپنے سامنے اور اپنے آگے چلیں
گے اس دن ہر بندے اور ہر بندی کو نور دیا جائے گا اور جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو اللہ ہر منافق اور ہر منافقہ کا نور سلب فرما
لے گا اور جب اہل جنت منافقوں کا محل دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارا نور عمل کر دے۔ اور رہے اصحاب
الاعراف تو ان کا نور بھی ان کے سامنے ہو گا اور ان سے چھینا نہیں جائے گا اور اس موقع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول
نقل فرمایا ہے: وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اس کے امیدوار ہیں۔ (الاعراف: ۴۶) حضرت ابن سعد نے
فرمایا: جب بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب وہ ایک برائی کرتا ہے تو اس کی صرف ایک برائی
لکھی جاتی ہے پھر فرمایا: جس کی دس نیکوں پر ایک گناہ غالب آ گیا وہ ہلاک ہو گیا (یعنی جس کی نیکوں کو دس سے ضرب دینے کے
بلوجود اس کے گناہ زیادہ ہوئے) عبد اللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے اور
اصحاب الاعراف اس جگہ ہوں گے حتیٰ کہ جب اللہ ان کو عافیت میں لینا چاہے گا تو ان کو ایک دریا کی طرف لے جائے گا جس کو
حیات کہا جاتا ہے اس کے دونوں کنارے سونے کے سرکنڈے ہیں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے ان
کو اس دریا میں ڈالا جائے گا حتیٰ کہ ان کا رنگ سفید چمک دار ہو جائے گا پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمائے گا تم جو چاہو تمنا
کو پھر وہ تمنا کریں گے اور جب ان کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ ان سے فرمائے گا تم نے جو تمنائیں کی ہیں تم کو وہ بھی
ملیں گی اور ان کا ستر گنا اضافہ بھی ملے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے در آنحالیکہ ان کے سینوں پر سفید قل ہوں گے جن سے وہ
پہچانے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا یہ جنت کے مساکین ہیں۔

(جامع البیان ۸: ۷۷، ص ۲۵۱-۲۵۹، ملتقطاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۷۷۸ھ نے لکھا ہے کہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے: الاعراف پل صراط پر ایک بلند جگہ ہے۔ اس پر حضرت
عباس، حضرت حمزہ، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ وہ اپنے محبت کرنے والوں کو
پہچان لیں گے جن کے چہرے سفید ہوں گے اور ان سے بغض رکھنے والوں کو بھی پہچان لیں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور
زہراوی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہر امت کے نیک لوگ ہوں گے جو لوگوں کے اہل پر گواہ ہوں گے۔ نحاس نے اسی قول کو اختیار
کیا ہے۔ یہ لوگ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار پر ہوں گے زجلج نے کہا یہ انبیاء ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ
ہیں جن کے صغیرہ گناہوں کا دنیا میں تکلیفوں اور مصیبتوں سے کفارہ ادا نہیں ہوا اور ان کے کبیرہ گناہ نہیں ہوں گے۔ ان کو جنت

میں جانے سے روک لیا جائے گا تاکہ ان کو غم ہو جو ان کے صفائے کے مقابلہ میں ہو۔ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے یہ تمنا کی تھی کہ وہ اصحاب الاعراف میں سے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں جو لوگوں کو جنت اور دوزخ میں داخل کرنے سے پہلے مومنوں اور کافروں کو ممتاز کریں گے یہ ابو جہل کا قول ہے۔ ابن پر اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاعراف کو رجل کہا ہے اور فرشتوں کو رجل نہیں کہا جاتا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ فرشتے مذکر ہیں مونث نہیں ہیں اس لیے ان پر رجل کا اطلاق بعید نہیں ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے اور بھی کئی اقوال لکھے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ۸ ج ۸ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الاعراف کی آیتوں کی تعداد اور ان کی صفات

یہ سورت بلا تعلق مکی ہے اور اس کی دو سو چھ آیتیں ہیں۔ امام رازی 'علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی آٹھ آیتیں مدنی ہیں۔ آیت ۱۳۳ سے لے کر آیت ۱۸۳ تک جو مسلسلہم عن الفریۃ سے شروع ہوئی ہیں نیز امام رازی نے لکھا ہے یہ سورت 'سورت م' کے بعد نازل ہوئی ہے۔

حضرت جابر بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے اسیسویں سورت ہے۔ اور سورہ م کے بعد اور سورہ جن سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ متحدہ رجل نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس سے کوئی آیت مستثنیٰ نہیں ہے۔ (روح المعانی ۸ ج ۸ ص ۸۲)

اس سورت کی تمام آیات مکہ میں ہیں۔ البتہ ابن زید کے نزدیک اس سورت کی حسب ذیل دو آیتیں منسوخ ہیں:

وَأْمُرْهُمْ إِذَا كَبُرُوا بِكَ بَغْيًا عَنِ الْإِعْرَافِ (الاعراف: ۱۸۳) اور میں انہیں ملت دیتا ہوں 'بے شک میری فقیہ تدبیر بہت بڑی ہے۔

اس آیت کو منسوخ قرار دینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں خبر ہے اور نسخ انشاء (احکام) میں ہوتا ہے۔ خبر کو منسوخ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ظلم خبر دی تھی اور اب صحیح خبر دی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور احکام میں نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک آیت میں ایک حکم مطلق بیان فرمایا تھا اور اب دوسری آیت میں اس حکم کی مدت یا استثناء کو بیان فرمادیا اور نسخ کا معنی اس حکم کی مدت یا استثناء کا بیان ہے۔ اس لیے احکام میں نسخ جائز ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

حُلُو الْعَفْوِ وَ أَمْرٌ بِالْعُرْفِ وَ آخِرُ ضَعْفِ الْحَبِيلِينَ (الاعراف: ۱۸۴)

معاف کرنا عفو اور نیکی کا حکم دینے اور جاہلوں سے منہ پھیر لینے۔

اس آیت کے متعلق سعدی اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت 'آیت جملہ سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کفار سے قتل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں نبی ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ نبی ﷺ کفار اور مشرکین اور دیگر فاسق اور فاجر کی باطل باتوں اور فحش حرکتوں سے طول خاطر نہ ہوں۔ آپ ان کی غیبتوں کے بلوغت ان کے ساتھ نرم سلوک کرتے تھے۔ ان کی بدی کا جواب نیکی سے اور ان کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دیتے تھے اور اسی پاکیزہ میرت پر برقرار رہنے کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ سورۃ الاعراف کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

الاعراف الانعام سے زیادہ طویل ہے کیونکہ الانعام ایک پارہ کی ہے اس میں ۲۰ رکوع اور ۱۷۵ آیتیں ہیں۔ اور الاعراف سو پارہ کی ہے اس میں چوبیس رکوع اور ۲۰۶ آیتیں ہیں۔
سورۃ الاعراف کا زمانہ نزول

علامہ ابن عاشور نے لکھا ہے کہ میں اس پر مطلع نہیں ہو سکا کہ سورۃ الاعراف کے نزول کی صحیح تاریخ کیا ہے۔ جابر بن زید سے مروی ہے کہ یہ سورت سورۃ جن سے پہلے اور سورۃ ص کے بعد نازل ہوئی ہے اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورۃ جن ابتدا اسلام میں نازل ہوئی ہے جب سیدنا محمد ﷺ کی دعوت کا ظہور ہوا تھا اور یہ ایام حج کا موقع تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جارہے تھے اور یہ علابا بخت کا دور سراسل تھا۔ اور میں یہ ممکن نہیں کرتا کہ سورۃ اعراف اس مدت میں نازل ہوئی تھی کیونکہ سات طویل سورتیں بخت کے ابتدائی دور میں نازل نہیں ہوئیں۔ (التحریر والاشور، ج ۸، ص ۸۰۷)

اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہے جس زمانہ میں سورۃ الانعام نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ہم اب سورت کے مضامین اور مقاصد کو بیان کر رہے ہیں جن پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سورت کی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔
سورۃ الاعراف کے مضامین اور مقاصد

کئی سورتوں میں سورۃ الاعراف سب سے لمبی سورت ہے۔ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں اور اس میں عجیب اور تہذیب کا رنگ نمایاں ہے۔ اس کے مضامین اور مقاصد کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس سورت کو اس عنوان سے شروع کیا گیا ہے کنسب انزل الیک (الآیہ) یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ لہذا آپ کے دل میں اس سے تکلیف نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے فیضیت ہے۔ (الاعراف ۲) یہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی معجزہ ہے اور قیامت تک کے لیے آپ کی نبوت پر دلیل ہے۔ کیونکہ چیلنج کے بلوجود کوئی شخص اس کی کسی سورت یا آیت کی نظیر نہیں لاسکا۔ سو پہلے آپ کی رسالت پر دلیل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد پیغام رسالت کا ذکر فرمایا اور توحید اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔

۲۔ اس سورت کی آیت ۱ سے آیت ۲۷ تک حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر ہے اور فرشتوں کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور شیطان کے تکبر کرنے اور حضرت آدم کے ساتھ اس کی دشمنی اور اس کے رائدہ درگاہ ہونے کا بیان ہے۔ حضرت آدم کی جنت سے ہجرت اور ابن کاظمین پر نزول ذکر فرمایا ہے۔

۳۔ اس سورت کی آیت ۳۵ میں وحی رسالت کا بیان ہے۔ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تم سے میری آیتوں کا بیان کریں تو جس نے تعوی اور نیکی کو اختیار کیا تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۴۔ اس سورت کی آیت ۳۶ سے آیت ۴۱ تک مشرکین اور مکذبین کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا۔ کفار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان نہ لانے کے جو باطل عذر بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا جو جواب دیا جائے گا اس کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے عذاب کا بیان فرمایا ہے۔

۵۔ اس سورت کی آیت ۴۲ سے آیت ۴۵ تک آخرت میں خصوصاً حشر کے دن مومنین کے حالات اور ابن کاہل دوزخ سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۴۶ سے آیت ۴۹ تک اہل اعراف کا ان سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۵۰ سے آیت ۵۴ تک

اہل دوزخ کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔

۶۔ اس سورت کی آیت ۵۳ سے آیت ۵۸ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی وحدانیت پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور اس ضمن میں اپنی عطا کردہ نعمتوں سے استدلال فرمایا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرماتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج چاند اور ستاروں کا سفر ہوتا اور زمین سے پھلوں کو پیدا فرماتا اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور انسانوں کو اس کائنات سے فوائد حاصل کرنے کا جو اختیار عطا فرمایا ہے اور اس کو دیگر مخلوقات پر جو فضیلت عطا فرمائی ہے یہ تمام نعمتیں انسانوں کو یاد دلانی ہیں۔

۷۔ اس سورت کی آیت ۵۹ سے آیت ۱۱۱ تک انبیاء سابقین علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آیت ۵۹ سے آیت ۶۴ تک حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا ان کی قوم نے اس کا کیا جواب دیا اور پھر ان پر جو غریبوں کا عذاب آیا آیت ۶۵ سے آیت ۷۲ تک حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کے پیغام کو مسترد کرنے پر ان کی قوم کے اوپر عذاب بھیجے گا ذکر ہے۔ آیت ۷۳ سے آیت ۷۹ تک حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کیا اور ان کی نوٹنی کی کو نہیں کٹ ڈالیں اور پھر ان پر عذاب آیا۔ آیت ۸۰ سے آیت ۸۴ تک حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے منع فرمانے کے بلوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ آیت ۸۵ سے آیت ۱۰۲ تک حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ہپ تول میں کمی کرنے میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے منع کرنے کے بلوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ اس قصہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اطوار سے مشرکوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آیت ۱۰۳ سے آیت ۱۱۱ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طویل قصہ بیان فرمایا ہے۔ ان کے معجزات فرعون کے دربار میں ان کا جلنا فرعون کے ساتحوں پر غالب آنا بنو اسرائیل کی فرعون سے نجات اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے مقابلہ میں ان کی سرکشی ان تمام امور کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ان آیتوں کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے بھی خطاب ہے اور سابقہ قوموں کی سرکشی کی وجہ سے ان پر جو عذاب آیا اس سے اہل مکہ کو ڈرایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت دی ہے اور آپ کے دین اور آپ کی امت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۸۔ آیت ۱۱۲ سے آیت ۲۰۶ تک اہم امور یہ ہیں: آیت ۱۱۲ سے آیت ۱۱۴ تک اولاد آدم سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔ آیت ۱۱۵-۱۱۷ میں علیہم باہور کا ذکر ہے۔ آیت ۱۱۸-۱۲۱ تک گزشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا کفار کی شکوت اور محرومی اور کفار کو ذمہ دینی کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۱۲۲-۱۲۸ تک وقوع قیامت کا علم اور علم غیب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۱۲۹-۱۳۰ سے دوبارہ انسان کی پیدائش اور حضرت آدم اور حضرت حواء کا ذکر ہے۔ آیت ۱۳۱-۱۳۸ تک شرک کا تفصیل سے رد فرمایا ہے۔ آیت ۲۰۶-۲۰۹ تک مکارم اخلاق شیطان کے افواء سے بچنے کا اتباع وحی اور رجوع الی اللہ کا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی باہمی مناسبت

۱۔ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ جو امور سورۃ الانعام میں اجمالاً بیان کیے گئے ان کو اس سورت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً انبیاء سابقین علیہم السلام کا الانعام میں اجمالاً ذکر تھا اس سورت میں ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے گویا کہ سورۃ الانعام بہ منزلہ متنبی ہے اور سورۃ الاعراف بہ منزلہ شرح ہے۔

۲۔ سورۃ الانعام میں اجمالاً فرمایا تھا ہوا الذی علفکم من طین (الانعام: ۳) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس سورت میں بت تفصیل سے بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس طرح پیدا ہوئے اور اولاد آدم سے مینشأ لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

۳۔ سورۃ الانعام میں فرمایا تھا کتب علی نفسه الرحمة (الانعام: ۴) اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے اور اس سورت میں اس رحمت کو تفصیل سے بیان فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكُنْهَا
لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ
يَأْتِيَنَا يُمْسُونَ۔ (الاعراف: ۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے سو میں دنیا اور آخرت کی
بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور
زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آجوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۴۔ الانعام کے آخر میں فرمایا تھا:

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ
(الانعام: ۵۳)

اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے لہذا اس پر چلو۔

اور اس سورت کے اول میں اس سیدھے راستہ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ
حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ
اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن
دُونِهِ أَوْلِيَاءَ۔ (الاعراف: ۵۳)

یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے سو آپ
کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے غلی نہ ہو تاکہ آپ اس کے
ساتھ ذرائع اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے (اے
لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری
طرف نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (اپنے) دوستوں کی
پیروی نہ کرو۔

۵۔ الانعام میں فرمایا تھا:

نُمَّا إِلَيْ رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا
كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔ (الانعام: ۵۴)

پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹا ہے تو وہ تمہیں اس چیز کی
خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اور اس سورت کے شروع میں اس دن کے احوال کی تفصیل بیان فرمائی:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ
الْمُرْسَلِينَ ۚ فَلَنَسْأَلَنَّ عَنْهُمْ بَعْثُهُمْ وَمَا
كُنَّا عَنْآيِبِينَ ۚ (الاعراف: ۶۷)

تو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور
سوال کریں گے اور ہر ایک ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال
کریں گے اور ہم ان پر ان کے احوال اپنے علم سے ضرور بیان
کریں گے اور ہم (ان سے) غائب نہ تھے۔

۶۔ سورۃ الانعام میں فرمایا تھا:

مَنْ حَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا وَمَنْ
حَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُخَفِّرُ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ۚ (الانعام: ۱۰۶)

جو شخص ایک نیک لے کر آئے تو اس کے لیے اس کی مثل دس
نیکیاں ہیں اور جو شخص برائی لے کر آئے تو اسے صرف اسی ایک
برائی کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور نیک اعمال پر جزاء اور برے اعمال پر سزا میزان پر ٹکیوں اور برائیوں کے وزن کرنے کے بعد مرتب اور متعین ہوگی اور وزن کرنے کا بیان سورۃ الاعراف میں ہے:

وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ مِمَّنْ نَّقَلْتَ مَوَازِينَهُ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ حَقَّتْ
مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ
يَسَاءَ كَانُوا بِآيَاتِنَا يَتَذَكَّرُونَ ۝ (الاعراف ۸۹)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے پھر جن کی
ٹکیوں کے پلے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہوئے والے
ہیں ۝ اور جن کی ٹکیوں کے پلے ہلکے ہوئے تو یہ وہی ہیں
جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا کیونکہ وہ ہماری
آیتوں کے ساتھ غلم کرتے تھے ۝

یہ چند وجوہ سورۃ الانعام اور الاعراف میں ہام ربط اور مناسبت کی ہیں جو خاتم الحفظ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی
نکلت آفرینی سے ماخوذ ہیں۔ سورۃ الاعراف کے تعارف میں یہ چند ضروری امور بیان کرنے کے بعد ہم اب اس سورت کی تفسیر
شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سورت اور باقی تمام سورتوں کی تفسیر میں میری غیب سے مدد فرمائے مجھے غلطیوں اور لغزشوں
سے محفوظ اور مامون رکھ اور مجھے صراطِ مستقیم پر قائم اور ہر قرار رکھ اور مجھے وہ مضامین القافرا جو حق اور صواب ہوں اور تیری
رضا اور تحریے رسول ﷺ کی خوشنودی کا موجب ہوں۔

سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ قَدْ هِيَ مِائَتَانِ وَبِسِتِّ آيَاتٍ وَارْبَعٍ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ الاعراف مکی ہے اس میں دو سو چھ آیتیں اور چھ بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے ۝

الْمَنْصُورُ ۝ كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي مَضْرِكٍ حَرْجٍ

ان آیت میں ۝ یہ عظیم کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تکل نہ ہو

مِّنْهُ لِيَتَذَكَّرَ بِهِ وَذِكْرِيَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّنْ

سما کہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝ (اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب

رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝

کی جانب تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ۝

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَ هَابًا مُّسَابِقًا وَأُودِمُوا قَالِبُونَ ۝

اور کتنے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا، پس ان پر ہمارا عذاب (اجامہ) آچکا وقت آیا یا جس وقت وہ ہر کوئی بے ہوش تھے ۝

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

جب ان پر ہمارا غضب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ جب ہم ہی ظالم

ظالمین ۵ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ

تھے ۵ ہم ان لوگوں سے مزد باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم

الْمُرْسَلِينَ ۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۷

رواں ہی مزد پر بھیجے گئے ۷ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے، ہم غائب تو نہیں ہوتے ۷

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور اس دن اجمال کا وزن کرنا برحق ہے، وہی جن کی نیکیوں کے پڑے ہماری ہونے تو وہی

الْمُقْلِحُونَ ۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

کامیاب ہیں ۸ اور جن کی نیکیوں کے پڑے جگہ ہونے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے

أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۹ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ

دلے ہیں کیوں کہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے ۹ اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۱۰

اور تمہارے لیے اس (زمین) میں ابواب زیست فراہم کیے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ۱۰

التَّمِصُّ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْف لَام مِيم صَاد ۵ (الاعراف ۷)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بھی ان حروف مقطعات سے شروع فرمایا کہ ایک بار پھر یہ عجیب ہو کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور اس
چینچ کی طرف پھر اشارہ ہو کہ کوئی جن لوہ انسان قرآن مجید کی پھوٹی سے پھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لاسکتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام
ہے کیونکہ یہ قرآن عربوں کی لغت نور اللہ کے حروف محیی مثلاً الف لام ميم صلا وغیرہ سے مرکب ہے۔ اگر منکرین کے زعم کے مطابق
یہ کسی انسان کا کلام ہے تو ان ہی حروف سے مرکب کر کے وہ بھی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل کلام بنا کر لے آئیں کیونکہ یہ کلام
ان حروف حماء سے مرکب ہے جن سے تمام اہل عرب اپنے کلام کو مرکب کرتے ہیں اور جب بلوغت شدید مخالفت اور علوم و معارف کی
روز افزوں ترقی کے چوں صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی منکر اس کلام کی نظیر نہ لاسکا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ قرآن کسی
انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

شرک کرنے کا حکم دیا جس (شرک) پر میں نے کوئی دلیل نہیں قائم کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور اہل کتاب کے چند باقی لوگوں کے سوا تمام عرب اور عجم کے لوگوں سے ناراض ہوا اور اللہ نے فرمایا میں نے تم کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور تمہارے سبب سے (دوسروں کی) آزمائش کے لیے میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا۔ تم اس کو نیند اور بیداری میں پڑھو گے اور بے شک اللہ نے مجھے قریش کو جلائے کا حکم دیا ہے میں نے کہا اے میرے رب! وہ تو میرا سر پہاڑ دیں گے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دیں گے اللہ نے فرمایا ان کو اس طرح نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا ہے تم ان سے جملہ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے تم خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے تم ایک لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے۔ اپنے فرامیواروں کے ساتھ اپنے فرمانوں کے خلاف جنگ کرو۔ (الحديث)

(صحیح مسلم، صفحہ: ۶۳، (۲۸۶۵) ۷: ۷، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۸۰۷۰)

یہ حدیث اس آیت کی بہ منزلہ تفسیر ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ نبی ﷺ کو کفار اور مشرکین کی مخالفت اور ان کی ضرر رسانی کا خدشہ تھا اور آپ کو اس سے پریشانی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اور قرآن کریم کی تبلیغ اور اشاعت سے آپ کا دل تنگ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ کے ساتھ ہے لہذا آپ ان کی مخالفت کی بالکل پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا عمل یہ ہے کہ بلو جو بسیار کوشش اور پر زور تبلیغ کے مشرکین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے اور کفر، عناد اور سرکشی پر اصرار کرتے تھے۔ اس سے نبی ﷺ کو بے حد قلق اور رنج ہو تا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کے دل میں رنج اور تنگی نہ ہو تاکہ آپ کشلہ دلی اور پوری لگن کے ساتھ ان کو اس قرآن کے ذریعہ اخروی عذاب سے ڈراتے رہیں اس معنی کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

فَلْيَعْلِكُمْ بِآيَاتِنَا إِنَّكُمْ بِرُؤُوسِ الْكَاذِبِينَ
اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں فرما غم سے آپ جان دے دیں گے۔

(الکہف: ۱۷)

لَعَلَّكُمْ بَارِئِينَ مِنْكُمْ لَا يَبْغُوا عَلَيْكُمْ
(لگتا ہے) اگر وہ ایمان نہ لائے تو شاید آپ (فرما غم سے) جان دے دیں گے۔ (الشعراء: ۳)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور سدی سے اپنی اسانید کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں حرج تنگ کے معنی میں ہے یعنی آپ کے دل میں قرآن مجید کے متعلق تنگ نہ ہو۔

(جامع البیان، ۸: ۸۷، ص ۱۵۳-۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی رازی متوفی ۵۰۶ھ نے بھی حرج کی تفسیر میں اس معنی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تنگ کو حرج اس لیے کہتے ہیں کہ تنگ کرنے والے کے دل میں تنگی ہوتی ہے اس کے برخلاف یقین کرنے والے کو شرح صدر ہوتا ہے پھر اس کی تائید میں یہ آیت پیش کی ہے:

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ شَيْءٍ فَمَرُّوا إِلَى اللَّهِ فَيَسْئَلِ الَّذِينَ يَمْلِكُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اگر آپ (بہ فرض کمال) اس چیز کے متعلق تنگ میں ہوں جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ (یوسف: ۶۳)

ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی طرف قرآن مجید میں شک کرنے کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔ شک ایمان کے متعلق ہے اس لیے یہ محل ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کریں۔ علاوہ ازیں نصت کی کسی کتاب میں حرج کا معنی شک نہیں ہے اور مجاز پر کوئی قرینہ نہیں ہے اس کے برعکس اس کے خلاف پرقرائن ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے استشاد کرنا باطل ہے۔ اور اس لیے کہ اس میں لفظ "اگر" کے ساتھ کلام ہے جس سے شک کا وقوع ثابت نہیں اور ثانیاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں نبی ﷺ مخاطب نہ ہوں بلکہ عام سننے والا مخاطب ہو۔ ہمارے استاذ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے اس آیت کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام بطور تعریض ہو یہ ظاہر شک کا سننا آپ کی طرف ہو اور مراد آپ کی امت ہو۔

قرآن مجید سے ڈرانے اور نصیحت کرنے کے الگ الگ محل

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ اس (قرآن) کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

ہر چند کہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف مومنین حاصل کرتے ہیں اور وہی اس کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ مومنین کے لیے نصیحت ہے۔ اس آیت میں قرآن مجید سے ڈرانے کا بھی ذکر ہے اور قرآن مجید سے نصیحت کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ضدی اور سرکش ہوتے ہیں اور لذات جسمانیہ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو انبیاء علیہم السلام اخروی عذاب سے ڈراتے ہیں اور بعض انسان نیک اور شریف ہوتے ہیں اور حقیقت کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی صرف تنبیہ اور نصیحت ہی کافی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱۰۷ نوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو (۱۰۸ اعراف)۔ احادیث کے حجت ہونے کے دلائل اور ان کی محبت کی وضاحت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ذکر فرمایا تھا اور اس بات کا ذکر فرمایا تھا کہ امت کو ڈرانے اور نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور اب اس آیت میں امت کو یہ حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ اس کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں اور اس آیت میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ جس طرح نبی ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ پر احادیث مبارکہ بھی نازل کی گئی ہیں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں نازل ہوئے ہیں اور احادیث کے نبی ﷺ پر صرف معانی نازل ہوئے اور ان معانی کو نبی ﷺ نے اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس آیت کے علاوہ اور بھی متعدد آیات میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے جن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷) رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔

اگر رسول اللہ ﷺ صرف قرآن مجید کے احکام پر عمل کرانے اور فقط قرآن مجید کی آیات پہنچانے پر مامور ہوتے اور قرآن مجید کے علاوہ احکام دینے کے مجاز نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل نہ فرماتا۔ نیز فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران: ۳۱) آپ کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

(آل عمران: ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور مغفرت کے حصول کو آپ کی اتباع پر موقوف کر دیا ہے، کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو قرآن مجید پر عمل کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ بِهِ عَلَيْهِمْ (السجدة: ۳۳) اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں سے بیان فرمائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی تعلیم اور تبیین کے بغیر قرآن مجید کے معانی معلوم نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افضل کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہ راست احکام حاصل کیے اور آپ کو دیکھ کر آپ کی سنت کی پیروی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو آپ کے احکام اور آپ کے افضل کا کس ذریعہ سے علم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے افضل کو ہمارے اعمال کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ لہذا جب تک آپ کے افضل ہمارے افضل کے سامنے نہ ہوں ہم اپنے اعمال رسول اللہ ﷺ کے افضل کے مطابق کیسے کر سکیں گے اور آپ کے احکام کی اطاعت کیسے کر سکیں گے اور جب کہ آپ کے احکام اور آپ کے افضل کی اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ اللہ کی حجت تھی اسی طرح ہمارے حق میں آپ کی احادیث مبارکہ اللہ کی حجت ہیں۔ اور اگر ان احادیث کو مستحکم نہ بنا جائے تو بعدوں پر اللہ کی حجت ماقام رہے گی۔

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نہ تلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ صلوٰۃ سے مراد یہ معروف نماز ہے۔ اذان کے ان مخصوص الفاظ کا کیسے پتہ چلتا، تکبیر تحریم سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کے تمام ارکان، واجبات، سنن اور آداب کا ہمیں کیسے علم ہوتا۔ زکوٰۃ کے نصاب اور ادائیگی کی مقدار کا اور اس کی تمام شرائط اور مواقع کا ہمیں کیسے علم ہوتا، اسی طرح روزہ کی تمام تر تفصیلات، اس کی قضا اور کفارہ کا بیان ہمیں کیسے معلوم ہوتا۔ حج اور عمرہ کے ارکان، واجبات، مستحبات اور مفادات کیسے معلوم ہوتے۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی قرآن مجید میں بیان نہیں ہے۔ عمد رسالت میں صحابہ کرام کو یہ تمام تفصیلات براہ راست آپ سے سن کر اور آپ کو دیکھ کر حاصل ہوئیں اور بعد کے مسلمانوں کو ان احادیث سے معلوم ہوئیں جو متعدد اسانید سے صحابہ کرام سے مروی ہیں اور بعد میں ان احادیث کی باقاعدہ تدوین کی گئی اور آج ان سے استفادہ کے لیے صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کا مست یوازہ موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن مجید کے معانی کے مبین اور معلم ہیں، اسی طرح آپ بعض احکام کے شارع بھی ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْفَاحِشَاتِ (الاعراف: ۳۱) (اور رسول پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔)

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں، امام ابو داؤد متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدم بن سعدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی، سنو! عنقریب ایک حکم میرے شخص اپنے تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا تم (صرف) اس قرآن کو لازم پکڑ لو اس میں جو چیزیں تم حلال پاؤ گے ان کو حلال قرار دو، اور اس میں جن چیزوں کو تم حرام پاؤ گے ان کو حرام قرار دو، سنو! تمہارے لیے پالتو گدھے

کا گوشت حلال نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے ہر کیلیوں والا درندہ حلال ہے اور نہ ذی کی راستہ میں پڑی ہوئی چیز، سو اس صورت کے کہ اس چیز کا مالک اس سے مستثنی ہو اور جو شخص کسی قوم کے پاس جائے اس قوم پر اس کی میزبانی کرنا لازم ہے۔ اگر وہ اس کی ممکن لوازی نہ کریں تو اس ممکن کے لیے ان لوگوں سے بہ قدر ضیافت مل چھین لینا جائز ہے۔

حدیث کا یہ آخری جملہ اس صورت پر محمول ہے جب ممکن حالت اضطرار میں ہو اور اس کے پاس اپنا پیٹ بھرنے کے لیے میزبان کامل لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ قرآن مجید اور دیگر احادیث میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کامل ناجائز طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۳، سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحدیث: ۲۶۷۲-۲۶۷۳، سنن ابن ماجہ: ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳-۱۴، مسند احمد: ج ۳، ص ۳۰۳، طبع قدیم، المستدرک: ج ۱، ص ۱۰۹، سنن دارمی: ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸۶)

نیز امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دازنی سرقدی متوفی ۵۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے مجھ پر اسی طرح سنت نازل کرتے تھے جس طرح قرآن مجید نازل کرتے تھے۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: ۵۸۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

مکمل بیان کرتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے اور اس کو (یہ طور انکار یا اہانت) ترک کرنا کفر ہے۔ اور دوسری قسم وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا بائٹ فضیلت ہے اور جس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: ۵۸۸)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کتاب اللہ میں اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا میں تم کو ایسا کہتے ہوئے نہ دیکھوں کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں اور تم اس حدیث کا کتاب اللہ سے معارضہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: ۵۹۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو حدیث بہ ظاہر قرآن مجید کے خلاف ہو لیکن کسی باریک اور خفی وجہ سے اس کی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت ہو سکتی ہو تو اس کو قرآن مجید کے معارض اور خلاف قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز میں مطلقاً قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے اور کسی خاص سورت کو پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے:

قَافِرَةٌ وَأَمَّا تَبَسَّرْ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل: ۳۰) تمہیں جتنا قرآن پڑھنا آسان لگے اتنا پڑھ لیا کرو۔ اس کے برخلاف حدیث میں ہے:

حضرت عبید بن الصامتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵۷، صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: ۳۳، (۳۴۳) ۸۵۵، سنن ابوداؤد: ج ۱، رقم الحدیث: ۸۴۲، سنن الترمذی: ج ۱، رقم الحدیث: ۲۴۷، سنن النسائی: ج ۲، رقم الحدیث: ۵۹، سنن ابن ماجہ: ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن کبریٰ للنسائی: ج ۵، رقم الحدیث: ۸۰۰۹)

لیکن اس حدیث کا عمل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوگی۔ مطلقاً قرآن مجید نماز میں پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور اگر کسی نے نماز میں سورہ فاتحہ کو نسیا یا ترک کر دیا تو مجدد سورہ واجب ہو گا اور اگر اس کو عمد ترک

کر دیا تو نماز اس وقت میں واجب للاعلاء ہوگی۔ اس لیے یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔

البتہ جو حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو اور اس کی کوئی صحیح توجیہ ممکن نہ ہو تو اس کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے گا اور اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے اور کسی زندیق نے اس حدیث کو گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور اصطلاحاً وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ضحاک بن زحل الجہنی سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کی بعد صبح سے فرمایا آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت ضحاک نے ایک طویل خواب بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی۔ اس تعبیر میں آپ کا یہ ارشاد بھی ہے دنیا (کی عمر) سات ہزار سال ہے اور میں اس کے آخری ہزار میں ہوں۔ (الحدیث)

(المعجم الکبیر، ج ۸، رقم الحدیث ۸۳۶، دلائل التبیۃ للسیفی، ج ۲، ص ۳۸، کنز العمال، ج ۳، رقم الحدیث ۳۸۳۳۳، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۸۸)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی سلیمان بن عطاء القرظی ہے جو مسلمہ بن عبد اللہ الجہنی سے روایت کرنے میں منفر ہے۔ حافظ جمال الدین ابو النجاشی یوسف النزی المتوفی ۴۳۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا اس کی احادیث میں مناکیر ہیں۔ امام ابو زرعہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے:

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج ۸، ص ۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن حبان نے کتب الضعفاء میں اس کے متعلق لکھا ہے یہ ایک یو زحافض تھا جو مسلمہ بن عبد اللہ الجہنی سے ایسی چیزیں روایت کرتا تھا جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور ثقہ راویوں کی احادیث کے مشابہ نہیں ہیں اور امام ابو حاتم نے اس کو منکر الحدیث کہا۔ (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۵۵ھ)

امام ابن ابی حاتم رازی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے جس میں سے چھ ہزار سال گزر چکے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، ج ۸، ص ۲۳۹، مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی جس سے اس کا اصل معلوم ہو تاکہ البتہ یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہے اور اس حدیث کا موضوع اور جھوٹ ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد قیامت نے آنا ہوتا تو ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ اب قیامت کے آنے میں کتنا وقت باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَأْتِيكُمْ سَاعَةً وَلَا يَخْتِفُ (الاعراف ۱۸) قیامت تم پر اچانک ہی آئے گی۔

علاوہ ازیں اب نبی ﷺ کی بعثت کے بعد ایک ہزار اور چار سو سال سے زیادہ سال گزر چکے ہیں جبکہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی عمر ایک ہزار سال ہے گویا چار سو سال پہلے قیامت آ جانا چاہیے تھی لہذا اس حدیث کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے۔ کسی زندیق نے ایک جعلی سند بنا کر ایک جھوٹ کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ معاذ اللہ امام عبد الرحمن بن علی بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر وضع کی گئی ہے اور اس کو وضع کرنے والا الطلاء بن زیدل ہے۔ ابن الدبی

نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابو حاتم رازی اور امام ابو داؤد نے کہا کہ وہ حشوک الحدیث ہے اور امام ابن حبان نے کہا کہ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک من گھڑت مجموعہ روایت کیا ہے جس کا ذکر جائز نہیں ہے۔
 ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۳۵ھ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(موضوعات کبیرہ ص ۸۸ مطبوعہ مطبع بجائی دہلی)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس عنقریب میری مختلف احادیث آئیں گی میں تمہارے پاس میری جو حدیث کتاب اللہ اور میری سنت (معروف) کے موافق پہنچے وہ میری حدیث ہے اور تمہارے پاس میری جو حدیث کتاب اللہ اور میری سنت (معروف) کے مختلف پہنچے وہ میری حدیث نہیں ہے۔
 امام دار قطنی نے اس حدیث کو چار مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۳۰-۴۴۲۹-۴۴۲۸-۴۴۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے کئی عیبتوں کو ہلاک کر دیا، میں ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوسرے کو سو رہے تھے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ ہم ظالم تھے (الاعراف: ۵-۴)
 مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

”ہانس“ علامہ محمد طاہر ثقفی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے کہ ہانس کا معنی ہے خوف شدید اور جنگ میں شدت۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینہ المنورہ ۱۴۳۵ھ) اور سب سے زیادہ خوف نزول عذاب کے وقت ہو گا اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۴ھ نے لکھا ہے کہ ہانس کا معنی عذاب بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاللَّهُ أَشَدُّ بَاسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا
 اور اللہ کی گرفت بہت مضبوط ہے اور اللہ کا عذاب بہت

(النساء: ۸۴) سخت ہے۔

(المفردات ص ۶۶ مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ۱۳۶۲ھ)

بیانا اوہم فائلون بیت کے معنی ہیں رات کا وقت اور قیلولہ کا معنی ہے دوپہر کا وقت۔ حدیث میں ہے کہ یہ کان لا یستمالا ولا یقبلہ یعنی جب آپ کے پاس مل آتا تو آپ اس کو رات تک روکتے نہ دوپہر تک۔ اگر صبح مل آتا تو دوپہر سے پہلے اس کو تقسیم کر دیتے اور اگر دوپہر کے بعد مل آتا تو اس کو رات آنے سے پہلے تقسیم کر دیتے۔

(الفاقی ج ۱ ص ۱۲۷ مطبع بیروت، التہایہ ج ۱ ص ۱۷۰، طبع ایران، مجمع بحار الانوار، طبع مدینہ منورہ)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو احکام شریعہ کی تبلیغ کرنے اور عذاب الہی سے ڈرانے کا حکم دیا تھا اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے احکام کو قبول کرنے اور آپ کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کو وعید سنائی ہے کہ پچھلی امتوں میں سے جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے پیغام کو قبول نہیں کیا ان پر اچانک اللہ کا عذاب آیا بعض پر رات کے وقت اور بعض پر دوپہر کو آرام کے وقت میں۔

ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے کئی عیبتوں کو ہلاک کر دیا، میں ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوسرے کو سو رہے تھے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا اور پھر

تبیان القرآن

ان پر عذاب آیا۔ ملائکہ ان پر عذاب نازل کرنا ہی ان کی ہلاکت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت میں ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا یا ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ
الآية (المائدہ: ۶)

ملائکہ چہروں اور ہاتھوں کو نماز کے لیے قیام کے وقت نہیں اس سے پہلے دھویا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اور کھنٹیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھو لو۔

نزول عذاب کے وقت معذبین کا اعتراف جرم

آیت ۵ میں فرمایا ہے، جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ ہم ظالم تھے اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کفار پر عذاب نازل ہوتا ہے تو اس وقت وہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ درحقیقت وہی ظالم اور مجرم تھے اور اس عذاب کے مستحق تھے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی قوم اس وقت تک عذاب سے ہلاک نہیں ہوئی جب تک کہ انہوں نے خود اس عذاب کا ذکر بیان نہیں کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک سے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ (الاعراف: ۵)

(جامع البیان، ج ۸، ص ۱۵۸، دار الفکر، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۳۳۸، مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مافرمائی اور آپ کی مخالفت کرنا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے۔ جب ایسے لوگ غفلت اور لہو لعب میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر اچانک عذاب آ جاتا ہے۔ ہر سرکش مجرم پر جب دنیا میں عذاب آتا ہے تو وہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس پر غم ہوتا ہے۔ گزشتہ امتوں کی مافرمائی اور ان پر اچانک عذاب کے نزول کے واقعات کو بیان کر کے اس امت کو بھیجہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ وہ اپنے گناہوں سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کا عین عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے ○ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے، ہم غائب تو نہیں تھے ○ (الاعراف: ۶۰-۶۱)

قیامت کے دن رسولوں اور ان کی امتوں سے سوالات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ رسولوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے دنیا میں اچانک عذاب آ جاتا ہے۔ اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان سے ان کی بد اعمالیوں پر مواخذہ ہو گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر شخص سے سوال کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اللہ تعالیٰ امتوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے،

انہوں نے ان کو تبلیغ فرمائی تھی یا نہیں اور انہوں نے رسولوں کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا۔ اور رسولوں سے بھی ان کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی امتوں نے ان کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا انجام کار ان کی امت ایمان لائی یا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُسْأَلُهُمْ فَبَقُولُوا مَاذَا آجَبْنُمُ الْمُرْسَلِينَ (القصاص: ۲۵)

اور جس دن اللہ ان کو ندا فرما کر ارشاد فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟

فَوَرَبِّكَ لَسَسَلْتَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَقْمَلُونَ (النحل: ۴۳-۴۴)

ان آیتوں میں امتوں سے سوال کے متعلق ارشاد ہے۔ اور رسولوں سے سوال کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ كَيْفَ يُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِئِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ (المائدہ: ۱۰۹)

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تم کو کیا جواب دیا گیا؟ وہ کہیں گے ہم کو کچھ علم نہیں ہے شک تو ی سب غیبیوں کا جاننے والا ہے۔

اور اس حدیث میں بھی رسولوں سے سوال کے متعلق اشارہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص حافظ اور مصلح ہے

اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔ امام حافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کی رعایا (عوام) کے متعلق سوال ہو گا۔ ایک شخص اپنے اہل کا حافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کے اہل کے متعلق سوال ہو گا۔ اور عورت

اپنے خولہ کے گھر کی حافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس گھر کی حفاظت اور اصلاح کے متعلق سوال ہو گا۔ خدام اپنے مالک کے

مال کا حافظ ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہو گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا حافظ اور مصلح ہے اور اس سے

اس مال کے متعلق سوال ہو گا۔ اور تم میں سے ہر شخص حافظ اور مصلح ہے اور اس سے اپنے زیر انتظام اور زیر حفاظت چیزوں

اور لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔

(صحیح البخاری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳۳۳ ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۵۳-۲۵۵۸ ج ۵' رقم الحدیث: ۵۱۸۸-۵۲۰۰ ج ۷' رقم

الحدیث: ۷۳۸۸ ج ۷' صحیح مسلم اللہ: ۲۰ (۱۸۲۹) سنن الترمذی: ۳۳۳۳ ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۱۱ سنن ابوداؤد: ۳۳۳۳ ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۳۸ ج ۲' سنن

ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (الاعراف: ۱۰۷) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا کہ

انہوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا اور رسولوں سے ان کی 'کی ہوئی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا۔

(جامع البیان '۸۲' ص ۱۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ابن آدم اس وقت تک اپنے رب کے

سامنے سے قدم نہیں ہٹائے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرے۔ اس نے اپنی عمر کن کلموں میں

طبیحان القرآن

جلد چہارم

تاکہ اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری اس نے اپنا مل کام سے حاصل کیا اور کن کاموں میں خرچ کیا اور اس نے جو علم حاصل کیا تھا اس کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی ج ۳، رقم المسند: ۲۳۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

قیامت کے دن مجرموں سے سوال کرنے اور سوال نہ کرنے کے محامل

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفار سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا لیکن قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ۝

سو اس دن کسی گناہ کے گناہوں کے متعلق کسی انسان

اور جن سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ (الرحمن: ۳۵)

وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُحْجَرُونَ ۝

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا

(القصص: ۷۸) جائے گا۔

امام رازی نے اس سوال کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

۱۔ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ کراہات میں نے ان کے تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے مخالف اعمال میں محفوظ ہیں لیکن ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان کے ان اعمال کا داعیہ باطل اور محرک کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اعمال کیے۔

۲۔ کبھی سوال لاعلمی کی بنا پر علم کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں محل ہے اور کبھی سوال زبرد توخ اور ذانت ذہن کے لیے کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کے میں نے تم پر اتنے احسان کیے تھے پھر تم نے میرے ساتھ یہ دغا بازی اور فراڈ کیوں کیا؟ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَبَّاسًا ۝ وَلِسَانًا وَشَفَّاسًا ۝

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝

اور دو ہونٹ ۝ اور ہم نے اس کو (نیک اور بدی کے) دونوں

داخل راستے دکھا دیے ۝ تو وہ (نیک عمل کی) دشوار گھاٹی میں

(البلد: ۸۰)

سے کیوں نہیں گزرا۔

اور ان آیتوں میں سوال کرنے کا یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ قیامت کا دن بہت طویل ہو گا اور اس میں بندوں کے مختلف احوال اور معاملات ہوں گے۔ کسی وقت میں اللہ تعالیٰ سوال نہیں فرمائے گا اور کسی دوسرے وقت میں سوال فرمائے گا جیسے کسی وقت میں شفاعت نہیں ہوگی اور کسی وقت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو گا اور کسی وقت میں اس کا دیدار ہو گا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ہم عتاب تو نہ تھے۔ یعنی ہم ان کے کاموں کو دیکھ رہے ہیں ان کی باتوں کو سن رہے ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کیا چھپاتے ہیں اور کیا ظاہر کرتے ہیں اور ہم قیامت کے دن ان کے تمام کاموں کی خبر دیں گے خواہ وہ کام کم ہوں یا زیادہ۔ وہ معمولی ہوں یا غیر معمولی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ زَرْقَةٍ إِلَّا يَحْكُمُهَا وَلَا حَبَّةٌ مِنْهُ

اور کوئی پتا نہیں گرنا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ

ظلمت الارض ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين ۝

زمین کی تار کیوں میں ہوتا ہے اور نہ کوئی خشک و تر مگر وہ

روشن کتاب میں مرقوم ہے۔ (الانعام: ۵۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن اہل کا وزن کرنا برحق ہے۔ پس جن (کی نیکیوں) کے پڑے ہماری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں O اور جن (کی نیکیوں) کے پڑے چکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں کیونکہ وہ ہماری آفتوں پر ظلم کرتے تھے O (الاعراف: ۸-۹)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیت سابقہ سے مناسبت

”ورن“ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ وزن کا معنی ہے کسی چیز کی مقدار کی معرفت حاصل کرنا اور عرف عام میں ترازو سے کسی چیز کے تولنے کو وزن کرنا کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۵۲۲ مطبوعہ ایران ۱۳۳۳ھ)

علامہ جبار اللہ زمخشوری متوفی ۵۸۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کجور کے درخت پر لگی ہوئی کجوروں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ اس درخت سے کجوروں کو کھلیا جائے اور ان کا وزن کیا جائے۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے پوچھا وزن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کی مقدار کا اندازہ کیا جائے۔

(اللائق ج ۳ ص ۳۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۳۱۷ھ، التلخیص ج ۵ ص ۱۸۲ مطبوعہ ایران ۱۳۶۷ھ، تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۶۰ مطبوعہ مصر)

”میزان“ علامہ زبیدی حنفی متوفی ۱۱۰۵ھ لکھتے ہیں: جس آلہ کے ساتھ چیزوں کا وزن کیا جائے اس کو میزان کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ جو میزان قیامت میں ہوگی اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ تفسیر میں ہے کہ وہ ایک ترازو ہے جس کے دو پڑے ہیں۔ دنیا میں میزان اتاری گئی تاکہ لوگ عدل کے ساتھ باہم معاملہ کریں اور اس کے ساتھ اہل کا وزن کیا جائے گا۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۶۱ مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

”موازیس“ یہ میزان کی جمع ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میزان تو صرف ایک ہوگی۔ پھر یہاں جمع کا مفہد کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوزن کی جمع ہے اور سوزن متعدد ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل عرب واحد پر بھی تظہیر جمع کا اطلاق کر دیتے ہیں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جو اہل وزن اور حساب کے لائق ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ افضل قلوب، افضل جوارح (ظاہری اعضاء کے افضل) اور اقوال اور ہو سکتا ہے کہ ان تینوں کے لیے الگ الگ میزان ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وزن کرنے والوں کی اکثریت کے اعتبار سے میزان کو جمع کر کے دایا گیا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں سے سوال کرنے کا ذکر تھا اور یہ قیامت کے دن کا ایک حل ہے اور دوسرا حل میزان پر اقوال اور اہل کا وزن کرنا ہوگا۔ سو اس آیت میں قیامت کے دن کا یہ دو سرا حل بیان فرمایا ہے۔

اعمال کے وزن کے متعلق مذاہب علماء

مجاہد، ضحاک، اعمش اور یہ کثرت متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اہل کا وزن کرنے سے مراد عدل اور قضاء ہے۔ کیونکہ دنیا میں لین دین میں عدل کا ذریعہ ترازو میں وزن کرنا ہے اور وزن کرنے کو عدل اور قضاء لازم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے گا تو وہ اللہ کے علول اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا یا نہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علول اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا تو اس کے لیے میزان کی کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور گناہوں کے متعلق جو بھی فیصلہ فرمائے گا وہ اس کو تسلیم ہو گا اور اگر وہ شخص اللہ تعالیٰ کو علول اور مصلوق نہیں مانتا تو پھر وہ نیکیوں اور

گناہوں کے کیے ہوئے وزن کو بھی نہیں مانے گا تو پھر میزان میں اس کے کیے ہوئے وزن کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی نیک مسلمان کے اہل کا وزن کیا جائے گا اور اس کی نیکیوں کا ہلکا گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہو گا تو اس مسلمان شخص اور اس کے دوستوں کو فرحت اور مسرت حاصل ہوگی اور تمام اہل محشر کے سامنے اس کے جنتی ہونے پر حجت قائم ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں اس کو حقیر سمجھتے تھے ان کے سامنے اس کی عزت و توقیر اور وجاہت ظاہر ہوگی اور وہ اپنے ممکن کے سامنے سرخرو ہو گا اور یہ میزان کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جسور صحابہ، تابعین اور علماء راہین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اہل کا حقیقی وزن کیا جائے گا۔ مائین کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ اہل از قبیل اعراض ہیں اور وزن اجسام کا کیا جاتا ہے، اعراض کا نہیں کیا جاتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعراض کے مقابلہ میں اجسام پیدا فرمادے اور ان اجسام کا وزن کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیک اہل حسین اجسام میں متمثل کر دیے جائیں گے اور بد اہل قبیح اجسام میں متمثل کر دیے جائیں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نفس اہل کا وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ صحائف اہل کا وزن کیا جائے گا۔ موخر الذکر دونوں جوابوں کے متعلق احادیث ہیں جن کا ہم غریب ذکر کر رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۰۳-۲۰۴، مع الطیص والفتح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

قرآن مجید سے میزان کے ثبوت پر دلائل

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُغْلِبُكَ نَفْسٌ شَرًّا وَلَا تَكَانَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَمْ يَرَىٰ حَاسِبٌ ۝

(الانبیاء: ۴۷)

قَسْرٌ تَقَلَّتْ مَوَارِيثُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَارِيثُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي حَقِّهِمْ خَالِدُونَ ۝

(المؤمنون: ۳۳-۳۴)

فَمَا تَأْمُرُ نَفْلَتْ مَوَارِيثُهُ ۝ فَهُوَ فِي عَيْتِهِ رَاضٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَارِيثُهُ ۝ فَمَا تَهْوِيهِ ۝

(الفارغ: ۶۹)

احادیث اور آثار سے میزان کے ثبوت پر دلائل

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میزان کو رکھا جائے گا، اگر اس میں آسمانوں اور زمینوں کو رکھا جائے تو وہ اس کی بھی گنجائش رکھتی ہے۔ پس فرشتے کہیں گے: اے رب اس میں کس کو وزن کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہوں گا، فرشتے کہیں گے تو پاک ہے ہم تیری اس طرح عبودت نہیں کر سکتے جو تیری عبودت کا حق ہے۔ (الحديث) امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک، ج ۳، ص ۵۸۶، مطبوعہ دار البیروتیہ)

حافظ زہبی متوفی ۸۴۸ھ نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ (مختص المستدرک ج ۳ ص ۵۸۶ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ) امام عبد اللہ بن المبارک متوفی ۸۸۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الزہد رقم الحدیث: ۳۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) امام ابو بکر محمد بن الحسن آجری متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(الشریعہ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار السلام ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کا میزان میں وزن کیا جائے گا۔ اس میزان کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ہیں۔ رہا مومن تو اس کا عمل حسین صورت میں آئے گا اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے کے مقابلہ میں بھاری ہو گا۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۶۳ رقم الحدیث: ۲۸۳ الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) عبید اللہ بن خیر زار نے کہا قیامت کے دن تمام اس طرح ہوں گے جیسے ترش میں تیر۔ خوش قسمت وہ شخص ہے جسے اپنے قدموں کے لیے جگہ مل جائے اور میزان کے پاس ایک فرشتہ نہ اکرے گا۔ سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہے اس نے ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ پھر کبھی ناکام نہیں ہو گا۔ سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہے یہ ناکام ہو گیا ہے اس کے بعد کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۴۲ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۶ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ رانج ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہو گا اور جس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ رانج ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہو گا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۷۰ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو لفظ زبان پر آسان ہیں۔ اور میزان میں بھاری ہیں اور رخصت کو محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری ج ۷ رقم الحدیث: ۳۰۶۷ ج ۸ رقم الحدیث: ۷۵۳ صحیح مسلم اللذکر: ۳۱ سنن الترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۴۶۷ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۸۰۶)

حضرت ابومالک اشجری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذو نصف ایمان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر لیتا ہے۔ (صحیح مسلم اللذکر: ۳۱ سنن الترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۵۱۷ سنن الدارمی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے اور ان کے درمیان ہے اور ان کے نیچے ہے اگر تم ان کو لے کر آؤ اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور کلمہ شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو وہ پہلے پلڑے سے بھاری ہو گا۔ (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۵۳ رقم الحدیث: ۳۰۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری ہمت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اس کے (گناہوں کے) نانوے (۹۹) رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ان میں سے ہر رجسٹر مد نظر تک ہو گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! پھر فرمائے گا کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں میرے پاس تمہاری ایک نکی ہے اور آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پھر اس کے لیے ایک پرچی نکال جائے گی جس پر لکھا ہو گا

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبده ورسوله وہ کے گالے میرے رب یا یہ ایک پرچی اتنے بڑے رجسٹروں کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک پلڑے میں یہ پرچی ہوگی اور دوسرے پلڑے میں وہ رجسٹروں کے۔ پھر ان رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اس پرچی کا پلڑا بھاری ہوگا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی!

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۳۸، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۴۳۰۰، المستدرک 'ج ۱' ص ۵۲۹)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان کو قائم کیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کے گناہوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ وہ پلڑا جھک جائے گا اور اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ جب وہ بیٹھ سوڑ کر جائے گا تو رخص کے پاس سے اس کو ایک بلانے والا بلائے گا۔ جلدی نہ کرو، جلدی نہ کرو اس کی ایک نیکی باقی ہے۔ پھر کلہ شہادت کی ایک پرچی لائی جائے گی اور اس آدمی کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی اور اس سے میزان جھک جائے گی۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: ۷۰۳۱، مجمع الزوائد 'ج ۱۰' ص ۸۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھے اخلاق سے بڑھ کر میزان میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۹۹، سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۹، مسند احمد 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۵۸، صحیح ابن حبان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۸' ص ۵۶، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۲۷۰، مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۲۷۵۷، شرح السنہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۸۳، حلیہ اللالیاء 'ج ۵' ص ۲۳۳، الشریعہ، رقم الحدیث: ۸۷۳)

حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے اللہ کی رگوں میں گھوڑے کو باندھا، اس گھوڑے کا چارہ، اس کا پانی اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۵۳، المستدرک 'ج ۲' ص ۷۷، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۱۰' ص ۲۷، شرح السنہ، رقم الحدیث:

(۲۷۳۸)

امام ابن المبارک متوفی ۷۸۰ھ نے حلوین سلیمان سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا۔ وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم جان رہا ہوگا۔ وہ اسی کیفیت میں ہوگا کہ بدل کی طرح ایک چیز آئے گی اور اس کی نیکیوں کے پلڑے میں جا کرے گی۔ اس سے کہا جائے گا یہ وہ چیز ہے جو تم لوگوں کو نیکیوں کی تعلیم دیتے تھے۔ تمہارے بعد تمہاری تعلیم سے نیکیاں ظہور میں آئیں اور تم کو ان کا اجر دیا گیا۔ (کتب الرحمہ للابن المبارک، رقم الحدیث: ۳۸۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان شخص بھی ان کی حفاظت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ دونوں آسمان کام ہیں اور کم لوگ ان کو کرتے ہیں۔ (پہلی خصلت یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ کے 'دس مرتبہ الحمد للہ کے 'اور دس مرتبہ اللہ اکبر کے۔ یہ زبان سے ڈیڑھ سو بار پڑھنا ہے اور میزان میں یہ ڈیڑھ ہزار نیکیاں ہیں (اور دوسری خصلت یہ ہے کہ) اور جب بستر پر جائے تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کے 'اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کے 'اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کے۔ یہ زبان سے ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے اور میزان میں ایک ہزار نیکیاں ہیں تو بتاؤ تم میں سے کون شخص ایک دن رات میں ذہلی ہزار نیکیاں کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۵۰۶۵، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۲۱، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحديث: ۳۶، سنن التسلی ج ۳، رقم الحديث: ۳۳، مصنف عبدالرزاق ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۸۹)

آیا میزان میں صرف مسلمانوں کا وزن ہو گا یا کافروں کا بھی وزن ہو گا؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا یا کافروں کے اعمال کا بھی وزن کیا جائے گا۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ
فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الكہف: ۳۵)

یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جن کافروں کو اللہ تعالیٰ جلد دوزخ میں ڈالنا چاہے گا ان کو بغیر وزن اعمال کے دوزخ میں ڈال دے گا اور بقیہ کافروں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَمَنْ يَخُفْ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ
خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي حَتَمِهِمْ جِلْدُونَ
(المؤمنون: ۱۰۳) وہیں گے۔

اور جن کی میزان کے پلے ہوئے تو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اسی طرح بعض مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بغیر وزن اعمال اور بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کراتے ہوں گے نہ بد شکونی نکالتے ہوں گے اور نہ جسم کو لوہے کے داغ سے جلاتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم، ایمان: ۳۷۷، صحیح البخاری ج ۵، رقم الحديث: ۵۰۹ (۳۲۱)، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۵۳، مسند احمد ج ۱، ص ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷،

اور آیت ۹ میں فرمایا ہے: اور جن (کی نیکیوں) پکڑے چکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں کیونکہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس آیت سے کافر مراد ہیں۔ کیونکہ وہی اللہ کی آیتوں کا انکار کر کے ان پر ظلم کرتے تھے۔

ان آیتوں میں صلح اور نیک مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پکڑے ہماری ہوں گے اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پکڑے چکے ہوں گے۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور نہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جن کی نیکیاں برائیوں سے کم ہوں، رہے وہ مسلمان جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو وہ اعراف میں ہوں گے اور بعد میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا اور رہے وہ مسلمان جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے جنت میں داخل فرمادے گا یا کچھ عذاب دے کر یا بغیر عذاب دیے ان کو محض اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات دے گا اور جنت میں داخل فرمادے گا۔

نبی ﷺ کی شفاعت سے نجات کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور ہر نبی نے اپنی اس مقبول دعا کو دنیا میں ہی جلد خرچ کر لیا اور میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۴، صحیح مسلم، الامان: ۲۳۸، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن ابن

ماجد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۰، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۳۱۵، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۶۶،

مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۲۰۸۳)

محض اپنے فضل سے عذاب دینے کے بعد دوزخ سے نجات دینے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمائے گا

اور اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا، جنت میں داخل فرمائے گا اور اہل جہنم میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کر دے گا۔ پھر

فرمائے گا دیکھو جس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو جہنم سے نکل لو، پس وہ لوگ جہنم میں سے اس

حال میں نکلے جائیں گے کہ ان کا جسم جل کر کوئلہ ہو چکا ہو گا۔ پھر ان کو آب حیات کی نہر میں ڈالا جائے گا اور وہ اس نہر میں سے

اس طرح تروتازہ ہو کر نکلتا شروع ہوں گے جیسے دانہ پانی کے بہاؤ والی مٹی میں سے زردی مائل ہو کر آگ پڑتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۶۰، صحیح مسلم، ایمان: ۳۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳۹)

اور محض اپنی رحمت سے بغیر عذاب دیے ہوئے جنت میں داخل کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اپنے رب

عز و جل کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا

اور فرمائے گا تم (اس گناہ کو) پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر سزا کیا

تھا (تمہارا پروردگار کما تھا) اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا اہل شمار دیا جائے گا اور رہے کافر اور منافق

تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۴۱، صحیح مسلم، التوبہ: ۵۲، سنن الکبریٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابن

ماجد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا اور تمہارے لیے اس (زمین) میں اسباب زبست فراہم کیے (مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔) (الاعراف: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

ولقد مکنکم: یعنی اے جو آدم ہم نے تمہارے لیے زمین کو مستقر بنایا اور زمین میں تمہیں جگہ دی، یا ہم نے تم کو زمین پر قبضہ دیا اور زمین میں تصرف کرنے کی قدرت دی۔

معاش: یہ معیشت کی جمع ہے۔ جن چیزوں سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں۔ ان کو معیشت کہتے ہیں۔ علامہ طاہر ثنی متوفی ۱۹۸۶ء نے لکھا ہے کہ جو چیزیں حیات کا آلہ ہیں مثلاً زرعی پیداوار اور دودھ دینے والے جانوروں کے تھن ان کو معیشت کہتے ہیں۔ (مجموع بحار الانوار، ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ دار الایمان، مدینہ منورہ، ۱۴۳۵ھ)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرنے اور ان کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی پیروی نہ کرنے پر ان کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا۔ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارے عذاب اچانک رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ سو رہے تھے۔ (الاعراف: ۳) پھر ان کو آخرت کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرایا پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔ (الاعراف: ۶) پھر فرمایا پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہماری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۸-۹) اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا احسان مانیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت اور ان کے پیغام کو قبول کریں اور ان کی اطاعت اور اتباع کریں کیونکہ نعمتوں کی کثرت زیادہ اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

معاش کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معاش (اسباب زبست) بنائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معاش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کمال سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا، آسمان سے بارش نازل فرمائی، پہلوں اور غلوں کو اگلیا، حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسباب زبست وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تمہارت اور محنت مزدوری کر کے رزق حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان زمین میں رہتا ہے اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فو و فلاح اس کی بہتری، سہولت اور مصلحت کے لیے نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔ پہلے انسان چوں سے بدن ڈھانچا تھا پھر سوت اور ریشم کے لباس کا دور آیا اور اب انسان چٹوہیم سے بھی لباس بنانے لگا ہے۔ پہلے لکڑی اور کوئلہ سے آگ حاصل کرتا تھا پھر قدرتی گیس کا دور آیا۔ برقی توانائی کے بعد ایٹمی توانائی کا دور آیا۔ پہلے برقی سخریوں اور گھوٹوں سے اور پھر سولہائی کشتیوں سے کیا جاتا تھا۔ پھر موٹر کاروں، ریل گاڑیوں اور داخلی جہازوں کا دور آیا اور اب ہوائی جہازوں، ٹیلی کالموں اور راکٹوں کا دور ہے۔ بہت سی بیماریوں کا پہلے پتہ نہ تھا لوگ ان میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ اب ان بیماریوں اور ان کے علاج کا پتہ چلا گیا ہے۔ مثلاً ذیابیطس ہے، ہائی بلڈ پریشر ہے، دل اور دماغ کے پیچیدہ امراض ہیں۔ فالج ہے، دماغ کی رگ کا پھٹ جانا ہے۔ سرجری کا طریقہ اب بھلا ہوا اور طب کی دنیا میں بہت سے نئے نئے عمل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اسباب زبست اور ان سے قائمہ اٹھانے والی قوتوں کو انسان کی بہتری اور اس کی مصلحت کے لیے بنایا ہے

لور یہ بلوی فوائد اس لیے عطا کیے ہیں کہ ان کی مدد سے انسان روحانی حیات میں تزکیہ اور جلاء کو حاصل کرے اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کر کے اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا اہل بنائے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے۔

شکر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی ص ۵۰۵ لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن فیروز آبادی حنفی ص ۸۹۷ نے کاسوس میں لکھا ہے کہ شکر کا معنی ہے احسان کو پہچانا اور اس کو بیان کرنا۔ لور علامہ فیروز آبادی نے بصر میں لکھا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں۔ شکر بالقلب۔ یہ نعمت کا تصور کرنا ہے۔ شکر باللسان۔ یہ نعمت دینے والے کی حمد و ثناء کرنا اور زبان سے تعظیم کرنا ہے اور شکر بالجوارح۔ یہ بہ قدر استحقاق نعمت کے بدلہ میں کوئی نعمت دینا ہے۔ (بعض علماء نے اس کی تشریح میں کہا یہ تعظیم کفرے ہونا یا باتوں اور بیروں کو بوسہ دینا ہے اور سجدہ کرنا ہے) نیز علامہ فیروز آبادی نے کہا کہ شکر پانچ بنیادوں پر مبنی ہے:

۱۔ منعم کے سامنے شکر کرنے والے کا عجز و انکسار سے پیش آنا۔

۲۔ منعم سے محبت کرنا۔

۳۔ اس کی نعمت کا اعتراف کرنا۔

۴۔ اس نعمت پر منعم کی تعریف کرنا۔

۵۔ منعم کی نعمت کو اس کی پسندیدہ جگہ استعمال نہ کرنا۔

یہ پانچ امور شکر کی اساس اور بنیاد ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی نہ ہو تو شکر ادا نہیں ہوگا۔ یہ پانچ امور شکر کا مرجع اور مدار ہیں۔

جنید بغدادی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ گمان کرو کہ تم اس نعمت کے اہل نہ تھے۔ ابو عثمان نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ تم منعم کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو۔ رویم نے کہا شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو منعم کی خدمت کے لیے فارغ کر لو۔ شبلی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم نعمت کو نہ دیکھو، نعمت دینے والے کو نہ دیکھو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نعمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے تم منعم سے غافل نہ ہو جاؤ۔ لور کل شکر یہ ہے کہ بندہ نعمت لور منعم دونوں کا مشاہدہ کرے۔ کیونکہ بندہ جس قدر زیادہ نعمت کا مشاہدہ کرے گا اس قدر زیادہ شکر ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی نعمت کو دیکھے اور اس کا اعتراف کرے اور اس پر اس کی ثناء اور تعریف کرے اور اس نعمت کی وجہ سے اللہ سے محبت رکھے۔ سو اس کے کہ وہ نعمت داتا ہو جائے یا گم ہو جائے۔

علامہ فیروز آبادی نے کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شکر اور حمد میں سے کون افضل ہے۔ حدیث میں ہے حمد شکر کی سردار ہے۔ جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقسام اور اسباب کے اعتبار سے شکر حمد سے عام ہے۔ (کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے لور شکر زبان، دل اور اعضاء اور جوارح سے بھی ہوتا ہے) اور متعلق کے اعتبار سے شکر حمد سے خاص ہے۔ کیونکہ شکر صرف نعمت پر لوا کیا جاتا ہے جبکہ حمد میں یہ قید نہیں ہے۔ (وہ مطلقاً زبان سے کسی کی ثناء کرنے کو کہتے ہیں) مثلاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حیات اس کی سمیع اور بھر اور اس کے علم پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ہم ان اوصاف پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی نعمتوں پر ہم دل

میں جو اس کی تعظیم کرتے ہیں یا سجدہ شکر بجالاتے ہیں تو اس کو حمد نہیں کہا جائے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور ہم زبان سے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی ثناء اور تعریف کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہے اور اس کا شکر بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

شکور کا معنی ہے بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے حلق ہے کہ انہ کسان عبدا شکورا (نوا اسرائیل: ۳) یعنی وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی بہت کوشش سے عبادت کرتے تھے اور شکور اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے۔ واللہ شکور حلیم (التکوین: ۱۷) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے کم اعمال پر دگنا چو گنا بلکہ بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر کرتا ہے یعنی ان کو بخش دیتا ہے۔ اللہ کی طرف جب شکر کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور ثواب عطا فرمنا۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ المطبعہ الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

شکر کا لغوی معنی یہ ہے کسی نعمت پر زبان دل یا دیگر اعضاء سے منعم کی تعظیم و تکریم کرنا۔

اور شکر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو سمیع، بصر اور دیگر نعمتیں جو عطا کی ہیں ان کو اپنے مقاصد تخلیق کے مطابق خرچ کرنا۔ (کتاب التعریقات ص ۵۵ مطبوعہ المطبعہ الخیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

دل کا شکر یہ ہے کہ نعمت کے ساتھ خیر اور نیکی کا قصد کیا جائے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور باقی اعضاء کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف ہونے سے بچایا جائے۔ حتیٰ کہ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھے اور اس کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھنے سے باز رہے۔ یعنی جن چیزوں کے دیکھنے میں اجر و ثواب ہے ان کو دیکھے اور جن چیزوں کا دیکھنا گناہ ہے ان کو نہ دیکھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تمام اعضاء کا حکم ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۳۳ھ)

شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ: ۱۷۵)
مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا

(النساء: ۱۴)

وَسَنَحْيِي الشَّكِرِينَ ○ (آل عمران: ۱۴۵)
اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقِيلَ لَهُمِ عِبَادِيَ الشُّكُورُ (سبا: ۱۳)

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم: ۱۸)

شکر ادا کرنے کے طریقوں کے متعلق احادیث

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اس نعمت کا شکر ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث

بیان القرآن

جلد چہارم

ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث ۳۸۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حکم بن عمار بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ تمہاری نعمت میں زیادتی کرے گا۔

(جامع البیان، ج ۱، ص ۹۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسود بن سریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی نعمت اور تعریف میں الحمد للہ سے زیادہ کوئی کلمہ پسند نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود الحمد للہ سے اپنی عباد کی ہے۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث ۱۵۵۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نعمت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے اور مصیبت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب اور اجر عطا فرماتا ہے۔ نعمت پر شکر ادا کرنے سے اس نعمت کی مسئولیت کم ہو جاتی ہے اور مصیبت پر صبر کرنے سے اس کے ثمرات کی حفاظت ہوتی ہے۔

(نوادیر الاصول، ج ۲، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار المجل، بیروت ۱۴۱۲ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کی جائے اور اس کی کسی نعمت کی بے قدری نہ کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا۔ آپ اس کے پاس چل کر گئے۔ آپ نے اس کو اٹھایا اس پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ جس نعمت کی لوگ بے قدری کرتے ہیں ان کے پاس وہ نعمت بہت کم دوبارہ آتی ہے۔

(نوادیر الاصول، ج ۳، ص ۱۷۳، مطبوعہ دار المجل، بیروت ۱۴۱۲ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کم چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ کی نعمت کا اظہار کیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے قلیل چیز کا شکر ادا نہیں کیا اس نے کثیر چیز کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کو ترک کرنا کفر ہے۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے) (مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث ۱۸۳۶، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۳۱ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بندوں کا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث ۴۸۸۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۵۵، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث ۷۵۷۵، مطبوعہ قاہرہ)

صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۲۰۷۰، الادب المفرد، رقم الحدیث ۲۱۸، مسند ابو حلی، رقم الحدیث ۱۳۲

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز دی گئی تو وہ اس کے بدلہ میں کوئی چیز دے۔ اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس کی تعریف کرے۔ جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا شکر کیا اور جس نے اس کو چھپایا اس نے کفر کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۸۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت اسلم بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی اور اس نے اس نیکی کرنے والے سے کہا حراکت اللہ بحیرا اس نے اس شخص کی پوری تعریف کر دی۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

راحت کے ایام میں مصیبت کے ایام کو یاد کرنا بھی شکر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو پھر اس کو یاد کرے تو اس نے شکر لیا اور اگر اس نے اس مصیبت کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۸۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

شکر کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت حبیب بن مہذب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے مومن کے دل پر تعجب ہوتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں بھلائی ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچے تو وہ شکر لیا کرتا ہے اور یہ اس کی فلاح ہے اور اگر اس کو ضرر پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کی فلاح ہے۔ (صحیح مسلم، تہذیب: ۳، ۲۹۹۱، سنن ابوداؤد ج ۳، ص ۲۲۲-۲۲۳، ج ۵، طبع تہذیب)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ میرے رب نے کہہ کی ولایت کو پیش کیا تاکہ اس کو میرے لیے سونا بنادے۔ میں نے کہا نہیں ہاں میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھڑوں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھے یاد کروں گا تجھ سے فریاد کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر لیا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۵۳، سنن ابوداؤد ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۲۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص سے ملاقات کی۔ آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں ٹھیک ہوں، آپ نے پھر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں ٹھیک ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ نے فرمایا میں تم سے یہی سنا چاہتا تھا۔ (کتب الامام للعلی بن ابی شیبہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں، نصف میں صبر ہے اور نصف میں شکر ہے۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۵۹، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲۶)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ

لَا دَمَ فِيْهَا فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ ۝۱۱

کہ وہ اس میں خون نہ ہو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ۝

قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدًا إِذْ أَمَرْتُكَ قَالِ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

فرمایا تم کو بھدا کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں

خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے ۝ فرمایا تو یہاں سے اتر

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْذِرْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝

تجھے یہاں گھنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، مرنے جا چک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ۝

قَالَ أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝

اس نے کہا مجھے اس دن تک کی ہمت دے میں دن سب دن اٹھائے جاؤں گا ۝ فرمایا ایک تو ہمت پانے والوں میں سے ہے ۝

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ

اس نے کہا تم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراطِ مستقیم پر مزید لوگوں کی گمراہی میں بیٹھ رہوں گا ۝ پھر

لَا تَنصَحُهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَخَلْفَهُمْ وَعَنْ يَّمَانِهِمْ

میں لوگوں کو پہکانے کے لیے غم نہ ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور

وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ قَالَ اخْذِرْ

بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا ۝ فرمایا یہاں سے

مِنْهَا مَذَّةٌ وَمَا مَذَّ حُورًا لَّمَنْ يَتَّبِعَكَ مِنْهُمْ لَا مَلَكَنَ جَهَنَّمَ

ذیل اور دستکارا ہوا کہ ہر مَلَکِ جہنم جو تجھے پیروی کریں گے میں تم سب سے

مِنْكُمْ أَجْبَعِينَ ۝

دو دھک کر ہر دوں گا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو بھدا کرو تو ابلیس کے سوا سب نے بھدا کیا اور وہ بھدا کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا تھا کہ اس نے انسانوں کو زمین میں بسایا اور ان کو اسباب زیست فراہم کیے اور اس آیت میں ان پر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں انسان کی تخلیق کی ابتداء کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں مسجود ملائکہ بتلایا اور باپ پر جو انعام کیا جاتا ہے وہ بیٹے پر انعام کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ باپ کا شرف اور اس کا بلند مقام بیٹے کے لیے باعث فخر ہوتا ہے۔ اور اس سے فضا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس قدر انعمت سے نوازا ہے تو پھر ان کا ایمان نہ لانا اور کفر کر ڈالنے دینا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور اس کی احسان فراموشی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر مجبور فرمائی ہے۔ تم اللہ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تم میں جان ڈالی پھر وہ تمہاری جان نکالتا ہے پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ (البقرہ: ۲۸)

ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بتلی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو پیدا کیا پھر حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حالانکہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان کو مسجود ملائکہ بتلایا اس کے بعد ان کی نسل سے ہم کو پیدا فرمایا۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ اس آیت میں ”ہم نے تم کو پیدا کیا“ اس سے مراد ہے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا اور ہم نے تمہارے باپ آدم کی صورت بتلی جیسا کہ ایک اور آیت میں بھی انسان سے مراد آدم ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلْسَلَةٍ مِّنْ طِينٍ
(المؤمنون: ۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)

(اللہ) وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ وہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔

۲۔ مجاہد نے یہ بیان کیا ہے کہ ”تم کو پیدا کیا“ اس سے مراد یہ ہے کہ آدم کو پیدا کیا اور ”پھر تمہاری صورت بتلی“ اس سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جن کی اولاد کی صورت بتلی۔

۳۔ اس آیت میں ایک لفظ مقدر ہے۔ ”پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں“ اور پوری آیت کا معنی اس طرح ہو گا اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بتلی۔ پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔

حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح کے بعض اہم واقعات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام اور انہیں احسن کا قصہ سات سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ (البقرہ، الاعراف، الحجر، یوسف، اسراء، اٰنل ۴ کھت ۱۷ ص)

ہم اس قصہ کے مباحث کی تفسیر اور تفصیل سورہ البقرہ میں بیان کر چکے ہیں یہاں پر ہم بعض ان امور کو بیان کریں گے جن کا وہاں ہم نے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں پر ہم احداث اور آثار کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح بیان کر رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود جو بشر بیان کرتے ہیں کہ اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا اور فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۳۰) پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لیے زمین پر بھیجا۔ زمین نے کہا میں اس بات سے تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔ حضرت جبرئیل لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا رب اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔ پھر حضرت میکائیل کو بھیجا اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل کو بھیجا اس نے ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کی۔ انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ کے حکم پر عمل کرانے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین کے ہر خطے سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو غلط نظر کر دیا۔ اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔ وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گویا کر دیا۔ پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ يَئِسَ
حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر: ۲۶)

جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تاکہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ
(الرحمن: ۳۱) بنایا۔

ابلیس کہتا تھا اس کو کس لیے بنایا گیا ہے اس نے فرشتوں سے کہا اس سے مت ڈرو یا یہ اندر سے کھوکھلا ہے۔ اگر مجھ کو اس پر مسلط کیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبَآدَا سَوْبُكُهُ وَتَفَخَّتْ رُوحُهُ فَفَعَّلُوا
لَهُ سُلْجِدَيْنِ (الحجر: ۳۲)

سوجب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤ۔

جب اس پتلے میں روح پھونکی اور وہ ان کے سر میں داخل ہوئی تو ان کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہو الحمد للہ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اور جب روح ان کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں پہنچی تو ان کو طعام کی خواہش ہوئی اور انہوں نے پیروں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھلوں کی طرف چھلانگ لگنی چاہی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (الانبياء: ۳۷)

انسان جلد بازید کیا گیا ہے۔

پھر ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَسَحَّدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَعْتَمُونَ ۝ إِلَّا
إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ
يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ
بِيَدَيَّ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ خَلْقَتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ
طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا تَكُ رَاجِعًا
إِلَيْهِ ۝ (ص ۷۷-۷۸)

میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ۝ سو ابلیس کے اس نے
گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا ۝ فرمایا اے ابلیس! تجھے
اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے
ہاتھوں سے بنایا تو نے اب گھمنڈ کیا یا تو پہلے ہی سے گھمنڈ کرنے
والوں میں سے تھا ۝ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے
مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا ۝ فرمایا تو اس (جنت)
سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا ۝

(مختصر تاریخ و سخن ج ۳ ص ۲۱۵-۲۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کا مشاہدہ کرانا

امام ابو عیسیٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت
پر ہاتھ بھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی رو میں ان کی پشت سے جھڑکیں۔ نور ان میں سے ہر انسان کی دونوں
آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے
رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص نور اس کی نور کی
شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک
شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے میرے رب تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ کہا اے میرے رب! میری
عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ کہا کیا
میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیا یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟
حضرت آدم نے انکار کر دیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت
آدم نے (اجتہادی) خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ (سنن الترمذی ج ۵ رقم الحدیث ۳۰۸)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَأَذِ الْأَخَذَ رَبُّكَ مِنْ قَبْلِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ ۖ فَتَسْت
بِرَبِّكُمْ وَقَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا بَرَاءً
الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝

اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی
اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنا دیا (فرمایا) کیا میں
تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی
تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۷۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے
دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبودیت کا مستحق نہیں ہے۔ فلا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ
بنائو میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور ميثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا

تبیان القرآن

انہوں نے کہا ہم کو انی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں ہے، حضرت آدم نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بد صورت لوگوں کو دیکھا، حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو ایک جیسا کر دیتا فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے مشق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ
مِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
أَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب: ۵۷)

اور جب ہم نے (تلیخ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے ہتھ پکڑ لیا۔

(تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۲۲۰-۲۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مار اور سفید رنگ کی ان کی اولاد نکلا۔ وہ چوٹی کی شکل تھی۔ اور بائیں کندھے پر مار اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکلا، وہ کونوں کی طرح تھی۔ پھر دائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے اور بائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔

ابراہیم مبنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کعبہ کی طرح کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کرنے کا حکم دیا۔ جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قلوب نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو جلا کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے، جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔ ان سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔ (تم السجدة ۱۱) سو حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھ کر فرمایا کہ جہاں سے چاہو، فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت سے کھانے سے منع فرما دیا۔ یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس ممنوع کار کا پکڑ کر لیا۔ اس وقت ان کی شرم گھ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر میں توبہ کر لوں اور اصلاح کر لوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا بِمَا كُنَّا نَعْبُدُكَ لَا وَ
تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف: ۳۳)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اللہ کے دشمن ابلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی، لیکن اس نے قیامت تک کی صلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کر لی۔ حضرت آدم کو معاف کر دیا اور شیطان کو قیامت تک کی صلت دے دی۔

(تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۲۲۱-۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم کا سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور اس حدیث کی تحقیق امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی حنفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتماعی) خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا میں تجھ سے (سیدنا) محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی محمد کیا ہے اور محمد کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا تیرا نام برکت والا ہے تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا کون شخص ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے آدم وہ تمہاری اولاد میں آخر النبیین ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں سے آخری امت ہے اور اے آدم اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغير ج ۲ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ، المعجم الصغير ج ۲ رقم المحدثہ ۴۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، المعجم الاوسط ج ۲ رقم المحدثہ ۳۹۸ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، الشریعہ للازمی ص ۳۷۳-۳۷۴ ریاض، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵ مطبوعہ دار البازکۃ الشکرہ، دلائل النبوة، البیہقی ج ۵ ص ۲۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت، وقایہ الوقایہ لابن الجوزی ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لا کل پور، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، مجمع البحرین ج ۶ ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لا کل پور، (کتب تاریخ و سیرت) البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۱ ج ۲ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۵ ج ۲ ص ۳۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح المواہب للزرقانی ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، سبل الہدی والرشاد ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سیرت علیہ ج ۱ ص ۳۵۳ مطبوعہ شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ بابل الحلی و ولادہ عمر، قصص الانبیاء للفظ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ، (کتب تفسیر) در مشور ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر محلی ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ مؤسسۃ الاطلسی بیروت، روح البیان ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، (دیگر کتب) التکوئی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۵۱ مطبوعہ السعودیہ العربیہ، شفاء القاتل للسیکی ص ۴۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن، علامہ جلال الدین سیوطی نے در مشور ج ۱ ص ۱۳۲ اور الخصائص ج ۱ ص ۶ میں اور علامہ علی متقی ہندی نے کنز العمال ج ۱ ص ۳۵۵ میں اس حدیث کو امام ابو نعیم کی دلائل النبوة کے حوالے سے بھی درج کیا ہے۔ میں نے امام ابو نعیم کی دلائل النبوة کو حرفاً حرفاً دیکھا ہے۔ اس میں یہ حدیث نہیں اس سلسلہ میں ان بزرگ محدثین کو تسلیم ہوا ہے)

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح لایا ہے لیکن یہ من کا تسلل ہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے بلکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (تخفیف المستدرک ج ۱ ص ۱۵۵) علامہ ذہبی کا اس حدیث کو موضوع لکھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں کوئی وضاع راوی نہیں ہے اور ذہبی نے اس کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ اور قصص الانبیاء میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا ایک راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کو ضعیف ہی لکھا ہے۔ وضاع نہیں قرار دیا اور فضائل میں ضعیف احادیث کا اعتبار کیا جاتا ہے اور قوی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (تکوئی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۵۱ مطبوعہ السعودیہ العربیہ)

ہرچند کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض ائمہ حدیث نے اس کی تعدیل اور تحسین بھی کی ہے۔ حافظ جمال الدین یوسف مزی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔

امام ابو حاتم کا دو سرا قول یہ ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ابن ابی الرجال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور ابو احمد بن عدی نے کہا اس کی احادیث حسن ہیں لوگوں نے ان کو حاصل کیا ہے۔ اور بعض نے اس کو صلوٰۃ قرار دیا ہے اور یہ ان راویوں میں سے ہے جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(تذیب الکمال، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۳۳ھ، تذیب التذیب، ج ۲، ص ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن جوزی نے الوقاء میں اس حدیث کو جس سند سے ذکر کیا ہے اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم نہیں ہے، شیخ ابن حمیہ نے بھی اسی سند کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا ہے، لہذا عبدالرحمن بن زید کی وجہ سے جو اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے وہ اعتراض اصلاً ساقط ہو گیا۔

حضرت آدم کے سکون کے لیے حضرت حوا کو پیدا کرنا

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متونی ۷۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پہلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک عورت ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس نے کہا تاکہ آپ مجھ سے سکون حاصل کریں۔ فرشتوں نے پوچھا اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس کا نام حوا ہے۔ فرشتوں نے پوچھا آپ نے اس کا نام حوا کیوں رکھا۔ انہوں نے کہا کیونکہ یہ جی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور ہم نے فرمایا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (البقرہ: ۳۵) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں دوسرہ ڈالا تاکہ ان کے لیے ان کی ان شرم گاہوں کو ظاہر کرادے جو ان سے چھپائی ہوئی تھیں اور کہلا اے آدم و حوا! تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تمہیں تم فرشتہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں O پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکایا تو جب انہوں نے اس درخت کو چکھوا تو ان کی شرم گاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے بدن پر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے انہیں عذرا فرمائی کیا اس درخت سے میں نے تم دونوں کو نہیں روکا تھا؟ اور تم سے (یہ) نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۱۶-۱۷) اس درخت سے کھانے میں حوا نے سبقت کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تم بھی کھاؤ، کیونکہ میں نے کھایا تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ (حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام ممانعت کی ہے، تحریم منع نہیں فرمایا۔ اس لیے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم تھی۔ یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس معین درخت سے منع فرمایا ہے۔ اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لوں تو پھر حرج نہیں ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی غٹا اس درخت کی نوع سے منع کرنا تھا۔ پھر جب

انہوں نے اس درخت سے کھالیا اور وہ بے لباس ہو گئے اور بچوں سے جسم چھپانے لگے تو انہوں نے کہا: اس نے حیرتی قسم کھائی تھی اور میرا یہ ممکن نہیں تھا کہ حیرتی مخلوق میں سے کوئی شخص حیرتی قسم جھوٹی بھی کھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا اترو تمہارے بعض بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت تک قائم اٹھنا ہے۔ (الاعراف: ۲۳-۲۴)

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا

صحابیان کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں فرشتوں کی تسبیح اور ان کی آواز سنتے تھے۔ زمین پر آنے کے بعد یہ نعمت ان سے جاتی رہی۔ انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی شکایت کی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ بھی آپ کی اس (ظاہری) خطا کا ثمر ہے، البتہ میں آپ کے لیے ایک بیت اتار دوں گا۔ آپ اس کے گرد طواف کریں جس طرح فرشتے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بستیوں اور جنگلوں کی مسافت طے کر کے اس بیت کے پاس آئے اس کے گرد طواف کیا اور اس کے پاس نماز پڑھی۔ اسی طرح اس بیت کا طواف کرتے رہے، حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اٹھالیا اور قوم نوح کو فرق کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی بنیادوں پر حضرت نوح علیہ السلام سے وہ بیت بنوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہند سے پیدل چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اے بیٹو! میں جنت کے پھلوں کی خواہش کر رہا ہوں، وہ جنت کے پھل ڈھونڈنے چلے گئے۔ ان کے سامنے سے فرشتے آئے، ان کے پاس کفن اور خوشبو تھی، اور کہہ الیں اور پھاڑے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم کے بیٹوں سے کہا: تم کیا تلاش کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارا باپ بیمار ہے ہم اس کے لیے جنت کے پھل ڈھونڈ رہے ہیں۔ فرشتوں نے کہا: واپس جاؤ، تمہارے باپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ فرشتے آئے تو حضرت حواء نے ان کو پہچان لیا۔ وہ حضرت آدم کے پاس گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے دور رہو۔ تمہاری وجہ سے میں قند میں جلا ہوا تھا۔ مجھے اور میرے رب عزوجل کے فرشتوں کو تھا پھوڑ دو۔ پھر فرشتوں نے حضرت آدم کی روح قبض کر لی۔ ان کو غسل دیا، ان کو کفن پہنایا اور ان کے جسم پر خوشبو لگائی اور ان کے لیے قبر کھود کر لکھ بٹائی ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کی قبر میں اترے اور ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر پر کچی اینٹیں رکھیں۔ پھر ان کی قبر سے نکلے اور ان کی قبر کو مٹی سے پر کر دیا۔ پھر کہا: اے آدم کے بیٹو! یہ تمہارے لیے کفن و دفن کا طریقہ ہے۔

عطاء غزاسانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن تک مخلوق روتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مباحثہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں! آپ نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکل دیا۔ ان سے حضرت آدم نے کہا اے موسیٰ! تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز کیا اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لیے تورات نکلی۔ کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر دیا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۲۷۳۳، صحیح مسلم، قدر ۳ (۲۷۵۲) سنن ابو داؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۱۷۷، السنن الکبریٰ ج ۶، رقم الحدیث: ۸۳۲۹)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں یہ مباحثہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے پاس ہوا ہو یا ہو سکتا ہے کہ دونوں کے وصل کے بعد عالم برزخ میں یہ مباحثہ ہوا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فجر ممنوع کھانے پر نقدیر کاغذ راہی زندگی میں پیش نہیں کیا بلکہ زندگی میں اپنے اس فعل پر اظہار مذمت اور توبہ اور استغفار ہی کرتے رہے، جبکہ ان کا یہ فعل بھوسے سے ہوا تھا اور یہ گناہ نہیں تھا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اس مثل کو سامنے رکھ کر کوئی شخص اپنے دانستہ گناہوں پر یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ اس کی نقدیر میں پونہ لکھا تھا۔ جب تک انسان دارالصلیٰ میں ہے اس پر مصلحین کے احکام جاری ہوں گے۔ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر حسب عمل جاری ہوگی اور اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو عذاب کا مستحق ہو گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا فعل اول تو حقیقتاً معصیت نہیں تھا۔ مانیا انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ دارالصلیٰ سے جانے کے بعد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فرمایا تم کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے ○ (الاعراف ۱۳)

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

سجدہ کالفت میں معنی ہے: سر نیچے کرنا، جھکتا، عاجزی اور خاکساری کرنا اور اس کا نقض معنی ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور اس سے بڑھ کر عاجزی اور تذلل حضور نہیں ہے۔

(التہامیہ ج ۲، ص ۳۰۹، ۳۰۲، مطبوعہ دارالکتب الصلیٰ، بیروت ۱۴۳۸ھ، مجمع بحار الانوار ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں سجدہ کے اطلاقات

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

سجدہ کا شرعی معنی ہے اللہ کے لیے تذلل اور عاجزی کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور یہ انسان، حیوانات اور جمادات سب کو شامل ہے اور اس سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ سجدہ بلا اختیار اور سجدہ بالتعمیر۔ سجدہ بلا اختیار پر انسان و کلب کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَسَبِّحْ لِلَّهِ مَا وَعَدُ وَإِذَا (الحجم ۳)

سوا اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

اور سجدہ بالتعمیر اور سجدہ بلا اختیار دونوں کی مثل یہ آیت ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (النحل: ۴۹)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں وہ سب اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں (ہر قسم کے) جاندار اور سب فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

اور صرف سجدہ بالتعمیر کی مثل یہ آیتیں ہیں وَالشَّجَرُ يَسْجُدُ اِنَّ ۝ (الرحمن: ۶)

اور زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے تئیں پر کھڑے درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا ۝ (الرعد: ۱۵)

مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے (بھی) صبح اور شام کو۔

قرآن مجید میں سجدہ کا اطلاق سجدہ عبودیت کی بجائے سجدہ تعظیم پر بھی کیا گیا ہے: اَسْجُدْ وَالْاٰدَمَ (البقرہ: ۳۳) وَحٰرُوْا لَكَ سُّجُوْدًا (یوسف: ۳۰)

آدم کو سجدہ کرو۔ اور اہل باپ اور بھائی سب (یوسف کے لیے) سجدہ میں گر گئے۔

سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا گیا ہے: وَمِنْ الْبَيْتِ فَسَبِّحْهُ وَادْبَارَ السُّجُوْدِ (ق: ۳۰) بعد (بھی)۔

رات کے کچھ وقت میں اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے

ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟

مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ ان کی دلیل سورۃ البقرہ کی یہ آیت ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ (البقرہ: ۳۳) ابلیس کو سجدہ کا حکم اس وقت ہو گا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جنی تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا۔ اس لیے یہ طور مخفی وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا۔ دو سراجواب یہ ہے کہ جنات کو سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصغر کو اس کی تعظیم کا یہ طریق اولیٰ حکم ہے۔ ابلیس کے جن ہونے کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ ۝ (الكہف: ۵۰) وہ (ابلیس) جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اس بحث کی مکمل تفصیل جاننے کے لیے (البقرہ: ۳۳) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ امر کا وجوب کے لیے ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا علماء اصول نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ امر کا تھا وجوب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اس پرہیزگاری سے کہ ابلیس نے اللہ کے حکم

کے بعد اس پر عمل نہیں کیا اور بعض علماء نے اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ امر کا اختتام یہ ہے کہ اس پر فوراً عمل کیا جائے، کیونکہ ابلیس نے جب اس پر علی الفور عمل نہیں کیا تو اس پر گرفت کی گئی۔

حضرت آدم سے افضل ہونے پر ابلیس کا یہ استدلال کہ آگ مٹی سے افضل ہے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ایلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی: اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ایلیس کے جواب کی وضاحت یہ ہے کہ آگ مٹی سے بنتی ہے۔ کیونکہ آگ گرم خشک ہے اور مٹی سرد خشک ہے۔ اور حرارت برودت سے افضل ہے۔ کیونکہ گرمی حیات کے اور جوانی کے مناسب ہے اور ٹھنڈک موت اور بڑھاپے کے مناسب ہے اور حیات اور جوانی 'موت اور بڑھاپے' سے افضل ہے۔ نیز آگ تاثیر اور فعل کرتی ہے اور مٹی اثر قبول کرتی ہے اور افضل کرتی ہے اور فعل 'اثر قبول' سے افضل ہے اور آگ کا خاصہ بلندی کی طرف جانا اور مٹی کا خاصہ پستی کی طرف آنا ہے اور بلندی پستی سے افضل ہے۔ سو من تین وجوہ سے آگ مٹی سے افضل ہے اور ایلیس آگ سے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے لہذا ایلیس حضرت آدم سے افضل ہوا اور افضل کا معقول کو سجدہ کرنا حکمت کے خلاف ہے۔

آگ سے مٹی کے افضل ہونے کی دس وجوہات

الہیئس کی یہ دلیل متعدد وجوہ سے باطل ہے کسی مرکب کی چار مٹکیں ہوتی ہیں۔ علت مادی، علت صوری، علت فاعلی اور علت غائی۔ الہیئس نے اپنے اور حضرت آدم کے درمیان صرف علت مادی سے قاتل کیا اور باقی تین علتوں سے صرف نظر کر لی۔ ثانیا علت مادی کے اعتبار سے بھی حضرت آدم، الہیئس سے افضل ہیں کیونکہ مٹی آگ سے حسب ذیل وجوہ سے افضل ہے:

- ۱۔ آگ کی طبیعت کا تقاضا چیزوں کو علی الغور جلائے اور ان کو تلف کرتا ہے جبکہ مٹی کسی چیز کو تلف یا ضائع نہیں کرتی۔

۲۔ مٹی میں انسانوں اور حیوانوں کا رزق پیدا ہوتا ہے اور کپاس پیدا ہوتی ہے جس سے انسانوں کا لباس حاصل ہوتا ہے جبکہ آگ میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

۳۔ مٹی میں اگر ایک دانہ ڈالا جائے تو اس کی برکت سے وہ کم و بیش سات سو گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے جبکہ آگ کسی چیز کو بڑھاتا تو کجا اصلاً نیست و نابود کر دیتی ہے۔

۴۔ آگ کو اپنے وجود میں مٹی کی احتیاج ہے۔ کیونکہ آگ زمین کے بغیر نہیں متعلق ہوگی۔ جبکہ زمین کو اپنے وجود میں آگ کی احتیاج نہیں ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے بہ کثرت منافع اور فوائد کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے:

أَلَمْ تَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا (الساء ۶) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔

یہاں ہم نے زمین کو میٹھے والی نہ بتایا ○ زخموں اور مردوں کے لیے ○ اور ہم نے اس میں بلند مضبوط پہاڑ پیدا کر دیے ۔

(الجرميات: ٢٥-٢٧)

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِيَ الْأَرْضِ حَبِيبًا
 اسی نے جس نے تمہارے لیے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔
 (البقرہ: ۲۹)

اس کے برخلاف قرآن مجید کی اکثر اور بیشتر آیتوں میں اللہ کو عذاب قرار دیا گیا ہے اور اس سے دُور پایا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو برکت قرار دیا ہے۔

آپ کہتے تھے تم بے شک اس کے ساتھ ضرور کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک بناتے ہو یہ پروردگار ہے سارے جہانوں کا اور جس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں برکت دی اور اس میں اس کے باشندوں کے لیے چار دنوں میں غذائیں رکھ دیں جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ وَيَوْمَئِذٍ وَنَحْمَلُوْنَ لَهُ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوٰسِي مِّنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَهَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَنْقَوَاتِهَا وَبِئْسَ اَرْبَعًا اَبَاحٌ سَوَآءٌ لِّلْمُتَاوَلِيْنَ ۝ (حم السجده ۶۱۰)

وَتَحْنِيسُهُ وَلَوْ عَلٰى الْاَرْضِ اَلَّتِيْ بُرِكَآ فِيْهَا لِنُعْلِمَ بِهَا ۝ (الانباء: ۱۷)

وَلِيُسَلِّمَنَّ الْيَرْبِيعَ عَاصِفَةً نَّخِرَتِيْ بِأَمْرِئِهِ اِلَى الْاَرْضِ اَلَّتِيْ بُرِكَآ فِيْهَا (الانباء: ۸۷)

اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی ہے۔ اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اس کے برخلاف آگ کی یہی صفت ہے کہ وہ چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

۷۔ مٹی کے شرف کے لیے یہ کلن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا گھر (البيت المحرام) بنایا ہے جس میں ہر وقت طواف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سجدے کیے جاتے ہیں اس کی عبادت کی جاتی ہے اور تسبیح، تحلیل اور تہجد کی جاتی ہے۔ علیٰ هذا القیاس۔ مسجد نبوی ہے مسجد اقصیٰ ہے اور بے شمار مساجد ہیں جن میں دن رات اس کی حمد اور عبادت کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف آگ میں ایسی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۸۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے نفع کے لیے 'معدنیات' 'دریا' 'سندر' 'چشے' 'پھلوں کے باغات' 'غلہ' سے لدے ہوئے کھیت 'سوارپوں کے لیے اصف و اقسام کے جانور اور طرح طرح کے لباس پیدا کیے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آگ کے اندر ایسا کوئی نفع نہیں ہے۔

۹۔ آگ کی زیادہ سے زیادہ فضیلت یہ ہے کہ اس کی حیثیت زمین کے غلام کی ہے۔ اول تو آگ کا وجود زمین کے وسیلہ سے ہے۔ آگ یا لکڑیوں کو جلا کر حاصل ہوتی ہے یا گوبر کو جلا کر۔ یا قدرتی گیس سے اور تیل سے حاصل ہوتی ہے اور ان تمام چیزوں کا حصول زمین سے ہوتا ہے۔ مٹیا آگ سے کھانا پکایا جاتا ہے یا حرارت حاصل کی جاتی ہے اور کھانے کے اجراء ترکیبی بھی زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مٹی اصل اور مخدوم ہے اور آگ فرع اور غلام ہے اور اس کو مٹی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

۱۰۔ ابلیس لعین کا لہو خلقت (سارج من نار) بھڑکنے والی آگ ہے اور بھڑکنے والی آگ اور شعلے فی نفسہ ضعیف ہیں۔ ہوا ان کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور ان کا بھڑکنا ہوا کے تابع ہے۔ اور مٹی فی نفسہ قوی ہے۔ ہوا اس کو اپنے زور سے ادھر ادھر نہیں لے جاسکتی بلکہ مٹی کی دیواریں اور پہاڑ ہوا کے لیے سد راہ بن جاتے ہیں اور قوی 'ضعیف' سے افضل ہوتا ہے اس لیے مٹی آگ سے افضل ہے۔ مٹیا ابلیس لعین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی اور پانی کو گوندھ کر دونوں سے بنایا گیا تھا اور پانی بھی آگ سے افضل ہے کیونکہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ نیز پانی کے افضل ہونے کے لیے یہ آیت کلن ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔

(الانبیاء: ۳۰)

الغرض حضرت آدم علیہ السلام کاملہ خلقت مٹی اور پانی ہے اور یہ دونوں آگ سے افضل ہیں۔ اس لیے ابلیس لعین کا یہ کہنا غلط تھا کہ ”میں آدم سے بہتر ہوں۔“

حضرت آدم کا چاروں علتوں کی وجہ سے ابلیس سے افضل ہونا

علت مادی کے بعد دوسری فضیلت کی وجہ علت صوری ہے اور علت صوری کے اعتبار سے بھی حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنِّ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین تقویم (ساخت)

(التین: ۴) میں بنایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اللہ عز وجل

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث ۶۴۲، صحیح مسلم ج ۱، ۱۱۵، (۲۶۱۲) ۶۵۳۲، مسند احمد ج ۲، ص ۳۱۵، ۲۵۱، ۲۳۳، طبع قدیم)

علت صوری کے بعد تیسری فضیلت کی وجہ علت فاعلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو حرف کس سے پیدا فرمایا اور

حضرت آدم علیہ السلام کو خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي (ص: ۳۸)

فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کے لیے سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ ۝ فَاذْكُرُونَهُ أَنْ تَكُونَ رُجُومًا ۝

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ میں

مٹی سے بشر بنانے والا ہوں ۝ تو جب میں اسے درست گروں

اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔

فَقَعُوا آلَهُ سِجْدِينَ ۝ (ص: ۷۴-۷۵)

فضیلت کی چوتھی وجہ علت غائی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عاقبت تخلیق اللہ تعالیٰ کی نیابت اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے۔ فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ

میں زمین میں (ایمان) نائب بنانے والا ہوں۔

الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۝ (البقرہ: ۳۰)

اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو۔ اور اس تفصیل سے

واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام علت مادی، صوری، فاعلیٰ اور غائی ہر اعتبار سے ابلیس لعین سے افضل ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو ابلیس پر لازم اور واجب تھا کہ وہ آپ کو سجدہ کرے لیکن اس نے اللہ تعالیٰ

کے صریح حکم کے مقابلہ میں فاسد قیاس کیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ حضرت آدم سے افضل ہے اور افضل کا مفقود کو سجدہ

کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء ظاہر نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقاً قیاس اور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے

ہم یہاں پر قیاس اور اجتہاد کی تحقیق کر رہے ہیں۔

الیس کے باطل قیاس کی بنا پر منکرین قیاس کے دلائل اور ان کا تجزیہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن سیرین نے کہا سب سے پہلے الیس نے قیاس کیا تھا اور سورج اور چاند کی پرستش صرف قیاس کی وجہ سے کی گئی ہے۔
حسن بھری نے کہا سب سے پہلے جس نے قیاس کیا تھا وہ الیس ہے۔

(جامع البیان 'جز ۸' ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ 'سنن داری' ج ۱، رقم الحدیث ۱۹۱، طبع بیروت ۱۴۳۰ھ)
حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ النیسابوری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن جمیع بیان کرتے ہیں کہ میں 'ابن ابی لیلیٰ' اور (امام) ابو حنیفہ 'حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبد اللہ بن شبرہ نے کہا میں اور (امام) ابو حنیفہ 'حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر بن محمد نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جس کو امور دین میں بہت مہارت اور بصیرت حاصل ہے۔ حضرت جعفر نے کہا شاید یہ دین کے معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! حضرت جعفر نے (امام) ابو حنیفہ سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا نعمان! (ابن ابی لیلیٰ) حضرت جعفر نے امام ابو حنیفہ سے کہا اب نعمان! مجھے میرے والد نے میرے دلوائے یہ حدیث روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سب سے پہلے دین کے معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کیا وہ الیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: (حضرت) آدم کو سجدہ کرو! اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے سو جس نے دین میں اپنی رائے سے قیاس کیا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن الیس کے ساتھ اکٹھا کرے گا! ابن شبرہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے 'پھر حضرت جعفر نے ان سے پوچھا قتل نفس اور زنا میں کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا قتل نفس۔ حضرت جعفر نے کہا اللہ تعالیٰ نے قتل نفس کے ثبوت کے لیے صرف دو گواہ کافی قرار دیے۔ پھر زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی کیوں ضروری ہے؟ پھر پوچھا نماز اور روزے میں کون سا فرض زیادہ اہم ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا نماز! حضرت جعفر نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ حائض عورت صرف روزے کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہے؟ پھر کہا تمہارے قیاس کرنے پر افسوس ہے اللہ سے ذرا دور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کرو۔

(علیہ الاویاء 'ج ۳' ص ۱۸۶-۱۸۷، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ 'لینا' ج ۳، رقم الحدیث ۳۷۷، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)

(۱۴۳۱ھ)

حضرت جعفر بن محمد نے نبی ﷺ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کے متعلق حاضی محمد بن علی بن محمد شاکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں غور کرنا چاہیے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور یہ حدیث کا نام نبوت کے مشابہ نہیں ہے۔

(فتح اللہ بر 'ج ۲' ص ۱۹۳، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت، فتح البیان 'ج ۳' ص ۲۶۳، مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ بولاق 'مصر' ۱۳۰۰ھ)
اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے۔ سعید بن عبس۔ اس کے متعلق حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یہی نے کہا یہ کذاب ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ صادق نہیں۔ اس نام کا ایک دوسرا شخص ہے وہ مجہول ہے۔ اس نام کا ایک

تیسرا شخص ہے۔ امام ابن جوزی نے اس پر کوئی طعن نہیں کیا لیکن یہ متعین نہیں ہے کہ اس سند میں کون سا شخص مراد ہے۔

(میزان الاعتدال 'ج ۳' ص ۲۲۳ 'کتبہ دار الکتب اعلیٰ بیروت' ج ۳' ص ۱۳۱۶)

اس حدیث کا ایک اور راوی ہے عمرو بن جمح۔ اس کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

ابن معین نے اس کو کذاب قرار دیا۔ امام دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا یہ متروک ہے۔ ابن عدی نے کہا اس پر حدیث گمڑنے کی حسرت ہے۔ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔

(میزان الاعتدال 'ج ۵' ص ۳۰۴ 'مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ بیروت' ۱۳۱۶ھ)

نظام معتزلی اور بعض اہل اظہار قیاس کے منکر ہیں اور صحابہ کرامؓ تا عین عظام اور ان کے بعد کے جسور علماء قیاس کے قائل ہیں اور قیاس سے جو احکام مستنبط ہوں ان پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے اور عقلاً واقع ہے۔ بعض شوافع اور ابوالحسن بصری کے نزدیک اس پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ (الجامع لاہم اقرن 'جزء ۵' ص ۵۵۰ 'مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ بیروت' ۱۳۱۵ھ)

مجوزین قیاس کا احادیث سے استدلال

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۵۶۱ھ نے اپنی صحیح میں یہ عنوان قائم کیا ہے: جس شخص نے کسی پیش کردہ مسئلہ کو ایسی متعارف اہل قیاس کیا ہو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہو تاکہ سوال کرنے والا اس مسئلہ کو سمجھ سکے اور اس عنوان پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور سوال کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر ملنی تھی۔ پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی۔ کیا میں اسکی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے حج کر لو۔ یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا پھر اللہ کا قرض ادا کرو۔ وہ ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث ۵۳۱۵ 'مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ بیروت' ۱۳۱۲ھ)

نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق چاندیوں کا اجتناب کرنا اور یہ کہا کہ نبی ﷺ نے صاحب حکمت کی تعریف کی ہے جبکہ وہ حکمت سے فیصلے کرے اور حکمت کی تعلیم دے اور از خود کوئی حکم نہ دے اور خلفاء سے مشورے کرے اور اہل علم سے تبادلہ خیال کرے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو (قسم کے) آدمیوں پر حسد (ریشم) کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مل دیا ہو اور اس میں کوئی حق میں خرچ کرنے پر اس کو مسلط کر دیا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہو۔

(صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث ۵۳۱۶ 'مطبوعہ دار الکتب اعلیٰ بیروت' ۱۳۱۲ھ)

نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا جن احکام کی معرفت دلائل سے ہو پھر دلائل کی یہ تفسیر کی کہ نبی ﷺ نے گھونٹوں کے احکام بیان فرمائے اور جب آپ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کا حکم اس آیت سے مستنبط کیا فمیں بحمل منقالت درۃ حیرا پیرہ لوہ نبی ﷺ سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں اور نبی ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ حرام نہیں ہے اور اس عنوان کے تحت یہ حدیث سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں۔ گھوڑا کسی کے لیے باعث اجر ہوتا ہے اور کسی کی پردہ پوشی کا سبب ہوتا ہے اور کسی کے حق میں گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کے لیے اس کا گھوڑا باعث اجر ہے یہ وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو اللہ کے راستہ میں باندھ دیا۔ وہ چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی دراز کر دیتا ہے۔ وہ اس چراگاہ یا باغ سے جو کچھ کھاتا ہے وہ اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ اس کی رسی کاٹ دے اور وہ کسی ایک نیلے یا دودی نیلوں پر جائے تو اس کے چلنے اور اس کی لید کے بدلہ میں اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ کسی دریا سے پانی پئے خواہ اس کا قصد پانی پلانے کا نہ ہو پھر بھی اس میں اس کی نیکیاں ہیں اور اس گھوڑے میں اس شخص کے لیے اجر ہے۔ اور ایک شخص نے گھوڑے کو اس لیے رکھا کہ وہ اپنی ضروریات میں دوسروں سے مستغنی رہے اور ان سے سوال کرنے سے بچا رہے اور اس پر کسی کو سوار کرنے میں یا اس پر کس کا بوجھ لادنے میں اللہ کے حق کو فراموش نہ کرے تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے گھوڑے کو غر کرنے اور ریاکاری کے لیے رکھا تو یہ اس کے اوپر گناہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: گدھ پر ان کے متعلق کوئی خصوصی حکم نازل نہیں ہوا مگر یہ آیت جو تمام احکام کو جامع ہے:

فَمَنْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ يَتَمَسَّكْ

جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا۔

(الزمر ۸: ۷۷)

(صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث ۳۷۵۶، صحیح مسلم الزکوٰۃ ۲۳ (۹۸۷)، سنن الترمذی ج ۶، رقم الحدیث ۳۵۶۳) اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک مخصوص اور جزی حکم پر ایک عام اور کلی حکم سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث میں پیش آمدہ مسائل اور جزئیات پر شرعی کلیات سے استدلال کرنے کی دلیل ہے۔ مجوزین قیاس کا آثار صحابہ اور اقوال علماء سے استدلال

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت سے مسائل کا استنباط کرنا اور اجتہاد کرنا اور امت کا اجماع برحق اور واجب ہے اور اہل علم کے لیے لازماً فرض ہے۔ اس کے ثبوت میں نبی ﷺ کی احادیث اور صحابہ اور تابعین کی روایات موجود ہیں۔ ابو تمام مالکی نے کہا کہ قیاس کے جواز پر امت کا اجماع ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے رہا الفضل میں چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور) پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا ہے اور ان میں بھی زیادتوں کے ساتھ بیع کو حرام قرار دیا ہے اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیعت لینے سے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمارے دین میں آپ پر راضی ہو گئے تو ہم اپنی دنیا میں آپ پر کیوں راضی نہیں ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہمیت کو نماز پر قیاس کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا اور کھانا خدا اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو جمع کیا ہے میں ان میں تفریق نہیں کروں گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے سامنے شراب کی حد کو حد قذف پر قیاس کیا اور فرمایا: انسان شراب کے نشہ میں ہڈیاں بکاتا ہے اور ہڈیاں میں لوگوں پر حسرت لگاتا ہے لہذا اس کی حد بھی اسی کوڑے ہوگی اور پھر اس حد پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ جن نئے مسائل میں تم کو تشویش ہو اور کتاب اور سنت میں ان کی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق تم قیاس سے کام لو اور جو چیز حق کے مشابہ ہو اس پر عمل کرو۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳، رقم الحدیث ۳۳۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ میں گئے۔ حتیٰ کہ جب وہ مقام سرغ میں پہنچے تو ان سے لشکر کے امراء نے ملاقات کی جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے اصحاب بھی تھے۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ شام میں دبا پھیل چکی ہے۔ اب ان کا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ شام میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ بعض صحابہ نے کہا ہم ایک کام کے لیے آئے ہیں اور اس کام کو کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے اور بعض نے یہ کہا کہ آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ ان کو دبا میں جھونک دیں۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو مجلس سے اٹھادیا اور انصار کو بلایا انہوں نے بھی مساجدین کی طرح مشورہ دیا اور ان میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا۔ پھر آپ نے ان کو بھی اٹھادیا اور قریش کے عمر رسیدہ لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے بلا تعلق یہ کہا کہ لوگوں کو اس بلا میں نہ ڈالیں اور واپس چلیں۔ پھر حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ ہم صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں یا حضرت عمر نے فرمایا اے ابو عبیدہ کاش تمہارے علاوہ کوئی اور شخص یہ بات کہتا ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ایک وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز ہو اور ایک بخر ہو۔ اگر تم سرسبز کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے اور اگر بخر کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف آگے جو کسی کام سے گئے ہوئے تھے انہوں نے کہا اس کا متعلق میرے پاس ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں کسی علاقہ میں بلا کا علم ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔ پھر حضرت عمر نے اللہ کی حمد کی اور وہاں سے واپس لوٹ گئے۔ (صحیح بخاری ج ۲، رقم الحدیث ۵۷۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

اس مضمون کی احادیث آثار اور اقوال ائمہ بہ کثرت ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ قیاس دین کی ایک اصل امیل ہے۔ مجتہدین اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور علماء اس سے استدلال کرتے ہیں اور احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ اس پر ہر دور کے علماء کا اجماع رہا ہے اور چند شذ لوگوں کی مخالفت سے اس اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جو قیاس ممنوع اور مذموم ہے یہ وہ قیاس ہے جس کی اصل کتب اور سنت میں موجود نہ ہو اور جو نصوص صریحہ سے متضاد ہو جیسے ایسی کا قیاس تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے مقابلہ میں قیاس کیا۔ حالانکہ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی مسئلہ میں صریح حکم نہ ہو۔ قرآن میں نہ حدیث میں۔ مخالفین قیاس نے اپنے موقف کی تائید میں جو روایات ضعیفہ اور اقوال رکیکہ پیش کیے ہیں بر تقدیر ثبوت ان کا عمل اس قسم کا قیاس ممنوع اور مذموم ہے جس کی اصل کتب سنت اور اجماع امت میں موجود نہ ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۵۶-۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قیاس کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاعْتَصِرُوا بِأَوَّلِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲)

اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے اور قیاس کی شرائط پر سب سے زیادہ مطلع تھے اور اس آیت میں آپ کو بھی قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ بھی قیاس کرتے تھے۔ (المحصول ج ۳، ص ۵۶-۵۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض ۱۴۳۱ھ)

اور ہم اس سے پہلے اس بحث میں صحیح بخاری کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے قیاس کرنے کے ثبوت میں حدیث پیش

کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تو یسٰی سے اتر، تجھے یسٰی گھمنہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔ (الاعراف: ۱۵)

شیطان کے ساتھ طویل مکالمہ اس کی فضیلت کا موجب نہیں

یہ اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ ہے۔ سورہ ص میں یہ مکالمہ بہت تفصیل کے ساتھ آیت ۷۷ سے آیت ۸۴ تک ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: اے ابلیس تجھ کو اسے بھروسہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے (لب) تکبر کیا یا تو (بجہاد) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا؟ فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا، کیونکہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دے، جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔ اس دن تک جس کی مہلت ہمیں معلوم ہے۔ اس نے کہا پس تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور بسکڑوں گا۔ سو ان کے جو تیرے پر غلوں بندے ہیں۔ فرمایا یہ حق ہے اور میں حق ہی فرماتا ہوں۔ اس میں تجھ سے اور تیرے سب پیروکاروں سے جہنم بھر دوں گا۔

قرآن مجید میں اتنا طویل کلام کسی نبی کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ ہم کلام ہونے سے کوئی شرف اور مقام حاصل ہوتا ہے تو از روئے قرآن زیادہ شرف اور مقام تو ابلیس لعین کو حاصل ہو گیا۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا تھا، وہ براہ راست کلام فرمایا تھا اور ابلیس لعین سے فرشتوں کی وساطت سے کلام فرمایا تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ طور انعام اور اکرام کلام فرمایا تھا اور ابلیس لعین سے یہ طور اہانت کلام فرمایا۔

ابلیس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا یا آسمان سے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یسٰی سے اتر“۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جنت سے اتر جا۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یسٰی نہیں رہتا۔ (جامع البیان، ج ۸، ص ۱۷۷، مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابلیس جنت عدن میں رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔

تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنادی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہو گئی۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ زمین سے سمندروں کے جریروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح داخل ہو سکے گا جس طرح چور داخل ہوتے ہیں۔ تاہم پہلی تفسیر رائج ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۵۶، مطبوعہ دار الفکر، ۱۳۱۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۵۰ھ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ

تھانوی نے لکھا ہے تو آسمان سے نیچے اتر 'تجہ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے' (خاص کر آسمان میں رہ کر۔

(بیان القرآن 'ج ۱' ص ۳۱۵، مطبوعہ آج کلینی لاہور، معارف القرآن 'ج ۲' ص ۵۲۶، مطبوعہ دارۃ المعارف، کراچی ۱۹۹۳ء)

علامہ قرطبی، شیخ تھانوی اور مفتی محمد شفیع نے جس تفسیر استعمال کیا ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اترنے کا حکم دیا تھا یہ معتزلہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ معتزلہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جنت بنی ہوئی ہے اور حضرت آدم کا پتلا جنت میں تیار کیا گیا اور ابلیس جنت میں رہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت کا ابھی بنانا مہیٹ ہے۔ جنت کو قیامت کے بعد بنایا جائے گا۔ اس لیے امام رازی نے لکھا ہے کہ بعض معتزلہ نے کہا کہ ابلیس کو آسمان سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر 'ج ۵' ص ۶۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام رازی نے بعض معتزلہ فرمایا ہے 'کیونکہ اکثر معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں کہ جنت بنائی جا چکی ہے اور ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تھا۔ مشہور معتزلی مفسر جبار اللہ زمخشری متوفی ۵۲۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو آسمان سے اترنے کا حکم دیا اکشف 'ج ۲' ص ۹۰ اور ایک دوسرے معتزلی مفسر قاضی ابو محمد عبدالحق بن غالب بن علیہ اندلسی متوفی ۵۳۶ھ نے لکھا ہے اس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (المحرر الوجیز 'ج ۷' ص ۱۹، مطبوعہ مکتبہ تنویریہ، مکہ مکرمہ)

تواضع کرنے والے کے لیے سر بلند کی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی

اس آیت میں مذکور ہے کہ ابلیس نے تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم سے بڑا اور اچھا سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت سے نکل دیا اور فرمایا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے اور اس کے بعد کی آیت میں مذکور ہے کہ حضرت آدم نے (بلو جود بھولے سے شجر ممنوع سے کھانے کے فعل پر) توبہ اور استغفار سے کلام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین کی خلافت انہیں سونپ دی اور ان کو اپنا نائب بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اور بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور ذلیل کرتا ہے۔

حضرت عیاض بن حمار جہیز بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو۔ حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر غرور نہ کرے۔ اور کوئی شخص کسی کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

(صحیح مسلم، ص ۶۴، (۲۸۹۵) ۷۰۷۳، سنن ابوداؤد، 'ج ۲' رقم الحدیث ۳۸۹۵، سنن ابن ماجہ، 'ج ۲' رقم الحدیث ۴۲۱۳)

حضرت ابوسعید خدری جہیز بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سبحانہ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور جو شخص اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ اس کو ایک درجہ پست کر دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے نیچے طبقہ میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، 'ج ۲' رقم الحدیث ۴۱۷۶، تہذیب تاریخ دمشق، 'ج ۳' ص ۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ھ)

عائش بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب جہیز نے منبر پر فرمایا اے لوگو! تواضع کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے اور فرماتا ہے سر بلند ہو اللہ تجھے سر بلند کرے۔ وہ خود اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور لوگوں کے نزدیک بہت عظیم ہوتا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور فرماتا ہے دفع ہو وہ خود اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

(المعجم الاوسط، 'ج ۹' رقم الحدیث ۸۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف، الریاض ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ جہیز بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے لیے تواضع کی

اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے اور جس نے اس پر بڑائی ظاہر کی اللہ اس کو پست کر دیتا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸، رقم الحدیث ۷۷۰۷، الترغیب والترہیب ج ۲، ص ۵۳۵، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) جس نے میرے لیے اس طرح تواضع کی یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا میں اس کو اس طرح بلند کرتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

(المعجم الصغیر، رقم الحدیث ۶۳۵، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۸۲، طبع قدیم، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۵۶، ۱۵۷، طبع جدید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا مجھے اس دن تک صلت دے جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے ○ فرمایا ہے

تک تو صلت پانے والوں میں سے ہے ○ (الاعراف ۱۵-۱۳)

اس بات کی تحقیق کہ ابلیس لعین کو کتنی زندگی کی صلت دی ہے

جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے وہ حشر کا دن ہے اور اس دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی۔ ابلیس لعین نے یہ سواں اس لیے کیا تھا کہ وہ اس عمومی قاعدہ سے بچ جائے کہ "ہر شخص کو موت آتی ہے" اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے "تو صلت پانے والوں میں سے ہے ○" اور سورہ الحج میں فرمایا ہے: "تجھے وقت معین تک صلت دی گئی ہے۔"

قَالَ قَوْلَكَ مِنَ الْمُسْطَرِئَاتِ ○ اِلٰى نَبِيٍّ
اَلْوَقْتُ الْمَعْلُومُ (المحجر: ۳۸-۳۷ ص ۸۱-۸۰) تک جس کا وقت (میں) معلوم ہے۔

امام رازی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے ایک روایت کی بناء پر یہ کہا ہے کہ الوقت المعلوم سے مراد بعضہ اولیٰ ہے۔ یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور سب لوگوں کو موت آئے گی تو اس کو بھی موت آجائے گی اور ابلیس لعین کو بھی معلوم تھا کہ اس کو بعضہ اولیٰ تک صلت دی گئی ہے۔ وہ روایت یہ ہے۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو یوم حشر تک صلت نہیں دی لیکن اس کو وقت معلوم تک صلت دی ہے اور یہ وہ دن ہے جس دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور آسمان و زمین کی ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ سو وہ بھی مرجائے گا۔ (جامع البیان ج ۸، ص ۷۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اگر وقت معلوم سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابلیس لعین کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس دن مرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی سنت کے خلاف ہے۔ وہ کسی مخلوق کو اس بات پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس نے کس دن مرنا ہے ورنہ انسان تمام عمر گنہگار رہے اور مرنے سے صرف ایک دن پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لے تو اس طرح اگر ابلیس لعین کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اس دن مرے گا جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا تو وہ ساری عمر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا اور مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کر لیتا۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دن بھی توبہ نہیں کرے گا۔ لہذا صرف موت کے دن کے علم سے اس کا گمراہ کرنے پر دلیر ہونا لازم نہیں آتا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے معصوم ہونے کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ کسی گنہگار پر دلیر ہونا تو کجا اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا زیادہ واضح جواب یہ ہے کہ اگر ابلیس لعین کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کو پہلے صور پھونکنے کے دن تک صلت دی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اپنے مرنے کا دن معلوم ہو جائے کیونکہ یہ کسی کو

معلوم نہیں کہ صور کب پھونکا جائے گا اور قیامت کب آئے گی۔ دو سراجواب یہ ہے کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ابلیس لعین کو بھی یہ معلوم ہو کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے حتیٰ کہ اس کو اپنے مرنے کے دن کا علم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ صرف سدی کا قول ہے کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور نہ کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور سدی غیر معتبر شخص ہے۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس نے ابلیس لعین کو کب تک زندہ رہنے کی مہلت دی ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کو یوم حشر تک کی مہلت نہیں دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھلت میں بیخار ہوں گا۔ (الاعراف: ۱۶)

اغواء کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کا یہ قول نقل فرمایا کہ اے رب تو نے مجھے اغواء کیا یعنی گمراہ کیا۔ اس لیے ہم اغواء کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متونی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں: (اغواء غوی سے بنا ہے اور اجمالت کی وجہ سے کبھی تو انسان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں ہوتا، صحیح نہ فاسد اور کبھی جہالت کی وجہ سے انسان کا فاسد عقیدہ ہوتا ہے اس کو غوی اور غواہت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا صَلَّيْنَا جُنُوسًا وَمَا عَمَّوْا (المجم: ۳) تمہارے پیغمبر نہ گمراہ ہوئے اور نہ ان کا فاسد عقیدہ تھا۔

اس کا معنی عذاب بھی ہے کیونکہ عذاب غواہت کے سبب سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا (مریم: ۵۹) وہ عذاب عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔

اس کا معنی ناکامی یا مرادی اور محرومی بھی آتا ہے۔

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (طہ: ۱۲۰) آدم نے اپنے رب کی (بہ ظاہر) نافرمانی کی تو وہ (جنت سے) محروم ہو گئے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اغوا کی نسبت ہو تو اس کا معنی گمراہی کی سزا دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ نے تمہیں تمہاری گمراہی پر عذاب پہنچانے کا ارادہ فرمایا ہو حالانکہ وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(المفردات 'ج ۲' ص ۳۷۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید اور احادیث میں اغواء کا لفظ زیادہ تر گمراہ کرنے کا معنی میں وارد ہے۔ احادیث میں یہ مثالیں ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعَصِیْهِمَا فَقَدْ غَوَىٰ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم 'المجموع رقم الحدیث: ۳۸' مسند احمد 'ج ۳' ص ۲۵۶، دار الفکر، طبع قدیم)

حدیث معراج میں ہے حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا:

لَوِ احْدَثَ الْعَصْرُ غَوْتَ امْتَكْتُ.

اگر آپ غم (انگور کی شراب) لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۹۳، صحیح مسلم الامان ۲/۲۷۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

ابلیس لعین کا جبر اور قدر میں حیران ہونا اور جبر و قدر میں صحیح مذہب

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس قول کا ذکر سورۃ الحجر اور سورہ ص میں بھی فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَرْضَى لَكَ عِبْدًا إِلَّا أَسْلَمَ بَيْنَ يَدَيْكَ ۖ وَالْإِنسَانُ لَكَنَافٍ ۝
 اس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا تو میں ضرور ان کے لیے زمین میں (برے کاموں کو) خوش نمایاں
 دوں گا پھر میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا ۝ اسواتیر۔

ان بندوں کے جو صاحب اخلاص ہیں ۝

قَالَ قَبِيلُكَ لَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا
 اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کر
 دوں گا ۝ اسواتیر۔ ان بندوں کے جو صاحب اخلاص ہیں۔

ابلیس لعین نے اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے اور اپنی طرف بھی گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبر کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یعنی ہر کام اللہ کرتا ہے اور مخلوق مجبور محض ہے اور اپنی طرف گمراہ کرنے کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدر کا عقیدہ رکھتا تھا یعنی انسان اور جن ہر فعل کے خالق ہیں اور ان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ سورہ جبر اور قدر میں مترادف تھا اور اس راوی میں حیران اور سرگشتہ تھا۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی فعل کا سبب اور ارادہ انسان کرتا ہے اور اس ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا فرماتا ہے۔ سو اللہ عزوجل خالق ہے اور انسان کاسب اور صاحب اختیار ہے اور اوب کا اقتضایہ ہے کہ انسان نیک اور اچھے افعال کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کرے اور برے افعال کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَإِذَا مَرَضْتُ فَبُهِتَ النَّاسُ ۚ يَوْمَئِذٍ أَذُوقُ شِقَاقَ مَا كُنتُ أَعْمَلُ ۚ وَكَانَ عَلَيَّ غَافِلًا ۚ

اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا عطا فرماتا ہے۔

ابلیس لعین نے عہد انگریزی کی اور تکبر کیا اور پھر کہا بسا اعدوتی تو نے مجھے گمراہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھولے سے خطا ہو گئی پھر بھی عرض کیا بسا ظلمنا انفسنا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ابلیس لعین کی اکثر اور بے ادبی کی وجہ سے اس کو راندہ درگھ کیا اور قیامت تک کے لیے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈالا اور حضرت آدم علیہ السلام کے ادب اور ان کی تواضع کی وجہ سے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین پر ان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے کہا) پھر میں لوگوں کو ہلکانے کے لیے ضرور لن کے سلسلے اور ان کے پیچھے ت اور ان کے کوائس اور بانس سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (الاعراف: ۷)

ابلیس لعین کا صراط مستقیم سے ہلکانے کی سعی کرنا

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شیطان کو علم تھا کہ صراط مستقیم کیا ہے اور وہ لوگوں کو اس صحیح رستہ اور صحیح قومیت

بہکانے کے لیے دن رات ہمہ وقت کوشش کرتا رہتا ہے اور اس سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۵۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت برہ بن مالک کہ جہنم بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان ابن آدم کے تمام راستوں میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کو اسلام کے راستے سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے تم اسلام قبول کرو گے اور اپنے باپ دلو کے دین کو چھوڑ دو گے؟ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر اس کو ہجرت کرنے کے راستے سے درغلانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے تم ہجرت کرو گے اور اپنے وطن کی زمین اور آسماں کو چھوڑ دو گے اور مہاجر کی مثل تو کھوٹے سے بندھے ہوئے اس گھوڑے کی طرح ہے جو لوہر سے اوہر بھاگ رہا ہو اور اس کھوٹے کی حدود سے نکل نہ سکا ہو۔ وہ شخص اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کر لیتا ہے۔ پھر شیطان اس کے جہاد کے راستے میں بیٹھ جاتا ہے وہ اس شخص سے کہتا ہے کہ تم جہاد کرو گے اور اپنی جان اور مال کو آزمائش میں ڈالو گے، اگر تم جہاد کے دوران مارے گئے تو تمہاری بیوی کسی اور شخص سے نکاح کر لے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور جہاد کرنے چلا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص شخص نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جو مسلمان قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جو مسلمان غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جس مسلمان کو اس کی سواری نے ہلاک کر دیا تو اللہ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے۔

(سنن نسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۳۳، صحیح ابن حبیب ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۵۵۳، مسند احمد ج ۳، ص ۲۸۳، دار الفکر، طبع قدیم، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۹۵۸، دار الفکر، طبع جدید، مسند احمد ج ۴، رقم الحدیث: ۱۵۹۵۰، دار الحدیث، القاہرہ، شیخ احمد شاکر نے اس کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ المعجم للکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، موارد الطالبین ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۱، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ الاصابہ ج ۲، ص ۱۵، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ) ابلیس لعین کا چار جہات سے حملہ آور ہونا اور اس سے تدارک کی دعا

ابلیس لعین نے کہا تھا کہ میں (لوگوں کو بہکانے کے لیے) ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: سامنے سے مراد یہ ہے کہ میں ان کی دنیا کے متعلق دوسوے ڈالوں گا۔ اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ میں ان کی آخرت کے متعلق دوسوے ڈالوں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کے دین میں شبہات ڈالوں گا اور بائیں سے مراد یہ ہے کہ میں ان کو گناہوں کی طرف راغب کروں گا۔

قناد نے کہا کہ سامنے سے آنے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو یہ خبر دوں گا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے، نہ جنت ہے، نہ دوزخ ہے اور پیچھے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لیے دنیا کو مزین کروں گا اور انہیں اس کی دعوت دوں گا۔ دائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کی نیکیوں کو ضائع کرنے کی کوشش کروں گا اور بائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لیے برائیوں کو مزین کروں گا اور انہیں ان کی دعوت دوں گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ابن آدم کے اوپر سے آنے کی کوئی راہ نہیں دی کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(جامع البیان ج ۷، ص ۱۹۱-۱۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

چونکہ ابلیس لعین انسان پر سامنے پیچھے دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوتا ہے اس لیے نبی پیچھے نے اس کے تدارک کے لیے اپنے عمل سے ہمیں اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پیچھے صبح اور شام کے وقت ان دعاؤں کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں غایت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں اپنے دین اور اپنی دنیا اور اپنے اہل اور اپنے مال میں تجھ سے غنا اور غایت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے محبوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ، اے اللہ! مجھے میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے محفوظ رکھ اور میں اس سے تیری عنایت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد زمین میں دشمن ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۵۰۴۳، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۳۲، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۷۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۲۳۰، مسند احمد ج ۲، ص ۲۵، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۹۷، المستدرک ج ۱، ص ۵۱۸-۵۱۷، موارد الطمان ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۵۶)

ابلیس لعین کے اس دعویٰ کا سبب کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوں گے

اس کے بعد ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے کہا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

ابلیس نے انسانوں کے متعلق جو گمان کیا تھا کہ ان میں سے اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہوں گے، سو انسانوں نے بعد میں اس کے گمان کو سچ کر دکھایا اور فی الواقع اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ
إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (سبا: ۳۰)

مومنوں کے ایک گروہ کے سوا سب انسانوں نے اس کی پیروی کی۔

اب یہاں پر ایک یہ بحث ہے کہ ابلیس نے یہ قول یقین اور جزم سے کیا تھا یا یہ اس کا محض گمان تھا۔ اگر یہ اس نے یقین سے کہا تھا تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے کسی طرح یہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ یا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سن لیا تھا۔

وَقِيلَ لِّلَّذِينَ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ (سبا: ۳۳)

میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔

یاجب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ خبر دی کہ میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں تو اس نے سن لیا تھا۔ یا اس نے فرشتوں سے یہ بات سن لی تھی یا جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کیا تو اس کو زمین میں بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا تو اس سے اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اکثر انسان شکر گزار نہیں ہوں گے۔

اور یا یہ قول محض ابلیس کا گمان تھا اور گمان کا منشاء یہ تھا کہ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بگاڑ سکتا ہے تو ان کی اولاد کو بگاڑنا تو اس کے لیے آسان تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی انیس قوتیں ہیں جن کا تعلق لذات جسمانیہ سے ہے اور ایک قوت عقل ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ وہ انیس قوتیں یہ ہیں: پانچ حواس ظاہرہ، پانچ حواس باطنہ، اور شہوت اور غضب اور سات دیگر قوتیں ہیں جاذبہ محکمہ، حاضیہ، دافئہ، قاذفہ، نامیہ اور مولدہ۔ اور ابلیس لعین کے نزدیک یہ آسان تھا کہ وہ انیس

قوتوں کے تقاضوں کو بھرنے اور ایک قوت کے تقاضوں کو کم کرے۔ اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا میں سے ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا، البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔ (الاعراف: ۱۸)

کیا تمام اہل بدعت اور گمراہ فرقے دوزخی ہیں؟

جب ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ چیلنج دیا کہ وہ اصحاب اخلاص کے سوا سب لوگوں کو گمراہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں سے مذہب اور مذہب جو ہو کر نکل جا، علامہ رافضی صوفی نے لکھا ہے کہ مذہب کا معنی ہے مذہب جس کی مذمت کی گئی ہو اور مذہب کا معنی ہے دور کیا ہوا۔ (المفردات، ج ۱، ص ۲۳۲، طبع بیروت) وہ کس چیز سے دور کیا ہوا ہے؟ مفسرین نے اس کی متعارف تفسیریں کی ہیں، یعنی اللہ کی رحمت سے دور کیا ہوا، یا جنت سے دور کیا ہوا یا توفیق سے دور کیا ہوا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اصحاب بدعت اور اصحاب ضلالت جہنم میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ سب ابلیس کے تابع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔ (الاعراف: ۱۸)

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۱۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ابلیس کے پیروکاروں سے جہنم کو بھردے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہر پیروکار کو جہنم میں ڈال دے گا۔ اس لیے جو اہل بدعت اور اصحاب ضلالت اپنی بدعت اور ضلالت سے کفر تک پہنچ گئے ہوں گے وہ وہاں اور غلو کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے اور جن کی بدعت اور ضلالت کفر سے کم درجہ کی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں وہ چاہے تو انہیں کچھ سزا دینے کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل فرما دے گا اور اگر وہ چاہے تو انہیں ابتداء جنت میں داخل کر دے گا۔ جس طرح فاسق اور گناہ گار کے مرتکبین بھی ابلیس کے پیروکار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تمام فسق کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ بعض فسق کو کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کر دے گا اور بعض فسق کو اپنے فضل سے معاف فرما دے گا اور بعض کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے معاف فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور ابتداء جنت میں داخل فرما دے گا۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دوزخ) جنت میں رہو، سو چاہاں سے چاہو، تم دوزخ کھاؤ،

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

اور (قصداً) اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر دوزخ کے دوزخ میں شیطان نے دوسرے ڈالا، تاکہ (انہما) ان دوزخ کی پوشیدہ گائیں ان سے چھپائی ہوئی عین

سَوَّاهُمَا وَقَالَ مَا تَهْمَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا

ان کو ظاہر کر دے اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ

أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿۲۵﴾ وَقَاسَمَهُمَا

کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ○ اور اس نے ان سے

إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ الصَّاحِينَ ﴿۲۶﴾ فَذَلَّهُمَا بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

قسم کھا کر کہا بیشک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○ پھر فریبکے انیس (اپنی طرف) بھکایا پس جب انہوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَا تَلَهُمَا سَوَّاهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهَا

اس درخت سے بچتا تو ان کی شرکائی ان کے لیے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اور جنت کے پتے جوڑنے لگے

مِنْ دَرَمَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ

اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے

تَلْكُمَا الشَّجَرَةَ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۷﴾

منع نہیں کیا تھا ○ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بیشک شیطان تمہارا کھلا برا دشمن ہے ○

قَالَا إِنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۸﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدَاوٌ وَلَكُمْ فِي

اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے ○ فرمایا اور تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں ○ اور تمہارے لیے

الْأَرْضِ مِنْ مُسْتَقَرٍّ وَمَتَاعٍ إِلَى حِينٍ ﴿۲۹﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ

زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک قائمہ اٹھانا ہے ○ فرمایا تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے،

وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۳۰﴾

اور اسی زمین میں مردے گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے ○

طہارۃ القرآن

جلد چہارم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں رہو، سو جہاں سے چاہو تم دونوں کھاؤ اور (قصد) اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ (الاعراف: ۱۹)

ابلیس لعین کو جنت سے نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو جنت میں سکونت عطا فرمائی اور ایک معین درخت سے ان کو کھانے سے منع فرمایا اور اس ممانعت کا معنی یہ تھا کہ وہ قصد اور ارادہ سے اس درخت سے نہ کھائیں، اگر وہ بالقرض قصد اور ارادہ سے اس درخت سے کھاتے تو وہ معاذ اللہ ظالموں میں سے ہو جاتے لیکن انہوں نے نسیان اور اجتلاوی خطا سے اس درخت سے کھایا اس لیے ظالموں سے نہیں تھے اور نہ ان کا یہ فعل مکمل تھا اور ان کا اس پر توبہ اور استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکسار تھا۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام بلند تھا اور ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ تھا کہ بھولے سے ممنوع کام کیا پھر بھی توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ اس کی پوری تحصیل اور تحقیق کے لیے البقرہ: ۳۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر دونوں کے دلوں میں شیطان نے دوسوہ ڈالا تاکہ (انجام کار) ان دونوں کی جو شرم گاہیں ان سے چھپائی ہوئی تھیں، ان کو ظاہر کر دے، اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں، پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکایا، پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں، اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا، کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟ دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے، فرمایا اترو، تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں، اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک قائمہ اٹھنا ہے، فرمایا تم اسی زمین میں زمین کی گزارد گے، اور اسی زمین میں سو گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکلے جاؤ گے، (الاعراف: ۲۵-۳۰)

ابلیس کی دوسوہ اندازی، حضرت آدم کا زمین پر آنا اور توبہ کرنا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ابلیس لعین کو جنت سے نکل دیا گیا تھا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے دلوں میں دوسوہ کس طرح ڈالا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسوہ ڈالنے کے لیے دونوں کا ایک جگہ پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابلیس زمین پر رہتے ہوئے آسمان اور جنت میں رہنے والوں کے دلوں میں دوسوہ اندازی کر سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جنت کے دروازے کے قریب کھڑے تھے اور ابلیس لعین جنت کے دروازہ پر کھڑا تھا اور اس نے وہاں سے دوسوہ ڈالا اور تیسرا جواب ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے۔ یہ وہب بن منبہ کی روایت ہے۔ جس کو امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر، علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر نے اس کو اپنی اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے:

امام عبد الرزاق بن حمام متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا، اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لیے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو درخت لانے کا ارادہ کیا تو ساتپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت لونٹ کی طرح ساتپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ ساتپ جنت میں

داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اور اس کو حضرت حوا کے پاس لے کر آیا اور ان سے کھا دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے۔ اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے۔ اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا نے اس درخت سے کھالیا۔ پھر اس کو حضرت آدم کے پاس لے کر گئیں اور کھا دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم نے بھی اس سے کھالیا۔ پھر ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر حضرت آدم (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے تو ان کو ان کے رب نے ندا فرمائی اے آدم! تم کہاں ہو؟ انہوں نے کہا اے رب! میں یہاں ہوں۔ فرمایا تم اس سے باہر نہیں آتے؟ عرض کیا اے رب مجھے تجھ سے حیا آتی ہے! پھر حوا سے فرمایا: تم نے میرے بندہ کو دھوکا دیا تم کو جب بھی حمل ہو گا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آ جائے گا اور سانپ سے فرمایا تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہوگا تم جو آدم کے دشمن رہو گے اور جو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاشیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہب سے کسی نے پوچھا کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۵ھ جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(جامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو منع فرمایا تھا کندم کا تھا۔ جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ وہ ان کو جنت کے بتوں سے چھپانے لگے۔ وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چپے ہوئے تھے۔ حضرت آدم پیٹھ موڑ کر جنت کی طرف چل دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ندا فرمائی اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں اے رب! لیکن اے رب تیری عزت کی قسم! مجھے یہ گلن نہ تھا کہ کوئی شخص میرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے فرمایا میں تم کو ضرور زمین کی طرف اتار دوں گا اور تم کو روزی مشقت سے حاصل ہوگی۔ پھر حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین کی طرف اتار آیا اور انہیں لوہے کی صنعت کی تعلیم دی اور انہیں کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ انہوں نے فصل اگائی اور اس میں پانی دیا۔ پھر فصل پکنے کے بعد دانہ کو کوٹا اور اس کو بھوسے سے الگ کیا پھر اس کو پیسا پھر آٹا کو بندھا پھر روٹی پکائی۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۷۸-۸۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم نے اس درخت سے کھایا تو ان سے کہا گیا آپ نے اس درخت سے کیوں کھلیا؟ جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا مجھ سے حوا نے کھا تھا فرمایا: میں نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس کو حمل بھی مشقت سے ہو گا اور وضع حمل بھی مشقت سے ہو گا۔ اس وقت حوا رونے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم اور تمہاری اولاد روٹی رہے گی۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں؟ فرمایا پھر میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مصلحت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرمادی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے ربنا ظلمنا

انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين O

(جامع البیان ۸۷ ص ۱۹۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت آدم کے فرشتہ اور دائی بننے کی طمع پر اعتراضات اور ان کے جوابات
ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں فرشتہ بننے کی خواہش کس طرح پیدا کی۔
جبکہ حضرت آدم علیہ السلام دیکھ چکے تھے کہ فرشتوں نے تو حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اعتراف کیا تھا اور ان کو سجدہ کیا
تھا۔ نیز کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے نبی سے افضل ہوتے ہیں ورنہ حضرت آدم فرشتے بننے کی طمع میں اس ممنوع
درخت سے نہ کھاتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات مقبول میں وہ وصف ہوتا ہے جو افضل میں نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم
فرشتہ اس لیے بننا چاہتے ہوں کہ ان کو بھی فرشتوں کی طرح قدرت اور قوت حاصل ہو جائے یا وہ بھی فرشتوں کی طرح اپنی
خلقت میں جو ہر نورانی ہو جائیں یا وہ بھی فرشتوں کی طرح عرش اور کرسی کے ساکنین میں سے ہو جائیں!
دوسرا سوال یہ ہے کہ ابلیس لعین نے یہ کہا تھا کہ آپ اس درخت سے کھا کر ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور
حضرت آدم نے اس کی طمع میں اس درخت سے کھایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے
والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور اس سے موت اور قیامت کا انکار لازم آتا ہے اور یہ کہ دوام اور خلود تو حشر کے بعد
ہو گا۔ حشر سے پہلے خلود کا عقیدہ رکھنا کفر ہے سو موت سے اور قیامت سے پہلے خلود کی طمع کرنا کفر ہے اور اس سے العیاذ باللہ
حضرت آدم علیہ السلام کا کفر لازم آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چند لوگوں کے خلود سے قیامت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:
وَيُفِخُ فِي الصُّورِ فَصُيِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (الرمرمہ ۲۸)
اور صور پھونکا جائے گا تو سب آسمانوں والے اور زمینوں
والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے گا۔
اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خلود کا معنی طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے یہی معنی مراد لیا
ہو۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے یہ یقین نہیں کیا تھا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے
ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور نہ یہ ان کا کہنا تھا انہوں نے محض وفور شوق سے اس شجر ممنوع سے کھایا۔
آیا شجر ممنوع سے کھانا گناہ تھا؟ اگر گناہ نہیں تھا تو سزا کیوں ملی؟ اور آدم و ابلیس کے
معرکہ میں کون کامیاب رہا؟

ایک سوال یہ ہے کہ اس درخت سے کھانے کی ممانعت تنزیہاً نہیں تھی، تحریماً تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم
دونوں نے (قصداً) اس درخت سے کھایا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور جس کام کا ارتکاب ظلم ہو وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ اور
گناہ کبیرہ عصمت نبوت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابلیس لعین سے حضرت آدم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا اور ان
کے دل میں اس کو کھانے کا شوق پیدا ہوا تو وفور شوق میں وہ یہ بھول گئے کہ اس سے کھانے کی ممانعت تحریماً تھی اور انہوں نے
اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہاً تھی۔ اس لیے آپ کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور لسیان پر مبنی تھا جیسا کہ
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَسَیَ
اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے (اس درخت

وَلَوْ تَحِبَّدْتُمُ النَّاسَ (جلد ۱۵)

کے قریب نہ جانے کا) عمد لیا تھا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (انسانی) قصہ نہ پایا۔

اور اجتہادی خطا اور لسان گنہ نہیں ہے۔ لہذا حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آیا اور ان کا توبہ اور استغفار کرنا ان کی تواضع اور انکسار ہے اور ان کی غلامت اور شرمندگی اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس ممانعت کو کیوں بھول گئے اس کو یاد کیوں نہیں رکھا۔ ہر چند کہ بھول چوک سے بچے رہتا انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے لیکن ان کے بلند مقام کے اعتبار سے وہ یہ سمجھے تھے کہ ایک آن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہ رکھنا یا کسی چیز کے شوق سے اس قدر مغلوب ہونا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یاد نہ رہے۔ یہ بھی تقصیر ہے اور وہ اسی بنا پر غلامت اور شرمندگی سے روٹے رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ تاہم آپ کا یہ فعل گنہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ اعتراض کہ پھر آپ کو سزا کیوں ملی اور کپڑے کیوں اتر گئے اور جنت سے کیوں اتارے گئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس درخت سے کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ تھا۔ اس کی مثل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے تو ہر چند کہ اس کا یہ فعل گنہ نہیں ہے لیکن زہر کھانے کے بعد لازماً اس کی موت واقع ہو جائے گی کیونکہ زہر کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ موت ہے۔ سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شجر کو بے لباس ہونے کا سبب بنایا تھا تو خلوہ آپ نے بھولے سے اس شجر کو کھلیا لیکن بے لباس ہونے کا لازمی اثر اور نتیجہ اس پر مرتب ہو گیا۔ یہ کوئی سزا نہیں تھی۔ اور رہا جنت سے اتر کر زمین پر آنا تو وہ آپ نے ہر مل زمین پر آنا تھا۔ کیونکہ آپ کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ آپ زمین پر اللہ کے خلیفہ اور نائب بنیں اور یہ نہ کہا جائے کہ اس معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور آپ ناکام ہو گئے۔ کیونکہ ابلیس تو جنت میں صرف آپ کا عارضی قیام برداشت نہیں کر رہا تھا اور آپ زمین پر اس لیے آئے کہ زمین پر اپنی اولاد میں سے اپنے پیرو کاروں کو قیامت کے دن دائمی طور پر اپنے ساتھ لے کر جنت میں جائیں۔ سو آپ اپنی بے شمار اولاد کے ساتھ دوام اور ہمیشگی کے لیے جنت میں جائیں گے اور ابلیس اپنے پیرو کاروں کے ساتھ ہمیشہ ہمیش کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ سو اس معرکہ کے نتیجہ میں کامیاب حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ناکام ابلیس یقیناً ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَ وَرِيشًا

لئے اولاد آدم! چیک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت بھی ہے

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ

اور تقویٰ کا لباس وہی سب سے بہتر لباس ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت

يَذْكُرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوَيْكَ

مائل کریں ۵ لئے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے ابا بآپ کے

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسًا لِّیُرِیَہُمَا سَوْآتِہُمَا اِنَّہٗ

جنت کے اخراج کا سبب بناتا تھا (اور) ان کے لباس اترنے کا سبب بناتا تھا تاکہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک

يُرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ

(شیطان اور اس کا قبیلہ ہمیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان

أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا

لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○ اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

وَجَدْنَا عَلَيْهَا أَبَاءَنَا وَانَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنْ اللَّهُ لَا يَأْمُرُ

ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کا حکم دیا ہے، آپ کہیے بے شک اللہ

بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي

بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا ہمیں علم نہیں ہے ○ آپ کہیے کہ میرے رب نے

بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ

انصاف کا حکم دیا ہے، لمبے روبرو ہر نماز کے وقت اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہوئے

لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿۳۳﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا

اسی کی عبادت کرو، جس طرح اس نے تم کو ابتداء میں پیدا کیا ہے ماسی طرح تم لوٹو گے ○ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۚ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ

گمراہی پر ڈٹا رہا، انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا

دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنََّّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِي آدَمَ خُذُوا

لیا، اور ان کا یہ زلم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں ○ اے اولادِ آدم! ہر عبادت

زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ

کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو، بیشک اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۵﴾

فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے اور تقویٰ کا لباس وہی سب سے بہتر لباس ہے 'یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۳۱:۷) (الاعراف: ۳۱)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

لباس: یہ لباس سے بنا ہے۔ لباس کا اصل معنی ہے کسی شے کو چھپالینا۔ ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیز کو چھپا لے اس کو لباس کہتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی اپنے شوہر کو قبیح چیزوں سے چھپالیتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی محبت کی حفاظت کرتے ہیں اور خلاف محبت چیزوں سے ایک دوسرے کے لیے مانع ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ
وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

(البقرہ: ۱۸۷)

لباس سے انسان کی زینت ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے فرمایا ہے لباس اتھوڑی۔ تقویٰ کا معنی ہے برے عقائد اور برے اعمال کو ترک کرنا اور پاکیزہ میرٹ کو اپنانا۔ جس طرح کپڑوں کا لباس انسان کو سردی گرمی اور برسات کے موسموں کی شدت سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح تقویٰ کا لباس انسان کو اخروی عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(المفردات 'ج ۲' ص ۵۷۶ مع توفیح 'مکتبہ زوار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

ریش: ریش پرندہ کے پر کو کہتے ہیں اور چونکہ پر پرندے کے لیے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیے لباس اس لیے انسان کے لباس کو بھی ریش کہتے ہیں اور ریش سے زینت اور خوبصورتی کا معنی بھی مراد ہوتا ہے۔

(المفردات 'ج ۱' ص ۲۷۱ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

لا یفتننکم: کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔ فتنہ کا معنی ہے لٹا اور اٹھان۔ جس طرح ابلیس نے حضرت آدم اور حوا کو شجر ممنوع کی طرف مائل کر کے اس کو کھانے یا نہ کھانے کی آزمائش میں ڈال دیا تھا اسی طرح وہ تم کو بھی ممنوع کاموں کی طرف راغب کر کے آزمائش میں نہ ڈال دے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ جب ان کی شرم گاہ کھل گئی تو وہ اس کو درخت کے چوں سے ڈھانچے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس سے لوگ اپنی شرم گاہوں کو چھپائیں اور اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے لباس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی ستر پوشی پر قادر فرمایا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کو نازل فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ لباس کے باری اجزاء مثلا کپاس وغیرہ کو پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین پر اترنے کا حکم دیا اور زمین کو ان کے لیے جائے قرار بنایا۔ اب یہ بتایا ہے کہ زمین پر رہنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے دین اور دنیا کی ضروریات پوری کرنے کے لیے لباس ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔

لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا

عاجز اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: قریش بیت اللہ کا ہمہ طواف کرتے تھے اور کوئی شخص طواف کے وقت کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ (جامع البیان، ج ۸، ص ۱۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جملاء عرب کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ شرم گاہ کھلی رکھنا بہت بے شری کی بات ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جب شرم گاہ کھل گئی تو وہ اپنی شرم گاہ کو چوں سے ڈھانپنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ لباس نازل فرمایا سو اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کا ایک کپڑا خریدا۔ آپ نے اس کو پینے کے بعد کھانے کے لیے چھو لیا جس نے مجھے ایسا لباس عطا کیا جس سے میں لوگوں میں جل حاصل کروں اور اس سے اپنی شرم گاہ کو چھپاتا ہوں پھر کھانے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔

(مسند احمد، ص ۱۵۷، تفسیر ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۲۵، مکتبہ نزار، مصطفیٰ، دور مشور، ج ۳، ص ۳۲۵)

مرد اور عورت کی شرم گاہوں کے مصادیق میں مذہب فقہاء

انسان کی شرم گاہ جس کا چھپانا فرض ہے اس کے مصادیق میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ ابن ابی ذئب، داؤد ظاہری، (غیر مقلدین کے امام) ابن ابی جبہ اور ابن جریر طبری کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت کے صرف بول و براز (پیشاب، پاخانہ) کی جگہ شرم گاہ ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے لباسا یواری سوانکم (الاعراف: ۲۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر میں گئے۔ ہم نے وہاں منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھی۔ نبی ﷺ سوار ہوئے اور میں بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہوا۔ نبی ﷺ نے خیبر کی گلیوں میں گھوڑے کو دوڑایا۔ اس وقت میرا گھٹنا نبی ﷺ کی ران سے مس کر رہا تھا پھر آپ نے اپنی ران سے چادر مثالی حتیٰ کہ میں نبی ﷺ کی ران کی سفیدی کی طرف دیکھ رہا۔ (الحدیث)

(صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اس حدیث سے ان علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ ران شرم گاہ نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ بٹ شرم گاہ نہیں ہے اور کوئی شخص اپنی بیوی کے سامنے اپنی ران کو عیاں کرے تو میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ امام شافعی نے کہا صحیح یہ ہے کہ بٹ اور گھٹنے شرم گاہ نہیں ہیں۔

بٹ کے شرم گاہ نہ ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عمیر بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ ہماری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت حسن سے کہا مجھے اپنی قمیص اٹھا کر دکھاؤ میں تمہیں اس جگہ بوسہ دوں گا جس میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بٹ پر بوسہ دیا۔

(مسند احمد، ج ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۶، دار الفکر، طبع قدیم، شیخ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد،

ج ۷، رقم الحدیث: ۳۵۵، دار الحدیث قاہرہ، امام طبرانی کی روایت میں ہے حضرت حسن نے بیت کھولا اور مخ پر ہاتھ رکھا۔ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۷۷، المستدرک ج ۳، ص ۳۸۸

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر مخ شرم گاہ ہوتی اور اس کا چھپنا واجب ہو تا تو حضرت حسن جو بیٹھ حضرت ابو ہریرہ کو اپنی مخ دکھاتے نہ حضرت ابو ہریرہ ان کی مخ کو بوسہ دیتے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کی مخ سے لے کر گھٹنے تک پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے۔ مخ شرم گاہ نہیں ہے اور گھٹنا شرم گاہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام دار قطنی متنی ۳۸۵ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھٹنوں کے اوپر کا حصہ شرم گاہ ہے اور ناف کا نچلا حصہ شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۸۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۲۹۲)

حضرت علی جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھٹنا شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۸۷۸، بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ غزوہ خیبر میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے نبی ﷺ نے ران پر سے کپڑا ہٹایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ غیر ارادی طور پر آپ کا ہاتھ لگ گیا ہو اور حضرت انس نے اس سے یہ سمجھا کہ آپ نے دانستہ ران سے کپڑا ہٹایا۔ وہ سراجواب یہ ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جرحہ اور محمد بن جحش رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ران شرم گاہ ہے اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ حضرت انس کی حدیث سند کے لحاظ سے راجح ہے اور حضرت جرحہ کی حدیث احتیاط کے لحاظ سے راجح ہے۔ (صحیح بخاری ج ۳، باب ۳۰، ماہد کرم فی الصلوات)

اور عورت کا پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے ماسوا اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود جو بیٹھ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت (مکمل) واجب الستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانک کر دیکھتا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۷۸، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

زید بن قنظہ کی والدہ نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا: دوپٹے میں اور اتنی لمبی قمیص میں جو اس کے پیروں کی پشت کو چھپائے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۶۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابوداؤد نے قتادہ سے مرسلہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہاتھوں تک ہاتھوں کے سوا کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱، ص ۲۹۹، حیدر آباد کن، فتح القدیر ج ۱، ص ۲۶۶، دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں نہ جلا کر دے، جس طرح وہ تمہارے بل باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا اور ان کے لباس اترنے کا سبب بنا تھا تاکہ انجام کار وہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک وہ

(شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھا ہے جس سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا درست بتایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الاعراف: ۳۷)

حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا خلیفہ بننا تھا یا شجر ممنوع سے کھانا انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بعد کے لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں پر عمل پیرا ہوں اور رلوح حق میں امن کی دی ہوئی قرابتوں کو اپنے لیے مشعل رہنما بنائیں۔ یہاں پر یہ بتلانا ہے کہ ابلیس لعین کی دوسرہ اندازیوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو خبردار رہنا چاہیے۔ وہ جنت سے ان کے ماں باپ کے اخراج کا سبب بن چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی اولاد بھی اس کی فریب کاریوں اور کفر و شرک اور گناہوں کو ذہنت دینے اور ان کی طرف مائل کرنے کی وجہ سے کفر و شرک یا حرام کاموں میں مبتلا ہو جائیں اور اس کے نتیجہ میں جنت سے عارضی یا دائمی طور پر محروم ہو جائیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے بکاتنے پر شجر ممنوع سے کھانے کی وجہ سے حضرت آدم کو جنت سے زمین کی طرف بھیجا گیا اور سورہ بقرہ ۳۰ میں فرمایا ہے: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت کی وجہ سے زمین پر بھیجے گئے اور بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا سبب حقیقی کار خلافت انہماک و تہا ہے اور سبب ظاہری شجر ممنوع سے کھانا ہے۔

جنات کے انسانوں کو دیکھنے اور انسانوں کے جنات کو نہ دیکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ انسانوں کو دیکھا ہے اور انسان اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین میں ایسی قوت اور اک پیداک کی ہے جس کی وجہ سے وہ انسانوں کو دیکھ لیتے ہیں اور عام انسان میں ایسی قوت اور اک پیدا نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنات اور شیاطین کو دیکھ سکیں۔ کیونکہ جنات اور شیاطین کے جسم لطیف ہیں۔ اس لیے ان کی شعل بھرست قوی ہے وہ اجسام لطیفہ اور اجسام کثیفہ دونوں کو دیکھ لیتی ہے اور عام انسانوں کے اجسام کثیف ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی شعل بھر لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام بہ طور معجزہ اور اولیاء کرام بہ طور کرامت جنات اور شیاطین کو دیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے ہم نے کہا ہے کہ عام انسان جنوں کو نہیں دیکھ سکتے یعنی خاص انسان ان کو دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کو مسخر کر دیا تھا اور وہ ان سے سخت مشقت والے اور دشمن کام لیتے تھے۔

اور بعض جنات میں سے سلیمان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے سامنے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے اور (انہیں بتا دیا کہ) ان میں سے جو ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا ہم اسے بجز کی ہوئی آگ کا خاکہ اب بکھائیں گے۔ سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ ان کے لیے بناتے تھے، اونچے قلعے اور بستے، حوض کی مثل بڑے بڑے ٹب اور (چولوں پر) گڑی ہوئی بڑی بڑی دھکیں۔

وَمِنَ الْجِنَّةِ مَن يَعْمَلُ بَشَرًا مِّثْلَ مَا يُرِيدُ رَبُّهُ
مَنْ تَمَنَّاهُمْ عَنْ أَمْرِ مَا نُرِيدُهُ مِنْ عَذَابِ
السَّعِيرِ ۚ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ لَمَّا ضَنَّكَ رَبُّكَ
وَتَمَّائِيلٌ وَجَفَّانٌ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَتٍ
(سبا: ۳۳-۳۴)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی شیطان کو دیکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز فاسد کر دے میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں۔ حتیٰ کہ صبح کو تم سب اس کو دیکھ لیتے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: بے شک اللہ کا دشمن ایسے اگ کا ایک شعلہ میرے منہ پر مارنے کے لیے آیا میں نے تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت تلمذ کرتا ہوں وہ پیچھے نہیں ہٹا تو میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلنے پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لاحق نہ ہو۔ (ص: ۳۵) پھر آپ نے اس کو ناکام واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحديث: ۳۶-۳۷-۳۸، صحیح مسلم 'المصابہ: ۳۹' (۵۳۱) '۱۸۹' (۵۳۲) '۱۹۰' سنن الترمذی 'ج' ۱، رقم الحديث: ۵۳۹)

حضرت ابو ہریرہ نے بھی شیطان کو دیکھا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مجھے مامور فرمایا پھر ایک شخص میرے پاس آیا اور وہ منہ می بھر کر ابلج لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا بخدا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا میں محتج ہوں میرے اہل و عیال ہیں اور مجھے سخت ضرورت ہے۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے نبی ﷺ نے پوچھا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے مجھ سے سخت ضرورت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ پھر آئے گا۔ سو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا وہ پھر آئے گا۔ سو میں گھلت لگا کر بیٹھ گیا اور وہ دوسری رات منہ می بھر ابلج اٹھا کر لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتج ہوں اور مجھ پر عیال کی ذمہ داری ہے۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ تمہارے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں تیسری رات پھر اس کی گھلت لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آکر ابلج اٹھایا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا تین بار ہو چکی ہے میں تجھ کو پکڑ کر ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ تو کتا ہے میں نہیں آؤں گا اور تو پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں چند ایسے کلمات بتاؤں گا جن سے اللہ تعالیٰ تم کو نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو پوری آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا اس نے کہا میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھاؤں گا جن کی وجہ سے اللہ تمہیں نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کیا ہیں میں نے عرض کیا اس نے مجھ سے کہا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو اول سے آخر تک آیۃ الکرسی پڑھو اور اس نے مجھ سے کہا پھر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان

تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ اور صحابہ نکی پرست حرص تھے۔ تو نبی پیچھے نے فرمایا ہرچند کہ وہ جھوٹا ہے، لیکن یہ بات اس نے سچ کہی ہے۔ اے ابو ہریرہ! کیا تم جانتے ہو کہ تین راتوں تک تم سے کون باتیں کرتا رہا؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۵۴، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۹)

پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر اور دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ نبی پیچھے نے شیطان کو اس کی اصل صورت میں دکھایا ہے آپ کا معجزہ ہے اور عام انسان اس پر قادر نہیں ہیں اور حضرت ابو ہریرہ نے شیطان کو انسان کی صورت میں دکھا، اور سورۃ اعراف میں جو فرمایا ہے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے، اس کا معنی یہ ہے کہ عام انسان جنت اور شیاطین کو ان کی اصل شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔

جنت کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ جنت انسانوں پر مسلط ہو کر ان کے اعضاء میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے بولتے ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پیروں سے افضل صادر کرتے ہیں۔ پھر کوئی عامل آکر جن اتار تا ہے اور آئے دن اخبارات میں اس کے متعلق اخلاق سوز خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ ہم نے شرح صحیح مسلم، جلد سابع (۷) میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے اوپر بہت دلائل قائم کیے ہیں۔ ان پر قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص کے اعضاء پر کسی جن کا تصرف ہو تو ایک شخص کسی کو قتل کر دے اور کہے کہ یہ قتل میں نے نہیں کیا، جن نے کیا ہے، میرے اعضاء پر اس وقت جن کا تصرف تھا تو کیا شریعت اور قانون میں اس کو اس قتل سے بری قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض شریعت کی رو سے وہ بے قصور ہو تو کیا قرآن اور حدیث میں ایسی ہدایت ہے کہ جو شخص جن کے زیر اثر ہو کر کسی شخص کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

نیز اگر جنت اور شیاطین لوگوں کو غیوہ کرنے اور ان کی عقل کو ضائع کرنے پر قادر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں تو وہ اکثر انسانوں کی عقلوں کو ضائع کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً علماء، فضلاء اور عبادت گزار زاہدوں کی (بلکہ ان علماء کے ساتھ ایسا زیادہ کرنا چاہیے جو جنت پر انسانوں کے تصرف کا انکار کرتے ہیں اور یہ ناکارہ بھی ان میں شامل ہے) کیونکہ جنت کی علماء اور زاہدوں کے ساتھ عداوت بہت زیادہ ہے اور جب کہ ایسا نہیں ہو تو معلوم ہوا کہ جنت اور شیاطین کو انسانوں پر کسی وجہ سے قدرت حاصل نہیں ہے اور اس نظریہ کے بطلان پر قرآن مجید کی یہ آیت واضح دلیل ہے۔

شیطان قیامت کے دن دوڑیوں سے کہے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي (ابراہیم: ۲۰) . اور مجھے تم پر کوئی غلبہ نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلا یا اور تم نے میری بات مان لی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ آپ کہئے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا ہمیں علم نہیں ہے۔ (الاعراف: ۲۸)

فاحشہ کا معنی اور مراد اور کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فاحشہ کا حکم دیا ہے

فاحشہ: علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ جو بات یا جو کام بہت زیادہ برا ہو، اس کو فحش، فشاء اور فاحشہ

کہتے ہیں۔ (المفردات، ج ۲، ص ۲۸۳، بکت زار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۷۴۶ھ نے لکھا ہے کہ ہر وہ گناہ اور مصیبت جس کی برائی زیادہ ہو اس کو فحش، فحشاء اور فاحشہ کہتے ہیں اور فاحشہ زمانہ کے معنی میں بہ کثرت مستعمل ہے اور ہر برے قول اور فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے۔ کسی کی بات کے سختی اور جارحیت سے جواب دینے کو بھی فحش کہتے ہیں۔ (التعلیہ، ج ۲، ص ۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

مجلد نے کہا اس آیت میں فاحشہ سے مراد زمانہ جاہلیت میں شرک مردوں اور عورتوں کا برہنہ طواف کرنا ہے۔

(جامع البیان، ۸/۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

شرکیں برہنہ طواف کرنے کے جواز میں دو دلیلیں پیش کرتے تھے۔ ایک دلیل یہ تھی کہ ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اس دلیل کا اللہ تعالیٰ کئی بار رد فرما چکا ہے کہ جاہلوں اور کافروں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ اس طرح بے حیائی سے طواف کرنے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ دوسرا رد یہ فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے برہنہ طواف کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم کسی کتاب کے معتقد ہو نہ کسی نبی کے اور اللہ کا حکم یا نبی سے معلوم ہوتا ہے اور یا اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اے لوگو! ہر نماز کے وقت اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اغلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو جس طرح اس نے تم کو ابتداء میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوگوں کے۔ (الاعراف: ۲۹)

قَسَطٌ اور عدل کے معانی

قسط کا معنی ہے کسی چیز کے دو برابر حصے کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَقِمْ وَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمن: ۹) اور انصاف کے ساتھ وزن کو درست رکھو۔

قَسَطٌ کا معنی ہے ظلم کرنا اور اَقْصَطٌ کا معنی ہے عدل کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَمَّا الْقَائِسُ طُونَ فَكَأَنَّهُمْ لِحَبَتِهِمْ حَطْبًا (الحج: ۱۵)

وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الحجرات: ۹) اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔

(الحجرات: ۹) پسند فرماتا ہے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

عدل، عدالت اور معادلہ۔ ان کا معنی ہے مساوات۔ عدل اور عدل دونوں کا معنی مساوات ہے۔ لیکن عدل امور معنویہ میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل امور محسوسہ میں مساوات کو کہتے ہیں۔ مثلاً وزن۔ پیمائش اور عدد میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل کی محسوسات میں مساوات اس آیت میں ہے:

وَلَسَّ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدُوا لَوَابِسِ النِّسَاءِ (النساء: ۳۹)

اور تم یہ یوں کے درمیان ہرگز عدل نہ کر سکو گے۔

(النساء: ۳۹)

اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں کسی ایک طرف میلان کرنا ہے۔ اس لیے انسان اپنی بیویوں کے درمیان محبت میں مساوات کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ لَعَدْلٌ وَإِلَاحْسَانٍ

ہے نیک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

(النحل: ۹۰)

عدل کا معنی ہے مکافات اور بدلہ میں مساوات۔ خیر کا بدلہ خیر اور شر کا بدلہ اس کے مساوی شر۔ مثلاً:

حَزَّاءٌ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا - (الشوری: ۴۲) برائی کا بدلہ اس جیسی اتنی ہی برائی ہے۔

اور احسان کا معنی ہے نیک کے بدلہ میں اس سے زیادہ نیک کی جائے اور برائی کے بدلہ میں اس سے کم برائی کی جائے۔ جتنی رقم کسی سے قرض لی تھی اتنی ہی واپس کر دینا عدل ہے۔ اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسان ہے اور کسی نے دس گھونے مارے ہوں تو بدلہ میں اس کو دس گھونے مارنا عدل ہے اور صرف ایک گھونسا مارنا احسان ہے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

اخلاص کا معنی

اخلاص 'خالص' سے بنا ہے۔ جس چیز میں کسی چیز کی آمیزش کا شبہ ہو جب وہ اس سے صاف ہو جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں۔ یعنی جو چیز ملاوٹ سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس کی رضا جوئی یا اس کے حکم کی فرمانبرداری کی نیت سے کی جائے۔ اس میں کسی کو دکھانے یا سننے کی نیت نہ ہو اور نہ اس کام پر اپنی تعریف سننے کی خواہش ہو۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی پرستش اور اس کی رضا جوئی کے سوا ہر ایک کی پرستش اور اس کی رضا جوئی سے بری ہو جائے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً (ہے حیاتی کرنے) کا حکم نہیں دیا۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسط (عدل) کا حکم دیا ہے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔

قسط سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کا اقرار رکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَائِمُ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے در آنحائیکہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہیں یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ بہت عزت والا بڑی حکمت والا۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اور اس کی عبادت کرو۔

عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث

اہم ابو یسٰی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان میں یہ تین اوصاف ہوں اس کے دل میں کبھی کھوٹ (کینہ اور فساد) نہیں ہوگا اس کے عمل میں اللہ کے لیے اخلاص ہو وہ ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔ (المحدث، لائن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث ۲۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ)

ظہان القرآن

جلد چہارم

امام احمد بن حنبل سنن ۳۳۳ روایت کرتے ہیں:

مصعب بن سعد اپنے والد جوش سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس امت کے ضعیف لوگوں کی دعاؤں میں ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد فرماتا ہے۔

(سنن نسائی ج ۶، رقم الحديث: ۳۱۷۸، مطبوعہ دار العرف، بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت معاذ جوش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے دین میں اخلاص رکھو تمہارا قلیل عمل (بھی) کافی ہو گا۔ امام حاکم نے کمالیہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲، ص ۳۰۶، طبعہ الاولیاء ج ۱، ص ۲۳۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحديث: ۲۹۸، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحديث: ۷۳۱)

حضرت شحاک بن قیس جوش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے تمام اعمال اخلاص کے ساتھ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ حافظ سیوطی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحديث: ۱۳۰، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحديث: ۲۹۹، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحديث: ۷۳۲)

حضرت ابو درداء جوش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ پانچ (فرض) نمازیں پڑھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ خوشی سے ادا کرو۔ اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے بیت (کعبہ) کا حج کرو (اور) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حافظ البیہقی نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔

(طبعہ الاولیاء ج ۵، ص ۲۲۸، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۵، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحديث: ۳۰۰، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحديث: ۷۳۳)

حضرت عمر بن الخطاب جوش بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا ہر صرف نیت پر ہے۔ ہر شخص کے عمل کا وہی ثمرہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، تو جس شخص کی ہمت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہمت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس شخص کی ہمت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے، تو اللہ کے نزدیک اس کی ہمت اسی کی طرف ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

(مجمع البحاری ج ۱، رقم الحديث: ۱، مجمع مسلم، الامارۃ: ۱۵۵، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۹، سنن الترمذی ج ۳، رقم

الحديث: ۱۵۳، سنن النسائی ج ۱، رقم الحديث: ۷۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۲۲۷، سنن احمد ج ۲، ص ۲۵، سنن الحمیدی، رقم الحديث: ۲۸، مجمع ابن خزیمہ، رقم الحديث: ۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۲۹۸، المستدرک ج ۳، ص ۳۳، سنن ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۳۸۸، طبعہ الاولیاء ج ۸، ص ۲۲، سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحديث: ۳۸)

حضرت انس جوش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی ہو گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دیکھوے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی۔ اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی۔ تو جس نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے میری عبادت سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا؟ وہ کہے گا: دنیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یقیناً جس چیز کو تو نے جمع کیا تھا، اس نے تجھ کو نفع نہیں دیا اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے ریاکاری کے لیے عبادت کی تھی، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیری عبادت صرف ریاکاری کے لیے تھی، اس میں سے میری طرف کوئی چیز نہیں پہنچی اور وہ ریا تھے آج نفع نہیں دے گا، اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی تھی، اس سے فرمائے گا: تو نے میری عبادت کرنے سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا؟ وہ شخص کہے گا: تیری عزت اور جلال

کی قسم تو ضرور مجھ سے زیادہ جانتے والا ہے۔ میں تیری رضا جوئی اور جنت کے لیے تیری عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندہ نے سچ کہا اس کو جنت کی طرف لے جاؤ۔ (حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن اسحاق کو جسور نے ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم رازی اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی سند کے باقی راوی ثقہ ہیں)

(شعب الایمان ج ۵، رقم الحدیث: ۶۸۰۸، المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث: ۵۱۰۱، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۰)

عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن سرزدو نامہ اعمال لائیں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اس صحیفہ کو قبول کر لو اور اس صحیفہ کو چھوڑ دو۔ فرشتے کہیں گے تیری عزت کی قسم! ہم نے وہی لکھا ہے جو اس نے عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے سچ کہا (لیکن) اس کا عمل میری ذات کے لیے نہیں تھا۔ آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری ذات کے لیے کیا گیا ہو۔ (حافظ البیہقی نے کہا یہ حدیث دو سندوں سے موطی ہے اور اس کی ایک سند صحیح ہے۔)

(المعجم الاوسط ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۲۹، سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۹، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۰)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی نیک عمل کو باقی رکھنا نیک عمل کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔ ایک شخص تعالیٰ میں کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا اجر ستر گنا لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر شیطان اس کو بکاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس عمل کا لوگوں سے ذکر کرتا ہے اور اس کا اعلان کر دیتا ہے۔ پھر اس کی وہ نیکی (تعلیٰ نیکیوں کے بجائے) ظاہر نیکیوں میں لکھ دی جاتی ہے اور تعالیٰ میں عمل کرنے کی وجہ سے جو اس کا زیادہ اجر تھا وہ کم کر دیا جاتا ہے اور شیطان اس کو مسلسل ورغلا تا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی اس نیکی کا ذکر کیا جائے اور اس نیکی پر اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اس کے عمل کو ظاہری نیکیوں سے بھی کٹ دیا جاتا ہے اور یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نے یہ عمل ریاکاری کے طور پر کیا تھا۔ سو جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور بے شک ریاکاری شرک ہے۔

(شعب الایمان ج ۵، رقم الحدیث: ۶۸۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

(ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں لیکن اس کا معنی صحیح ہے اور درج ذیل حدیث میں اس کی تائید ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہو گا۔ اس کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا۔ جن کا وہ اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری رگوں میں قتل کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو تم نے اس لیے قتل کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ تم بہت بدلو ہو۔ سو وہ کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو اونڈھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا اور پڑھ لیا اور قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا جس کا وہ اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور پڑھ لیا اور میں نے تیرا قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا تم نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تم کو عالم کہا جائے اور تم نے قرآن پڑھا تاکہ یہ کہا جائے کہ وہ قاری ہے سو کہا گیا۔ پھر اللہ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس شخص کو پیش کیا جائے گا جس کو اللہ نے وسعت دی تھی اور اس کو ہر قسم کا مل عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے اپنے مل کو نیکی کے ہر اس راستہ میں تیری خاطر خرچ کیا جو تم کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا

تم نے جھوٹ بولا تم نے تو یہ اس لیے کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بہت سخی ہے۔ سو وہ کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، الامارۃ: ۱۵۲، (۱۹۰۵) ۲۸۳۰ سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۹، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۱۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۱۹۸)

اخلاص ہونے پر فائدہ اور اخلاص نہ ہونے کے نقصان کے متعلق ایک اسرائیلی روایت
امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اسرائیلیات میں مذکور ہے کہ ایک عابد بہت بڑے عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا۔ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایک درخت کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ عابد غضبناک ہوا اور کھڑا کھڑے پر رکھ کر اس درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑا۔ راستے میں ابلیس اس کو ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں ملا اور پوچھا کہیں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا تمہارا اس درخت سے کیا تعلق ہے؟ تم بلاوجہ اپنی عبادت کو چھوڑ کر ایک غیر اہم کام کے درپے ہو رہے ہو۔ عابد نے کہا یہ کام بھی میری عبادت ہے۔ ابلیس نے کہا میں تم کو وہ درخت کاٹنے نہیں دوں گا۔ پھر ان دونوں میں کشتی ہوئی۔ عابد نے اس کو افکار زمین پر بیخ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تم کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا اے شخص اللہ نے تم سے یہ کام ساقط کر دیا ہے۔ اور تم پر اس کو فرض نہیں کیا۔ اور تم اس درخت کی عبادت نہیں کرتے اور اگر کوئی اور عبادت کرتا ہے تو اس کا تم سے مواخذہ نہیں ہو گا اور اس زمین میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء بہت ہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو اس درخت کی پرستش کرنے والوں کی طرف اپنا کوئی نبی بھیج دے گا۔ اور اس نبی کو اس درخت کے کاٹنے کا حکم دے گا۔ عابد نے کہا میں اس درخت کو ضرور کاٹوں گا اور ابلیس کو کشتی کے لیے لٹکارا اور عابد ابلیس کو بچھاؤ کر اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ آخر ابلیس عاجز آ گیا اور اس سے کہنے لگا تمہارا کیا مشورہ ہے؟ میں تم کو درمیانی راہ بتاتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ فائدہ مند ہوگی۔

عابد نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں تم کو تحصیل سے بتاؤں عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا تم فقیر آدمی ہو۔ تمہارے پاس مال نہیں ہے۔ لوگ تمہاری کفالت کرتے ہیں اور تم ان پر بوجھ ہو۔ اور شاید کہ تمہارے دل میں خواہش ہو کہ تم اپنے بھائیوں کی ملالہ لو کرو اور اپنے چوسبوں کے ساتھ غم خواری کرو اور تم میرے کرکھلاؤ اور لوگوں سے مستغنی رہو؟ عابد نے کہا ہاں ابلیس نے کہا پھر درخت کاٹنے سے باز آ جاؤ اور تمہیں ہر رات اپنے سرانے دو دینار مل جائیں گے۔ صبح کو تم وہ دو دینار لے لینا اور ان کو اپنے اوپر اور اپنے حیل کے اوپر خرچ کرنا اور اپنے بھائیوں کے اوپر صدقہ کرنا تو یہ تمہارے اور دیگر مسلمانوں کے لیے اس درخت کے کاٹنے سے زیادہ سودمند ہو گا۔ اور اس درخت کے بعد وہاں اور درخت آگ سکتا ہے اور اس کے کاٹنے سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور تمہارے مسلمان ضرورت مند بھائیوں کو اس درخت کے کاٹنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عابد ابلیس کی اس چٹکشی پر غور کرنے لگا اور بے ساختہ کہنے لگا بت تو اس بوڑھے کی سچی ہے۔ میں نبی تو ہوں نہیں جو مجھ پر اس درخت کا کٹنا لازم ہو اور نہ اللہ نے مجھے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس درخت کے نہ کاٹنے کی وجہ سے گنہگار ہو جاؤں اور جو صورت اس نے بتائی ہے اس میں زیادہ نفع ہے۔ سو دونوں نے قسم کھا کر اس بات پر معاہدہ کر لیا۔

عابد لوٹ آیا۔ اس نے اپنے معبد میں رات گزار دی۔ صبح کو اسے اپنے سرانے دو دینار مل گئے۔ اس نے وہ دینار لے

لے۔ اسی طرح اگلے دن بھی ہوا۔ تیسری صبح کو عابد کو اپنے سرہانے کوئی چیز نہیں ملی۔ وہ غضب ناک ہوا اور کٹاڑی کندھے پر ڈال کر چل پڑا۔ اس کے سامنے سے ابلیس ایک بوڑھے کی صورت میں آتا ہوا ملا۔ اس نے پوچھا کہ کیا جا رہے ہو؟ عابد نے کہا میں اس درخت کو کانٹوں لگا ابلیس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ خدا کی قسم! تم اس درخت کو کانٹے پر فکور نہیں ہو۔ اور تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ عابد پہلی بار کی طرح اس سے کشتی کے لیے آگے بڑھا۔ ابلیس نے کہا اب یہ نہیں ہو سکتا۔ اور ایک ہی ہلے میں اس کو بچھاڑ دیا اور عابد چڑیا کی طرح اس کے پیروں میں گر پڑا اور ابلیس اس کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو ذبح کر دوں گا۔ عابد نے غور کیا تو اس کو ابلیس کے مقابلہ میں بالکل طاقت محسوس نہیں ہوئی۔ عابد نے کہا تم مجھ پر غالب آ گئے۔ اب مجھ کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ میں پہلی بار تم پر کس طرح غالب آیا تھا اور اس بار کیوں نہ غالب آ سکا۔ ابلیس نے کہا اس لیے کہ پہلی بار تم اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے تھے اور تمہاری نیت آخرت تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اس بار تم اپنے نفس اور دنیا کے لیے غضب ناک ہوئے تو میں نے تم کو بچھاڑ دیا۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۸۵-۲۸۳ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اخلاص سے کیا ہوا کم عمل بغیر اخلاص کے زیادہ اعمال سے افضل ہے
علامہ عبد الرؤف السبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الکفل نے کہا ہے کہ لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادت میں ریا کو ترک کرنا۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے جس چیز کی آمیزش کا شبہ بھی ہو اس سے دل کو خاص کر لینا۔ پس جس شخص کی کسی فعل سے غرض صرف ایک ہو اور وہ غرض اللہ کا تقرب اور اس کی رضا جوئی ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت بالکل نہ ہو حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی طبعی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو بلکہ شخص اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے حکم کی اطاعت کے لیے تقویت حاصل کرنے اور اس کے رسول و پیغمبر کی سنت پر عمل کرنے کے لیے ہو تو اس نیت سے اس کا ہر عمل اخلاص سے ہو گا اور جس شخص کی اپنے فعل سے غرض واحد ہو اور وہ غرض ریا اور دکھلاوا ہو، ایسا شخص اپنے نفس اور دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں ہر وقت اپنے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دھن سلی رہتی ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کے لیے بالکل جگہ نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کی عبادت ریا سے بالکل محفوظ نہیں رہتی اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر کبھی روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ان کے افضل میں اخلاص ہوتا ہے اور کبھی ان کے افضل میں ریا ہوتا ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے عبادت کم ہو، لیکن اس میں ریا اور تکبر نہ ہو اور اس عبادت کا باعث اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عبادت کی غیر متناہی قیمت ہے اور عبادت بہت زیادہ ہو لیکن اخلاص سے خالی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کے تدارک کی کوئی سبیل پیدا فرمادے۔ اس لیے اہل بصیرت زیادہ عمل میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اخلاص کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قدر و قیمت صاف شفاف اور صیقل چیز کی ہوتی ہے، کثرت کی نہیں ہوتی۔ ایک سچا موتی ہزار نمیکریوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ جو لوگ بہت زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں اور بہ کثرت روزے رکھتے ہیں اور نمازوں میں اخلاص اور خضوع اور خشوع کے درپے نہیں ہوتے اور نہ روزوں میں طبیعت کے جذبہ کی کوشش کرتے ہیں، اپنی نمازوں اور روزوں کی بڑی تعداد سے دھوکا کھاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بے مغز اخروں کے ڈھیر کی کیا قدر و قیمت ہے۔

(فیض اللہ بر ج ۱ ص ۳۱۵-۳۱۴ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ ۱۴۱۸ھ)

انسانوں کے حشر کی کیفیت

اس کے بعد فرمایا: جس طرح اس نے تم کو ابتدا میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوٹو گے۔

محمد بن کعب نے اس کی تفسیر میں کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اہل شقاوت میں سے پیدا کیا ہے وہ قیامت کے دن اہل شقاوت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے نیک کام کرتا ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اہل سعادت میں سے پیدا کیا ہے وہ قیامت کے دن اہل سعادت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے برے کام کرتا رہا ہو۔ جیسے ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے اہل شقاوت میں سے پیدا کیا تھا وہ پہلے نیک کام کرتا تھا لیکن وہ انجام کار کفر کی طرف لوٹ گیا اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر وہ پہلے فرعون کے تابع تھے لیکن بعد میں فرعون کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ سو ابلیس اپنی ابتدا خلقت کے اعتبار سے شقاوت کی طرف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر اپنی ابتدا خلقت کے اعتبار سے سعادت کی طرف لوٹ گئے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

(جامع البیان ۸/۲۷۷ ص ۲۰۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے جس طرح انسان میں کے ہیٹ سے ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون پیدا ہوا تھا وہ حشر میں بھی اسی طرح طرح ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون اٹھے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ستونی ۵۶۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم حشر میں ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ ثَوْبًا وَنَعْلًا كَعَلَيْنَا

ثَوْبًا وَنَعْلًا (الانبیاء: ۳۳)

جس طرح ہم نے پہلے پیدائش کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کو دہرائیں گے، یہ تارادعہ ہے، ہم اس کو ضرور (پورا) کرنے والے ہیں۔

اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ہیں۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہ دن اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں)

(صحیح البخاری ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۴۷، صحیح مسلم، المحدث: ۵۸ (۲۸۵۹) ۷۰۸، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۳۱، سنن

ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۸۷، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۷۷، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۲۰۹۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۸، التلمیح الکبیر ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ کو گمراہی پر ڈال دیا، انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنالیا اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الاعراف: ۳۰)

ابتداء فطرت میں ہر انسان کا ہدایت یافتہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی وحدانیت کی معرفت حاصل کر سکے اور اس کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیے۔ پھر بعض انسانوں نے اس فطری صلاحیت کو ضائع کر دیا اور شیطان نے ان کو دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبوں کے دام میں پھنس لیا، ان کو

ان کے تعمیر نے سرزنش کی نبیوں اور رسولوں اور ہر دور کے علماء حق نے ان کو اللہ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی لیکن وہ شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر ڈٹے رہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۚ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۚ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البعد: ۸۳)
 کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ؟ اور ہم نے اسے (سکی اور پدی کے) دونوں واضح راستے دکھادیے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر آپ فرماتے پڑھو! اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی بٹائی ہوئی سرشت (فطرت اسلام) کو لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بٹائی ہوئی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی دین راست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الروم: ۳۰) دوسری روایت میں ہے: جو شخص بھی پیدا ہوا وہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنادیتے ہیں۔ جیسے اونٹ سالم اور کالہ الاغصاء پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ حتیٰ کہ تم اس کے اعضاء کاٹتے ہو۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیے! جو شخص بچپن میں فوت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی جانتے والا ہے وہ کیا کرنے والا تھا؟

(صحیح مسلم: ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳

کوئی مجھے ایک کپڑا دے دیتا جس کو میں اپنی شرم گاہ پر ڈال دیتی، آج بعض یا کل کل جائے گا اور جو کل جائے گا میں اس کو بھی حلال نہیں کروں گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ (الاعراف: ۳۱)

(صحیح مسلم، تفسیر ۲۵، ۴۱۶ (۳۰۲۸)، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زینت کا حکم دیا۔ زینت سے مراد وہ لباس ہے جو شرم گاہ چھپائے۔ اس کے علاوہ عمدہ کپڑے اور اچھی چیزیں بھی زینت ہیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت اپنی زینت کو پہنیں۔

(جامع البیان، ۸ ج، ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ عرب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، اسوا قریش اور ان کے حلیوں کے۔ ان کے علاوہ جو لوگ طواف کرنے کے لیے آتے، وہ اپنے کپڑے اتار دیتے اور قریش کے دیے ہوئے کپڑے پہن لیتے اور اگر ان کو قریش میں سے کوئی عورت کپڑے دینے والا نہ ملتا تو وہ اپنے کپڑے پھینک کر برہنہ طواف کرتا اور اگر وہ ابن بنی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو وہ طواف کے بعد ابن کپڑوں کو پھینک دیتا اور ان کپڑوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو۔ (جامع البیان، ۸ ج، ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس حج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر بنایا تھا جو کہ حجت الوداع سے پہلے تھا، اس میں حضرت ابوبکر نے مجھے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ قربانی کے دن یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ۳۲۵، ۳۲۹ (۳۳۷)، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث ۱۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث ۱۴۶، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث ۲۹۵۷)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہا تھا اور میں نے چھوٹا سا تہبند باندھا ہوا تھا۔ اچانک میرا تہبند کھل گیا، اس وقت میرے کندھے پر وزنی پتھر تھا، اس وجہ سے میں تہبند کو اٹھا نہیں سکا، حتیٰ کہ میں نے پتھر کو اس کی جگہ پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جا کر اپنا تہبند اٹھو اور اس کو باندھ لو اور نیچے بدن نہ پھرا کرو۔

(صحیح مسلم، فیض ۷۸، ۷۵۷ (۳۳۱)، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث ۳۰۱۶)

تفسیر کعبہ کے وقت تہبند اتار کر کندھے پر رکھنے کی روایت پر بحث و نظر

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعب کو بتایا گیا تو نبی ﷺ اور عباس پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی ﷺ سے کہا پتھروں کی وجہ سے اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لیں، آپ نے ایسا کیا پھر آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی دونوں آنکھیں آنکھوں کی طرف لگی ہوئی تھیں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میری چادر، میری چادر، پھر آپ پر چادر باندھ دی گئی۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث ۱۵۸۴، ج ۳، رقم الحدیث ۲۸۲۹، صحیح مسلم، فیض ۷۶، ۷۵۵ (۳۳۰)، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۹۵)

ج ۳، ص ۳۸۰، ۳۸۱

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے اپنا تہبند اتار دیا تھا اور آپ معاذ اللہ برہنہ ہو گئے اور اسی کی دہشت سے آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ حدیث آپ کے بلند منصب، آپ کی عظمت اور شان اور آپ کے مقام نبوت کے خلاف ہے۔ علامہ نووی، علامہ مہنی اور علامہ عسقلانی میں سے کسی نے بھی اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ علامہ قرطبی نے اس حدیث کو المنعم میں شامل نہیں کیا۔ صرف علامہ محمد بن علی بن غلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۸۸ھ نے اپنی شرح میں اس اشکال کو دور کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ کا ستر کھل گیا تھا، کیونکہ آپ اول امر میں تہبند کھلتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور غالباً اس وقت آپ پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے یہ عزت اور کرامت دی ہے کہ میں مخنوں پیدا ہوا اور میری شرم گاہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

(المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ۹۳۶، المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۳، دلائل النبوة، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۹، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۳۳، کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۱۳۳۳، اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان بن محمد خزاعی متفرد ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس پر جرح کیا ہے۔ اعلیٰ التہذیب، ج ۱، ص ۲۵، حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۲۶۵)

اور بعض روایات میں ہے کہ فرشتہ نازل ہوا اور اس نے میرا تہبند باندھ دیا۔

(الکمال اکمال المعظم، ج ۲، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الکتب المطبعیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

ہر چند کہ یہ حدیث جس میں آپ کے تہبند کھولنے کا ذکر ہے، سند صحیح کے ساتھ مروی ہے لیکن اول تو یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے جن کا مقبول ہونا ہر حال مختلف فیہ ہے۔ ثانیاً یہ حدیث درایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے کعب بنیہ تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے مرد کے لیے اس کے بچا کا زراہ شفقت یہ کہنا کہ ”تم اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لو تاکہ تم کو پھر نہ جہیں“ درایت صحیح نہیں ہے۔ یہ بات کسی کم سن بچہ کے حق میں تو کہی جاسکتی ہے، پینتیس سال کے مرد کے لیے صحیح نہیں ہے اور علامہ بدر الدین مہنی، علامہ ابن حجر وغیرہ نے امام ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے کہ قریش کے کعب بنانے کا واقعہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اور اسی سند کے ساتھ امام حاکم اور امام طبرانی نے نقل کیا ہے کہ قریش نے وادی کے پتھروں سے کعب کو بیٹایا اور اس کو آسمان کی جانب میں (۴۰) ہاتھ بلند کیا اور جس وقت نبی ﷺ اجیاد سے پھراٹھا اٹھا کر لارہے تھے اس وقت آپ نے ایک دھاری دار چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا۔ آپ نے اس چادر کا پلو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اس چادر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے آپ کی شرم گاہ ظاہر ہو گئی۔ اس وقت ایک آواز آئی اے محمد! ﷺ اپنی شرم گاہ ڈھانپ لیں، اس کے بعد آپ کو عریاں نہیں دیکھا گیا، اس وقت آپ کی بعثت میں پانچ سال تھے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے امام عبدالرزاق کی سند سے لکھا کہ مجاہد نے کہا کہ یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی) امام عبدالبر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن مشہور ہذا قول ہے (یعنی بعثت سے پانچ

سال پہلے کا) (فتح الباری، ج ۳، ص ۳۳۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

طبقات ابن سعد میں محمد بن جابر بن مطعم سے روایت ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کے لیے پھر لارہے تھے اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ لوگوں نے اپنے اپنے تہجد اپنے اپنے کندھوں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کیا پھر آپ گر پڑے اور آپ کو خدا کی مٹی ۳۳ بنی شرم گاہ کو ڈھکے اور یہ آپ کو پہلی خدا کی مٹی تھی۔ ابو طالب نے کہا اے نبیؐ اپنا تہجد اپنے سر کے نیچے رکھ لو۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ صرف برہنہ ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۲۱۵ مطبوعہ دارالحدیث المشرقیہ ۱۳۳۸ھ)

امام عبد الملک بن ویشام متوفی ۳۳۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کے بنانے پر اتفاق کیا۔

(الغیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السبکی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا۔ دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر بنایا اور تیسری بار اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا۔ چوتھی بار حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بنایا اور پانچویں بار عبد الملک بن مروان نے بنایا۔ (الروض اللائف ج ۱ ص ۷۲ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ لبنان)

علامہ ابی ہاشم متوفی ۸۲۸ھ نے بھی علامہ سبکی کے حوالے سے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(اکمال الکمال العلم ج ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ محمد بن یوسف صائغ شامی متوفی ۱۲۳۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مجاہد سے منقول ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور امام ابن اسحاق نے جس پر جزم کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور یہی صحیح ہے۔ (سبل اللہ فی الارشاد ج ۲ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

ہم نے متعدد مستند کتب کے حوالہ جات سے یہ بیان کیا ہے کہ قریش نے جس وقت کعبہ کی تعمیر کی تھی اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے کسی عام مذہب انسان کے حال سے بھی یہ بہت بعید ہے کہ وہ اپنا تہجد اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لے۔ چہ جائیکہ وہ شخص ہو جس کی حیا اور وقار تمام دنیا میں سب سے عظیم اور مثالی ہو۔ اس لیے یہ اطلوٹ ہر چند کہ سند صحیح ہیں لیکن دراصل صحیح نہیں ہیں جبکہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں اور اس واقعہ کے وقت ابن کی عمر دو سال تھی۔ کیونکہ یہ ۳۳ سال کی عمر گزار کر ۵۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (الاستیعاب علی حاشیہ ج ۱ ص ۱۲۲) اس حباب سے ہجرت کے وقت ابن کی عمر ۲۰ سال تھی۔ اور بعثت کے وقت ابن کی عمر سات سال تھی اور یہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے تو اس وقت ابن کی عمر دو سال تھی اور اس وقت یہ مدینہ میں تھے ملائکہ یہ مکہ کا واقعہ ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ کسی سے سنا ہو گا جس کے نام کی انہوں نے تصریح نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کی حیا اور وقار پر کوئی حرف آنے کی بہ نسبت ہمیں یہ زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ روایت حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کی جو عظمت اور مقام ہے اس کی بہ نسبت کہیں زیادہ بلکہ سب سے زیادہ عظمت اور شان رسول اللہ ﷺ کی حیا اور وقار کی ہے۔

کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا اسراف ہونا نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کھلا اور پورا فضول خرچ نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے اور پینے کو حلال فرمادیا ہے جب تک کہ فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔ جتنی مقدار کھانے اور پینے سے رتی حیات باقی رہ سکتی ہے اتنی مقدار کھلا اور پینا فرض ہے۔ رزق حلال کھانے اور بدنی عیالات انجام دینے کے لیے جتنی صحت اور توانائی کی ضرورت ہے اس کے لیے جس قدر کھانے کی ضرورت ہے اتنا کھانا بھی فرض ہے۔ اپنی صحت کے تحفظ اور اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پریشی کھانا کھانا اور نقصان دہ چیزوں کو ترک کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو وصل کے (پے در پے) روزے رکھنے سے اسی لیے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدن لاغر اور کمزور ہوتا ہے اور انسان کی توانائی کم ہوتی ہے۔ جتنی مقدار کھانا جان کی بجا اور توانائی کی حفاظت کے لیے ضروری ہے اس سے کم کھانا کوئی نیک ہے نہ اس میں کوئی زبردستی ہے۔ اور بسیار خوری مجاز اور گناہ ہے اور یہ فضول خرچ کی ممانعت میں داخل ہے۔ یہ جان ہماری ملکیت نہیں ہے یہ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے اس کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ مرغن اور چٹ پٹی اشیاء کے کھانے سے انجام کار انسان ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس سے تیغ اور تیزابیت بڑھ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں عمر ہو جاتا ہے۔ زیادہ چکنائی والی اشیاء کھانے سے خون میں کلیسٹرول بڑھ جاتا ہے جسم بھاری بھر کم ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ پھر بھی احتیاط نہ کی جائے تو انجانا ہو جاتا ہے اور دل کے دورے پڑتے ہیں اور جسم کے کسی عضو پر فالج گرنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض اوقات برین ڈیمینج ہو جاتا ہے اور دماغ کی کوئی رگ پھٹ جاتی ہے۔ مسلسل سگریٹ نوشی سے خون کی شریانیں سکڑ جاتی ہیں اور فالج کا خطرہ رہتا ہے۔ کھانسی دمہ اور گلے کی خرابی اس کے عام اثرات ہیں بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور جگر سکڑ جاتا ہے ان فرض تمباکو کھانے اور پینے کے بہت نقصانات ہیں۔ اسی طرح بسیار خوری کے بھی بہت زیادہ نقصانات ہیں جن کا ہم نے اجلا ذکر کیا ہے۔ جدید اور قدیم حکماء نے صحت کی حفاظت کے لیے ہمیشہ کم کھانے کی تلقین کی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی کم کھانے کی تاکید کی ہے اور بسیار خوری کی مذمت فرمائی ہے۔

بسیار خوری کی مذمت میں احادیث

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدم بن سعدی کرب جویشہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو بھرنا برا نہیں ہے۔ بہن آدم کے لیے چند تھپے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے اور اگر اس نے لاکھ زیادہ کھانا ہو تو (پیٹ کا) تھلی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تھلی حصہ پانی کے لیے اور تھلی حصہ سانس لینے کے لیے۔

(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۲۷۹۸، مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۱۸۶)

حضرت ابو ہریرہ جویشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص مسلمان ہوا وہ کافر تھا (شامس بن اثال) رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا۔ اس نے ایک بکری کا دودھ لیا اور دوسری بکری کا پھر تیسری بکری کا حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دودھ لایا دودھ پی گیا۔ صبح اٹھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس کے لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا، پھر دوسری بکری کا دودھ لایا گیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن ایک آنت میں چٹا ہے اور کافر سات آنتوں میں چٹا ہے۔ (امام مسلم کی دیگر روایات میں اس طرح ہے مومن ایک آنت

میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے)

(صحیح مسلم، اثر: ۱۸۶، ۲۰۶۳، ۵۲۸۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۶۸۹۳)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے ڈکاری تو آپ نے فرمایا ہمارے سامنے اپنی ڈکار روک کر رکھو کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ تم اپنی ہر خواہش کے مطابق چیز کھاؤ۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت لجلج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نبی ﷺ کے ساتھ اسلام لایا ہوں میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھیا میں صرف اتنا کھاتا چلتا ہوں جس سے میری حیات باقی رہ سکے۔

(المسلم الکبیر، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۳۸۷، ص ۲۱۸، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۳۱)

پرہیز کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحسب متنی متوفی ۷۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام السد ر بنت قیس الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیماری سے اٹھ کر کمزور تھے اور ہمارے پاس کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے کے لیے کھڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرماتے لگے 'چھوڑ دو' تم کمزور ہو۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رک گئے اور میں نے جو اور چقدر کا کھانا بٹایا تھا۔ میں وہ لے کر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی اس سے کھلو یہ تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۶۳، مشکوٰۃ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۱۶)

حضرت قلیہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استقاء کے مریض کا پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۳، صحیح ابن حبان، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۶۹، السنن رک، ج ۳، ص ۳۰۹، ۳۰۷، ۳۰۵)
امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

ایک ماہر سواوی حکیم نے کہا وہ دوا جس کے ساتھ کوئی بیماری نہ ہو وہ یہ ہے کہ جب تک بھوک نہ ہو، مت کھاؤ اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بسیار خوری بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز کرنا دوا کی جڑ ہے اور بدن کو اس کی علوت کے مطابق علوی بنو۔ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

"پرہیز کرنا دوا کا سردار ہے" یہ عرب کے حکیم حارث بن کلدہ کا کلام ہے اور امام ابن ابی الدنیانے کتاب الصحت میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ طب کار نہیں پرہیز ہے اور حکمت کار نہیں خاموشی ہے۔

(اتحاف السادة المتقين، ج ۷، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، ۱۴۱۲ھ)

کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث

حضرت سلمان بن جہش بیان کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ میں نے اس کا فیہی پیچھا سے ذکر کیا اور میں نے بتایا کہ میں نے تورات میں کیا پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا کھانے میں برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۵۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۷۴۳، مسند ابوداؤد، علیہ السلام، رقم الحدیث: ۴۱۷۴)

حضرت انس بن مالک بن جہش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں خیر کی کثرت کرے، وہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۶۰، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت حکم بن حمیر بن جہش بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک طعام (کی دعوت) میں تھے۔ ایک شخص نے گھروالوں کے غلام سے تولیہ طلب کیا، اس نے کپڑا لا کر دیا اس نے اس سے ہاتھ پونچھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کپڑے کو تم نے پہنا ہے اس کا تولیہ نہ بناؤ۔ (مناہا آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس کام کے لیے پرانے کپڑے استعمال کرو)

(المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن بزاز کردی حنفی حنفی ۵۸۲ھ نے لکھا ہے کہ کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے اور ہاتھ نہ پونچھے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھو لے اور ہاتھ پونچھ لے۔

(فتاویٰ بزاز، علی ہاشم الحنفی، ج ۶، ص ۳۵۲، مطبعہ امیر، بلاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

حضرت عمر بن ابی سلمہ بن جہش بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس طعام رکھا تھا آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے قریب آؤ، بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۳، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۷۶، صحیح مسلم، شرح، ۱۰۸، (۴۰۴۲)، ۵۱۷۱، سنن ابی داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۶۵، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے اگر وہ اس کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو کہے بسم اللہ فی اولہ و آخرہ۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۶۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۶۷، صحیح ابن حبان، ج ۴، رقم الحدیث: ۵۴۴۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۷۳۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طعام اور مشروب میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ برتن میں سانس لیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۲۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۶۱، ۸۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص دسترخوان اٹھانے سے پہلے کھڑا نہ ہو خواہ اس کا پیٹ بھر گیا ہو وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچے حتیٰ کہ قوم فارغ ہو جائے اور اپنا غدر بیان کرے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیتا ہے تو وہ اپنے ہم نشین کو شرمندہ کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کو کھانے

کی حاجت ہو۔ (سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۹۵، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جب وہ کوئی چیز کھا کر پانی کر اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

(صحیح مسلم 'الذکر واللہ ما: ۲۴' (۲۷۲۳) سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۲۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کوئی چیز کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔

(سنن الترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۶۸، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۸۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کھانے کے بعد یہ دعا کی: الحمد للہ الذی اطعمنی هذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوہ تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۶۹، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۰۲۳، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالمہشم بن اسمان نے نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی دعوت دی جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کو جزا دو۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی جزا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کے گھر جائے اور اس کا کھانا کھائے اور اس کے مشروبات پئے اور وہ اس کے لیے دعا کرے تو یہ اس کی جزا ہے۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر پانی پئے قلادہ لے کر کھائے یا پھل کھائے حضرت انس نے فرمایا یہ تو زیادہ برا ہے یا فرمایا یہ زیادہ خبیث کام ہے۔

(صحیح مسلم 'الشری: ۳۳' (۳۰۳۱) سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۸۶، سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۷۷، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۲۳، سنن دارمی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۷۷، صحیح ابن حبان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۲۱، مسند ابی یاسر 'ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۸' ص ۲۰۶، سنن کبریٰ 'ج ۷' ص ۲۸۷-۲۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے سو جو شخص بھول جائے اس کو چاہیے وہ قے کر دے۔ (صحیح مسلم 'الشری: ۳۱' (۳۰۳۶) سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۷۷)

اس حدیث کو ائمہ ستہ میں سے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نزال بن سبرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی پھر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوفہ کی کھلی جگہ میں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا پھر پانی لایا گیا اور انہوں نے وضو کیا پھر کھڑے ہو کر وضو کا پانی ہوا پانی ہوا

پھر فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو کھڑے کہتے ہیں۔ اور بے شک نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے جس طرح میں نے کیا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۵۰، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۷۷۸، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۷، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث: ۷۹۵، مسند ابویوسف ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۹، شمائل ترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔

(صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۷۷، صحیح مسلم، اثر: ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۸۹، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۹۷۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲۲، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۵۳۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵، ص ۸۶، مسند احمد ج ۱، ص ۲۳، ۲۳۹، ۲۴۰، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۸، المعجم الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۳۵۷، مسند ابویوسف ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۶، مسند عیسیٰ، رقم الحدیث: ۳۸، شرح السنہ ج ۶، رقم الحدیث: ۲۹۳۰-۲۹۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھلتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۸۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲۱، صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، ۵۳۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۲۰۵، سنن دارمی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۰۸، طبع قدیم، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۷۹، طبع جدید دار الفکر، مسند البیہقی، رقم الحدیث: ۸۰۳، التستی، رقم الحدیث: ۸۶۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۲۸۳، مختصرات خلف السلف، ص ۵، رقم الحدیث: ۳۲۳۵)

عمو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر (شروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ امام ابویوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۹۰، مسند احمد ج ۲، ص ۲۱۵، ۲۰۶، ۱۹۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، شرح السنہ ج ۶، رقم الحدیث: ۲۹۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے (شروب) پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۱۲۳۵، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۵، ص ۸۰) حضرت انس جو پیشو بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے (کوئی شروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ امام بزار کی روایت میں ہے آپ نے کھڑے ہو کر دودھ پیا۔

(مسند ابویوسف ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۶۰، مسند البزار ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۹۹) حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام ابویوسف اور امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۷۹) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ من کے پاس تشریف لائے، من کے گھر میں ایک مشک لگی ہوئی تھی، آپ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔

(مسند احمد ج ۳، ص ۱۹، ج ۶، ص ۳۳۶، ۳۷۶، المعجم الکبیر ج ۲۵، ص ۷۶، المعجم الاوسط ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۸)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں البراء بن زید ہے۔ اس کو کسی نے ضعیف نہیں کہا۔ (حافظ ابن حجر نے کہا

یہ مقبول ہے۔ تقریباً تفسیر 'ج' ص ۱۳۳ اور اس حدیث کے باقی تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۷۹) کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اور جواز کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء علامہ یحییٰ بن شرف نوادی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور ممانعت کی دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور نہی پیچیدہ کھڑے ہو کر پانی جواز پر محمول ہے۔ اور نہی پیچیدہ کافل مکروہ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ آپ پر شریعت کا بیان کرنا واجب ہے آپ کو اس عمل میں واجب کا ثواب ملے گا۔

(مجمع مسلم شرح النوادی ج ۹ ص ۵۵۳۵ مطبوعہ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس نے نہی پیچیدہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ علماء میں سے کسی نے بھی اس ممانعت کو تحریم پر محمول نہیں کیا یہ صرف غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ہے۔ جسور کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے اور سلف میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور جسور فقہاء اور امام مالک اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نہی پیچیدہ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور ان کے نزدیک نہی پیچیدہ کا یہ فعل ممانعت کی احادیث کے بعد ہے کیونکہ یہ حجتہ الوداع کا واقعہ ہے تو یہ اس ممانعت کا مخالف ہے اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے بھی اس ممانعت کے خلاف عمل کیا اور یہ بات بہت بعید ہے کہ ممانعت کی احادیث ان سے مخفی رہیں جبکہ وہ نہی پیچیدہ کے ساتھ لازماً رہتے تھے اور دین پر عمل کرنے میں بہت سخت تھے۔ اور اگر صحیح کا قول نہ کیا جائے اور ان احادیث میں تطبیق دی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ممانعت کی احادیث خلاف اولیٰ پر محمول ہیں۔

حضرت انس نے قتلہ کے سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ کھانے کا معاملہ تو اور زیادہ برا ہے۔ اس کا اہل علم میں سے کوئی قائل نہیں ہے اور یہ محض ان کی رائے ہے روایت نہیں ہے اور اصل اباحت ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر کوئی شخص جلدی سے ڈگڈگا کر پانی پئے گا تو اس کو درد ہو جگر ہو جائے گا یا اس کا کھانا کھٹ جائے گا یا اس کے حلق یا سہمہ میں درد ہو جائے گا۔ اس لیے اس کو کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیے اور نہی پیچیدہ نے اس وقت کھڑے ہو کر پانی پیا جب آپ کو یہ نظر نہیں تھا۔ یا کسی ضرورت یا حاجت کی بنا پر یا خصوصاً اس لیے کہ آپ زمزم پر تھے اور وہ لوگوں کے رش کی جگہ ہے یا آپ نے اس لیے کھڑے ہو کر پانی پیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ یا اس لیے کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے۔ سو جس شخص نے بھول کر پیا وہ سزا کھائے۔

اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو شخص بھول کر کھڑے ہو کر پانی پئے اس پر قے کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض مشائخ نے کہا زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور کھڑے ہو کر کھانے کے جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہر چند کہ قتلہ کی رائے اس میں مختلف ہے۔ ۱۔ مجمع ج ۵ ص ۲۸۶-۲۸۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ

علامہ محمد بن خلیفہ دمشقی لیل مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور اکثر فقہاء نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے۔ اور ایک قوم نے ممانعت کی احادیث کی بنا پر کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس شخص کی طرف راجع ہیں جو اپنے اصحاب کے لیے پانی لے کر آیا اور ان کو پانی پلانے سے پہلے خود کھڑے ہو کر پانی پی لیا جبکہ احسن طریقہ یہ ہے کہ قوم کے ساتھی کو سب سے آخر میں پانی پینا چاہیے اور ان میں ظاہر تطبیق اس طرح ہے کہ ممانعت کی احادیث تنزیہ پر محمول ہوں اور کھڑے ہو کر پینے کی احادیث جواز پر محمول ہوں یا یہ کہا جائے کہ ممانعت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے صحت بدن کو ضرر کا خطرہ ہے۔ اس لیے آپ نے احتیاطاً کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا اور انھوں نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پینے سے ہیٹ کی بیماری ہوتی ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام بخاری نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ ابن کے نزدیک ممانعت کی یہ احادیث صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف جواز کی احادیث روایت کی ہیں۔ امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی تین حدیثیں روایت کی ہیں اور تینوں معلول ہیں۔ پہلی حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۳) قتادہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ اور یہ معنی ہے اور شعبہ قتادہ کی احادیث سے اجتناب کرتے تھے جب تک کہ وہ حدیثانہ کہیں۔ دوسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۵) قتادہ کی ابو یحییٰ اللاسواری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا یہ عیسیٰ غیر مشہور ہے اور اس سند میں قتادہ کا اضطراب اس کے معلول ہونے کے لیے کافی ہے۔ علاوہ ازیں یہ احادیث اباحت کے خلاف ہیں جس پر سلف اور خلف کا اجماع ہے۔ تیسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۶) عمرو بن حمزہ کی ابو خضیفان سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جو بھولے سے پی لے تو وہ قتل کر دے۔ عمرو بن حمزہ نے کہا یہ حدیث دیگر احادیث (اباحت) سے مخالفت کی گنجائش نہیں رکھتی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ (مؤخر الذکر جملہ) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے۔ (اکمل اکمل المسلم ج ۷، ص ۳۸-۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد الطبری متوفی ۴۳۳ھ نے علامہ نووی کی طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو تنزیہ پر اور اباحت کی احادیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے اور اخیر میں لکھا ہے کہ یہ ممانعت تادیب ارشاد اور اوٹی اور افضل کام کرنے کی ہدایت پر محمول ہے۔ (شرح الطبری ج ۸، ص ۱۸۷-۱۸۶ مطبوعہ دار الفکر القرآن کراچی ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ نے بھی علامہ طبری کی طرح لکھا ہے۔

(مرقات ج ۸، ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ ام ادبیہ لبنان ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد بن حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث روایت کی ہیں اور بعض احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی ہیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا پچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۵۷۱، ۵۷۵ سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۱۸، سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۷) اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (سنن الترمذی ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۸۷) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام طحاوی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر (شراب) پیتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲،

ص ۳۵۸ 'سند ابرار' ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۴۸ اور امام طہلوی نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔ (شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۳۵۸) اس حدیث کو امام احمد نور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سند احمد، ج ۳، ص ۱۹، ج ۶، ص ۳۲۶، ۳۲۷، ج ۲۵، ص ۷۷، ۷۸، ج ۲، رقم الحديث: ۲۵۸) اس کے بعد علامہ عینی نے علامہ نووی اور علامہ طہلوی کی عبارات کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ علامہ نووی کی عبارات ہم نقل کر چکے ہیں اور علامہ ابو جعفر احمد بن محمد الطہلوی متوفی ۳۲۱ھ کی عبارت یہ ہے:

نیا ٹیچر نے یہ طریقہ تحریم کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ منہ لگا کر کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے تاکہ پانی بدبودار نہ ہو جائے ' لہذا یہ منع کثامت پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تھا ' یا امت سے کوئی اور ضرر دور کرنے کے لیے منع فرمایا۔ مبادا انہیں کھڑے ہو کر پانی پینے سے کوئی ضرر لاحق ہو جائے اور جب وہ ضرر دور ہو گیا تو وہ ممانعت بھی اٹھ گئی اور جب متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اور صحابہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت اب اٹھ چکی ہے۔ ہمارے نزدیک ان احادیث کی یہی توجیہ ہے۔

(شرح معانی للاکثار، ج ۲، ص ۳۵۹، 'مطہ'، مطبوعہ کراچی، 'عمدة القاری'، ج ۹، ص ۲۷۹، 'مطبوعہ'، لواں، البیروت، 'المیزان'، مصر، ۱۳۴۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ نووی شافعی اور علامہ بیہقی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا خلاف اولیٰ ہے۔ علامہ قرطبی مالکی اور علامہ ابی مالکی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں یا پھر آپ نے ضرر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی حنفی کا بھی یہی موقف ہے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی کا بھی یہی رجحان ہے اور طاعلی قاری حنفی کی رائے یہ ہے کہ آپ نے بہ طور تلویب اور شفقت کے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے اور جسور فقہاء احناف کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے۔

وضو کے نیچے ہوئے پانی اور زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا استحباب
در مختار شرح تنویر الابصار میں مذکور ہے "وضو کا پینا ہو پانی اور اسی طرح آب زمزم قبلہ کی طرف مت کر کے کھڑے ہو کر یا
بیٹھ کر پئے اور من دوپایتوں کے سوا کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہی ہے" اس عبارت سے علامہ شامی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آب
زمزم اور وضو کا بقیہ پانی بھی کھڑے ہو کر پینا صرف جائز اور مباح ہے۔ مستحب نہیں ہے۔ مستحب من کو بھی بیٹھ کر پینا ہے چنانچہ وہ
لکھتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں مواضع پر کھڑے ہو کر اپنے کام کو نہ ہونا بھی محل کلام ہے چہ جائیکہ ان میں مستحب کا قول کیا جائے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان مواضع پر کھڑے ہو کر جتنا کمزور نہیں ہے۔ اگرچہ مستحب بھی نہیں ہے کیونکہ زمزم کے پانی میں شفاء ہے۔ اسی طرح وضو کے بقیہ میں بھی شفاء ہے۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہمیں اس مسئلہ میں علامہ شاہی رحمہ اللہ کی رائے سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک آب زمزم کی تعظیم کے قصہ سے اس کو قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر پینا مستحب اور باعث ثواب ہے کیونکہ آب زمزم شعاۃ اللہ میں سے ہے اور شعاۃ اللہ کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى
الْقُلُوبِ (الحج: ۳۲)

اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں
کے تقویٰ سے ہے۔

تبيين القرآن

علامہ شامی سے مقدم اجلہ فقہاء نے بھی زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۳۲ھ لکھتے ہیں:

وضوء کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پئے اور امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پئے اور اسی طرح زمزم کے پاس بھی کھڑے ہو کر پئے۔

(غلامہ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ حسن بن منصور اوزجندی (قاضی خان) متوفی ۴۵۵ھ نے وضوء کی سنتوں میں لکھا ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر

پئے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الندوی ج ۱ ص ۳۵)

علامہ عالم بن اعطاء الانصاری (الامام ربیع الدیوبی المتوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر پئے اور دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی نہ پئے۔

ایک اس مقام پر اور ایک زمزم پر۔ (فتاویٰ تاتار خانیہ ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دارۃ القرآن کراچی ۱۳۳۵ھ)

علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی المتوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

وضوء کا پچا ہو اپنی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کا پچا ہوا

پانی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر نہ پئے اور جو بھول جائے وہ تے

کرنے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ یہ ممانعت تشریکی ہے جو کہ طبعی بنا پر ہے نہ کہ دینی بنا پر۔

(مراقی الفلاح علی ہاشم الطحاوی ص ۷۳-۷۴ مطبوعہ مصر)

عالم گیری میں بھی وضوء کے سچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۸ ص ۸ طبع مصر)

نیز علامہ شامی کی اپنی عبارت میں بھی ان کی تحقیق کے ضعیف ہونے کی تصریح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اور سراج میں مذکور ہے کہ ان دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی پینا مستحب نہیں ہے۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے

کہ شارح (علامہ صفحنی صاحب در مختار) کا مختار ضعیف ہے جیسا کہ اس پر عمومی وغیرہ نے تجرید کی ہے۔ (کیونکہ اس عبارت کا

تقاضا یہ ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔)

(رد المحتار ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ کا ارشاد ہے:

زمزم اور وضوء کا پانی شرع میں کھڑے ہو کر پینے کا حکم ہے اور لوگوں نے دو اور اپنی طرف سے لگا لیے ہیں۔ ایک سبیل کا

اور دو مراجموٹا پانی اور دونوں جھوٹے۔ (اللفظ ج ۲ ص ۶ مطبوعہ مکتبہ مبینہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

اور پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر تھوڑا پی لے کہ شفاء امراض ہے۔

(بہار شریعت ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

نیز مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

اسی طرح آب زمزم کو بھی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ یہ دونوں پانی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

قُلْ مَنْ حَزَمَ نَيْتَةَ اللَّهِ الْغِيَّ أَخَذَ بِحَبْلِ عِبادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ

(اے نبی) آپ کہیے، اللہ کی نیت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی

مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو

يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ تَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ

عصرِ مآان ہی کے لیے ہیں، ہم ماننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں آپ کہیے

إِنَّمَا حَزَمَ رَبِّيُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَ

کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ اور گناہ کو اور

الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا

غاص زیادتی کو، اللہ یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ

اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے ○ اللہ ہر قوم کے لیے ایک عیاد مقرر ہے

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۴﴾

جب وہ عیاد پوری ہو جائے گی تو نہ ایک گھنٹی پیچھے ہٹیں گے اور نہ ایک گھنٹی آگے بڑھیں گے ○

يَبْنِي أَدَمَ مِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رَسُولٌ مِّنْكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي

لے ادا و آدم اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں،

فَمَنِ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۵﴾ وَ

جو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا، تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمیں ہوں گے ○ اور

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے تکبر کیا، تو وہی لوگ دوزخ والے

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۷﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے متعلق جھوٹ باتیں کرے

كَذِبًا أَوْ كَذَابٍ بِآيَاتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ

کراہد پر پتھان ہائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولُنَا يُثَبِّتُ لَهُمْ وَاقِعَهُمْ لِقَاءَ أَلَيْنَ مَا كُنْتُمْ

حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے پیسے ہوئے فرشتے ان کی مددوں کو قہن کرنے کے لیے بھیجیں گے اور وہ پوچھیں گے

تَدَّاعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰیٰ أَنفُسِهِمْ

بتاؤ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے، وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن

لگائی دیں گے کہ کافر تھے ○ اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے

قَبْلُكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ

پہلے گئے ہوتے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں، جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی

لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُورَ فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أَخْرِجْنِي

تو وہ اپنی بیوی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد ملے پہلوں کے

لأُولَٰئِهِمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ

متعلق کہیں گے اے ہمارے رب: ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا، سو تو ان کو دہا آگ کا عذاب دے،

قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ وَقَالَتْ أُولَٰئِهِم

اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دہا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ○ اور پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے

لَاخْرَابَهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فذُقُوا الْعَذَابَ

ہمیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے ○ عذاب کر چھو اس

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۳۹﴾

سب سے جو تم کرتے تھے ۵

۱۱۶ =

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی!) آپ کہتے: اللہ کی نعت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو؟ آپ کہتے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے ہیں۔ ہم جانتے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آئین کو بیان کرتے ہیں ۵ (الاعراف: ۳۲) لباس پہنتے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث اس آیت میں نعت سے مراد لباس ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کھاد اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول خرچی اور تکبر کے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم جو چاہو کھاد اور جو چاہو پیو جب تک فضول خرچ یا تکبر نہ ہو۔

(معجم البخاری کتاب اللباس باب ۱ ج ۷ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ کعبہ کا بہت طواف کرتے تھے اور پاک اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان لوگوں سے فرمائیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نعت پیدا کی ہے تم خوبصورت لباس پہنو اور اللہ کے رزق میں سے حلال چیزیں کھاؤ۔ (جامع البیان ج ۸ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۵۷ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ خواہ قیص ہو یا عمامہ ہو پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرے لیے طہ ہے کہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا میں تجھ سے اس کپڑے کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس کے لیے یہ پہنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کپڑے کے شر سے اور جس کے لیے یہ پہنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

حضرت ام خالدہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے ان میں ایک چھوٹی اونٹنی چادر تھی۔ آپ نے پوچھا تمہاری رائے میں اس کا کون زیادہ مستحق ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس ام خالدہ کو لاؤ۔ ان کو بلایا گیا تو آپ نے وہ چادر ان کو پہنادی آپ نے دوبار فرمایا: تم اس کو پرانا کرو اور دوسروں کے لیے چھوڑ دو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۳ معجم البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۵)

لباس کی انواع اور اقسام کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو تمام کپڑوں میں قیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

حضرت مسور بن مخرمہ جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شیعروائیاں تقسیم کیں اور عزمہ کو کچھ نہیں دیا۔ عزمہ نے کہا اے بیٹے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو میں عن کو لے گیا۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ کو میرے لیے بلاؤ۔ میں

نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے اور آنحضرت کے پاس من شروتیوں میں سے ایک شروتی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے اس کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۷۸۸، صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۸۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو تہبند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس شخص کو جوئے میسر نہ ہوں وہ موزے پہنے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت مسمر کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کی اپنی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۸۰۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (المعجم الاوسط: ج ۷، رقم الحدیث: ۵۷۹۹، صحیح ابوداؤد: ج ۵، ص ۳۷) حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قضا عبادت کے لیے گئے پھر آپ آئے میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا۔ آپ نے وضو کیا اس وقت آپ نے شاہی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ دھویا۔ پھر آپ اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکلنے لگے۔ وہ آستینیں نکل گئیں پھر آپ نے کوٹ کے نیچے سے ہاتھوں کو نکل لیا اور کلائیوں کو دھویا اور سر پر اور موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۷۹۸، صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۶۱۶، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۱۲۳) جعفر بن محمد بن خنیس کے والد جعفر بن بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ منبر پر تشریف فرماتے اور آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ کی ایک طرف (شملہ) کو دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۰۷۷، صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۳۵۹، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۵۳۳۵، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۸۷)

لباس کے رنگوں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سفید لباس پہنو وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مودوں کو کفن (دولور بہترین سرور) اٹھ ہے یہ نظر تیز کرتا ہے اور ہل اگاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۰۶۱، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۶۶)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ متوسط کامت کے تھے۔ میں نے آپ کو سرخ حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) ایک بہ طور تہبند باندھی جائے اور ایک ہلائی بدن پر پیٹ لی جائے) میں دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۸۳۲)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرخ حلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی ذی لہ (جس کے مال کالوں کی لہ سے تجاوز ہوں) نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۲۳۷، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۷۸۳، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۷۳۰، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۵۲۲۸)

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: ۳۷۹۷)

عبداللہ بن بکر اپنے والد جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ (حدیث: جن احادیث میں سرخ لباس کی ممانعت ہے وہ مروج اور ضعیف ہیں یا موقوف ہیں)

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحديث: ۲۷۸۱، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۳۶۶۰، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۵۰۹۹، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۷۸۱، سنن النسائی: رقم الحديث: ۳۷۳۰)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ سے بھر جاتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ لور کوئی رنگ پسند نہیں تھا اور آپ اپنے تمام کپڑوں کو رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی۔ (جن احادیث میں زرد لباس کی ممانعت ہے، وہ بھی ضعیف یا موقوف ہیں)

(سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۰۷۳، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۵۰۸۸، صحیح بخاری: رقم الحديث: ۵۸۵۱، صحیح مسلم: رقم الحديث: ۵۸۷۷)

حضرت ابو رثہ جوڑو بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد جوڑو کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا آپ پر دو بزرگ کی چادریں تھیں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۰۶۵، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۵۳۲۱، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۸۸۱، صحیح ابن حبان: رقم الحديث: ۵۹۹۵، مسند احمد: رقم الحديث: ۵۳۱، المعجم الکبیر: ج ۲۲، رقم الحديث: ۷۱، سنن کبریٰ للبیہقی: ج ۸، ص ۴۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک صبح کو باہر گئے اور آپ کے اوپر سیاہ رنگ کی اونٹنی چادر تھی۔ (سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۸۲۲، صحیح مسلم: رقم الحديث: ۲۰۸۱، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۰۳۲)

اجلے، صاف اور عمدہ لباس پہننے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود جوڑو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ جمیل (حسین) ہے اور جمل سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحديث: ۹۱، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۰۰۶، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۰۹۱، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۵۹، شعب الایمان: ج ۵، رقم الحديث: ۷۷۳)

امام احمد کی روایت میں ہے اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو۔ اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتیٰ کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ جمل ہے اور بے شک اللہ جمیل ہے اور جمل سے محبت کرتا ہے۔ لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(مسند احمد: ج ۲، رقم الحديث: ۲۷۸۹، طبع جدید: دار الفکر، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد: ج ۲، رقم الحديث: ۲۷۸۹، طبع دار الحديث: قاہرہ، ۱۴۲۱ھ)

ابوالاحوص کے والد جوڑو بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارا پاس مل ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! میرے پاس ہر قسم کا مل ہے۔ (دوسری روایت میں ہے: میرے پاس اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام ہر قسم کا مل ہے) آپ نے فرمایا جب اللہ نے تمہیں مل دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن الترمذی: رقم الحديث: ۵۳۲۸، ۵۳۲۹، ۵۳۳۰، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۰۷۳، شعب الایمان: ج ۵، رقم الحديث: ۷۷۳)

عمومین شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دلوا چڑھنے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۲۸، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۹۵۴، دار الفکر، طبع جدید)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال غبار آلود اور بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے ساتھ یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے؟ ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو پانی میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۰۷۳، شعب الایمان، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۷۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام صاف ستھرا ہے سو تم صاف ستھرے رہو، کیونکہ جنت میں صرف صاف ستھرے لوگ داخل ہوں گے۔

(المسلم الاوسط، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۸۹۰) (اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ جس وقت ہم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سائے کی طرف آ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ اس وقت مجھے دسترخوان میں ایک پھوٹی سی گکڑی ملی۔ آپ نے پوچھا یہ تم کو کہاں سے ملی؟ پھر آپ نے کوئی بات ذکر کی۔ پھر ایک شخص چلا گیا جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کیا اس کے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے دو کپڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں جو میں نے اس کو پہنائے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ وہ دو کپڑے پہن لے۔ اس نے جا کر وہ کپڑے پہن لیے۔ (الحدیث) امام بزار نے اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک کی سند صحیح ہے۔ (مسند البراز، رقم الحدیث: ۲۹۷۳، ۲۹۷۴، ۲۹۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے ایک کپڑا پس کر نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟ پھر ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو حضرت عمر نے کہا: جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔ (الحدیث) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۶۵)

عمر بن میرن نے کہا: تمیم نے ایک ہزار درہم کی چادر خریدی جس کو پس کر وہ نماز پڑھتے تھے۔

(مسند ابی شیبہ، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۹۶۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سے ایک شخص کو سات سو درہم کا لباس خرید کر پہنایا۔ (مسند ابی شیبہ، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۹۶۱)

قیمتی اور معمولی لباس پہننے کی احادیث میں تطبیق بعض احادیث میں خوب صورت لباس نہ پہننے اور معمولی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہم پہلے وہ احادیث بیان کریں گے اور پھر ان کی توجیہات ذکر کریں گے۔

سل بن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے تواضع کرتے ہوئے (نماز قیمتی) لباس کو ترک کر دیا، حالانکہ وہ اس پر قادر تھا، اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لوگوں کے سامنے بلائے گا حتیٰ کہ اس کو اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلہ کو چاہے پہن لے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۲۳۸۹، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۴۳۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۳، مسند احمد: ج ۷، رقم الحدیث: ۱۵۷۷۹، المستدرک: ج ۱، ص ۳۷، ج ۲، ص ۱۸۳، شعب الایمان: ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۸)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قدرت کے بلوغ و خوبصورت لباس کو قاضی ترک کر دیا اللہ اس کو عزت کے ملے پہنائے گا۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۷۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس شخص سے محبت کرتا ہے جو روزمرہ استعمال کے عام کپڑے پہنتا ہے اور اس کی پرولو نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابوالحیہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (شعب الایمان: رقم الحدیث: ۱۵۷۷۹)

ان روایات کا ایک جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں عہد اور قیمتی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے، وہ صحیح السند ہیں اور یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں۔ اس لیے یہ روایات ان احادیث سے متعلوم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام کا فتنہ اعتدال اور میانہ روی کی ہدایت دیتا ہے۔ انسان نہ تو ایسا کرے کہ اچھے اور صاف ستھرے لباس پر قدرت کے بلوغ و پھٹے پر اسے اور میلے کپڑے پہنے اور نہ ایسا کرے کہ نہایت قاذرانہ اور طسراق والی پوشاک پہنے۔ نہ اس قدر گھٹیا اور معمولی کپڑے پہنے جس سے اس کی غصاست اور دنیاوت ظاہر ہو اور نہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر قیمتی لباس پہنے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان کی قلبی واردات اور دلی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی اس پر صبر اور زہد کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ روزمرہ کے معمولی کپڑے پہنتا ہے اور کبھی اس پر اللہ کی نعمتوں کے اظہار اور شکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ عہد اور قیمتی لباس پہنتا ہے۔ ہم جس آیت کی تفسیر کر رہے ہیں اس میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمت کے اظہار کا حکم ہے اس لیے عہد اور قیمتی لباس کے سلسلے میں مزید چند احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بنی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن العطلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو سو تم اپنی جوتیوں کو ٹھیک کر دو اور حسین لباس پہنو۔ (الحدیث: شعب الایمان: ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے وہب بن کیسان نے بتایا۔ میں نے نبی ﷺ کے چھ اصحاب کو دیکھا جو غز (ریشم اور لون کا قلوٹ) لباس پہنتے تھے۔ (شعب الایمان: ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳)

مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے تمام فقہاء کو حسین لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

(شعب الایمان: ج ۵، رقم الحدیث: ۶۲۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی میلے کپڑوں میں نہیں دیکھا۔ آپ کبھی کبھی تل لٹکانا پسند کرتے تھے اور سر میں کنگھی کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میلے کپڑوں اور پرانے بالوں کو پسند کرتا ہے۔ (شعب الایمان: ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۶۱)

لباس پہننے کے شرعی اور فقہی احکام

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متنی ص ۵۲ لکھتے ہیں:

لباس پہننا بعض صورتوں میں فرض ہے، بعض میں واجب، بعض میں مستحب، بعض میں مباح، بعض میں مکروہ اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فرض: لباس کی جتنی مقدار شرم گھمچانے کے لیے ضروری ہو اتنی مقدار کا لباس پہننا فرض ہے۔ (مو کی شرم گھمچانے سے گھٹنے تک ہے اور عورت کا تمام بدن شرم گھمچانے کے لیے ضروری ہے) ہاتھ اور پیروں کے ہاتھ اور پیروں کو ظاہر کرنا جائز ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے بلا ضرورت شرعی ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

واجب: مردی اور گرمی کے اثرات سے جسم کو محفوظ کرنے کیلئے جس قدر لباس پہننا ضروری ہو اس کا پہننا واجب ہے۔ مستحب: انکسار زینت کے لیے قدر زائد اور خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کے اوپر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔ اسی طرح سفید، سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔

مباح: جمعہ اور عید کے مواقع پر اور تقریبات اور محافل میں قیمتی اور نفیس لباس پہننا مباح ہے۔ اسی طرح رنگنے کے بعد حیوانوں اور درندوں کی کھالوں کا لباس پہننا بھی مباح ہے۔

مکروہ: ہر وقت قیمتی اور نفیس پوشاک پہننا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے اور اس میں اسراف ہے اور تکبر کا خطرہ ہے۔ تکبر یہ ہے کہ وہ قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر معمولی کپڑے پہننے والوں کو کمتر اور حقیر جانے۔

حرام: ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے بیل بوئے بنے ہوئے ہوں تو پھر جائز ہے۔ اسی طرح اگر چار انگل کی مقدار سونے کا کام کیا ہو تو پھر بھی جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: نبی اللہ ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین چار انگلیوں کی مقدار کے۔

(صحیح مسلم، لباس: ۵۳۱۸ (۲۰۶۸) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۵۷۷۷، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحديث: ۹۳۰، صحیح ابن حبان، رقم الحديث: ۵۳۳۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۳۱۵)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طیالی کسوائی جبہ لکھا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک من کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے۔ ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۰۵۳، صحیح مسلم، لباس: ۵۳۱۰ (۲۰۶۸) سنن کبریٰ للنسائی، ج ۱، رقم الحديث: ۵۵۸۸، رد المحتار، ج ۵، ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ موفیقا، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

زینت اور تجمل کے متعلق مفسرین مذاہب اربعہ کی تحقیق

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متنی ص ۲۱۸ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیات محمد اور خیس کپڑوں کے پننے پر دلالت کرتی ہیں۔ عید جمعہ لوگوں سے ملاقات اور رشتہ داروں کی ملاقات کے وقت قیمتی اور خوبصورت لباس پہننا چاہیے۔ امام ابو العلیہ کہتے ہیں کہ مسلمان جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے تھے تو خوبصورت لباس پہنتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مسجد کے دروازے پر ایک ریشتی طے فروخت ہوتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ جمعہ اور وفد سے ملاقات کے وقت پننے کے لیے یہ طے خرید لیتے تو اچھا ہوتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کپڑے کو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ نے اس لباس کے خوبصورت ہونے کی بناء پر اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کے ریشتی ہونے کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔ حضرت قسیم داری ہاشمی نے ایک ہزار درہم کا ایک طے خریداجس کو پس کر وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک بن دینار مدین کی ایک نہایت قیمتی پوشاک منگا کر پہنتے تھے۔ امام احمد بن حنبل ایک دینار کا لباس خرید کر پہنتے تھے۔ یہ حضرات کب قیمتی کپڑوں سے اعراض کر کے سونے جھوٹے کپڑوں کو ترجیح دیتے والے تھے؟ اور "لباس التفسوی ذالک خیر" کا معنی معمولی اور گھٹیا کپڑے پہننا نہیں ہے، ورنہ یہ نفوس قدسیہ لباس استغوثی کو ترک کرنے والے نہیں تھے، بلکہ یہی لوگ اصحاب علم، ارہاب معرفت اور اہل تقویٰ تھے اور ملت اور گاڑھا پننے والے دوسرے لوگ وقت اہل دعوتی ہیں اور ان کے دل تقویٰ سے خالی ہیں۔ خلعین شاذب بیان کرتے ہیں کہ میں حسن بصری کے پاس گیا، ان سے فرقہ لٹے کے لیے آئے۔ حسن بصری نے ان کی چادر دیکھ کر کہا اے ام فرقہ کے بیٹیاں کی اس چادر میں نہیں ہے، تنگی سینے میں ہوتی ہے اور اس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے، اسی طرح مصروف کرفی کے نتیجے ہو محمدؐ ابو الحسن کے پاس لوٹی جبہ پس کر گئے، ابو الحسن نے ان سے کہا اے ابو محمد آیا تم نے اپنے دل کو صوفی بنایا ہے یا اپنے جسم کو؟ اپنے دل کو صاف رکھو، خود لباس کسی قسم کا پہننا علامہ ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا میں معمولی اور پونہ لگا ہوا لباس چار وجہ سے پسند کرتا ہوں:

- ۱۔ یہ سلف صالحین کا لباس نہیں ہے اور سلف صالحین بلا ضرورت لباس میں پیوند نہیں لگاتے تھے۔
 - ۲۔ اس قسم کے لباس سے غربت کا اظہار ہوتا ہے، ملائکہ انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے آثار کو ظاہر کرے۔
 - ۳۔ اس قسم کا لباس پننے سے زہد کا اظہار ہوتا ہے، ملائکہ ہمیں زہد کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔
 - ۴۔ اس قسم کا لباس عموماً ان لوگوں کا شعار ہے جو ظاہر شریعت سے خارج ہیں اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے۔
- علامہ طبری نے کہا ہے کہ جس شخص نے باؤں اور اون کے لباس کو سوتی لباس کے حصول کے باوجود ترجیح دی، اس نے خطاء کی، اسی طرح اس شخص نے بھی خطا کی جس نے گوشت ترک کر کے دال اور بیزی کھانا شروع کر دی۔ (یہاں اون کے کپڑوں سے یہ مراد ہے کہ بعض لوگ صوفیت کا اظہار کرنے کے لیے لون والی کھال کا لباس بنا لیتے تھے، جس کی ہیئت کذائی آج کل کے گاڑھے اور ٹٹ سے بھی زیادہ بد نما ہوتی تھی۔ آج کل کپڑے کی صنعت بہت ترقی کر چکی ہے اور لون کو متعدد کیمیائی مراحل سے گزار کر اس کا نہایت صاف شفاف اور قیمتی لباس تیار کیا جاتا ہے۔ ایسا لباس اس حکم میں داخل نہیں ہے، سعیدی غفرلہ) بشر بن حارث سے اون پننے کے حعلق سوال کیا گیا تو ان کو برا نکالا اور ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کہا شہوں میں لوٹی کپڑے پننے سے میرے نزدیک زبرد رنگ کا اور ریٹم اور اون کا مخلوط کپڑا پہننا بہتر ہے۔
- علامہ ابو الفرج نے کہا سلف صالحین متوسط کپڑوں کا لباس پہنتے تھے، بہت قیمتی لباس پہنتے تھے نہ بہت گھٹیا کپڑے پہنتے تھے

اور جمعہ، عید اور رشتہ داروں سے ملاقات کے وقت بہت عمدہ لباس پہنتے تھے اور بہت معمولی اور حقیر کپڑے پہنتا تھا اور زہد کے اعتبار کو مستحسن ہے اور یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنا ہے اور اس قسم کے لباس سے لباس پہننے والے کی حقیر ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں مکروہ اور ممنوع ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عمدہ لباس پہننا خواہش نفس کی پیروی ہے، اور ہمیں نفسانی خواہشوں سے جہلو کرنے کا حکم آیا ہے، نیز اس میں مخلوق کو اپنی زیبائش دکھانا ہے، حالانکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمارے تمام افعال اللہ کے لیے ہوں مخلوق کے لیے نہ ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کی ہر خواہش مذموم نہیں ہے اور نہ مخلوق کے لیے ہر زینت مکروہ ہے۔ اس چیز سے اس وقت ممانعت کی جائے گی جب شریعت نے اس سے منع کیا ہو یا اس کی بنیاد دین اور عبادات میں ریاکاری ہو۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے اور اس چیز میں شریعت نے اس پر ممانعت نہیں کی۔ اسی وجہ سے ہاتھوں میں کنگھی کی جاتی ہے اور آئینہ دیکھا جاتا ہے اور عمامہ درست کیا جاتا ہے اور اندر معمولی کپڑے اور اوپر قیمتی پوشاک پہنی جاتی ہے اور ان میں سے کوئی چیز مکروہ اور مذموم نہیں ہے اور کھول نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ کچھ صحابہ دروازہ کے باہر حضور کے منظر تھے، آپ ان سے ملنے کے لیے جانا چاہتے تھے، مگر میں ایک چھانگل میں پانی تھا آپ پانی میں دیکھ کر اپنی داڑھی اور ہاتھوں کو درست کرنے لگے۔

میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں جب کوئی شخص اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اپنے آپ کو تیار کر کے جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل (خوب رو) ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔ اس معنی میں بکثرت احادیث ہیں جو صفائی اور حسن و جمل کے حصول پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کنگھی، آئینہ، جیل، صواک اور سرمہ کو ساتھ لے کر سفر میں جلتے تھے۔ امام ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سر میں بست تل لگاتے تھے اور پانی سے داڑھی کو درست کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اور آپ سونے سے نعل ہر آنکھ میں تین بار سرمہ لگاتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۷۸-۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں زینت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ زینت سے مراد لباس ہے جس سے انسان اپنی شرم گاہ کو چھپا سکے۔

۲- زینت سے مراد عام ہے اور اس میں زینت کی تمام اقسام شامل ہیں۔ اس میں بدن کو صاف کرنا، سواریاں رکھنا اور انواع و اقسام کے زیورات شامل ہیں اور اگر مردوں پر سونے، چاندی اور ریشم کی حرمت کے متعلق نص نہ آئی ہوتی تو وہ بھی اس عموم میں شامل ہوتے اور پاکیزہ رزق سے مراد بھی عام ہے اس میں تمام پسندیدہ اور لذیذ کھانے پینے کی چیزیں داخل ہیں اور اس میں ازواج سے لذت اندوزی اور خوشبو لگانا بھی داخل ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں! آپ نے فرمایا: نرم روی اختیار کرو کیونکہ مجھے جب گوشت مل جاتا ہے تو میں گوشت کھاتا ہوں اور اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ مجھے ہر روز گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرے گا۔ حضرت عثمان بن عفون نے کہا میرے دل میں آتا ہے کہ میں خوشبو نہ لگائوں! آپ نے فرمایا: سختی نہ کرو۔ کیونکہ جبریل نے مجھے بھی خوشبو لگانے کا حکم پہنچایا ہے اور یہ کہا ہے کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانے کو ترک نہ کریں پھر آپ نے فرمایا: اے عثمان! میری سنت سے اعراض نہ کرو کیونکہ جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا اور توبہ سے پہلے مر گیا تو فرشتے اس کا چہرے میرے حوض سے پھیر دیں گے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سنت کی تمام اقسام جائز ہیں اور ان سے متصف ہونے کی اجازت ہے۔ ماسوائے چیزوں کے جن کی کسی دلیل سے ممانعت ہو انہی لیے ہم نے کہا کہ قل من حرم زينة الله من نعمته کی تمام اقسام داخل ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۳۱-۲۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد عوزی حنبلی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

زینت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱۔ زینت سے مراد کپڑے ہیں اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(الف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن بصری اور عطاء کی ایک جماعت نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ کپڑے پہن کر طواف کیا کرو۔

(ب) مجاہد اور زہلج وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں شرمگاہ کو ڈھانپا جائے۔

(ج) علامہ طبرسی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ اور عید وغیرہ میں خوبصورت اور دیدہ زیب لباس پہنا جائے۔

۲۔ ابو رزین نے کہا زینت سے کنگھی وغیرہ کہا مراد ہے۔ (زولولیسیر ج ۳ ص ۱۸۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عذوا زینتکم عند کل مسجد یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں جانے کے لیے زینت و لالہ لباس پہننا مستحب ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جمعہ اور عید میں اس کو میرے لیے مستحب کیا گیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ سبیل الایضی لاہور ۱۳۵۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنبلی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے عذوا زینتکم عند کل مسجد بعض مفسرین نے یہاں زینت سے خوبصورت لباس مراد لیا ہے۔ کیونکہ اس لفظ سے یہی معنی قیام اور ہے۔ امام باقر چشتی کی طرف بھی یہی تفسیر منسوب ہے۔ روایت ہے کہ جب امام حسن چشتی نماز پڑھنے جاتے تو نہایت عمدہ لباس پہنتے۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس قدر عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمیل کو پسند کرتا ہے تو میں اپنے رب کے لیے جمیل اختیار کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ زینت سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قل من حرم زينة الله (الآیہ) کی تفسیر میں علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جس وقت حضرت حسین چشتی شہید ہوئے تو انہوں نے خزانہ اور لون کا قلوٹ کپڑا کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ اور حضرت علی چشتی نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خزانہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے سب سے افضل کپڑے

پتے سب سے اچھی خوشبو لگائی اور سب سے اچھی سواری پر سوار ہوئے اور جب خوارج نے ان کو دیکھ کر یہ کہا کہ آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور آپ حکمران کا لباس پہن کر اور ان کی سواری پر بیٹھ کر آئے ہیں تو حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده اور حق بات یہ ہے کہ جس نعمت کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے اور اس کے استعمال میں کوئی توقف نہیں کیا جائے گا لایہ کہ اس میں تکبر کا دخل ہو۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک ہزار درہم کی چادر لوٹہ کر تشریف لے گئے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چار سو درہم کی چادر لوٹہ دیتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور امام محمد بھی بہت قیمتی لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے میں اس لیے زیب و زینت کے ساتھ رہتا ہوں کہ میری بیویاں کسی اور کی زیب و زینت کی طرف نہ دیکھیں۔ اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس بندے پر اس نعمت کے آثار نظر آئیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوند لگی ہوئی قمیص نہیں پہنتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل ان کی اتباع کرتے تھے اور یہ غدشہ تھا کہ اگر آپ نے قیمتی لباس پہنا تو آپ کے عمل بھی قیمتی لباس پہننے کے اور اگر ان کے پاس پیسے نہ ہوئے تو پھر وہ لوگوں سے یا اموال مسکین سے ناجائز طور پر پیسے حاصل کریں گے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۸۰) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے لیے زینت اور نفع کے حصول کا باعث ہو وہ حلال ہے۔ ماسوا اس کے کہ اس کی حرمت یا کراہت پر قرآن اور سنت میں کوئی نص موجود ہو اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کے حصول میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک کرنے میں ہی مسلمانوں کا نفع ہے اور موجب ضرر اشیاء کی حرمت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

اس آیت سے یہ قلعہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی تمام کاموں کا کرنا اصل میں جائز اور مباح تھا پھر جن کاموں کی قرآن اور حدیث میں ممانعت آگئی وہ ممنوع ہو گئے اور باقی تمام کام اپنی اصل پر جائز رہے۔ مثلاً پہلے شراب پینا اور جو اکیلا مباح تھا اسی طرح پہلے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا مباح اور جائز تھا اور جب ان کاموں کی ممانعت شریعت میں آگئی تو یہ کام ممنوع ہو گئے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

تحریر (از علامہ ابن عمامہ) میں یہ تصریح ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا تکرار مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (التحریر مع شرح الشیخ ج ۱ ص ۱۷۷) مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض اور علامہ ابن عمامہ کے شاگرد علامہ قاسم نے بھی ان کی اتباع کی ہے اور ہدایہ کی فصل حدوں میں بھی مذکور ہے۔ اباحت اصل ہے۔ (حد لایہ نوین ص ۳۲۸) مطبوعہ مکتبہ شرکہ طبعہ (مکتبہ) اور قاضی خان نے الطہر والاباحہ کے لواکل میں لکھا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیہ الحدیث ج ۳ ص ۳۰۰) مطبوعہ طبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۴۰ھ اور تحریر کی شرح میں مذکور ہے کہ یہ جمہور کے معتزلہ، یہ کثرت شافعیہ اور اکثر حنفیہ خصوصاً عراقیوں کا قول ہے اور امام محمد نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ایک شخص کو کسی نے کہا مودار کھلویا

شراب پیچہ ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا اور اس نے اس شخص کا کمانہ ملا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا تو مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ گنہ گار ہو گا کیونکہ مردار کھانا اور شراب پینا صرف اللہ کے منع کرنے سے حرام ہوا ہے۔ اس عبارت میں امام محمد نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو ممانعت کے عارض ہونے کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ (تیسیر التحریر ج ۲ ص ۲۱۱ مطبوعہ ریاض) اور شیخ اکمل الدین نے اصول یزدوی کی شرح میں لکھا ہے کہ استیلاء کفار کے باب میں شارح نے جو یہ لکھا ہے کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳) اس پر اعتراض ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن عابدین شامی حنفی متونی ص ۳۵۴ لکھتے ہیں:

شارح (صاحب در مختار) کا یہ کہنا کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے کتب اصول کے خلاف ہے کیونکہ علامہ ابن حمام نے تحریر میں یہ لکھا ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اصول یزدوی کی شرح میں علامہ اکمل الدین نے فرمایا ہے ہمارے اکثر اصحاب اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جن باتوں کے متعلق یہ جائز ہے کہ شریعت ان کے مباح ہونے کا حکم دے یا ان کے حرام ہونے کا حکم دے وہ تمام کام احکام شرع وارد ہونے سے پہلے اپنی اصل پر مباح ہیں۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شریعت نہ پہنچی ہو اس کے لیے مباح اور جائز ہے کہ وہ جو چاہے کھائے۔ امام محمد نے کتاب ادا کراہ میں اسی طرح اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا مردار کھانا اور شراب پینا صرف شرعی ممانعت کی وجہ سے حرام ہے۔ پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو عارضہ ممانعت کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ جبلی (معتزلی) ابو ہاشم اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے بعض اصحاب اور بعض اصحاب شافعی اور معتزلہ بغداد کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل ممانعت ہے اور اشامہ اور عام محمد ثمین کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شرعی احکام نہ پہنچے ہوں وہ کسی چیز کو نہ کھائے اگر اس نے کھلیا تو اس کے فعل کو نہ حلال کہا جائے گا نہ حرام۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بنخلوی شافعی متونی ص ۶۸۵ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں اور انواع نعمات میں اصل اباحت ہے۔

(انوار التزیل مع الکازرونی ج ۳ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

قرآن مجید کی ذیل بحث آیت کے علاوہ حسب ذیل حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ حضرت سلمان بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گئی بنجر اور پوتین کے متعلق سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا وہ حرام ہے۔ اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۷ المستدرک ج ۲ ص ۱۱۵)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتونی ص ۳۸۴ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی المتونی ص ۵۳۳ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت سلمان کا قول ہے لیکن اس کا معنی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ

تعلیٰ نے نہیں چند چیزوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرو اور چند چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرو۔ اور اس نے اپنی رحمت سے چند چیزوں سے سکوت فرمایا ان کے متعلق سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۳، سنن دار قطنی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۵۰)

و اور جب نبی ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو اس کی تعمیل کرنے پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ امر واجب ہے یا مستحب۔ اور جب کسی چیز سے منع فرمائیں تو اس سے اجتناب پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی اور جس چیز سے رسول اللہ ﷺ سکوت فرمائیں اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں مباح ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اصل میں موقوف ہے۔

(عارفۃ الاحوذی، ج ۷، ص ۲۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان

جب یہ واضح ہو گیا کہ تمام کاموں میں اباحت اصل ہے اور جس چیز کے عدم جواز یا کراہت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اس کام کو کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اس اصول پر اہل سنت کے تمام معمولات جائز ہیں مثلاً بغیر محسن شرعی کی نیت کے صل کے مختلف ایام میں میلاد شریف منعقد کرنا۔ نبی ﷺ کے فضائل اور آپ کی سیرت کا بیان کرنا، خلفاء راشدین اور اہل بیت اطہار کے ایام شہادت اور وفات میں ان کا تذکرہ کرنا اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اور اہل بیت کو قرآن خوانی اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ اسی طرح اولیاء کرام کے ایام وصال میں ان کا تذکرہ کرنا اور ان کو مہلات اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ ہر چند کہ خصوصیت کے ساتھ یہ کام حد رسالت میں نہیں کیے گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع نہیں فرمایا اور یہ کام اسلام کے کسی حکم سے متصادم نہیں ہیں اس لیے یہ اپنی اصل پر مباح ہیں اور حسن نیت سے موجب ثواب اور باعث خیر و برکت ہیں۔ حد صحابہ اور تابعین میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ حضرت عمرؓ کے مٹورہ سے حضرت ابو بکرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کا قرآن کریم کو ایک صحیفہ میں جمع کرنا، حضرت عمرؓ کا زلوع کو جماعت سے پڑھوانے کا اہتمام کرنا اور اس کو بدعت حسنہ قرار دینا، حضرت عثمانؓ کا قرآن مجید کی قرأت کو باقی لغات سے ختم کر کے صرف لغت قریش پر باقی رکھنا، عبدالملک بن مروان کے حکم سے قرآن مجید کے حوالے پر نقطے اور حرکات اور اعراب کا لکھا جانا، عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں مساجد کی عمارتوں میں محراب کا بنایا جانا اور قرآن مجید کے نسخوں میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں اور رکوعوں کی تعداد کو لکھنا یہ سب بدعات حسنہ ہیں جس کو تمام امت مسلمہ نے قبول کر لیا ہے۔ سوا اہل سنت کے معمولات کو بھی ان ہی نظائر کی روشنی میں جائز سمجھنا چاہیے اور بلا وجہ ان پر یہ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کہ انہوں نے ان معمولات کو فرض اور واجب سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح سوئم، چلم اور عرس کی معنی حیست کو حیست شرعی نہیں قرار دینا چاہیے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جیسے مساجد میں گھڑیوں کے حساب سے نمازوں کے اوقات متعین کر لیے جاتے ہیں اور کسی شخص کو بھی یہ بدگمانی نہیں ہونی کہ یہ محسن شرعی ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے کہ جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو تو جو لوگ توشہ گیارہویں، میلاد شریف، بزرگوں کی فاتحہ، عرس، مجالس شہادت وغیرہ کی شیرینی، سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں، وہ اس آیت کے خلاف کر کے گناہگار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت و مخرات ہے۔

(حاشیہ فوائد العرفان، ص ۲۳۸، مطبوعہ تاج کتب لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بنو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کو جسے تم نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۳۲)

ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نہ جاہلیت میں کفار نے جن چیزوں کو اپنے لوہے پر حرام کر لیا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے من پر حرام نہیں فرمایا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ سو فرمایا اللہ تعالیٰ نے فواحش کو اٹھ (گناہ) کو ناحق زیادتی کو شرک کو اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنے کو حرام فرمایا ہے۔ فواحش سے مراد ہے کبیرہ گناہ۔ اور اٹھ سے مراد مطلق گناہ ہے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اس کے بعد جن تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی ناحق زیادتی شرک اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا ہر چند کہ یہ بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ یہ زیادہ سنگین جرم ہیں اس لیے ان کا خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ فواحش سے مراد ہے زنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

(ہنسی اسراء: ۳۲)

خواہ ظاہر ہو خواہ پوشیدہ۔ ظاہر سے مراد علی الاعلان بدکاری ہے۔ جس طرح لوگ اجرت دے کر پیشہ ور عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں یا جس طرح آج کل کل گر لڑکوں اور سوسائٹی گر لڑکوں اور بوٹوں سے بک کیا جاتا ہے اور پوشیدہ سے مراد ہے کسی لڑکی یا عورت سے عشق و محبت کے نتیجہ میں خفیہ طریقہ سے یہ کام کیا جائے۔ اور اٹھ سے مراد ہے شراب نوشی اور جو اکیلے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَسْتَقِيلُونَكَ عَيْنَ الْعَصْرِ وَالْمَبِيرِ قُلْ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہئے ان میں بڑا گناہ ہے۔

فِيْهِمْ سَكَاةٌ كَثِيْرٌ (البقرہ: ۲۱۹)

بعض اوقات شراب کے نشہ میں انسان دوسروں کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ان کو گالیاں دیتا ہے اور ان پر تہمت لگاتا ہے۔ اور جوئے کے نتیجہ میں مل حرام کھلایا جاتا ہے اور بعض اوقات لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ بھی ہوتی ہے۔ سو یہ تمام گناہ اس میں داخل ہیں۔

اور ناحق زیادتی سے مراد ہے کسی کا ناحق مل جھین لینا یا کسی کو ناحق قتل کرنا اور شرک سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق یا اس کے خلاف کوئی بات کرنا اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کرنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر علم اور تحقیق کے کوئی عقیدہ بنالینا اور یہ پانچ گناہ تمام گناہوں کی اصل ہیں اور باقی تمام بد عقیدہ گناہیں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ان پانچ گناہوں میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر قوم کے لیے ایک رسول مقرر ہے جب وہ مصلح پوری ہو جائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے ہو سکیں گے۔ (الاعراف: ۳۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کام حرام کیے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اس کی زندگی کا ایک وقت معین ہے اور جب وہ وقت آجائے گا تو اس پر لامحالہ موت آجائے گی اور اس کو چونکہ موت کا وقت بتایا

بھیان القرآن

نہیں کیا اس لیے وہ ہر وقت موت کا خطرہ ہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حرام کام میں مشغول ہو اور اس کی موت کا وہی وقت مقرر ہو۔

حضرت ابن عباسؓ حسن اور مقاتل نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو ایک معین وقت تک کے لیے عذاب سے صلت دی ہے سو جو قومیں اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی رہیں ان کو ایک مدت تک صلت دی گئی اور جب وہ مدت پوری ہو گئی تو ان پر عذاب آگیا اور اس کے وقت میں کوئی کی یا بیشی نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں، سو جو شخص اللہ سے ڈرے اور نیک ہو گیا تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے انکار کیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(الاعراف: ۳۶-۳۵)

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں انسانوں کی زندگی کے بعد ان کی موت کا ذکر فرمایا تھا۔ اب بتایا ہے کہ اگر انسانوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تھی تو مرنے کے بعد انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا اور اگر انسانوں نے اپنی یہ زندگی سرکشی اور انحراف میں گزاری تھی تو پھر مرنے کے بعد انہیں دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہونا جن کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا

اس آیت میں اولاد آدم سے مراد اہل مکہ ہیں اور رسول سے مراد سید الرسلؐ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آپ کے متعلق جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ میں اپنے رسول کو اسی صفت کے مطابق بھیجا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی امتوں میں اپنے رسول بھیجتا رہا تھا۔ رسولوں کو اس صفت کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ وہ خود تم میں سے ہیں۔ اس قید کے متعلق امام محمد بن عمر رازی متوفی ۴۳۶ھ فرماتے ہیں۔ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(الف) جب رسول لوگوں کی جنس سے ہو گا تو لوگوں پر اللہ کی حجت پہ طریق ادنیٰ پوری ہوگی۔

(ب) لوگوں کو اس رسول کے علاوہ اور اس کا پاک دامن ہونا پہلے سے معلوم ہو گا۔

(ج) لوگوں کو اس کی قوت اور طاقت کا حال پہلے سے معلوم ہو گا اور جب اس سے معجزات کا ظہور ہو گا تو وہ جن جائز گے کہ یہ افعال اس کی قوت اور طاقت سے باہر ہیں تو یہ معجزات لامحالہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ضرور اس کو مرد ہی

(الانعام: ۹) بناتے۔

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جن یا فرشتہ کو اس کی اصل حقیقت کے اعتبار سے رسول بناتا تو یہ گمان کیا جاسکتا تھا کہ یہ معجزات اس کی اپنی غیر معمولی قوت سے ظہور میں آئے ہیں اور جب انسان کو رسول بنایا گیا اور اس نے چاند کو دو ٹکڑے کیا اور ڈوبا ہوا سورج لوٹایا اور درختوں سے کلمہ پڑھوایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ افعال انسان کی قوت میں نہیں ہیں تو ضرور اللہ کا فعل ہیں اور یہ شخص ضرور اللہ کا ناسمجہ اور اس کا رسول ہے جس کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ غیر معمولی افعال پیدا کیے ہیں اور اس کی تائید کے لیے معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔

(د) اگر وہ رسول کی طور جنس سے ہو تا تو لوگ اس کے ساتھ نفوس نہ ہوتے اور اس کے ساتھ الفت اور محبت نہ ہوتی۔
(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول لوگوں کی جنس سے ہوں گے تاکہ رسولوں کی دعوت کا قبول کرنا زیادہ قریب ہو۔
(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)
علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رسول تم میں سے ہوں گے یعنی بنو آدم سے ہوں گے۔ اس میں بنو آدم کو یہ حبیہ ہے کہ وہ یہ توقع نہ کریں کہ ان کے پاس فرشتوں میں سے کوئی رسول آئے گا کیونکہ رسول مرسل الہم کی جنس سے ہوتا ہے اور اس آیت میں پچھلی امتوں کے ان جہلوں پر تعریض ہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا اس لیے انکار کیا تھا کہ وہ ان کی جنس سے تھے۔ خلا قوم لوح نے کہا:

مَا سَأَرَ كَثَرًا لِّأَبَشَرٍ أَوْشَلْنَا (ہود: ۴)
(اے لوح ۱) ہم تمہیں صرف اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔
اور مکہ کے مشرکین نے بھی سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ
الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا
قُلْ لَّوْ كُنَّا فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةً لَّكُنَّا مِنْهَا
مُتَكَلِّمِينَ لَنَنْزِلَنَّا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ
مَلَائِكًا رَسُولًا (اسی اسرائیل: ۴۵-۴۷)
اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا جب
ان کے پاس ہدایت آچکی تھی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے بشر کو
رسول بنا کر بھیجا؟ آپ کہتے کہ اگر زمین میں (رہنے والے)
فرشتے ہوتے جو (اس میں) اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور
ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر اتارتے۔
ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول مرسل الہم کی جنس سے ہوتا ہے۔

(التحریر والافتاء، ج ۸، ص ۱۰۸، مطبوعہ تیونس)
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۳۵ھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے ساتھ ملا کر سورہ بنو
اسرائیل کی آیت ۴۵-۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور کس جلت نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو
رسول بنا کر بھیجا؟ اور رسولوں کو بشر ہی جلتے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کمالات کے مقرر اور
معترف نہ ہوئے۔ یہی ان کے کفر کی اصل تھی۔ اور اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اس پر اللہ تعالیٰ
اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ان سے تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے ہیں سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی
فرشتہ اتارتے (کیونکہ وہ ان کی جنس سے ہوتا لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت
عیسے جا ہے)

نوٹ: ترجمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے اور تو سین میں صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۳۹ھ بنو اسرائیل آیت ۴۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر زمین میں بجائے انسانوں کے فرشتے بستے ہوتے تو نبی بھی فرشتہ ہی آتا۔ کیونکہ نبی تبلیغ کے لیے تشریف لاتے ہیں

اور قوم کو تبلیغ دی کر سکتا ہے جو قوم کی زبان اور اس کے طور طریقوں سے واقف ہو۔ ان کے دکھ دردوں سے خبردار ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ نبی قوم کی جنس سے ہو۔ تعجب ہے کہ کفار فرشتوں کو انسان سے افضل سمجھتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ فرشتہ نبی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے فرشتوں کو۔

(نور العرفان، ص ۳۶۳، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ، بکرات)

رسول کا لوگوں کی جنس سے ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر وہ لوگوں کی جنس سے نہ ہو تو اس کے افضل امت کے لیے نمونہ اور واجب الاتباع نہیں ہو سکیں گے کیونکہ لوگ کہہ سکیں گے کہ وہ اور جنس سے ہے اور ہم اور جنس سے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ افضل اس کی جنس سے ممکن اور سہل ہوں اور ہلاری جنس سے ممکن اور سہل نہ ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت بندوں پر پوری نہیں ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسول نوع انسان اور ہلاری جنس سے بشر بنائے اور نبی پیغمبر سے فرمایا آپ کہنے میں بشر اور رسول ہوں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ۖ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (انبی اسرائیل: ۳۶)
آپ کہتے میرا رب پاک ہے میں صرف بشر اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ ۚ إِنَّمَا أَنَا الْبَشَرُ الْأَوَّلُ (الکہف: ۵۲)
آپ کہتے میں صرف بشر ہوں تمہاری مثل اخذ نہیں (میرا) پہلی طرف وحی کی جاتی ہے بے شک تمہارا اور میرا معبود ایک ہی ہے۔

کفار آپ کو محض بشر کہتے تھے رسول نہیں مانتے تھے اور بشریت کو رسالت کے متعلق سمجھتے تھے اور یہی ان کا کفر تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ عام انسان اور عام بشر نہیں ہیں بلکہ انسان کامل اور افضل البشر اور سید البشر ہیں اور کوئی شخص کسی وجودی وصف میں آپ کا مماثل نہیں ہے بلکہ سب عدم الہیت میں آپ کے مماثل ہیں یعنی جس طرح ہم خدا نہیں ہیں اسی طرح آپ بھی خدا نہیں۔ بعض لوگ غلو کر کے کہتے ہیں کہ آپ نہ خدا ہیں نہ خدا سے جدا ہیں۔ نہ اللہ کے عین ہیں نہ غیر ہیں۔ یہ باطل نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب ہے آپ ممکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہے آپ حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ معبود ہے آپ عابد ہیں۔ اور ممکن واجب کا اور حادث قدیم کا اور عابد معبود کا غیر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ آپ کی بیعت اور شراہ اللہ کی بیعت اور شراہ ہے۔ آپ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے اور آپ اللہ کے نائب مطلق ہیں اور اللہ کے اذن اور اس کے حکم سے مختار کل ہیں جس کو چاہیں نواز دیں اور جنت عطا فرمادیں۔ لیکن آپ کا چلنا بھی اللہ کے چلنے کے مخالف نہیں ہوتا۔ آپ اللہ کے تابع اور اللہ کے موافق ہیں۔ اسی لیے اللہ کے مخالف اور باغی نہیں ہیں۔

مختار کل کی وضاحت

ہم نے جو نبی پیغمبر کے متعلق مختار کل لکھا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی پیغمبر کو کل اختیار دے کر خود محفل ہو گیا ہے۔ معاذ اللہ یہ صریح کفر ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی پیغمبر جو کچھ کرنا چاہیں اس پر آپ قادر اور مختار ہیں کیونکہ یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے کہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ نبی پیغمبر تو چاہتے تھے کہ تمام کافر اسلام لے آئیں خصوصاً ابوطالب کے لیے آپ کی بڑی خواہش اور ہمت کو شش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے مختار کل کا ہمارے نزدیک صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کل مخلوق سے زیادہ اختیار عطا فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور

اس کی مرضی کے تابع ہو کر جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے بھی دعا فرماتے ہیں اور اپنی وجاہت کی بناء پر بھی دعا فرماتے ہیں اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے براہ راست تصرف بھی فرماتے ہیں۔ ان تمام امور کے ثبوت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے یا نہیں!

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو قیامت کے دن نہ مستقبل میں عذاب کا خوف ہو گا اور نہ ماضی میں انہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا کوئی غم ہو گا۔ کیونکہ دنیا میں انہوں نے سب نیک کام کیے اور اگر اغواء شیطان یا شامت نفس سے کوئی غلط کام ہو گیا تو انہوں نے مرنے سے پہلے اس پر توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نیک مسلمانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے کوئی خوف اور غم ہو گا یا نہیں۔ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ ان کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس دن کی سختیوں سے کوئی غم اور خوف نہیں ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرَقُ الْأَكْثَرُ (الانبیاء: ۱۰۳)

سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی۔

اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ نیک مسلمانوں کو بھی اس دن گھبراہٹ ہو گی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَوْرُ الْمَرْءُ مِنْ أَجْبِهِ ۖ وَأُتْبِهَ وَأَبْنُو ۖ
وَصَاحِبَتُهُ وَتَبْنِيهِ ۖ لِكُلِّ شَيْءٍ يُنْفِئُهُمْ يَوْمَئِذٍ
شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عبس: ۳۳-۳۷)

جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ان میں سے ہر شخص کو اس دن اپنی فکر ہو گی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی۔

اول الذکر علماء اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ وقتی طور پر نیک مسلمانوں کو بھی فکر اور پریشانی ہو گی لیکن مکمل کار انہیں امن اور عافیت اور فرحت اور سرور حاصل ہو گا جیسا کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَجُؤُهُ يَوْمَئِذٍ مُّسْتَبْرَهُ ۖ صَاحِبُكَ ۖ
مُسْتَبْرَهُ ۖ وَجُؤُهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَهُ ۖ
تَرْمَقُهَا قَتَرَهُ ۖ أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ
الْفَجَرَةُ (عبس: ۳۸-۴۲)

اس دن بعض چہرے روشن ہوں گے ۖ مسکراتے ہوئے ۖ شاداب ۖ اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۖ ان پر سیاہی چھائی ہو گی ۖ وہی لوگ کافروں کا روزگار ہوں گے ۖ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے رسولوں کی پیش کی ہوئی اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے انکسار کیا سو وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہمارے علماء نے اس آیت سے معتزلہ اور خوارج کے خلاف استدلال کیا ہے کہ گنہگار مسلمانوں کو اگر دوزخ میں ڈالا گیا تو ان کو عذاب کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا کیونکہ دوزخ کے عذاب کا دوام اور ظہور صرف کافروں کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت میں کافروں کے متعلق یہ طریقہ صہر فرمایا ہے کہ وہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں

گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس شخص سے برا ظالم کون ہو گا جو اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ پر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے تو وہ پوچھیں گے بتاؤ کہیں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (الاعراف: ۳۷)

اللہ پر بہتان باندھنے اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے کی تفصیل اس سے پہلے آیت میں کافروں کے متعلق فرمایا تھا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا۔ اب اسی سیاق میں فرمایا پس اس شخص سے برا کون ظالم ہو گا جو اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں گھڑ کر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے

اللہ پر بہتان باندھنے والے وہ کافر ہیں جنہوں نے جنوں کو یا ستاروں کو اللہ کا شریک بنایا یا وہ کافر جنہوں نے خود اقرار دیے ایک یزدان اور ایک اہرمین۔ یا وہ جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے۔ اسی طرح وہ کافر جنہوں نے بحیرہ، سائبہ، حامی اور وسیلہ کو از خود حرام قرار دیا اور پھر اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو از خود کوئی مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی مستحب کام کو فرض یا واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن اور حدیث کی صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنے پیروں اور مولویوں کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان کافروں کا ذکر کیا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کے دلائل کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں، خصوصاً قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں خصوصاً سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر بہتان باندھنے والوں کی سزا اس کے بعد فرمایا ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا۔ کتاب کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد نوشتہ اللہ ہے۔ اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہو تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ان کافروں کے لیے جتنا عذاب لکھ دیا تھا ان کو وہ عذاب مل کر رہے گا۔ یہ تفسیر ابو صالح اور حسن سے مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۸، ص ۲۲۲، دار الفکر)

پھر بعض علماء نے حسب ذیل آیات سے اس عذاب کی تفصیل بیان کی ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ نَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ الْوُجُوهِمْ مَسْوَدٌ (الزمر: ۳۰) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ قیامت کے دن ان کے منہ کالے دیکھیں گے۔

وَنَحْنُ خَيْرُ الْبَاقِيْنَ يَوْمَ يُدْفَعُونَ فِي النَّارِ (طہ: ۳۲) اور ہم بچہوں کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کی آنکھیں نبلی ہوں گی۔

يُعْرِفُ الْمُحْشَرُونَ بِسَبَبِهِمْ قَبُولَهُ
بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ (الرحمن ۳۷)
اس دن مجرم اپنی صورتوں سے پہچانے جائیں گے ان کو
جیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

إِذَا الْأَعْلَىٰ فِئَ آعْنَافِهِمُ وَالسَّنْبِلُ
يُسْحَبُونَ (المؤمن ۷۷)
جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ان کو
اس حال میں کھینچا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی وہ اپنے
چہروں سے پہچانے جائیں گے اور ان کو پیشانی اور پیروں سے پکڑ کر کھینچا جائے گا۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں ان کے
عذاب کی اور بھی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی جنہی حوتی ۷۹۷ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے اہل سے جو کچھ ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے وہ
ان کو ضرور حاصل ہو گا۔ حسن نے کہا ان کے لیے گمراہی یا ہدایت جو بھی مقدر کر دی گئی ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گی۔

حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ ان کے لیے خیر اور شر جو کچھ مقدر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گا۔
ربیع نے کہا ان کے لیے جس قدر رزق، عمر اور عمل مقدر کر دیا گیا ہے وہ ضرور ان کو حاصل ہو گا۔

عکرمہ اور ابو صلیح نے کہا ان کے لیے جو عذاب مقرر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ملے گا۔

زجاج نے کہا ان کے لیے کتاب میں جو جزائیں بیان کی گئی ہیں وہ ان کو ضرور ملے گی۔ اور کتاب کی پانچ تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) لوح محفوظ (۲) اللہ کی تمام کتابیں (۳) قرآن کریم (۴) ان کے اہل سے (۵) قضا و قدر

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۱۹۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

تقدیر کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۷۷ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ
بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کرے گا اور کیا نہیں کرے گا اور وہ اپنے اہل کے نتیجہ میں جنت کا مستحق ہو گا یا جہنم کا۔ اس کے
اسی علم سابق کا نام تقدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہمارے فرشتے ان کی رو میں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے اس سے مراد ملک الموت اور اس
کے معاون فرشتے ہیں۔ اس آیت سے مراد کفار کو سرزنش کرنا ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو ترک کر کے سیدنا محمد ﷺ
کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک نہ مان لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن
اور انس داخل ہو چکے ہیں جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ
کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب ہم کو انہوں نے
گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ○
اور پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سو عذاب کو چکھو اس سبب سے جو تم کرتے
تھے۔ (الاعراف: ۳۸-۳۹)

دوزخ میں کفار کے احوال

ان دو آیتوں میں کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کی کیفیت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن لوگ اس داخل ہو چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کفار ایک ہی مرتبہ میں دوزخ میں نہیں داخل ہوں گے۔ بلکہ پہلے ایک جماعت داخل ہوگی اس کے بعد دوسری جماعت داخل ہوگی اور ان میں سابق اور مسبوق ہوں گے اور بعد میں آنے والے پہلوں کے حال کا مشاہدہ کریں گے۔

پھر فرمایا: جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ شرکین شرکین پر لعنت کریں گے۔ اسی طرح یہود یہود پر لعنت کریں گے اور نصاریٰ نصاریٰ پر۔

پھر فرمایا تو بعد والے پہلوں کے حلقہ کیسے گئے۔ اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ امت کے آخر امت کے اول سے کیسے گئے، آخری زمانہ کے لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں سے کیسے گئے جنہوں نے اس بد عقیدگی کو شروع کیا تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ دوزخ میں آخر میں داخل ہونے والے پہلے داخل ہونے والوں سے کیسے گئے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا۔

پھر فرمایا: وہ کیسے گئے اے ہمارے رب! ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے۔

ضعف کا معنی

ضعف کا معنی ہم نے دگنا کیا ہے۔ کیونکہ ضعف کا اکثر استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے ضعف کا معنی شے اور اس کی مثل ہے۔ دس کا ضعف دس

اور سو کا ضعف سو ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۲۸۷ مطبوعہ مکتبۃ زہد معینی ریاض)

علامہ محمد الدین ابن اثیر الجزیری المتوفی ۷۰۶ھ نے لکھا ہے ضعف کا معنی دگنا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر تم مجھے ایک درہم دو گے

تو میں تمہیں اس کا ضعف دوں گا یعنی دو درہم دوں گا ایک قول یہ ہے کہ کسی شے کا ضعف اس کی ایک مثل ہے اور دو ضعف

دو مثلیں ہیں۔ ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں ضعف کا معنی ایک مثل سے لے کر زیادہ امثال تک ہے اور یہ دو مثلوں میں

محصور نہیں ہے۔ پس کم از کم ضعف ایک مثل میں محصور ہے اور اکثر ضعف کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے یہ حدیث ہے

کہ جماعت کے ساتھ نماز تنہا نماز پر چوبیس درجہ ضعف ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث المسابح: ۲۴) (التمایہ ج ۳ ص ۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ)

دو گنے عذاب پر ایک سوال کا جواب

پھر فرمایا اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ اس کا یہ ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ جس قدر

عذاب کے مستحق ہوں گے ان کو اس کا دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ عدل کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو ان کے

جرائم کے مطابق ہی عذاب ہو گا۔ لیکن ان کو یہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا مثلاً ان کو درد کی ایک کیفیت لاحق ہوگی اس کے بعد

پھر اس کی مثل لاحق ہوگی۔ اور پھر ایک مثل لاحق ہوگی اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔ اس لیے فرمایا ہر ایک کے لیے دگنا

عذاب ہے اور ہم ضعف کا معنی بیان کر چکے ہیں کہ کسی شے کی ایک مثل سے لے کر غیر متعین امثال تک ضعف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

بیک جن لوگوں نے ہمارے آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے انکار کیا ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں

السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۖ

کمرے جائیں گے اللہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سونے کے تانکے (سورخ) میں داخل ہو جائے،

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ لَّهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ

اللہ ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۝ ان کے لیے دوزخ (کے آگ) کا بھونکا ہوگا اور ان کے اوپر

غَوَاشٍ ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اسی کا اور صاف ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

عمل کیے، اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے، وہی لوگ جنتی ہیں، وہ

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ يُجْرِي

اس میں ہمیشہ بہنے والے ہیں ۝ اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکال دیا ہے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا

ان کے نیچے دریا بہ رہے ہیں وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچایا، اور اگر اللہ

كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولٌ مِّنَّا

ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے، جبکہ ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول ہی

بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَن تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُوْهِدُ بِهَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

سے کر آئے، اور ان کو یہ ندا کی جانے لگی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کو جس سے جنت کے وارث کیے گئے ہو ۝

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اللہ اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ جبکہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو

رَبُّنَا حَقًّا فَبَلَّ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ

سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے

سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے

مُؤَدِّنُ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصْدَوْنَ

درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ۝ جو (زرگوں کو) اشد کے راستہ

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَتَّبِعُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفِرُونَ ۝ وَ

سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکرت تھے ۝ اور

بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۖ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمِهِمْ ۖ

ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے، اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی یا دوزخی) کو

وَكَاذِبًا أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوا هَادِهِمْ

اس کی ملاکت پہنچائیں گے اور وہ اہل جنت کے پکار کر کہیں گے تم پر سلام ہو، وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

يُطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا مَرِئَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

اصدہ اس کی امید رکھیں گے ۝ اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیرا جائیں گی، تو وہ کہیں گے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

اے ہمارے رب! ہمیں ظالم زرگوں کے ساتھ نہ کرنا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا، ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے نمکے (سوراخ) میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۝ ان کے لیے دوزخ (کی آگ) کا پھوٹا ہوا گادور ان کے اوپر اسی کا اور دھنا ہوا گادور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۝

(الاعراف: ۴۰-۴۱)

کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولنے کے متعدد محامل

اس سے پہلی آیتوں میں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا یہ آیت بھی اسی سلسلہ سے متعلق ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

۱۔ علی بن طلحہ اور مجاہد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار کے اعمال اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

إِلَهُ يَضَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ وَالْعَمَلُ الصَّالِحَ يَرْفَعُهُ (فاطر: ۱۳) فرماتا ہے۔ اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور اللہ نیک عمل کو بلند

كَذَٰلِكَ إِنَّ كِتَابَ الْإِبْرَارِ لَمَعْنَىٰ عَلَيْهِمْ ۝

حق یہ ہے کہ بے شک نیک کرنے والوں کا نامہ اعمال ضرور

(المطہین: ۷۸) (ساتویں آسمان کے اوپر) ملے گا۔

۲- امام رازی نے اس آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ کافروں پر آسمان سے کوئی خیر اور برکت نازل نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْمَقَرِّ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن
كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کو کھول دیتے لیکن انہوں نے (اللہ کی آیتوں کو) بھٹکایا تو ہم نے انہیں ان کے ان کاموں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا جو وہ کرتے تھے۔

(الاعراف: ۷۹)

۳- شہاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کافروں کی مدحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ٹکے میں داخل ہو جائے اور اونٹ کاسوئی کے ٹکے میں داخل ہو تا مکمل ہے اور جو مکمل ہو وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائے اور جنت میں ان کے داخل نہ ہو سکتے ہیں حسب ذیل حدیث میں دلیل ہے:

کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق حدیث

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ جب ہم قبر پہنچ کر خاموشی سے بیٹھ گئے تو نبی ﷺ نے دو یا تین بار فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ پھر آپ نے فرمایا جب مسلمان بعد دنیا سے منتقل ہو کر آخرت کی طرف روانہ ہونے لگتا ہے تو ملک الموت آکر اس کے سر پر ہاتھ پڑھتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی خاطر نکل۔ پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ جب فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں: یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ اس کا وہ نام بتاتے ہیں جو دنیا میں اس کا اچھا نام تھا جب وہ آسمان دنیا کے سامنے پہنچ کر اس کا دروازہ کھولتے ہیں تو وہ کھول دیا جاتا ہے اور اسی طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کے تمام اعمال کو طے کر لو۔ اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے اور پوچھتے ہیں: یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں: تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب میں پڑھا میں ابن پرایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔ پھر ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو۔ (الی قولہ) اور جب کافر کی دنیا سے روانگی کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے فرشتے ٹٹ لے کر آتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سر پر ہاتھ پڑھتا ہے اور کہتے ہیں: اے غیث روح! اللہ کے غصہ اور غضب کی طرف نکل اس کی روح جسم کے اجزاء میں پھیل جاتی ہے اور اس کو اس طرح کھینچ کر نکالا جاتا ہے جس طرح گیلے اون

بجیان القرآن

سے لوہے کی سیخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ روح کے نکلنے سے وہ اس کو ٹٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ روح سخت بدبودار ہوتی ہے۔ وہ اس کو لے کر جہنم سے گزرتے ہیں فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون غیبت روح ہے؟ پھر وہ اس کا وہ نام بتاتے ہیں جو دنیا میں اس کا بہت قبیح نام تھا۔ جب وہ اس روح کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو ان کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: لَا تَفْتَحْ لَهُم أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاحِظَ الْجَمَلُ مِمَّا سَمِىَ الْعَبَاطُ (اعراف: ۴۰) اللہ فرماتا ہے اس کا عمل نامہ زمین کے سب سے نچلے طبقہ جہنم میں پھینک دو۔ پھر اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحَابٍ (الحج: ۳۱)
اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے (مردار خور) پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے آندھی کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر فرشتے اس کو قبر میں منتقل کرتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا پھر پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا پھر ایک منادی آسمان سے ندا کرے گا اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو اور اس کی قبر کو ٹھک کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی۔ پھر ایک بد شکل اور بدبودار شخص آئے گا اور کہے گا میں تیرا غیبت عمل ہوں اور وہ کافر کے گناہ میرے رب قیامت قائم نہ کرے۔

مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۸-۲۸۹ دار الکتب طبع قدیم مسند احمد ج ۶ رقم الحديث ۱۸۵۵۹ طبع جدید دار الکتب اس کی سند صحیح ہے۔
مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۳ رقم الحديث ۱۸۵۳۳ دار الکتب قاہرہ سنن ابوداؤد رقم الحديث ۴۷۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث ۴۴۳۳ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۴۹-۵۰

نوٹ: مسند احمد کی روایت میں بہت زیادہ تفصیل ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایات میں اتنی تفصیل نہیں ہے لیکن نفس مضمون واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ جَوَٰلِمَ اِيْمَانٍ لَّا يَلْعَنُ لَوْرِ اَنۡسُوۡنَ لَیۡسَ یَکُ عَمَلُ کَیۡسَ لَوْرِ اَہِمۡ کَیۡسَ فُحۡصَ پَرِ اَسۡ کَیۡ طَلَقَتۡ سَ زَیَادَہٗ بَارِ نَہِیۡسَ ذَالَتَہٗ وَہِیۡ لَوۡکَ جَنَّتِیۡ ہِیۡنَ وَہِیۡ اَسۡ مِیۡسَ بِہِیۡسَ رَہِنَہٗ وَہِیۡ ہِیۡنَ۔ (اعراف: ۴۲)

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وعدہ اور وعید دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں کفار کے لیے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ثواب کے وعدہ کا بیان فرمایا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی اور جو کچھ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی آئی تھی اس کا اقرار کیا اور جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا ان پر عمل کیا اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا ان سے بچتے رہے اور پھر درمیان میں یہ واضح فرمایا کہ ہم نے جن کاموں کا حکم دیا ہے یا جن کاموں سے روکا ہے وہ سب کام انسان کی طاقت اور اس کی وسعت میں ہیں اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے تو وہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور اس میں کافروں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حصول بہت آسان کر دیا ہے۔

دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اہل دوزخ کو جنت دکھائی جائے گی تاکہ وہ اس میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیں اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے ٹھکانے ہیں اگر تم ایمان لے آتے اور اللہ کی اطاعت کرتے تو تم کو جنت میں یہ ٹھکانے دے دیے جاتے۔ پھر اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت، تم ان ٹھکانوں کو بہ طور وراثت لے لو کیونکہ تم نیک عمل کرتے تھے، پھر جنت میں کافروں کے ٹھکانے اہل ایمان میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح ہر کافر اور مومن کے لیے دوزخ میں بھی ایک ٹھکانا بتایا گیا ہے اور مسلمانوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ان کو دوزخ میں ان کے ٹھکانے دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو ان کو دوزخ کے ان ٹھکانوں میں رکھا جاتا۔ پھر ان کے حصہ کی دوزخیں کافروں کو دی جائیں گی اور یہ اس لیے ہے کہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکے کہ اگر میں ایمان لاتا تو تو نے میرے لیے جنت میں کوئی ٹھکانا تو بتایا ہی نہیں تھا تو مجھے جنت میں کس جگہ رکھتا؟

اس مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھے گا پھر یہ کہے گا: کاش اللہ مجھے ہدایت دے دیتا اور یہ دیکھنا اس کے لیے حسرت کا باعث ہو گا اور ہر جنتی دوزخ میں اپنا ٹھکانہ دیکھے گا پھر کہے گا: اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یہاں ہوتا اور یہ دیکھنا اس کے لیے شکر کا موجب ہو گا۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۵۳، طبع تدبیر دار الفکر، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۶۰۰، دار الحدیث، قاہرہ ۱۳۲۱ھ)

مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۳۹۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر دوزخ میں داخل ہونے والے کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا بشرطیکہ وہ ایمان لے آتا تاکہ اسے حسرت ہو۔ اور ہر جنت میں داخل ہونے والے کو دوزخ میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا اگر وہ بد سے کام کرنا تاکہ وہ زیادہ شکر کرے۔

(مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳۱، اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۹۲۲، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۹۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمائے گا یہ تمہارا دوزخ کی آگ سے فدیہ ہے۔

(صحیح مسلم، التوطی، ۴۹، (۲۷۶۷) ۶۸۷۸)

علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے جب کوئی مسلمان شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک یہودی یا عیسائی کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے اور ایک روایت میں ہے قیامت کے دن بعض مسلمان پھاڑوں کے برابر گنہگار آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گنہگار بنش دے گا اور ان گناہوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے اوپر ڈال دے گا۔ اس حدیث کا وہی معنی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (جس کو ابھی ہم نے بیان کیا ہے)

جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے نہ کہ نیک اعمال

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہو حالانکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے نہ کہ بندہ کے عمل سے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ
الصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسَّرَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَ
كَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا (النساء: ۶۹-۷۰)

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ
فَسُدِّدْ لَهُمْ فِي رَحْمَةِ رَبِّهِمْ وَتَقْوَىٰ
(النساء: ۷۵)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن
رَوْحَتِ الْحَبَشَةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (الشورى: ۲۲)

إِنَّ السَّكَفِينَ فِي مَقَامٍ آمِنٍ ۚ فِي حَشٍ
وَعَبُورٍ ۚ يَلْمِزُونَ مِنْ شُذُوبٍ وَاسْتَبْرَإٍ
مُتَقَبِّلِينَ ۚ كَذَٰلِكَ وَرَوَّحْنَهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۚ
يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَلَاحَةٍ آمِنَةٍ ۚ لَا
يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَ
وَقَهُمُ عَذَابَ الْحَرِيمِ ۚ فَضَلًا مِّن رَّبِّكَ
ذَٰلِكَ هُوَ الْمَوْرُءُ الْعَظِيمُ (الدخان: ۵۰-۵۷)

لِيَحْمِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنْ قَضِيهِ (الروم: ۴۵)

حَتَّىٰ عَذَابِ يَذُوقُوا فِيهَا يُحَلِّقُونَ فِيهَا مِنْ
أَسَافِيرٍ مِّن دَهَبٍ وَكُلُوا وَشَابُوا فِيهَا
خَيْرًا ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا
الْحَرْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۚ الَّذِي أَحَلَّنَا
دَارَ الْمَقَامَاتِ مِن قَضِيهِ (صافات: ۴۳-۴۵)

جو لوگ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کریں گے وہ
ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ
انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے
ساتھی ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور وہ کافی جانتے
والا ہے۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اس کے دامن
رحمت کو مضبوطی سے تھام لیا تو مقرب اللہ ان کو اپنی رحمت
اور فضل میں داخل کرے گا۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں
کے باغوں میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ
چیز ہوگی جس کو وہ چاہیں گے یہی ہے بہت بڑا فضل۔

بے شک حق لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے جنتوں میں
اور چشموں میں ۰ وہاں ایک اور سونے ریشم کا لباس پہنے آئے
سائے ہوں گے ۰ ایسا ہی ہو گا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو
ان کی زوجیت میں دیں گے ۰ وہ وہاں ہر قسم کے پھل
اطمینان سے طلب کریں گے ۰ وہ پہلی موت کے سوا جنت میں
کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اللہ نے ان کو دوزخ کے
عذاب سے بچایا ۰ (انہیں یہ سب نعمتیں ملیں) آپ کے رب
کے فضل سے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ۰

تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان
لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے وہاں ان کو سونے کے
نگین اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان جنتوں میں ان کا
لباس ریشم کا ہو گا ۰ اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے
ہم سے غم کو دور کر دیا ۰ بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور
جزا دینے والا ہے ۰ جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی مقام میں
اتارا۔

اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عمل سے نہیں اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں

داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۵۷۷۳، صحیح مسلم، المصنفین ۷۵، (۲۸۱۱) ۷۸۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۵۱۳، ۵۰۲، طبع قدیم، دار الفکر، المکتبہ، ج ۷، رقم الحديث: ۷۱۸، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحديث: ۱۳۱۵، مسند ابی ہریرہ، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۸، ۳۳۳۷)

دخول جنت کے لیے اعمال کو سبب قرار دینے کے محال

اب جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان اپنے عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے تو سورۃ الاعراف کی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اور جنتیوں کو یہ ندا کی جائے گی کہ تمہارا جنت میں داخلہ تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوا ہے اور تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم کو کفار کی چھوڑی ہوئی جنتیں بہ طور وراثت مل جائیں گی، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ایک سبب حقیقی ہے اور ایک سبب ظاہری ہے۔ سبب حقیقی تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث میں بیان فرمایا ہے اور اس کا سبب ظاہری مسلمانوں کے نیک اعمال ہیں جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال فی نفسہ جنت میں دخول کا سبب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نیک اعمال کو دخول جنت کا سبب بنایا ہے تو اصل چیز تو اللہ کا کرم اور اس کا فضل ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان بالغ ہونے کے بعد عبادات اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور عبارات اور نیک اعمال شروع کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کو غیر متنتی نعمتیں عطا کر چکا ہے۔ اب اس کے یہ نیک اعمال تو پچھلی نعمتوں کا یہی شکر ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں چہ جائیکہ وہ ان نیک اعمال کی وجہ سے کسی نئے اجر کا مستحق ہو ان نعمتوں کے مقابلہ میں جو عبادات اور شکر کی کمی ہے اگر اللہ اس کو ہی معاف کر دے تو یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے، کسی اور اجر و ثواب کے مطالبہ کا کیا جواز ہے! ایک شخص کسی کو دس کوڑ روپے پہلے ہی دے دے پھر وہ شخص اس کے ہاں پچاس ساٹھ سہل کام کرے جس کی اجرت پچاس لاکھ روپے بنتی ہو، اب وہ کام کرنے والا اس سے اپنی اجرت کا مطالبہ کرے تو وہ شخص یہ نہیں کہے گا کہ میرے تو پہلے ہی ۹ کوڑ پچاس لاکھ روپے تمہاری طرف نکلتے ہیں، اگر میں پچھلا قرض ہی معاف کر دوں تو بڑی ہلت ہے۔ آئندہ اجرت کے مطالبہ کا کیا جواز ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل جنت روزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اس کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں یا پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○ جو لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے ○ (الاعراف ۳۵-۳۴)

حشر کے دن کفار کی توبہ کارگر نہیں ہوگی

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حشر کے دن جب کفار یہ اعتراف کریں گے کہ میں نے اللہ کے رب نے ان سے سچا وعدہ کیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کریں گے اور شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور شیطان اور دوسرے گمراہ کرنے والوں کی مذمت کریں گے اور اپنے کیے پر غلام ہوں گے تو کیا ان کا برائی پر غلام ہونا اور حق کا اعتراف کر لینا ان کی توبہ کے قائم مقام نہیں ہے اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوری: ۴۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کا دن دار الجزاء ہے اور دار العمل دنیا ہے۔ ان کی توبہ اور ایمان کی جگہ دنیا تھی۔ حشر کے دن توبہ کرنا مفید ہے نہ ایمان لانا۔ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ غرغره موت کے وقت بھی توبہ قبول نہیں فرماتا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِسْلَامَ وَلَا الَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (النساء: ۱۸) ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

اور جب غرغره موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی تو موت کے بعد توبہ کیسے قبول ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غرغره موت کے وقت اور موت کے بعد انسان غیب کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور غیب کے مشاہدہ کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہے، معتبر غیب پر ایمان لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے تم پر سلام ہو، وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور وہ اس کی امید رکھیں گے اور جب اہل جنت کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا (الاعراف: ۴۷-۴۶)

الاعراف کا معنی اور مصداق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے۔

(المفردات ج ۲، ص ۴۳۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاعراف بلند چیز ہے اور لغت میں الاعراف کا معنی ہے بلند جگہ۔ یہ عرف کی جمع ہے۔

علماء نے اصحاب الاعراف کے متعلق دس اقوال ذکر کیے ہیں:

۱- حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابن عباس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔

۲- مجاہد نے کہا: یہ صلح فقہاء اور علماء ہیں۔

۳- سعدی نے کہا: یہ شہداء ہیں۔

۴- قسیری نے کہا: یہ وہ فاضل مومن اور شہید ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر لوگوں کے احوال کا مطالعہ کرنے کے لیے فارغ ہو گئے۔ یہ لوگ جب اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب یہ ان اہل جنت کو دیکھتے ہیں جو ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے تو ان کے دخول کی امید رکھتے ہیں۔

۵۔ عیسیٰ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ لاعراف پہل صراط پر ایک بلند جگہ ہے جس پر حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ اپنے محسن کو سفید چہرے سے پہچانتے ہیں۔ اور اپنے مبغضین کو سیاہ چہرے سے پہچانتے ہیں۔

۶۔ زہراوی نے کہا یہ وہ نیک لوگ ہیں جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے اور یہ ہر امت میں ہیں۔

۷۔ زجاج نے کہا یہ انبیاء ہیں۔

۸۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبیرہ گنہ کیے ان کے صغیرہ گنہ بھی تھے جو مصائب اور آلام کی وجہ سے معاف نہیں ہو سکے۔ یعنی یہ گنہ گار لوگ ہیں۔

۹۔ تفسیری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ زمانے پیدا شدہ لوگ ہیں۔

۱۰۔ ابو یزید نے ذکر کیا کہ یہ ملائکہ ہیں۔ (المجامع لاحکام القرآن ۸: ۲۷۱ ص ۱۹۰-۱۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۳۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل الاعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے ہوں گے۔ پھر اگر ان کے متعلق ہم یہ کہیں کہ وہ اشرف اہل جنت ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الاعراف پر بٹھایا اور جنت میں ان کا داخلہ موخر کر دیا تاکہ وہ اہل جنت اور اہل نار کے احوال کو دیکھ سکیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجات کی طرف منتقل فرمائے گا جیسا کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ پچھلے درجات والے بلند درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان کے کناروں پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو اور ابو بکر اور عمر بن لوگوں میں سے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الاعراف اشرف اہل قیامت ہیں اور جب عرش میں سب لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اصحاب الاعراف کو الاعراف میں بٹھادے گا جو کہ بہت معزز اور بلند جگہ ہوگی اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجات میں منتقل فرمادے گا سو وہ لوگ ہمیشہ بلند درجات میں رہیں گے۔

اور اگر اصحاب الاعراف کی یہ تفسیر کی جائے کہ وہ اہل جنت سے کم درجہ کے ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو الاعراف میں بٹھائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے یہ امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے جنت کی طرف منتقل کر دے گا۔ اور جب اصحاب الاعراف اہل دوزخ کو دیکھیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اہل دوزخ میں سے نہ کرے اور ان آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت میں غور و فکر کرے اور ان پر ایمان لا کر ان کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے اور دنیا اور آخرت کی سرخوردگی حاصل کرے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجُلًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا

اے اصحاب الاعراف جن (دوزخیوں) کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جانتے

مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُتَكَبَّرُونَ ﴿۸﴾ اَھٰلِ الْعَالَمِیْنَ

تم کو فائدہ نہ پہنچایا اور نہ اس (مال و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ۰ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی نہیں؟

أَقْسَمْتُ لَآ يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا: (اہل جنت سے کہا گیا ہے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۵۹﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ

نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے ۵۹ اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر

أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ

تھوڑا پانی انڈیل دو، یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے تو (اہل جنت) کہیں گے بیشک اللہ نے یہ

حَرَّمَ هُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۶۰﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا

پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ۶۰ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور

وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنُصِّمُ كَمَا نُصِّوهُمُ

جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی

هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ جِئْتُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ

ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۶۱ بیشک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو

عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۲﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۶۲ کیا وہ (اس کتاب) پر

تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ

پرا بیان لانے کے لیے اس کی وحید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں: جس دن وہ وحید واقع ہوگی تو جو لوگ اس کو پہلے فراموش کر

قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءٍ فَيَشْفَعُوا

پچکے ستھے وہ کہیں گے بیشک ہمارے بچے رسول حق سے آئے تھے تو کیا ہمارے کوئی سفارشچی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟

لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ

یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برعکس کام کریں جو پہلے کرتے تھے بیشک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۴﴾

میں ڈال دیا اور ان سے وہ بیتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اصحاب الاعراف جن دوزخیوں کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جماعت نے تم کو عذاب سے نہ چھڑایا اور نہ اس (مل و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ○ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا (انہی سے کہا گیا ہے کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے ○ (الاعراف: ۳۸-۳۹)

اصحاب الاعراف کو دخول جنت کا اذن

جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اصحاب الاعراف دوزخیوں کو ان کی دوزخی علامات سے پہچان کر کہیں گے تم دنیا میں جو مل اور اسباب جمع کرتے تھے اور جن چیزوں پر تم تکبر کیا کرتے تھے وہ تم سے اللہ کے عذاب کو دور نہ کر سکے۔ ابو جہل نے کہا اس آیت میں اصحاب الاعراف سے مراد ملائکہ ہیں اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب الاعراف گنہگار مسلمان ہیں وہ الاعراف پر کھڑے ہوں گے۔ وہ اہل جنت کی طرف دیکھ کر جنت میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے اور اہل دوزخ کو دیکھ کر دوزخ سے پناہ طلب کریں گے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا یہ (اصحاب الاعراف) وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم یہ کہتے تھے کہ ان کو اللہ اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا؟ پھر اصحاب الاعراف سے فرمائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے سے اپنے مل و دولت کی وجہ سے تکبر کرتے تھے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے حکیم و اکابر کیا یہی وہ کمزور اور پس ماندہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت سے کچھ نہیں ملے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا ہے۔ اے اصحاب الاعراف! جنت میں داخل ہو جاؤ تم نے دنیا میں جو گناہ اور جرم کیے تھے تمہیں اب ان کے مواخذہ اور ان پر سزا کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ تمہیں اس کا کوئی رنج ہو گا کہ تم سے دنیا میں نیکیاں رہ گئیں۔ (جامع البیان ۸: ۲۷۸-۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر تمہارا سا پانی انڈیل دو یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو وہ (اہل جنت) کہیں گے بے شک اللہ نے یہ پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشایا لیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا کر رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○ (الاعراف: ۵۰-۵۱)

کافروں کو دوزخ میں کھانے پینے سے محروم رکھنے کی سزا دینا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل دوزخ جو کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو غریبوں اور مسکینوں کے حقوق فرض کیے تھے ان کو ادا نہیں کرتے تھے وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے نہ پیاسوں کو پانی پلاتے تھے سو اللہ تعالیٰ دوزخ میں آگ کے عذاب کے علاوہ ان پر بھوک اور پیاس کا عذاب بھی نازل کرے گا پھر وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بھلا کر اہل جنت سے فریاد کریں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی ڈال دو یا تم کو جو طعام دیا ہے اس طعام سے کچھ دے

دو تو اہل جنت ان کو جواب دیں گے کہ اللہ نے پانی اور طعام کو ان لوگوں پر حرام کر دیا ہے جنہوں نے دنیا میں اس کی توحید کھانے سے انکار کیا تھا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔

پھر فرمایا: ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ جب بھی ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی جاتی تو یہ دعوت دینے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

پھر فرمایا: تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا۔ یعنی ہم ان کو اسی طرح دوزخ میں بھوکا یا سا چھوڑے رکھیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات سے بے پرواہ ہو کر ایمان لانے کو اور نیک اعمال کو چھوڑ رکھا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا؟ میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ اور کیا تو سرداری اور اسری نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں پھر فرمائے گا تو مجھ سے ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا نہیں پھر اللہ فرمائے گا ہم آج تجھے بھلا دیے ہیں جس طرح تو نے ہمیں بھلا دیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۶)

اللہ کی راہ میں پانی خرچ کرنے کی اہمیت اور اجر و ثواب

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت پانی ہے کیونکہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار کافر سب سے پہلے پانی کا سوال کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ ثواب پانی خرچ کرنے کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ پانی کا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ جب اہل دوزخ اہل جنت سے فریاد کریں گے تو یہ کہیں گے کہ ہم پر پانی اٹھیل دو یا کچھ اس رزق سے دے دو جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔

(مسند ابوسعہ ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۷۳، المعجم الاوسط ج ۴، رقم الحدیث: ۳۱۵، شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۰، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۹۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، تفسیر در مشور ج ۳ ص ۳۷۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت) امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن جبر، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کس چیز کا صدقہ کرنا آپ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۹۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۷۸۳)

حضرت سعد بن عبدہ جو صحابی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صدقہ کی دلائل فوت ہو گئی ہیں کس چیز کا صدقہ کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا تو حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا یہ صدقہ کی ماں کے لیے ہے۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۷۸۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۶۶۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۶۸۳) ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کو پانی پلانے سے بھی عمر بھر کے گناہوں کو بخش دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جارہا تھا اس کو بہت شدید پیاس لگی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پیا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتابیاس کی دجہ سے کچھ چاٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا اس کتے کو بھی ایسے ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر اپنے سوزہ میں پانی بھرا پھر باہر آ کر اس سوزہ سے کتے کو پانی پلایا۔ اللہ

تھائی نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز جگر کے ساتھ نیکی میں اجر ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۳۳۳، صحیح مسلم، سلام: ۵۷۱ (۲۲۳۳)، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۵۵۰، شعب الایمان، ج ۳،

رقم الحدیث: ۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کتا کونوئیں کی منڈیر کے گرد گھوم رہا تھا۔ جس کو پیاس نے ہلاک کر دیا تھا اچانک بنو اسرائیل کی قاحشہ عورتوں میں سے ایک عورت نے اس کو دیکھ لیا اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر کر اس کو پلایا۔ اس سبب سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۳۶۷، صحیح مسلم، سلام: ۱۵۵ (۲۲۳۵)، ۵۷۳ (۲۲۳۵))

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس جگہ پانی دستیاب ہو وہیں کسی شخص نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام کو آزاد کر دیا اور جس جگہ پانی دستیاب نہ ہو وہیں کسی شخص نے کسی مسلمان کو پانی پلایا تو گویا اس نے اس مسلمان کو زندہ کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۷۴، علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے، الموضوعات، ج ۲، ص ۱۷۰)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اس حدیث کی آفت احمد ہے۔ اس میں حسن بن ابی جعفر کو وہم ہوا ہے اور یہ متروک ہے۔ اس نے اس حدیث کو علی بن زید سے روایت کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس کو علی بن زید نے از سعید بن المسیب از ام المومنین عائشہ روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الکامل ابن عدی، ج ۲، ص ۷۲۰، انالی المصنوع فی الامادیت الموضوع، ج ۲، ص ۷۲)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں (ایک دوسری سند سے) روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث:

۲۵۸۸) اس کی سند میں زہیر بن مرزوق ہے۔ امام بخاری نے کہا وہ مجہول اور منکر الحدیث ہے۔ (گویا یہ حدیث ضعیف ہے)

(مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

مرثد بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! مجھے وہ عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے کئی بار یہ سوال کیا پھر فرمایا: تم پانی پلاؤ! اس نے کہا میں کیسے پانی پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: جب لوگوں کے پاس پانی ہو تو ان کو پانی کا آگہ دیا کرو اور جب ان کے پاس پانی نہ ہو تو ان کو پانی لا کر دو۔

(مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶۸، المعجم الکبیر، ج ۷، ص ۷۰، حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو شخص جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک عابد تھا اور دوسرا گناہگار تھا۔ عابد کو سخت پیاس لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے ساتھی کے پاس ایک ڈول میں پانی تھا وہ دل میں کہنے لگا یہ خدا اگر یہ نیک بندہ پیاسا مر گیا جبکہ میرے پاس پانی تھا تو میں کبھی کوئی خیر حاصل نہیں کر سکوں گا اور اگر میں نے اس کو اپنا پانی پلا دیا تو میں یقیناً مرجائوں گا۔ پھر اس نے اللہ پر توکل کیا اور اس کو پانی پلانے کا عزم کر لیا۔ اس نے اس بے ہوش عابد پر پانی چھڑکا

اور اس کو اپنے حصہ کا پانی پلا دیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ دونوں نے جنگل کی مسافت کو طے کر لیا۔ وہ گنہ گار آدمی جب قیامت کے دن حساب کے لیے کھڑا کیا گیا تو اس کو دوزخ میں بھیجے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے اس کو لے جا رہے تھے کہ اس شخص نے اس عابد کو دیکھ لیا، اس نے عابد سے کہا اے فلاں شخص! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ عابد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے جنگل کے دن تم کو اپنے اوپر ترجیح دی تھی۔ عابد کے گاہل امیں نے تم کو پہچان لیا پھر وہ فرشتوں سے کہے گا ٹھہرو، ٹھہرو، پھر وہ کھڑا ہو کر اپنے رب سے دعا کرے گا اور کہے گا اے میرے رب! تو جانتا ہے اس شخص نے جو مجھ پر احسان کیا تھا اور کس طرح اس نے مجھے اپنے اوپر ترجیح دی تھی! اے میرے رب! اس کو میری خاطر بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ تمہاری خاطر ہے، پھر وہ عابد آئے گا اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(المعجم الاوسط، رقم الحديث: ۲۹۷۰، اس حدیث کی روایت میں ابو قتیل مثنوی ہے امام بخاری اور امام حبن نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں کلام ہے: 'مجمع الزوائد' ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۳۳، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (الاعراف: ۵۲) قرآن مجید کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت، اہل دوزخ اور اہل اعراف کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کریں گے تاکہ لوگ ان کے کلام میں غور و فکر کریں اور ان کاموں اور ان چیزوں سے بچیں جو اللہ کے عذاب کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر کے لیے تیار ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کی خصوصیات بیان فرمائیں کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی جس میں جدا جدا احکام بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو جاتی ہے اور انسان انھیں اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان میں اجمل اور انطالق نہیں ہے اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے صرف مومن اور مسلمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا (وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے) اس کی وعید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں؟ جس دن وہ وعید واقع ہوگی تو جو لوگ پہلے اس کو فراموش کر چکے تھے وہ کہیں گے بے شک ہم اپنے آپ کو حق لے آئے تھے تو کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟ یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے، بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے۔ (الاعراف: ۵۳) کفار کے اخروی خسارہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت کے لیے جو رسول بھیجے تھے اور جو کتابیں نازل فرمائی تھیں، ان رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم کو سخت عذاب ہو گا۔ اسی طرح آسمانی کتابوں میں بھی یہ وعید بیان کی گئی تھی، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور پھر ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ان وعیدوں کے باوجود کفار ایمان نہ لائے تو ان کے ظاہر حال کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایمان لانے کے لیے اس انتظار میں ہیں کہ وہ وعید واقع ہو جائے یعنی

ان پر سخت عذاب آجائے جو ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دے یا قیامت آجائے اور ان کا مواخذہ کر کے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور جب وہ وعید واقع ہو جائے گی یعنی قیامت آجائے گی تو اس وقت وہ اعتراف کریں گے کہ ان کے پاس اللہ کے رسولؐ اللہ کا سچا پیغام لے کر آئے تھے اور اس وقت وہ صرف دو چیزوں میں سے کسی ایک کی خواہش کر سکیں گے ایک یہ کہ کوئی ان کی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کر کے ان کی مغفرت کرائے یا ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ دوبارہ دنیا میں جا کر کفر اور شرک اور برے کاموں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کا اقرار کریں لیکن ان میں سے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں ہوگی اور سوائے نقصان کے ان کے لیے میں کچھ نہیں رہے گا اور جن جھوٹے خداؤں کی وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آسکیں گے اور جن باطل مذاہب کو ثابت کرنے کے لیے وہ دنیا میں سردھڑکی بازی لگاتے تھے ان کا جھوٹ اور باطل ہوگا اس دن واضح ہو جائے گا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ،

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَ

پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا ، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْجُورَاتٌ بِأَمْرِهِ ۚ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۚ

اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں ، سو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے

تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۴﴾ اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ

اللہ بہت بڑا اور ہر شے کے مالک ہے تمام جہانوں کا رب ۵۴ اے لوگو! اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو ، بے شک وہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۵۵ اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو ،

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾

اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو ، بے شک اللہ کی رحمت نیک کرنے والوں سے قریب ہے ۵۶

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا

اور وہی ہے جو اپنی رحمت کی بارش کے آگے آگے خوشخبری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے ، حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری

أَفَلَمْ يَسْأَلُوا ثِقَالًا لِّسُقْتِهِ لِيَكِدَ مَقِيبَتِ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا

بادل کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس کو کسی بھر زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس پانی سے

بِهِ مِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾

ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، شاید کو تم نصیحت حاصل کرو ○

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا

جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے اپنی پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی

يَخْرِجُ إِلَّا كَدًّا كَذَلِكَ نَصْرَفُ الْأَيَّاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾

پیداوار صرف محوڑی کی نکلتی ہے، ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہ رات کو دن سے ڈھلپ لیتا ہے اور دن اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب ○ (الاعراف: ۵۷)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

رب: یہ اصل میں مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کسی شے کو تدریجاً اپنے مکمل تک پہنچانا۔ یہ بہ طور اسم فاعل کے مستعمل ہوتا ہے اس کا معنی ہے تمام موجودات کی تربیت اور ان کی مصلحتوں کا منگل۔ اس لفظ کا بغیر اضافت کے مطلقاً اللہ عزوجل کے غیر کے لیے بولنا جائز نہیں ہے اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں کے لیے بولنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی مثل ہے: ربکم ورب ابائکم الاولیس (الصفت: ۳۶)

اور غیر اللہ کے لیے استعمال کی مثل یہ آیت ہے:

أَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ

اپنے رب (مالک بادشاہ) کے سامنے میرا ذکر کرنا پس

رَبِّهِ (یوسف: ۳۲)

شیطان نے اس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے رب کے سامنے ذکر کرتا۔

اللہ: یہ اس کا اسم ذات (علم) ہے جو واجب الوجود ہے تمام مخلوق کا مستحق ہے اور اس کی ہر صفت قدیم بالذات ہے، وحدہ لا شریک ہے وہ تمام مخلوق کا خالق ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے اور ہر قسم کا عیب اور نقص اس کے حق میں محال ہے یہ نام اس کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ کسی اور کا یہ نام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: ۶۵)

کیا تم اس نام کا کوئی اور مخلص جانتے ہو؟

فسی سنہ ایام: ایام یوم کی جمع ہے۔ اس سے مراد طلوع شمس سے غروب شمس تک کا وقت ہے۔ اور کبھی اس سے مطلقاً زمانہ کی مدت مراد ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو۔ (الفردات: ج ۲ ص ۲۰۶)

تبیان القرآن

علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ یوم کا مشہور معنی ہے طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کی مقدار اور منجھن کے نزدیک ایک طلوع شمس سے لے کر دوسرے طلوع شمس تک کی مقدار یوم ہے یا ایک غروب سے لے کر دوسرے غروب تک کی مقدار اور مطلقاً زمانہ کے معنی میں بھی یوم کا استعمال ہوتا ہے۔ (تاج المعوس، ج ۹، ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر ص ۱۵۵، (چھ دن) اس سے مراد ہے ایام دنیا میں سے چھ دنوں کی مقدار۔ کیونکہ وہاں سورج کا طلوع اور غروب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک لمحہ میں سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرماتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور تدریج کی تعلیم کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

استوی: تخت میں استواء کا معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے بلند ہونا۔ کسی چیز کا کسی چیز پر ٹھنڈا۔ نیز اس کا معنی ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔ کسی شے کا مستدل ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے استواء کا معنی ہے اس کی ذات اور صفات کا ہر چیز سے بلند ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما ہونا۔

عرش: ہولندہ کا تخت۔ گھر کی محبت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ چمپر کو بھی عرش کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی شخص نہیں جانتا، ہم صرف اس کا نام جانتے ہیں۔ ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ فلک اعلیٰ عرش ہے اور کرسی فلک الکوکب ہے۔ اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم آیت کون سی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: آیت الکرسی پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک انگوٹھی کی طرح ہیں جو کسی جنگل کی زمین میں پڑی ہو۔ اور عرش کی کرسی پر فضیلت اس طرح ہے جیسے جنگل کی زمین کی فضیلت اس انگوٹھی پر ہے۔

(الاسماء والصفات، ج ۳۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) (المفردات، ج ۲، ص ۲۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ)

کرسی (۱۸۳۱۸)

قدیم فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ آسمان لوہے اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو اس طرح محیط ہے جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں۔ نواں آسمان فلک الافلاک ہے۔ تمام ثابت (غیر متحرک ستارے) اس میں مرکوز ہیں۔ اور آٹھواں آسمان فلک اطلس ہے۔ پھر ہر آسمان میں سات سیاروں میں سے ایک سیارہ مرکوز ہے اور ان سیاروں کی یہ ترتیب ہے: زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر اور شریعت میں صرف سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ جن علماء نے اطلاقات شریعہ کو فلاسفہ کے اقوال کے مطابق کرنے کا قصد کیا انہوں نے کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو نواں آسمان قرار دیا۔ لیکن یہ بحث کو شش ہے کیونکہ فلاسفہ کے اقوال کسی یقینی دلیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ صرف عین تحقیق، وہم اور قیاس پر مبنی ہیں۔ جبکہ وحی و دلیل قطعی ہے۔ اس لیے وحی الہی کو یونانی فلسفیوں کے اقوال کے تابع کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ واضح رہے کہ قدیم فلسفہ یونان اور چیز ہے اور سائنس اور چیز ہے۔ فلاسفہ کے نظریات ان کے عقلی اور وہی دلائل پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ سائنس کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے۔ جس قدر ایجلاوات ہوئی ہیں، برقی آلات، برقی سواریاں، برقی ساز و سلان، ریڈیو، ٹیلی فون اور مختلف امراض کی ایلیو پتھک دوائیں اور طبی آلات اور شوگر، بلڈ پریشر اور کلشورل ٹاپنے کے پیمانے۔ یہ سب سائنس کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی چیز فلسفیوں کے اقوال سے حاصل نہیں ہوئی۔ سائنس دان اپنے حسب کتاب کے ذریعہ کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت پر سورج یا چاند گرہن لگے گا اور اتنی دیر تک رہے گا اور فلاں فلاں ملک میں فلاں فلاں وقت پر نظر آئے گا اور فلاں فلاں ملک میں نظر نہیں آئے گا اور آج تک اس کے سر موخلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح جب وہ

چاند کی طرف راکٹ چھوڑتے ہیں تو بتا دیتے ہیں کہ اس کا آخری کیپسول جس میں خلا نورد ہوتے ہیں وہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سمندر کے فلاں علاقہ میں گرے گا۔ اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔

یہ سب کچھ ایک کمپیوٹر انرڈ نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ اور یہ سب صحیح حساب و کتاب اور سائنس کا کرشمہ ہے۔ بعض لوگ جو فلسفہ اور سائنس کا فرق بھی نہیں جانتے وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ پہلے سائنس دان کہتے تھے کہ سورج اور چاند ساکن ہیں اور اب کہتے ہیں کہ متحرک ہیں۔ اس لیے سائنس کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کل کچھ کہتی ہے آج کچھ کہتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ فلسفہ ایک نظریہ ہے اور سائنس تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آج دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی سائنس کی بنیاد پر ہے۔ اور قرآن مجید کی کوئی تصریح سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد جو صحیح سند سے ثابت ہو سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ضعیف روایت سائنس کے خلاف ہو تو اس کا سبب اس متن کا ضعف نہیں ہے۔ بلکہ اس سند کا ضعف ہے۔ نیز ہم سائنس کے تابع ہو کر قرآن مجید کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ سائنس کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کا اظہار کرتے ہیں کہ جو بات اب سائنس سے ثابت ہوئی ہے وہ بہت پہلے قرآن مجید نے بتا دی تھی۔ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ جو لوگ سائنس کے مخالف ہیں وہ اپنی عام زندگی میں بلکہ عبادات میں بھی سائنسی ایجادات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہنڈل کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور گھڑیوں کے حساب سے نماز پڑھتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وی کے اعلانات سے یا گھڑیوں کے حساب سے سحر اور انظار کرتے ہیں۔ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کے میمنوں کا علم بھی ریڈیو، ٹیلی وی اور اخبارات کے ذریعہ ہوتا ہے اور ان سب کا ثبوت سائنسی تحقیقات کا مرہون منت ہے۔ یا تو یہ لوگ اب سے ایک ہزار سال پہلے کے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں یا پھر سائنس کے اصولوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں۔

بغشی اللیل السہار وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے۔

حشیشا: حش کا معنی کسی کو برا انگ مٹھ کرنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ دن رات کو جلد طلب کرتا ہے۔

المعلق: کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اس کا خاصہ ہے۔

الامر: حکم دینا، تدبیر اور تصرف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل بیان فرمائے ہیں تاکہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا جائے اور توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے ہی انسان کی آخرت بہتر ہوتی ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کسی فاعل عائد اور قادر پر موقوف ہے کیونکہ ان کا اجسام مخصوص، صور مخصوصہ اور اوضاع مخصوصہ پر ہونا کسی منتج اور مخصص کا تقاضا کرتا ہے اور اس منتج کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن اپنے وجود میں پھر کسی مخصص اور منتج کا ممکن ہو گا اور قطع تسلسل کے لیے ہمیں ایک واجب الوجود فاعل کو ماننا پڑے گا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ تعدد و جہاء محال ہے اور یہ اس لیے محال ہے کہ اگر دو واجب الوجود فرض کیے جائیں تو نفس وجوب ان دونوں میں مشترک ہو گا۔ اور چونکہ الہییت بلا امتیاز باطل ہے اس لیے ان میں ایک بابہ الامتیاز بھی ہو گا پس ان میں

سے ہر ایک ماہہ الاشتراک اور ماہہ الاتیاز سے مرکب ہو گا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ ان کو واجب فرض کیا تھا اور لازم آیا کہ یہ ممکن ہیں اور یہ خرابی تعدد وجہ ماننے سے لازم آئی۔ اس لیے واجب الوجود صرف ایک ہو گا وہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہی خالق ہے اور وہ واحد ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں بنایا ہے حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک لمحہ میں بھی بنا سکتا تھا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حد اور مدت مقرر فرمائی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے موسم بنائے لیکن یہ موسم بھی تدریجاً ظہور میں آتے ہیں۔ سخت سردی اچانک سخت گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ تدریجاً سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کی طرف موسم کا انتقال ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا عمل بھی اچانک وجود میں نہیں آتا بلکہ نطفہ نو ماہ میں تدریجاً انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات کی روئیدگی ہے۔ کفار پر جو دنیا میں عذاب آئے وہ بھی اچانک نہیں آئے۔ ان کو بار بار تنبیہ کی گئی ذرا پایا گیا اور ہر طرح حجت پوری کرنے کے بعد ان پر عذاب بھیجا گیا جبکہ وہ نوری عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ فرض اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حد اور مدت مقرر کی ہے اور اسی سنت کے مطابق زمینوں اور آسمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں بنایا ہے۔ نیز جو چیز دفعتاً وجود میں آئے اس کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ اتفالی حادث ہے اور جس چیز کو ایک معین مدت میں تدریجاً بنایا جائے اس کو اتفالی حادث قرار دینا صحیح نہیں ہو گا بلکہ ہر ذی شعور یہ کہے گا کہ اس کو قادر اور حکیم نے ایک خاص منصوبہ اور خاص مصلحت سے بنایا ہے۔ سو زمینوں اور آسمانوں کا چھ دنوں میں بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفالی حادث نہیں ہے بلکہ اس غالب اور قوی زبردست عظیم و حکیم اور قادر و قیوم کی حکمت اور قدرت کا ساتھ برداشت ہے۔ اور اس میں مخلوق کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر کام اطمینان اور تسبیح منصوبہ بندی سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو ایک لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا اس کے باوجود اس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو بنایا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ تمام خلق ان ہی ایام میں مجتمع ہوئی اور ان ہی ایام میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ہر دن ایام دنیا کی مقدار کے برابر تھا یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا جیسا کہ مجاہد اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے۔ ہر حال یوم السبت (ہفتہ کا دن) میں کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی کیونکہ یہ ساتواں دن ہے اور اس کا نام سبت رکھا گیا ہے جس کا معنی ہے قطع کرنا۔ پیدائش کا سلسلہ اس دن منقطع ہو گیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۷، ص ۵۷۷، مطبوعہ دارالاندلس، بیروت)

چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تحسین

امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ السننی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یسود نے نبی ﷺ کے پاس آکر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو بنایا اور منگل کے دن پہاڑوں کو بنایا اور ان میں نفع بخش چیزوں کو بنایا اور بدھ کے دن درخت، پانی، شراب اور غیر زمین کو بنایا۔ یہ چار دن ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ أَتُشْكُم لَسَكُمُورُونَ بِأَلَدِي خَلَقَ الْأَرْضَ
فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ آتَادًا ذَلِكُمْ رَبُّ

آپ کہتے ہیں کہ تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو

الْعُلُوبِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَامًا فِئَاتٍ اَرْبَعَةَ اَلْيَامٍ ۝ سَوَاءٌ لِّلْاِنْسَانِ اَلْيَمِينِ ۝ (احم السجده: ۴۳-۴۴)

یہ ہے رب العالمین ۝ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں اس کے باشندوں کی فئاتیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

اور دوسری روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سب سے پہلے اوتار اور پیر دو دنوں میں زمین کو بنایا اور اس کے باشندوں کی روزی چار دنوں میں مقدر فرمائی۔ پہاڑ نصب کیے اور چارویں کیے درخت لگائے اور سمندر روئیں کیے اور یہ منافع منگل اور بدھ دو دنوں میں بنائے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

لَمَّا اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اُنْتِمَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا فَاَتَيْنَا بَايَاطًا ۝ فَفَضَّلْنَهَا سَبْعَ سَمُوٰتٍ فِئَاتٍ ۝ (احم السجده: ۴۳-۴۴)

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور آسمانیکہ دو دھواں تھا تو اسے اور زمین کو فرمایا تم دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے ۝ تو ان کو دو دنوں میں پورے سات آسمان بنادیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہیں۔

(کتاب العظمت، ص ۲۹۲-۲۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوتار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل اور بدھ کو اس میں پہاڑ نصب کیے اور چارویں کیے اور درخت لگائے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان بنائے اور ہفتہ کا دن فراغت کا تھا۔ یسود اس دن چھٹی ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ابراہم فرمایا تھا: نبی محمد ان کے اس قول پر ناراض ہوئے اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ عَلَفْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِئَاتٍ سَبْعَ اَلْيَامٍ ۝ وَمَا مَشَايِمٌ لِّغُوبٍ ۝ فَاَصْبَحَ عَلٰی مَا يَقُولُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝

اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ۝ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (ق: ۳۸-۳۹)

(کتاب العظمت، ص ۲۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوتار اور پیر کو دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور اس میں منگل اور بدھ کو دو دنوں میں اس کے باشندوں کی روزی مقدر کی اور جمعرات اور جمعہ کو دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں (مصر اور مغرب کے درمیان) حضرت آدم کو جنت سے پیدا کیا اور یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت واقع ہوگی۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی، ص ۲۸۳، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے اوتار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کے دن پہاڑ بنائے اور دریا اور درخت بدھ کو بنائے اور پیر کے دن وحشی جانور اور درندے وحشرات الارض اور آفت (مہیبت) جمعرات کو بنائی اور انسان کو جمعہ کے دن بنایا اور ہفتہ کے دن پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا۔ (کتاب العظمت، ص ۲۹۳، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

تبیان القرآن

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن مٹی (زمین) پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ نصب کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن پسندیدہ چیزیں پیدا کیں اور بدھ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کیے "اور جمعہ کی آخری ساعت میں عصر اور مغرب کے درمیان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم "التألیفین" ۲: ۲۷۱ (۲۷۸۹) ۶۹۲۰ "مسند احمد" ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۴۹ "سنن کبریٰ للنسائی" رقم الحدیث: ۱۳۵۵۷)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابیہم القرطبی المتوفی ۴۵۶ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

نور سے مراد اجسام نیو ہیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے اور یہ حدیث اس بات کو مستحسن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدھ کے دن تمام آسمانوں کو پیدا کیا کیونکہ یہ تمام سیارے آسمانوں میں ہیں اور ان کا نور اور روشنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

محقق یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمانوں کی پیدائش کی تصریح نہیں ہے اور اس میں ہفتہ کے پورے سات دن ذکر کیے گئے ہیں اور اگر ان سات دنوں کے بعد کسی ایک دن میں آسمانوں کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش آٹھ دنوں میں قرار پائے گی اور یہ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے سلسلہ میں معتد قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

اَنسُكُم لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ (الانبياء: ۲۲) (مجمع السعدي: ۹۰)

(المعجم "ج ۷" ص ۳۳۳ "مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت" ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی اس حدیث میں صرف زمین کی پیدائش سات دنوں میں ذکر کی گئی ہے جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ تصریح ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش چھ دنوں میں کی گئی ہے اس لیے یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مستحب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے اس حدیث پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس کو کعب احبار سے سنا ہے یعنی یہ اسرائیلیات سے ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر "ج ۳" ص ۱۷۸) زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش کے سلسلہ میں مضطرب اور متعارض احادیث وارد ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو ذکر کیا ہے۔ ان احادیث میں وہ حدیث مستحب ہے جو قرآن مجید کے مطابق ہے اور سورہ قم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ چار دنوں میں سے اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمینوں کو بنایا اور باقی دو دنوں میں پہاڑوں اور زمین کے باشندوں کی غذاؤں کے لیے دوسری چیزوں کو بنایا اور اس کے بعد دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا اور اس کے موافق وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات "ص ۲۸۳" دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور امام محمد بن جعفر بن جریر متوفی ۳۴۰ھ کی یہ روایت بھی قرآن مجید کے موافق ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کو اس میں پہاڑ اور دیگر نفع آور چیزیں بنائیں اور بدھ کو درخت، دریا، شہر اور آباد اور دیرین زمینیں بنائیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو یہ ہے رب العالمین O اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذا میں چار دنوں

میں مقدر فرمائیں جو مائیں والوں کے لیے برابر ہیں (حم السجدہ: ۹۰-۹۱) اور جمعرات کے دن اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو 'سورج کو' چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن آخری تین ساعت میں سے پہلی ساعت میں ہر مرنے والے شخص کی موت پیدا کی اور دوسری ساعت میں انسان کو نفع دینے والی چیزوں کی آفت پیدا کی اور تیسری اور آخری ساعت میں آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ساعت کے آخر میں ابلیس کو جنت سے نکل دیا۔ یسود نے پوچھا اے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک بتایا ہے کاش آپ اس بات کو مکمل کر دیتے انہوں نے کہا: پھر (بغتہ کے دن) اللہ نے آرام کیا۔ نبی ﷺ سخت غضب ناک ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے 'چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکوت نہیں ہوئی۔ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (ق: ۳۹-۴۰)

(جامع البیان، ج ۲، ص ۱۸-۱۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، المستدرک، ج ۲، ص ۳۵-۳۵۰، امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے، تلخیص المستدرک، ج ۲، ص ۳۵-۳۵۰، الدر المنثور، ج ۷، ص ۳۳، طبع بیروت)

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اپنی جو صفات بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو آپ کی صفات بیان کی ہیں ان پر بغیر تحریف اور بغیر تکلف اور تمثیل کے ایمان لایا جائے۔ (یعنی ان صفات کی کوئی تکوین نہ کی جائے نہ ان کی مخلوق کے ساتھ مثل دی جائے) بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے اس کی نفی نہ کی جائے اور اللہ کے کلمات کو بدلانا نہ جائے اور اس کے اسماء اور اس کی آیات کو بدلانا نہ جائے۔ نہ ان کا کوئی معنی متعین کیا جائے اور نہ مخلوق کی صفات سے ان کی مثل دی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کا کوئی ہم نام ہے نہ اس کا کوئی کفو ہے نہ کوئی اس کی مثل اور نظیر ہے نہ اس کا مخلوق پر قیاس کیا جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے۔ پھر اس کے تمام رسول سچے ہیں، یہ خلاف ان لوگوں کے جو بغیر علم کے اللہ کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝
يَسْلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝ (الصافات: ۸۴-۸۵)

آپ کا رب عزت والا ہے آپ کا رب ہر اس عیب سے پاک ہے جو (کفار) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا رب ہے۔

رسولوں کے مخالفین اللہ کی جو صفات بیان کرتے تھے اللہ نے ان سے اپنی برأت فرمائی ہے اور رسولوں نے جو اللہ کی نقص اور عیب سے برأت بیان کی تھی ان پر سلام بھیجا ہے۔ (الی قولہ) اللہ سبحانہ کے لیے سمیع اور بصیر ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: هو السميع البصير (الی قولہ) اللہ کے لیے چہرہ ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: وجه ربك ذو الجلال والاكرام اور کل شیء مھالك الا وجهہ اور اللہ کے لیے دو ہاتھ ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ما منعك ان تسجد لهما خلقت بیدی اور اللہ کے لیے دو آنکھیں ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے: واصبر

لحکم ربک فانک باعینا اور اللہ کے لیے عرش پر استواء ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی اور اس طرح کی سات آیتیں ہیں۔

(العقیدۃ الواسیہ مع شروح، ص ۱۵۰-۱۵۱، مطبوعہ دار السلام، ریاض ۱۴۱۳ھ)

اس کے بعد احادیث سے استدلال کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اللہ آسمان دنیا کی طرف اپنی شان کے لائق نازل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو کم شدہ اونٹنی کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ کی ٹانگ نور قدم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ کہے گی کیا اور زیادہ بھی ہیں حتیٰ کہ رب العزت اس میں اپنی ٹانگ رکھ دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ (بخاری و مسلم)

(العقیدۃ الواسیہ، ص ۸۰-۸۱، مطبوعہ مع شروح مطبوعہ دار السلام، ریاض ۱۴۱۳ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی ان عبارات کا بظاہر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ 'آئینہ' دو ہاتھ 'ٹانگ' اور قدم ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے۔ شرح العقیدۃ الواسیہ میں لکھا ہے اس کا معنی ہے وہ عرش پر بلند ہے یا چڑھنے والا یا اس پر مستقر ہے۔ اللہ کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں اور ان کی کوئی مثل نہیں ہے۔ ان صفات کی کوئی تویل اور توجیہ کرنا جائز نہیں ہے چونکہ ان صفات کا قرآن اور سنت میں ذکر ہے اس لیے ان کو اسی طرح ماننا لازم ہے۔ یہ ظاہر یہ عقیدہ 'اشاعرہ اور دیگر متقدمین کے عقیدہ کی مثل ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کے معاصر اور بعد کے ثقہ علماء نے یہ کہا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے ان اقوال سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جمیست کا ماننا لازم آتا ہے اس بناء پر بعض علماء رافضی نے شیخ ابن تیمیہ کو گمراہ کہا اور بعض نے ان کی تکفیر کر دی۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ مویہ اور واسیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ 'پیر' چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تمیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ تمیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے اسی وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمیز اور انقسام کا قائل ہے۔ (الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

علامہ احمد بن حجر متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیست، جہت اور انتقال سے موصوف ہے اور وہ عرش کے برابر ہے نہ چھوٹا نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ اس قبیح افتراء سے پاک ہے جو کہ صریح کفر ہے۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ، ص ۱۰۰، مطبوعہ مصلیٰ البابی العلیی و اولادہ، بہ مصر ۱۳۵۶ھ)

تبیان القرآن، جلد ثانی میں انشاء ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہ کثرت علماء کی عبارات نقل کی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ میں شیخ

ابن تیمیہ کی تکفیر کی ہے۔
استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین
ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

شیخ عبد اللہ انصاری حنبلی قدس سرہ نے شرح منازل السائرین میں شیخ ابن تیمیہ سے اس تہمت کو دور کیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے جنت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے تھے اور انہوں نے شیخ مذکور سے تکفیر اور خلیل کی نفی کی ہے ان کی عبارت یہ ہے:

شیخ ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کر کے اور ان کے معانی متبادرہ کے اعتقاد کی تلقین کر کے ان اسماء اور صفات کی حرمت کو محفوظ کیا ہے۔ کیونکہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ الرحمن علی العرش استوی میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء کا کیا معنی ہے؟ تو امام مالک نے پہلے سر جھکا کر غور کیا پھر کہا استواء معلوم ہے (کسی چیز پر مستقر ہونا یا کسی چیز پر بلند ہونا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آ سکتی (کہ اللہ کس طرح عرش پر مستوی ہے!) اور اس (استواء) پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔ امام مالک نے اس کے معنی کے معلوم ہونے اور اس کی کیفیت کے انسانی عقل میں نہ آنے کے درمیان فرق کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق تمام مسائل میں کافی شافی ہے۔ صبح، بصر، علم، حیات، قدرت، ارادہ، اللہ کا نزول، غضب، رحمت اور اس کا ہنسنا۔ ان تمام الفاظ کے معانی معلوم ہیں اللہ کے ساتھ ان کے اتصال کی کیفیت انسان کی عقل میں نہیں آ سکتی، کیونکہ کسی چیز کی کیفیت تب عقل میں آتی ہے جب اس کی ذات اور کثرت کا علم حاصل ہو چکا ہو۔ اور جب اس کی ذات غیر معلوم ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کیسے عقل میں آ سکتی ہے اور اس باب میں صحیح موقف یہ ہے کہ اللہ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور اس کے رسول نے جس صفت کے ساتھ اس کو موصوف کیا ہے اور ان صفات میں نہ کوئی تحریف کی جائے (ہاں طور کہ از خود ان صفات کا کوئی معنی یا عمل بیان کیا جائے) نہ ان صفات کو معطل کیا جائے (یعنی ان کی نفی کی جائے) نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے (ان کی کوئی تویل کی جائے) اور نہ ان کی کوئی مثل بیان کی جائے بلکہ اللہ کے اسماء اور اس کی صفات کو ثابت کیا جائے اور ان سے مخلوقات کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ پس تسمیہ صفات کو ثابت کرنا تشبیہ سے حذر ہو اور تسمیہ الہی کرنا تعطیل سے منزه ہو۔ سو جس نے استواء کی حقیقت کی نفی کی وہ معطل ہے اور جس نے مخلوقات کے مخلوقات پر استواء کے ساتھ تشبیہ دی وہ مشبہ ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کے استواء کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ موجد ہے اور منزه ہے۔ یہاں تک علامہ عبد اللہ انصاری حنبلی کا کلام ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا اعتقاد اسلاف صالحین اور جمہور متاخرین کے اعتقاد کے موافق ہے اور ان کی عبارت پر یہ طعن اور تشنیع صحیح نہیں ہے۔ ان کا یہ کلام بعینہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہے جو انہوں نے العقد الاکبر میں تحریر فرمایا ہے۔ (ہم عنقریب اس عبارت کو نقل کریں گے) اس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جنت اور جسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (مرقات ج ۸، ص ۲۵۱-۲۵۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

نوٹ: شیخ ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے اس بنا پر شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کو ملا علی قاری رحمہ المبارکی نے شرح الصفاء علی نسیم الریاض ج ۳، ص ۵۳ میں صحیح قرار دیا ہے اور ان کی یہ کتاب مرقات کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس لیے مرقات میں جو انہوں نے شیخ ابن تیمیہ کو اس اہمیت کا دلی کہا ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

علامہ محمد امین بن محمد الختار الجکفی التتیلی لکھتے ہیں:

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے معاملہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے ایک یہ کہ اللہ جل وعلا حوادث کی مشابہت سے منزہ ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ کی صفات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جس وصف کو ثابت کیا یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے کسی وصف کو ثابت کیا پھر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس وصف کی یہ زعم کہتے ہوئے نفی کی کہ وہ وصف اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عالم قرار دیا۔ سبحانک هذا بستان عقیم۔ اور جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا وصف مخلوق کے اوصاف کے مشابہ ہے تو وہ مشابہ ملحد اور گمراہ ہے اور جس نے اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ کے ثابت کیے ہوئے اوصاف کو اللہ کے لیے مانا جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف مخلوقات کی صفات کی مشابہت سے منزہ ہیں تو وہ مومن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور جلال کو اور مشابہت خلق سے تنزیہ کو ماننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کو واضح فرمادیا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ
اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔ (الشوریٰ ۱۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے صفات کمال اور جلال کو ثابت فرمایا ہے اور مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی فرمائی ہے۔

(اضواء البیان ج ۲ ص ۲۷۳-۲۷۴ مکتبہ ابن تیمیہ 'کامرہ' ۸۸-۸۹ھ)
استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفیہ میں احناف کا موقف

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کا کوئی منازع ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی مثال ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کی جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدر یہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔

(العقد الاکبر مع شرح ص ۳۶۰-۳۶۱ مطبوعہ شرک مکتبہ مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۵ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد السعوف بنی المہام الحنفی المتوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور یہ ایسا استواء نہیں ہے جیسا ایک جسم کا دوسرے جسم پر استواء ہوتا ہے کہ وہ اس سے مماثل ہوتا ہے۔ یا اس کی مخلوقات (سمت) میں ہوتا ہے بلکہ جو استواء اس کی شان کے لائق ہو جس کو اللہ سبحانہ ہی زیادہ جاننے والا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ رہا یہ کہ استواء علی العرش سے مراد عرش پر غلبہ ہو تو یہ ارادہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس ارادہ کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور واجب وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ عام لوگ استواء سے وہی معنی سمجھیں گے کہ جو جسم

کے لوازم سے ہے کہ اللہ عرش سے متصل ہے یا عرش کے ماس ہے یا عرش کی مخلوقات میں ہے تو استواء کو غلبہ سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کتب اور سنت میں جو ایسے الفاظ ہیں جن سے جمیعت ظاہر ہوتی ہے مثلاً انگلی 'قدم اور ہاتھ ان پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ انگلی اور ہاتھ وغیرہ اللہ کی صفت ہیں۔ ان سے مراد یہ مخصوص اعضاء نہیں ہیں بلکہ وہ معنی مراد ہے جو معنی اللہ کی شان کے لائق ہے اور اللہ سبحانہ ہی اس معنی کو زیادہ جلتے والا ہے اور کبھی ہاتھ اور انگلی کی تلویل قدرت اور قر سے کی جاتی ہے اور نبی پیغمبر نے فرمایا جبر اسو اللہ کا دایاں ہاتھ ہے اس کی تلویل کی جاتی ہے تاکہ عام لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی جمیعت کی طرف نہ منتقل ہوں۔ اس تلویل سے یہ ارادہ بھی ممکن ہے لیکن اس پر جزم اور یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اصحاب (ماترید یہ) کے قول کے مطابق یہ الفاظ قشابت سے ہیں اور قشابت کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کی مراد متوقع نہیں ہے۔ (مسارہ مع شرح السامری ج ۱ ص ۳۶-۳۱ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مکران)

واضح رہے کہ استواء اور ہاتھ وغیرہ کی علامہ ابن حنبل نے جو تلویل بیان کی ہے امام ابو حنیفہ اور دیگر اسلاف نے اس تلویل سے منع کیا ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین شافعیہ کا موقف

امام ابو بکر احمد بن حسین شافعی متوفی ۲۵۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ان صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ دلالت کرتی ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت دلالت کرتی ہو یا اس پر اس امت کے متقدمین کا اجماع ہو یا جس پر عقل دلالت کرتی ہو۔ مثلاً حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور اس کی مثل صفات ذاتیہ اور مثلاً خلق کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، سنان کرنا، سزا دینا اور ان کی مثل صفات فعلیہ اور جن صفات کا اثبات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر سے ہوا جیسے چہرہ، دو ہاتھ، آنکھ، یہ اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے عرش پر مستوی ہونا اور آٹا اور نازل ہونا اور اس طرح دوسری اس کے فعل کی صفات۔ یہ صفات اس لیے ثابت ہیں کہ قرآن اور حدیث میں ان کا ذکر ہے ان صفات کو اس طرح مانا جائے کہ ان صفات کی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۱۱۱-۱۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سفیان ثوری نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن اوصاف کو اپنے لیے ثابت کیا ہے ان کی فارسی یا عربی میں تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابو الحسن بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا استوئی کا معنی ہے استقر (قرار پکڑا) ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے صمد (چھا) معتزلہ نے کہا اس کا معنی ہے استولی (اللہ عرش پر غالب ہے) اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ کی صفت بلا کیف ہے۔ انسان کے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا علم وہ اللہ عز وجل کے سپرد کر دے۔ (اس کے بعد انہوں نے امام مالک سے سوال اور ان کا جواب لکھا ہے) سفیان ثوری، اوزائی، یسٹ بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک اور دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ آیت اور دیگر صفات کے متعلق آیات، آیات قشابت میں سے ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف (یعنی استواء کی کیفیت جانے بغیر) ماننا چاہیے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۸-۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۳۳ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین مالکیہ کا موقف

امام حنفی ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البرہانکی اندلسی حنفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

الرحمن علی العرش استوی (۵۸) کی تفسیر میں امام مالک سے سوال کیا گیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: استوی کا معنی معلوم ہے (بلند ہے یا بیجا ہے) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور تمہارا اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرا گمان ہے کہ تم بدعتیہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔ ابن المبارک نے کہا رب تبارک وتعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہزار رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۳۵، 'الموطا'، رقم الحدیث: ۴۱۳، 'مسند احمد'، ج ۲، ص ۳۸۷)

اس قسم کے جو اطلاقات قرآن اور حدیث میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔ عبدالبنی عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ابن اعلویث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ابن عباس سے پہنچی ہیں جن اسانید سے ہماری پہنچی ہیں جن اسانید سے نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے احکام کے متعلق احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عز وجل کو ابن اعلویث سے ہی پہچانا ہے امام شافعی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی سنت صرف اتباع ہے اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی ہے یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا: آدمی رات کے بعد۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۱۷۹)

اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پہر اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (آل عمران: ۱۷) رات کے پچھلے پہر اللہ سے استغفار کرنے والے۔

(الاسناد کا رج ۸، ص ۱۵۳-۱۵۱، مطبوعہ موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

نیز امام ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۴۳ھ لکھتے ہیں:

ایوب بن صلیح بخاری نے ہم سے فلسطین میں بیان کیا کہ ہم امام مالک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک عراقی نے آپ کے پاس آکر سوال کیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے غور کرنے کے بعد فرمایا: تم نے اس چیز کے متعلق سوال کیا ہے جو مجہول نہیں ہے اور تم نے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا ہے جو عقل میں نہیں آسکتی اور تم بدعتیہ شخص ہو۔ پھر اس شخص کو آپ کی مجلس سے نکل دیا گیا۔ یحییٰ بن ابراہیم بن مزین نے کہا: امام مالک نے اس قسم کی باتوں میں بحث کرنے سے اس لیے منع فرمایا کیونکہ ان میں حد، صفت اور تشبیہ ہے اور اس میں نجات تب ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے ان اقوال پر توقف کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفت، چہرے اور ہاتھوں سے بیان کی ہے اور کشلوہ کرنے اور استواء سے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنَّمَا تَوَكَّلُوا فَنَسَمَّ وَجْهَ الْوُ (البقرہ: ۱۵۵) - سو تم جس طرف بھی پھرو ہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ: ۶۴) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ (کھلے ہوئے) ہیں۔

وَالْأَرْضُ حَبِيبًا قَبَضَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ (الرمرمہ: ۴)
الْعَرْشُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ: ۵)
قیامت کے دن سب زمینیں اس کی سطحی میں ہوں گی اور
تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔
رحمن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

اس لیے مسلمان کو وہی کتنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے اور اسی پر توقف کرنا چاہیے اور اس سے تجاوز
نہیں کرنا چاہیے اور اس کی تفسیر نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہیں کتنا چاہیے کہ یہ کس طرح ہے۔ کیونکہ اس میں ہلاکت ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے کا حکم کیا ہے اور ان کو اس کی ان آیتوں کی تویل میں غور کرنے کا حکم نہیں
کیا جن آیتوں کا اس نے علم عطا نہیں کیا۔ (التبیہ: ج ۷، ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۳۴۰ھ)

امام مالک نے عمر بن العکم سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میری ایک باندی
بکریوں کو چرا رہی تھی ایک دن ایک بکری گم ہو گئی میں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑا کھا گیا۔ مجھے اس
پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا اور مجھ پر (پسلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس
غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہیں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ
نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا، رقم الحدیث: ۱۵۱۱، صحیح مسلم، مسلوۃ: ۳۳ (۵۳۷) ۱۱ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۳۰)

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں:

نبی ﷺ نے اس باندی سے جو سوال کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا آسمان میں۔ تمام اہل سنت (اور وہ محدثین ہیں)
اس پر متفق ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ (طہ: ۵) اور اللہ عزوجل آسمان
میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور یہ قرآن مجید کی ان آیات سے بالکل ظاہر ہے:

أَيَسْتَشْمُ ثَمَنَ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ
الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ (الملک: ۱۲)
أَلَيْسَ بِضَعْدِ الْكَلِمِ الْقَلْبِ وَالْعَمَلِ
الصَّالِحِ يَرْفَعُهُ (فاطر: ۱۰)
کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں
زمین میں دھنسا دے تو وہ اس سے لرزے لگے۔
پاک لگے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو اللہ بلند
فرماتا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ
فَرِشَتے اور غیر عمل اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

(المعارج: ۳)

قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور ہم نے اپنی کتاب تمہید میں اس سے زیادہ بیان کیا ہے۔

(الاستاذ کار، ج ۲۳، ص ۶۱۸-۶۱۷، طبع بیروت، ۱۴۱۳ھ)

بیشے سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اپنے
چہروں اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جنت نہیں ہے لیکن چونکہ علو اور بلندی کو باقی
جہات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا اس کو اس
کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بندوں کو اس کی ضرورت تھی تاکہ وہ دعا کے وقت حیران نہ ہوں کہ وہ کس کی طرف منہ کریں
جیسے اس نے کعبہ کو پیدا کیا تاکہ لوگ عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کریں۔ حالانکہ اللہ کا حقیقت میں گھر ہے نہ اس کو اس کی

شبان القرآن

ضرورت ہے۔ اسی طرح اس نے آسمان کو پیدا کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ اپنی دلوں میں کس طرف متوجہ ہوں۔
امام ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۳۳ھ فرماتے ہیں:

معزلہ یہ کہتے ہیں کہ استواء کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ ہے استولی یعنی اللہ عرش پر غالب ہے۔ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر عرش کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو ہر چیز پر غالب ہے اور کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ کے کلام کو اشہر اور اظہر وجوہ پر محمول کرنا لازم ہے جب تک کہ حقیقت پر محمول کرنے سے کوئی ایسا مانع نہ ہو جس کا مانع ہونا سب کے لیے واجب التسلیم ہو۔ اور اگر ہر مجاز کے مدعی کا ادعا مان لیا جائے تو پھر کوئی عبارت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اللہ عز و جل نے اپنے کلام میں جن الفاظ سے خطاب کیا ہے ان سے ان ہی معانی کا ارادہ کیا ہے جن معانی کا اہل عرب اپنے محاورات اور خطابات میں ان الفاظ سے ارادہ کرتے تھے اور استواء کا معنی اور مفہوم لغت میں معلوم ہے اور وہ ہے کسی چیز پر ارتقاء اور بلند ہونا اور کسی چیز پر قرار اور جگہ پکڑنا۔ ابو عبیدہ نے استواء کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: ”بلند ہوا“ عرب کہتے ہیں استویت فوق الدابة میں سواری کے اوپر بلند ہوا یا بیٹھا۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا: استواء کا معنی بلندی پر جگہ پکڑنا ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل آیات میں ہے:

لَتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (الزخرف: ۱۳)
وَأَسْتَوُوا عَلَى السَّجُودِ (هود: ۴۴)
فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المؤمنون: ۲۸) جائیں۔
تاکہ تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھو اور جب تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو۔
اور کشتی جو دی پہاڑ کے اوپر ٹھہر گئی۔
اور جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے اوپر بیٹھ جائیں۔

ہم عرش پر اللہ تعالیٰ کے استواء کی کیفیت کو نہیں جانتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو جیسے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے بدن میں ہمارے روح میں ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے بدن میں ہمارے روح کس کیفیت سے ہے اور اس کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے روح میں نہ ہوں اس طرح عرش پر اللہ کے استواء کی کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو۔

(التحفید، ج ۷، ص ۱۳۱-۱۳۲، مطبوعہ: ”موضوعات“، مطبوعہ المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، ۱۳۰۳ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متقدمین حنابلہ کا موقف

امام جلال الدین عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی خطیبی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے کہا کہ استوی بمعنی استولی ہے۔ ائمہ لغت کے نزدیک یہ معنی مردود ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا عرب استوی کو استولی کے معنی میں نہیں پہچانتے جس شخص نے یہ کہا اس نے بہت غلط کیا۔ استوی فاعل علی کذا (فلاں شخص نے فلاں پر غلبہ پایا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شخص اس سے بعید ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہو۔ پھر بعد میں اس پر قدرت اور غلبہ حاصل کرے اور اللہ عز و جل ہمیشہ سے تمام چیزوں پر غالب ہے۔ ہم طہرہ کے صفات کو معطل کرنے سے اور مجسمہ کی تشبیہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ (ازاد المسیر، ج ۳، ص ۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۰۷ھ)

علامہ محمد بن احمد السقاری الخطیبی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

حنابلوں کا مذہب سلف صالحین کا مذہب ہے۔ وہ اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جن کے ساتھ خود اللہ

نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ اور جن لوصاف کے ساتھ اس کے رسول نے اس کو موصوف کیا ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور تکلف اور تمثیل کے، اللہ کی ذات ذات میں سے کسی ذات کے مشابہ نہیں اور اس کی صفات کلیہ میں سے کوئی صفت ممکنات کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔ قرآن مجید اور نبی پیغمبر کی سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہیں، ان کو اسی طرح قبول کرنا اور تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس کے وصف کی حقیقت سے عدول نہیں کرتے اور نہ اس کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور نہ اس کے اسماء اور صفات میں، اور جو کچھ اس باب میں وارد ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں کرتے اور جو نقص اس صراط مستقیم سے انحراف کرے تم اس کو چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ پیغمبر کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (الوامع الاثر المجلد ۱، ج ۱، ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ سفاری نے ضعیفی لکھتے ہیں:

امام احمد بیہقی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اسی وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جس وصف کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جس وصف کے ساتھ اس کے رسول پیغمبر نے اس کو موصوف کیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نقص اور حدوث کو واجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ اس سے حقیقتاً منزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے کمال کا مستحق ہے۔ سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں غور نہیں کرنا چاہیے اور ان میں سکوت کرنا چاہیے اور ان کا علم اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ پوشیدہ چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جائے گی اور انسان پر واجب ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے۔ ائمہ سلف مثلاً زہری، امام مالک، امام ابو زامی، سفیان ثوری، یسٹ بن اسد، عبد اللہ بن المبارک، امام احمد اور اسحاق سب یہی کہتے تھے کہ یہ مقابلات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے ان کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (الوامع الاثر المجلد ۱، ج ۱، ص ۹۶، ۹۷، مطبوعہ مکتبہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متاخرین کی آراء

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستقر ہونا ممکن نہیں ہے اور اس پر متعدد عقلی دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہو تو اس کی جو جانب عرش کے قریب ہوگی وہ جانب لانا متناہی ہوگی اور جو چیز متناہی ہو وہ زیادتی اور کمی کو قبول کر سکتی ہے اور جو چیز زیادتی اور کمی کو قبول کر سکے وہ حدوث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اور اگر وہ جانب غیر متناہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ عرش بہر حال متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک جانب عرش سے تماس ہوگی اور ایک جانب فارغ ہوگی اور اس سے انقسام لازم آئے گا اور یہ بیان سابق سے محل ہے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر ہونے کو باطل قرار دینے کے لیے بارہ دلیلیں قائم کی ہیں۔ جو اکثر مشکل اور دقیق ہیں اور عام فہم نہیں ہیں۔ بہر حال ان کی ایک اور قدرے آسان دلیل یہ ہے:

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستقر ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہوگی یا مساوی ہوگی یا اصغر ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی ذات کا بعض عرش پر مستقر ہو گا اور بعض اس سے زائد ہو گا اور اس سے اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ عرش کے مساوی ہو تو اس کا متناہی ہونا لازم آئے گا کیونکہ عرش متناہی ہے اور جو متناہی کے مساوی ہو وہ متناہی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اصغر ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا متناہی اور منقسم ہونا لازم آئے گا اور یہ تمام

صور تیں بداحتہ باطل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۸-۲۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)
علامہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ثانی حوالہ ۶۸۵ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا امر بلند ہو یا غالب ہو اور ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس نے ارادہ کیا اور آنحالیکہ وہ عرش پر استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے۔ (النوار التنزیل مع التکاوید ج ۳ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ محمد بن یوسف المشور بابن حبان اندلسی المتوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا متعین نہیں ہے جبکہ عقلی دلائل اس پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء محال ہے۔ (المحرر المہیط ج ۵ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کا معنی ہے اللہ عرش پر غالب ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے لیکن عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے عظیم جسم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ عرش پر غالب ہونے کا ذکر فرمایا۔ امام جعفر صادقؑ، حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ رحمہم اللہ سے یہ منقول ہے کہ استواء معلوم ہے (مستقر ہونا یا بلند ہونا) اور اس کی کیفیت محمول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا سوال کفر باہمت ہے۔

(ادارک التنزیل علی الکافران ج ۲ ص ۱۰۰ مطبوعہ پشاور)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:
اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جنت متعینی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جنت کا ثبوت ہوتا ہے اور بلوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جنت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے باوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جنت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جنت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے نہیں متوجہ ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔ (شرح القامد ج ۳ ص ۵۵-۵۶ مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۱۳۹۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ کی جنت اور مکان سے تزیہ ضروری ہے کیونکہ جو چیز مکان میں ہو اس کو حرکت اور سکون اور تغیر اور حدوث لازم ہے یہ متکلمین کا قول ہے۔ اور سلف اول رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے جنت کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جنت ثابت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور رسولوں نے بھی اس طرح فرمایا ہے اور سلف صالحین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً عرش

پر مستوی ہے، البتہ ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ اس کے استواء کی حقیقت میں کیا کیفیت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

استوی کا معنی ہے بلند ہے۔ (اللہ عرش پر بلند ہے) اس بلندی سے وہ بلندی مراد نہیں ہے جو ممکن اور مسافت کی بلندی ہوتی ہے، یعنی کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جو جگہ دوسری جگہوں سے بلند ہو بلکہ اس سے وہ بلندی مراد ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہو گا کہ سلف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کا ارادہ ہے اور آنحالیہ کہ وہ استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے اور استواء کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانے) سے کرنا باطل ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ استواء کا معنی استیلاء ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا غالب ہونا ہمارے غالب ہونے کی مثل ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ وہ ایسا غالب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ ابتداء یہ کہے کہ وہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی، ج ۸، ص ۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ”پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔“
صدر الانفاصل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۷۷ھ لکھتے ہیں:

یہ استواء تشابہات میں سے ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ کی اس سے جو مراد ہے حق ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ آفرینش کا خاتمہ عرش پر جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاویٰ العرفان، ص ۳۵۳، مطبوعہ تاج کتبپن لینڈ، لاہور)

استواء علی العرش اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے مسئلہ میں ہم نے کافی طویل بحث کی ہے اور تمام قائل ذکر حقد میں اور متاخرین کے مذاہب اور ان کی آراء تفصیل سے بیان کی ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اس مسئلہ میں ہر پہلو سے مکمل واقفیت ہو جائے۔ بہر حال ہمارا اس مسئلہ میں وہی موقف ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور دیگر سلف صالحین کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کو گڑا کر اور چپکے چپکے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اصلاح کے بعد فلاںہ کہو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے (الاعراف: ۵۵-۵۶)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت و وحدانیت اور قدرت اور حکمت پر دلائل قائم کیے تھے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی اس کائنات کا رب ہے تو پھر چاہیے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی سے ہر معاملہ میں دعا کی جائے۔

قرآن مجید میں دعا کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دعا بمعنی عبادت اور دعا بمعنی سوال۔ دعا بمعنی سوال کی مثل زیر تفسیر آیت ہے ادعوا ربکم فصرعوا و خفوا ”تم اپنے رب سے گڑا کر اور چپکے چپکے سوال کرو“ اور دعا بمعنی عبادت کی مثل یہ آیت ہے:

إِنَّ الدِّينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا
دُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ (الحج: ۱۷)

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ سب
تل کر ایک کھمی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔

ما یحییٰ دعاء کے دلائل

بعض لوگوں نے دعا کرنے سے منع کیا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ جس چیز کے حصول کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے، یا تو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کو عطا کرنے کا ارادہ کیا ہو گا یا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کے دینے کا ارادہ کیا ہے تو پھر بندہ دعا کرے یا نہ کرے وہ چیز اس کو مل جائے گی، اور اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ بندہ کو وہ چیز نہیں دے گا تو بندہ پھر لاکھ دعا کرے اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو پھر دعا کرنا بے فائدہ ہے۔
- ۲۔ جس مطلوب کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے یا تو وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہو گا یا نہیں۔ اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہے تو اللہ تعالیٰ از خود وہ عطا فرمادے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فیاض اور جواد ہے اور اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ وہ مطلوب نہیں دے گا۔ لہذا دعا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
- ۳۔ بندہ کا دعا کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تقدیر پر راضی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ تقدیر پر راضی ہوتا تو جو کچھ اللہ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے وہ اس پر مطمئن اور شاکر رہتا اور اپنے حالات کو بدلنے کے لیے دعا نہ کرتا۔ اور تقدیر پر راضی نہ ہونا شرعاً مذموم ہے۔

۴۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے میرا ذکر اور مجھ سے دعا نہ کر سکا میں اس کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا جو میں نے دعا کرنے والوں کو عطا فرمائی ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۳۵، اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ فتح الباری ج ۲ ص ۲۵، سنن الدارمی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۵۶، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔

۵۔ امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمود کی جلانی ہوئی آگ میں ڈالا جانے لگا تو حضرت جبریل نے آکر عرض کیا: آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: پھر اپنے رب سے سوال کیجئے انہوں نے فرمایا: اس کو میرے حال کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

ما یحییٰ دعاء کے دلائل کے جوابات

ما یحییٰ دعائے ترک دعا پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اللہ کی عبادت بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے ازل میں اس کے جنتی ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی تقدیر میں اس بندہ کا جنتی ہونا ہے تو پھر وہ عبادت کرے یا نہ کرے وہ جنت میں جائے گا، اور اگر اللہ نے اس کے دوزخی ہونے کا ارادہ کیا ہے اور یہی اس کی تقدیر ہے تو پھر وہ لاکھ عبادت کرے وہ بہر حال دوزخ میں جائے گا۔ نیز پھر اس کو کھانا پینا بھی ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے اس کو سیر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ کھائے پئے بغیر بھی سیر ہو جائے گا ورنہ وہ جتنا بھی کھائے کبھی سیر نہیں ہو گا۔ اور اس کو علاج بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو بیمار رکھنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ کسی دوا سے صحت یاب نہیں ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی صحت کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ بغیر دوا کے بھی صحت یاب ہو جائے گا۔ علیٰ هذا القیاس اس کو حصول رزق کے لیے بھی

کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اور نہ کسی منصب اور اقتدار کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ نہ حصول علم کے لیے کوئی سعی کرنی چاہیے اور ان سب کا حل یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے علم اس کے ارادہ اور تقدیر کا کوئی علم نہیں ہے اور جس طرح تقدیر میں ہمارا نفع ہماری عبادت ہمارا سیر ہوتا ہماری صحت ہمارا رزق اور ہمارا علم لکھا ہوا ہے اسی طرح اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ نفع ہمیں دعا سے حاصل ہو گا اور یہ عبادت ہمیں کوشش سے حاصل ہوگی۔ میر ہوتا ہمارے کھانے سے حاصل ہو گا اور صحت دعا سے حاصل ہوگی۔ علیٰ هذا القیاس۔ تقدیر میں جس طرح یہ امور ہیں اسی طرح ان کے اسباب بھی تقدیر میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر میں اسباب اور میقات کا سلسلہ مربوط ہے۔

ماہین نے سنن ترمذی کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں علیہ بن سعد بن جندبہ عوفی ہے۔ امام احمد نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اس نے کلبی کی کثیت ابو سعید رکعی اور کلبی کی روایت کو ابو سعید کے عنوان سے بیان کرنا تھا۔ ابو زرہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا۔ امام ابن حبان نے اس کا ضعف میں ذکر کیا۔ امام ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا۔ اس میں تشیع تھایہ حضرت علیؓ پر جھڑ کو تمام صحابہ پر مقدم کرنا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۸۵-۸۶، رقم ۴۷۸۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ، تہذیب الکمل رقم ۳۹۵۶، میزان الاعتدال رقم ۵۶۷۷)

دوسری حدیث جس کو امام بخاری نے حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے اس کو بعض مفسرین کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا۔ امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن عساکر اور حافظ سیوطی نے اس واقعہ کو متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان تمام روایات میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ جب حضرت جریرؓ نے کہا: آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیمؓ نے فرمایا تم سے کوئی حاجت نہیں ہے اور یہ الفاظ نہیں ہیں: "اس کو میرے حل کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے" اور اس کے معارض یہ روایت ہے جس کو امام ابن جریرؓ نے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؓ کو جب آگ میں ڈالا جائے گا تو انہوں نے سرفٹھا کر کہا: "اے اللہ تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں اور زمین میں میرے سوا تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کار ساز ہے۔"

(جامع البیان، ج ۷، ص ۵۵-۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابراہیمؓ نے اللہ تعالیٰ کی اس موقع پر شاک اور کریم کی شادعا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت ابی بن کعبؓ پر موقوف ہے اور یہ کعب احبار کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ غالباً اسرائیلیات میں سے ہے اور یہ حدیث مغل ہے کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اور بہ کثرت احادیث میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب اور تلقین کی گئی ہے اور یہ حدیث ان کے مخالف ہے کیونکہ اس میں ترک دعا کی تصریح ہے۔ اور ہمارے لیے حجت قرآن اور حدیث ہے نہ کہ یہ بے اصل اور مغل روایت۔

دعا قبول نہ ہونے کے فوائد

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بہت دفعہ بار بار دعا کہنے کے باوجود دعا قبول نہیں ہوتی پھر دعا کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا محتاج ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا اور کار ساز مانتا ہے تو اس کی دعا قبول ہو یا نہ ہو اس دعا کا یہ فائدہ کم تو نہیں ہے کہ اسے اللہ کی معرفت ہوتی ہے دعا قبول نہ ہونے کے باوجود جب وہ بار بار اللہ ہی کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کے اس ایمان اور یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک سوال اور گدائے کے لیے اللہ کے

دور کے سوالور کوئی دروازہ نہیں ہے۔ وہ رو کرے یا قبول 'وہ اس کے سوالور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا' کسی سے سوال نہیں کرتا کسی کے آگے نہیں گڑگڑاتا اور یہ دعا کلمت جو قاعدہ ہے جس سے بندہ کے توحید پر ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر انسان بار بار دعا کرتا رہے اور اس کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس سے کوئی مصیبت مل دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سوال اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض اوقات انسان کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان ایسی دعا کرے جس میں گناہ نہ ہو اور نہ قطع رحم ہو تو اللہ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا جلد قبول فرمالتا ہے یا اس دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور فرما دیتا ہے۔ صحابہ نے کہا پھر تو ہم بہت دعا کریں گے 'آپ نے فرمایا اللہ بہت دینے والا ہے۔

(اس حدیث کی سند حسن ہے 'مسند احمد ج ۱۰' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۱۶ھ 'رقم الحدیث ۱۱۰۷۵' المستدرک ج ۱ ص ۳۹۳) ہمیں چونکہ مستقبل اور عاقبت امور کا پتا نہیں ہوتا اس لیے ہم بعض اوقات کسی ایسی چیز کی دعا کرتے ہیں جو انجام کار ہمارے لیے مضر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہ کرے ہمیں اس نقصان سے بچالیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ
عَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ ۲۱۶)

حق میں یہی ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

میں نے البقرہ ۱۸۶ کی تفسیر میں دعا پر کافی مفصل گفتگو کی ہے اور ان عنوانات پر تقریر کی ہے 'اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث 'فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء 'طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان' دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب اور دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات۔ اس آیت کی تفسیر میں 'میں دعا کی فضیلت میں چند احادیث بیان کروں گا اور چپکے چپکے دعا کرنے کے فوائد اور نکات بیان کروں گا۔ ہمارے زمانہ میں بعض لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے شدید مخالف ہیں۔ ہر چند کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کے متعلق چند احادیث بیان کر چکا ہوں لیکن بعض محسن کی فرمائش پر میں یہاں مزید قبیح کر کے احادیث اور آثار کو بیان کروں گا۔ فاقول وبالله التوفیق وہ الاستعانة بلسان۔

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو 'اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو یا سو اس کے جس کو میں ہدایت دوں 'سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو یا سو اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں 'سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو' میں تم کو کھانا کھلاؤں

گ۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جس کو میں لباس پہنوں سو تم مجھ سے لباس مانگو میں تم کو لباس پہنوں گ۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گنہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشا ہوں سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گ۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اہل ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

(صحیح مسلم، البرد اصل: ۵۵، (۲۵۷۷) ۷۳۵۰ سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۵۷، کتاب الاماء والصفات للیستی، ص ۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جائے ان میں سے پسندیدہ سوال عافیت کا ہے۔ جو صحیحیں نازل ہو چکی ہیں اور جو نازل نہیں ہوئیں ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ سوائے اللہ کے بندو! دعا کرنے کو لازم کرلو۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۳۸، المستدرک ج ۱، ص ۳۹۸)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تقدیر کو صرف دعا مسترد کر سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گنہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۸۷۲، المستدرک ج ۱، ص ۳۳۳، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ کس چیز کی وجہ سے تم کو اپنے دشمنوں سے نجات ملے گی اور کس چیز کے سبب سے تمہارے رزق میں زیادتی ہوگی! تم اپنے دن اور رات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(مسند ابویوسف ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۱۲، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ کا اپنے رب عزوجل سے سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے سو تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم، صلوٰۃ: ۲۱۵، (۳۸۲) ۱۰۶۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۳) عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ام اللہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ حج کو جا رہے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا ہمارے لیے خیر کی دعا کریں کیونکہ نبی ﷺ فرماتے تھے جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے حق میں اس کی پس پشت دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے سرانے ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جب

بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کتاب ہے آمین اور تمہارے لیے بھی اس کی مثل ہو۔
آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات

آہستگی اور چپکے چپکے دعا کرنے کے نکات اور فوائد حسب ذیل ہیں:

۱- چپکے چپکے دعا کرنے میں زیادہ ایمان ہے کیونکہ جو شخص چپکے چپکے دعا کرتا ہے اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ دعائیں بھی سن لیتا ہے۔

۲- اس میں زیادہ ادب اور تعظیم ہے کیونکہ بڑوں کے سامنے آہستہ آہستہ بات کی جاتی ہے۔

۳- گڑبڑا کر دعا کرنا آہستگی کے ساتھ دعا کرنے کے زیادہ مناسب ہے۔

۴- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے میں زیادہ اخلاص ہے۔ کیونکہ بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے میں ریاکاری کا خدشہ ہے۔

۵- جو شخص دور ہو اس سے بلند آواز کے ساتھ بات کی جاتی ہے اور جو قریب ہو اس کے ساتھ آہستہ بات کی جاتی ہے تو جو شخص آہستگی کے ساتھ دعا کرتا ہے وہ گویا اپنے رب کو بہت قریب سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ سرگوشی میں دعا کر رہا ہے۔

۶- جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے سے بسا اوقات انسان تھک جاتا ہے یا اکتا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جتنی دیر دعا کرتا رہے اس کی طبیعت میں ملال نہیں ہوتا۔

۷- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے انسان کے خیالات منتشر اور پریشان نہیں ہوتے اور وہ دل جمعی اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

۸- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ اگر بلند آواز کے ساتھ دعا کرتے ہوئے کسی مخالف یا بد طبیعت انسان یا جن نے اس کی دعا سن لی تو وہ اس کو فتنہ میں جلا کر دے گا۔

۹- دعائیں انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اس کو اپنے دل کا مل سنا رہا ہے اور جس طرح راز و نیاز خفیہ ہوتے ہیں اسی طرح دعا بھی خفیہ طریقہ سے مناسب ہے۔

۱۰- حضرت زکریا علیہ السلام نے آہستگی کے ساتھ خفیہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی:

رَاٰنَا ذٰلِیْ رَہْمَہٗ یٰذٰلِکَ اَیُّہَا یٰعِیْسٰی (مریم: ۳)

جب انہوں نے اپنے رب کو آہستگی کے ساتھ پکارا۔

۱۱- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نئی چٹھڑی کے ساتھ جا رہے تھے لوگ با آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے تو نئی چٹھڑی نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کو تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سبوح اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (الحديث)

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۰۰۹، صحیح مسلم، الدعوات: ۲۳ (۲۷۰۳-۲۷۰۴)، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۵۳۶، سنن الترمذی، رقم

الحديث: ۳۳۷۴)

۱۲- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۸۰۹، کتاب التوحید، کتاب التوحید، ج ۱، رقم الحديث: ۷۷، مستحب ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۷۵، مسند احمد

ج ۱، ص ۱۷۸، مسند ابوسلمی، رقم الحديث: ۷۳، کتاب الدعاء، کتاب الدعاء، ج ۱، رقم الحديث: ۷۳، شعب الایمان للسیوطی، ج ۱، ص ۳۳۰)

۱۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آہستگی کے ساتھ دعا کرنا ستر یا آواز بلند دعاؤں کے

برابر ہے۔

(کتاب الفردوس ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۶۹، الجامع الكبير ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۵۹، الجامع الصغير ج ۱، رقم الحديث: ۳۲۰۶، کنز العمال ج ۲، رقم الحديث: ۳۱۶۱)

امام محمد بن فضال الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں ارباب طریقت کا اختلاف ہے کہ آیا عبادات میں اختفاء افضل ہے یا اظہار بعض کے نزدیک اختفاء افضل ہے تاکہ اعمال ریاسے محفوظ رہیں اور بعض کے نزدیک اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی عبادات میں اقتداء کرنے کی ترغیب ہو۔ شیخ محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی نے کہا اگر کسی شخص کو اپنے اوپر ریاکاری کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اختفاء افضل ہے اور اگر وہ شائبہ ریاسے مامون ہو تو اس کے حق میں اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کی تقلید کا فائدہ حاصل ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جیر بن مطعم، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، قاضی شریح، مسوق، قتادہ، عطاء، طاؤس اور مجاہد وغیرہم کے نزدیک دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ استسقاء کے سوا کسی دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے آپ اس دعا میں ہاتھ اس قدر اوپر اٹھاتے کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۳۱۱) ایک قول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو اس وقت دعا میں ہاتھ اٹھانا حسن اور عمدہ ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے استسقاء میں اور جنگ بدر کے دن دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ فرماتے ہیں: دعا جس طرح سے بھی کی جائے، وہ مستحسن ہے۔ کیونکہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو وہ اپنے فقر اور اپنی حاجت کو اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی اور تذلل کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کرے اور یہ مستحسن طریقہ ہے اور اگر چاہے تو اس کے بغیر دعا کرے اور نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے اور اس آیت میں ہاتھ اٹھانے اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کی قید نہیں لگائی اور ان لوگوں کی صحت کی ہے جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں خواہ کھڑے ہوں، خواہ بیٹھے ہوں۔ (آل عمران: ۱۹۱) اور نبی ﷺ نے جمعہ کے خطبہ میں دعا کی اور آنحضور ﷺ آپ کا قبلہ کی طرف منہ نہیں تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بہ کثرت احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ دعا کے وقت دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے اور یہ مستحسن طریقہ ہے جیسا کہ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی نے فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے استسقاء کے علاوہ دعا میں دونوں ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے، اس کے علماء نے متعدد جوابات دیے ہیں۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم مالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ جس قدر مبلغ کے ساتھ استسقاء میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اس قدر مبلغ کے ساتھ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور نہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اور دیگر مواقع پر دعا میں ہاتھ بلند فرمائے ہیں۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لیے جنت کا اعتقاد نہ کرے۔ امام مالک کا مختار یہ ہے کہ جب مصیبت دور

کرنے کے لیے دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے جیسا کہ استسقاء کی حدیثوں میں ہے اور جب کسی چیز کی رغبت اور طلب کے لیے دعا کرے تو دونوں ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔

(المعجم ج ۲ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ ابی ہاشم متوفی ۸۴۸ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے ہر دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ استسقاء میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے۔

(اکمال اکمال العظم ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی دعائیں دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور یہ روایت ان احادیث صحیحہ کے معارض ہے جن میں تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ بھی دعاؤں میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ احادیث بہت زیادہ ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتب الدعوات میں مستقل عنوان کے ساتھ ان احادیث کو ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ بلند کرنے کی احادیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر محمول ہے کہ انہوں نے ان مواقع کو نہیں دیکھا اور یا حضرت انس کی روایت اس پر محمول ہے کہ استسقاء کی دعائیں نبی کریم ﷺ بہت زیادہ دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں چہرے کے متوازی کر لیتے اور آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی اور اس کیفیت کے ساتھ آپ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں کرتے تھے۔ اس طرح احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۱۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۳۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی یہی تقریر کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۷ ص ۵۲ طبع مصر)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک سے ایک روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ نے ہر دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے اور بعض علماء نے فقط استسقاء میں جائز کہا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دعائیں سنت یہ ہے کہ مصیبت دور کرنے کے لیے جب دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے (اس میں زبان حل سے کہا ہے کہ اے اللہ! جس چیز کو بدلنا بہ ظاہر ہمارے اختیار میں ہے اس کو ہم نے بدل دیا اور جس کو بدلنا تیرے اختیار میں ہے اس کو تو بدل دے) یعنی ہمارے حالات کو مصیبت سے راحت میں بدل دے اور دعا کرنے والا صرف ہاتھوں کو نہ بدلے بلکہ اپنے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے) اور جب کسی چیز کے حصول کی دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔ حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ان کی پشت سے سوال نہ کرو۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر چاہے تو دعائیں دونوں ہاتھ اٹھائے اور اگر چاہے تو انگلی سے اشارہ کرے محیط میں ہے انگلی سے اشارہ کرے۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۲۳۹ ۲۳۸ مطبوعہ ادارہ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۳۳ھ لکھتے ہیں:

دعا کے آداب سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف بلند کرے گویا کہ فیض لینے اور نزول برکت کے حصول کا

نظر ہو تاکہ ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرے جیسے اس نے اس حرکت کو قبول کر لیا ہے۔

(ارشاد الساری الی مساک ملا علی قاری ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مصیبت دور کرنے کے لیے دعائیں سنت یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف رکھے اور جب اللہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھے۔

(تفہیم المعبر مع شرح المذنب ج ۵ ص ۱۰۴)

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد ذکر کرے اس کے بعد اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے وہ دعا کرے جو نبی کریم سے منقول ہو۔ حضرت ابو امامہ جریجہ بیان کرتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا آدمی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۰) اور حضرت معاذ بن جبل جریجہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو اللہم اعسیٰ ذکرک و شکرک و حس عبادتک (عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۵۸) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۲) جب یہ دعائیں کرے تو اپنے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب رکھے۔

(مرآۃ المفاتیح علی ہامش المصنف ص ۱۸۹ مطبوعہ مطبعہ معینی الباباں داؤد مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل اللطفاوی الحنفی المتوفی ۳۳۱ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

حصن حصین اور اس کی شرح میں مذکور ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کندھوں تک آسمان کی جانب بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دعا کے وقت تم اپنے دونوں ہاتھ کندھوں یا اس سے ذرا نیچے تک بلند کرو اور وہ جو حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ اس قدر بلند کرے کہ بظلوں کی سفیدی دکھائی دے سو وہ بیان جواز پر محمول ہے یا استسقاء پر۔ یا کسی اور سخت مصیبت کے موقع پر جب دعائیں مبالغہ مقصود ہو اور انہیں مذکور ہے کہ دعا کی مستحب کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ کشمکش ہو اور اگر کسی وجہ سے دونوں ہاتھ بلند نہ کر سکے تو انگوٹھے کے برابر والی انگلی (سبابہ) سے اشارہ کرے اور شرح حصن حصین میں مذکور ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ملائے اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھے اور شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن دونوں ہاتھ ملا کر دعا کی۔

(حاشیہ لطفاوی علی مرآۃ المفاتیح ص ۱۹۰-۱۸۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۷۰۴ھ نے بھی لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرے اور دونوں ہتھیلیاں چہرے کی

جانب کرے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۶۸ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لندن ۱۳۹۰ھ)

محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ دعا کی چار قسمیں ہیں: دعا غیبت، دعا رحبت (مصیبت کے وقت کی دعا) دعا تضرع (گڑگڑا کر دعا کرنا) اور دعا خفیہ۔ دعا غیبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی جانب کرے اور دعا رحبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کے بالمتقابل کرے جیسے کسی مصیبت میں فریاد کر رہا ہو اور دعا تضرع میں چمٹکی اور اس کے ساتھ والی انگلی (خنصر اور بنصر) کو موڑے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ اور دعا خفیہ کو انسان اپنے دس میں کرے۔ اسی طرح مجموع الفتاویٰ میں مختصر حاکم شہید کی شرح سرخسی کے حوالے سے مذکور ہے۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۲۱۸ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

شخص الانمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۳۸۳ھ کو مصدر عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

اسی بناء پر امام ابو یوسف نے مالی میں لکھوایا ہے کہ صفا مودہ عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ ان مواقع میں رغبت کے ساتھ دعا کرتا ہے اور مختار یہ ہے کہ دعاء قنوت میں امام اور مقتدی دونوں آہستہ دعا کریں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جو خفیہ ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں۔ وہ اس طریقہ کو خارج نماز دعا پر قیاس کرتے ہیں۔

(المبسوط ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

مبسوط کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز میں امام کو سرادعا کرنا چاہیے اور خارج نماز میں امام کو جرادعا کرنی چاہیے تاکہ مقتدی اس کی دعا پر مطلع ہو کر آمین کہیں۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ اس کو حضرت ابو حمید سلمیٰ اور حضرت انس وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ کہ وہ کندھوں کے بالمثل دونوں ہاتھوں کو بلند کرے۔ نیز آداب دعا سے یہ ہے کہ وہ ہاتھوں کو ملائے اور انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ (شرح صحن حسین مطبوعہ مکہ المکرمہ ۱۳۰۴ھ)

قاضی محمد بن علی بن محمد شاکل متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کندھوں تک بلند کرے۔ نبی ﷺ نے تقریباً تین مقامات پر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ہے اور دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے جیسا کہ سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۵۹-۵۸ دار الفکر بیروت)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بنو ہذیلہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ اچھی طرح سے یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے۔ وہ کہنے لگے صبا صبا صبا (ہم نے دین بدل لیا) حضرت خالد نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کو انہوں نے ایک قیدی دیا حتیٰ کہ جس صبح کو حضرت خالد نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کماخذہ کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا ذکر کیا تب نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر (دوسری روایت میں ہے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر) کتاب اللہ عوات باب رفع الایدی فی اللہ (اللہ عا) دوبار یہ دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف بری ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۳۳۹ سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۳۴۰)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسائیوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! موسیٰ ہلاک ہو گئے، نوح اور لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کر رہے تھے ابھی ہم مسجد سے نکلے نہیں تھے کہ بادش شروع ہو گئی۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۰۲۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۱۶۸ ۱۱۷۳)

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بتلوں کی سفیدی دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰، صحیح مسلم للاستیفاء: ۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۸)

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو عامر کو ایک لشکر کا امیر بنا کر لوہاس کی طرف بھیجا ان کا مقابلہ درید بن الصمد سے ہوا۔ پس درید قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اس کے لشکر کو شکست دی۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے ابو عامر کے ساتھ بھیجا تھا۔ حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں آکر ایک تیر لگا اور وہ تیر ان کے گھٹنے میں بیست ہو گیا۔ میں ان کے پاس پہنچا اور کہا اے چچا آپ کو کس نے تیر مارا؟ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے جس نے مجھ کو تیر مارا ہے۔ میں نے اس کا قصد کیا اور اس کو جالیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ بیٹھ سوڑ کر بھاگ۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں یہ کہہ رہا تھا تجھے شرم نہیں آتی تو رکنا کیوں نہیں۔ وہ رک گیا اور ہم نے ایک دوسرے پر تلواریں سے حملے کیے۔ میں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نے حضرت ابو عامر سے کہا اللہ نے آپ کے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تیر نکلو۔ میں نے تیر نکلا تو گھٹنے سے پانی بننے لگا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے نبی ﷺ کو میرا سلام کہتا اور عرض کرتا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اور حضرت ابو عامر نے مجھے اپنا قائم مقام لشکر کا سالار مقرر کیا۔ وہ تھوڑی دیر زندہ رہے پھر فوت ہو گئے۔ جب میں لوٹا تو نبی ﷺ کے گھر میں حاضر ہوا آپ ایک چارپائی پر بغیر بستر کے لیٹے تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پلو پر چارپائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے۔ میں نے آپ سے اپنا اور حضرت ابو عامر کا ماجرا عرض کیا اور یہ بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے کہنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے پانی منگوایا وضو کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ میں نے نبی ﷺ کی بتلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے کہا اے اللہ اقامت کے دن اس کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرما۔ میں نے عرض کیا اور میرے لیے بھی مغفرت کی دعا کیجئے آپ نے کہا اے اللہ اے عبد اللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کو قیامت کے دن عزت کی جگہ میں داخل کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۳، صحیح مسلم، فتاویٰ صحابہ: ۱۶۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵، رقم الحدیث: ۸۷۸۱)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح سویرے خیر پینچے اس وقت وہ لوگ اپنے کدال اور پھلوں سے لے کر نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ محمد ﷺ لشکر سمیت آپہنچے اور انہوں نے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا خیر بتاؤ گیابے شک ہم جس قوم کے محن میں نازل ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوتی ہے جن کو ذرا پایا جا چکا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۴۷، مسند احمد ج ۳، ص ۱۶۳-۱۱۱)

۶۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجرہ اوٹی پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر نرم جگہ کا قصد کرتے پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے۔ پھر اسی طرح حجرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارتے پھر بائیں جانب نرم جگہ کا قصد کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر حجرہ عقبہ کی رمی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۲)

۷۔ زہری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس جمہور کی رمی کرتے جو مسجد منیٰ کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے

اور ہر مرتبہ رسی کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر اپنے آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ٹھہر جاتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے اور طویل قیام کرتے۔ پھر دوسرے جہرہ پر آتے اور وہیں سات کنکریاں مارتے اور ہر رسی کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر بائیں جانب ولوی کے قریب چلے جاتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر جہرہ عقبہ کے پاس تشریف لاتے اور وہیں سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر لوٹ آتے اور وہیں قیام نہ کرتے۔ ذہری نے کہا میں نے سالم بن عبد اللہ سے سنا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی مثل حدیث بیان کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر بھی اسی طرح کہتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۳، سنن انسائی رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن داری رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

۸۔ وجہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے میں بعض بشرہوں تو میرا سواخذہ نہ فرمائیں جس سو من کو بھی سنت دون یا برا کھوں تو تو اس پر میرا سواخذہ نہ فرما۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۵، یہ حدیث صحیح ہے)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دوس 'نافرمانی' کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں ان کے خلاف دعائے ضرر کیجئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے خلاف دعاء ضرر کریں گے۔ آپ نے کہا: "اے اللہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔"

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۷، ص ۶۶، مسند حیدری ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

۱۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو نے نبی ﷺ سے کہا آپ کا ایک مضبوط قلعہ کے مطلق کیا خیال ہے جو دوس کا قلعہ ہے۔ آپ نے اس کا انکار فرمایا کیونکہ یہ معلوت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقرر کر دی تھی۔ پھر حضرت طفیل نے ہجرت کی۔ اور ان کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی۔ وہ شخص بیمار پڑ گیا اس شخص نے بے صبری کی اور چھری سے اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں اور وہ مر گیا۔ حضرت طفیل نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہانی ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا۔ انہوں نے کہا تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے یہ بتایا گیا کہ ہم اس کو ہرگز ٹھیک نہیں کریں گے جس کو تم نے خود خراب کیا ہے۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے عرض کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی معاف کر دے۔ (الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

۱۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں یہ اس رات کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے۔ آپ نے کروٹ لے کر چادر اوڑھی اور جوتے نکل کر اپنے قدموں کے سامنے رکھے اور چادر کی ایک طرف اپنے بستر پر بچھا کر لیٹ گئے، تھوڑی دیر میں نیند کے خیال سے لیٹے رہے۔ پھر آہستہ سے چادر اوڑھی، جو تاپہتا، چپکے سے دروازہ کھولا، آرام سے باہر نکلے اور

آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے بھی چادر سر پر لوڑھی ایک چادر اپنے گرد لپیٹی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آپ قح (قبرستان) پہنچے اور بہت طویل قیام کیا اور تین بار (دعا کے لیے) ہاتھ بلند کیے اور لوٹ آئے۔

(صحیح مسلم ابواب التَّوْبَةِ ۱۰۳۰ (۹۷۳) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۶، ص ۲۲۱)

۱۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیا دار کریم ہے جب کوئی شخص اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو ہمارا لوٹنے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۵، المستدرک ج ۱، ص ۵۳۵، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳۸، کتاب الدعاء، للطبرانی ص ۸۳، رقم الحدیث: ۴۰۴)

۱۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے تو جب تک ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے نہیں تھے ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

۱۵۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بندہ دونوں ہاتھ اللہ کی طرف بلند کرتا ہے تو اللہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خلل نہ دے اور اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۵، المعجم الکبیر ج ۶، ص ۳۳، کتاب الدعاء، للطبرانی ص ۸۳)

۱۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور ہاتھوں کی پشت دونوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۷)

۱۷۔ سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴۳)

۱۸۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس شد کی کھیموں کی جھنجھٹ کی سی آواز سنائی دیتی ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر ٹھہرے رہے اور جب وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ دے اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں عزت دے اور ہمیں ذلت سے بچا اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر اور ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی رہ۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۹، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۳، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، المستدرک ج ۱، ص ۵۳۵)

۱۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ستر قاریوں کی شہادت کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کے ٹاکوں کے خلاف دیکھتا رہتے تھے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۹)

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دو آدمیوں کے خلاف دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، رقم الحدیث: ۹۷۴۳)

۲۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اخلاص اس طرح ہے، آپ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور یہ دعا ہے آپ نے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کیے اور یہ اہتلا ہے پھر آپ نے اور زیادہ

ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الامام للبرقی رقم الحدیث: ۳۰۸)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی تو آپ نے چادر پھینک دی اور بغیر (نوپر کی) چادر کے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ خوب بلند کر کے دعا کی۔ اس حدیث کو امام داؤد طحاوی نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادة المحمدية بزوائد المسانيد العشرة ج ۹ ص ۱۳ رقم الحدیث: ۶۹۳۳)

۲۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں کھڑے ہوئے اس طرح دعا کر رہے تھے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک بلند کیے اور پتیلیوں کو زمین کی جانب کیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۱)

۲۴۔ حضرت غلام بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کسی چیز کا سوال کرتے تو اپنی پتیلیوں کو اپنی جانب رکھتے اور جب کسی چیز سے پناہ طلب کرتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو اپنی جانب رکھتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۶ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸ تلخیص الجیر مع شرح المذہب ج ۵ ص ۱۰۲)

۲۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ کے دونوں ہاتھ سید کی جانب تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔

(المعجم الاوسط ج ۳ رقم الحدیث: ۲۹۱۳ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ دعا کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ میں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اکتا جاتی تھی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۵ اس کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۷۔ حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دعائیں دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں بظلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

(مسند ابو حلی ج ۱۳ رقم الحدیث: ۳۳۳۰ المطالب العالیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

(مسند ابیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۱۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۷۱ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان عرفات میں گڑگڑا کر دعا کر رہے تھے آپ کے اصحاب نے کہا یہ اجمل (اللہ سے مجزوا کھارے دعا کرتا) ہے۔

(مسند ابیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۱۳۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۳۰۔ حضرت حذیفہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جماعت کے ساتھ آئے حتیٰ کہ آپ نے المرطاء کے نزدیک قرن پر قیام کیا۔ اس وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کر رہے تھے۔

(المعجم الاوسط ج ۹ رقم الحدیث: ۸۹۱۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا رب حیا کرنے والا کریم ہے۔ جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو اس کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور ان میں کوئی

خیر نہ ہو۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ بلند کرے تو وہ تین بار یہ کہے یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ارحم الراحمین پھر اپنے چہرے پر خیر کو انڈیل دے۔ (یعنی چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ اس کی سند ضعیف ہے)

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۵۵۷، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۲۔ حضرت سلمان جوہرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی طرف اٹھا کر کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ (کے ذمہ کرم) پر یہ حق ہے کہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انہوں نے سوال کیا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۳۔ حضرت خالد بن الولید جوہرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنگ دستی کی شکایت کی آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور اللہ تعالیٰ سے فراخی کا سوال کرو۔ امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک سند حسن ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۳۲، ۳۸۳۳، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۴۔ حضرت خالد بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو چہرے تک بلند کرتے۔ اس کی سند میں شخص بن ہاشم مجہول ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۸۵، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۵۔ حضرت جریر جوہرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدانِ عرفات میں دیکھا آپ نے اپنی چادر بغل سے لٹکائی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے جو سر سے متجاوز نہیں تھے اور آپ کے بازو کٹپ رہے تھے۔ اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ العزری ضعیف راوی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۶، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۶۔ حضرت ابو بکرہ جوہرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۹، ۳۲۳۰)

(۳۲۲۷)

۳۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیت اللہ کو دیکھو جب صفا اور مروہ پر ہو اور جب میدانِ عرفات میں ہو اور جب مزدلفہ میں ہو اور جب شیطان پر کنکریاں مارو اور جب نماز قائم کرو تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۰۹، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۸۔ حضرت عمر بن الخطاب جوہرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے۔ ہم ایک جگہ ٹھہرے۔ اس دن ہمیں اتنی سخت پیاس لگ رہی تھی کہ لگتا تھا کہ ہماری گردنیں ڈھلک جائیں گی، حتیٰ کہ ایک شخص پانی کی تلاش میں جاتا اور اس محل میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی ہوتی، اور حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرتا اور اس کی اوجھڑی کو نیچو ڈکھڑکاتا اور پانی کو اپنے کلیجہ پر رکھتا۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کی دعا قبول کرتا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ابھی وہ ہاتھ نیچے کیے تھے کہ بادل اُمنڈ آئے اور بارش شروع ہو گئی پھر ٹھہر گئی اور صحابہ نے اپنے پر تن پانی سے بھر لیے۔

(المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۱۹)

۳۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ مسجد میں کچھ لوگ ہاتھ بلند کر کے اللہ عزوجل سے دعا کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیا ہے؟ میں نے پوچھا آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نور۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی وہ نور دکھائے۔ حضرت انس نے کہا: آپ نے دعا کی اور میں نے وہ نور دیکھ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے انس جلدی چلو تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں پھر میں نبی ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی چلا پھر ہم نے بھی اپنے ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعاء للبرانی، ص ۸۵، رقم الحديث ۲۰۶، تاریخ الخلفاء، ج ۳، ص ۳۰۴)

۴۰۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ابن آدم جو بات بھی کرتا ہے وہ لکھ لی جاتی ہے۔ جب وہ کوئی خطا کرے اور اس پر توبہ کرنا چاہے تو اسے بلند ہونے والا نور ملتا ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرے اور یہ کہے کہ میں اس خطا سے توبہ کرتا ہوں اور میں دوبارہ یہ کبھی نہیں کروں گا تو اس کی وہ خطا بخش دی جائے گی جب تک کہ وہ اس خطا کو دوبارہ نہ کرے۔ (کتاب الدعاء للبرانی، ص ۸۵، رقم الحديث ۲۰۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر

دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق مذکور احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میری نظر میں ہیں لیکن میں اس باب میں صرف چالیس احادیث جمع کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ امت مسلمہ تک چالیس احادیث پہنچانے کے سلسلہ میں متعدد بشارات ہیں ہر چند کہ ان احادیث کی اسلا ضعیف ہیں۔ اسی طرح دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا مانگنے کے باب میں جو ہم نے احادیث پیش کی ہیں ان میں بھی بعض احادیث کی اسلا ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث معتبر ہوتی ہیں اس لیے ہم نے ان احادیث کو بھی شامل کر لیا ہے۔ پہلے ہم چالیس حدیثوں کی حفاظت کے متعلق احادیث پیش کریں گے۔ پھر احادیث ضعیف کے معتبر ہونے کے متعلق دلائل پیش کریں گے۔

چالیس حدیثوں کی تبلیغ کرنے والے کے متعلق نوید اور بشارت

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اللامصبانی المتوفی ۳۰۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ایسی چالیس حدیثیں پہنچائیں جس سے اللہ عزوجل نے ان کو نفع دیا تو اس سے کہا جائے گا جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(عیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۸۹، اصل المتناہیہ، ج ۱، ص ۱۱۲)

امام حافظ ابو عمرو یوسف ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے جس امتی نے چالیس حدیثوں کو روایت کیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس محل میں ملاقات کرے گا کہ وہ فقیہ عالم ہو گا۔ امام عبد البر نے کہا اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ (کتاب العلم، ج ۱، ص ۳۳، اصل المتناہیہ، ج ۱، ص ۱۸۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کے لیے سنت سے متعلق چالیس حدیثوں کو محفوظ کیا حتیٰ کہ وہ حدیثیں ان تک پہنچادیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ امام ابن عبد البر نے کہا اس حدیث کی سند اس باب کی حدیثوں میں سب سے بہتر ہے لیکن یہ غیر محفوظ ہے اور امام مالک کی روایات میں غیر معروف ہے۔ (کتاب العلم، ج ۱، ص ۳۳، اصل المتناہیہ، ج ۱، ص ۱۸۹)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس حل میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہو گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۴۵۵، تنزیہ تاریخ دمشق ج ۲، ص ۳۹۳، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۵۸، المطالب العالیہ، رقم الحدیث: ۳۰۷۶، کنز العمال ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، علی متقی نے یہ احادیث ابن عدی کی کمال، امام ابن عساکر، امام عبد الرزاق، امام بیہقی کی شعب الایمان، امام ابن النجار، امام ابو نعیم کی حلیہ اور امام دہلی کے حواہیوں سے ذکر کی ہیں)

امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی البحر جلی المتوفی ۳۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

(الکامل فی شعب الرجال ج ۱، ص ۳۲۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۸۶۳۶، اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۱۶)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(الکامل فی شعب الرجال ج ۳، ص ۸۹۰)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو چالیس ایسی حدیثیں پہنچائیں جو ان کے دین میں نفع دیں وہ شخص قیامت کے دن علماء میں سے اٹھایا جائے گا۔

(الکامل فی شعب الرجال ج ۵، ص ۱۷۹، ج ۶، ص ۲۲۷، ج ۷، ص ۲۵۲، اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۸۸، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۳۱۰، شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۲۵، تنزیہ تاریخ دمشق ج ۲، ص ۳۹۳، مختصر تاریخ دمشق ج ۳، ص ۲۴۸)
چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر بشارت کی احادیث کی فنی حیثیت
علامہ عبد الرؤف منلوئی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ اور حافظ ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابو اللہؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو سعیدؓ سے متعدد اسناد کے ساتھ مروی ہیں جن میں سے ہر سند کی صحت پر بحث کی گئی ہے لیکن کثرت طرق اور اسناد سے اس حدیث کی تقویت ہو گئی اور بلوجود ضعف کے سب سے عمدہ سند اس حدیث کی ہے جو حضرت معاذؓ سے مروی ہے۔

(لیس اللہ، ج ۱۱، ص ۵۷۷، مطبوعہ مکتبہ نزار، ص ۱۸، مکرمہ، ۱۳۱۸ھ)
جس حدیث کا علامہ منلوئی نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس حل میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ عالم ہو گا۔

(اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۳، الحدیث الفاضلہ ص ۱۷۳، کتاب العلم ج ۱، ص ۳۴)
علامہ اسماعیل بن عمر الجعفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں نے اس حدیث کو تمام اسناد کے ساتھ ایک رسالہ میں جمع کیا ہے (ارشاد المرہین للی طریق حدیث الاربعین: یہ رسالہ چھپ چکا ہے) اس کی ہر سند میں علت قلاوہ ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ حافظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ اس کی اسناد متعدد ہیں۔ حافظ ابو طاہر سلفی نے اپنی اربعین میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن پر اعتماد اور میلان کیا گیا ہے اور جن کی صحت معلوم ہے۔ حافظ منذری نے اس کی توجیہ میں یہ کہا کہ ان کی یہ عبارت اس قول پر مبنی ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد طرق اور اسناد سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ (کنف الغناء و منزل الالباس ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ مکتبہ المنزالی دمشق)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اربعین نووی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے متعدد اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ ہر چند کہ اس کے طرق متعدد ہیں اس کے بلوجود حافظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور علماء رضی اللہ عنہم نے اس باب میں بے شمار تصنیفات سپرد قلم کی ہیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے عبداللہ بن المبارک نے چالیس خبریوں کا مجموعہ لکھا۔ پھر الحسن بن سفیان التسلکی نے اور ابو بکر الاجرنی نے اور ابو بکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی نے اور محمد بن اسلم الطوسی نے اور امام الدارقطنی نے اور امام حاکم، امام ابوالفہیم اور ابو عبد الرحمن اسلمی نے اور ابوسعید الخدری اور ابو عثمان الصلوبی نے اور عبداللہ بن محمد الانصاری نے اور ابو بکر البیہقی نے اور بے شمار حقاہم اور متاخر علماء نے۔

اور میں نے ان ائمہ اعلام اور حفاظ اسلام کی اقتداء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا کہ میں بھی چالیس حدیثیں جمع کروں۔ اور بے شک علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس کے بلوجود میرا صرف اس حدیث پر اعتماد نہیں ہے بلکہ دیگر احادیث مجھ پر اعتماد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے حاضر غائب کو پہنچا دے اور آپ نے فرمایا اللہ اس کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا، اس کو یاد رکھا اور جس طرح اس کو سنا تھا، اس طرح پہنچا دیا۔

(اربعین نووی ص ۴۰۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ نیز جب کوئی حدیث متعدد اسناد سے مروی ہو تو حسن ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اس حدیث میں مذکور بشارتوں کی امید پر اور ان علماء اسلام کی اتباع کرتے ہوئے تبیان القرآن کی جلد ہفتم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق اور اس جلد رابع میں دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنے کے متعلق چالیس حدیثیں جمع کی ہیں کیونکہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(المنک علی کتاب ابن الصلاح ج ۱ ص ۴۹۵-۴۹۴)

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قواعد اور شرائط

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

محمد شین، فقہاء اور دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب اور ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے جبکہ وہ

موضوع نہ ہو۔ (کنز الاذکار ص ۷ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البیہقی والعلی ولولادہ مصر)

اگر حدیث کی اسناد الگ الگ ضعیف ہوں تو ان کا مجموع قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض بعض کے ساتھ مل کر قوی ہو جاتی ہیں اور وہ حدیث حسن ہوتی ہے اور اس کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے۔

(شرح المذہب، ج ۷، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سبکی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱- وہ حدیث بہت شدید ضعیف نہ ہو۔ پس جس حدیث کی روایت میں کذابین یا متعمد کذاب مغرور ہوں یا جو بہت زیادہ غلطی کرتے ہوں ان کی روایات پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ شرط تحقق علیہ ہے۔

۲- وہ حدیث کسی عام شرعی قاعدہ کے تحت مندرج ہو اور جس حدیث کی کوئی اصل نہ ہو وہ اس قاعدہ سے خارج ہے۔

۳- اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے تاکہ نئی چیز کی طرف وہ بات منسوب نہ ہو جو آپ نے نہیں فرمائی۔ مؤثر الذکر دونوں شرطیں ابن عبد السلام اور ابن دمیثقیہ سے منقول ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ امام احمد سے یہ منقول ہے کہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل کیا جائے جب اس کے سوا دوسری حدیث نہ مل سکے۔ اور اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث نہ ہو اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ لوگوں کی رائے کی بہ نسبت ہمیں حدیث ضعیف زیادہ محبوب ہے اور ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ تمام احناف اس پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رائے اور قیاس پر عمل کرنے سے افضل ہے۔

(القول البدیع، ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ مکتبہ المودع، طائف)

دعائیں حد سے بڑھنے کا ممنوع ہونا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الاعراف: ۵۵)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ دعائیں حد سے بڑھنا ممنوع ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے دعائیں ایسی چیز کا سوال کرے جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہو۔ مثلاً وہ نئی بننے کی دعا کرے یا یہ دعا کرے کہ اس کو آخرت میں انبیاء کا مقام اور ان کا رتبہ ملے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا اے بیٹے اللہ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ طلب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: غریب میری امت میں سے کچھ لوگ وضوء اور دعائیں حد سے بڑھیں گے۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۹۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۸۶۳، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۶۸۰۱)

حرام چیزوں اور گناہ کا سوال کرنا بھی دعائیں حد سے بڑھنا ہے۔ یا جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا ان کی دعا کرے۔ مثلاً یہ دعا کرے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے یا یہ دعا کرے کہ اس سے کھانے پینے کے اور دیگر لوازم بشریہ مرتفع ہو جائیں یا یہ دعا کرے کہ وہ مصومین سے ہو جائے یا عالم الغیب ہو جائے یا اس کے ہاں بغیر بوی کے پچ ہو جائے۔

حد سے زیادہ چلا کر یا زور و شور سے دعا کرنا بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے اور بے پرواہی اور لاپرواہی سے دعا کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا ایسی صفات سے ذکر کرنا جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں وہ بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے۔

محسنین کا معنی

پور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

محسنین کا معنی ہے احسان کرنے والے۔ یعنی نیکی اور اچھے کام کرنے والے۔ احسان سے یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی طرف رجوع کرنا اس پر توکل کرنا اس سے حیا کرنا اس سے ڈرنا اس سے محبت کرنا اور اس کی عبادت اس طرح کرنا گویا کہ وہ اس کے سامنے کمزرا ہے اور اس کے جلال اور ہیبت سے وہ لرزہ بر اندام ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان ہے اور درحقیقت یہ خود اپنے ساتھ احسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہل جزاء الاحسان الا الاحسان (الرحمن: ۴۰) احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے لاله لاله اللہ کہا اور جو کچھ سیدنا محمد ﷺ لے کر آئے اس پر عمل کیا اس کی جزاء صرف جنت ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو مسلمان گناہ گار ہیں اور جو کبیرہ گناہ کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مر گئے ان کے قریب اللہ کی رحمت نہیں ہوگی اور مغفرت اور جنت اللہ کی رحمت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بغیر توبہ کے مرنے والے مرتکب کبیرہ کی مغفرت نہیں ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور اس نے کچھ نیک اعمال بھی کیے وہ محسنین میں داخل ہے خواہ اس نے گناہ کبیرہ بھی کیے ہوں کیونکہ محسنین کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس نے ساری عمر نیک کام کیے ہوئے ہوں اور کسی نیکی کو نہ چھوڑا ہو اور کسی برائی کو نہ کیا ہو جس طرح عالم کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہو اور کسی چیز سے جا مل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّا اللَّهُ لَا يَمُوتُ ۚ إِنَّ يُشْرِكُ بِهِ وَيَخْفِضُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۳۸)

ہے اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشنے گا اور جو اس سے کم گناہ ہو وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ پس مسلمان مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ چاہے گا تو اس کو ابتداء اپنے فضل محض سے بخش دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اس کو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو کچھ سزا دے کر بخش دے گا۔ لیکن کوئی مسلمان بھی اللہ کی بخشش سے ہلکے محروم نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے خوش خبری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس کو کسی غمر زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو (قبور سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الاعراف: ۵۷)

اس کائنات میں حشر کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی نشانی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے وہی کائنات میں حاکم اور تصرف کرنے والا ہے اور اس نے انسان کے لیے کائنات کو مسخر کر دیا ہے اور اس نے انسان کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنی ہر ضرورت میں اور ہر آفت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس نے یہ بیان فرمایا کہ اس کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اور اب اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہی رزاق ہے اور حصول رزق کا اہم ذریعہ آسمانی بارش ہے جس کی وجہ سے دریاؤں، چشموں

اور کتوں میں انسانوں اور جانوروں کے لیے پینے کا پانی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے پانی فراہم ہوتا ہے۔ اور جس طرح وہ نجر زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز اور زندہ فرماتا ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ فرمائے گا۔

امام ابو داؤد الطیالسی اور امام بیہقی وغیرہ نے حضرت ابو رزین عقیلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح دوبارہ زندہ فرمائے گا اور مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم کبھی اپنی قوم کی خشک اور قحط زدہ زمین کے پاس سے نہیں گزرے اور پھر اس زمین کو سبزہ سے لٹکتے ہوئے نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس آیت کے موافق ہے۔

(اللہ کرہ: ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب پہلا صور پھونکنے کے بعد لوگ مرا جائیں گے تو عرش کے نیچے سے ان پر بارش ہوگی اور وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح بارش سے سبزہ اٹکا ہے حتیٰ کہ جب ان کے اجسام کھل ہو جائیں گے تو ان میں روح پھونک دی جائے گی۔ پھر ان پر نیند طاری کر دی جائے گی اور وہ اپنی قبوں میں سو جائیں گے اور جس وقت دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ان کے سروں اور آنکھوں میں نیند کا خمار ہو گا اور ان کی ایسی کیفیت ہوگی جس طرح کسی سوئے ہوئے شخص کو اچانک بیدار کرنے سے ہوتی ہے اور اس وقت وہ یہ کہیں گے:

يَوْمَلَنَّا مِنْ بَعَثْنَا مِنْ تَمُرْقِدْنَا هَذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمَنُ وَحَقَّقَ الْمُرْسَلُونَ (یس: ۵۲)

ہائے انہوں میں ہمیں طاری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا
دیا! پھر ایک ستادی کہے گا: یہ وہ ہے جس کا عہد میں نے وعدہ کیا تھا
اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

(جامع البیان: ۸۷، ص ۲۷۴، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے، ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں۔

(الاعراف: ۵۸)

اچھی اور خراب زمینوں میں مسلمانوں اور کافروں کی مثال

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے لیے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ مومن کی مثال اچھی زمین ہے اور کافر کی مثال خراب زمین ہے اور نزول قرآن کی مثال بارش ہے۔ سو جس طرح اچھی زمین پر بارش ہو تو اس سے سبزہ، پھل، پھول اور غلہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح وہ پاکیزہ روحیں جو جہالت اور برے اخلاق سے مبرا اور منور ہوتی ہیں، جب وہ نور قرآن سے مزین ہو جاتی ہیں تو ان سے مہلات، معارف اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں اور جس طرح خراب زمین پر بارش ہو تو اس سے کم پیداوار ہوتی ہے، اسی طرح جب خراب مدحوں پر قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو ان سے بہت کم معارف الہیہ اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین پر برکتی ہو۔ ان زمینوں میں سے بعض صاف ہوتی ہیں جو بہت زیادہ خشک اور تر گھاس اگاتی ہیں اور بعض زمینیں سخت ہوتی ہیں وہ پانی کو روک لیتی ہیں۔ اللہ اس زمین سے لوگوں کو قائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے پانی پیتے ہیں۔ اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور بعض زمینیں ہموار اور چکنی ہوتی ہیں وہ پانی کو روکتی

ہیں نہ گھاس کو اگاتی ہیں۔ پس یہ مثل اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین کی فہم حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ نے مجھے جو دین دے کر بھیجا ہے وہ اس کو نفع دیتا ہے۔ پس وہ علم حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور اس شخص کی مثل ہے جو اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کرتا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۹، 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ'، بیروت ۱۴۱۲ھ)

وحی الہی اور دین اسلام کی مثل نبی ﷺ نے بارش سے دی ہے اور فقہاء کی مثل اس زمین سے دی ہے جو بارش سے سیراب ہونے کے بعد سبزہ اگاتی ہیں اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح فقہاء آپ کی احادیث سے مسائل نکالتے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور محدثین کی مثل اس زمین سے دی ہے جو اپنے اندر پانی جمع کر لیتی ہے اور لوگ اس پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح محدثین احادیث کو جمع کرتے ہیں اور لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں اور کفار اور منافقین کی مثل اس زمین سے دی ہے جو بارش سے نہ خود فائدہ اٹھاتی ہے نہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا

مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قَالَ

تمہاری عبادت کا کوئی ستی نہیں ہے بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے ۝ ان کی

الْمَلَائِكَةُ مِنْ قَوْمِهِ ۖ إِنَّا لَنَرِيكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۖ قَالَ يٰقَوْمِ

قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھل بہن گمراہی میں دیکھتے ہیں ۝ انہوں نے کہا اے میری قوم

لَيْسَ بِي ضَلٰلَةٌ ۖ وَلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أٰبَلْغُكُمْ

بھری کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی جانب سے رسول (پیغام پہنچانے والا) ہوں ۝ میں آپس اپنے رب کے

رِسَالَتٍ سَاطِئَةٍ ۖ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۖ

پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری غیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے

أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا آپس اس پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت

لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَسْتَقْبُوا لِعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ

آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۝ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو

وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَاعْرَضْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿۶۴﴾

بے شک وہ اندھے لوگ تھے ۵

۵۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

(الاعراف: ۵۹)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کی تاریخ ولادت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا قبیلہ و نسب یہ ہے نوح بن لاکھ بن متوشلح بن خنوخ (اور یس) بن یرد بن صلیل بن قینن بن انوش بن شیت بن آدم ابو البشر علیہ السلام۔

امام ابن جریر و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھییس سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اہل کتب کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت ابوالمہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں بارہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا۔ پوچھا حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: دس قرن (صدیاں) یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۷۹۰، المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۵۵۳۵، کلام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یا رسول اللہ! رسول کہتے ہیں؟ فرمایا: ۳۳، المستدرک ج ۲، ص ۲۷، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۷۸، مسند احمد ج ۵، ص ۱۷۹، مسند ابی داؤد ج ۱، ص ۱۲۰)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن (قرن کا معنی ہے ایک صدی یا ایک صدی کے لوگ، سنیں) ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(البلغات الکبریٰ ج ۱، ص ۲۲، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو صحیح البخاری کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ لیکن یہ ابن کاؤہم ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری میں ہے نہ صحیح ستہ کی کسی اور کتب میں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث کیا جب بتوں کی عبادت اور شیطانوں کی اطاعت شروع ہو چکی تھی اور لوگ کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو بندوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ بعثت کے وقت ان کی عمر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کی عمر اس وقت پچاس سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر اس وقت تین سو پچاس سال تھی اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے ان کی

عمر اس وقت چوراسی سال تھی۔
بت پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی اقتداء کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہو گا۔ سو انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر ہارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ 'خوٹ' یعقوب' سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور "وہ" ان میں سے نیک تھے۔ (جامع البیان، ج ۲، ص ۲۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ ہاتل کی سرزمین میں اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی صورت میں متحمل ہو کر آیا اور کہنے لگا میں نے تمہارے رونے کو دیکھا ہے، تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے لیے وہ کی ایک تصویر بنادوں۔ تم اپنی مجلس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے وہ کی تصویر بنادی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ مکتروں دیکھا تو کہا میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں دو کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تاکہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں دو کا ذکر کیا کرے انہوں نے اس کو مان لیا۔ پھر ہر گھر میں دو کا ایک بت بنا کر رکھ دیا۔ پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی۔ پھر اس کے بعد جو فلسطیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ وہ ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ وہ بت تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۱۰، ص ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ بت جس کی وہ عبادت کرتے تھے اصل میں اللہ کا کوئی نیک بندہ تھا جس کی انہوں نے تصویر اور اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس کا نام ماریہ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں رکھی ہوئی تصویر کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب ان میں کوئی نیک شخص مر جاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گناہ لیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۲۷، صحیح مسلم، الساجدہ ۱۶۰، (۵۲۸)، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۷۰۳)

فرض یہ کہ جب زمین میں بت پرستی عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور ان کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے تھے اور حضرت نوح زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی طرف بھیجا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث شفاعت میں ہے۔ قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں

گئے۔ "اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں۔" (الحديث)

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۷۷۷، صحیح مسلم، الاموال: ۲۲۷، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۳۴۲، سنن کبریٰ للشیخ، رقم الحديث: ۳۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۳۰۷)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نو سو پچاس سال تبلیغ کی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ
أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (العنکبوت: ۱۳)

سورہ نوح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کرنے اور اس کے جواب میں ان کی قوم کے انکار کرنے اور ان سے مایوس ہونے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے لیے عذاب کی دعا کرنے کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو ذرا انہیں اس سے پہلے کہ ان کے اوپر دردناک عذاب آ جائے نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو اللہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقررہ وقت تک تم کو مسلت دے گا بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جائے تو وہ موخر نہیں ہوتا کاش تم جلستے نوح نے دعا کی اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن (حق کی) دعوت دی (لیکن) میری اس دعوت سے ان پر بھانگنے کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہوا اور بے شک جب بھی میں نے ان کو بلایا کہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی لور بہت نکھر کیا میں نے پھر انہیں بلند آواز سے پکارا پھر میں نے ظاہر اور خفیہ طریقہ سے (بھی) انہیں سمجھایا میں نے کہا تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا وہ مال لور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا وہ تمہارے لیے بلذات لگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہا دے گا تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کو نہیں مانتے اللہ کا کہ اس نے تمہیں مرحلہ وار پیدا کیا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر بنائے اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چرخہ بنایا اور اللہ نے تمہیں ایک نوع کی روئیدگی سے لگایا پھر تم کو وہ اس زمین میں لوٹائے گا اور (دوبارہ) تم کو نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو نوح نے دعا کی اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا اور کوئی زیادتی نہیں کی اور انہوں نے بہت بڑا کر کیا اور ان کافروں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وہ اور سوانح اور مٹھوٹ اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا اور یقیناً انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا اور اے میرے رب ظالموں کے لیے صرف گمراہی کو زیادہ کرنا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے فرق کیے گئے پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کوئی ایسے والا کافر نہ چھوڑ اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میرے مال باپ کی مغفرت فرما اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوا اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما اور ظالموں کے لیے صرف ہلاکت کو زیادہ فرما (نوح: ۱۲۸)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب

جب حضرت نوح علیہ السلام کی اس طویل عرصہ تک تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا اور چند نفوس کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور انہیں یہ خبر دی کہ قوم نوح پر طوفان کا عذاب آئے گا اور حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر ایمان والوں کو کشتی کے ذریعے اس طوفان سے بچالیا جائے گا۔ اس کا بیان سورہ ہود کی چند آیات میں ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

انہوں نے کہا اے نوح ابے شک تم ہم سے بحث کرتے رہے ہو اور تم ہم سے بہت زیادہ بحث کر چکے ہو پس اگر تم بچے ہو تو ہمارے پاس اس عذاب کو لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے رہے ہو ○ (حضرت) نوح نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو وہی تمہارے پاس اس عذاب کو لائے گا اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ اور اگر اللہ نے تمہیں گمراہی پر برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کر بھی لوں تب بھی میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا وہ (شرکیں) کما یہ کہتے ہیں کہ اس کلام کو خود انہوں نے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہتے اگر (بالمفروض) میں نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہو گا اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں ○ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ صاحب ایمان ہوں گے جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں تو آپ ان کے کرتوتوں سے غم نہ کریں ○ اور آپ ہماری وحی کے مطابق ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی مجھ سے آپ کوئی سفارش نہ کریں وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○ اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو عنقریب ہم بھی تمہاری ہنسی اڑائیں گے جیسا کہ تم ہماری ہنسی اڑا رہے ہو ○ پس عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب آتا ہے ○ حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپ پہنچا اور خورش مارنے لگا تو ہم نے کہا (اے نوح!) ہر قسم سے ایک جوڑا دو عدد (نر اور مادہ) اس کشتی میں سوار کر لو اور اپنے اہل کو (بھی) ماسوا ان کے جن کے متعلق غرق قبل کا قول واقع ہو چکا ہے اور ایمان والوں کو (بھی) سوار کر لو اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ بہت ہی کم تھے ○ اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ وہ کشتی ان کو پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان سے لے جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو ان سے الگ تھا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو ○ اس نے کہا میں ابھی کسی پہاڑ کی پہلے لیتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا نوح نے کہا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچلنے والا نہیں ہے مگر وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے گا اور ان کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی تو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ○ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی گل لے اور اے آسمان رک جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے وادی ہے ○ اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کیا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے ○ فرمایا اے نوح ابے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے یقیناً اس کے کام نیک نہیں ہیں آپ مجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جس کا آپ کو علم نہیں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ ٹھانوں میں سے نہ ہو جائیں ○ نوح نے کہا اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پہلے میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوا ل کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو نے میری مغفرت نہ کی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ○ فرمایا اے نوح کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ تم پر اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ایسی ہیں جن کو ہم (عارضی) فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے درد

ناک عذاب پہنچے گا (ص: ۳۸-۳۲) طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفصیل

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتنے آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ اسی نفر تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں۔ اور کعب احبار سے روایت ہے کہ یہ پچاس (۵۰) نفوس تھے۔ حضرت نوح کی بیوی جو ان کی کل اولاد حام، سام، یاثلث اور یام کی بنی تھیں، اور یام کو اہل کتاب کہلاتے تھے، ان کی بیوی بھی فرق ہو گیا تھا حضرت نوح کی بیوی بھی فرق ہونے والوں کے ساتھ فرق ہو گئی تھی کیونکہ وہ کافرہ تھی۔

مفسرین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ یہ طوفان زمین کے پہاڑوں سے پھر وہ ذراع (ساڑھے ہائیس فٹ) تک بلند ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا۔ زمین کے تمام طول و عرض میں، نرم اور سخت زمین میں، پہاڑوں میں، میدانوں میں اور ریگستانوں میں۔ فرض روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں پر یہ طوفان نہ آیا ہو۔

قلوہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے چوبیس دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ ایک سو پچاس دن تک سفر کرتے رہے اور دس محرم کو وہ کشتی سے باہر آئے اور اس دن انہوں نے روزہ رکھا۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کا یود کے پاس سے گزر ہوا انہوں نے دس محرم کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا اس دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو فرق سے نجات دی تھی اور اسی دن جو دی پر کشتی ٹھہری تھی تو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ اور اس روزہ کے تمہاری بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا تم لوگ کشتی سے اترو اور ان تمام جانوروں کو اتارو جو تمہارے ساتھ ہیں۔ بعض جہاں قارسیوں نے اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طوفان ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ ہے دین کو سبوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل اولین کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے مقبول ہے اور تواتر سے طے ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔
حضرت نوح علیہ السلام کی عمر

اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر اس کے بعد ان خالوں پر طوفان آیا۔ پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔

امام ابن جریر، امام ازرقی اور دیگر مورخین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قوی قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جو آج دنیا میں عراق کے نام سے مشہور ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں ہے اور جو روایات کہ سن اور آرمینیا میں زمانہ قدیم سے تواتر کے ساتھ مقبول ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔

قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ آسمان سے بارش نازل فرما کر مودہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اور اس آسمانی بارش کی وجہ سے زمین میں روئیدگی ہوتی ہے جو انسانوں کی مادی حیات کا سبب ہے۔ اور اب اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا ذکر ہے جو سب سے پہلے رسول ہیں جن کو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا اور رسولوں کا بھیجنا انسانوں کی روحانی حیات کا سبب ہے اور جس طرح مادی حیات انسانوں کے لیے نعمت ہے اسی طرح روحانی حیات بھی انسانوں کے لیے نعمت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نازل کر کے حسب ذیل امور پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۔ اس قصہ سے نبی بھیجے کو تسلی دینا ہے کہ مشرکین کہہ جو آپ کے کلمے ہوئے معجزات اور روشن دلائل کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کائنات میں جب سب سے پہلے رسول آئے تو ان کے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی تھی اور ہمیشہ سے رسولوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔

۲۔ اس قصہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منکرین کا انجام بلا تخریب عذاب الہی میں جلا ہوتا ہے اور یہ دنیا میں ان کا حصہ ہے اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب ہو گا اور مومنین کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بلا آخر سرفرازی اور آخرت میں سرخوشی عطا فرماتا ہے۔

۳۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو لمبے عرصہ تک ڈھیل دیتا ہے، لیکن بلا آخر ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو کافر اس ڈھیل سے مطرور اور مومن اس سے ملول نہ ہوں۔

۴۔ یہ قصہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ اسی تھے آپ نے کسی مسئلہ کے سامنے دانوئے تلمذ کیا تھا نہ کسی کتب کا مطالعہ کیا تھا اور جب آپ نے یہ قصہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا تو واضح ہو گیا کہ آپ اس قصہ پر صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے مطلع ہوئے تھے اور وحی صرف نبی پر ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت برحق تھی۔

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت میں تین چیزیں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو عبادت کا حکم دیا پھر اس کی دلیل ذکر فرمائی کہ وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے کیونکہ ان کو دنیا میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ سب اللہ نے عطا فرمائیں ہر نعمت کو عطا فرمانے والا اور ہر مصیبت کو دور کرنے والا وہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے حسن کی تعظیم اور عظیم کرنا ہے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ سب سے بڑا اور حقیقی حسن اللہ تعالیٰ ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت کرنے کا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا۔

اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اس خوف سے مراد یقین ہے یا غم۔ اگر اس سے مراد یقین ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان پر عذاب نازل فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کو عذاب ہو گا۔ اور اگر خوف بمعنی غم ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو غالب گمان تو یہ تھا کہ یہ منکرین اپنے انکار اور کفر پر اٹلے رہیں گے اور لامحالہ ان پر عذاب آئے گا لیکن ایک مروج امکان یہ بھی تھا کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ان پر جو عذاب متوقع ہے وہ نکل جائے۔ اس لیے فرمایا مجھے تم پر عذاب کا خوف ہے۔

اس عذاب سے مراد عذاب طوفان بھی ہو سکتا ہے اور عذاب قیامت بھی اور چونکہ نوح علیہ السلام نے عظیم دن کا عذاب فرمایا ہے تو اس سے یہ ظاہر قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے۔ کیونکہ عظیم دن سے قیامت کا دن ہی مقبول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں ○ انہوں نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی جانب سے رسول ہوں ○ میں تمہیں اپنے رب کے پیچلت پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے ○ (الاعراف: ۳۳-۳۴)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

الملاء: مل دار اور معاشرہ میں با اثر لوگ جن کی لوگوں کے دلوں پر بہت چھائی رہتی تھی مجلس میں ان ہی کی طرف نکاحیں اٹھتی تھیں اور وہ محفل میں صدر نشین ہوتے تھے اور وہ نوح علیہ السلام سے مقابلہ اور مناظرہ کرتے تھے۔

فسی ضلال مبہین: وہ نوح علیہ السلام سے کہتے تھے کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ یعنی اللہ کی توحید اپنی نبوت احکام شریعہ اور قیامت اور آخرت کے متعلق آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ خطا پر مبنی ہے اولاً غلط ہے۔

لبس ہی صلالہ کفار نے حضرت نوح کی طرف کھلی گمراہی کے جس عیب کی نسبت کی تھی اس کی حضرت نوح نے اپنی ذات سے نفی کی اور اپنی سب سے مکرم اور مشرف صفت کابیلین کیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف رسول اور پیغام رسل ہیں اور ان کو اپنے رب کے پیچلت پہنچاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ تبلیغ رسالت یعنی پیغام پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن چیزوں کا ملک کیا ہے یعنی اوامر اور نواہی ان کا بیان کرتے ہیں ان کے لیے کیا کام کرنا ضروری ہیں اور کن کاموں کا نہ کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کن کاموں پر دنیا میں ان کی مذمت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا اور کن کاموں پر ان کی دنیا میں تحسین ہوگی اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ یہ وہ پیچلت ہیں جن کو وہ اپنے رب کی طرف سے پہنچاتے تھے اور نصیحت اور خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے اور کفر اور معصیت سے روکتے تھے اور ان کو عذاب الہی سے ڈراتے تھے۔

پھر فرمایا میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ تم کو طوفان کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ نیز میں جانتا ہوں کہ وہ آخرت میں تم کو ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کی توحید اور صفات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے اور اس کا مستند ان علوم کے حصول کی ترغیب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہیں اس پر تعجب ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بے شک وہ اندھے لوگ تھے ○ (الاعراف: ۳۳-۳۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اپنی جنس میں سے ایک انسان کے رسول بنانے کو مستبعد خیال کرتی تھی اور اس پر تعجب کرتی تھی۔ ان کے اس استبعاد اور تعجب کی حسب ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱۔ رسول بھیجے کا مقصد چند احکام کا مکلف کرنا ہے اور اس تکلیف سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے پاک ہے اور نہ بندہ کو اس سے کوئی فائدہ ہے کیونکہ ان احکام کی وجہ سے وہ اس دنیا میں مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں ثواب کا حصول متوقع ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان احکام کا مکلف کیے بغیر بھی اس ثواب کو پہنچانے پر قادر ہے تو پھر ان احکام کا مکلف کرنا عبث ہو گا اور اللہ تعالیٰ عبث کام سے پاک ہے لہذا کسی رسول کی بعثت باطل ہو گئی۔ کیونکہ رسول صرف احکام پہنچانے کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۲۔ اگر احکام کے مکلف کیے جانے کو مان بھی لیا جائے تو تب بھی رسول کا بھیجنا غیر ضروری ہے کیونکہ رسول اچھے کاموں کا حکم دے گا اور برے کاموں سے روکے گا اور اچھائی اور برائی کے اور اک کے لیے عقل کافی ہے سو جو کام عقل کے نزدیک اچھا ہو گا اس کو ہم کریں گے اور جو برا ہو گا اس کو ترک کر دیں گے پھر کسی رسول کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے!

۳۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر کسی فرشتے کو بھیجنا چاہیے کیونکہ ان کی ریت زیادہ سخت ہو گی اور ان کی پاکیزگی زیادہ اکمل ہو گی ان کا کھانے پینے سے مستثنیٰ ہونا معلوم ہے اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا اور جھوٹ سے دور ہونا متحقق ہے۔

۴۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی بشر کو رسول بنایا جائے تو اس بشر کو رسول بنانا چاہیے جو معاشرہ میں اپنی دولت اور حکومت کی وجہ سے معزز ہو جس کی لوگوں کے دلوں میں عزت ہو اور اس کا رعب اور دہدہ ہو جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس مال تھا نہ حکومت۔

ان وجوہات کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام کے دعوتی نبوت اور رسالت پر ان کی قوم کو تعجب ہوتا تھا اور وہ ان کے رسول ہونے کو مستبعد گردانتے تھے۔ اور جن باتوں کو حضرت نوح وحی کہتے تھے وہ ان کو حضرت نوح کے دماغ کی خرابی (العیاذ باللہ) خیال کرتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔

قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس تعجب اور انکار کو زائل کیا یاں طور کہ اللہ کو کسی کی نیکی سے فائدہ اور کسی کی برائی سے کوئی نقصان نہیں لیکن اللہ نے ان لوگوں کو سخت احکام کا مکلف کیا تاکہ اس کے حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب ہو اور اس سے اس کا فضل اور عدل ظاہر ہو گا۔ وہ رحیم و کریم بھی ہے اور قہر و غضب کرنے والا بھی ہے اور ان احکام کی تکلیف اور رسولوں کی بعثت سے اس کی ان صفات کا ظہور ہو گا۔ محض تمام احکام کے حسن اور قبح کا اور اک نہیں کر سکتی اور محض یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کے اوقات اور طریقوں کو محض محض اس لیے ضروری تھا کہ اللہ اپنا کوئی رسول بھیجے جو بندوں کو یہ بتائے کہ اللہ کس فعل سے راضی اور کس فعل سے ناراض ہوتا ہے اور اگر اللہ فرشتہ کو رسول بنا دیتا تو لوگ اس سے کیسے استفادہ کرتے اور اس کو دیکھ سکتے تھے نہ اس کا کلام سن سکتے تھے اور چونکہ فرشتہ اور انسان الگ الگ جنس سے ہیں تو فرشتہ کے افعال انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے اور رہا یہ کہ اللہ نے کسی توغر اور حاکم کو رسول نہیں بنایا بلکہ ایک عبادہ کو رسول بنایا تو اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں کیونکہ جو شخص معاشرہ میں ذی اقتدار ہو لوگ اسے رسول تو کیا خدا بھی مان لیتے ہیں۔ جیسے فرعون اور نمرود کو لوگوں نے خدا مان لیا تھا۔ اللہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ دولت اور حکومت کی طاقت کی بناء پر اس کی وحدانیت کو نہ مانیں بلکہ علم اور حکمت کی بناء پر اور دلائل اور معجزات کی قوت سے اللہ کی وحدانیت کو مانیں۔ اس لیے اس نے ایک انسان کو

رسالت کے لیے منتخب کیا اور اس میں یہ قوت اور مہارت رکھی کہ وہ اللہ سے وحی حاصل کر سکے اور مخلوق کو پہنچا سکے۔ اس کا غیب اور شہوت دونوں سے رابطہ ہو وہ بذریعہ وحی اللہ کے عذاب پر مطلع ہو کر لوگوں کو اس سے ڈرائے اور ان کو ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دے تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو طوفان سے نجات دے دی اور مکہ مکرمہ کو غرق کر دیا کیونکہ ان کے دل توحید نبوت احکام شریعہ اور آخرت کو مانعے سے اندھے بن گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَافِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَتَنْصَرُوا لِقَائِهِمْ وَمَنْ عَصَى فَقُلُوبُهَا (الانعام: ۱۱۳)

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایت کی روشنی نکلیاں آئیں تو جس نے (ان کو) آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو اس میں اسی کا کافور ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اس میں اسی کا نقصان ہے۔

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ

اللہ ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ) ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا

إِلٰهِ غَیْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۷۲﴾ قَالَ الْمَلَائِکَۃُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ

تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ○ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا، بے شک ہم آپ کو

إِنَّا نَتَّبِعُكَ فِی سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَنظُنُّكَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۷۳﴾ قَالَ

حالت میں مبتلا پڑتے ہیں اور بیشک ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ انہوں نے کہا

یَقَوْمِ لَیْسَ بِی سَفَاهَةٌ وَلَکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۴﴾

اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں ○

اَبَلْغَکُمْ رِسٰلَتِ رَبِّیْ وَاِنَّا لَنَکُمْ نٰصِحٌ اٰمِیْنٌ ﴿۷۵﴾ اَوْ عَجِبْتُمْ اَنْ

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں ○ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ

جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لَیْسَ بِکُمْ وَ اذْکُرُوْا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈیٹے، یاد دلا دے

اِذْ جَعَلْکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّ زَادْکُمْ فِی الْخَلْقِ

جب تم قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جماعت کو بڑھا دیا، سو

بَصُطَةً ۚ فَادْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۷﴾ قَالُوا اجْعَلْنَا

تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵ انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس

لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَمَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ فَاتَّبِعْنَا مَا تَفْعَلُ ۖ

اس لیے اسے جس طرح ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (سجودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دلوں کی عبادت کرتے تھے، اور آپ ہمارے

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۸﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

پاس وہ (عذاب) جسے انہوں نے کہا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں، اگر آپ سچوں میں سے ہیں ۵ (یہ کہنے) کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے

رِجْسٌ مِّنْ عَذَابِ الْجَهَنَّمَ لَوْ نَبَذْنَاهُ فِي أَسْمَاءٍ سَيَّئَتْ سَوَاسِطُهَا ۖ لَنُلَاقِيَهُ

تم پر عذاب اور عذاب جہنم کا نازل ہو گیا، یہی تم جہنم سے ان ناموں کے متعلق جگڑا رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دلوں نے نہ

أَبَاؤُكُمْ هَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۖ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ

لیے ہیں، جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، سو تم (عذاب کا) انتظار کرو، میں تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَعْنَا

انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۵ پس ہم نے ہر دو کو ایمان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے نجات دی اور انہیں لوگوں کی جڑ کاٹ

دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۰﴾

میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لائے نہ تھے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے علو کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ) حود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ

کی عہدت کرو اس کے سوا تمہاری عہدت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ۵

حضرت حود علیہ السلام کا شجرہ نسب

حضرت حود علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے:

حود بن عبد اللہ بن رباح بن الجارود بن علون بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نبی اللہ علیہ السلام

ایک قول یہ ہے کہ حود علیہ السلام نے جامع دمشق میں ایک بلخ بنایا تھا اور ان کی قبر وہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی

قبر کہ میں ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی قبر یمن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلے نبی مبعوث کیا وہ نوح علیہ السلام ہیں۔ (یہ حافظ ابن عساکر کی تحقیق ہے۔ جسور کے

نبویک حضرت نوح علیہ السلام نول رسل ہیں) پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت اسماعیل، پھر حضرت اسحاق، پھر

صہبان القرآن

جلد چہارم

حضرت یعقوب، پھر حضرت یوسف، پھر حضرت لوط، پھر حضرت ہود بن عبد اللہ علیہم السلام۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا دس نبیوں کے علاوہ باقی تمام انبیاء بنو اسرائیل سے مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ دس
نبی یہ ہیں:

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق،
حضرت یعقوب، حضرت یحییٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ (یہ گیارہ بنتے ہیں)
حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کی طرف بعثت

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تھی یہ لوگ بت پرست تھے۔ انہوں نے بھی وہ "سواح" مٹھوٹ اور لہری کی طرح بت بنا
لے تھے ان کے ایک بت کا نام حبار تھا اور ایک بت کا نام محمود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ہود کو بھیجا، حضرت ہود کا
تعلق اس قبیلہ سے تھا جس کا نام الخلود تھا۔ حضرت ہود متوسط نسب کے تھے اور کرم جگہ کے رہنے والے تھے بت حسین و جمیل
تھے اور عاد کی طرح جسیم تھے۔ اور آپ کی داڑھی بہت دراز تھی۔ حضرت ہود نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کو
یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور لوگوں پر ظلم نہ کریں۔ اس کے علاوہ انہیں اور کوئی حکم نہیں دیا اور انہیں نماز یا کسی اور حکم
شرعی کی دعوت نہیں دی، لیکن انہوں نے اللہ کو ماننے سے انکار کیا اور حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہوں نے کہا: ہم
سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے عاد کے بھائی کی طرف ہود کو بھیجا اور حضرت ہود ان کی قوم کے ایک فرد
تھے اور ان کے دینی بھائی نہ تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۹۹-۳۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۴ھ)

حضرت ہود نے کہا یاد کرو تم قوم نوح کے جانشین ہو اور تم کو معلوم ہے جب انہوں نے نافرمانی کی تو ان پر کس طرح
عذاب آیا تھا تم اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد سورتوں میں قوم عاد کی تفصیل بیان کی ہے ان آیات کا
ترجمہ اور تفسیر حسب ذیل ہے:

عاد کی قوت اور سطوت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اور یاد کیجئے عاد کے بھائی (ہم قبیلہ) کو جب انہوں نے اپنی قوم کو "الاحقاف" میں ڈرایا اور ان سے پہلے کئی ڈرانے والے
پیغمبر گزر چکے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (الاحقاف ۲۱)

یلمہ، عمن، عرن، حرموت اور مطلبی یمن کے چچ میں جو صحرائے اعظم "الدریاء" یا "الربع الخلی" کے نام سے واقع ہے وہ
الاحقاف ہے یہ بہت بڑا ریگستان ہے۔ ہر چند کہ یہ آبادی کے قتل نہیں ہے لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے
لائق تھوڑی زمین ہے۔ خصوصاً اس حصہ میں جو حرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی وہ آباد نہیں ہے
تاہم زمانہ قدیم میں اسی حرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں "عوام" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی
نافرمانی کی پاداش میں نیست و بھود کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قوم عاد نے) کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو؟ تو تم وہ
(عذاب) ہم پر لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو "اگر تم بچوں میں سے ہو" ہود نے فرمایا: علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور
میں تمہیں وہی پیغام پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو پھر جب انہوں
نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنے میدانوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برے گا، (نہیں) بلکہ یہ وہ
عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے یہ ایک (خت) آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ یہ ہر چیز کو اپنے رب

کے حکم سے برباد کر ڈالے گی پھر انہوں نے اس حل میں صبح کی کہ جن کے گھروں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور بے شک ہم نے انہیں ان چیزوں پر قدرت دی تھی جن پر تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے کلن اور آنکھیں اور دل بیٹے تو ان کے کلن اور آنکھیں اور دل جن کے کچھ کام نہ آ سکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الاحقاف: ۳۱-۳۲)

جس وقت ان پر عذاب آیا اس وقت قحط اور خشک سالی تھی جب انہوں نے امنڈتا ہوا بادل دیکھا تو خوش ہو کر کہنے لگے بہت برسنے والی گھٹا آئی ہے اب سب ندی ٹالے بھر جائیں گے اور خوش حالی آجائے گی لیکن یہ بڑے زور کی آندھی تھی جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور اس کے زور کے سامنے آدمی درخت اور جانور تنکوں کی مانند تھے۔ یہ آندھی ہر چیز کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اور ہر چیز تباہ کر رہی تھی اور سوائے مکانوں کے کھنڈرات کے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حضرت عود نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم ہر اونچے مقام پر فضول کاموں کے لیے پادگار تعمیر کرتے ہو ○ اور اس امید پر بلند و بالا عمارات بناتے ہو کہ تم ان میں بیٹھ رہو گے ○ اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جابروں کی طرح پکڑتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو ○ اسی نے تمہاری چوہایوں اور بیڑوں سے مدد کی ○ اور باغیوں اور چشموں سے ○ بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے ○ انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○ یہ صرف وہی پرانے لوگوں کی عادت ہے ○ اور ہم عذاب یافتہ نہیں ہوں گے ○ سو انہوں نے عود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان کے اکثر لوگ مومن نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے ○ بے حد رحم فرمانے والا ○ (الشعرا: ۳۰-۳۸)

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم علو کے ساتھ کیا معاملہ کیا ○ ارم (کے لوگ) ستونوں (کی طرح لے قدامت) ○ جن کی مثل شہوں میں کوئی پیدا نہ کیا گیا تھا ○ (النجم: ۸-۱۱)

نیز فرمایا: رہی قوم علو تو اس نے زمین میں ناحق سرکشی کی اور کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار (ہی) کرتے رہے ○ سو ہم نے (ان کی) نحوست کے دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت والا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو یقیناً زیادہ ذلت والا ہے اور ان کی بالکل مدد نہیں کی جائے گی۔ (حم السجد: ۲۱-۲۵)

نیز فرمایا: بے شک ہم نے ان پر نہایت سخت تیز آواز والی آندھی بھیجی (ان کے حق میں) دائمی نحوست کے دن میں ○ وہ آندھی لوگوں کو (اس طرح) اٹھا کر (زمین پر) اڑے مارتی تھی گویا کہ وہ کجگور کے اکھڑے ہوئے درختوں کی جڑیں ہیں ○ تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا خوف والا ○ (التکو: ۲۱-۲۹)

نیز فرمایا: اور رہے قوم علو کے لوگ تو وہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے ○ اللہ نے اس آندھی کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک متواتر مسلط کر دیا تھا وہ آندھی جڑ کاٹنے والی تھی سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہو تا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کجگوروں کے تنے (پڑے) ہیں ○ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے ○ (الہلق: ۲۸-۳۸)

قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قوم عاد لاقحاف میں رہتی تھی۔ (الاحقاف: ۴۱)

علامہ محمد بن کرم بن منکور لافریقی المصری المتونی لکھتے ہیں:

لاقحاف کا معنی ہے ریگستان جو ہری نے کہا کہ لاقحاف عاد کا وطن ہے 'ازہری نے کہا یہ یمن کے شہروں کا ریگستان ہے قوم عاد یہاں رہتی تھی۔ (لسان العرب: ج ۱، ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ المروۃ لبرہن، ۱۳۵۵ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی خنی متونی ۱۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاحقاف ارض صحرا اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا لاقحاف عمان سے لے کر حضرموت تک ایک وادی ہے۔ لہذا نے کہا لاقحاف ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے۔ یا قوت حموی نے کہا ان تینوں اقوال میں اختلاف نہیں ہے۔

(تاج المعوس: ج ۱، ص ۳۷، مطبوعہ مطبعہ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ، نظم الجبلدین: ج ۱، ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۴۹ھ)

علامہ سید محمد کرم شاہ لافریقی حونی ۱۳۱۸ھ (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں احقاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضرموت تک پھیلا ہوا ہے 'اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے اسے الریح الخلل بھی کہتے ہیں۔ بعض مقلات پر ریت اتنی ہاریک ہے کہ جو چیز وہاں پہنچے 'اندرو ہنستی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے گم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرات نہیں کرتے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور زبردست اور ختمول قوم آباد تھی۔ (ضیاء القرآن ج ۲، ص ۴۵، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۳۴۹ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

لاقحاف صحرائے عرب (الریح الخلل) کے جنوب مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن لاقحاف تھا۔ جہاں سے نکل کر وہ گرد و پیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔ موجودہ شمرکلا سے تقریباً ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت عود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر عود کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بتایا جاتا ہے اور جنوبی عرب کے لوگوں کا اکثریت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

لاقحاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ ممکن نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد ہوگی۔ اظہار یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شلاب علاقہ ہو گا اور بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگ بنا دیا ہو گا۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک لقا ووق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتے۔ ۱۸۴۳ء میں یورپ کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارہ پر پہنچ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرموت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار لیٹ قصب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قلعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ (المحدث)

(المصنف ج ۵ ص ۳۲ مطبوعہ کراچی) حنفی امام ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۵-۳۹۶ مطبوعہ لاہور

ان تمام مباحث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم جلد ۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سال صالحین کے مزارات کی زیارت کے لیے جانا، ان کو سلام پیش کرنا اور ان کی تحسین کرنا نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ اور ان کے لیے بھصل ثواب کرنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی صحابہ کرام کی سنت ہے اور اعلیٰٰ رحمہ سے ثابت ہے اور ہمارے نزدیک عرس منانے کا یہی طریقہ ہے۔ باقی اب جو لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے اضافات کر لیے ہیں وہ بزرگن دین کی نذر اور سنت مانتے ہیں اور دھوکے پا جوں گاجوں کے ساتھ جلوس کی شکل میں نکلتے گاتے ہوئے اوباش لڑکے چلنے پھرنے میں اور چڑھانے کی بھی منت ماننی جاتی ہے اور مزارات پر سجدے کرتے ہیں اور مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے اور مزامیر کے ساتھ گانا بجاتا ہوتا ہے اور موسیقی کی ریکارڈنگ ہوتی ہے تو یہ تمام امور بدعت ہیں۔ علماء اہل سنت و جماعت ان سے بڑی اور بیزار ہیں۔ یہ صرف جملاء کا عمل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور بے شک ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن میں رب العظیم کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قاتل اٹھو خیر خواہ ہوں۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک فصیح آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈراسے اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (الاعراف: ۶۱-۶۲)

حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اس لیے حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے اور اس قصہ میں مذکور ابتدائی آیات تقریباً ایسی ہی ہیں جیسی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کی گئی، البتہ بعض وجوہ سے ان میں فرق ہے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں عبلوت کا حکم دینے کے بعد انہوں نے فرمایا تھا مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ (الاعراف: ۵۹) اور اس قصہ میں حضرت ہود نے عبلوت کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تو کیا تم نہیں ڈرتے! (الاعراف: ۶۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے دنیا میں کسی بڑے عذاب کے نازل ہونے کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا اس لیے انہوں نے کہا مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے اور چونکہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور طوفان نوح کا واقعہ تو اتنے سے مشہور ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے صرف اس کتنے پر اکتفا کیا تو پس کیا تم ڈرتے نہیں ہو!

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام سے منکروں نے کہا تھا ہم آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں (الاعراف: ۲۰) اور حضرت ہود علیہ السلام سے منکروں نے کہا ہم آپ کو حنلق میں جٹاپاتے ہیں اور ہم آپ کو جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۲۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام بہت بڑی کشتی بنا کر خود کو تھکا رہے تھے اور آپ نے لوگوں کو ایک بہت بڑے طوفان کی آمد سے خبردار کیا تھا اور چونکہ اس سے پہلے طوفان کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی اس لیے منکرین نے کہا آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور حضرت ہود علیہ السلام نے جنوں کی عبادت کو باطل قرار دیا تھا اور ان کی عبادت کو بے وقوفی فرمایا تھا اس لیے انہوں نے بھی مقابلتہ توحید کی دعوت دینے کو بے وقوفی کہا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا میں تمہیں اپنے رب کے پیچلت پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارا قاتل احمق خیر خواہ ہوں۔ (الاعراف: ۲۸) حضرت نوح علیہ السلام چونکہ دعوت کی بار بار تجدید کرتے تھے اس لیے انہوں نے جملہ قلیہ استعمال فرمایا اور حضرت ہود علیہ السلام ثبوت اور استقرار کے ساتھ دعوت دیتے تھے اس لیے اس کو جملہ امیہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ نیز حضرت ہود کی قوم نے ان کو جھوٹوں کی طرف منسوب کیا تھا اس لیے انہوں نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا تم مجھے پہلے امین کہتے تھے اور میں تمہارے نزدیک معتمد تھا تو اب اچانک میں بے وقوف کیسے ہو گیا!

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہ فرمایا تھا کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک ہود کے ذریعہ نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے۔ (الاعراف: ۳۳) اور حضرت ہود علیہ السلام نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا: اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (الاعراف: ۳۴)

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ذکر فرمایا ایک تو یہ کہ انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی زمین کا وارث بنایا اور دوسری یہ کہ ان کو قوم نوح سے زیادہ بڑی جسامت اور قوت عطا فرمائی۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان کی قامت اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) تھی۔ وہب نے کہا ان میں سے ایک آدمی کا سر بڑے گنبد کی طرح تھا (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۲) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت ہود نے فرمایا: ان نعمتوں کو یاد کرو یعنی ایسے عمل کرو جو ان نعمتوں کے لائق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔

حضرت نوح اور ہود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد ﷺ کی زیادہ عزت اور وجاہت حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ایک عیب کی نسبت کی اور ان سے کہا کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں تو انہوں نے اس عیب سے خود اپنی براءت کی اور کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے (الاعراف: ۲۰) اور حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو حنلق میں جٹاپاتے ہیں تو انہوں نے خود اپنی براءت کی اور کہا اے میری قوم مجھ میں حنلق نہیں ہے۔

اور جب سیدنا محمد ﷺ کی طرف مشرکین نے عیوب کی نسبت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی براءت کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ اللہ نے آپ کی طرف سے براءت بیان کی۔ ولید بن مغیرہ نے آپ کو بھونکنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما انت بنعمة ربك بمحمون O وان لك
لاجرا غير ممنون O وانك لعلى خلق
عظیم O (القلم: ۳-۴)

آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) بھون نہیں ہیں O
اور یقیناً آپ کے لیے غیر متناہی اجر و ثواب ہے O اور بے شک
آپ خلق عظیم پر قائل ہیں۔

عاص بن وائل نے آپ کو اپنا (مطلوع النسل) کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۖ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ (الکوثر: ۴۳)
 بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا ۝ تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں ۝ یقیناً آپ کا دشمن ہی اہتر (مطلوع النسل) ہے۔

جب اللہ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے چند دن آپ پر وحی نازل نہیں کی تو ایک مشرک عورت نے کہا (سیدنا) محمد! (ﷺ) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْمُضْحَىٰ ۖ وَاللَّيْلِ إِذَا سَحَىٰ ۖ مَآ وَدَّعَاكَ رَبُّكَ وَمَآ أَلَىٰ ۖ (المضحى: ۴۴)
 چاشت کی قسم ۝ اور رات کی قسم جب سیاہی پھیل جائے ۝ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ہٹا رہا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو کلمہ شہادہ جمع کر کے دعوت توحید کی تو ابولسب نے کہا تبا لک تم پر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَبُتْ بِمَا آتَانِي لَهَبٌ وَنَبَأٌ ۖ مَا آغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۖ سَبُّنِي تَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۖ (اللهب: ۴۵)
 ابولسب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہٹا ہو گیا ۝ اس کو اس کے مال اور کمائی نے کوئی فائدہ نہ دیا ۝ وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں داخل ہو گا ۝ اور اس کی عورت (بھی) کلڑیوں کا گٹھا (سرب) اٹھائے ہوئے ۝

رسول اللہ ﷺ کا مقام تو بہت بلند ہے آپ کے قرابت دار اور اصحاب بھی اللہ کو اسے عزیز تھے کہ اگر کسی نے ان کو عیب لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس عیب سے ان کی برائت بیان کی، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے سخت لکڑی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی دس آیتوں میں (النور: ۲۴-۲۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائت بیان کی۔ اور جب منافقین نے صحابہ کرام کو سفاہ (جمل حق) کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برائت بیان کی۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا اتَّوَيْنُكُمْ كَمَا تَأْتِي السُّفَهَاةُ الْكَرَاهَاتُ ۖ هُمْ السُّفَهَاةُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ (البقرہ: ۴۳)
 انہوں نے کہا: کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ قائلو اتوین (کے) آتے ہیں سو سفہاء (غضب) لے آئیں جن کا آپ ہم سے وعدہ ہے و قوف ایمان لائے ہیں سو یقیناً وہی ہے و قوف ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے سو آپ ہمارے پاس وہ (غضب) لے آئیں جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں اگر آپ انہوں میں سے ہیں ۝ (حمود نے) کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا کیا تم مجھ سے ان باتوں کے متعلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی سو تم عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۝ پس ہم نے حمود کو اور ان کے اصحاب کو عذاب سے نجات دی اور ان لوگوں کی جزا کشی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ۝ (الاعراف: ۷۳-۷۴)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل

حضرت حمود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی ترک کرنے اور خدا کے واحد کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور اس پر یہ

توی دلیل قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ انعام کیے ہیں اور بدادہت عقل اس پر دلائل کرتی ہے کہ ان انعامات میں اور ان نعمتوں کے دینے میں ان جوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور عہد امتیازی تعلیم کا نام ہے اور امتیازی تعلیم کا وہی مستحق ہے جس نے امتیازی نعمتیں عطا کی ہوں اور جب امتیازی نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں تو وہی عہد امتیازی کا مستحق ہے اور بہت اس کے لائق اور سزاوار نہیں ہیں کہ ان کی عہد امتیازی کی جائے۔

حضرت حود علیہ السلام کی اس قوی اور قلعی دلیل کا ان کی قوم سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور انہوں نے جان چھڑانے کے لیے اپنے باپ دلاوا کی تھلید کا سہارا لیا اور کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عہد امتیازی کریں اور ان کی عہد امتیازی چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دلاوا عہد امتیازی کرتے تھے سو آپ ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حود علیہ السلام سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کہا جیسا تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت تک تو عذاب نازل نہیں ہوا تھا پھر حضرت حود علیہ السلام نے کیسے فرمادیا کہ تم پر عذاب نازل ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا استقبال میں واقع ہونا چاہی اور قلعی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں۔ وہ سب جواب یہ ہے کہ اللہ نے تم پر عذاب نازل کر دیا اس معنی میں ہے کہ اس نے تم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت حود علیہ السلام کے نزدیک اس عذاب کا واقع ہونا چاہی تھا۔

اس کے بعد حضرت حود علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھ سے ان باتوں کے حلق جھڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دلاوا سے رکھ لیے ہیں جن کے حلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم جوں کو اللہ کہتے ہو ملائکہ ان میں اللہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تم نے کسی بہت کام عزی رکھا ہے ملائکہ اس میں عزت کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اور تمہارے مذہب کے موجد کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت حود علیہ السلام کی قوم کا انہام اور ان پر عذاب کے نازل کو بیان کیا۔ اس کی تفصیل ہم اس رکوع کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

قَالَ تَمُودُ أَخَاهُ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ

اللہ ہم نے (قوم) تمہاری طرف ان کے (ام قبیلہ) بھائی صالح کو بیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس

مِنْ إِلَهِ غَيْرِكُمْ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَذِهِ نَافَةُ اللَّهِ

کے سوا ہمارے عبادت کا کوئی معنی نہیں ہے، جیسا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آچکی ہے یہ اللہ کی آیت

لَكُمْ آيَةٌ فَذُرُّوهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ

تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو (آباد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھوے اللہ اس کو بھائی (کے ارادہ) سے نہ چھونا اور نہ

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن

تہیں اور تاک عذاب گرفت میں سے لے گا ۝ اور یاد کرو جب (قوم) اللہ کے بعد اللہ نے تمہیں ان کا

بَعْدَ عَادٍ وَبَوَاكُرٍ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا

جائیں بنایا اور زمین میں تم کو بسایا، تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو

قُصُورًا وَتَتَّخِذُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا الْآلَاءَ اللَّهِ وَ

تراش کر ٹھہر بناتے ہو، پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں

لَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۚ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

فاد نہ پھیلاتے پھرو ○ ان کی قوم کے حکمرانوں نے ان

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا مِنَ الْأَمَنِ مِنْهُمْ اتَّعْلَمُونَ أَنَّ

کمزور لوگوں سے کہا جو ان سے ایمان لا چکے تھے کیا نہیں اس پر یقین ہے کہ صالح

صَلِحًا مَّرْسَلٌ مِّنْ رَبِّهِ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۚ قَالَ

اپنے رب کی طرف بھروسہ کیے گئے ہیں، انہوں نے کہا وہ میں چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں ○

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۚ فَعَقَرُوا

حکمران نے کہا تم میں پر ایمان لانے والے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں ○ پھر انہوں نے

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ آئِنَّا بِمَا تَعِدُنَا

اونٹنی کی کو نہیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اسے صالح: ہم پر وہ ضابطے آؤ جس سے تم ہم کو

إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۚ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي

ڈراتے تھے، اگر تم رسولوں میں سے ہو ○ تو ان کو زلزلہ (کے ضابطے) نے پکڑ لیا پس وہ صبح کو اپنے گھروں

دَارِهِمْ جِثِيْنَ ۚ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ

میں اونٹنی سے منہ پھیر رہے تھے ○ پھر صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے میری قوم! بیشک میں نے تمہیں آیتیں

رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحَ ۚ

رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے (ہم قبیلہ) اجمالی صلح کو بھجوا دیا (آئیہ) (الاعراف ۷۹-۷۸)

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

حضرت صلح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم ثمود بھی سامی اقوام کی ایک شاخ ہے۔ علاوہ ازیں کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت صود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ قوم بنی کی نسل سے ہے۔ اس کو علاؤ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ قوم ثمود ثمودیہم کے ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ امام بنوئی لکھتے ہیں اس کا نسب یہ ہے کہ ثمود بن علی بن ارم بن سام بن نوح۔ یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵)

حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے۔ آج کل یہ جگہ فجہ التلک کے نام سے مشہور ہے۔ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری محققین نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مکان دیکھا جس کو پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس میں متعدد کمرے اور ایک بیڑا حوض ہے۔ مشہور مورخ مسعودی نے لکھا ہے الحجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر دین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح علو کو علو ارم کہا گیا ہے اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمود ارم یا علاؤ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ثمود کے زمانہ کا ٹھیک قیاس تو نہیں کیا جاسکا لیکن یہ بات ہر حال یقینی ہے کہ یہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے صلیٰ ہستی پر نمودار ہو کر مٹ چکی تھی۔ ثمود بھی اپنے پیش رو بت پرستوں کی طرح ایک بت پرست قوم تھی۔ اور اس کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے حضرت صلح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

حضرت صلح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت

امام بنوئی متوفی ۵۸۱ھ نے حضرت صلح علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے: صلح بن عبید بن آسف بن ملک بن عبید بن خلد بن ثمود۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵) حضرت صلح علیہ السلام نے قوم ثمود کو بار بار بت پرستی سے منع کیا اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی ہدایت کی لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حضرت صلح کی مخالفت کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ کہتے تھے اگر ہمارا طریقہ غلط ہو تا اور ہمارا دین باطل ہو تا تو آج ہم کو یہ دشمن دولت، سرسبز و شاداب بلخات، میوہ جات اور پھلوں کی کثرت اور یہ بلند، علی شان، مضبوط اور مستحکم مکان حاصل نہ ہوتے۔ تم خود اپنا حال دیکھو اور اپنے پیرو کاروں کی غربت اور افلاس پر نظر ڈالو اور پھر بتو کہ خدا کے نزدیک مقبول تم ہو یا ہم ہیں!

حضرت صلح علیہ السلام نے فرمایا تم جن مضبوط مکانوں اور دیگر سالن زیست پر فخر کر رہے ہو اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے تو یہ سب ایک ہل میں فنا ہو جائیں گے۔ انہوں نے حضرت صلح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اگر واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں تو اللہ کی طرف سے کوئی نشان دکھائیں تب صلح علیہ السلام نے فرمایا تمہارا مطلوبہ نشان اس اونٹنی کی شکل میں موجود ہے۔ اللہ نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی کی باری مقرر فرمادی ہے ایک دن یہ پانی پئے گی اور ایک دن تم ہیرو کے اونٹنی کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے:

قوم ثمود کا حضرت صلح سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور

ان پر عذاب کا نازل ہونا

حافظ محمد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صلح علیہ السلام بھی آگئے۔ حضرت صلح

علیہ السلام نے حسب معمول ان کو لٹھ پر ایمان لائے اور بعد پرستی ترک کرنے کی دعوت دی ان کو دعا اور نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر آپ اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک لونٹنی نکالیں جو دس سال کی گاہن ہو اور فوراً پچھو دے دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صلح علیہ السلام نے ان سے پتھر نکالیں لیں کہ لونٹنی نکلنے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ پھر صلح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی لونٹنی نکل دی جو ان کی طلب کردہ صفت کے مطابق تھی۔ جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔ حضرت صلح علیہ السلام نے کہا یہ اللہ کی لونٹنی ہے جو تمہارے لیے نکلنے والی ہے اس کو اللہ کی زمین پر کھالے دو وہ جہاں چاہتی چلی تھی ایک دن وہ پانی پینے چلی اور ایک دن تو مٹھو چلی اور جس دن وہ پانی پینے چلی تو مٹھوئیں کا سارا پانی پی جاتی۔ ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لیے پانی جمع کر کے رکھتے تھے مگر یہ بھی کھا گیا ہے کہ اس دن وہ سب لوگ اس لونٹنی کا دودھ پی لیتے تھے۔ پھر شیطان نے ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ ایک شخص ولد الزنا تھا اس کی آنکھیں نیلی اور رنگ سرخ تھا اس کا نام قیدار بن سالف بن جعفر تھا۔ وہ ان کا رئیس تھا سب کے مشورہ سے اس نے اس لونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔

امام ابن جریر و فیو نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آچکے تھے لیکن وہ اس لونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ تب صدق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے صدق اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس لونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو پیش کے لیے بہ طور انعام دی جائیں گی۔ آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں پھسپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب لونٹنی چرائی کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس لونٹنی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ لونٹنی کو قتل کر کے حضرت صلح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔ یہ لوگ گھلت لگا کر بیٹھ گئے اور جب لونٹنی سامنے آئی تو صدق نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کا پچھ یہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔ حضرت صلح علیہ السلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا: آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو چاہے گا۔ پھر چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو چھو کر دیا۔

(الہدایہ والتمایہ ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۳ء)

قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

ثمود نے اپنی سرکشی سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا ○ جب ان میں کاسب سے بد بخت اٹھا ○ تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا اللہ کی اونٹنی کو (ایڈاپٹ کرنے) اور اس کے پانی کی باری (کو بند کرنے) سے احتراز کرو ○ تو انہوں نے اس (رسول) کو جھٹلایا اور اس کی کوٹھیں کاٹ دیں ○ تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی جس بستی کو پچھلے زمین بنادیا ○ اور وہ ان کو سزا دینے سے نہیں ڈرتا ○

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ○ إِذِ انبَغَتْ
اشْقَاهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَافَةَ اللَّهِ ○
سُقَاهَا ○ فَكَذَّبُوهُ ○ فَعَقَّرُوهُ ○ فَدَمْدَمَ
عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ○ فَسَوَّاهَا ○ وَلَا يَخَافُ
عِقَابَهَا ○ إِلَّا الشُّعْثُ ○

قوم ثمود کے لوگوں کی سازش کے حلق قرآن مجید میں ہے:

وَكَانَ فِي الْمَثُورِ نَصْرُهُ رَهْبًا يُفْهِمُونَ
فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلَحُونَ ۝ قَالُوا تَقَاسَمُوا
بِآلِهَةِ كُنُيْتِكُمْ وَأَهْلِهِ نَسَمُ لَنَكُونَنَّ لِوَلِيِّهِ
مَا شِئْتُمْ أَهْلِيكُمْ أَهْلِيكُمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ وَ
مَكْرُوا مَكْرًا وَمَكْرَتَنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا
ذَكَّرْنَاهُمْ وَ قَوْمَهُمْ أَحْمَسُ بَيْنَ ۝ فَذَلِكِ
يُؤْتِيهِمْ عَاقِبَةُ مَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَانْحَبِطْنَا الَّذِينَ اسْتَوَارَ
كَانُوا يَنْقُورُونَ ۝ (النمل: ۵۳-۵۸)

اور ثمود کے شہر میں تو شخص ملک میں فساد کرتے تھے اور
اصلاح نہیں کرتے تھے ۝ انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی
قسم کھا کر عہد کر دو کہ ہم ضرور صالح اور ان کے اہل پر شب خون
ماریں گے پھر ہم ان کے وارث سے کہیں گے کہ اس گھر کے
لوگوں کے قتل کے موقع پر ہم حاضری نہ تھے اور بے شک ہم
ضرور سچ ہیں ۝ انہوں نے سازش کی اور ہم نے غیہ تدبیر
کی اور ان کو پانی نہ چلا ۝ تو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیا
انجام ہوا بے شک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک
کر دیا ۝ سو یہ ان کے دیر ان گھر گھر سے پڑے ہیں کیونکہ انہوں
نے قسم کیا تھا اور بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے
(مہرت کی) نشانی ہے ۝ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی
جو ایمان لائے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے ۝

اد نثی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود

قوم ثمود کا قاتل کو لو نثی کے قتل کے لیے بلا اور اس کا نثی کو قتل کرنا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

كَذَبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّمَّنَّا
وَاحِدًا اتَّبَعْنَاكَ إِذْ دَاوُوسُ ضَلَّلَ وَ سُمْرُ ۝ أَلَيْسَ
الَّذِي كَرَّمَهُمْ مِنْ آمِنًا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرُّ ۝
سَبَّغْلَمُونَ عَذَابًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشِرِّ ۝ إِنَّا
مُرْسِلُوا الثَّانَةَ فَنَنْهَ لَهُمْ فَا رْتَقِبْهُمْ وَ
اصْطَبِرْ ۝ وَتَبَيَّنْ لَهُمْ أَنَّ الْعَاةَ قَسَمًا بَيْنَهُمْ
كُلُّ شَرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَادَّبُوا صَاحِبَهُمْ
فَنَعَاظِي قَعَقَرُوا فَكَفَّكَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَبْعًا وَاحِدًا فَكَانُوا
كَهَيْبِ الْمَحْضَرِ ۝ (القمر: ۳۳-۳۷)

ثمود نے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا ۝ انہوں نے کہا:
کیا ہم انہوں میں سے ایک بشر کی اتباع کریں تب تو ہم یقیناً
ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے ۝ کیا ہم میں سے صرف
اسی پر وحی نازل کی گئی بلکہ وہ بڑا جھوٹا حکیم ہے ۝ غریب وہ
(قیامت کے دن) جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا حکیم ہے ۝ بے
شک ہم ان کی آزمائش کے لیے اد نثی بھیجے والے ہیں تو (اے
صالح!) آپ (ان کے انجام کا) انتظار کریں اور میرے کام
لیں ۝ اور ان کو بتا دیجئے کہ پانی ان کے (اور اد نثی کے)
درمیان تقسیم کیا ہوا ہے ہر ایک اپنے اپنے پینے کی باری پر حاضر
ہو گا ۝ تو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس نے (اد نثی کو
پکارا اور) اس کی کو نہیں گات دیں ۝ تو کیا ہوا میرا عذاب

☆ حضرت صالح علیہ السلام نے جب انہیں عذاب کی خبر سنا لی تو انہوں نے انتقاماً حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی
سازش کی۔ جب وہ لوگ اپنے منصوبہ کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی
میں ان پر چھرے سا کر ان کو ہلاک کر دیا اور یہ اللہ کی غیہ تدبیر تھی

اور ذرا انا O بے شک ہم نے ان پر ایک خوفناک آواز بھیجی تو وہ
کانٹوں کی باز لگانے والے کی بجی ہوئی باز کے چورے کی طرح
(۷: ۴۴ اور ۴۵) کر رہ گئے O

سورہ القمر کی من آیات میں بتایا ہے کہ ایک شخص (تبدار) نے لوٹنی کی کوٹھنیں کٹ کر اس کو ہلاک کیا تھا اور سورہ
الاعراف اور سورہ الشمس میں فرمایا کہ قوم ثمود نے اس کی کوٹھنیں کٹی تھیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ ایک شخص کا
فصل تھا لیکن چونکہ پوری قوم اس مجرم کی پشت پر تھی اور وہ دراصل اس جرم میں ثمود کی مرضی کا آلہ کار تھا اس لیے اس کا الزام
پوری قوم ثمود پر عائد کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ گنہ جو قوم کی خواہش پر کیا جائے یا جس گنہ پر قوم راضی ہو وہ ایک
قوی گنہ ہے بلکہ جو گنہ قوم کے درمیان علی الاعلان کیا جائے اور قوم اس کو برائہ جانے وہ بھی قوی گنہ ہے۔
اوٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات

اس لوٹنی کو اللہ کی اوٹنی اس لوٹنی کی تعظیم اور حکیم کے طور پر فرمایا ہے جیسے کہ بیت اللہ فرمایا ہے۔ اور لوٹنی کا
معجزہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ پھر کی چٹن پھٹ گئی اور اس سے لوٹنی نکل آئی اور یہ خلاف عادت اور معجزہ ہے اور اوٹنی کا صرف
اپنی باری پر پانی پینے کے لیے آنا اور کونٹیں کا سارا پانی پی جانا اور دیگر حیوانات کا اس دن کونٹیں پر نہ آنا اور دوسرے دن آنا یہ
تمام باتیں خلاف عادت اور معجزہ ہیں۔

قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق

ایک اعتراض یہ ہے کہ قوم ثمود کے عذاب کو متعارض اور متضاد عنوانوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے ایک جگہ اس عذاب کو
الرحیفہ (زلزلہ) (الاعراف: ۷۸) سے تعبیر فرمایا اور ایک جگہ اس عذاب کو الطاعیہ (حد سے تہلوز کرنے والی چیز) سے تعبیر
فرمایا (الحاقة: ۵) اور متعدد جگہ اس کو الصبحہ (ہولناک آواز) سے تعبیر فرمایا۔ (حون: ۶۷، الحجر: ۸۳، القمر: ۳۱) اس کا جواب یہ ہے
کہ اصل میں یہ عذاب ایک خوفناک زلزلہ کی صورت میں آیا تھا اور زلزلہ میں ہولناک آواز ہوتی ہے اس لیے اس کو
الصبحہ سے بھی تعبیر فرمایا اور چونکہ یہ آواز بہت زیادہ حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس کو الطاعیہ سے بھی
تعبیر فرمایا۔

قرآن مجید کی من سورتوں میں قوم ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ الاعراف، ہود، الحجر، الشعراء، النمل، فصلت، النجم، القمر، الحاقة،
الشمس۔

قوم ثمود کے قصہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام عبد الرزاق بن حاتم متوفی ۲۰۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو الخلیل بیان کرتے ہیں کہ ثمود نے کہا اے صلح! اگر آپ سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں! حضرت صلح نے ان سے کہا
زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شکاف سے لوٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حلقہ کے پیٹ سے
بچہ نکلتا ہے۔ حضرت صلح نے من سے فرمایا: یہ اللہ کی لوٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ کی زمین میں چھوڑ دو تاکہ کھاتی
بھرے اور اس کو بڑائی کے اوروں سے نہ چھوڑو نہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔ (الاعراف: ۷۳) اس کے لیے
پینے کی باری ہے اور تمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے۔ (الشعراء: ۵۵) جب وہ اس پابندی سے شک آگئے تو انہوں
نے اس لوٹنی کی کوٹھنیں کٹ دیں۔ حضرت صلح نے من سے فرمایا تم صرف تین دن اپنے گھروں میں قاعدہ اٹھا لو پھر تم پر عذاب

آئے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو کبھی بھولا نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۵) ایک اور سند سے روایت ہے کہ حضرت صلح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن جب تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے دوسری صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے جب انہوں نے یہ علامت دیکھی تو انہوں نے خوشبو لگائی اور عذاب کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج ۱، رقم الحدیث: ۹۱۱، الدر المنثور: ج ۳، ص ۳۹۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج ۵، ص ۱۵۱۵) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ انجیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: نشانیں کا سوال نہ کرنا کیونکہ حضرت صلح کی قوم نے نشانوں کا سوال کیا تھا وہ اس راستہ سے آئے تھے اور اس راستہ سے لوٹتے تھے انہوں نے اپنے رب کی حکم برداری کی انہوں نے اس نوشتہ کی کو نہیں کٹ دیں۔ ایک دن وہ نوشتہ بن کاپانی پتی تھی اور ایک دن وہ اس کا لبادہ پتے تھے تو انہوں نے اس کی کو نہیں کٹ دیں پھر ایک ہولناک آواز نے ان کو پکڑ لیا آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے سب کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ مگر ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا عرض کیا کیا یا رسول اللہ! وہ شخص کون تھا؟ فرمایا ابو رعل۔ جب وہ حرم سے باہر آیا تو وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵، اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد: ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۴، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، جامع البیان: ۸۷۲، ص ۲۹۸، مجمع الزوائد: ج ۵، ص ۵۵، المستدرک: ج ۲، ص ۳۲۰)

امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طائف گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابو رعل کی قبر ہے۔ اس حرم کی وجہ سے اس سے عذاب دور ہو گیا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس جگہ اس کو وہی عذاب پہنچا تو اس کو دفن کر دیا گیا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شلغ بھی دفن کی گئی تھی۔ اگر تم اس قبر کو کھود گے تو اس شلغ کو حاصل کر لو گے تو لوگوں نے اس قبر کو کھود کر اس سے سونے کی شلغ نکال لی۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۳۰۸۸، تفسیر عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۹۱۶، جامع البیان: ۸۷۲، ص ۲۹۹) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انجیر سے گزرے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں نے اپنی جان پر عقیم کیا تھا ان کے گھروں کے پاس سے بغیر روئے نہ گزرتا کہیں تم پر بھی دیا عذاب نہ آجائے پھر آپ نے نوشتہ کو تیزی سے دوڑایا اور اس مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۸۰، صحیح مسلم: ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، تفسیر عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۹۸، جامع البیان: ۸۷۲، ص ۳۰۰)

وَلَوْ ظَلَمْنَاهُ لَإِذَا قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اھم نے لو کہ جیسا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان داروں

أَخَذَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ

عما سے کسی نے نہیں کی ۵۔ یہی شک تم مردوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس انسانی خواہش کے لیے

ہے حیاتی کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے شہوں میں جاتے اور ان کو نصیحت کرتے وہ ان کی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ عراق اور فلسطین کے درمیان میں واقع ہے۔ تو رات میں اس علاقہ کے صدر مقام کاہم سدوم بتایا گیا ہے جو بائبل میں مودار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بھیہ مودار میں غرق ہو چکا ہے۔ اب صرف بھیہ مودار ہی اس کی ایک یاد بگھڑتی ہے جسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مودار یا بحر لوط واقع ہے اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے سدوم اور عاموراد فیہو یہیں تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میل سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اس سے اس کا نام بحر مودار اور بحر لوط ہے۔ اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مودار کے ساحل پر بعض جہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہاں وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

حضرت لوط کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب بد معاشوں نے یہ سنا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں تو وہ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر دیا اور کہا تم میری بیٹیوں سے نکاح کر لو۔ (حدیث ۴۷۷۷) حضرت لوط کو اپنے مہمانوں کی بے حرمتی کا اندیشہ تھا اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ ایک شخص صرف ایک عورت سے نکاح کرتا تھا انہوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ ہماری خواہش کیا ہے۔ (حدیث ۷۹۷۷) حضرت لوط نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور مجھے اپنے مہمانوں کے حلق شرمندہ نہ کرو کیا تم میں کوئی نیک آدمی نہیں ہے؟ انہوں نے حضرت لوط کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ پھر حضرت جبرئیل اپنی اصل صورت میں آگئے اور کہا اے لوط! پریشان نہ ہو! ہم فرشتے ہیں یہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ہمیں ان کو عذاب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں وہ لوگ جب اندر آئے تو حضرت جبرئیل نے اپنے پر ان کے چہروں پر ل دیا۔ ان کے چہرے خون آلود ہو گئے اور ان کی آنکھیں نکل کر زمین پر گر پڑیں۔ تب انہوں نے کہا اے لوط! تمہارے پاس جلو گر تھے جنہوں نے ہمیں اندھا کر دیا وہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے باہر نکلے اور جیسے ہی صبح ہوئی ان کو عذاب نے آلیا۔

قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں عورتوں کی بجائے مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ان کے بھائیاں میں پھل تھے اور ان کے کچھ پھل بھائیاں سے اور ان کے گھروں سے باہر نکلتے رہتے تھے ایک بار ان کے ہاں قحط پڑ گیا اور بھلوں میں کمی ہو گئی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جو پھل باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اگر تم مسافروں کو ان کے کھانے سے منع کرو تو تمہارے لیے کشادگی ہو جائے گی۔ انہوں نے سوچا کس طرح منع کریں پھر انہوں نے یہ قانون بنایا کہ جو مسافر بھی پھل توڑے گا اس کو ان کے ساتھ نکاح کرنا ہو گا اور اس کو چار درہم جرمانہ دینا ہو گا اس طرح تمہارے پھل محفوظ رہیں گے اور یوں ان کو ہم جنس پرستی کی لت پڑ گئی اور یہ وہ چیز تھی جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

قوم لوط میں اس عمل کی ابتداء کی دو سری وجہ یہ ہے کہ ایک دن ان کے مردوں کے پاس شیطان انتہائی خوبصورت بچے کی

شکل میں آیا اور اس نے من کو اپنے ساتھ اس عمل کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیا پھر ان کو اس عمل کی لت پڑ گئی۔

حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں

حضرت لوط اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی۔ من کی یہ خیانت زنا نہیں تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لوگوں سے یہ کہا تھا کہ یہ مجنون ہیں۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جب من کے پاس فرشتے بہ صورت مہمان آئے تو اس نے لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ضحاک نے کہا حضرت لوط اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت چغل کرنا تھی۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوم لوط کو دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کیا گیا اور میری امت میں اس سے ایک عادت زیادہ ہوگی۔ ان کے مرد ہم جنس پرست تھے، وہ غلیل سے شکار کرتے تھے، ٹھکریاں مارتے تھے، حمام میں کھیلتے تھے، دف بجاتے تھے، شراب پیتے تھے، داڑھی کٹاتے تھے اور سر نہیں لمبی رکھتے تھے، مسی بجاتے تھے اور تلبیاں پڑھتے تھے، ریشم پہنتے تھے اور میری امت میں من سے ایک عادت زیادہ ہوگی کہ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(کنز العمال، ۱۰۳۱۳، مفکر تاریخ دمشق، ج ۲۱، ص ۲۳۶-۲۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

عمل قوم لوط کی عقلی قبا حقیق

لام رازی حنفی ۷۳۶ھ نے قوم لوط کے عمل (انظام) کی حسب ذیل عقلی خرابیاں بیان کی ہیں:

۱۔ اکثر لوگ اولاد کے حصول سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اولاد کی وجہ سے انسان پر ان کی پرورش کا بوجھ پڑ جاتا ہے جس کو اٹھانے کے لیے انسان کو زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جماع کو بہت بڑی لذت کے حصول کا سبب بنادیا ہے انسان اس لذت کے حصول کے لیے جماع کے فعل کا اقدام کرتا ہے۔ اور جماع کے بعد خواہی خواہی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی جہد کے لیے جماع میں یہ لذت رکھی ہے۔ اب اگر انسان اس لذت کو کسی اور طریقہ سے حاصل کر لے جس سے بچہ پیدا نہ ہو تو اس سے وہ حکمت مطلوبہ حاصل نہیں ہوگی اور اس سے نسل انسانی منقطع ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اس لیے اس عمل کا حرام ہونا ضروری ہوا۔

۲۔ مرد اپنی فطرت اور وضع کے اعتبار سے قائل ہے اور عورت منضعل ہے اور جب اس عمل کے نتیجہ میں مرد خود منضعل ہو گا تو یہ فطرت اور حکمت کے خلاف ہے۔

۳۔ قضاہ شہوت کے لیے مرد کا عورت کے ساتھ یہ عمل کرنا جانوروں کے شہوانی عمل کے مشابہ ہے اس عمل کو صرف اس وجہ سے اچھا قرار دیا گیا ہے کہ یہ حصول اولاد کا سبب ہے۔ اور جب یہ عمل اس طریقہ سے کیا جائے جس میں حصول اولاد ممکن نہ ہو تو یہ نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے بلند مقام سے حیوانوں کی پستی میں جا کر رہتا ہے۔

۴۔ جب مرد مرد کے ساتھ یہ فعل کرے گا تو یمن لیا کہ قائل کو اس عمل سے لذت حاصل ہوگی مگر اس سے مفسول کو بہت بڑا عار اور عیب لاحق ہو گا جو تمام عمر اس کی ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا اور وہ کبھی قائل کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکے گا تو ایسی چند منٹ کی خیس اور گھٹیا لذت کے حصول کا کیا فائدہ جس سے دوسرے شخص کو تمام عمر کے لیے عیب لگ جائے۔

۵۔ اس عمل کے بعد قائل اور مفسول میں دائمی بدولت ہو جاتی ہے اور مفسول کو قائل کی شکل سے نفرت ہو جاتی ہے اور

بعض اوقات مفعول قائل کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس کے برعکس شوہر اپنی بیوی کے ساتھ جب یہ عمل کرتا ہے تو ان میں الفت اور محبت اور بڑھتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے رحم میں منی کو جذب کرنے کی بہت زبردست قوت رکھی ہے پس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے تو مرد کے عضو کی ٹلی سے منی کے تمام قطرات منجذب ہو کر عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں اس کے برعکس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرے گا تو مفعول کی مقصد میں چونکہ منی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس عمل کے بعد قائل کے عضو کی ٹلی میں کچھ قطرات اور ذرات رہ جاتے ہیں جن میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے عضو سوج جاتا ہے اور مملک قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سوزاک وغیرہ۔

قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں قوم لوط کے عمل کی مذمت فرمائی گئی ہے:

أَتَأْتُونَ الذَّكَرَ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْغُلَامِ ۚ وَتَذَرُونَ
مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَكُمْ قُلُوبٌ
غَدُورٌ (الشعراء: ۸۴-۸۵)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟
اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے
تمہارے لیے پیدا کی ہیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔
بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر نسانی خواہش کے لیے
مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم تو حیوانوں کی حد سے (بھی)
تجاوز کرتے والے ہو۔

إِنَّكُمْ لَنَافِلُونَ الْإِنْسَانَ شِهْوَةً ۚ وَسَوْ كُنْتُمْ
السَّاعِیْنَ ۖ قُلُوبُكُمْ تُسْرِ قُلُوبَكُمْ (الاعراف: ۸۴)

احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۵ھ محد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو قائل اور مفعول یہ دونوں کو قتل کرو۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۴۳۶۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۶۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۶۱، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۸۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف

ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، المستدرک ج ۳ ص ۳۵۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمن

کی حکومت ہو جائے گی اور جب زنا بہ کثرت ہو گا تو قیدی بہ کثرت ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھالے گا پھر وہ کوئی پردہ نہیں کرے گا کہ وہ کس ولوی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۵۵، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں کو سات آسمانوں کے اوپر سے نعمت فرماتا ہے۔ نور من میں سے ہر ایک پر تین بار نعمت کو دہراتا ہے۔ فرماتا ہے: جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے جانوروں کے ساتھ بد فعلی کی وہ ملعون ہے۔ جس نے اپنے ماں باپ سے قطع توڑا وہ ملعون ہے۔ جس نے ایک عورت اور اس کی بیٹی کو ایک نخل میں جمع کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے اللہ کی حدود کو بدلا وہ ملعون ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ ملعون ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳۹۲، مجمع الزوائد ج ۶، ص ۶۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو لوگ جانوروں سے بد فعلی کریں اور جو لوگ مردوں سے خواہش پوری کریں۔

(المعجم الاوسط ج ۱، رقم الحدیث: ۶۸۵۳، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۸۳۰، الکامل لابن ہدی ج ۶، ص ۲۲۳۳، مجمع الزوائد)

محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں نے عرب کے بعض قبیلوں میں یہ دیکھا ہے کہ وہاں مرد کے ساتھ اس طرح فعل کیا جاتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یہ وہ گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اس امت پر عذاب بھیجا اس کا آپ لوگوں کو علم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر حضرت ابو بکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۳۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا ہو اس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا: لو پورا لے اور نیچے والے دونوں کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۶۲، المستدرک ج ۲، ص ۳۵۵، المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۲۸، مجمع الزوائد ج ۶، ص ۶۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے عمل منکوس کرے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۶۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۱۹۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ لوطی کی حد کیا ہے؟ فرمایا اس کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے پھینکا جائے۔ پھر اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۴۹، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۲۲)

یزید بن قیس نے بیان کیا کہ حضرت علی نے لوطی کو سنگسار کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۴۰، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۲۲)

ذہری نے بیان کیا کہ اگر لوطی شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر کنوارا ہو تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۴۱، مصنف عبدالرزاق ج ۷، ص ۳۶۳، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۲۳)

عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

اس فعل کی سزا میں امام احمد سے مختلف روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، جابر بن زید، عبد اللہ بن عمر اور ذہری کا بھی یہی مسلک ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مرد "مرد" سے خواتین پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کو جلادیا جائے اور دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ سنن ابو داؤد میں یہ حدیث ہے کہ تم جن کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو قاتل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کرو۔

(المصنف، ج ۹، ص ۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فعل زنا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل دہلی حرام ہونے میں زنا کے مشابہ ہے۔

(شرح المہذب، ج ۲۰، ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک قاتل کو رجم کیا جائے گا خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ۔ اسی طرح مفعول اگر بالغ ہو تو اس کو بھی سنگسار کیا جائے گا۔ امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو قید کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی۔ عطاء امیر ایہم نقلی اور ابن المسیب کا بھی یہی مذاہب ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس فعل میں مطلقاً حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اس نے کسی اجنبی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر حد ہے کنوارے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنے غلام، باندی یا بیوی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر بلا تعلق حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ زیادات میں مذکور ہے اگر کوئی شخص اس فعل کا علوی ہے تو پھر اس کی سزا غلیظہ کی طرف منہوض ہے۔ اگر وہ مناسب جگہ تو اس کو قتل کر دے اگر چاہے تو اس کو کوڑے مارے اور اگر چاہے تو اس کو قید کر دے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اگر کوئی شخص بار بار یہ فعل کرے تو مفتی بہ قول پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ درر غرر میں مذکور ہے تعزیر یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلادیا جائے یا اس پر دیوار گرا دی جائے یا اس کو بندی سے گرا دیا جائے پھر اس کو سنگسار کیا جائے۔ الخلوٰی میں مذکور ہے اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اس کو قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے یا مر جائے اور اگر وہ اس فعل کا علوی ہو تو اس کو غلیظہ المسلمین قتل کر دے۔

(رد المحتار، ج ۳، ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قوم لوط پر عذاب کی کیفیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (الاعراف: ۸۴)

سو ہم نے ان پر پھر بارشیں برسائیں سو دیکھو مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد ﷺ آپ دیکھئے کہ قوم لوط کے جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور

انہوں نے دیری سے بے حیائی کے کام کیے اور مہودوں سے خواہش نفس پوری کی مگر کایہا انجام ہوا۔
 اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پرہیزگاری کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ
 آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی کنکریاں
 برسائیں۔ (المجمع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۳۳)

جب عذاب الہی کا وقت آگیا اور رات کی ابتداء ہوئی تو فرشتوں کے اشارہ پر حضرت لوط اپنے خاندان سمیت دوسری
 طرف سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی بیوی نے ان کی رفقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوط کو سدوم
 واپس آگئی۔ جب رات کا پھیلا پھر ہوا تو پہلے تو ایک بیعت باک حج نے لوط کو سدوم کو دھاک دیا پھر آہوی والی زمین کو لوہا بھرا کر
 لٹ دیا گیا اور لوہے سے پتھروں کی بارش نے ان کا ہم و نشان بنا دیا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے کفار کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام
 ہو چکا ہے۔

وَالِیٰ مَدِیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۖ قَالَ یَقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اصحاب مدین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قید) بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے

مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ ۚ قَدْ جَاءَ تَکْوَیْنٌۭ مِّنْ رَبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ

سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے، پس تم

وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَہُمْ وَلَا تَفْسِدُوْا فِی

پرہیز و راناب اور تول کو، اور لوگوں کو کم تول کر ان کی چیزیں نہ دو، اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں

اَلْاَرْضِۢ بَعْدَ اَصْلَاحِہَا ۚ لَیْکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّوْمِنِیْنَ ۝۸۵

فاد نہ کرو، اگر تم ایمان لائے دلوں پر تو تمہارے لیے بہتر ہے ۝

وَلَا تَقْعُدُوْا رِجْلَ صَاحِبِ التَّوْعِدُوْنَ وَتَقْضُوْنَ عَنْ سَبِیْلِ

اللہ ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو قضاؤ اللہ کے راستہ پر چلنے سے

اللّٰہِ مَنۢ اٰمَنَ بِہٖ وَتَبِعُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا

روکہ اللہ اس (سیدھے) راستہ کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو، اللہ یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے

فَکَثَرْتُمْ وَاَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۸۶

تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور خود سے دیکھو کہ مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ۝ اگر تمہاری ایک بات

ضمیمہ القرآن

جلد چہارم

طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا

(اس دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی ۔

قَاصِدٌ وَاحِدٌ يَّحْكُمُ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۸۷﴾

تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل دین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قبیلہ) پہلی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عہدت کرو اس کے سوا تمہاری عہدت کا کوئی مستحق نہیں ہے بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے میں تم پر اپورا اہل اور قول کرو اور لوگوں کو کم قول کر ان کی چیزیں نہ دو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو اگر تم ایمان لالے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ (۸۷-۸۵)

حضرت شعیب کا نام و نسب

علاء علی بن حسن بن عساکر حنفی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام ابراہیم بن دین بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شعیب بن یحییٰ بن عقیل بن عقیل بن دین بن ابراہیم کے بیٹے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بحر بن لادی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

ان کی دہلوی اور ایک قول کے مطابق ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عراق سے شام کی طرف ہجرت کی اور ان کی ساتھ دمشق سے گزرے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب اور ملہم اس قبیلہ سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لایا تھا جس دن ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی اور حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کی بیٹیوں سے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اہل تورات کے نزدیک ان کا نام تورات میں میکائیل ہے اور سرانیہ میں ان کا نام حری بن اسحو ہے اور عبرانیہ میں ان کا نام شعیب ہے۔

دین اور اصحاب الایکہ ایک قوم ہیں یا الگ الگ؟

مکرر نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو وہ مرتبہ نہیں بھیجا گیا ان کو ایک مرتبہ دین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی مافرقہ کی بنا پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرہن محاذیوں والے علاقے کے رہنے والے) کی طرف بھیجا گیا جن کو سابقین والے عذاب سے بچا لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا دین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہر جہہ کہ اس میں خسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ امتیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

لقد نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (۱) کو نہیں والے (۲) (۳۸) فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب لایکہ ابن دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ و مطلق، ج ۱۰، ص ۳۰۹-۳۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر حنفی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب لایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے ابن کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سرسبز مھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب لایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایک نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ابن کو اصحاب لایکہ کہا گیا۔ ہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

(الہدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

و انھما لبامام مبین (الحجر: ۷۹) اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے قلعوں کو شام، فلسطین، یمن، بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی قرآن مجید اسی کو امام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قلعوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا بعض متاخرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور حبشہ ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے یمن چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی مقام پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

حضرت شعیب کی قوم پر عذاب کا نزول

سورۃ الشعراء میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ ابن آجوں کا ترجمہ یہ ہے:

اصحاب لایکہ نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ابن سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ○؟ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ میں تم سے اس کی تبلیغ پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف اللہ رب العالمین پر ہے ○ پورا پورا اٹاپ کرو اور کم ٹاپنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ○ اور درست تر ازو سے وزن کرو ○ اور لوگوں کی چیزیں کم تول کرنے دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ○ اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی جماعتوں کو پیدا کیا ہے ○ انہوں نے کہا آپ تو صرف محرزہ لوگوں میں سے ہیں ○ اور آپ تو صرف ہم جیسے بشر ہیں اور ہم آپ کو صرف جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی کھڑا کرادیں ○ شعیب نے کہا میرا رب تمہارے کاموں کو

خوب جانتا ہے ○ تو انہوں نے شعیب کو جھٹکایا پس ان کو ساتہین والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بڑے خوفناک دن کا عذاب تھا ○ بے شک اس میں ضرور تشکیلی ہے اور ان کے اکثر مومن نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب بہت رحم کرنے والا ہے ○ (الشعرا: ۸۴-۸۵)

ایک اور مقام پر فرمایا:

اور شعیب کی قوم کے کافر مرداروں نے کہا: (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے ○ تو ان کو ایک زلزلہ نے پکڑ لیا پھر انہوں نے اس محل میں صبح کی کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہلاک ہوئے پڑے تھے ○ (الاعراف: ۹۰)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۸ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کو مدین کی طرف بھیجا تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ یہ لوگ ٹاپ اور قول میں کی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے ان کو کی کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت اچھا جواب دیتے تھے۔ جب ان کی قوم کی سرکشی نے بہت طول پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کر دی۔ وہ اپنے گھروں میں گئے تو وہیں بھی گرمی کا سامنا تھا۔ پھر وہ جنگل کی طرف نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے ان کو دھوپ سے سایہ مہیا کیا اس بادل کے نیچے ان کو بہت ٹھنڈک اور آرام ملا۔ پھر انہوں نے باقی لوگوں کو بلایا اور سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا دیا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ یوم الظلمہ (ساتہین یا بادل کے دن) کا عذاب تھا۔

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الایکہ میں گزار دی اور انہیں اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے مگر ان کی سرکشی دن بہ دن بڑھتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی مسلط کی اور ان پر بھی وہی عذاب آیا۔ (مرآۃ المؤمنین ج ۱ ص ۳۸۸-۳۸۷)

قلہ نے بیان کیا ہے کہ اہل مدین کو ایک زبردست گرج دار آواز کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ پر مسلسل سلت دن گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے آگ بھیجی جس نے ان کو کھالیا اور یہی یوم الظلمہ کا عذاب تھا۔

(سورۃ الاعراف میں مدین پر زلزلہ کے عذاب کا ذکر ہے یہ زلزلہ اسی آواز سے آیا تھا اور سورۃ الشعراء میں اصحاب الایکہ پر یوم الظلمہ کے عذاب کا ذکر ہے)

ابو المنذر نے کہا پھر حضرت شعیب نے اپنی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر وہ مکہ چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے اور ان کی عمر ایک سو چالیس سال تھی اور ان کو حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں دفن کیا گیا۔

(المنتظم ج ۱ ص ۲۰۹-۲۱۱ مطبوعہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر

شیخ محمد حفظ الرحمن سیوہادی لکھتے ہیں:

حضرموت میں ایک قبر ہے جو زیارت مکہ عوام و خواص ہے وہیں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب (علیہ السلام) کی قبر ہے۔ حضرت شعیب مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرموت کے مشہور شر

”شیون“ کے مغربی جانب ایک مقام ہے جس کو قبایم کہتے ہیں۔ اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شیل کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے، یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔ (تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۳۵۳، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۲ء)

شیخ حفصہ الرحمن کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور نفوس قدسیہ کی مبارک قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا دنیا کے تمام مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نیز شعیب نے کہا) اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو ڈراؤ، اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے روکو، اور اس (سیدھے) راستہ کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو، اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ○ اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف: ۸۷-۸۶)

ڈرا دھمکا کر ناجائز رقم بنورنے والے

حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین کو راستہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ راستہ پر بیٹھ کر ایمان والوں کو ڈراتے تھے اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ ان راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جاتے تھے اور جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانا چاہتے تھے ان کو روکتے تھے اور کہتے تھے ان کے پاس نہ جلاؤ وہ کذاب ہیں، جیسا کہ قریش نبی ﷺ کے ساتھ کرتے اور یہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا اس سے مراد ڈاکہ ڈالنا ہے جو لوگ راستہ پر چلنے والے مسافروں کو ڈرا دھمکا کر لوٹ لیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق المائدہ: ۳۳ میں گزر چکی ہے۔

بعض علماء نے کہا اس زمانہ میں اس سے مراد ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے ہیں جو لوگوں سے جبراً وصول کرتے ہیں جو شرعاً ان پر لازم نہیں ہیں۔ ہمارے زمانہ میں حکمرانوں نے ہر چیز کے انواع و اقسام کے ٹیکس عائد کیے ہوئے ہیں اور عوام کے ٹیکسوں سے صدر، وزیراعظم، وفاق وزراء، گورنر اور صوبائی وزراء کی رہائش کے لیے عالی شان محل بنائے اور کولھیاں ہیں۔ ان کے سفر کرنے کے لیے خصوصی طیارے ہیں۔ یہ سب ان کت مرتبہ بیرونی دوروں پر جاتے ہیں اور اپنے ساتھ خوشامدوں کے نوٹے کو لے جاتے ہیں اور ان کو شاہک کے لیے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں۔ ان کے اہل خانہ پر مشتمل اخراجات لاکھوں روپیہ سے تھوڑے ہیں۔ غریب عوام کے کھانے کے لیے روٹی بمشکل میسر ہوتی ہے، سرچھپانے کے لیے چھت کا سلیہ حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور یہ عوام کے خون پیچے سے کھائی ہوئی رقم سے جبراً ٹیکس وصول کر کے بے دردی سے اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ قوی منصوبوں کے نام پر عالمی بینک سے قرض لیتے ہیں اور اس رقم کو اپنی عیاشیوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور قوم کو قرض میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں غنڈے، منڈے اور دہشت گرد دکانوں اور گھروں سے زبردستی بھتہ وصول کرتے ہیں۔ فطرانہ، زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی بھی جبراً وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو اسلحہ خریدنے اور اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ گاڑیاں چھین کر ڈاکے ڈالتے ہیں اور قتل و غارتگری کی وارداتیں کرتے ہیں۔ وہ بھی

اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

قوم شعیب کو ترغیب اور ترہیب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کا یہ قول نقل فرمایا اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت پر راغب کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ان کو دور رہنے کی ترغیب دی جائے۔ اس آیت کے تین عمل ہیں۔ ایک یہ کہ تم عدد میں کم تھے تو تم کو تعداد میں زیادہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ تمہارے پاس مال کم تھا تو تم کو زیادہ مال عطا کیا اور تیسرا یہ کہ تم جسمانی طور پر کمزور تھے تو تم کو طاقتور کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ پہلی آیت میں ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں ان کو ترہیب کی ہے اور ایمان نہ لانے پر ڈرایا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِبُ

ان شعیب کی قوم کے حکمرانوں نے کہا اے شعیب! ہم تم کا وطن لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْلْتَعُوذَتَنَا فِي مَلَّتِنَا قَالَ

اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، شعیب نے جواب دیا خواہ

أَوْ لَوْ كُنَّا كَرِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي

ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں ○ بیشک ہم نے اللہ پر بہتان باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو

مَلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهَ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا

گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم نے اللہ پر ہی توکل

تَوَكَّلْنَا رَبُّنَا أَفَتَمَيَّنَّا مِنْ آيَاتِ اللَّهِ فَأَمَّا الْفِتْنَةُ فَإِنَّهَا لَمِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَانْتَ خَيْرُ الْفِتْنَيْنِ ﴿٨٩﴾

کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے اور تو سب اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِبَنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ

اطلس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے

نہیان القرآن

جلد چہارم

إِذَا الْخَسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمٌ ﴿٩١﴾

داروں میں سے ہو گئے ○ سوان کو ایک ہرناک آواز (زلزلہ) سننے پڑی یا ہرناک کے وقت وہ اپنے گروں میں بونٹے زمرہ پڑے تھے

الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعِيًّا كَانَ لَهُمُ يَغْتَوِافُهَُا ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعِيًّا

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ سوز ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گریا کہ ہمیں ان گروں میں بسے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب

كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمُ لَقَدْ ابْلَغْتُكُمْ

کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○ پھر شعیب ان سے کندہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے

رِسْلَتٍ مَّرَاتٍ ۖ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰمَنَیْ عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرٍ ۙ ﴿٩٣﴾

پینامات سبب بنایا ہے اے اللہ میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو اس میں کافروں (کے مذاب) پر کیوں کر افسوس کروں! ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس (شعیب) کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور اپنی ہستی سے نکل دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ شعیب نے جواب دیا خواہ ہم اس کو پسند کرنے والے ہوں ○ (الاعراف: ۸۸)

حضرت شعیب علیہ السلام پر کفر میں لوٹنے کے اعتراض کے جوابات قرآن مجید میں ہے اور تفسیر میں ملتا ہے کہ اس کا معنی ہے "یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ" اس سے یہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے دین میں شامل تھے۔ گویا آپ پہلے (علیہ السلام) کافر تھے۔ اس سوال کے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بیروکار ان کے دین میں داخل ہونے سے پہلے کافر تھے۔ سوان کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت شعیب کو خلیفہ ان کے بیروکاروں میں شامل کر کے یہ کہا کہ تم ہمارے دین میں داخل آ جاؤ۔

۲۔ کافر سرداروں نے عوام پر تلخیں اور اشتباہ ڈالنے کے لیے اس طرح کہا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے ہی ہم عقیدہ تھے اور پھر ان سے منحرف ہو کر کسی نئے دین میں داخل ہو گئے اور حضرت شعیب نے جواب بھی ان کے ایمان کے موافق دیا کہ اگر ہم تمہارے دین میں داخل آ گئے۔

۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام ابتداء میں اپنے دین کو خفی رکھتے تھے۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہیں۔

۴۔ اس آیت میں خود میرورت کے معنی میں ہے یعنی یا پھر تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور ہم نے اسی اسلوب پر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بطور استغماہ انکار اور تعجب کے فرمایا کہ تم ہمیں اپنے دین میں داخل ہونے کے لیے کہتے ہو کیا تم ہمیں ہماری مرضی اور پسند کے خلاف اپنے دین میں داخل کر لو گے، تم کو یہ علم نہیں کہ توحید کا عقیدہ ہمارے دین میں

میں پوست ہے اس کو کوئی نہیں نکل سکتا۔ تم ہمیں اس بہتی سے نکلنے کی دھمکی دیتے ہو تو سن لو کہ دین کی محبت کے مقابلہ میں وطن کی محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے کہا) بے شک ہم نے اللہ پر بہت باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے اور تو سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے O (الاعراف: ۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے دین میں داخل سے محفوظ رکھا ہے اور ہمیں اب کفر میں داخل ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہی ہو تو پھر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز میں اس کی حکمت باندھ ہے سو تم یہ طمع نہ کرو کہ اللہ کی مشیت میں یہ ہو گا کہ وہ اپنے قلعہ بندوں کو ایمان پر ثابت قدم نہیں رکھے گا اور وہ ہمیں گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ویر تر ہے کہ وہ اپنے قلعہ بندوں اور مومنوں کو مرتد کرنا چاہے اور ان کو کفر اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے اور ہم نے ہر چیز اور ہر بات میں اللہ ہی پر توکل کر لیا ہے اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ
اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(الطلاق: ۳)

توکل کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۴ھ نے لکھا ہے کہ توکل کے دو معنی ہیں ایک معنی ہے کسی کو دال بنانا اور دوسرا معنی ہے کسی پر اعتماد کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۹ مطبوعہ مکتبہ زمرہ مصطفیٰ مکہ المکرمہ)

علامہ محمد طاہر بن عثمان متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

توکل یہ ہے کہ تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے جو مسبب الاسباب ہے اور اسباب علویہ سے قطع نظر کر لی جائے اور دوسری تعریف یہ ہے کہ جو چیز انسان کی طاقت سے باہر ہے اس میں سعی و کوشش کو ترک کر دیا جائے اور جو سبب اس کی طاقت میں ہے اس کے حصول کی سعی کی جائے اور یہ ممکن نہ کرے کہ مسبب کا حصول اس سبب سے ہوا ہے بلکہ اس کے حصول کا اللہ کی جانب سے اعتقاد رکھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۵۲۵، دار النکاح بیروت، جامع الأصول ج ۱۱ رقم الحدیث ۹۵۰۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

لوہے سے داغنے اور دم کرانے پر توکل سے بری ہونے کا اشکال بہ ظاہر اس حدیث کے معارضیہ حدیث ہے:

حضرت سفیہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے داغ لگایا یا دم کرنے کو طلب کیا تو وہ توکل سے بری ہو گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۹۰، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹)

طبع قدیم 'مسند احمد' ج ۶، رقم الحديث: ۸۲۲۵، طبع جدید 'مسند حمیدی' رقم الحديث: ۷۳، 'مستفد ابن ابی شیبہ' ج ۸، ص ۳۹، 'مسند عبد بن حمید' رقم الحديث: ۳۴۳، 'السنن الکبریٰ للبیہقی' ج ۹، ص ۳۲۹، 'جامع الاصول' ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۳، 'شعب الایمان' ج ۲، رقم الحديث: (۱۱۶۵)

اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس شخص نے علاج کی نیت سے اپنے کسی عضو پر گرم لوہے سے داغ لگایا یا کسی شخص سے دم کرایا تو وہ توکل سے بری ہو گیا کیونکہ نبی ﷺ نے خود علاج کرنے کی ہدایت کی ہے۔
دوا کرنے اور علاج کرانے کے متعلق احادیث

حضرت جابر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے پس جب کسی بیماری کی دوا حاصل ہو جائے تو وہ اللہ کے اذن سے تندرست ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، الطب: ۶۹، (۲۲۰۳) ۵۳۷، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحديث: ۵۵۶، 'مسند احمد' ج ۳، ص ۳۳۵، 'جامع الاصول' ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۷)

حضرت ابو ہریرہ جریڈ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کی دوا بھی نازل کی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۵۶۷۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۳۹، 'جامع الاصول' ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحديث: ۵۵۵۵)

حضرت اسلمہ بن شریک جریڈ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم دوا کریں آپ نے فرمایا دوا کرو کیونکہ اللہ نے جو بیماری مبتلا ہے اس کے لیے دوا بھی مبتلا ہے سوائے بڑھاپے کی بیماری کے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۳۶، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۴۵، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحديث: ۵۵۴، 'مسند الحمیدی' رقم الحديث: ۸۲۴، 'مسند احمد' ج ۳، ص ۲۷۸، 'جامع الاصول' ج ۶، رقم الحديث: ۵۳۸، 'الادب المفرد' رقم الحديث: ۲۹۱، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۶۰۴، 'مستفد ابن ابی شیبہ' ج ۸، ص ۲، 'المعجم الکبیر' ج ۱، رقم الحديث: ۳۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۴۳)

حضرت جابر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب جریڈ کی طرف ایک طبیب بھیجا اس نے ان کی ایک رگ کلٹی پھر اس پر گرم لوہے سے داغ لگایا۔

(صحیح مسلم، سلام: ۷۳، (۲۲۰۷) ۵۳۱، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۴۳، 'مسند احمد' ج ۳، ص ۳۰۴، 'مسند عبد بن حمید' رقم الحديث: ۱۰۱۸، 'جامع الاصول' ج ۷، رقم الحديث: ۵۵۸۵)

حضرت جابر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو تیر کے زخم کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگایا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۶۶، 'جامع الاصول' ج ۷، رقم الحديث: ۵۶۸۳)

دوا اور دم سے نبی ﷺ کا علاج کرانا
رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنا علاج فرمایا ہے۔

سل بن سعد جریڈ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کا کس چیز سے علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علی جریڈ، ذحل میں پانی لے کر آتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سے زخم کو دھو تیں

پھر چٹائل کو جلایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھردی گئی۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۲۳، صحیح مسلم، جلد: ۳۰، ۱۷۹۰، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۹۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث:

۲۳۷۳، مسند احمد، ج ۸، رقم الحديث: ۲۲۸۳، صحیح ابن حبان، ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گردن کی دونوں جانبوں کی رگوں اور کندھوں کے درمیان نصہ لگواتے تھے اور آپ سترہ اٹیس اور ایکس تاریخ کو نصہ لگواتے تھے۔ (نبی ﷺ نے فرمایا تمہاری بہترین دوا نصہ لگانا ہے)

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۵۷۶۱، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۵۸، ۳۸۶۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۳۸۳، صحیح ابن حبان،

ج ۳، رقم الحديث: ۶۰۷۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحديث: ۳۷۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، رقم الحديث: ۳۲۰، جامع الاصول، ج ۷، رقم الحديث: ۵۶۷۴)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی خدمت کرتی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے ہر میں جب بھی کوئی چھللا یا زخم ہوتا تو آپ مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مندی لگا دوں۔

(سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۵۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۵۸، مسند عبد بن حمید، رقم الحديث: ۱۵۷۳، مسند احمد، ج ۶،

ص ۳۳، جامع الاصول، ج ۷، رقم الحديث: ۵۷۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو ایک مٹی کی گونجی پھانک لیتے اور اس کے اوپر پانی اور شہد پیتے۔ (المجموع الاوسط، ج ۱، رقم الحديث: ۱۰۹، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو حضرت جبریل آکر آپ پر ان کلمات سے دم کرتے باسم یسربک و من کل داء یשמیک و من شر حاسد ادا حسد و شر کل دی عیس۔

(صحیح مسلم، الطب: ۲۹، ۲۱۸۵، ۵۵۹۵)

اشکال مذکور کا جواب

جب ان متعدد احادیث مجھ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے بیماری میں علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی بیماری میں علاج کیا ہے اور آپ پر دم کیا گیا ہے اور آپ نے صحابہ کا داغ لگانے سے علاج کیا ہے تو واضح ہو گیا کہ دوا، دم اور علاج کے ذریعہ اسباب کی رعایت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ کھانے کے ذریعہ بھوک کو دور کرنا اور پانی کے ذریعہ پیاس کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ نبی ﷺ غار حراء میں کئی کئی دنوں کا کھانا لے کر جاتے تھے۔ ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک فراہم کرتے تھے۔ جنگ احد میں آپ دو ذریعہ ہیں کہ گئے تھے بیماری میں علاج کرتے تھے دم کراتے تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کسی مقصود کے اسباب کو حاصل کرنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ سید المتوکلین ہیں اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جس شخص نے گرم لوسے سے جسم کو دغا یا دم کرایا وہ توکل سے بری ہو گیا اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے ان کو شفا کا قطعی اور یقینی سبب گمان کیا اور اس سے غافل ہو گیا کہ شفاء اللہ نے دینی ہے تو وہ توکل سے بری ہو گیا اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ شخص اسباب غالبہ ہیں اور شفا کی صرف اللہ سے امید رکھی تو اس کا توکل اپنے مال پر ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ظاہر ہے۔

توکل کی تعریف پر ایک اور اشکال کا جواب

یہ حدیث بھی بہ ظاہر توکل کی تعریف کے خلاف ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو ان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۳۵۱، جامع الاصول، ج ۱۰، رقم الحديث: ۷۶۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۲۰۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۴۱۳، کتاب الزہد لابن المبارک، رقم الحديث: ۵۵۹، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱، رقم الحديث: ۲۳، صحیح ابن حبان، رقم الحديث: ۷۳۰، المستدرک، ج ۳، ص ۳۸۸، حلیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۸، شعب الایمان، ج ۲، رقم الحديث: ۱۱۸۲)

اللہ تعالیٰ پر کماحقہ توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم یہ یقین رکھو کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ ہے اور کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا، نفع اور نقصان، فقر اور غنا، مرض اور صحت، امتحان میں کامیابی اور ناکامی، موت اور حیات اور ان کے علاوہ دوسری چیزیں سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہیں۔ پھر اس یقین کے ساتھ اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے اسباب کو بروئے کار لایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے ہی شلوکام کرے گا جیسے وہ پرندوں کو شلوکام کرتا ہے وہ صبح رزق کی تلاش میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ کسب کو ترک کر دیا جائے کیونکہ پرندے بھی رزق کی تلاش میں سعی اور کسب کرتے ہیں۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں قناعت اور توکل کے بعض آدمی بغیر زاد و راہ کے سفر کرتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بدعت ہے صحابہ اور سلف صالحین سے معقول نہیں ہے بلکہ سلف صالحین زاد و راہ لے کر سفر کرتے تھے اور ان کا توکل زاد و راہ پر نہیں اللہ پر ہوتا تھا۔ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۲۲، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۳۳۳ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان لانے سے باز ہو گئے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کی کافری قوم کا عذاب نازل فرمائے جس سے حضرت شعیب کا اور ان کے متبعین کا حق پر ہونا واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے ○ سو ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اونگھ مٹے منہ مردہ پڑے تھے ○ جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ صفحہ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بے عی نہ تھے ○ جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○ پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں افسوس کروں ○

(الاعراف، ۹۳-۹۰)

نزول عذاب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کی صداقت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کی تکذیب کی۔ اس آیت میں ان کی ایک اور گمراہی کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے لوگوں سے کہا اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تمہیں نقصان ہو گا۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کے بعد تم کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہو گا جو تم ٹپ تول میں کمی کے ذریعہ حاصل کرتے تھے۔ یا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم دین میں گھانے میں رہو گے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت شعیب علیہ السلام کا دین باطل

تھا اس کے بعد وہ سری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نازلہ کے عذاب کو بھیجے گا ذکر فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت کے بعد وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ اس عذاب میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کی صداقت کی کئی دلیلیں ہیں۔ ہول یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے عذاب آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعوت برحق تھی۔ مثالی یہ کہ یہ عذاب صرف حضرت شعیب کے مخالفین پر آیا ان کے موافقین پر نہیں آیا۔ پھر اس میں مزید اعجاز یہ ہے کہ یہ عذاب اس قوم پر نازل ہوا جو ایک شہر میں رہتی تھی یہ عذاب آسمان سے نازل ہوا اور صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جو حضرت شعیب علیہ السلام کے منکر اور مخالف تھے اور ان پر نازل نہیں ہوا جو حضرت شعیب کے متبعین تھے حالانکہ وہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شعیب ان لوگوں کے درمیان سے چلے گئے اور حضرت شعیب ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت پوری کر چکے تھے اور عمل نصیحت کر چکے تھے اس لیے فرمایا اب میں ان پر افسوس کیسے کروں !

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَ

ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا

الضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرُّوْنَ ۝۹۳ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ

تاکہ وہ سزاوارد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بد حال کو خوش حال سے بدل دیا

حَتَّىٰ عَفَّوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ

حتیٰ کہ وہ خوب پیسے پیسے اور انہوں نے کہا ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے ، سو ہم نے ان کو

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۹۴ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

اجنب گزشتہ میں سے یا اور ان کو چاہی نہیں چلا اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا

آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا

فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۹۵ أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ

تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ○ تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا

بَأْسٌ يَأْتِيَانَا وَهُم نَائِمُونَ ۝۹۶ أَوَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ

عذاب راتوں رات آجائے جب وہ سو رہے ہوں ○ اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا

بِأَسْنَأُضْحٰی وَهُمْ یَلْعَبُونَ ﴿۹۹﴾ اَفَاَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَأْمَنُ

پاشت کے وقت آجائے جب وہ کھیل کر میں شغل ہوں ○ تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں ؛ حالانکہ اللہ کی خفیہ

مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۰۰﴾

تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ فریاد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بد حال کو خوش حال سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے کہا: ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے سو ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتہ بھی نہیں چلا۔ (الاعراف: ۹۵-۹۸)

مشکل الفاظ کے معانی

قربہ: وہ جگہ جس میں لوگ اجتماعی طور پر رہتے ہوں اس کا اطلاق شہروں اور دیہاتوں دونوں پر ہوتا ہے۔
البہائم: شدت اور مشقت۔ مثلاً جنگ کی مشقت، پھنسیدہ اور ناگوار چیز۔ اس کا اطلاق زیادہ تر فقر اور جنگ کی مصیبت پر ہوتا ہے۔

الضرراء: وہ چیز جو انسان کے نفس یا اس کی معیشت میں ضرر پہنچائے۔ مثلاً مرض، اس کا مقابلہ الراء اور النعماء ہے۔
یضرعون: اس کا معنی ضعف اور ذلت ہے۔ اس سے مراد ہے تذلل اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا۔
عفوا: عفو کا معنی ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کا قصد کرنا۔ گناہ سے درگزر کرنا، کسی چیز میں زیادتی کا قصد کرنا یا زیادہ ہونا۔
یہاں بھی مراد ہے۔

رنج اور راحت کے نزول میں کافروں اور مسلمانوں کے احوال اور افعال کا فرق

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں پر ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ایک عام قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جس بستی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کی طرف کوئی رسول بھیجا اور پھر اس بستی والوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی اور جب وہ تنبیہ کے باوجود اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیامیت کرنے کے لیے عذاب بھیج دیا اور جن اقوام پر عذاب بھیجے گا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے وہ صرف ان اقوام کی خصوصیت نہ تھی۔

اور تمام قوموں کی یہ سرشت رہی ہے کہ پہلے اللہ ان کو تنگی، بیماری اور قحط کی آفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر ان کو فراخی اور صحت عطا فرماتا ہے اور خشک سالی دور فرما دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کو پہچانیں اور اس کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ لیکن جب وہ ان نعمتوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھا لیتے ہیں، ان کی تعداد اور ان کے مال میں زیادتی ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ایسا ہمیشہ سے ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے، کبھی ان پر برے دن آتے تھے اور کبھی اچھے دن۔ یہ اللہ کی قدرت اور وحدانیت یا اس کے رسول کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔

بیان القرآن

خلاصہ یہ ہے کہ کافر مصیبت سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ راحت پر شکر ادا کرتے ہیں اور مومن کی کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت مصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے حل پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ صفت مومن کے سوا اور کسی میں نہیں ہے اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم، زہد: ۶۳، (۲۹۹۹) ۷۳۶۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳۲، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۷۸۰، جامع الاصول،

ج ۹، رقم الحدیث: ۷۰۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد اور مومن عورت کی جان، مل اور اولاد پر ہمیشہ مصیبتیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حل میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے لوہے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۰۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۹۱۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۹۱۳،

المستدرک، ج ۱، ص ۳۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندے کی دنیا میں دو آنکھیں لے لیتا ہوں تو میرے نزدیک اس کے لیے جنت کے سوا اور کوئی جزا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۶۵۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۰۸، جامع الاصول، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۶۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اہل عافیت جب مصیبت اٹھانے والوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھال کو دنیا میں قیمتی سے کٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۱۰، المسکوٰۃ، رقم الحدیث: ۱۵۷۰، الترغیب والترہیب، ج ۴، ص ۲۸۲)

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جب ان پر مصائب آئیں تو وہ یہ یقین کریں کہ یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہیں اور ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔ وہ ان مصائب پر صبر کریں اور ان پر دلوں پر نہ لائیں اور جب ان پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اگر انہوں نے رنج و راحت کے ایام کو گردشِ دوراں اور زمانہ کی علوت پر محمول کیا تو پھر ان کا یہ عمل کافروں کے عمل کے مشابہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آ جائے جب وہ سو رہے ہوں اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کو پکڑے وقت آ جائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ حلا نکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں۔

(الاعراف: ۹۹-۹۶)

نیک اعمال نزولِ رحمت کا سبب ہیں اور بد اعمال نزولِ عذاب کا باعث ہیں

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اگر بستیوں والے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے تو اللہ ان پر آسمانوں اور زمینوں سے برکتوں کے دروازے کھول

رہا۔ آسمان سے بارشیں نازل فرماتا اور زمین سبز اور فصل اگتی اور جن کے جانوروں اور مویشیوں میں کثرت ہوتی اور ان کو امن اور سلامتی حاصل ہوتی لیکن انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کی معصیت کی وجہ سے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا۔

اس کے بعد دوسری آیتوں سے مقصود انہیں اس بات سے ڈرانا ہے کہ کہیں ان کی فحلت کے اوقات میں ان پر اچانک عذاب آجائے۔ مثلاً جس وقت یہ سوئے ہوں یا دن کے کسی وقت میں جب یہ لہو و لعب میں مشغول ہوں تو ان پر اچانک عذاب آجائے۔ پھر فرمایا: کیا یہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں اور اللہ کی خفیہ تدبیروں میں سے یہ ہے کہ ان کی بے خبری میں اچانک ان پر عذاب آجائے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان صحیح اخروی سعادت اور دنیاوی کشادگی کا سبب ہے اور کفر اور معصیت عذاب کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہے اور کافروں کو عذاب سے ڈرایا ہے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ

جو لوگ سابق ساکنین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم

نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۳﴾

چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے ○

تِلْكَ الْقُرْآنُ نَقَّصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

یہ وہ بستیوں میں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں، بیشک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح

بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ

مہجرات سے کرائے میں ہیں وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے کیوں کہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے،

اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾ وَمَا وَجَدْنَا إِلَّا كَثْرَهُمْ مِنْ عَهْدِ

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو جہد پورا کرنے والا نہ پایا،

وَأِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُوسَىٰ

اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا ○ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر

بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ

فرعون اور اس کی جماعت کی طرہت بیجا کہ انہوں نے ان نشانوں کے ساتھ علم کیا، تو آپ دیکھیں کہ فساد کرنے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۵۸﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يُفْرِعُونَ إِنِّي رَسُولُ

واہوں کا کیا انجام ۵۸ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین

مِنْ تَرَابِ الْعَالَمِينَ ﴿۵۹﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا

کہ مرنے سے رسول ہوں ۵۹ میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ

الْحَقُّ قَدْ جُئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ إِسْرَءِيلَ ﴿۶۰﴾

کہوں، بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں (سورہ فرعون) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے ۶۰

قَالَ إِن كُنتَ جئتَ بِبَيِّنَةٍ فَاتِ بِهَا إِنْ كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۶۱﴾

فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو ۶۱

قَالَ لَقَدْ أَخَذَ لِي مَصَاحُفٌ فَأِذْ أَهِيَ تَعْبَانُ مُبِينٌ ﴿۶۲﴾ وَتَرْعَا يَدَايَ فَاذْأَهِيَ

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا لہذا وہ اپنا تک بیتا ہوا ڈھک رہا ہوا ۶۲ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ

بَيِّنَةٌ لِلْمُظْهِرِينَ ﴿۶۳﴾

دیکھنے والوں کے لیے روشنی ہو گیا ۶۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ سابقہ ساکنین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گمراہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سمجھتے ۱۰۰ (الاعراف: ۱۰۰)

کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجنے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے کفار کا ملل اجتناف اور تفصیلاً بیان فرمایا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجے اور جب انہوں نے بار بار اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور متعدد بار یہ کہا کہ اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ تمہاری مخالفت کرنے کی وجہ سے ہم پر عذاب آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نمائے عرب اور اس سے ملحق علاقوں کے راستوں میں پائے جاتے ہیں اور بعض عربوں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا تھا کہ کے کافر بھی نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور ہم آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو پھر آپ کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اصل مکہ جو قوم نوح، قوم ثمود اور قوم مدین کے بعد ان علاقوں میں آباد ہوئے ہیں کیا پچھلی قوم کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کو عذاب نہ دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری قدرت میں نہیں ہے بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری حکمت میں نہیں ہے۔

اور کفار مکہ کو عذاب نہ دینے کی ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فَتُفْتِنُهُمْ
اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے
(الانفال: ۳۳) اور آنحضورؐ آپ ان میں موجود ہیں۔

کفار مکہ کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے کفر اور عتلا کی سزا کے طور پر ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب یہ ایمان نہیں لاسکتے۔ اور مرے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ایسی علامات ثبت کر دی ہیں جن سے فرشتے یہ جان لیتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ تسلیم دینا ہے کہ اگر آپ کی پیغم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں آپ کی تبلیغ کی اثر آفرینی میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اس کے بعد فرمایا پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ حالانکہ یہ ظاہر وہ سنتے تو تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سنا وہ ہے جو سننے کے بعد اس کو قبول کرے اور چونکہ وہ قبول نہیں کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سننے والے نہ تھے۔

اس آیت کی ایک اور تقریر یہ ہے کہ کفار مکہ سیدنا محمد ﷺ کو منصب نبوت کے لیے باطل کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اس لیے ہم آپ کے دین میں داخل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ نبوت کے لائق نہیں بلکہ حقیقت میں تم ان کے امتی ہونے کے اہل نہیں ہو۔ اس لیے ہم نے سزا کے طور پر تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب تم چاہو بھی تو ہمارے نبی کے امتی نہیں بن سکتے اور ان کے دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔

سابقہ امتوں کے عذاب سے کفار مکہ کا سبق حاصل نہ کرنا

اس پوری آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بعد جو لوگ اس خطہ زمین پر آکر آباد ہوئے انہوں نے اس زمین پر آثار عذاب دیکھ کر یہ سبق کیوں حاصل نہیں کیا کہ پچھلی امتوں پر ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا تھا سو اگر انہوں نے بھی انکار اور تکذیب کی روش برقرار رکھی تو ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ پھر خود ہی فرمایا: انہوں نے یہ سبق اس لیے حاصل نہیں کیا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور یہ مہر لگانا ان پر جبر اور ظلم نہیں ہے بلکہ ان کے متواتر کفر اور عناد کا نتیجہ ہے اور جب ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے تو وہ کسی نصیحت کو قبول کرنے کے لیے نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ بستی ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں، بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے، کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے (الاعراف: ۱۰۱)

سیدنا محمد ﷺ کا علم غیب اور آپ کی رسالت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی امتوں کے احوال بیان فرمائے کہ ان رسولوں کی قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور انجام کار ایسے عذاب سے دوچار ہوئے جس کی وجہ سے صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور خصوصیت کے ساتھ ان پانچ قوموں کے احوال اس لیے بیان

فرمائی کہ یہ قومیں جزیرہ نما عرب اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں رہنے والی تھیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ ڈھیل دی اور ان کو بہ کثرت نعمتیں عطا فرمائیں جس کی وجہ سے انہوں نے یہ زعم کر لیا کہ ان کا موقف درست ہے اور رسولوں کا پیش کیا ہوا دین غلط ہے۔ اور سیدنا محمد ﷺ کو بھی اسی علاقہ میں مبعوث فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ قوموں کے احوال بیان فرما کر مکہ والوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم کفر اور تکذیب میں گزشتہ قوموں کی پیروی نہ کرنا ورنہ تم بھی عذاب الہی کے مستحق ہو جاؤ گے ۱

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر بھی دلیل ہے کہ نیک اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان پانچ قوموں کے احوال سے مطلع فرمایا اور آپ نے کسی سے سنے یا کسی کتاب میں پڑھے بغیر ان قوموں کے احوال بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو یہ خبریں صرف وحی الہی سے حاصل ہوئی ہیں اور جس پر وحی نازل ہو وہی نبی ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ غیب کی خبریں بیان کی ہیں اور نبی وحی ہوتا ہے جو غیب کی خبریں دیتا ہے۔ سو آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔ ان خبروں کے علاوہ نور بھی بہت سے غیبات کا آپ کو علم ہے بلکہ آپ کو سب رسولوں سے زیادہ غیب کا علم ہے تاہم آپ کو عالم الغیب کتنا صحیح نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب کا حفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ آپ کو مطلع علی الغیب کہنا درست ہے۔

تمام نبی حامل معجزہ ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے۔

اس آیت سے یہ تو صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ رسولوں کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے اگرچہ ذکر صرف حضرت صلح علیہ السلام کے اس معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو وہ کس بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو نبی صلوٰۃ اور نبی کذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو اس قدر معجزات دیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۹۸۷، صحیح مسلم، الامین: ۲۳۹، (۱۵۲) ۳۷۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۴۱-۳۴۰، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم

الحدیث: ۱۱۲۹)

نبی ﷺ کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے امتیاز

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کو اتنے معجزات دیے گئے ہیں جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لاسکے اور مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے جس کی مثل کسی کو نہیں دی گئی اس لیے فرمایا میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس کا دو سرا معنی یہ ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے اس پر جلد یا شعبہ وغیرہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا جبکہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔ اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ گزر گئے اور ان کے زمانوں میں بھی ان معجزات کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا تھا جو اس موقع پر موجود تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں جو فصاحت اور بلاغت ہے اور غیب کی خبریں ہیں اس کی نظیر لانے سے بلکہ اس کی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے تمام جن اور انس اجتماعی اور انفرادی طور پر ناکام اور عاجز رہے اور علم کی روز افزوں ترقی اور مخالفین

کی کثرت کے باوجود اب تک عاجز ہیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کو کوئی جھٹلا نہیں سکا اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس میں کمی اور بیشی ثابت نہیں کر سکا۔ ہمارے نئی پیچیدہ کے عہد سے لے کر قیامت تک ہمارے نئی پیچیدہ کے سوا کسی نئی کی نبوت پر کوئی دلیل یا معجزہ قائم نہیں ہے۔

معجزہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جر جانی حنفی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جو اللہ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا دعویٰ ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتب التحریقات ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو فرق (خلاف) عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جاسکے۔ ایک قول یہ ہے کہ معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت یا رسالت کے دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو اور بعض علماء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو اور بعض علماء نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی خوارق (اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف امور یا کام) کا ظہور ہو گا لیکن ان سے تصدیق کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ (شرح القامد ج ۵ ص ۱۰۵، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران ۱۳۰۹ھ)

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن حمام حنفی متوفی ۸۶۶ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے دعویٰ کا صدق ظاہر ہو۔

(السامرہ ص ۲۱۳، مطبوعہ دائرة المعارف الاسلامیہ، مکران، بلوچستان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بلوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشری عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور یہ ظاہر دعویٰ نبوت سے صادر ہوا ہو۔ (الطام النبوة ص ۴۲، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت ۱۳۰۸ھ)

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی ۷۱۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرنا ہو۔ اس کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔ اس کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱۔ معجزہ وہ کام ہونا چاہیے جو خلاف عادت ہو جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا، لاشی کا عصا بن جانا، پتھر سے اونٹنی کا نکالنا۔ اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

۲۔ اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اور بعض نے کہا اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو۔

۳۔ دعویٰ رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لاسکے۔ اور بعض نے کہا معارضہ ہے یا ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو۔ اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ نبوت سے پہلے صادر ہوں جیسے اعلان نبوت سے پہلے ہمارے نئی پیچیدہ پر بلول کا سلیہ کرنا اور شق صدر وغیرہ۔ ان کو اہل بیت نے اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ

کی کرامت بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہو سکتا۔
 کاظمی ابو بکر ہاتھانی نے کہا ہے کہ معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب میں ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا، ایک صلع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا، آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا، بکری کے گوشت کا کلام کرنا، اونٹ کا شکایت کرنا اور بڑے بڑے معجزات اور تحقیق یہ ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو۔ اگر وہ خلاف علت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہو گا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن اور حدیث میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ معجزہ کے لیے آیت، بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اداء جاء تهم اية (الانعام: ۳۳) لقد جاء تهمهم بالسبوات (الاعراف: ۱۰۸) وداك ببرهاس من ربك (التقص: ۳۲) (المواهب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۳-۱۹۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)
 افعال غیر عادیہ کی دیگر اقسام
 معجزہ کے علاوہ خرق علت فعل کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ ابراہیم: جو خلاف علت امر نبی کے لیے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔ جیسے اعلان نبوت سے پہلے نبیؑ پر بادل کا سایہ کرنا۔

۲۔ کرامت: مومن کامل کے ہاتھ سے جو خلاف علت کام صادر ہو، جیسے غوث اعظم کامردوں کو زندہ کرنا۔
 ۳۔ معونت: عام مومن کے ہاتھ سے جو خلاف علت کام صادر ہو۔ جیسے ایک شخص نے اپنے پالتو کتے کے متعلق دعا کی کہ وہ اس کے گھر کے اندر نہ آئے صرف باہر رہا کرے، سو ایسا ہی ہو گیا۔

۴۔ استدراج: کسی کافر کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف علت کام صادر ہو جیسے دجل کئی کام کرے گا۔
 ۵۔ اہانت: جو کافر نبوت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر خلاف علت امر ظاہر ہو لیکن وہ امر اس کے دعویٰ کا کذب ہو، جیسے ایک کانے شخص نے مسیحا کذاب سے کہا تم دعا کرو کہ میری آنکھ جینا ہو جائے۔ مسیحا کذاب نے دعا کی تو اس کانے کی صحیح آنکھ بھی جینا ہو گئی اور وہ مکمل اندھا ہو گیا۔ یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش گوئی کی کہ اس کا نکاح محمدی بیگم سے ہو گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے پیش گوئی کی کہ مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم بعد میں اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن ہوا یہ کہ مرزا غلام احمد مر گیا اور سلطان محمد اس کی موت کے بعد دیر تک زندہ رہا، نیز مرزا نے پیش گوئی کی کہ عیسائی پادری آتھم ۵ ستمبر ۱۸۸۳ء کے دن مر جائے گا (اس وقت وہ بیمار تھا اور ہسپتال میں زیر علاج تھا) لیکن اس تاریخ کو وہ تندرست ہو گیا اور زندہ رہا اور عیسائیوں نے اس کا جلوس نکالا۔

معجزات، انبیاء کے اختیار میں ہونے پر محدثین، فقہاء اور متکلمین کے دلائل

علامہ عبد الرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

معجزہ میں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ مدعی نبوت کے لیے اللہ کی

جانب سے تصدیق ہے۔ اگر معجزہ اللہ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، ۱۳۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۶۱ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدر ہو گا جیسے اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہو گا اور یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب نبی اس فعل پر قادر ہو گا اور دوسرا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہو گا تو وہ فعل معجزہ ہو گا۔ علامہ آمدی نے کہا: آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے یہ کہا کہ ہوا کی طرف چڑھنے اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کے لیے مقدر ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے لیے اس پر قدرت پیدا کر دے، اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدر نہیں ہے (کیونکہ یہ قدرت اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے) اور بعض ائمہ نے کہا کہ اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے (نہ کہ اس پر قدرت) کیونکہ یہ فعل عاقل (مخالف) علت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

(شرح المواقف، ج ۸، ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ ایران)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں:

کیونکہ مقصود یہ ہے کہ دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی کی تعظیم کی تصدیق حاصل ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔ نیز لکھتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجزہ ہے اور یہ نبی کا مقدر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل (مثلاً اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا) پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔

(حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف، ج ۸، ص ۲۲۴، مطبوعہ ایران)

اس بحث میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہوا کی طرف چڑھنا یہ مخصوص فعل معجزہ نہیں ہے بلکہ اس پر نفس قدرت معجزہ ہے ان پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں خلاف علت فعل کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عام علت کے مطابق جو افعال ہوتے ہیں مثلاً پہاڑ پر چڑھنا یا زمین پر چلنا ان افعال میں بھی نفس قدرت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے تو پھر چاہیے کہ ان عام علوی افعال میں بھی نفس قدرت معجزہ ہو پھر اس دلیل سے عام علت کے مطابق افعال بھی معجزہ قرار پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام انسانوں کی علت کے مطابق افعال ہوں یا انبیاء علیہم السلام کے خلاف علت افعال ہوں ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان افعال کے کاسب انسان اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان افعال کے ساتھ دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں ایک قدرت بہ حیثیت خلق، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک قدرت بہ حیثیت کسب، یہ انسان اور انبیاء کا کلام ہے اور جس طرح عام افعال علویہ ہمارے اختیار میں دیے گئے ہیں اسی طرح خلاف علت افعال اور معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں دیے گئے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

نبی کوئی نعمت ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف علت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں

جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہیں اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۵۳ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۳۳ھ)

ملاحظہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی امام غزالی کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۳ھ)

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ خصوصاً مردوں کو زندہ کرنے، لاشی کو سانسپ بنانے، چاند کو شق کرنے اور پتھر کے سلام کرنے میں۔ علاوہ ازیں حکیم قلندر مختار نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لیے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افلوت میں کفایت ہے۔ اسی وجہ سے معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۷۷ مطبوعہ ایران)

علامہ تفتازانی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض معجزات محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں اور ان میں نبی کا بالکل دخل نہیں ہوتا اور بعض معجزات کو اللہ تعالیٰ نبی کے قبضہ اور اختیار میں کر دیتا ہے اور وہ جب چاہتے ہیں ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی پیغمبر کے جو معجزات قدرت، فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں ان کی حسب ذیل انواع ہیں:

۱۔ بعض معجزات عالم علوی میں ہیں جیسے چاند کا رو کڑے ہوئے آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا اور آسمان کی طرف

مراج۔

۲۔ بعض فضا میں ہیں جیسے استسقاء اور استسواء (بارش کا طلب کرنا اور بادلوں کا چھٹنا) میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی

اطاعت کرنا۔

۳۔ انسانوں، جنات، نور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۴۔ درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۵۔ آسمان کے فرشتوں کا آپ کی تائید کرنا۔

۶۔ نبی پیغمبر کی دعا کا قبول ہونا۔

۷۔ ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبریں دینا۔

۸۔ کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ کی نبوت اور

رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔ (الواعظ الانوار الاثیریہ ج ۲ ص ۲۹۳-۲۹۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۳ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی اس تحریر سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض معجزات نبی پیغمبر کے اختیار میں ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے

لکھا ہے کہ بادل آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ انسانوں، حیوانوں، درختوں اور پتھروں میں تصرف کرتے تھے۔

معجزات پر انبیاء کے اختیار کے ثبوت میں احادیث

جنت اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تاکہ میری نماز خراب کرے۔ اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھکا دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی ”اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔“ (ص: ۳۵) پھر اللہ نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔

(صحیح مسلم المساجد ۳۹۰ (۵۳۱) ۱۱۸۹ صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۱ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۲ رقم الحدیث ۱۳۳۰)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شیطان کے باندھنے پر قدرت دی تھی لیکن آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر ادباً اور تواضعاً ایسا نہیں کیا۔

درختوں پر نبی ﷺ کے تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا میں کس طرح پہچانوں کہ آپ نبی ہیں یا آپ نے فرمایا: اگر میں کجور کے اس خوش کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں (ﷺ)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا تو کجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اتر اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر گر گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۳۸ مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث ۹۵۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۵۲۳ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث ۳۳۲ دلائل النبوة لمبہوتی ج ۶ ص ۵۵ سنن دارمی رقم الحدیث ۲۳ جامع الاصول ج ۱ رقم الحدیث ۸۸۹۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کجور کے شہتیروں پر بٹائی گئی تھی اور نبی ﷺ ان میں سے ایک شہتیر سے ٹپک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کا منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ اس کے پاس آئے آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۵۸۵ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۳۷ سنن النسائی رقم الحدیث ۳۹۵ جامع الاصول ج ۱ رقم الحدیث ۸۸۹۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰)

اور انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کس اہل حبشہ ابو خیشمہ ہو جا تو وہ ابو خیشمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم توبہ ۵۳ (۴۷۱) ۱۷۸۳)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے فرمایا: کہ کس یہاں تحقق اور وجود کے لیے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہیے کہ تو حقیقتاً ابو خیشمہ ہو جبکہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔

(صحیح مسلم شرح النووی ج ۱۱ ص ۶۹۰ مطبوعہ مکتبہ البازکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

علامہ ابو العباس قرطبی مالکی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (المعجم ج ۷ ص ۹۶ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی قاضی عیاض کے حوالے سے یہی تقریر کی ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

انبیاء کے اختیار میں معجزات ہونے پر ایک اشکال کا جواب

معجزات پر نبی کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد ۳۸)

مگر اللہ کے اذن سے ہر وہ کہ جسے ایک نوشتہ تقدیر ہے۔ کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی نشانی لے آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نشانی (آیت) سے مراد کفار کے فراموشی معجزات ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے لڑن سے بلور زادانہ صوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اور علامہ محمود بن احمد بخاری حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے حدیث جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱۳ مطبوعہ کراچی، ممدۃ القاری ج ۷ ص ۲۸۳ مطبوعہ مصر)

اور جب بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ان کے اختیار سے واقع ہونا زیادہ لائق ہے۔ معجزات کے صدور میں علماء دیوبند کا موقف

علماء دیوبند کے نزدیک معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ظاہر اور حیثیت نامی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہے جیسے کاتب کے قلم سے لکھنے کا صدور ہو جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔ شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ نے اس موضوع پر فارسی میں ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کو مکمل نقل کرنا تو مشکل ہے۔ ہم اس کی بعض عبارات نقل کر رہے ہیں جن سے ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت اختیار قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہذا ان افعال کو کھانے اور پینے کی طرح افعال اختیار یہ اور امثال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہیے اور ان کی مثل کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۱۷۳ مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی نوکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے: اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لیے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۱۷۵ مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا کسب بندہ سے ہے اور ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں

بندہ کاسب بھی نہیں ہوتا۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہے:

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَيْكَتَ اللَّهُ رَمْنِي

آپ نے خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صور

خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹی حقیقتاً اللہ نے

پھینکی تھی۔

اور یہ معنی بھی مراد نہیں ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی خلعت نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹی کبہ پھینکی تھی اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کلاں، ص ۷۷، مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیار یہ میں علو تا تصرف ہوتا ہے ظاہر اور فعل حق تعالیٰ کا قہر ہے اور معجزات و تصرفات میں ظاہر بھی معجزہ ہے مثل قلم کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کلاں، ص ۷۷، مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال علویہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہوتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء اور اولیاء کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ علامہ نووی علامہ مینی علامہ تفتازانی اور علامہ میر سید شریف جرجانی ایسے محدثین فقہاء اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاطین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء اور اولیاء کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ خلعت نہ کبہ جیسے قرآن مجید کا نزول۔ مردوں کو زندہ کرنا چاند کا شق ہونا وغیرہ۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ وما رمیت اذ رمیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے خلعت خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کبہ خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتد اور مستند مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی خلعت نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹی کبہ پھینکی تھی۔ ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول اور پس منظر بیان کر دیں:

امام حسین بن محمد فرہادی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالقابل ہوئے تو نبی کریم نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ یا نعتوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو شکست ہو گئی۔

(معالم التنزیل، ج ۲، ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک کی مٹی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔ لیکن احادیث میں یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔

(صحیح مسلم مغازی، ۸۱ (۱۷۷۷)، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۳۵۹، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۷، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۷۵، طبع جدید، دار الفکر، جامع الاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۷)

بسرطال خاک کی مٹی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے یہ فعل

تبیان القرآن

خرق علوت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اور آپ نے خاک کی مٹی نہیں ماری جب آپ نے ماری

(الانفال: ۱۷) مٹی لیکن اللہ نے وہ مٹی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ خاک کی مٹی آپ نے غلتا نہیں ماری جب آپ نے وہ مٹی کسب ماری تھی تاکہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتد مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ خاک کی مٹی آپ نے غلتا نہیں ماری جبکہ آپ نے وہ مٹی کسب ماری تھی اور معجزہ پر نبی ﷺ کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے خاک کی مٹی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ سے اس کی نفی بھی کی ہے اس لیے اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ نے خاک کی مٹی غلتا نہیں ماری اور کسب ماری تھی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام رازی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کے کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۵) اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ کے لیے جو خاک کی مٹی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقول کو حیران کر دیا ہے اور نبی ﷺ کے لیے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ سے نفی کی اور اس کو اپنے لیے ثابت فرمایا۔

(روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسب منسوب ہوتا ہے اور اللہ کی طرف غلتا منسوب ہوتا ہے۔

(مدارک علی حاشی القاذن، ج ۲، ص ۱۸۵، مطبوعہ پشاور)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے غلتا وہ مٹی نہیں پھینکی جب آپ نے کسب وہ مٹی پھینکی تھی۔

(مناہل العقبیٰ علی ایضادی، ج ۳، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالحل متوفی ۴۰۳ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے فعل کی نفی باعتبار ایجاب کے حقیقتاً ہے اور آپ کے لیے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔

(الفتوحات الاہلبیہ، ج ۲، ص ۲۳۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔ البتہ جن معجزات کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا فعل متعلق نہیں ہو تا وہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں جیسے قرآن مجید کا نزول،

مردوں کو زندہ کرنا اور چاند کا شق ہونا۔ مدت سے یہ ارادہ تھا کہ میں معجزات کے متعلق ایک مفصل بحث لکھوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اب یہ توفیق عطا کی۔ وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

پہلے تکذیب کرنے کی وجہ سے بعد میں ایمان نہ لانے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے ابن ہشیم کی خبریں بیان کرتے ہوئے فرمایا: بے شک میں ہستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے، پس وہ ان پر ایمان لانے کے لیے ہلکل تیار نہیں ہوئے، لہذا اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے، اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے (الاعراف: ۱۰۸)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے پہلے تکذیب سے مراد یہ ہے کہ عالم میثاق میں جب ارواح سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ماننے کا عہد لیا گیا تو انہوں نے پسندیدگی سے زبانی اقرار کیا تھا اور دل میں تکذیب قائم رکھی تھی اور اسی سابق تکذیب کی وجہ سے انہوں نے عالم اجسام میں آنے کے بعد بھی تکذیب کی۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شروع میں جب انبیاء علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی تو انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے انکار کر دیا۔ پھر بعد میں جب ان پر دلائل اور معجزات کی وجہ سے حق واضح ہو گیا تو پھر انہوں نے اپنے سابق انکار سے رجوع کرنا اپنے لیے باعث عار اور اپنی انا کے خلاف سمجھا اور اسی انکار پر قائم رہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیں اور پھر ان کو دنیا میں بھیجیں تو یہ پھر بھی اللہ اس کے رسول اور احکام شریعہ کی تکذیب کریں گے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَوْ رَدُّوْا۟ لِّلْعَادُوِّ الْمُؤْمِنِيْنَ مَوْتًاۙ لَّيَكْفُرْنَۙ بِهَاۚ وَلَوْ رَدُّوْا۟ لِّلْعَادُوِّ الْمُؤْمِنِيْنَ مَوْتًاۙ لَّيَكْفُرْنَۙ بِهَاۚ (الاعراف: ۳۸)

اور اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا گیا تو پھر یہ دوبارہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ رسولوں کے آنے سے پہلے یہ کفر پر اصرار کرتے تھے تو رسولوں کے آنے کے بعد بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ معجزات دیکھنے سے پہلے یہ کفر کرتے تھے تو معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ یعنی جب یہ کفر اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو یہ طور سزا اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرین ہی پایا (الاعراف: ۱۰۷)

دعاؤں سے مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو فراموش کر دینا

ان لوگوں سے مراد پچھلی امتوں کے کافر لوگ ہیں اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے عالم میثاق میں لیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۱۰۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ اس عہد سے یہ مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکال کر عہد لیا فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی (الاعراف: ۱۰۷) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں؟ تو یقیناً ہمارا رب ہے۔ اور اب یہ اس وعدہ کو فراموش کر کے شرک کرنے لگے اور مختلف بتوں کی پرستش کرنے

تھے۔

اس عہد سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جب انسان پر معصیت پڑتی ہے تو وہ توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ اب اگر اس معصیت سے نجات دے دی تو وہ ضرور اللہ کی اطاعت اور شکر گزاری کرے گا اور جیسے ہی اللہ اس معصیت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يُضِلُّكُمْ فَيَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَكْنُفُوكُمْ غُلًّا زَبًّا ۖ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلٌ ۚ
تَذْعُوهُمْ تُكْذِبُونَ ۚ وَأَوْخَفِیْهِ لَئِنْ أَنْجَا مِنْ هَٰذِهِ لَتَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُضِلُّكُمْ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَنْ يُهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلٌ ۚ
مَنْ هَٰذَا الَّذِي يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَبِآيَاتِهِ ۚ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(الانعام: ۳۰-۳۳)

آپ پوچھئے ہمیں خشکی اور مندر کی نارکیوں سے کون نجات دیتا ہے جسے تم عاجزی اور چپکے چپکے سے پکارتے ہو، اگر ہمیں اس (معصیت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝ آپ کہئے کہ تم کو اس معصیت سے اللہ ہی نجات دیتا ہے اور ہر معصیت سے پھر تم شرک کرتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ مُضِرٌّ ۖ فَخَسِرَ ۚ فَكَذَّبَ ۚ وَإِنْ أَصَابَهُ رِيْقٌ مِّنَ الْمَاءِ ۖ فَكُفَّ ۚ إِنَّهُ يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَبِآيَاتِهِ ۚ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(الرمز: ۸)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہو اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اسے کوئی نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کے لیے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے لیے شریک بناتے لگتا ہے تاکہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سب کافر اور فاسق اور عہد فراموش نہ تھے، بعض ایسے بھی تھے جو اپنے رسولوں پر ایمان لے آئے تھے، نیک عمل کرتے تھے اور عہد پورا کرتے تھے گو ایسے نیک لوگ بہت کم تھے۔

پہلی تک حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصص بیان فرمائے اب اس کے بعد والی آیتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی جماعت کی طرف بھیجا، سو انہوں نے ان نشانوں کے ساتھ ظلم کیا، تو آپ دیکھئے کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ۝ (الاعراف: ۱۰۳)

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ سے ہمارے نبی ﷺ تک کا زمانہ امام محمد بن سعد نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)

نیز امام محمد بن سعد نے محمد بن عمر بن واقد اسلمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور قرن ایک سو سال کی مدت ہے۔ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بن عمران کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار نو سو سال ہیں اور اس زمانہ میں رسالت منقطع نہیں تھی اور اس مدت میں بنو اسرائیل کی

طرف ایک ہزار نبی بھیجے گئے اور حضرت عیسیٰ نور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے میلاد کے درمیان پانچ سو انتہر سال کی مدت ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ دارالعلوم بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے تین ہزار سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ ہزار چار سو انتہر سال بعد ہمارے رسول ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہ ۵۳۱۹ ہے۔ اس حساب سے حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت سے اب تک ۶۹۳۱ سال گزر چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔
امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت اوریس ہیں۔ پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت اسماعیل، پھر حضرت اسحاق، پھر حضرت یعقوب بن اسحاق، پھر حضرت یوسف بن یعقوب، پھر حضرت لوط، پھر حضرت ہود، پھر حضرت صالح، پھر حضرت شعیب، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام۔ (یہ امام ابن عساکر کی تحقیق ہے اور حافظ ابن کثیر کے نزدیک سب سے پہلے حضرت نوح کو مبعوث کیا گیا) (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پرورش نکاح نبوت اور فرعون کو تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے۔
حضرت موسیٰ بن عمران بن قاض بن عازر بن لادئی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ کانہوں نے فرعون (فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ اس کا نام ولید بن معصب بن ریان تھا) جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ دسویں مانی کا بیٹا منفتح تھا اس کا دور حکومت ۱۲۹۲ قبل مسیح سے لے کر ۱۲۲۵ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے) سے کہا کہ بنو اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں سے تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے نو مولود بیٹوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر قبیلوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اگر تم اسی طرح بنو اسرائیل کے نو مولود بیٹوں کو قتل کرتے رہے تو ہماری خدمت کے لیے بنو اسرائیل میں سے کوئی باقی نہیں بچے گا تب وہ ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کر دیا اور ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو چھوڑ دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ وہ سید بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار نو زائید لڑکوں کو قتل کر دیا۔ جب حضرت موسیٰ کی والدہ کو حضرت موسیٰ کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کی ولادت کی۔ ان کی بہن مریم کے سوا اور کسی کو خبر نہیں دی۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ڈھونڈنے والے ان کے پاس پہنچے انہوں نے حضرت موسیٰ کو تور میں ڈال دیا لیکن وہ سلامت رہا۔ پھر انہوں نے تین ماہ تک ان کو چھپا کر رکھا۔ پھر ان کو اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو تہوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ پانی اس تہوت کو بہا کر فرعون تک لے گیا۔ فرعون نے جب تہوت کھولا اور ان کو دیکھا تو کہا یہ میرے دشمن عبرانیوں میں سے ہے یہ ذبح ہونے سے کیسے بچ گیا اس کی بیوی آسیہ نے کہا یہ ایک سال سے بڑی عمر کا ہے اور تم نے اس سال پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کا حکم دیا تھا۔ اس کو چھوڑ

دو بی میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا۔

فرعون کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہوتی تھیں اس لیے اس نے حضرت موسیٰ کو رہنے دیا اور ان سے محبت کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پہنچ گئے انہوں نے ان کی بہن مریم کو فرعون کے ہاں بھیجا تاکہ معلوم ہو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ ان کی بہن دو سری عورتوں کے ساتھ آسیہ کے پاس گئیں اور وہاں معلوم ہوا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ تب حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا:

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ (الفصص: ۲۴)

آیا میں تمہیں ایسے گھروالوں کی طرف راہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔

انہوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ اس نے کہا وہ عمران کی بیوی خندہ ہے۔ انہوں نے اس کو بلوایا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ آئیں تو حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پی لیا اور سو گئے۔

جب حضرت موسیٰ کے دودھ پینے کی مدت ختم ہو گئی تو ایک دن فرعون بن کو اپنی گود میں لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فرعون کے کہا جلاؤ کو جلاؤ اس کو ابھی ذبح کراتے ہیں۔ آسیہ نے کہا یہ نا مجھ بچہ ہے پھر اس نے یاقوت اور انگارے حضرت موسیٰ کے سامنے ڈالے۔ حضرت موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی جس کو دور کرنے کے لیے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی:

وَاحْمِلْ عِقْدًا ذَنْبًا كَسَايَ ۖ يَمْصُقُوا قَوْلِي ۖ (طہ: ۴۷-۴۸) - لیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے وہ فرعون کی ساریوں پر سوار ہوتے اور اس کی طرح لباس پہنتے۔ اور لوگ انہیں موسیٰ بن فرعون کہتے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰ شہر گئے تو وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ایک ان کی قوم بنو اسرائیل سے تھا اور دوسرا ان کے دشمن قبیلوں میں سے تھا۔ اس اسرائیلی نے قبیلے کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ نے قبیلے کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو گھونسا مارنا تاویب تھا۔ آپ کا اس کو قتل کرنے کا قصد نہیں تھا اور نہ علو تا ایک گھونسا کھا کر کوئی مرتا ہے۔ وہ قضاء الہی سے مر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فعل کسی وجہ سے بھی گناہ نہیں تھا۔ آپ کا اس پر غم ہونا اور اس پر استغفار کرنا آپ کے اعسار اور تواضع کی وجہ سے تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر غم ہوئے اور آپ اپنے گرفتار ہونے کی وجہ سے خوف زدہ تھے۔ دوسرے دن وہ اسرائیلی کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر اس کے خلاف مدد طلب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا اور اس نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کو مارنے لگے ہیں۔ اس نے کہا کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟ (تقصص: ۱۵-۱۸) تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ قاتل ہیں۔ وہ حضرت موسیٰ کو پکڑنے کے لیے نکلے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو کر اس شہر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مدین کے راستہ پر لگا دیا۔ (المنظم ج ۱، ص ۲۸-۲۷، طبع بیروت)

اس کے بعد کا واقعہ سورہ القصص میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

(حضرت) موسیٰ مدین پہنچے تو دیکھا وہاں لوگ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے دور ایک طرف دو عورتیں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے ان سے پوچھا تم کیوں الگ کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ یہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو (حضرت) موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف گئے اور کہا اے میرے رب میں یقیناً اس خیر اور برکت کا منتظر ہوں جو تو نے مجھ پر نازل کی ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان دو عورتوں میں سے ایک عورت شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اس نے کہا میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کی اجرت دیں جب (حضرت) موسیٰ ان لڑکیوں کے باپ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو اپنے حالات بتائے ان لڑکیوں کے والد نے کہا آپ ڈریں نہیں آپ نے ظالم لوگوں سے نجات پالی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے اباجاں آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں ان میں وہی بہترین ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ ان کے والد نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس (مسا) پر کہ تم آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (تمہارے) ہو گا اور میں تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا تم ان شاء اللہ مجھے نیکو کاروں میں سے پاؤ گے۔

(حضرت) موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی میں ان میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی تادیب نہیں اور ہمارے قول پر اللہ نگہبان ہے۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ نے مدت پوری کر دی تو وہ اپنی بیوی کو لے کر چلے تو انہوں نے پاڑ طور کی طرف ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس اس کی کچھ خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تاکہ تم تاپو۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے واسطے کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ نا بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار اور یہ کہ آپ اپنا عصا اڑال دیں پھر جب (حضرت) موسیٰ نے اسے اس طرح اڑاتے ہوئے دیکھا گویا وہ ساپ ہے تو وہ پیچھے پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (ندا آئی) اے موسیٰ نا سامنے آئیے اور خوف نہ کیجئے بے شک آپ امن والوں میں سے ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبن میں ڈال لے وہ سفید چمکتا ہوا ہے عیب نکلے گا اور اپنا بازو اپنی طرف (مٹنے سے) ملائیں خوف دور ہونے کے لیے موسیٰ دو مضبوط دلیلیں آپ کے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (آپ دعوت دیں) بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والے ہیں تو انہیں میری مدد کے لیے میرے ساتھ رسول بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کریں بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ ہماری نشانوں کے باعث آپ تک نہ پہنچ سکیں گے آپ اور آپ کے متبعین ہی غالب رہیں گے۔ پس جب ان کے پاس (حضرت) موسیٰ ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف من گھڑت جملہ ہے اور ہم نے یہ باتیں اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں (کبھی) نہیں سنیں۔ اور (حضرت) موسیٰ نے کہا میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو میرے رب کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور وہ خوب جانتا ہے) کہ آخرت کا انجام کس کے لیے اچھا ہو گا بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔ اور فرعون نے کہا اے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا سوا اے ملان امیرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک

اور نبی مہاتما تک میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں سے گمان کرتا ہوں۔ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں بے جا تکبر کیا اور یہ زعم کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پھڑپھڑایا سو ہم نے ان سب کو دریا میں پھینک دیا تو آپ دیکھئے کہ ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ (قصص: ۳۰-۳۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات کو قرآن مجید کی اس سورت اور دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ان کی تفصیل اور تحقیق ہم ان آیتوں کی تفسیر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے اور کہا: اپنی رب کی دعوت پر چلئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا اور ملک الموت کی آنکھ نکل دی۔ ملک الموت اللہ کے پاس گئے اور عرض کیا: تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹادی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس جا کر کو تم زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ایک تیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دو جس قدر تیل آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے آپ اتنے سال زندہ رہیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: پھر کیا ہو گا؟ کہا: پھر موت ہوگی؟ فرمایا: پھر ابھی عنقریب اسے میرے رب! مجھے ارض مقدسہ سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر موت عطا فرماتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تمہیں ان کی قبر راستے کے ایک جانب کھسب احمر کے پاس دکھاتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۰۷، ۳۳۰۸، صحیح مسلم فضائل انبیاء: ۱۵۸-۱۵۹، (۲۳/۲) ۶۰۳۳، ۶۰۳۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:

۲۰۸۹، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۵، ۳۱۶)

امام عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو عمران جوینی نے کہا جب موسیٰ علیہ السلام پر موت کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام رو رہے تھے فرمایا: میں موت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ موت کے وقت میری زبان ذکر الہی سے خشک ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین بیٹیاں تھیں۔ ان کو بلا کر فرمایا اے میری بیٹیو! عنقریب بنو اسرائیل تمہارے سامنے دنیا پیش کریں گے تم اس میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرنا۔ علاوہ میرے بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد حضرت یوشع کے لیے وصیت کی تھی اور آپ باب لد پر فوت ہوئے تھے۔ امام ابو جعفر طبری نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ سرزمین شام میں فوت ہوئے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ میدان تیرہ میں فوت ہوئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سب میدان تیرہ میں فوت ہوئے اور حضرت یوشع کے سوا کوئی بیت المقدس میں داخل نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ساتھ میدان تیرہ سے نکل آئے تھے اور بنو اسرائیل سے فرمایا تھا:

اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔ امام ابن جریر نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے ساتھ جبارین کی اس بستی کو فتح کیا تھا۔ کیونکہ اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے قتال کیا تھا۔ عوج ان کا بلا شہ تھا اور بلعام ان لوگوں میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ نے قید کیا تھا اور پھر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری، ج ۱، ص ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸)

ابو الحسن بن السنوی نے کہا یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کہاں ہے اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو خدا بنا لیتے۔ (المستظلم ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
حافظ ابو القاسم علی بن حسن بن عساکر متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ اپنی والدہ اپنی اولاد اور اپنی البیہ سے الوداع ہو گئے تو آپ نے حضرت یوشع کو بلایا اور انہیں لوگوں پر خیفہ بنا دیا اور ملک الموت کے پاس گئے۔ ملک الموت نے ان سے کہا اے موسیٰ موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا مجھ پر اللہ کا حکم جاری کر دو۔ وہ دونوں بستی سے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کھڑے ہوئے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ سب مل کر چلے گئے حتیٰ کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس پر سفید عمامہ باندھے ہوئے لوگ کھڑے تھے ان سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا تم یہ کس کی قبر کھود رہے ہو؟ انہوں نے کہا ایک ایسے بندہ کی جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اس قبر میں اتر کر اس کو دیکھ لوں؟ انہوں نے کہا ہاں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے تو وہ جنت تک کشادہ کر دی گئی اور جنت کی تروتازگی اور اس کی خوشبو پہنچنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبر میں لیٹ گئے پھر دعا کی اے اللہ مجھے وہ بندہ بنا دے جس سے تو محبت کرتا ہے اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہے پھر ملک الموت نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۳۹۳-۳۹۴ الکامل فی التاريخ ج ۱ ص ۱۱۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں کعبہ احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم فتحا کل ۱۶۳ (۲۳۷۳) ۲۳۷۵ سنن النسائی: ۱۶۳۱)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبر میدان تہ میں ہے۔ فحاک نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چتر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو مبہم رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبروں کو یہود جان لیتے تو ضرور ان کو اپنا خدا بنا لیتے۔ ابن اسحاق نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا صرف رخصہ کو علم تھا یہ وہ شخص ہے جو اس پر مطلع تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو میدان تہ میں دفن کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل سلب کر لی تاکہ وہ کسی کو بتانہ سکے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بیت المقدس کے باب لہ کے قریب ہے۔ طبری نے کذا یہی قول صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت ابن عباسؓ و سب اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ ان کی قبر میدان تہ میں ہے۔

۳۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ ان کی قبر علیہ اور عولیلہ کے درمیان ہے اور یہ مسجد قدم کے نزدیک دو محلے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی قبر خواب میں وہاں دکھائی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ علیہ معروف جگہ ہے اور عولیلہ ایک

گر بچے کے پاس ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج ۲۵، ص ۳۹۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۴۰ھ)

۴۔ بھری اور البقاء کے درمیان وادی ماب میں ان کی قبر ہے۔

۵۔ حافظ ابوالقاسم نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے اور حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان مدین میں ہے۔ اس پر محمد بن عبد الواحد القیسی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مدین بیت المقدس کے قریب ہے نہ ارض مقدسہ کے اور مشہور یہ ہے کہ ان کی قبر ارض عجم میں ہے جو ارض مقدسہ میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کعب احمر کے پاس ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس قبر کے پاس دعا مستجاب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب موت کی دعا کی اور بیت المقدس میں مدفون ہونے کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ ان کو یہ خدشہ تھا کہ ان کی قبر لوگوں میں مشہور ہو جائے گی تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ مستدل ہوتا ہے کہ فضیلت والی جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس مدفون ہونا مبارک ہے۔ (صحیح مسلم شرح النووی، ج ۱۰، ص ۷۳۱-۷۳۲، مطبوعہ مکتبہ زہار، مصطفیٰ، مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں رب العظیمین کی طرف سے رسول ہوں O میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں، بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں سو (اے فرعون!) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے O فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو O (الاعراف: ۱۰۶-۱۰۸)

فرعون کے دعویٰ خدا کی کارو

حضرت موسیٰ نے کہا اے فرعون! فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے، جیسے حبشہ کے بادشاہوں کا لقب نجاشی ہے۔ روم کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہے اور ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ ہے۔ ہندو بادشاہ اپنے آپ کو راجہ کہلاتے تھے اور مسلمان بادشاہ اپنے آپ کو سلطان کہلاتے تھے۔ فرعون کا نام قابوس تھا۔ یالید بن مسعب بن ریان تھا۔ جدید تحقیق یہ ہے کہ اس کا نام مختلف تھا۔

فرعون خدا کی کار دعویٰ دار تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ابتدائی کلام میں یہ فرمایا کہ میں رب العالمین کا نمائندہ (رسول) ہوں اور اس کلام سے فرعون کے دعویٰ خدا کی کار رد فرمایا کیونکہ عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام جہانوں کا رب ہو۔ آسمانوں، زمینوں، سورج، چاند اور ستاروں کا پیدا کرنے والا ہو۔ پتھروں، درختوں، حیوانوں اور انسانوں کا پیدا کرنے والا ہو، فرعون ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں تو فرعون سے پہلے بھی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کا خدا کی کار دعویٰ باطل ہے۔ عبادت کا مستحق اور خدا وہی ہے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

قبیلوں کا بنو اسرائیل کو غلام بنانا

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا رسول ہوں اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ میں حق اور صداقت کے سوا کوئی بات نہ کہوں۔ میرے رسول ہونے پر ایک قوی دلیل موجود ہے اور جب میری رسالت ثابت

ہے تو اے فرعون میں تجھے یہ حکم دیتا ہوں کہ تو بنو اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

مصر کے قدیم باشندے قبلی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بخت سے چار سو سال پہلے جب حضرت یوسف علیہ السلام یہاں پر آئے اور ان کی اولاد یعنی بنو اسرائیل یہاں پھیل گئی تو مصر کے بادشاہ یعنی فرعون نے ان کو غلام بنالیا اور وہ بنو اسرائیل سے بیگار لیتے تھے۔ ان سے جانوروں کا دودھ نکلائے زمینوں کی کھدائی کراتے اور دیگر مشقت کے کام لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا چاہی۔ اس لیے فرمایا: فرعون بنو اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: اگر تم اپنے دعویٰ کے مطابق اللہ کے رسول ہو تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس وہ اچانک بیتا جاتا اڑدھا ہو گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے روشن ہو گیا (الاعراف ۱۰۸-۱۰۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی اڑدھا بن گئی تھی۔ وہ بہت بڑا اڑدھا تھا۔ بلند نے کہا ہے کہ اس کے دو جبروں کے درمیان چالیس ذراع (ساتھ فٹ) کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی ڈالی تو وہ بہت بڑا اڑدھا بن گیا جو اپنا منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف دوڑ رہا تھا۔ جب فرعون نے دیکھا کہ وہ اڑدھا اس کو کھانے کے لیے دوڑ رہا ہے تو وہ تخت کے اندر گھس گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو روک لے سوانسوں نے اس کو روک لیا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۳۲)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشی پھینکی تو وہ زرد رنگ کا ایک بل دار اڑدھا ہو گیا اس کے دونوں جبروں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور وہ زمین سے تقریباً ایک میل بلند تھا۔ اس کا ایک جبر زمین پر تھا اور دوسرا جبر فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔ وہ فرعون کے پکڑنے کے لیے دوڑا۔ فرعون اپنا تخت چھوڑ کر بھاگا اور آٹھائیکہ اس کے دست جاری تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس ایک دن میں اس کے چار سو دست جاری ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے پیٹ میں بیماری ہو گئی جو تلام مرگ دور نہ ہو سکی۔ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کا جب اس نے اپنی ڈاڑھوں میں پکڑ لیا۔ اس نے لوگوں پر حملہ کیا لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے۔ پھر فرعون نے چیخ کر کہا اے موسیٰ میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے تمہیں بھیجا ہے تم اس اڑدھے کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور تمہارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دوں گا حضرت موسیٰ نے اس اڑدھے کو پکڑ لیا تو وہ پھر لاشی ہو گیا۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ ظاہر اس روایت میں کافی مبلفہ ہے لیکن علامہ آلوسی ایک فقہ عالم ہیں۔ انہوں نے اس روایت کو اعتقاد کے ساتھ نقل کیا ہے اس لیے اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوگی کیونکہ اگر وہ عام اڑدھا ہو تا تو چند لوگ مل کر اس کو مار ڈالتے۔ لہذا اتنی بات یقینی ہے کہ وہ اڑدھا بہت بڑا اور غیر معمولی جسم اور خوفناک تھا اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ خوف اور دہشت سے جب فرعون تخت چھوڑ کر بھاگا ہو تو اس کے دست نکل گئے ہوں تاہم ان کی گنتی بعید از قیاس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب اس کے درباری اور دیگر قبلی اڑدھے کو دیکھ کر خوفزدگی سے بھاگے ہوں تو بھگدڑ میں بہت سے درباری اور قبلی مارے گئے ہوں لیکن ان کا پچیس ہزار ہونا ناقابل قسم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا تجربہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ بہت روشن اور چمک دار تھا اور جب دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ معمول کے مطابق تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ بہت سفید تھا اور اس کی یہ سفیدی برص یا کسی اور بیماری کی وجہ سے نہیں تھی۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس نور کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمٍ فِرْعَوْنُ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ۙ يُرِيدُ

قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا ہے

أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۙ قَالُوا أَرْجِهْ

کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، اب تمہارا کیا مشورہ ہے ○ انہوں نے فرعون سے کہا ہاں

وَأَخَاهُ وَارْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۙ يَا تُوْكَ بِكُلِّ سِحْرِ

اور اس کے بھائی کو بھیرا اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو

عَلَيْهِمْ ۙ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا

سے آئیں ○ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے بے

مُحْنُ الْعَالِينَ ۙ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۙ قَالُوا

انعام ہو گا ○ فرعون نے کہا ہاں! اور بھٹک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ جادوگر ان سے کہا

يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلِقِينَ ۙ

اسے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں ○

قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ

موسیٰ نے کہا تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا

وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيزٍ ۙ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ

اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا ○ اور ہم نے موسیٰ کو وحی منبرائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١٢٤﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا

تو وہ فرا ان کے جھوٹے طمع کو نکلنے لگا ○ سوتل کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا

يَعْمَلُونَ ﴿١٢٥﴾ فَغَلِبُوا هَٰذَا لَكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَالْقِيَٰمَةُ

بطولان ظاہر ہو گیا ○ پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹے ○ اور جادوگر سجدہ میں

سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٧﴾ قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٨﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٩﴾

گر پڑے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ

فرعون نے کہا تم میری اجازت لینے سے پہلے ایمان لے آئے ○ یقیناً یہ تمہاری خبیثہ سازش ہے

مَكْرٌ تَمْوٰكُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِيُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٠﴾

جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تاکہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دے اور تمہاری قوم اس کا قیام نہ چکے ○

لَا قِطْعَنَ اَيُّنَ يَكُمُ وَاَرْجَلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَا صٰلٰتُكُمْ اٰجَمِيْنَ ﴿١٣١﴾

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالفت جاہلوں سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو رسول پر چڑھاؤں گا ○

قَالُوْا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَمَا تَنْفَعُ مَنَا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ

انہوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے

رَبِّنَا لَتَجٰءَئْنَا رَبَّنَا فِرْعٰوْنُ عَلَيْنَا صِدْرًا وَتَوْفٰنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾

پاس جائے گا کہ تمہاری قوم ان پر ایمان لے آئے ○ اسے ہمارے رب: ہم پر صبر آزمائی ہے اور ہمارے اسلام میں ہماری روح قبر میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم کے سرداروں نے (آپس میں) کہا: یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا

ہے کہ ہمیں تمہاری زمین سے نکال دے ○ اب تمہارا کیا مشورہ ہے ○ انہوں نے (فرعون سے) کہا: اس کو اور اس کے

بھائی کو فحیرالو اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ○ جادوگر

فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہو گا ○ فرعون نے کہا ہاں اور بے شک تم

ضرور مغربین میں سے ہو جاؤ گے ○

عَلَمٌ

ہر نبی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو

اس زمانہ میں جلود کا بڑا چرچا تھا اور جلود کی بہت سی قسمیں تھیں اور جلود کی بعض قسمیں بہت بڑی اور بہت حیران کن تھیں اسی لیے فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خیال کیا کہ یہ بہت ماہر جلود گر ہیں۔ پھر انہوں نے آپس میں کہا کہ انہوں نے اتنے بڑے جلود کو اس لیے پیش کیا ہے کہ شاید یہ ملک اور ریاست کے طلب گار ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو فرعون کی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قول فرعون کا بھی ہو اور اس کے درباریوں کا بھی ہو۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس کے درباریوں کی طرف منسوب کیا اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا۔

”ب تمہارا کیا مشورہ ہے؟“ اس کے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ فرعون کا کلام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ درباریوں کا کلام ہو۔

”بے شک تم ضرور مقررین میں سے ہو جاؤ گے“ جلود گروں نے فرعون سے اجر کا سوال کیا تھا۔ جواب میں فرعون نے کہا تم مقررین میں سے ہو جاؤ گے اس جواب میں ان کے اجر کا ذکر تو نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ بے شک تم کو اجر بھی ملے گا اور تم مقررین میں سے بھی ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ ستر جلود گر تھے اور ایک ان کا سردار تھا جو ان کو جلود سکھاتا تھا یہ مجوسی شخص تھا۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس زمانہ میں جلود کا بہت چرچا تھا جیسا کہ متکلمین نے کہا ہے کہ ہر نبی کو اس جنس سے معجزہ دیا جاتا ہے جس جنس کا اس زمانہ میں بہت غلبہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جلود کا بہت چرچا تھا تو ان کو ایسا معجزہ دیا گیا جو جلود کے مشابہ تھا اور وہ جلود گروں کے تمام کمالات پر غالب آگیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بہت غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کا ایسا کمال دے کر بھیجا جو ان کی تمام طب اور حکمت پر غالب آگیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو نبی ﷺ کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر بھیجا جس کی نظیر لانے سے تمام جنس اور انس عاجز ہو گئے۔

سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق

کسی غیبت اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کسی غیر معمولی اور خلاف عادت کام کے ظہور کو سحر کہتے ہیں اور یہ ہاتھ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور اسی تعریف سے سحر کا معجزہ اور کرامت سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس کی نیکی اور پاکیزگی معاشرہ میں مشہور ہوتی ہے اور سحر غیبت اور بدکار شخص سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز سحر کسی استاذ سے سیکھا جاتا ہے جب کہ معجزہ نبی سے بغیر کسی شخص کی تعلیم کے ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ نبی اس لیے پیش کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا فرستادہ اور رسول قرار دیتا ہے۔ جبکہ ساحر دعویٰ نبوت کی دلیل کے لیے سحر پیش کرتا ہے نہ وہ لوگوں کو عبادت اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے بلکہ اس کا مقصد لوگوں کو حیران کرنا اور کسی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور نبی دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہوتا ہے اور اسی فرق سے سحر اور کرامت کا فرق بھی ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ کرامت بغیر تعلیم کے کسی نیک مسلمان کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ کسی نہیں دہی ہوتی ہے جبکہ سحر کسب اور تعلیم سے کسی فاسق اور شریر شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے۔ سحر کسی شخص کی طبیعت یا

اس کی فطرت کا خلاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں، بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے۔ جادو کا سحر ضرور دیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سحر کرنے والا فسق کے ساتھ ملعون ہوتا ہے، ظاہری اور باطنی نجات سے محروم ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے۔ اہل حق کے نزدیک سحر عقلاً جائز اور ثابت ہے اور قرآن اور سنت میں اس کا بیان ہے۔

معزلہ نے کہا سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض نظربندی ہے اور اس کا سبب کرب، ہاتھ کی منلی اور شعبہ بازی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَفَرَ شَٰئِبِمْ وَلَا يَكُنَّ الشَّيَاطِينُ كَافِرًا
بِعَلِيمُونَ النَّاسَ السَّحَرَاءَ (البقرہ: ۱۰۳)

اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جادو (کفر) کلمات) سکھاتے تھے۔
اسی آیت میں مذکور ہے کہ سحر کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ كَيْدِ الشَّيْطَانِ فِي الْعُقُودِ (العلق: ۳)

آپ کہتے ہیں کہ میں گمراہوں میں (جادو کی) بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے خیرتی پتا میں آتا ہوں۔
نیز حدیث صحیح میں ہے کہ ایک یہودی لبید بن اسمعہ نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ تین راتیں بیمار رہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحديث: ۵۵۳۳) اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۲۷ میں دیکھیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

يَتَحَدَّثُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهُ نَسِيسُ
(طہ: ۳۶) سے وہ لائیاں اور دریاں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف نظربندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادو گردوں کا سحر ہی تخیل اور نظربندی تھا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ (شرح المقاصد ج ۵، ص ۹۸، 'ملک' و 'موشح' مطبوعہ ایران ۱۳۴۷ھ)
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کا سبب عقلی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب کام ہوتا ہے جو خرق عیلت کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس میں قول، فعل اور اعتقاد تینوں کا دخل ہے۔ اس میں شیطان کی مدد اور الفاظ شرکیہ پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ ستاروں کی عیلت اور دوسرے جرائم کرنے پڑتے ہیں اور شیطان سے محبت کرنی ہوتی ہے۔ سحر ہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس خبیث ہو اور اس کو شیطان کے ساتھ مناسبت ہو۔ جس طرح فرشتے ان ہی لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو دائمی عیلت کرتے ہوں اور اللہ کے ساتھ قرب میں فرشتوں کے مشابہ ہوں، اسی طرح شیاطین ان ہی لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو قول، فعل اور اعتقاد کی خبیثت اور نجات میں شیاطین کے مشابہ ہوں۔ اس تعریف سے سحر، نبی اور ولی سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو مختلف ترکیبوں، آلات اور دواؤں کے ذریعہ عجیب و غریب کام کر کے دکھاتے ہیں، وہ دراصل شعبہ بازی ہیں۔ ان کو سحر مجازاً کہا جاتا ہے اور یہ بھی بعض کے نزدیک شرعاً مذموم ہے۔

علامہ نووی نے روضة الطالبین (ج ۷، ص ۱۹۸) میں یہ تصریح کی ہے کہ سحر بلاجماع حرام ہے۔ جمہور نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ سحر ایک خلاف عیلت کام ہے یہ اعمال مخصوصہ کے ذریعہ اس شخص سے صلہ ہوتا ہے جس کا نفس خبیث اور شریر ہو۔

جسور کے نزدیک سحر کی حقیقت ہے اور ساحر ہوا میں اڑ سکتا ہے، پانی پر چل سکتا ہے، انسان کو قتل کر سکتا ہے اور انسان کو گدھا بنا سکتا ہے۔ ان تمام کاموں میں قائل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساحر کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ سمندر کو چیر دے، مردے کو زندہ کر دے اور پتھر کو گویا کر دے اور اس طرح کے دوسرے کام جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ معتزلہ اور اہل سنت میں سے لاسترا بازی کا یہ مذہب ہے کہ ساحر ایسے کاموں پر قادر نہیں ہوتا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ورنہ نبوت کے اثبات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

بعض محققین نے سحر اور معجزہ میں یہ فرق کیا ہے کہ معجزہ میں نبی تعالیٰ (جنتیج) کرتا ہے کہ اس جیسا کام کر کے دکھاؤ اور سحر میں تعالیٰ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی علوت مستویہ ہے کہ جھوٹے نبی کے دعویٰ کے موافق خرق علوت ظاہر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ منصب نبوت کو کذا میں سے محفوظ رکھتا ہے۔

سحر اور ساحر کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ جادو کا عمل کرنا کفر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث میں جو سحر کو کبار میں سے شمار فرمایا ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ کفر بھی کبیرہ گناہ ہے اور شیخ ابو منصور ماتریدی نے یہ کہا ہے کہ سحر کو مطلقاً کفر قرار دینا خطا ہے بلکہ اس کی حقیقت سے بحث کرنی چاہیے اگر جادو کے عمل میں کوئی ایسی چیز ہو جو ایمان کو رو کرتی ہو تو یہ کفر ہو گا ورنہ نہیں۔ پھر جو سحر کفر ہو اس میں مردوں کو قتل کر دیا جائے گا اور عورتوں کو نہیں قتل کیا جائے گا اور جس سحر کے ذریعہ کسی شخص کو ہلاک کر دیا جائے اس کے مرتکب کا حکم ڈاکوؤں کی طرح ہے۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں اور جب ڈاکو توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی انہوں نے خطا کی کیونکہ فرعون کے جادو گردوں کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ ہمارے میں اسی طرح مذکور ہے اور یہی بات اصول کے قریب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ ساحر ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ کہے کہ میں جادو کو ترک کرتا ہوں تو اس کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ میں پہلے جادو کرتا تھا اور اب بدلت ہوئی اس کو چھوڑ چکا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ کی باندی نے ان پر جادو کرنے کا اعتراف کیا تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن زید کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ ہر ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دو، سو تین ساحروں کو قتل کر دیا گیا۔ ساحر کو مطلقاً قتل کرنے پر امام شافعی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس یہودی کو قتل نہیں کیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اور موسیٰ کا بھی اسی طرح حکم ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ذیوں کے وہ حقوق ہیں جو مساجرین کے ہیں اور ذمیوں کے وہ فرائض ہیں جو مساجرین کے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۱)

سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم

جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلْيَكْفُرُوا الشَّيْطَانُ يَكْفُرُوا بِعَلْمِ غُورِ النَّاسِ

الْبَقَرَةُ: ۱۰۲

اس آیت میں کفر کی علت جادو سکھانا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطانوں نے کفر کیا اور وہ اس کے بلوغ جادو سکھاتے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور

جمہور علماء کا یہی مختار ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مکروہ کلام ہیں۔ یہ بعض کا قول ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مباح ہیں۔ البتہ وہ جادو سکھانا مذموم ہے جس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو کا علم قبیح ہے نہ مذموم کیونکہ فی ذاتہ علم میں شرف اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمرہ: ۳۰)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

اور جو شخص جادو کو نہ جانتا ہو وہ جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کر سکے گا اور معجزہ کے معجز ہونے کا علم واجب ہے تو ثابت ہوا کہ جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور جو چیز واجب ہو وہ کیسے حرام اور قبیح ہو سکتی ہے لیکن امام رازی کی دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ فی نفسہ جادو کا علم قبیح ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جادو کا عمل کراہی منوع ہے اور چونکہ جادو کا علم جادو کے عمل کا ذریعہ ہے اس لیے وہ بھی منوع ہو گا کیونکہ شریعت میں منوع کلام کا ذریعہ بھی منوع ہے۔ جیسے فی غصہ زنا منوع ہے اور اس کے مقدمات مثلاً بوس و کنار اس فعل کے ارتکاب کا ذریعہ ہیں تو ان سے بھی منع فرما دیا اور فرمایا:

لَا تَقْرُبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے۔

(الاسراء: ۳۳)

شریعت میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ معجزہ اور سحر میں فرق کرنا سحر کے علم پر موقوف ہے کیونکہ اکثر بلکہ تقریباً تمام علماء کو معجزہ اور سحر میں فرق کا علم ہے۔ حالانکہ جن کو سحر کا علم نہیں ہے۔ نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان میں فرق کو جاننے کے لیے یہ کافی ہے کہ معجزہ کا ظہور نبی پر ہوتا ہے جس کی نیکی لوگوں میں معروف ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی صلابت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برخلاف سحر فاسق اور غیث شخص سے صادر ہوتا ہے اور وہ کسی نیک کام کی دعوت نہیں دیتا اور اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہو تا تو حضرات صحابہ کرامؓ اختیار تاجین اور بعد کے ائمہ اور نقباء جادو کے بہت بڑے عالم ہوتے حالانکہ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے تو کیا ان اسلاف نے اس واجب کو ترک کر دیا تھا اور صرف امام رازی نے اس واجب پر عمل کیا ہے؟

(روح المعانی ج ۱ ص ۳۳۸-۳۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جادو گروں نے کہا اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں؟ موسیٰ نے کہا تم ڈالو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نکلنے لگا سو حق کا قلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہو گیا پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے۔

(الاعراف: ۱۱۹-۱۱۵)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادو گروں کا مقابلہ

جادو گروں نے حضرت موسیٰ سے کہا اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم اپنی لاثیمیاں اور رسیاں پہلے ڈالیں؟ انہوں نے اپنے اس سوال میں حسن ادب کو ملحوظ رکھا اور اپنے ذکر سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اسی ادب کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق دی۔

تبیان القرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ڈالو اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان کالائیں ڈالنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں معارضہ کرنا تھا اور معجزہ کا معارضہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر کرنے کا حکم کیونکر دیا جب کہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ثبوت اور غلبہ اس پر موقوف تھا کہ وہ اپنی لائیں ڈالیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان لائیوں کو نکل لے تو حضرت موسیٰ نے ان کو لائیں ڈالنے کا حکم اس حیثیت سے دیا تھا کہ ان کے معجزہ کا غلبہ ثابت ہو اور وہ انجام کار ان جلود گروں کے ایمان لانے کا ذریعہ ہو۔

جب جلود گروں نے اپنی لائیں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جلود کر دیا اور ان کو خوفزدہ کر دیا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوت معطلہ سے لوگوں کے دماغوں پر تاثیر کی اور لوگوں کی آنکھوں پر سحر کیا سو ان کو وہ لائیں اور سناپ دوڑتے ہوئے معلوم ہونے لگے ایک قول یہ ہے کہ ان لکڑیوں اور رسیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا سورج کی تپش سے وہ پارہ حرکت کرنے لگا جس سے وہ لائیں اور رسیاں دوڑتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اور لوگ ان سے خوفزدہ ہو گئے۔

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نکلنے لگا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سناپ بن گیا اور جب اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے دو جبروں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا اس نے ان کی تمام رسیوں اور لائیوں کو نکل لیا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ پہلے کی طرح لاشی بن گیا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان معجزہ تھا کیونکہ وہ بہت بڑا اڈا جو ہزاروں لائیوں اور رسیوں کو نکل چکا تھا ان کی تن میں پہلے کی طرح متوسط لاشی بن گیا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لائیوں اور رسیوں کو معدوم کر دیا یا ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیا اور کسی کو ان کے ریزہ ریزہ ہونے اور ہوا میں تحلیل ہونے کا پتہ نہ مل سکا اور یہ فعل صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت سے ظہور میں آیا کیونکہ کسی چیز کو موجود کرنا یا معدوم کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف لاشی کو پھینکنا اور اس کو پکڑنا تھا اور اس لاشی میں یہ صفت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی اور لاشی کو پھینکنا اور پکڑنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن کے تابع تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ایسے عظیم الشان معجزہ کو ظاہر فرمایا۔ تاہم بعض معجزات انبیاء عظیم السلام کی قدرت سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن وہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اور درحقیقت وہی تمام معجزات کا خالق ہے۔ سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

حق کے غلبہ کے ظہور کا سبب یہ ہے کہ جلود گروں نے کہا کہ موسیٰ نے جو کچھ کیا اگر وہ جلود ہوتا تو ہماری لائیں اور رسیاں گم نہ ہوتیں اور جب وہ گم ہو گئیں تو معلوم ہوا کہ یہ کام اللہ سبحانہ کی خلق اور اس کی تقدیر سے ہوا ہے اس میں جلود کا کوئی دخل نہیں تھا اور اسی وجہ سے معجزہ جلود سے حتمیز ہو گیا۔

”پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے۔“

جب فرعون کے جلود گروں کی لائیوں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا نکل گیا اور بغیر کسی شعبہ حیلہ اور شبہ کے وہ تمام لائیں غائب ہو گئیں تو فرعون اور اس کے درباریوں نے جس طعشق سے ان جلود گروں کو بلایا تھا وہ رائیگاں گیا اور ان کے غرور کا سر نیچا ہو گیا تو وہ انتہائی ذلت کے ساتھ پہا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جلود گرجہ میں گر پڑے انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ جو موسیٰ

اور ہارون کا رب ہے۔ (الاعراف: ۳۲-۳۰)

جادو گروں کے ایمان لانے میں علم کی فضیلت

امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار جادو گر جمع کیے تھے اور انہوں نے ستر ہزار لاثیمیں اور ستر ہزار رسیاں میدان میں بھینگی تھیں۔ امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاثیمیں اور رسیاں ایک مربع میل میں بھیلی ہوئی تھیں۔ امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاثیمیں اور رسیاں اتنی تھیں کہ وہ تین سو لونٹوں کا بار تھیں اور جب ان سب لاثیموں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ کے عصا نے نکل لیا اور وہ معمول کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا تو جادو گروں نے آپس میں کہا یہ چیز جادو سے خارج ہے بلکہ یہ محض اللہ کا فعل ہے اور اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بچے نبی ہیں۔

حکامین نے کہا یہ آیت فضیلت علم پرست قوی دلیل ہے کیونکہ وہ جادو گر جادو کی حقیقت سے واقف تھے ان کو معلوم تھا کہ جادو کا احتمالی کمال کیا ہے اور اس وجہ سے انہوں نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو کی حقیقت سے خارج ہے اگر وہ جادو کے علم میں کمال نہ ہوتے تو وہ یہ استدلال نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یہ سوچتے کہ شاید یہ ہم سے بڑے جادو گر ہیں اس لیے یہ اس چیز پر فکور ہیں جس سے ہم عاجز ہیں لیکن چونکہ وہ جادو کے علم میں کمال تھے اس لیے انہوں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ یہ خالق کائنات کی قدرت کا شاہکار ہے۔ پس وہ جادو کے علم میں کمال ہونے کی وجہ سے کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہو گئے۔ سوچنے کہ جب جادو کے علم میں کمال کا یہ ثمرہ ہے تو دین اسلام اور شریعت کے علم میں کمال حاصل کرنے کا کیا ثمرہ ہو گا

رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ

جادو گر پہلے سجدہ میں گر گئے پھر اس کے بعد کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ بظاہر پہلے ایمان کا اظہار کرنا چاہیے تھا پھر سجدہ کرنا چاہیے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت آگئی تو وہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی معرفت کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہونے اور اللہ کے سامنے خضوع اور تذلل کا اظہار کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کوئی نعمت ملے تو اس کو بے اختیار سجدہ میں گر جانا چاہیے۔

انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون العالمین میں داخل ہیں۔ پھر العالمین کے بعد موسیٰ اور ہارون کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جادو گروں کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے تو ہو سکتا ہے کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ بھی رب العالمین ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ العالمین میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون داخل تھے لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے: "وَمَلَأْنٰكَ وَرَسْلَهُ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکَلْ" (البقرة: ۹۸) ہر چند کہ ملائکہ میں جبریل اور میکائیل داخل ہیں لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا تم میرے اجازت دینے سے پہلے ایمان لے آئے؟ یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شر میں تیار کی ہے تاکہ اس شر کے رہنے والوں کو اس شر سے نکل دو، عنقریب تم اس کا خمیازہ بھگتو گے ○

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا انہوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیں آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہم پر صبرائیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرے (الاعراف: ۷۶-۷۳)

فرعون کا عوام کو شبہات میں ڈالنا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ جن لوگوں کو سب سے زیادہ جلدو کا علم تھا وہ لوگوں کے بہت بڑے اجتماع کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے تو اس کو اپنی خدائی کا خطہ پڑ گیا اس نے سوچا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بہت قوی دلیل قائم ہو گئی۔ تو اس نے لوگوں کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کے لیے فوراً دو شبہات ڈالے۔ ایک شبہ یہ ڈالا کہ یہ جلدو گر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کی قوت کی وجہ سے ان کی نبوت پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کا مقابلہ دراصل نوراکشتی تھی اور انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ جلدو گر عہد اہل جانیں گے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ ظاہر ہو۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کے سردار کی مقابلہ سے پہلے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم پر غالب آ جاؤں تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی گواہی دو گے کہ جس دین کی دعوت دے رہا ہوں وہ حق ہے جادو گروں کے سردار نے کہا کل ہم ایسا جادو پیش کریں گے جس پر کوئی جادو غالب نہیں آ سکے گا اور خدا کی قسم اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں ضرور تم پر ایمان لے آؤں گا اور میں ضرور یہ گواہی دوں گا کہ تمہاری دعوت سچی ہے۔ فرعون ان کو باتیں کرتا ہوا دیکھ رہا تھا اس لیے اس نے کہا: یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غالب ہونا پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق تھا حقیقت میں وہ غالب نہیں ہوئے تھے۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرعون یحییٰ نے دو سراشبہ یہ ڈالا ان کا مقصد تمہیں تمہارے وطن سے نکالنا ہے اس لیے انہوں نے یہ نوراکشتی کی ہے فرعون کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے اثرات کو زائل کرنا تھا تاکہ اس کے رعایا اس کی خدائی کے متعلق بدگمان نہ ہو پھر اس نے کہا تم غریب جان لو گے اپنے اس قول سے اس نے مسلمان ہونے والے جادو گروں کو سزا کی دھمکی دی۔ آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا یا نہیں؟

”میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔“ یہ اجمل کے بعد تفصیل ہے اور یہ فرعون کی تفصیل دھمکی ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرعون نے اس دھمکی پر عمل کیا یا نہیں امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے سولی پر لٹکایا اور جس شخص نے سب سے پہلے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کاٹا وہ فرعون تھا۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض مفسرین نے کہا فرعون اس دھمکی پر عمل نہیں کر سکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَالَ سَنَنْشِئُ عَصَاكَ يَا عَبْدُكَ وَتَكُونُ لَكَ سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُكَوْنَ اِلَيْكَ مَا يَنْتٰسَا
فرمایا: ہم غریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے

أَتَمْنَا وَمِنْ أَتْبَعَكُمْ الْغُلَبُونَ.

سو وہ آپ دونوں تک ہماری نشانوں کے سبب نہ پہنچ سکیں گے

(القصص: ۳۵)

آپ دونوں اور آپ کی اتباع کرنے والے غالب رہیں گے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو غلبہ کی بشارت دی ہے "اس لیے فرعون ان کو قتل نہیں کر سکتا تھا" لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں غلبہ سے مراد دلیل اور حجت کا غلبہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ حالت اسلام میں ہم پر وقت طاری کرنا اور وقت سے مراد طبعی موت ہے اس کا معنی ہے ان کو قتل نہیں کیا گیا اور یہ زیادہ قوی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ دن کے ابتدائی حصہ میں وہ جلوہ گر تھے اور دن کے آخری حصہ میں وہ شہداء تھے "نیز انہوں نے اپنے لیے صبر کی دعا کی تھی اور صبر کی دعا اسی وقت کی جاتی ہے جب انسان کسی امتحان "آزمائش اور بلا میں گھر جائے۔ یعنی سولی پر چڑھائے جائے اور ہاتھوں اور پاؤں کے کاٹے جانے سے وہ ڈگمگانہ جائیں اور اپنے ایمان پر برقرار رہیں اور ان کو اسلام پر ہی موت آئے۔ ان دلائل سے اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر لیا تھا۔

راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا

"انہوں نے کہا ہے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔۔۔ الخ"

جب انسان دین حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس راہ میں مصائب اور مشکلات پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایسی قوت اور جرأت پیدا کرتا ہے کہ ان جلوہ گروں نے جب بصیرت سے حق کو پہچان لیا تو پوری جرأت کے ساتھ اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا "اس سے یہ سچی بات ہے کہ انسان کو اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا چاہیے اور اس دنیا کی فانی لذتوں پر آخرت کی دائمی نعمتوں کو قربان نہیں کرنا چاہیے اور راہ حق کی خاطر رستم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَنْذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑے گا؟

الْأَرْضِ وَيَنْذَرُكَ وَإِلَهَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي

ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیویاں کو زندہ رکھیں گے، فرعون نے کہا ہم منتریبان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیویاں کو

نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا

زندہ رہتے دیں گے، اللہ بیشک ہم ان پر غالب ہیں ○ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو

بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

اللہ صبر کرو، بیشک ساری زمین صرف اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوا أَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِيَنَا وَنَحْمُدَ

اور اچھا انجام ستیں کے لیے ہے ۵ انہوں نے کہا (اے موسیٰ): آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی ہیں اوتھیں پہنچائی گئی تھیں اور

بَعْدَ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَ

آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی (موسیٰ نے) کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین

يَسْتَخْلِفُكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾

میں ان کا جانشین بنائے گا ، پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کہ کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں
نسل کرنے کے لیے چھوڑ دے گا؟ تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے رہیں 'فرعون نے کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو
قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب رہیں گے۔ (الاعراف: ۱۲۹)

فرعون کی قوم نے جب دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا نہ ان کو کوئی سزا دی تو انہوں نے یہ کہا: کیا
تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں نسل کرنے کے لیے چھوڑ دے گا؟ تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے رہیں 'فرعون
نے حضرت موسیٰ سے اس لیے کوئی قرض نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مجرّم کو دیکھ کر بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا
تھا اس کو ڈر تھا کہ اگر حضرت موسیٰ نے اس پر عطا چھوڑ دیا تو وہ اژدہا بن کر اس کو کھا جائے گا تاہم اس نے اپنا بھرم رکھنے کے
لیے قوم کو جواب دیا کہ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور بیٹیوں کو چھوڑ دیں گے گویا موجودہ نسل کے ختم ہونے
کے بعد بنو اسرائیل کی صرف عورتیں رہ جائیں گی اور عورتوں سے جنمیں کیا خطروں ہو سکتا ہے۔ گویا کہ یہ ایک طویل المیعاد
منصوبہ تھا اور اس سے وقتی طور پر قبیلوں کو قتل دینا مقصود تھی۔

قبیلوں نے کہا تھا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے رہیں۔ فرعون کے معبود کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال

ہیں:

۱- فرعون نے اپنی قوم کے لیے چھوٹے چھوٹے بت بنائے تھے اور اس نے اپنی قوم کو ان کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور
خود کو وہ کہتا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں اور ان بتوں کا بھی رب ہوں۔

۲- حسن بصری نے کہا فرعون خود بھی بتوں کی عبادت کرتا تھا۔

۳- امام رازی نے فرمایا کہ فرعون ستاروں کی تاثیر کا قائل تھا اور اس نے ستاروں کی صورتوں کے بت بنائے تھے اور وہ
خود بھی ان کی عبادت کرتا تھا اور قوم سے بھی ان کی عبادت کراتا تھا۔

۴- امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی ایک گائے تھی جس کی اس کی قوم عبادت کرتی
تھی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب بھی وہ کوئی خوب صورت گائے دیکھتے تو فرعون اس کی عبادت کا حکم دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو 'چنگ ساری زمین صرف اللہ کی ہے وہ

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور اچھا انجام متعین کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں لڑتیں پتھلی گئی تھیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی۔ (موسیٰ نے) کہہ غریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں امن کا جانشین بنادے گا پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔ (الاعراف: ۷۸-۷۹)

اللہ پر ایمان کامل کی وجہ سے مصائب کا آسان ہو جاتا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو چیزوں کا حکم دیا اور دو چیزوں کی بشارت دی، ایک یہ حکم دیا کہ اللہ سے مدد طلب کرو اور دوسرا یہ حکم دیا کہ مصائب پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے استمداد اور استعانت کے حکم کو پہلے بیان فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور ہم اس کے بندے اور مملوک ہیں اور مالک کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی مملوک میں جس طرح چاہے تصرف کرے تو اس کا دل اللہ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مالک کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے پھر اس پر جو مصیبت اور تکلیف وارد ہو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خوشی اور محبت سے ان مصائب کو گلے لگا لیتا ہے اور ان پر کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نمود کی جلانی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے، حضرت اسماعیل نے راضی بہ رضا ہو کر چھری تلے اپنی گردن رکھ دی، حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر و استقامت سے تمام بیماریوں کو برداشت کیا۔ سو جس شخص کا اللہ پر یقین محکم ہو اس کے لیے مصائب اور مشکلات پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو ایک یہ بشارت دی کہ اللہ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس کی جگہ ان کو اس زمین کا وارث کر دے گا کیونکہ زمین کا مالک اللہ ہے وہ جس کو چاہے اس زمین کا وارث بنادیتا ہے اور دوسری بشارت یہ دی کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو آخرت میں بھی تمہارا اچھا انجام ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور تقویٰ قائم رکھنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے۔

کسی بات کو سمجھنے کے لیے سوال کرنے کا جواز

بنو اسرائیل نے جب فرعون کی وعید اور اس کی دھمکیوں کو سنا تو وہ سخت خوفزدہ ہوئے اور گھبرا گئے اور انہوں نے کہا ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی اذیت دی گئی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے فرعون لعین نے بنو اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ ان سے جزیہ لیتا تھا۔ اور ان سے سخت مشکل کام لیتا تھا اور ان کو سہولت اور آرام سے منع کرتا تھا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو ان کو یہ واقعہ امید ہو گئی کہ اب ان کی مشکلات کے دن ختم ہو گئے اور ان کو اب فرعون کے ظلم و ستم سے نجات مل جائے گی، لیکن جب انہوں نے فرعون کو پھر دھمکیاں دیتے ہوئے سنا تو ان کی امید پھر ڈوب گئی اور انہوں نے رنج اور مایوسی سے یہ کہا کہ ہمیں آپ کی آمد سے پہلے بھی اذیت دی گئی تھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہم ظلم و ستم کے سائے میں ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بنو اسرائیل کے اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو مکروہ جانا اور یہ کفر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے یہ بشارت دی کہ اب تمہاری

مہینوں کے دن گزر گئے تو انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کی مصیبتیں اسی وقت ختم ہو جائیں گی اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے مصائب تو ان پر اسی طرح پھلے ہوئے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس خوشخبری کی کیفیت جاننے کے لیے سوال کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ وضاحت کی کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے مصائب اسی وقت ختم ہو جائیں گے بلکہ ان کی نجات کا جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے ان کی نجات اسی وقت ہو گئی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنادے گا پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر استلزام کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافتِ حل کے لیے سوال کیا جاسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کوئی حدیث سنتیں جس کا مطلب انہیں سمجھ نہ آتا تو وہ دوبارہ آپ سے رجوع کرتیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا مطلب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

كَأَمَّا مَنْ أُوْبِيَ كُنْهَ بَيِّنَةٍ ۖ فَسُوفَ يُجَازِبُ جَزَابًا بِئِيسًا ۖ (الانشقاق ۷۸-۷۹)
 تو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا یہ تو اعمال نامہ کو پیش کرنے کے متعلق ہے۔ لیکن جس سے حساب میں متعلق کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۳۶، ۳۹۳۷، ۳۹۳۸، ۳۹۳۹، ۳۹۴۰، ۳۹۴۱، ۳۹۴۲)

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَّصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ

اور بیشک ہم نے فرعون کے متبعین کو کئی سال قحط اور بھلوں کی پسیدہ دار کی کمی میں مبتلا رکھا تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۳۱﴾ فَاِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا النَّاهِيَةُ وَاِنْ

نقصت قبول کریں ○ پس جب ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ جائے بہت ہے اور جب

تُصِبُّهُمْ سَيِّئَةٌ يَتَكَبَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ ۖ اِلَّا اَنَّا ظَاهِرُهُمْ

ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی خواست قرار دیتے، سنو: ان کافروں کی خواست اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ

(بہت سب سے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ○ اور انہوں نے کہا اے موسیٰ) آپ جب بھی ہیں

مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۚ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ فَاَمْرًا سَلْنَا

سحر کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی نشان لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ پس ہم نے ان پر طوفان

عَلَيْهِمُ الطُّوفَانُ وَالْجَرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ وَاللَّامِأَتِ

بیمبا اور ٹڈی دل کے باطل اور جرمیں اور مینڈک اور خون ، ہر آنہ ایک یہ الگ الگ نشیما

مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۰﴾ وَلَمَّا وَقَعَ

تھیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ قبی ہی جرم قوم ○ اور جب بھی ان پر

عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے ہے موسیٰ! آپ کے رب کے سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہلکے حق میں دما کیے

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي

اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور آپ کے ساتھ بھرا اسرائیل

إِسْرَءِئِيلَ ﴿۱۳۱﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُمْ بِالْغُورَةِ

کو روانہ کر دیں گے ○ پس جب ہم نے ان سے اس مدت میں تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچا ان

إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۲﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِآيَاتِنَا

کے لیے قدرت تھا تو وہ فوراً اپنا جھڑپنے والے تھے پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمند میں غرق کر دیا کیوں کہ انہوں نے ہماری نشانیوں

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَأَوْسَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ

کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے ○ اور ہم قوم کو کڑھ بھا جاتا تھا اس کو ہم نے

كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا

اس سرزمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں ،

فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِئِيلَ بِمَا

اور بھرا اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیوں کہ انہوں نے میر

صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا

کیا تھا ، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی بدی عمارتوں اور ان کی ہڈیاں ہڈیوں کو تباہ و برباد کر

يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَجُوزُنَا بِبَنِيِّ إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى

دیا ○ اللہ ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے

قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا

پس سے گڑھے جو اپنے تئوں کے سامنے آئیں جانے (مکلف) بیٹھے تھے اہلوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا

إِلَهًا كَمَا لَهُمُ إِلَهَةٌ ط قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ

معبود بنا جیسے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا بیشک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو ○ بیشک میں کام میں یہ لوگ

مُتَكِبِّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَيَبْطُلُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾ قَالَ أَغَيَّرَ اللَّهُ

معصوم ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے ○ اللہ موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا

أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضْلُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكَ مِنْ

تہا سے لیے کوئی اللہ معبود تلاش کر دل حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہانوں پر فضیلت ہی آگئی اور (اے بنو اسرائیل) یا کہو

إِلَٰ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ابْ يَقْتُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ

جب ہم نے تم کو فرعون کے تمہیں سے نجات دے دی جو تم کو بڑا عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور

يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۳۴﴾

تمہاری بیویوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے فرعون کے مشعین کو کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا تاکہ وہ نصیحت کو قبول کریں ○ جب ان پر خوش حالی آئی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب ان پر بد حالی آئی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے "سنو ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (الاعراف ۳۰-۳۱)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

آل فرعون: فرعون کی قوم اور اس کے خواص اور یہ اس کے درباریوں کی جماعت ہے۔ "آل" کا استعمال کسی شخص کے قربت و اردوں میں ہوتا ہے۔ جیسے آل ابراہیم اور آل عمران یا اس کا استعمال کسی کے مشعین اور اس کے پیرو کاروں میں ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: "ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (المومن: ۴۶) فرعون کے مشعین کو بہت سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ ۴۹ میں کی ہے۔

سین: یہ سنہ کی جمع ہے جس کا معنی سال ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال بن سالوں کے لیے کیا جاتا ہے جس میں خشک سال اور قحط ہو، حدیث میں ہے: "واجعلها علیہم کسنی یوسف" اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کی طرح قحط کے سال مقرر کر دے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸۰۳، صحیح مسلم، المسابیح: ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۵۷۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۲، مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۲۳۹)

الحسنہ: ہر اس چیز کو حسن کہتے ہیں جو خوبصورت ہو اور اس کی طرف رغبت کی جاتی ہو، اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو صالحہ حسن ہو جیسے خوبصورت چہرے، خوبصورت نقوش وغیرہ دوسری وہ جو عقلاً حسن ہو جیسے فائدہ مند اور نفع آور کام، دوا اور پرہیز وغیرہ۔ تیسری وہ جو شرعاً حسن ہوں جیسے ایمان اور اہل صالحہ، اور "الحسنہ" ہر اس نعمت کو کہتے ہیں جس کے حصول سے انسان اپنی روح، بدن اور احوال میں فرحت اور سرور کو پائے، یہی "الحسنہ" سے مراد ہے کھیتوں اور باغات کا سرسبز اور شاداب ہونا اور زمین کا زرخیز ہونا اور "البینہ" اس کی ضد ہے یعنی خشک سال اور قحط۔

یبطیروا: طیر اور تشاءم کا معنی ہے بد شکونی اور بد قحط لگانا، حدیث میں ہے: "لا عدوی ولا طیرة" کوئی مرض مختلفہ متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی بد شکونی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۷۵۳، صحیح مسلم، سلام: ۱۰۲، (۲۲۲۰) ۵۶۸۰، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۴) نیز حدیث میں ہے تین چیزوں سے کوئی شخص سلامت نہیں "الطیرة والحسد والطرس" بد شکونی، حسد اور بد گمانی، کما گیا پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا: جب ہم بد شکونی نکالو تو اپنے کام پر روانہ ہو، اور جب تم حسد کرو تو اس کے درپے نہ ہو اور جب تم بد گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرو۔ (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۳۷۸۹، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۴)

ایک اور حدیث میں ہے الطیرة شرک، بد شکونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۲۲۰، ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۲۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۳۰، ۳۸۹) حدیث کا معنی یہ ہے کہ بد شکونی کو موثر حقیقی اعتقاد کرنا شرک ہے اور ہم میں سے ہر شخص کے دس میں بد شکونی کا خیال آتا ہے۔ لیکن اللہ پر توکل سے بد شکونی زائل ہو جاتی ہے۔

قوم فرعون پر پے درپے بلائیں اور آفتیں نازل کرنے کی حکمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: مقرب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے وقفہ وقفہ سے فرعون کی قوم پر عذاب نازل فرمایا تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی محبت پوری ہو، ایک قسم کا عذاب نازل کرنے کے بعد ان کو توبہ کرنے اور رجوع کرنے کا موقع دیا۔ پھر دوسری قسم کا عذاب نازل فرمایا۔ اور اس طرح وقفہ وقفہ سے چھ قسم کا عذاب نازل فرمایا، لیکن جب انہوں نے کسی طرح رجوع نہیں کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا کہ اس نے بنو اسرائیل کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر پے درپے مصائب اور بلائیں اس لیے نازل فرمائیں کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور وہ تکلیف اور گھبراہٹ میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ
تَدْعُونَ إِلَّا إِلَهُنا (بنو اسرائیل: ۶۷)
اور جب تم کو سمندر میں آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا احسن کی تم پر ستم کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُجِيبًا دَعْوَاهُ۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو (الرمز: ۸) پکارتا ہے اور آنکھیں دھو اس کی طرف رجوع کر رہا ہوتا ہے۔

پس جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ یہ کہتے کہ یہ ہمارے سب سے ہے اور جب ان پر بد حالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نخواست قرار دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کو مستحب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو بے پے آفتیں اور بلائیں نازل کیں ان سے انہوں نے کوئی سبق یا نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ ان کا کفر اور سرکشی اور بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ جب بھی ان کو سرزنش اور نصیحت کرنے کے لیے ان پر کوئی مصیبت نازل فرماتا تو وہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی نخواست قرار دیتے۔ اسلام نے کسی چیز سے برا شکون نکالنے یا کسی چیز کو منہوس سمجھنے کی ہمت نہ مت کی ہے، نئی چیز کسی چیز سے نیک شکون تو لیتے تھے لیکن بد شکونی کی آپ نے مذمت فرمائی ہے۔
قال اور شکون نکالنے کی تحقیق

امام رازی نے لکھا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو یہود نے اس کو بد شکونی کہا اور کہا ان کے آنے سے چیزیں مسکی ہو گئیں اور بادشیں کم ہو گئیں۔ عرب بد قل اور بد شکونی کو طائر طیر اور طیر کہتے تھے وہ طائر (پرنده) سے قل نکالتے اور قل نکالنے کے لیے پرنده کو اڑاتے۔ پھر اگر پرنده دائیں جانب سے آتا تو اس کو نیک شکون قرار دیتے اور اگر وہ بائیں جانب سے آتا تو اس کو بد شکون قرار دیتے۔ اس کے بعد مطلقاً بد شکونی کے لیے طائر اور طیر کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، روح المعانی ج ۷، ص ۳۲، بیروت)
حضرت بریدہ جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے بد قل نہیں نکالتے تھے، آپ جب کسی عامل کو بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشارت دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر ہیبت کی دکھائی دیتی اور جب آپ کسی ہستی میں داخل ہوتے تو آپ اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشارت دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر ہیبت کی دکھائی دیتی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۲۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۰، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۷۹۸۰)
حضرت ابو ہریرہ جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ (بات) سنا جو آپ کو اچھا لگا آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے منہ سے قل لے لی ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۷۷، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۷۹۹۰)
حضرت انس بن مالک جریڈی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ سننا اچھا لگتا یا راشد (اے ہدایت پانے والے) یا سہیح (اے کامیاب ہونے والے)

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۲۲، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۰۰)
حضرت عروہ بن عامر قرشی جریڈی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے بد قل کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا: سب سے اچھی چیز نیک قل ہے اور قل مسلمان کو کسی مہم سے نہیں روکتی، پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی پسندیدہ چیز کو دیکھے تو کہے اے اللہ! میرے سوا کوئی شخص اچھائیوں کو نہیں لاسکتا اور میرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا اور گناہوں سے باز رہنا اور نیکیوں کو کرنا میری ہمت کے بغیر ممکن نہیں۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۹۹، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا بد شکونی شرک ہے، حضرت ابن مسعود نے کہا: ہم میں سے ہر شخص کو بد شکونی عارض ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس سے سخت ناپسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اس کو زائل کر دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۱۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۲۰، مسند احمد ج ۱، ص ۳۸۹، رقم الحدیث: ۳۶۸۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۳۸، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۹۰۹، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بد شکونی ہے اور مجھ کو فل پسند ہے، صحابہ نے پوچھا: قل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھی بات، نیک بات۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۷۵۳، صحیح مسلم، سلام، ۱۱۰، (۲۲۲۳)، ۵۶۹۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۱۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۲۱، مسند احمد ج ۳، ص ۱۳۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۳۷، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۱۶۱۵، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بد شکونی ہے، (اور اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو) تین چیزوں میں نحوست ہوتی، گھوڑے میں، عورت میں اور مکان میں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۹۳، صحیح مسلم، سلام، ۵۵، (۲۲۲۵)، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۲۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۳۳، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۵۷۱، مسند احمد ج ۲، ص ۵۵، طبع قدیم، رقم الحدیث: ۵۱۳۳، طبع جدید، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۵۵، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت روضہ بن جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بد شکونی کی وجہ سے اپنی مہم پر نہیں گیا وہ شرک میں آلودہ ہو گیا۔ (مسند ابی ہریرہ، رقم الحدیث: ۳۰۳۶، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۱۰۶)

بد شکونی کی ممانعت کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

طیر (بد شکونی) کی اصل وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین طیر (پرندہ) پر اعتکاف کرتے تھے، جب ان میں سے کوئی شخص کسی کام کے لیے نکلتا تو وہ پرندہ کی طرف دیکھتا اگر وہ پرندہ دائیں طرف اڑتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتا اور اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑتا تو وہ اس سے بد شکونی نکالتا اور لوٹ آتا، بعض اوقات وہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے خود پرندہ کو اڑاتے تھے، پھر جس جانب وہ اڑتا تھا اس پر اعتکاف کر کے اس کے مطابق مہم پر روانہ ہوتے یا نہ ہوتے۔

جب شریعت آگئی تو اس نے ان کو اس طریقہ سے روک دیا، چونکہ مشرکین بد فعل اور بد شگون پر اعتکاف کرتے تھے تو مسلمانوں میں بھی اس کے اثرات آگئے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تین چیزوں سے کوئی شخص خلل نہیں ہوتا، بد شکونی، بد گمانی اور حسد۔ پس جب بد شکونی نکلے تو تم واپس نہ ہونا، اور جب تم حسد کرو تو اس کو طلب نہ کرنا اور جب تم بد گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرنا اور تم اللہ ہی پر توکل کرو، اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی اور امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کلہن کے پاس گیا یا جس نے حیر سے فل نکال یا جو شخص بد شکونی کی وجہ سے سفر سے واپس آگیا وہ بلند درجات کو نہیں پاسکتا۔ نیز امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدھگونی نکالنا شرک ہے، آپ نے اس کو شرک اس لیے قرار دیا کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ شگون اور قل کی وجہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر دور ہوتا ہے، گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شگون کو شریک کر لیا اور جس نے بدھگونی کی پروا نہیں کی اور سفر روانہ ہو گیا تو اس پر اس بدھگونی کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور - ۱۳۰۱ھ)

نیک قال کے جواز کا سبب اور بد قال کو شرک قرار دینے کی توجیہ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

بدھگونی یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنتا ہے یا کوئی چیز دیکھتا ہے اور اس سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل نہیں ہو سکے گی اور قل اس کی ضد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنے یا کوئی چیز دیکھے تو پھر یہ امید رکھے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا: بدھگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور سب سے اچھی چیز قل ہے۔

(صحیح مسلم رقم: ۲۲۲۳، صحیح بخاری رقم: ۲۷۵۵، سنن احمد ج ۲ ص ۲۶۶)

حضرت بریدہ بن حبیب جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدھگون نہیں لیتے تھے لیکن آپ (نیک) قال نکالتے تھے۔ حضرت بریدہ اپنے اہل قبیلہ بنی سہم کے ستر نفر کے ساتھ (ہجرت کے سفر میں) نبی ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: بریدہ ابن ابی بکر، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف مڑ کر فرمایا: "بردا امرنا و صلح" ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور اچھا ہو گیا۔ (آپ نے بریدہ سے مدد کی قل نکال اور مدد کا معنی ہے "ٹھنڈا ہونا۔ سعیدی) پھر فرمایا: تم کن لوگوں سے ہو؟ میں نے کہا: "اسلم" سے، آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: "سلمنا" ہم سلامتی سے رہیں گے۔ پھر فرمایا: تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے کہا: بنو سہم سے، آپ نے فرمایا: "خرج سہمنا ہمارا حصہ نکل آیا۔"

(الاستیعاب علی حاشی الاصابہ ج ۱ ص ۱۷۴، اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۹۶)

آپ قال کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ نیک قال سے انشراح نفس (شرح صدر، تسکین قلب) ہو جاتا ہے اور انسان کو جب یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے گی اور اس کی امید بڑھے گی اور وہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ حسن ظن رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور آپ بدھگونی کو اس لیے ناپسند فرماتے تھے کہ یہ شرکین کا عمل ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود جریڈ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: بدھگونی شرک ہے اور جو شخص بدھگونی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر نہیں ہے) سوا اس شخص کے جو بدھگونی کے باوجود اپنی مہم پر روانہ ہو جائے اور بدھگونی کی بالکل پروا نہ کرے۔ البتہ انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کے دل میں بدھگونی کا بالکل خیال نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ بن الحکم نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ بدھگونی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو ان کے دلوں میں کھٹکتی ہے تو وہ اس کے درپے نہ ہوں اور بعض روایات میں ہے اس سے ان کو ضرر نہیں ہو گا، لیکن جب انسان اللہ پر توکل کرے تو بدھگونی جاتی رہتی ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا جب تم بدھگونی نکالو تو اپنی مہم پر روانہ ہو اور اللہ پر توکل کرو۔ (الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۱۵۲۳)

عورت 'مکان اور گھوڑے میں بد شکونی کی توجیہ

بد شکونی نیک قل کی ضد ہے۔ آپ نے فرمایا: شوم (بد شکونی یا نحوست) کوئی چیز نہیں ہے 'شوم صرف تین چیزوں میں ہے: عورت، گھوڑا اور مکان۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۴، ۵۷۷۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۳، سنن التسلیٰ رقم الحدیث: ۳۵۷۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ اس حدیث میں نفی کے عموم سے یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اور ان تین چیزوں میں فی الواقع شوم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جیسے زمانہ جاہلیت میں مشرکین بعض چیزوں سے بد شکونی لیتے تھے اور ان کو منحوس (بے برکت) کہتے تھے اسی طرح ان تین چیزوں میں نحوست ہے 'اور یہ چیزیں فی الواقع معفرت ہیں' بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص مکان یا کسی مخصوص عورت کے متعلق انسان کے دل میں خیال آئے کہ یہ منحوس ہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے وہ مکان بدل لے یا دوسری عورت سے نکاح کر لے، لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی چیز اپنی ذات میں معفرت نہیں ہے اور ہر چیز کا وہی خالق ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ نئی ہتھکڑی نے فرمایا جذام کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں اور یہ جواب ہر اس چیز میں جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق انسان کے دل میں یہ خیال آئے کہ وہ منحوس ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں جانے سے منع کیا ہے 'اور وہاں کے رہنے والوں کو اس علاقہ سے نکلنے سے بھی منع کیا ہے 'اور اگر مکان، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہو تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تین قسم کی چیزیں ہیں؟

پہلی قسم وہ ہے جس سے بالکل ضرر نہیں ہوتا، نہ پیش نہ اکثر اوقات، نہ بعض اوقات، نہ عورت ایسی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کا بالکل اعتبار نہیں کیا جیسے کسی سفر میں کوئے کا ملنا یا کسی گھر میں الو بولنا۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین ان چیزوں میں ضرر کا اعتقاد کرتے تھے اور ان کو منحوس اور بد شکون کہتے تھے 'اسلام نے ان کا رد کیا اور کہا ان میں کوئی بد شکونی نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں بالعموم ضرر ہو مثلاً کسی علاقہ میں طاعون ہو یا اور کوئی وبا ہو تو احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس علاقہ میں جانا نہیں چاہیے اور وہاں سے بھاگنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بھاگنے والے کو ضرر لاحق ہو جائے اور بھاگنے کے سلسلہ میں اس کی محنت رائیگاں چلی جائے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا ضرر نکتہ نہ ہو 'بعض صورتوں میں ہو اور اکثر میں نہ ہو' مثلاً زیادہ عرصہ کسی مکان میں رہنے سے ضرر ہو یا بیوی یا گھوڑے سے کوئی ضرر پہنچے تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے۔

(المجموع ج ۶، ص ۶۳۱-۶۳۶، مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق، بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ دمشقی ابی مالک لکھتے ہیں:

بعض روایات اس طرح ہیں "اگر کسی چیز میں شوم (نحوست) ہو تو وہ عورت، مکان اور گھوڑے میں ہے۔"

(صحیح مسلم، سلام ۱۱۸-۱۱۷)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں قطعیت کے ساتھ بد شکونی یا نحوست نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے لیکن اگر تم میں سے کوئی اپنے مکان میں رہنے کو پسند کرتا ہو تو اس مکان کو تبدیل کر دے اور اگر

کوئی شخص بیوی کو پسند کرتا ہو تو اس کو طلاق دے دے اور گھوڑا پسند نہ ہو تو اس کو فروخت کر دے۔ ایک جواب یہ ہے کہ مکان کی نحوست یہ ہے کہ مکان تنگ ہو یا اس کے پروسی اچھے نہ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کے ساتھ جملہ نہ کیا جائے اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ اس سے اولاد نہ ہو۔ اور یہ نحوست اس معنی میں نہیں ہے جس معنی میں زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض چیزوں سے نحوست اور بد شکونی کا اعتقاد کرتے تھے۔ ان کے نزدیک نحوست اور بد شکونی کا معنی یہ تھا کہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے انسان کسی چیز کو دیکھ لے یا اس کی آواز سن لے تو پھر وہ ناکام ہو جائے اور عورت گھوڑے اور مکان میں جس قسم کی نحوست بیان کی گئی ہے یہ وہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نحوست کی نفی اور اثبات کے محل الگ الگ ہیں۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ عورت گھوڑے اور مکان میں شوم کا معنی حیدر (بد شکونی یا نحوست) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کی طبیعت کے موافق نہ ہوں عورت کی سعادت یہ ہے کہ وہ صالحہ (نیک) ہو اور مکان کی سعادت یہ ہے کہ وہ وسیع ہو اور گھوڑے کی سعادت یہ ہے کہ اس پر آسانی سے سواری ہو سکے اور ان کی شکوت یہ ہے کہ یہ چیزیں اچھی نہ ہوں علامہ لمبی نے یہ کہا ہے کہ ان تین چیزوں میں شوم نہیں ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہو سکتی ہے تو ان تین چیزوں میں ہو سکتی تھی کیونکہ انسان ان چیزوں کے ساتھ زیادہ رہتا ہے تو اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان میں نحوست نہیں ہے تو کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔

(اکمال اکمال العلم ج ۲، ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض لوگ بعض دنوں یا بعض مہینوں کو منہوس سمجھتے ہیں یا بعض کام بعض دنوں میں اچھا نہیں جانتے اور اس سلسلہ میں بعض ضعیف یا بعض موضوع روایات بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان احادیث مجھ کے سامنے یہ تمام امور باطل ہیں تمام دن اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور کسی میں کوئی نحوست نہیں ہے اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا زمانہ جاہلیت کے مشرکین کے عقائد کی طرح ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے۔
بد شکونی لینا کفار کا طریقہ ہے

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص یا کسی چیز کو منہوس قرار دینا کفار کا طریقہ ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تو جب انہیں خوشحال پہنچتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر انہیں کوئی بد حال پہنچتی تو اسے (موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے سنو ان (کافروں) کی نحوست اللہ کے نزدیک (مقدور) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

(کافروں نے) کہا ہم نے تم سے برا ٹھکون لیا ہے اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سزا کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

(کافروں نے حضرت صالح سے) کہا: ہم نے آپ کے ساتھیوں سے برا ٹھکون لیا ہے۔ (حضرت صالح نے) فرمایا: تمہاری بد شکونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ جہنم میں جلاؤ۔

فَإِذَا جَاءَ ثَمُومُ الْحَسَنَةِ قَالُوا النَّاهِيَةُ وَلَا نُسَبِّحُكُمْ سَبِيحَةً تَطْبِيرُوا يَمْوُئِي وَمَنْ تَعَهُ الْأَلَا
إِنَّمَا ظَنَرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ (الاعراف: ۳۸)

قَالُوا إِنَّا تَطْبِيرُكُمْ لَكُمْ لَوْنٌ لَمْ تَنْتَهُوا
لَسَرَّحْتَكُمْ وَلَبَسَّكُمْ مِثْلًا لَّعَذَابِ الْيَوْمِ۔ (یس: ۱۸)

قَالُوا أَظْهَرْنَا بِكُمْ لَوْنًا لَمْ تَنْتَهُوا
ظَهَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ۔ (النمل: ۳۷)

کسی چیز سے بدشگونی لینے یا کسی دن کو منحوس قرار دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات
علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیسی المتوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

(نیک) فعل نکالنے کی رخصت ہے اور طہر (بدشگونی) منع ہے۔ اگر کوئی انسان کسی چیز کو دیکھے اور وہ اس کو اچھی لگے اور وہ اس کو اپنی حاجت یا مہم پر جانے کے لیے اہمارے تو وہ اس پر عمل کرے اور اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو منحوس شمار کیا جاتا ہو اور وہ اس کو اس کی مہم پر جانے سے منع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مہم پر اور اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے روانہ ہو جائے اور اگر اس نے اس بدشگونی کو قبول کر لیا اور اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوا تو یہ طہر (بدشگونی) ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۱۳-۳۱۴، مطبوعہ دار الفکر، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں ہے الطیرۃ (بدشگونی لینا) شرک ہے، آپ نے اس کو اس لیے شرک فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جن چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے ان کو ناکامی اور ناکامی کے حصول میں سبب موثر خیال کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے اور اگر ان چیزوں کو من جملہ اسباب قرار دیا جائے تو پھر یہ شرک خفی ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۲۰)

حضرت سعد بن مالک جو پیش بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی چیز میں شوم (نخوست) ہو تو وہ ممکن گھوڑے اور عورت میں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۲۱، صحیح مسلم، سلام ۱۱۸-۱۱۹، شرح السنن ج ۶، ص ۲۷۳، مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰)

اس حدیث میں شوم کا معنی نخوست نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے جو چیز شریعت اور طبیعت کے مخالف ہو اور ممکن میں شوم یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے پڑوسی اچھے نہ ہوں اور عورت میں شوم یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو یا بد زبان ہو اور گھوڑے میں شوم یہ ہے کہ اس پر جملہ ہو سکے یا وہ اذیل ہو یا بست منگا ہو اس کی تائید علامہ بغوی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنا ممکن رہائش کے لیے پسند ہو یا بیوی سے صحبت پسند ہو یا گھوڑا پسند نہ ہو تو وہ ان کو تبدیل کر لے حتیٰ کہ اس کی پسندیدگی زائل ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت انس جو پیش بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا ہم پہلے ایک گھر میں رہتے تھے ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ہمارا مال بھی بہت زیادہ تھا پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہو گئے ہماری تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی کم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس گھر کو چھوڑ دو در آنحالیکہ یہ مذموم ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم: ۳۷۳۳، سنن بیہقی ج ۸، ص ۳۰، کنز العمال، رقم: ۲۸۷۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس ممکن سے اس لیے منتقل ہونے کا حکم دیا کیونکہ وہ لوگ اس گھر میں رہنے سے متوحش اور متفرق تھے اور وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا نہ اس لیے کہ اس ممکن میں فی غصہ کوئی نخوست تھی۔

(شرح السنن ج ۶، ص ۲۷۳)

علامہ طہیسی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہوتی تو ان تین چیزوں میں شوم ہوتی اور جب ان میں شوم نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں شوم نہیں ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۲۱، مطبوعہ کراچی)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۷۷۱ھ لکھتے ہیں:

نہی ﷺ نے طہر کو اس لیے باطل کہا ہے کہ نفع یا ضرر پہنچانے میں کسی چیز کی تاثیر نہیں ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کام پر جائے خواہ قال اس کے موافق ہو یا مخالف وہ اپنے رب پر توکل کر کے اپنی مہم پر روانہ ہو زمانہ جاہلیت میں لوگ

مصر کے مہینہ کو منہوس قرار دیتے تھے تو نبی ﷺ نے اس کو باطل فرمایا اور فرمایا: لا صفر۔۔۔۔۔

(شرح السنہ ج ۶ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مہینہ کا آخری بدھ دائمی منہوس

ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۰۵ موضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۷۵)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ رقم ۸) اور بعض علماء نے اس کو موضوع کہا ہے۔

(سلسلہ الاحادیث الضعیفہ رقم ۱۵۸۱) علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف اور وضع سے خلل نہیں۔

(الاعمال المصنوعہ ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۹)

علامہ شمس الدین عبدالرؤف المتلوی الشافعی المتوفی ۷۲۱ھ لکھتے ہیں:

اس دن کا منہوس ہونا ظہیر کی جنت سے نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور

بعض ایام کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور ظہیر (بدشگونی) امور دین میں سے نہیں ہے بلکہ یہ فعل جاہلیت سے ہے

نبوی کہتے ہیں کہ بدھ کا دن عطارد کا دن ہے اور عطارد منہوس ستارہ ہے اور ان کا یہ قول دین سے خارج ہے یہ دن قوم عاد کے

لیے بھارک تھا کیونکہ اس دن ان پر عذاب آیا تھا۔ سو اس دن کو منہوس فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اللہ سے ڈرنا چاہیے

کیونکہ اس دن اللہ کا عذاب آیا تھا اور اللہ سے بکثرت توبہ اور استغفار کرنا چاہیے جس طرح نبی ﷺ جب الجحیم گئے تو آپ

نے فرمایا ان معذبین کے پاس سے روٹے ہوئے گزرنا اول تو یہ حدیث سند ضعیف یا موضوع ہے اور یہ ابن اعلیٰ جیو سے

تسلیم اور تغارض کی صلاحیت نہیں رکھتی جن میں یہ تصریح ہے کہ کسی چیز میں شوم یا نحوست نہیں ہے اور بر تقدیر تسلیم اس کی

یہی تاویل ہے کہ یہ دن قوم عاد کے لیے بھارک ثابت ہوا تھا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قیامت تک کے لیے یہ دن ہر شخص

کے لیے بھارک ہے علامہ شاہی نے دہلوی کی سند ضعیف سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ جس نے بدھ کے دن ناخن تراشے

اس سے دوسوہ اور خوف نکل جاتا ہے اور اس کو اسن اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۰)

اور منہاج الملکی میں اور شعب الیستی میں یہ حدیث ہے کہ بدھ کے دن زوال کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اور صاحب

الہدایہ نے کتب تعلیم و محکم میں لکھا ہے کہ بدھ کے دن جو کام شروع کیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ علامہ متلوی نے بدھ کی

سعادت اور برکت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے ہفتہ کے دنوں میں سے ہر

دن میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور آفت نازل ہوئی اور ہر دن میں کوئی نہ کوئی نعمت ملی ہے اس لیے کوئی دن بھی منہوس نہیں ہے

تمام دن اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کسی دن بھی کوئی کام کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ احادیث جیو سے یہی ثابت ہے اور جن

روایات میں بعض ایام کی نحوست کا ذکر ہے وہ موضوع ہیں یا شدید ضعیف ہیں۔

(لیفٹ القدر ج ۱ ص ۸۶-۸۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ بدشگونی کی وجہ سے اپنے مطلوبہ کاموں کو کرنے سے رک جاتے تھے شریعت اسلام نے بدشگونی کو

باطل کیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ خبر دی کہ کسی نفع کے حصول یا کسی ضرر کے دور کرنے میں شگون کا کوئی اثر نہیں ہے۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار البیاعۃ النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”بدشگونئی لینا شرک ہے“۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بدشگونئی کے قحطے پر عمل کرنے سے ان کو نفع حاصل ہوتا ہے یا ان سے ضرر دور ہوتا ہے اور جب انہوں نے اس کے قحطے پر عمل کیا تو گویا انہوں نے شرک کیا اور یہ شرک خفی ہے اور اگر کسی شخص نے یہ اعتقاد کیا کہ حصول نفع یا دفع ضرر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مستقل موثر ہے تو یہ شرک جلی ہے آپ نے اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ جس چیز سے انہوں نے بدقلبی ہے وہ مصیبت کے نازل میں موثر سبب ہے اور بالعموم ان اسباب کا لحاظ کرنا شرک خفی ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ جہالت اور سوء اعتقاد بھی ہو تو اس کا شرک خفی ہونا اور بھی واضح ہے۔

(مرقاۃ ج ۹، ص ۶۰۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۴ھ لکھتے ہیں:

نہی بچھڑنے فرمایا: ”لا طیسرة“ یعنی حصول نفع اور دفع ضرر میں بدشگونئی لینے کی کوئی تاثیر اور دخل نہیں ہے اور بدشگونئی نہیں لینا چاہیے اور نہ اس کا اعتبار کرنا چاہیے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا شریعت نے اس کو سبب نہیں بنایا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳، ص ۶۲۰، مطبوعہ نج کار لکھنؤ)

نیر شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

نہی بچھڑنے فرمایا: ”لا صفر“ بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ما صفر ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عام لوگ اس ماہ کو مصیبتوں، بلاؤں اور آفتوں اور حادثوں کا مہینہ قرار دیتے تھے یہ اعتقاد بھی باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳، ص ۶۲۰، مطبوعہ لکھنؤ)

بقیہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن راشد سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ”لا صفر“ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: لوگ ما صفر کے دخول کو منہوس سمجھتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا صفر“ یعنی صفر میں نحوست نہیں ہے۔

(مرقاۃ ج ۹، ص ۴، مطبوعہ ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کو منہوس، ماسعود اور مبارک خیال کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل دہلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ منہوس ہے اگر اس کی منہوس صورت دیکھ لی جائے یا کسی کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو ضرور دقت اور پریشانی ہوتی ہے اور یہ بات بار بار کے تجربہ سے ثابت ہے اب اگر کہیں کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو لوگ اپنے منہوں پر دایں آجاتے ہیں اور کام پر نہیں جاتے۔ اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں، لوگوں کا وہم سامنے آتا ہے۔ شریعت میں حکم ہے ”ادان تطیرنہم فامضوا“ جب کوئی شگون بدگن میں آئے تو اس پر عمل نہ کرو، وہ طریقہ محض ہندوؤں کا ایسی جگہ چاہیے کہ ”اللہم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ الا الہک“ پڑھ لے اور اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے کام کو چلا جائے ہرگز نہ رکے نہ دایں آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۳۹، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بدشگونئی کے سلسلہ میں خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی دن ماسعود اور مبارک نہیں ہے اسی طرح تمام انسان اور اشیاء اللہ کی پیدا کردہ ہیں اور ان میں سے کوئی چیز منہوس نہیں ہے اور حولوت، آفات، بلاؤں اور مصائب کے نازل ہونے میں

کسی چیز کا دخل نہیں ہے۔ بیماریوں، آفتوں اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا تعلق ملکوں اور تقدیر سے ہے، دن اور کسی شے کا کسی شر کے حدوث اور کسی آفت کے نزل میں کوئی دخل اور اثر نہیں ہے، ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بس اسی لیے کسی بھی جائز صحیح کلم کو کسی دن اور کسی چیز کی خصوصیت کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں ہے اور کوئی دن اور کوئی چیز منحوس، نامسعود اور مہلک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لائے والے نہیں ہیں۔ ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی دل جو ہمیں اور مینڈک اور خون اور آنحالیکہ یہ الگ الگ نشانیں تھیں، انہوں نے تکبر کیا اور وہ بھی مجرم تھے۔ (الاعراف: ۱۳۲-۱۳۳)

قوم فرعون پر طوفان اور ٹڈی دل وغیرہ بھیجنے کا عذاب

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور گمراہی بیان کی تھی کہ انہوں نے خشک سالی، قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی نحوست (العیاذ باللہ) کی طرف منسوب کیا اور یہ نہ جانتے کہ بارش کا نہ ہونا اور قحط اور پھلوں کا کم پیدا ہونا زیادہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور ان سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ خالق ہے کسی مخلوق میں اس کا دخل نہیں ہے، اور اس آیت میں ان کی ایک اور جہالت اور گمراہی بیان فرمائی ہے کہ وہ معجزہ اور معجز میں فرق نہیں کرتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی جو اڑدہا بن گئی تھی اس کو معجزتے تھے، حالانکہ ان کے تمام بڑے بڑے ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے سامنے عاجز ہو چکے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب فرعون کی قوم نے یہ کہا اے موسیٰ! آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لائے والے نہیں ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج تھے، اس وقت انہوں نے قوم فرعون کے خلاف دعاء ضرر کی، اے میرے رب! تیرا بندہ فرعون زمین میں بہت تکبر اور سرکشی کر رہا ہے اور اس کی قوم نے میرے عہد کو توڑ دیا ہے، اے میرے رب! ان پر عذاب نازل فرما جو ان کے لیے عذاب ہو اور میری قوم کے لیے نصیحت ہو اور بعد والوں کے لیے نشانی اور عبرت ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا۔ اور وہ زبردست طوفانی بارش تھی جس سے ان کے گھروں میں پانی بھر گیا، بنو اسرائیل اور قبیلوں کے گھر طے جلتے تھے، قبیلوں کے گھر تو پانی سے بھر گئے حتیٰ کہ ان کی گردلوں تک پانی پہنچ گیا۔ ان میں سے جو شخص بیشتادہ پانی میں ڈوب جاتا اور بنو اسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ بھی داخل نہیں ہوا، اور قبیلوں کی زمینوں پر پانی جمع ہو گیا، وہ کھیتی باڑی اور دیگر کوئی کام نہ کر سکے، ایک سیچر سے دوسرے سیچر تک یہی کیفیت رہی، تب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہم کو اس بارش کے طوفان سے نجات دے دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو ان سے وہ طوفان اٹھایا گیا، اور اس سال ان کی بہت اچھی فصل ہوئی ایسی کبھی نہ ہوئی تھی، ہر طرف سبزہ پھیل گیا اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔ تب قبیلوں نے کہا یہ پانی تو ہمارے حق میں نعمت تھا اس سے ہماری فصل اچھی ہوئی اور ہمارے درخت پھلوں سے لد گئے، سو وہ ایمان نہیں لائے اور ایک مہینہ تک آرام اور عافیت سے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کے ہول بھیجے انہوں نے ان کی تمام فصلوں، پھلوں، حتیٰ کہ درختوں تک کو چاٹ لیا۔ بلکہ انہوں نے دروازوں کو مکان کی چھتوں کو ہر قسم کی لکڑی کو ان کے ساندہ ساندہ کو، کپڑوں کو حتیٰ کہ دروازوں کی کیلوں تک کو کھا لیا، وہ ٹڈیاں ہر چیز کو کھا رہی تھیں اور ان کی بھوک ختم نہیں ہو رہی تھی۔ تب قبلی بہت قحط چلائے اور بہت فریاد کی اور کہا اے موسیٰ! آپ سے آپ کے

رب نے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کے واسطے اپنے رب سے دعا کیجئے اگر اس نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے بہت ہنستہ وعدہ کیا اور بہت بکی قسمیں کھائیں۔ ان پر مڈیوں کا یہ عذاب ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مڈیوں کا یہ عذاب دور کر دیا۔ بعض احادیث میں ہے کہ مڈیوں کے سینہ پر لکھا ہوا تھا "حسب اللہ الاعظم" (اللہ کا عظیم لشکر)

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا فضا میں شرق سے مغرب کی طرف گھمایا تو مڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہیں واپس چلی گئیں، ان کے کھیتوں میں جو بچا کھپا غلہ باقی رہ گیا تھا انہوں نے کما یہ بھی کھلی ہے اور ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے، انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور اپنی بد عملیوں پر ڈٹے رہے۔ سو وہ ایک ماہ تک عاقبت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قتل بھیج دیں، قتل کی تفسیر میں اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ گندم کے جو سرسبزیاں وغیرہ نکلتی ہیں وہ قتل ہیں، مجاہد، سدی، قتادہ اور کلبی وغیرہ نے کہا ہے کہ قتل بنجر یوں کی مڈیاں ہیں، بعض نے کہا وہ چنچر کی ایک قسم ہیں اور بعض نے کہا وہ جو نہیں ہیں اور بعض نے کہا وہ ایک قسم کا کیرا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: وہ شہر سے باہر بستیوں کے پاس کسی بڑے نیلے کے پاس جائیں اور اس نیلے پر اپنا عصا ماریں، عصا مارنے سے اس نیلے کے اندر سے وہ کیرے (قتل) پھوٹ پڑے وہ ان کے بچے کھجے کھیتوں کو کھا گئے وہ ان کے کپڑوں میں گھس گئے، ان کا کھانا ان کپڑوں سے بھر جاتا، وہ ان کے بالوں میں، ان کی پلکوں میں، ان کی بھنڈوں میں گھس گئے، وہ ان کے ہوتوں اور ان کی کھالوں میں گھسنے لگے۔ ان کا چین و قرار جاتا رہا، وہ سو نہیں سکتے تھے، بلا ستر وہ بے چین اور بے قرار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رورور کر فریاد کی اور کہا ہم توبہ کرتے ہیں، آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھالے، ان پر سات دن یہ عذاب رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو ان سے یہ عذاب اٹھالیا گیا، لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور دوبارہ برے اعمال شروع کر دیے اور کہنے لگے کہ ہم یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک جلودگر ہیں جنہوں نے ریت کے نیلے کو قتل سے بدل ڈالا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب بھیجا۔ جس سے ان کے گھر اور ان کے محن بھر گئے، ان کے کھانے اور کھانے کے برتن مینڈکوں سے بھر گئے، وہ جب بھی کسی کھانے کے برتن کو یا کھانے کو کھولتے تو اس میں مینڈک بھرے ہوئے ہوتے۔ جب کوئی شخص بیٹھا تو مینڈک اچھل کر اس کی ٹھوڑی پر چڑھ جاتے اور جب وہ ہلت کرنا چاہتا تو مینڈک پھدک کر اس کے منہ کے اندر چلے جاتے، وہ ان کی دیکھوں میں اچھل کر چلے جاتے اور ان کا کھانا خراب کر دیتے اور ان کی آگ بجھا دیتے۔ وہ جب سونے کے لیے کروٹ لیتے تو دوسری جانب مینڈکوں کا زحیر لگ جاتا اور وہ کروٹ نہ بدل سکتے۔ وہ منہ میں نوالہ ڈالنے کے لیے منہ کھولتے تو نوالہ سے پہلے مینڈک منہ میں چلا جاتا، وہ آنا گوندھتے تو آٹے میں مینڈک لتھڑ جاتے، اور جب وہ سالن کی دیبھی کھولتے تو وہ دیبھی مینڈکوں سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔

حضرت عباس نے فرمایا: پہلے مینڈک خشکی کے جالور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی اور جوش کھاتی ہوئی دیبھی میں پھدک کر چلے جاتے اور بھڑکتے ہوئے خور میں چھلانگ لگا دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی اطاعت کی وجہ سے ان کو پانی کا جانور بنا دیا۔ تبلیوں پر ایک ہفتہ تک مینڈکوں کا عذاب رہا۔ وہ پھر روتے پینتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور بہت معافی مانگی اور توبہ کی اور قسمیں کھائیں اور بہت بکے وعدے کیے کہ وہ اب وعدہ نہیں توڑیں گے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کا عذاب اٹھالیا، اور وہ ایک ماہ تک آرام اور عاقبت کے ساتھ رہے، پھر انہوں نے اپنے وعدوں اور قسموں کو توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ان کے

خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بن پر خون کا عذاب بھیجا پھر دریائے نیل میں خون بہنے لگا۔ ان کے گھروں میں رکھا ہوا پانی خون بن گیا۔ وہ کنوؤں اور نہروں سے جو پانی لاتے تھے وہ سرخ رنگ کا گڑھا خون ہوتا تھا۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اب تو ہمیں پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے۔ فرعون نے کہا کہ یہ موسیٰ کا جادو ہے، قبیلوں نے کہا یہ جادو کہاں سے ہو گیا ہمارے تمام برتنوں میں سرخ سیال خون بھرا ہوا ہے، پھر فرعون نے قبیل اور اسرائیلی کو جمع کیا قبیل کے پیالہ میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے پیالہ میں پانی ہوتا، پھر جب قبیل اسرائیلی کا پیالہ لے کر پانی پینا چاہتا تو اس کے منہ کے پاس جا کر خون بن جاتا، وہ پانی کے ٹکڑوں کو دیکھتے تو قبیل کے ٹکڑے میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے ٹکڑے میں پانی ہوتا حتیٰ کہ پیاس سے مجبور ہو کر قوم فرعون کی عورت اسرائیلی کے پاس جا کر پانی مانگتی۔ اسرائیلی اس کو پیالے میں پانی دیتا لیکن قبیل عورت جب اس سے پیالہ کو پکڑتی تو وہ خون بن جاتا۔ پھر وہ عورت اسرائیلی سے کہتی کہ تم میرے منہ میں اس پانی کی کلی کر دو، جب اسرائیلی کلی کرتا تو قبیل کے منہ میں پہنچ کر وہ پانی خون بن جاتا اور فرعون کو جب پیاس لگتی تو وہ درختوں کی تر چھل کو چباتا اور اس میں سے سخت کھارالور کڑوا پانی نکالتا۔ وہ سات دن تک اس سخت عذاب میں مبتلا رہا اور خون کے سوا کوئی چیز نہ پي سکا۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روٹے پیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے اس عذاب کو اٹھالے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب اٹھالیا، ان پر طوفان، نڈی دل، سرمیوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب پے پے آیا، ہر عذاب کا دورانیہ سات دن تھا۔ اور دو عذابوں کے درمیان عافیت کا وقت ایک ماہ تھا۔ لیکن ہر قسم کا عذاب بجھنے کے بل بوتہ پر وہ راست پر نہیں آئے اور وہ ایمان لانے سے تکبر کرتے رہے اور دراصل وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۴۰-۲۴۱، مطبوعہ دار الکتب المطبعہ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۳۹-۱۵۴۲، جامع البیان ج ۷ ص ۳۶۰-۳۶۱)

زاد المسیر ج ۳ ص ۲۵۰-۲۵۱، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۵۲۰

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قوم فرعون ایمان نہیں لائے گی تو پھر اتنے معجزات دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

امام رازی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے جو چاہے کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس قدر معجزات دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کی شکوت اور قسوت دکھانا چاہتا تھا، کیونکہ اس قوم کو بعد میں سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بار بار نشانیاں دکھا کر اپنی محبت پوری کی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ قوم فرعون کو غرق کر دیا گیا اگر ان کو موقع دیا جاتا تو ہو سکتا تھا وہ ایمان لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بار بار مواقع دیے لیکن وہ اپنی ہمت دھری اور تکبر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔

علامہ قرطبی مالکی متونی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے کہ اسرائیل نے ازساک از نوف شامی روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحلوں پر غلبہ پانے کے بعد چالیس سال تک رہے اور بیس سال تک انہیں مختلف معجزات دکھاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کیجئے، اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور

آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے۔ پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے۔

ستر ہزار فرعونوں کا طاعون میں مبتلا ہونا

اس آیت میں رجز کا ذکر کیا ہے اس کا معنی عذاب ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس عذاب سے مراد وہی پانچ قسموں کا عذاب ہے جس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر فرمایا ہے یعنی طوفان، مڈیوں اور قتل وغیرہ کا عذاب اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد طاعون ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا رجز سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر مڈیوں اور سرسریوں کی صورت میں مسلط کیا گیا تھا وہ ہر بار یہ عہد کرتے تھے کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور ہر بار اس عہد کو توڑ دیتے تھے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں جب قوم فرعون پر ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب آپکا اور وہ ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تم میں سے ہر شخص ایک مینڈھاؤں کرے پھر اس کے خون سے اپنی پھیلی ہوئی کمرنگ لے پھر اپنے دروازے پر وہ ہاتھ مارے۔ قبیلوں نے بنو اسرائیل سے پوچھا تم اپنے دروازوں پر یہ خون کیوں لگا رہے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر ایک عذاب بھیجے گا جس سے ہم سلامت رہیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ قبیلوں نے کہا تو اللہ تعالیٰ تم کو صرف ان علامات سے پہچانے گا؟ انہوں نے کہا ہم کو ہمارے نبی نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ پھر صبح کو فرعون کی قوم کے ستر ہزار افراد کو طاعون ہو چکا تھا اور شام کو وہ سب مر چکے تھے اور ان کو دفنایا بھی نہیں گیا۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کیجئے اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے۔ پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک عذاب پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رجز سے مراد ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد طاعون کا عذاب ہو۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہاں رجز سے کون سا عذاب مراد ہے۔ عقائد میں تقلید کا مذموم ہونا اور فروع میں تقلید کا ناگزیر ہونا

اس کے بعد فرمایا: پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون سے متعدد بار عذاب کو دور کیا لیکن وہ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے اور وہ بلا آخر اس یہود پر پہنچ گئے جو ان کو ڈھیل دینے کی آخری حد تھی۔ انتقام کا معنی ہے نعت سلب کرنا اور سزا دینا اور ”نہم“ کا معنی ہے سمندر۔ امام رازی نے کشاف کے حوالہ سے لکھا ہے ”نہم“ کا معنی ہے ست گہرا سمندر جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جاسکے۔ غفلت کا معنی ہے قوت حافظہ حاضردماغی اور بیدار مغزی میں کمی کی وجہ سے سو کاٹاری ہونا اور انسان کا کسی چیز کو بھول جانا۔ (المفردات ج ۲، ص ۳۶۹، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ آباد، مکہ مکرمہ) اب یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ غفلت انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے تو پھر غفلت کی وجہ سے ان کو کیوں سزا دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ضیاء القرآن

ہے ہم نے ان کو سمندر میں اس لیے غرق کر دیا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غفلت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے تھے اور لاپرواہی برتتے تھے اور ان سے کوئی سبق اور نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے۔ ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں ان کو سزا دینے کے دو سبب بیان کیے ہیں۔ ایک آیات کی تکذیب کرنا اور دوسرا ان سے لاپرواہی برتنے۔ حالانکہ ان کے علاوہ وہ اور بہت سارے گناہ کرتے تھے مثلاً بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور ان سے بلاوجہ بے گار لیتے تھے اور زمین میں طرح طرح سے فسق کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ ان کو صرف ان ہی دو سیوے سے سزا دی گئی ہے اور ان دو سیوے کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ تمام فسق اور گناہوں کی جڑ یہ دو چیزیں تھیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے اور ان نشانیوں سے سبق حاصل کرتے تو دوسرے گناہوں میں نہ پڑتے۔

امام رازی نے فرمایا ہے: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلا دلیل اندھی تقلید کرنا مذموم اور باطل ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کلی کلی اور واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود کفر میں فرعون کی تقلید کرتی تھی۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۳۸، مطبوعہ بیروت)

اہل سنت جو ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں اس پر اس آیت سے اعتراض نہیں ہوتا۔ اولاً اس لیے کہ اس آیت میں اصول میں تقلید کی مذمت ہے اور اہل سنت اصول میں ائمہ کی تقلید نہیں کرتے بلکہ اصول (یعنی توحید اور رسالت) کو دلائل سے مانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور عقائد میں سب متفق ہیں اور فروع میں ائمہ کی تقلید کرتے ہیں اور اس تقلید کا یہ معنی ہے کہ احکام فرمیدہ پر عمل کا جو طریقہ ہمارے امام نے کتاب اور سنت سے مستنبط کیا ہے اس میں ظن غالب یہ ہے کہ وہی صحیح ہے۔ اور دوسرے امام کا طریقہ خطا پر مبنی ہے لیکن ہوا سکتا ہے کہ ہمارے امام کے اجتہاد میں غلطی ہو اور دوسرے امام کا اجتہاد صحیح ہو لیکن اجتہادی غلطی پر مواخذہ نہیں ہوتا اور اس پر ہر مل ایک اجر ملے گا۔ اس کے برخلاف عقائد میں تقلید نہیں ہوتی نہ ان میں ائمہ کا اختلاف ہوتا ہے اور ثانیاً اس لیے کہ ہم ائمہ کی اندھی تقلید نہیں کرتے انہوں نے احکام فرمیدہ پر عمل کرنے کے جو طریقے کتاب اور سنت سے اخذ کیے ہیں ان سب پر قرآن اور حدیث سے دلائل موجود ہیں جن پر منسل کتابیں دستیاب ہیں۔ اس کے باوجود ائمہ نے کہا ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ اور ایک عام انسان کو اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ از خود احکام فرمیدہ پر عمل کرنے کے طریقوں کو کتاب اور سنت سے نکل سکے بلکہ اس کو قرآن مجید کی تمام آیات کے معانی کا ہی علم نہیں ہوتا اور نہ اس کی نظر میں تمام احادیث ہوتی ہیں نہ ان کے معانی کا علم ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے امام کی تقلید کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس قوم کو کنزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا۔ جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بھلائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الاعراف: ۱۳)

بنو اسرائیل کو شام پر قابض کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا تھا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین بنادے گا۔ (الاعراف: ۱۴) اور یہاں جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس نے قوم فرعون کو سمندر میں غرق کر کے اس کو سزا دے دی ہے اور مومنین کو یہ بھلائی پہنچائی کہ ان کو برکتوں والی سرزمین کا وارث بنادیا

فرمایا: جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ بنو اسرائیل کو اس لیے کمزور سمجھا جاتا تھا کہ فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور ان سے جزیہ لیتا تھا اور ان سے سخت مشکل اور دشوار کام بہ طور بیگار کراتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا۔

وہ سرزمین جس کے مشرق اور مغرب میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق کون سی زمین ہے؟
امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۰ھ، امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۰ھ نے لکھا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱، ص ۳۲۸ جامع البیان ج ۷، ص ۵۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۵)
حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام عبد بن حمید، امام ابن المنذر اور امام ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (الدر المنثور ج ۳، ص ۵۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام غزالی رازی متوفی ۵۰۵ھ نے لکھا ہے اس سے مراد شام اور مصر ہے۔ کیونکہ مصری فرعون اللہ کے قبضہ اور تصرف میں تھا اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق صرف شام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس سرزمین سے مراد "ارض مقدسہ" ہے۔ جس کے متعلق فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ بنو اسرائیل کو اس زمین میں لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سرزمین ان کے باپ دادا کا وطن ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کو اس سرزمین میں لے جائیں گے جہاں ان کے باپ دادا رہتے تھے یا ملاقہ کی ہلاکت کے بعد ان کو اس سرزمین میں نخل کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقت وہ سرزمین ملاقہ کے قبضہ میں تھی۔ (روح المعانی ج ۲، ص ۳۷، طبع بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو مصر میں متحکم کیا اور ملاقہ کی شکست کے بعد ان کو شام میں متحکم کر دیا اور ان کے باپ دادا کا وطن شام تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان کے آباء میں سے تھے جنہوں نے مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی، یعنی مصر اور شام دونوں ان کے باپ دادا کے وطن تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان دونوں ملکوں کا بتدریج وارث کیا پہلے مصر کا اور پھر شام کا۔ یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکتوں سے مملو تھی۔ ظاہری برکت یہ تھی کہ یہ زمین زرخیز تھی۔ باطنی برکت اور پانی کی فراوانی تھی اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام میں کثیر انبیاء کی قبریں تھیں اور مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تھی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کو سرزمین فلسطین کا وارث بنادیا گیا تھا۔

(تفسیر القرآن ج ۲، ص ۷۳، مطبوعہ لاہور)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام عبدالرزاق، امام ابوالشیخ اور امام ابن عساکر نے لکھا ہے اس سرزمین سے مراد شام ہے۔

امام ابوالشیخ نے عبد اللہ بن شوزب سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔

تہذیب القرآن

سرزمین شام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ترمذی، امام رویانی، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے، اچانک آپ نے فرمایا: شام کے لیے خیر اور سعادت ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کس لیے؟ آپ نے فرمایا: رخصت کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

امام احمد، امام ابو داؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن حوالہ لاذی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مغرب تم مختلف لشکر دیکھو گے ایک لشکر شام میں، ایک لشکر عراق میں اور ایک لشکر یمن میں۔ حضرت حوالہ نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے کوئی جگہ منتخب کیجئے، آپ نے فرمایا: تم شام میں لازار ہو اور جو وہاں نہ رہے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عمد فگنی کرے اس کو نکالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام ابن عساکر نے واسطی بن الاسقع سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم شام میں لازار ہو وہ اللہ کے شہروں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے، اس میں اللہ کے سب سے زیادہ نیک بندے رہتے ہیں اور جو وہاں نہ رہ سکے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عمد فگنی کرے اس کو نکالے۔ کیونکہ اللہ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ہر ایمان والا شام میں چلا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وعدہ بقی اور برکتیں شام کی طرف ہجرت کریں گی۔

امام ابن ابی شیبہ نے کعب سے روایت کیا ہے کہ تمام شہروں میں اللہ کا محبوب شہر شام ہے اور شام میں محبوب قدس ہے اور قدس میں محبوب پلس پہاڑ ہے۔

امام احمد اور امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دے۔ مسلمانوں نے کہا: اور ہمارے نجد میں، آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور قتلے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا بیگ طلوع ہوگا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳۰-۵۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو جن کے سامنے آسن جھائے (مستکف) بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنادیتے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو، بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے، موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

اور (یاد کرو اے بنو اسرائیل!) جب ہم نے تم کو فرعون کے مشعین سے نجات دے دی، جو تم کو برا عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی۔ (الاعراف: ۳۱-۳۸)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

جاوڑنا: اس کا معنی ہے عبور کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنا۔ اس آیت میں بائے تعدیہ ہے اس لیے اس کا معنی ہے عبور کرنا۔

بعکفون: مکوف کا معنی ہے کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا اور بہ طور تعظیم کے اس کو لازم پکڑ لینا۔ الاعن کاف کا شری معنی ہے عبادت کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا۔

اصصام: چاندی، تینل یا کسی اور دھات سے یا مٹی یا لکڑی سے بنایا ہوا مجسمہ۔ مشرکین تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ مجسمہ کبھی کسی انسان کی واقعی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے اور کبھی خیالی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے خیالی مجسمے بنائے گئے ہیں۔ عبادت کی نیت سے ان کی تعظیم کرنا شرک ہے اور صرف تعظیم کے لیے یہ مجسمے یا تصویروں رکھنا حرام ہے جیسے بعض لوگ علماء اور مشائخ کی تصویریں تہرک اور تعظیم کی نیت سے رکھتے ہیں۔ بعض لوگ زینت (ڈیکوریشن) کے نیت سے انسانوں اور جانوروں کے مجسمے رکھتے ہیں یہ عمل بھی حرام ہے۔

الہ: معبود۔

مناسبت اور ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی زمین کا ان کو وارث بنا دیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ان کو سلامتی کے ساتھ سمندر سے گزار دیا اور دوسری سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو چیر دیا اور بنو اسرائیل کے لیے اس کو خشک راستہ بنا دیا اور جب وہ سمندر کے پار پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک قوم جن کی عبادت کر رہی ہے تو انہوں نے جہالت سے کہہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

بنو اسرائیل نے کون سا سمندر پار کیا تھا اور کس جگہ کسی قوم کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

جس قوم کے پاس سے بنو اسرائیل کا گزر ہوا تھا اس کے متعلق امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں: قلدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا یہ قوم لعنہ تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کنعانیوں کی قوم تھی جس کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ (جامع البیان ۷: ۹۷ ص ۹۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس سمندر کو بنو اسرائیل نے عبور کیا تھا اس کا نام "بحر قلزم" ہے۔ علامہ طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے کہ یہ دریائے نیل تھا لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ البحر المحیط میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم کو یہ سمندر عبور کیا تھا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا تھا۔ اور بنو اسرائیل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

(روح المعانی ۷: ۹۷ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمد حفظ الرحمن سید حاری لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا یہ عرب کی سرزمین تھی جو قلزم کے شرق میں واقع ہے۔

یہ لقی و دق ہے آب و گیلہ میدان سے شروع ہوتی ہے جو تورات کی زبان میں بیابان شور سین داوی سینا (حیہ) کے نام سے مشہور ہے اور طور تک اس کا دامن وسیع ہے۔ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے اور دور دور تک سبزہ اور پانی کا پتا نہیں۔

اس بات کا قطعی فیصلہ تو ناممکن ہے کہ وہ خاص مقام متعین کیا جاسکے جس سے بنی اسرائیل گزرے اور سمندر کو عبور کر گئے تاہم قرآن اور تورات کی مشترک تصریحات و نصوص سے یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ بنو اسرائیل نے بحر قلزم (بحر احمر Red Sea) کے کسی کنارے اور دہانہ سے عبور کیا یا درمیانی کسی حصہ سے۔ بحر احمر دراصل بحر عرب کی ایک شاخ ہے جس کے مشرق میں سرزمین عرب واقع ہے اور مغرب میں مصر۔ شمل میں اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک شاخ (خلیج عقب) جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری (خلیج سوتز) اس کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ دوسری شاخ پہلی سے بڑی ہے اور شمل میں بڑی دور تک چلی گئی ہے بنو اسرائیل اسی کے درمیان سے گزرے ہیں۔ اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جس کا نام بحر روم ہے اور بحر روم اور بحر احمر کے اس شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے۔ یہی دور راستہ تھا جہاں مصر سے فلسطین اور کنعان جانے والے کو بحر احمر عبور کرنا نہیں پڑتا تھا اور اس زمانہ میں یہ راہ قریب کی سمجھی جاتی تھی اور بنو اسرائیل نے بحکم الہی یہ راہ اختیار نہیں کی تھی۔ اب اس خشک زمین کو کھود کر بحر احمر کو بحر روم سے ملا دیا گیا ہے اور اس نکلے کا نام سیر سوتز ہے اور بحر احمر کے شمالی دہانہ پر سوتز کے نام سے ایک شہر آباد ہے جو مصر کی بندرگاہ شمار ہوتا ہے۔

(قصص القرآن ج ۱ ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲

بنو اسرائیل کی ناشکری اور احسان فراموشی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کی بتوں کی فرمائش کے جواب میں پہلے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے اپنا خدا بنوانا جہالت کی بات ہے۔ پھر فرمایا: جن کو دیکھ کر تم فرمائش کر رہے ہو وہ سب بتاؤ دیرلو ہونے والے ہیں۔ پھر تیسری بار فرمایا جو کچھ یہ بت پرست قوم کر رہی ہے وہ سراسر غلط ہے اور جو تمہاری باران کی حالت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو (اس زمانہ میں) سب پر فضیلت دی ہے یعنی اللہ نے تم پر یہ احسان کیا کہ اس نے تم کو سب جہانوں پر فضیلت دی اور تم اس کا جواب اس احسان فراموشی کے ساتھ دے رہے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھر کی بتوں کی پوجا کی پرستش کرنا چاہتے ہو بنو اسرائیل کی فضیلت یہ تھی کہ ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنے کثیر اور قوی معجزات ظاہر فرمائے جو اس سے پہلے کسی کے لیے ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور اہم اور بڑی نعمت اور احسان کا ذکر کیا جبکہ انہیں فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نجات دلائی جو کئی سو سالوں سے ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے۔ سو فرمایا: اور یاد کرو (اے بنو اسرائیل) جب ہم نے تم کو فرعون کے جبر سے نجات دے دی جو تم کو برا عذاب دیتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی۔ سو کتنے انہوس اور شرم کی بات ہے کہ جیسے ہی تم فرعون سے نجات پا کر سلامتی سے سمندر پار پہنچے اور آزاد فضا میں سانس لیا تو تم اللہ کا ان نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے اس کی عبادت میں شریک بنانے کے لیے فرمائشیں کرنے لگے! واضح رہے کہ بت پرستی کے لیے معبود بنانے کا مطالبہ تمام اسرائیلیوں نے نہیں کیا تھا بلکہ بعض ناشکروں نے کیا تھا۔

کسی مسلمان موحّد کو مشرک قرار دینے کا بطلان

بعض لوگ مطلقاً یا رسول اللہ اکینے کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے مدعا لگنے کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو حاضر ناظر یا آپ کے حق میں علم غیب کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں حالانکہ شرک اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ اللہ کی عطا کیے بغیر از خود اپنی طاقت سے سنتے ہیں، از خود اللہ کے لؤن کے بغیر مدد کرتے ہیں، آپ خود موجود اور بصیر ہیں اور آپ کو از خود علم حاصل ہے اور اگر آپ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ان اوصاف سے متصف ہوں تو شرک کیسے ہو گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بنو اسرائیل کو اس وقت بھی مشرک نہیں کہا جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنادیں جس کی ہم عبادت کریں۔ حالانکہ اس سے بڑا شرک اور کیا ہو گا بلکہ صرف یہی فرمایا تم کیسی جہالت کی باتیں کرتے ہو اور یہ لوگ یا رسول اللہ اکینے والے کلمہ کو مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں حالانکہ جو مسلمان کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں وہ آپ کے متعلق یہ کیسے عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ از خود سنتے ہیں یا از خود جانتے ہیں بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کے تمام اوصاف اور کمالات عطا کی ہیں۔ اس پر کسی نے یہ معارضہ کیا کہ پھر تو آپ کو عطا کیے خدا اکنا بھی صحیح ہو گا لیکن یہ شخص مغلط آفرینی ہے کیونکہ خدا اقدس اور واجب الوجود ہوتا ہے وہ عطا نہیں ہو سکتا اس کے برخلاف علم، قدرت اور اختیار عطا ہو سکتے ہیں اور ہیں، ہمیں علم اور اختیار ہماری حیثیت سے عطا کیا گیا اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے مقام کے اعتبار سے علم اور اختیار عطا کیا گیا ہے۔

وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّمْنَا فِي عَشْرِ فَنَاءٍ مِيقَاتٍ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا۔ سو آپ کے رب کی مقررہ مدت

رَأَيْتُهُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي

مکمل چالیس راتیں ہو گئی ، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری

فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَمَّا جَاءَ

جائینی کرنا اور نیک ٹیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کار بند نہ ہونا ○ اور جب اسی ہمارے

مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي ۖ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۖ ط

مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے ، اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے کیوں

قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ ۚ

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر امیری جہل کے باوجود یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو مغرب تم

فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَخَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ

میں مجھے دیکھ سکو گے ، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بہ ہرش

مُوسَى صَبِعًا ۖ فَلَمَّا آفَقَ قَالَ سُبْحَنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا

ہو کر گر پڑے ، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں

أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يَمُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

ایمان لانے والوں میں سے پہلا ہوں ○ فرمایا اے موسیٰ: میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغمبر اور اپنے کلام

بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۸﴾

سے نصیحت دی ، پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ ○

وَكَتَبْنَاكَ فِي الْأَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ

اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل کہ دی گئی

شَيْءٍ ۖ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ

میرا ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو ، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں ، مغرب میں تم کو

ذَٰرِ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۳۷﴾ سَاصِرُۙ عَنۢ بَآئِنِ الدِّينِ يَتَكَبَّرُونَ فِي

ناستوں کا گھر دکھاؤں گا ○ میں مغرب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن تَرَوْا كُنُۢمُ آيَةً لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَإِن

میں ناحق بھڑکتے ہیں ، وہ اگر تمام قنیاں دیکھ میں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ

تَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِن تَرَوْا

ہدایت کا راستہ دیکھ میں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے ، اور اگر وہ

تَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

مگر ابھی کا راستہ دیکھ میں تو اس راستہ کو اختیار کریں گے ، کیوں کہ انہوں نے ہمیشہ ہماری آیتوں کی تکذیب کی

وَكَانُوا عَنَّا غٰفِلِينَ ﴿۱۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ

اور وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾

ان کے سب (نیک) عمل ضائع ہو گئے ، ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا۔ سو آپ کے رب کی مقررہ مدت مکمل چالیس راتیں ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہو (الاعراف: ۱۳۲)

رابطہ آیات مناسبت اور موضوع

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا مثلاً ان کو فرعون کی غلامی اور اس کے بے گار لینے سے نجات دی اور ان کو مستقل امت بنایا اور ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اتنے کثیر معجزات ظاہر فرمائے جو اس سے پہلے کسی امت کے لیے ظاہر نہیں فرمائے تھے۔ اور اس آیت میں ان پر تورات کے نزول کا بیان ہے جس میں ان کی زندگی کے لیے دستور العمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے احکام تھے جن پر انہوں نے عمل کرنا تھا امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنو اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کے پاس اللہ کی کتاب لائیں گے جس میں یہ بیان ہو گا کہ ان پر کیا کام کرنے فرض ہیں اور کیا کام ان کے لیے ممنوع ہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کتنے دنوں کے بعد مقرر کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنانے کا ذکر ہے۔

۱۳۷

حضرت موسیٰ کے لیے پہلے تیس راتیں اور پھر دس راتیں مزید مقرر کرنے کی حکمت
امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا: حضرت ہارون کی اطاعت کرنا کیونکہ میں نے ان کو تم پر اپنا جانشین (خلیفہ) مقرر کر دیا ہے، میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں اور ان کو بتایا کہ میں تیس دن کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن روزے رکھے انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوں اور ان کے منہ سے بو آ رہی ہو (روزہ رکھنے سے منہ سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے گھاس اٹھا کر اس سے اپنے منہ کو صاف کیا اور گھاس کو چبلیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم نے روزہ کیوں اظہار کیا (گھاس کیوں چبائی) حلال کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں نے اس چیز کو پسند کیا کہ میں تجھ سے اس حل میں کلام کروں کہ میرے منہ سے بو آ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم نہیں جانتے کہ روزہ دار کے منہ کے پوچھے مشک سے زیادہ پسند ہے۔ اب واپس جاؤ اور دس روزے مزید رکھو پھر میرے پاس آنا سو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تیس راتوں سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے اور بعد میں جو دس دن زیادہ کیے ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵۶ مطبوعہ المکرّمہ جامع البیاض ج ۹ ص ۲۳۷)

بعض علماء نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں مسواک کی بہت فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح مسلم، السنن ۲۲، ۵۷۸) اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (سنت) سے ہیں اور ان دس چیزوں میں آپ نے مسواک کا ذکر فرمایا۔ (صحیح مسلم، السنن ۵۶، ۵۷۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسواک سے منہ کی پاکیزگی ہوتی ہے اور رب راضی ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری، ۵۷۳) اس لیے مسواک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ روزے رکھنے کا حکم دینا یہ ظاہر کل نظر ہے۔

اب پھر یہ سوال ہو گا کہ تیس راتوں کے بعد الگ سے دس دنوں کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداء چالیس راتوں کا ذکر فرماتا، پہلے تیس راتوں کے وعدہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد دس راتوں کا اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ چالیس راتوں کی مدت مکمل ہو گئی۔ اس کی حسب ذیل توضیحات ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں اور دنوں میں روزے رکھنے کا حکم دیا اور ان ایام میں عبادت کرنے کا حکم دیا، پھر باقی دس دنوں میں توریت نازل کی گئی اور ان ہی ایام میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔
- ۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس راتیں پوری کر کے پہاڑ طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ سامری نے ان کی قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ميعلا کو پورا کرنے سے پہلے اپنی قوم کی طرف واپس گئے پھر دوبارہ واپس آئے اور دس دن کے روزے رکھے۔

- ۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی تیس دن کی مدت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور بعد کے دس دن کی مدت ان ستر منتخب اسرائیلیوں کے لیے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ طور پر گئے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر الاعراف ۱۵۵ میں

آئے گا۔

میقات کا معنی اور کسی کام کی مدت مقرر کرنے کی اصل

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ کے رب کا میقات چالیس راتوں میں مکمل ہو گیا۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے جس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو اس کو میقات کہتے ہیں۔ اس طرح کسی کام کے وقت کے لیے جو جگہ متعین کی گئی ہو اس کو بھی میقات کہتے ہیں۔ جیسے حج کے مواقیات ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۶ طبع مکتبہ مکرّمہ)

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی وعدہ کی تکمیل کے لیے مدت مقرر کرنا قدیم طریقہ ہے۔ اسی طرح کسی کام کے لیے مدت مقرر کرنا بھی قدیم طریقہ اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنانے کے لیے چھ دنوں کی مدت مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَا مِنْ الْعُزُوبِ
اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے
درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہم کو اس سے
(اق: ۳۸) بالکل تھکاوٹ نہیں ہوئی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مدت مقرر کرنے کے بعد اس میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے اور حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مدت کے بعد دوسری مدت مقرر کر سکتا ہے۔

بندوں کے اعذار کی آخری مدت ساٹھ سال ہے
اللہ تعالیٰ نے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرنے کی بھی ایک مدت مقرر کر دی ہے اور اس مدت کے بعد اس کی لغزشوں پر کوئی عذر قبول نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی اجل کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال تک پہنچا دیا ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعذار (بہانوں) کو زائل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۳۱۹، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث ۸۶۵۳)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد انسان کا کوئی عذر باقی نہیں رہا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اگر میری عمر زیادہ کر دی جاتی تو میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر لیتا اور جب کہ وہ اب عذر کی انتہا کو پہنچ چکا ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا جبکہ وہ جو عمر گزار چکا ہے اس میں وہ اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت پر قادر تھا۔ سو اس کو چاہیے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ سے صرف استغفار کرے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے اور آخرت کی طرف بالکل متوجہ ہو جائے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے اب کوئی عذر اور بہانہ نہیں چھوڑا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی رحمت پوری کرنے کے بعد ان کا مواخذہ فرماتا ہے۔

معمر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ساٹھ یا ستر سال کی عمر تک سلامت دیتا ہے اور جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعذار کو زائل کر دیتا ہے۔ یعنی اس عمر کے بعد اب ترک اطاعت پر کوئی عذر کارگر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن بطل نے کہا کہ ساٹھ سال کی عمر کو اس لیے حد مقرر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی علوۃ (عالم) عمر کے قریب ہے۔ اور

یہ وہ عمر ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور موت کے انتظار میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو بار بار موقع عطا فرماتا ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا بندوں پر لطف اور کرم ہے حتیٰ کہ وہ ان کو حالت جہل سے حالت علم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ پھر ان کو مصلحت دیتا ہے حتیٰ کہ واضح محبتوں کے بعد ان سے مواخذہ نہیں فرماتا۔ ہر چند کہ انسانوں کی فطرت میں دنیا سے محبت کرنا اور لمبی امیدیں رکھنا ہے لیکن ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں سے مجاہدہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے وہ کام کریں اور جن برے کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہیں۔ اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جب انسان ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کی موت آنے کا غالب ممکن ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوں گی اور بہت کم ستر سال سے تجاوز کریں گے۔ بعض حکماء نے یہ کہا ہے کہ انسان کی عمر کے چار اعداد ہیں۔ (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) اوجیز عمر (۴) بوچھلا اور یہ عمر کا آخری دور ہے اور زیادہ تر یہ دور ساٹھ اور ستر سال کی عمر میں ہوتا ہے اور اس وقت انسان کی جسمانی قوت ضعف اور انحطاط کی طرف مائل ہوتی ہے اور اب اس کو چاہیے کہ وہ بائیلہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اب وہ قوت اور نشاط کی پہلی حالت کی طرف نہیں لوٹ سکتا اور اسی حدیث سے علماء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا پھر بھی اس نے قدرت اور استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اگر اس سے پہلے قدرت کے باوجود تاخیر کی تو وہ گنہگار نہیں ہو گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۴۰ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۶ھ)

امام مالک نے کہا ہمارے شر کے علماء چالیس سال تک لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں اور دنیا کو طلب کرتے ہیں اور چالیس سال کے بعد وہ ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ (الجامع احکام القرآن ج ۸ ص ۲۳۹ دار الفکر ۱۴۱۵ھ) کسی اور قمری تاریخ مقرر کرنے کا ضابطہ

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تاریخ کا اعتبار دنوں کی بجائے راتوں سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثَلَاثِينَ لَيْلَةً "تیس راتیں" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا اور مجیموں کا معمول اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ تاریخ کا اعتبار شمسی مہینوں سے کرتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے کہا دنیاوی امور اور منافع میں شمسی مہینوں کا حساب جائز ہے اور عبادات اور شرعی احکام میں قمری مہینوں کے حساب سے تاریخیں مقرر کرنا واجب ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اور ان کو نصیحت فرمانا ان کی شان میں کمی کا موجب نہیں اس کے بعد فرمایا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کا ارادہ کیا تو اپنے فرائض حضرت ہارون علیہ السلام کو سونپ دیے۔ اس آیت میں کسی کو اپنا نائب بنانے کی اصل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک تھے تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ کیسے بنایا کیونکہ جو شخص کسی انسان کا شریک ہو وہ اس کے خلیفہ سے بڑے مرتبہ کا ہوتا ہے اور کسی انسان کو بڑے مرتبہ سے کم مرتبہ پر مقرر کرنا اس کی توہین ہے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا کس طرح جائز ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلعہ یہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے کیونکہ پہلے ان کو نبی بنایا گیا اور ان کی دعا سے حضرت ہارون کو نبی بنایا گیا اور وہ ان کے وزیر تھے اور فرعون اور بنو اسرائیل کے ساتھ تمام معاملات میں حضرت موسیٰ ہی کو خطاب کیا گیا ان ہی سے کلام کیا گیا اور ان ہی پر کتب نازل کی گئی ان ہی

کو معجزات عطا کیے گئے اور فرعون اور قبطیوں کے نزدیک وہی مسئول تھے اور رشد و ہدایت کا کام اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر بنو اسرائیل سے عمل کرانا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ذمہ تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانے کا معنی یہ تھا کہ بنو اسرائیل کی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں جو فرائض منصبی موسیٰ علیہ السلام انجام دیتے تھے وہ اب حضرت ہارون علیہ السلام نے انجام دیتے ہیں اور اس معنی میں ان کو اپنا خلیفہ بنانے سے ان کے مرتبہ میں ہرگز کمی نہیں ہوئی۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

”اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کار بند نہ ہونا۔“

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور نبی ٹھیک ٹھیک کام ہی کرتا ہے اور مفسدوں کی پیروی نہیں کرتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے اس طرح کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور تاکید فرمایا تھا یا پھر یہ طور تعریض تھا یعنی صراحتاً حضرت ہارون کو خطاب تھا اور اشارہ اپنی قوم سے خطاب تھا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے۔
فَاسْتَفِمْ كَمَا أُمِرْتُ (ہود: ۱۳)

ہے۔

نبی پیغمبر نبی معصوم ہیں آپ سے یہ تصور نہیں ہے کہ آپ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام کریں۔ اس لیے یہ ارشاد بھی تاکید اور تعریض کے طور پر ہے۔ اسی طرح اس آیت میں فرمایا:

وَلَئِنْ أَتَيْتَ أَهْوَاءَ هُمٍ مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِذًا لَّيْسَ الظَّالِمِينَ
اور اگر آپ نے (بالفرض) علم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بے شک آپ کا شمار ضرور ظالموں میں سے ہو گا۔ (البقرہ: ۱۷۵)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الرعد: ۲۵)
اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

آپ سے یہ تصور ہے کہ آپ یہودیوں کی پیروی کریں نہ یہ تصور ہے کہ آپ شرک کریں کیونکہ آپ نبی معصوم ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو ان دونوں کاموں سے یہ طور تاکید منع فرمایا یا پھر خطاب آپ کو فرمایا اور مراد آپ کی امت ہے۔ اسی بیج پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام ہے انہوں نے حضرت ہارون سے یہ طور تاکید یا یہ طور تعریض کلام فرمایا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت علیؑ بہ منزلہ ہارون ہیں
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کو (مدینہ میں اپنا) خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا رہے ہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے! البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۳۱ (۲۳۰۴) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۷ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳ رقم الحدیث: ۸۳۳۵ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۵)

حدیث مذکور سے رد انفس کا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال

اس حدیث سے رد انفس 'امیہ اور شیعہ کے تمام فرقوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو تمام امت پر اپنا خلیفہ بنادیا تھا اور اس بنا پر رد انفس نے تین کے سوا تمام صحابہ کی تکفیر کر دی، کیونکہ صحابہ کرام نے اس نص صریح کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے حضرت علیؓ کے غیر کو خلیفہ بنادیا۔

چوتھی صدی کے مشہور شیعہ عالم شیخ ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز کشی لکھتے ہیں:

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصل کے بعد تین فتنوں کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا وہ تین فتنے کون ہیں؟ انہوں نے کہا مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔ (رجل کشی ص ۳۳ مطبوعہ ایران) اور شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی متوفی ۳۲۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحیم قصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ سب لوگ مرتد ہو گئے تھے تو لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے عبدالرحیم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب لوگ دوبارہ جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے۔ (الروضة من الکافی (فروع کافی ج ۸) ص ۲۹۶ مطبوعہ طہران ۱۳۳۳ھ)

اور جن لوگوں نے تمام امت اور خصوصاً تمام صحابہ کی تکفیر کی ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید صحابہ کرام کے نقل کرنے اور جمع کرنے سے ثابت ہے اگر یہ ناقصین کافر تھے تو ان کی نقل پر بھی اعتقاد نہیں ہو گا۔ نیز تمام احادیث بھی ان ہی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں اگر یہ کافر تھے تو تمام احادیث بھی غیر معتبر قرار پائیں گی اور جب قرآن اور حدیث دونوں غیر معتبر اور غیر مستند قرار پائے تو شریعت بالکل باطل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم نہ رہی۔

رد انفس کے استدلال مذکور کا جواب

اور اس حدیث سے ان کا حضرت علی کی تمام امت پر خلافت کا استدلال کرنا باطل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے ایک خاص معاملہ میں ایک خاص وقت کے لیے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک خاص وقت تک کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی مناجات سے واپس آ گئے تو حضرت ہارون اپنی سابق حالت پر لوٹ آئے۔ علاوہ ازیں حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصل رسالت میں شریک اور ان کے وزیر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصل کے بعد وہ ان کے خلیفہ نہیں تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں حضرت ہارون علیہ السلام کا میدان تہ میں انتقال ہو گیا تھا اس لیے اس حدیث سے رد انفس اور شیعہ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ اس چیز پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ تبوک جلتے وقت حضرت علیؓ کو صرف مدینہ میں بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنا نائب بنایا تھا اور نماز پڑھانے کے لیے ان کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا بلکہ یہ منصب حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے سپرد کیا تھا اور جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آ گئے تو حضرت علیؓ اپنی پہلی حیثیت کی طرف لوٹ آئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتومؓ کو وغیرہ کو اپنا نائب بنایا تھا جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ سو اس حدیث سے حضرت علیؓ کا تمام امت پر دائما خلیفہ بننا لازم نہیں آتا۔

حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں خلیفہ بنانا

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تیرہ غزوات میں تشریف لے گئے اور ہر غزوہ میں آپ نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے، حالانکہ وہ بلیا تھا۔

شعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن ام مکتوم کو غزوہ تبوک میں خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

فائدہ: ابن ام مکتوم کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا ان کا نام عبد اللہ بن قیس ہے اور مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عمرو بن قیس ہے۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ ہے ان کی کنیت ام مکتوم ہے۔ عمرو بن ام مکتوم مکہ میں قدیم اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ جنگ بدر سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور دار القراء میں ٹھہرے۔ یہ مدینہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے اذان دیتے تھے اور عام غزوات میں رسول اللہ ﷺ ان کو خلیفہ بناتے تھے اور یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر گئے ہوئے تھے تو یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳، ص ۲۰۶-۲۰۵، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۷۴۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور جب رسول اللہ ﷺ حجت الوداع کے لیے تشریف لے گئے تب بھی آپ نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا تھا۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص ۲۵۲، رقم: ۳۰۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القطرانی المتوفی ۴۴۳ھ نے بھی واقعہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا اور امام ابن الاثیر کی طرح ان غزوات کا تفصیل سے ذکر بھی کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۳، ص ۲۷۶، رقم: ۱۹۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے حضرت یزاع بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت معتب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے پھر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور نبی ﷺ عام غزوات میں ان کو مدینہ میں خلیفہ بناتے تھے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس کے بعد حافظ عسقلانی نے امام عبد البر کے حوالے سے ان تیرہ غزوات کی تفصیل ذکر کی ہے۔

(الاصابہ ج ۳، ص ۳۹۵، رقم: ۵۷۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارضہ ان کثیر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے تیرہ مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بنایا اور جب تیرہ مرتبہ خلیفہ بنے اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بنے سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وصل کے بعد تمام امت کے امیر اور خلیفہ بن جائیں تو صرف ایک مرتبہ مدینہ میں خلیفہ بننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے لازم آئے گا کہ وہ امت کے خلیفہ بن جائیں جبکہ نمازوں کے امام اس وقت بھی حضرت ابن ام مکتوم تھے۔ نیز اگر یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر دلیل تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے اس وقت کیوں نہیں

استدلال کیا جب ان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں امت پر کنٹرول نہیں کر سکے اور اس میں تفرقہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی ہوا اور امت تفرقہ میں بٹ گئی ہر چند کہ حق پر حضرت علی تھے جیسا کہ حق پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ ہے تو اس بشارت سے مراد وہی زمانہ ہے جس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں (الاعراف: ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں حسب ذیل مذاہب ہیں:

۱۔ حنیفیہ اور حنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور یہ کلام قدیم ہے اور یہ مذہب بدلتا ہوا ہے کیونکہ جو چیز اجزاء سے مرکب ہو اس میں تقدیم اور تاخیر ہوتی ہے اس لیے وہ چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔
۲۔ کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور اس کا محل اور موصوف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہوتا اور حوادث سے موصوف ہونا لازم آتا ہے اور جو محل حوادث ہو وہ خود حادث ہوتا ہے۔

۳۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے مثلاً درخت و غیرہ کے ساتھ۔

۴۔ اہل سنت و جماعت مازیدیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک صفت ازل ہے اس میں آواز اور حروف نہیں ہیں اور اس صفت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں سنا انہوں نے ان آوازوں اور حروف کو سنا جو درخت کے ساتھ قائم تھے۔

۵۔ اہل سنت اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ازل صفت ہے اس میں حروف اور آواز نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی صفت کو سنا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی رنگ اور جسم نہیں ہے اور اس کے باوجود دکھائی دے گا حالانکہ جس چیز کا رنگ نہ ہو اس کا دکھائی دینا انسان کے لیے غیر متصور ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر آواز اور حروف کے حضرت موسیٰ نے سنا جبکہ انسان کے نزدیک بغیر آواز اور حروف کے کسی کلام کا سنا دینا غیر متصور ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۳ "ملخصاً مرتباً" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح کلام لفظی ہوتا ہے اسی طرح کلام نفسی بھی ہوتا ہے۔ کلام لفظی وہ ہے جو عبادت خدائی دیتا ہے جیسا کہ معروف کلام ہے اور کلام نفسی وہ ہے جو کلمات اور حروف پر مشتمل ہوتا ہے مگر عبادت خدائی نہیں دیتا۔ اس کی مثال

یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری تعریف میں یہ کہے کہ ”میں نے آپ جیسا خوش اخلاق یا آپ جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا“ تو ہمیں یہ الفاظ اور جملے یاد آتے رہتے ہیں اور ہمارے ذہن میں ان الفاظ کی تصویر گھومتی رہتی ہے حالانکہ یہ الفاظ بعد میں سنائی نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہمیں کوئی دلخراش بات کہے تو وہ بات مدتوں ہمارے دل سے نہیں نکلتی اور ہمیں وہ بات یاد آتی رہتی ہے۔ خصوصاً جب ہم اس شخص کو دیکھیں تو اس کے کہے ہوئے الفاظ کی تصویر ہمارے ذہن میں آ جاتی ہے سو یہ کلام نفسی ہے اور الفاظ غیبیہ ہیں۔ قرآن مجید میں جو اللہ کا کلام ہے وہ بھی کلام نفسی ہے اور قدیم ہے وہ ان ہی الفاظ غیبیہ پر مشتمل ہے اور الفاظ میں بغیر تقدم اور تاخر کے یہ کلام نفسی ہے اس کلام کی قرائت جو ہم کرتے ہیں وہ کلام لفظی ہے اور حلاوت ہے اور مقروء یعنی جن الفاظ غیبیہ کی ہم قرائت کرتے ہیں وہ قدیم ہے۔ مثلاً جب ہم الحمد للہ رب العالمین کی قرائت کریں گے تو پہلے الحمد پڑھیں گے پھر اللہ پھر رب العالمین لیکن یہ پورا قرآن کلام نفسی کے مرتبہ میں بغیر تقدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب ہم کو کوئی بات یاد آتی ہے تو یوں نہیں ہوتا کہ پہلے اس بات کا ایک لفظ یاد آتا ہو پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا بلکہ بیک وقت کلام کی تصویر ہمارے ذہن میں آ جاتی ہے۔ اسی طرح کمال قرآن نفسی بغیر تقدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ علیٰ هذا القیاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کلام کیا وہ بھی کلام نفسی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کلام کو سننا خلاف عادت اور ان کا معجزہ تھا کیونکہ بغیر آواز کے کسی کلام کو سننا انسان کی عادت اور اس کے معمول کے خلاف ہے۔ میں نے اس مقام کو اسی طرح سمجھا ہے اور امر اللہ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قواعد اسلام کے مطابق ہے اور بعض متقدمین اور محققین کی عبارت میں بھی اس تفصیل کی طرف اشارات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث اور آثار

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار، امام ابن ابی حاتم، امام ابو نعیم نے الحلیہ میں اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور کے دن کلام فرمایا تو یہ اس دن کے کلام کا مغز تھا جب ان کو اس نے ندا کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اللہ سے کہا اے میرے رب! جس طرح تو نے مجھ سے کلام کیا ہے کیا تیرا کلام اسی طرح کا ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے تجھ سے کلام کیا ہے اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اس سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت موسیٰ جب بنو اسرائیل کی طرف واپس گئے تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! رحمن کے کلام کی صفت بیان کیجئے آپ نے کہا تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کیا تم نے ایسی گرج اور کڑک کی آواز سنی ہے جو بہت شیریں لگتی ہو؟ اللہ کا کلام اس کے قریب ہے اور وہ اس طرح نہیں ہے۔

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں کعب سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! میں دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کر رہا ہوں اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اگر میں تمہارے ساتھ اپنے کلام کی کٹہ اور حقیقت کے ساتھ کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ۔

امام عبد الرزاق، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں کعب سے روایت کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تمام زبانوں سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نہیں سمجھ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کی مثل کلام فرمایا تب حضرت موسیٰ نے پوچھا اے

میرے رب کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا نہیں! میرا کلام جس طرح ہے اگر تم اس کو اسی طرح سن لو تو تم نیست و نابود ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں! البتہ تم نے بہت زیادہ گرجہ دار بجلی کی کڑک جو سنی ہو اس کو اس کے قریب کنا جاسکتا ہے۔

امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام حاکم نے سند کی تصحیح کے ساتھ عبد الرحمن بن ملوہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ان کی طاقت کے مطابق کلام فرمایا اور اگر اللہ ان سے اپنے حقیقی کلام کے ساتھ کلام فرماتا تو حضرت موسیٰ اس کی بالکل طاقت نہ رکھتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام چالیس راتیں اس کیفیت میں رہے کہ جو شخص بھی ان کو دیکھتا تھا وہ رب العالمین کی تلب نہ لا کر مر جاتا تھا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳۶-۵۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی بعض تفصیلات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور، امام ابن المنذر، امام حاکم، امام ابن مردودہ، اور امام بیہقی نے کتب الاسماء والصفات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا اس دن حضرت موسیٰ نے اپنی جب پستا ہوا تھا، اپنی چادر تھی، اپنی شلوار تھی اور غیر مذکور دراز گوش کی کھل کی جوتیاں پسنی ہوئی تھیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے اور امام احمد نے کتاب الزہد میں اور امام ابو یوسف نے کتاب العلم میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا تو پوچھا اے میرے رب! تجھے اپنے بندوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ عز و جل نے فرمایا جو بندہ میرا بہت زیادہ ذکر کرتا ہو۔ پھر پوچھا تیرے بندوں میں کون سب سے اچھا حاکم ہے؟ فرمایا وہ شخص جو لوگوں کے خلاف جس طرح فیصلہ کرتا ہو اسی طرح اپنے خلاف بھی فیصلہ کرے۔ پوچھا اے میرے رب! تیرے بندوں میں کون سب سے زیادہ فنی ہے؟ فرمایا جو اس چیز پر راضی ہو جو میں نے اس کو عطا کی ہے۔

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں زہد کی مثل کسی نے کوئی کام نہیں کیا اور میری حرام کردہ چیزوں سے بچنے سے بڑھ کر کسی نے میرا تقرب حاصل نہیں کیا اور میرے خوف سے رونے سے بڑھ کر کسی نے میری عبادت نہیں کی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو نے ان کے لیے کیا تیار کیا ہے اور ان کی کیا جزا ہے؟ فرمایا: جو لوگ دنیا میں زہد کرتے تھے میں ان کے لیے اپنی جنت مباح کردوں گا وہ اس میں جہاں چاہیں گے رہیں گے اور جو لوگ حرام کھوں سے بچتے تھے تو میں قیامت کے دن ہر شخص سے اس کا حساب لیتے وقت منقشہ کروں گا اور اس کے اعمال کی تفتیش کروں گا لیکن میں ان سے حیا کروں گا اور ان کو عزت اور کرامت دوں گا۔

امام ابو بکر بن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں اور امام ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی راستہ میں جا رہے تھے تو ان کو جبار عز و جل نے ندا کی یا موسیٰ! حضرت موسیٰ نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا، پھر دوسری بار ندا کی یا موسیٰ بن عمران! انہوں نے پھر دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا اور ان پر خوف طاری ہو گیا پھر تیسری بار ندا کی یا موسیٰ بن عمران! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا لبیک لبیک! اور سجدہ میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ بن عمران! اپنا سر اٹھاؤ! انہوں نے اپنا سر

اٹھایا تو فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم چاہتے ہو کہ تم اس دن میرے عرش کے سائے میں رہو جس دن میرے عرش کے سوا اور کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا تو تم جہنم کے لیے شقیق باپ کی طرح ہو جاؤ اور بیوہ کی مہربان خلوند کی طرح کفالت کرو۔ اے موسیٰ بن عمران! تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے موسیٰ! تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اے موسیٰ بن اسرائیل کے نبی! جس نے مجھ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا منکر تھا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا مجھ کون ہے؟ فرمایا: اے موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں نے ان سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی میں نے عرش 'آسمانوں' زمینوں 'سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میری تمام مخلوق پر اس وقت تک جنت حرام ہے جب تک کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کی امت کون ہے؟ فرمایا: ان کی امت اترتے چڑھتے ہر حال میں حمد کرنے والی ہے 'وہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو ڈرتے رہیں گے' میں ان کے کم عمل کو بھی قبول کر لوں گا اور ان کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی وجہ سے جنت میں داخل کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: مجھے اس امت کا نبی بنادے 'فرمایا: اس امت کا نبی ان ہی میں سے ہو گا پھر کہا: اچھا مجھے اس نبی کی امت میں سے بنادے 'فرمایا: تم اس سے پہلے ہو۔ اے موسیٰ! انھوں میں تمہیں اور ان کو دار الجلال میں اکٹھا کر دوں گا۔

(کتاب السنہ ج ۱ ص ۳۰۵ 'الشریعہ ج ۱ ص ۲۲۳' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۰-۳۲۹ 'طبع جدید' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابن الشاہین نے کتاب الترغیب میں حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اس شخص کے لیے کیا اجر ہے جو اس عورت سے تحریت کرے جس کا بچہ فوت ہو چکا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا اس دن میں اس کو اپنے سایہ میں رکھوں گا۔

امام ابن ابی حاتم نے العلاء بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں اپنے کلام سے نوازا؟ عرض کیا نہیں اے میرے رب! فرمایا: اس لیے کہ میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تمہاری طرح متواضع ہو۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳۲-۵۳۳ 'ملفوظات' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ کے مذاہب

اس کے بعد فرمایا: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ (الاعراف ۱۴۳)

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً ممکن ہے 'محل نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ رویت آخرت میں واقع ہوگی 'اور مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھیں گے 'اور اہل بدعت میں سے معتزلہ 'خوارج اور بعض مرجئہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً محال ہے 'ان کا یہ قول غلط اور باطل ہے 'کتاب و سنت کی تصریحات 'صحابہ 'فقہاء تابعین اور اخبار امت کا اس پر اجماع ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور میں سے زیادہ صحابہ سے اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ رویت ایک قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے 'اس کے لیے شعاع بھری کا دکھائی دینے والے کو احاطہ کرنا اور دکھائی دینے والے کا دیکھنے والے کے بالقتل ہونا شرط نہیں ہے 'لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا

کہ آخرت میں جب مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کی شعل بھری اللہ تعالیٰ کا احاطہ کر لے یا اللہ تعالیٰ دیکھنے والوں کی بائیں جانب ہو، معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا اس لیے انکار کیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہونا اور اس کے لیے سب سے اوپر جہت کا ہونا لازم آئے گا، ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اس میں یہ چیز اتفاق پائی جاتی ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے اور جب موسیٰ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہے اور وہ ہمیں دیکھتا ہے ملائکہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے اس کا جواب مقابل میں ہونا لازم نہیں آتا تو اس کے دکھائی دینے سے جب مقابل میں ہونا کس طرح لازم آئے گا

مفسرین روایت کے دلائل اور ان کے جوابات مفسرین کی ایک دلیل تو سورۃ الاعراف کی یہ مذکورہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے یہ نہیں فرمایا میں ہرگز نہ دکھائی نہیں دوں گا۔

ان کی دوسری دلیل یہ آیت ہے
لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ
(الانعام: ۱۰۳)۔
ہمیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں دنیا میں اللہ کو دیکھنے کی نفی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں کفار کے دیکھنے کی نفی ہے اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ مسلمان آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ آیت ہے
وَأَذِّنْ لَّنْهُم بِشُؤُنِہِمْ لَعَلَّہُمْ یَحْشَوْنَ
اللَّہَ یَوْمَہُمْ فَاخَذْنٰکُمْ الضَّعِیْفَہُ وَأَنتُمْ
تَسْتَظِرُونَ (البقرہ: ۵۵)

اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم تم پر اس وقت تک بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں پس تم کو کڑک لے اپنی گرفت میں لے لیا اور تمہاریک تم دیکھتے تھے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہو تا تو اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے اس مطالبہ کے سبب ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس لیے عذاب نازل نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور ایک امر محل کا سوال کیا تھا۔ بلکہ عذاب اس لیے نازل فرمایا تھا کہ انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا اور ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر موقوف کر دیا تھا گویا کہ وہ حالت کفر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اپنا دیدار نہیں کرائے گا۔

رہا یہ امر کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہے اور محبت الہی کی وجہ سے اس کی روایت کا سوال کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت میں ہے۔ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی رات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔
(اعراف: ۱۴۳)

اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو کرنا اور دعا کرنا جائز ہو تا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت کے علوم و معارف کے حامل ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیوں کرتے اور اگر بالفرض یہ دعا ناجائز ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی دعا کرنے سے منع فرما

رہتا۔ اور رویت کے امکان پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْحَبْلِ فَإِنْ اسْتَفْتَرَمَكَانَهُ
فَسَوْفَ تَرَانِي

البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر میری جگہ کے باوجود
یہ اپنی جگہ پر قرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۵۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کو پہاڑ کے برقرار رہنے پر معلق کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ پر قرار رہنا ہی
نفسہ ممکن ہے اور جو ممکن پر موقوف ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن
تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن مجید سے دلائل

وَجُودُهُ يُؤْمِنُ بِمَا وَضَعُوا ۝ اِلٰى رَبِّهَا مَا وَلَّهُ ۝
قیامت کے دن کچھ چہرے تردنازدہ ہوں گے، اپنے رب کی

(القیامہ: ۲۳-۲۴) - طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

كَذٰلِكَ اَنۡهٰهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّسَّحَحُوۡهُنَّ ۝
حق یہ ہے کہ وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور

(الطہ: ۱۵) - محجوب ہوں گے۔

اس آیت سے صراحتاً تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے مگر اس سے اشارہ ہے
ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اسی صورت میں یہ آیت کفار کے لیے حسرت اور محرومی کا
موجب ہوگی، کیونکہ اگر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے تو کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اس میں ہماری کیا تخصیص ہے۔ مسلمان بھی
تو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جریر بن عبد اللہ جریجو بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ
ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا آپ نے فرمایا سنو تم عنقریب اپنے رب کو
اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، پس اگر تم کو قدرت
ہو تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۵۳، صحیح مسلم، مساجد: ۲۲، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۱۷۷۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۹۹،
سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۵۵۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۳۵۹، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۷۹۹، مسند
ابو عوانہ، ج ۱، ص ۳۷۶)

حضرت ابوسعید خدری جریجو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں
گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان پر ابر نہ ہو تو کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں! آپ
نے فرمایا: اسی طرح تم کو اس دن اپنے رب کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے
سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۳۹، صحیح مسلم، الاماکن: ۳۰۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۳۰، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۳۳،
سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۹۹، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۷۹۹، مسند عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۲۰۸۵۶، المستدرک، ج ۲، ص ۵۸۳)

مشکوٰۃ رقم الحديث: ۵۵۵۵ کنز العمال رقم الحديث: ۳۹۹۸

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رب کلام فرمائے گا اس شخص کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا اور نہ کوئی حجاب ہو گا جو اس کے رب کو دیکھنے سے مانع ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۷۴۳۳ صحیح مسلم الزکوٰۃ: ۶۷ (۱۰۶۱) سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۱۵ سنن ابن ماجہ رقم

الحديث: ۱۸۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۷ (۲۵۱۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ تھا میں نے کہا اے جبریل! یہ کیا چیز ہے؟ کیا یہ جمع ہے جس کو آپ کا رب آپ پر پیش کرتا ہے تاکہ وہ دن آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی قوم کے لیے عید ہو جائے؟ آپ اول ہیں اور یہود و نصاریٰ آپ کے بعد ہیں آپ نے فرمایا: ہمارے لیے اس عید میں کیا ہے؟ کہا اس دن میں آپ (سب) کے لیے خیر ہے اس دن میں آپ (سب) کے لیے ایک ساعت ہے اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب سے خیر کی دعا کرے گا اور وہ اس کی قسمت میں ہو تو اللہ اس کو وہ خیر عطا فرمائے گا اور اگر وہ خیر اس کی قسمت میں نہ ہو تو اس سے عظیم چیز کو اس کے لیے ذخیرہ کر دے گا یا اس کی قسمت میں جو شر ہو گا اس شر سے اس کو ہلاک میں رکھے گا۔ میں نے کہا اس آئینہ میں یہ سیاہ نکتہ کیا ہے انہوں نے کہا یہ وہ ساعت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور آخرت میں ہمارے نزدیک اس کا نام یوم الازید ہے۔ میں نے کہا تم اس دن کو یوم الازید کس وجہ سے کہتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کے رب عزوجل نے جنت میں مشک سے زیادہ خوشبودار ایک سفید وادی بٹائی ہے جب جمعہ کا دن آتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ملین سے اپنی کرسی پر نازل ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کرسی کے گرد نور کے منبر بچھا دیے جاتے ہیں اور انبیاء آکر اس کرسی کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں پھر صدیقین اور شہداء آکر ان کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر اہل جنت آتے ہیں اور ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ان کا رب تبارک و تعالیٰ ان سب پر تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ وہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ (الحديث)

(مسند البراء رقم الحديث: ۳۵۸۱ مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۴۲۲۸ المعجم للاوسط رقم الحديث: ۶۷۱۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۱

الطالب العلیہ ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۸ رقم الحديث: ۵۷۹ اس کی سند صحیح ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک اور دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر دلیل ہے کیونکہ کسی چیز کے علم سے وہ چیز منجلی (روشن) ہو جاتی ہے اور کسی چیز کو دکھانا بھی اس چیز کو روشن کر دیتا ہے اور علم کی بہ نسبت دکھانے سے چیز زیادہ منجلی (روشن) ہوتی ہے اس لیے یہاں پر تجلی سے مراد دکھانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اس آیت کے معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو پہاڑ نے دیکھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہاڑ تو ایک پتھر ہے اس کا دیکھنا غیر متصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیات، عقل اور فہم پیدا کی ہے اس طرح اس میں رویت اور بصارت بھی بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَحْسَبُ الْاَوْبَىٰ مَعَهُ الطَّيْرُ (سبا: ۱۰)

اے پہاڑ داداؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اسے پرندہ تم بھی

نیز پہاڑ پتھروں کی جنس سے ہیں اور پتھروں کے متعلق فرمایا:

وَأَنَّ مِنْهَا لَمَّا يَرْجُطُ مِنَ حَشَاةِ اللَّهِ
بے شک بعض پھر ضرور خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔

(البقرہ: ۷۳)

اور جب پہاڑ تسبیح کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں تو وہ دیکھ بھی سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب پہاڑ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی طاقت پہاڑ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

منکرین رویت کے ایک اعتراض کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لائے والوں میں سب سے پہلے ہوں۔

معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے رویت کا سوال کرنا مکمل ہے جب ہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے توبہ کی اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت کے بغیر رویت کا سوال کیا تھا اس لیے انہوں نے اپنے اس فعل پر توبہ کی اور ہر چند یہ سوال کرنا مکمل نہیں تھا لیکن ایرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہوں کے حکم میں ہوتی ہیں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں کہ تیرے اذن کے بغیر تجھ سے سوال کرنا بار بار نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے تو ہوش میں آ کر کہا سبحانک یعنی ہم پر ریزہ ریزہ ہونے اور بے ہوش ہونے کی آفت اور مصیبت پہنچی اور تو ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینے کے متعلق حدیث

اس آیت میں کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کا ذکر ہے رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک حدیث میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی اپنا کچھ سالن بیچ رہا تھا اس کو اس سالن کے عوض جو قیمت دی گئی اس کو اس نے پسند کیا اور کہا: نہیں یا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! ایک انصاری نے یہ سنا تو اس یہودی کے چہرے پر ایک طمانچہ مارا اور کہا: تو یہ کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! حالانکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: یا ابا القاسم! میرے لیے ذمہ اور عہد ہے (یعنی میں ذی ہوں اور آپ کے ذمہ میری حفاظت ہے) اور فلاں شخص نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے کہا تھا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! حالانکہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے غضب ظاہر ہو رہا تھا پھر آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو۔ (بخاری ۴۶۳۸) کیونکہ صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے گا۔ پھر دوسری بار صور

پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے میں (از خود) نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ابن کاشار کر لیا گیا یا ابن کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا تھا اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳، ۳۴۰، صحیح مسلم فضائل انبیاء: ۱۵۹ (۲۳۷۳) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۱۳۳ جامع لاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۰۸-۳۳۰۹)

”مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دو“ اس حدیث کے جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی پیغمبر بلاشک تمام انبیاء اور مرسلین سے افضل ہیں پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا۔
مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو اس اعتراض کے جوابات حسب ذیل ہیں: ●
آپ کے ارشاد کا یہ معنی ہے کہ نفس نبوت میں کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو کیونکہ نفس نبوت میں تمام نبیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (البقرہ: ۲۸۵)

ہم (ایمان لانے میں) اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔

اور اس ارشاد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مراتب اور درجات کے لحاظ سے کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ بعض رسول بعض رسولوں سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ
يَوْمَ يَكْفُمُ لَهُمُ اللَّاهُ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَةً
(البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے کسی کو (تمام) درجات پر بلندی عطا فرمائی۔

دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی پیغمبر کی فضیلت کے متعلق احادیث

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام نبیوں اور رسولوں پر فضیلت دے دی اور جب اللہ جل مجدہ نے آپ کو اس فضیلت پر مطلع فرمادیا تو آپ نے خود بیان فرمایا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کرنے والا ہوں، جنتی زیادہ میری تصدیق کی گئی ہے اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں کی گئی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ان کی تصدیق کی تھی۔ (صحیح مسلم الامان: ۳۲۲ (۲۲۱) مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۳۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام لولہ آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حر کا جھنڈا ہو گا اور کوئی فخر نہیں اور اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہو گا خواہ وہ آدم ہوں یا ابن کے علاوہ اور سب سے پہلے جس شخص سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(سنن الترمذی تفسیر سورہ بنی اسرائیل: ۱۸، رقم الحدیث: ۳۱۳۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ حجرہ سے نکلے اور ان کی باتیں سننے لگے بعض صحابہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا دو سرے نے کہا حضرت موسیٰ

سے اللہ نے کلام فرمایا ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں کسی نے کہا حضرت آدم کو اللہ نے متع کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سن لیں تم نے کہا ابراہیم خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا آدم اللہ کے صفی ہیں وہ ایسے ہی ہیں سنو میں اللہ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۱ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور کوئی فخر نہیں میں خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۳)

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی ﷺ کو یہ علم تھا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں لیکن آپ نے تواضع اور ابا انبیاء علیہم السلام پر خود کو فضیلت دینے سے منع فرمایا لیکن اس جواب پر یہ اشکل ہے کہ اگر ایسا ہو تا تو ملائمت سے منع فرماتے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سخت غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے ت آٹار غضب ظاہر ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ فضیلت دینا صرف نامناسب نہیں بلکہ حرام تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے انبیاء پر اس طرح فضیلت مت دو جو دوسرے نبیوں میں نقص کی موجب یا موجب ہو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے نبیوں پر اس طریقہ سے فضیلت مت دو جو کئی لڑائی جھگڑے کا موجب ہو جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا تھا۔

پھٹا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفصیل کے مسئلہ میں زیادہ بحث چھیض اور غور و فکر نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دوران بحث تمہارے منہ سے ایسا لفظ نکل جائے جو نامناسب ہو اور اس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے احرام میں کمی آئے۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ اپنی آراء اور اپنی افہام سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو ہاں قرآن اور حدیث کے دلائل سے فضیلت کو بیان کرو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضائل کی تمام انواع و اقسام سے فضیلت مت دو حتیٰ کہ مقبول کے لیے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ کسی اہل کتاب مثلاً یسودی یا نصرانی کے سامنے تمام نبیوں پر میری فضیلت مت بیان کرو ہو سکتا ہے کہ وہ تعصب میں آکر میرے متعلق کوئی تحقیر کا کلمہ کہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ میری دوسرے نبیوں پر فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے خدائی صفات سے متصف کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا اور انہیں خد اور خد اکا بنا کہا۔

گیارہواں جواب کے ضمن میں نبی ﷺ کی شان میں غلو کرنے کی ممانعت

گیارہواں جواب یہ ہے کہ دوسرے نبیوں پر میری فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑھا دو۔

نبی ﷺ نے فرمایا میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا میں تو صرف اس کا بندہ ہوں پس تم کو وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۴۴۵، سنن داری، رقم الحدیث: ۲۷۸۴، مسند ج ۱، ص ۲۳-۲۴)

اس غلو کی بعض یہ مثالیں ہیں۔

ازاں کیا جنہاں دیکھو ایمان والو
پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا
کہ پہلے زبیں حمد سے پاک ہوئے
تو پھر نام لائے وہ حبیب خدا کا

یعنی پاک زبیں سے اللہ کا نام لینا تو جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کا نام لینا جائز نہیں ہے، جب کہ جنسی کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا منوع ہے اور حدیث کا پڑھنا منوع نہیں ہے ہر چند کہ خلاف ادب ہے، اسی طرح بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے اور حدیث کو چھونا جائز ہے اگرچہ خلاف ادب ہے۔ اسی طرح غلو پر مشتمل ایک شعر یہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کی گرفت فرمائے گا تو کیا نبی ﷺ ان کو چھڑائیں گے اور جن مسلمان گنہ گاروں کو آپ چھڑائیں گے تو وہ اللہ کے لڑن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کر کے چھڑائیں گے۔ اور دوسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ نبی ﷺ نے سردار ان قریش کے ایمان کی طمع میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم سے بے توجہی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں۔

عَبَسَ وَ تَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا يُذَرُّكَ اَعْلٰهُ بَرْخٰی ۝ اَوْبَدَّ غُرُفَتُمْفَعَةٌ ۝
الَّذِیْ كُورِی ۝ اَمَّا مِّنْ اَنْتَ نَبِی ۝ فَانْتَ لَكَ تَصَدِّی ۝ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا بَرْخٰی ۝ وَاَمَّا مِّنْ جَاءَهُ كَذِبٌ مِّنْی ۝ وَهُوَ یَخْشٰی ۝ فَانْتَ عَنَّا تَلَهٰی ۝
(سورہ عبس: ۱-۶)

انہوں نے تیوری پر بل ڈالے اور منہ پھیرا ۝ اس پر کہ ان کے پاس نہایت حاضر ہوا ۝ آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرے ۝ یا وہ نصیحت قبول کرے تو اس کو نصیحت نفع دے ۝ اور جو بے پرواہی کرتے ہیں ۝ تو آپ ان کے در پہ ہوتے ہیں ۝ اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا ۝ اور جو شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا ۝ اور آنھایک وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے ۝ تو آپ نے اس سے بے پرواہی کی۔

اسی طرح تین صحابہ حضرت کعب بن مالک، بلال بن امیہ اور مرادہ بن الریح پر رسول اللہ ﷺ نے گرفت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چھڑالیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک جو پیش بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی صدمہ بہت سخت اور دشوار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو عام تیاری کا حکم دیا مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے میں مشغول تھے مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا تیار ہو کر چلا جاؤں گا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت میں تھا کہ ادھر رسول اللہ ﷺ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا میں نے سوچا کہ آپ روانہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا میں

انکی منزل پر آپ سے جا ملوں گا' اسی سوچ و بچار نور آج کل میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں سخت پریشان تھا سارے مدینہ میں بکے منافقوں یا معذور مسلمانوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا میں نے سوچا کہ میں جو کہ میں نہ جانے کے متعلق کوئی عذر بیان کر کے جان بچا لوں گا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خیریت سے تشریف لے آئے ہیں تو سارے جھوٹے عذر کا نور ہو گئے اور میں نے سوچا کہ بچ کے سوا کوئی چہ اس بارگاہ میں نجات دینے والی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے، صحابہ کرام جمع تھے، منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا۔ میرے سلام کا آپ نے غضب آمیز قسم کے ساتھ جواب دیا اور میری غیر حاضری کی وجہ دریافت کی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں کسی دنیا دار کے سامنے پیش ہوتا تو جھوٹے عذر بیان کر کے اپنی چرب زبانی سے صاف بچ جاتا مگر میں تو اس ذات کے سامنے معاملہ درپیش ہے کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر وقتی طور پر اپنے آپ کو بچا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حل سے مطلع فرما دے گا اس کے برعکس بچ بولنے سے مجھے آپ کی ناراضگی برداشت کرنی پڑے گی مگر اس کا انجام بہتر ہو گا۔ یا رسول اللہ! امر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غزوہ تبوک میں نہ جانے کا کوئی عذر نہیں ہے، جس وقت میں آپ کے ہمراہ تبوک نہیں گیا اس وقت سے زیادہ وسعت اور فراخی مجھے کبھی حاصل نہیں تھی، میں مجرم ہوں آپ جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے بچ کہا ہے اچھا جاؤ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو بعد میں معلوم ہوا کہ دو اور شخص (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع) بھی میری طرح تھے۔ آپ نے ہم تینوں کے متعلق حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے، سب طعناں رہیں، سو کوئی مسلمان ہم سے بات نہیں کرنا تھا نہ سلام کا جواب دینا تھا وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے اور گھر میں روتے رہتے تھے۔ میں چونکہ سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا تھا، میں آپ کو سلام کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کرتے ہیں یا نہیں، جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص رشتہ دار اور اعزہ بھی مجھ سے بے گانہ ہو گئے تھے ایک روز مجھے شاہ نسلان کا ایک خط ملا کہ تم ہمارے ملک میں آ جاؤ وہاں تمہاری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے اور وہ خط میں نے جلا دیا۔ چالیس دن بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک حکم پہنچا کہ میں اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤں، چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو سیکے بھیج دیا، مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر میں اسی محل میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ تو میری نماز جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر بالفرض اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ کا وصل ہو گیا تو مسلمان میرا مستقل بیکاث رکھیں گے اور میری میت کے بھی کوئی قریب نہیں آئے گا فرض پچاس دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی اور مجھے زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ اچانک جبل سلح (ایک پہاڑ) سے آواز آئی: "اے کعب بن مالک، مبارک ہوا" میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا، معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دی کہ ہماری توبہ قبول ہو گئی ہے، آپ نے نماز فجر کے بعد صحابہ کو مطلع کر کے فرمایا اور مجھے خوش خبری سنانے کے لیے ایک سوار میری طرف دوڑا، مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے ندا کی اور سوار سے پہلے اس کی آواز مجھ تک پہنچ گئی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، مسلمان مجھے جوق در جوق مبارک بلا دے رہے تھے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۷۵۷، صحیح مسلم، التوبہ: ۵۳، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۳۱۸، سنن الترمذی، رقم

الحديث: ۳۳۲۲، صحیح ابن خزيمة، رقم الحديث: ۲۴۴۲، سنن الدارمی، رقم الحديث: ۲۴۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۹۳، سنن

الترمذی، رقم الحديث: ۳۱۸۲، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۵۹، جامع لاصول، ج ۲، رقم الحديث: ۲۳۳

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول کرنے اور ان کی نجات کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِعُوا بِغَيْرِ إِذْنٍ
صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ
عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظُلُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا
إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبة: ۹۸)

اور ان تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا حکم موخر رکھا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ ہمیشہ توبہ کرتے رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان ہے۔

ان مذکورہ احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین صحابہ پر گرفت فرمائی اور آپ کے حکم پر مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے مقابلہ جاری رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کی خلاصی کرا دی اس لیے یہ مصرع صحیح نہیں ہے کہ: "محمد کا پورا چہرہ کوئی نہیں سسکا۔"

رسول اللہ ﷺ کی شان میں غلو کی ایک اور یہ مثل ہے۔

معنی	حرف	کئی	تحقیق	اگر
ہمگامی	بلند	صدق	اگر	
قوت	قلب	جگر	گرد	نہی
از	خدا	محبوب	گرد	نہی

(اگر میرے نظریہ کو جانو اور حضرت صدیق اکبر کی نظر سے دیکھو تو نبی اللہ سے زیادہ محبوب ہیں)

یہ اشعار قرآن مجید کی اس آیت کے صراحہ خلاف ہیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)

اور ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے

ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کائنات میں سب سے افضل ہیں اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ آپ سے محبت ہونی چاہیے لیکن ان تمام تر عظمتوں کے باوجود نبی ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کی مخلوق ہیں، اور خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح تقابل کرنا کہ مخلوق خالق سے زیادہ افضل یا زیادہ محبوب یا زیادہ اختیار ہے صحیح انداز فکر نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اسکی التوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

عمر بن قلوہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قلوہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ جنگ بدر کے دن زخمی ہو گئی اور ان کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آگیا، مسلمانوں نے اس کو کٹ کر نکالنے کا ارادہ کیا، پھر نبی ﷺ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: نہیں! پھر حضرت قلوہ کو بلایا آپ نے اپنی ہتھیلی سے وہ ڈھیلا (اپنی جگہ رکھ کر دیکھا) پھر بتائیں چلتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

(مسند ابو حنیفہ، ج ۳، رقم الحديث: ۱۵۳۹، دلائل النبوة للسیوطی، ج ۳، ص ۱۰۰، مسند النجاشی، ج ۲، ص ۷۰، رقم الحديث: ۳۴۷، الاصابہ،

ج ۵، ص ۳۱۸، رقم الحديث: ۷۰۹)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن النعمان جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک کمان ہدیہ کی گئی، جنگ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے وہ کمان مجھے دے دی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اس کمان سے تیر مار رہا تھا کہ وہ کمان ٹوٹ گئی اور میں مستقل رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا رہا جو تیر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف آتا میں اس تیر کے سامنے اپنا چہرہ کر دیتا (اور کمان ٹوٹنے کی وجہ سے) میں اس وقت کوئی تیر نہیں مار رہا تھا حتیٰ کہ ایک تیر آکر میری آنکھ میں لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا نکل کر میرے چہرے پر آگیا میں نے وہ ڈھیلا نکل کر اپنے ہاتھ میں رکھا جب رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ میں نکلی ہوئی آنکھ کا ڈھیلا رکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے دعا کی اے اللہ اقلدہ نے تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے سے بچلایا ہے تو اس کی اس آنکھ کو دونوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز بنادے سو ان کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر دال تھی۔

(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۸، رقم الحديث: ۳، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲، رقم الحديث: ۳، المستدرک ج ۳ ص ۲۹۵، الاستیعاب ج ۳ ص ۳۳۸، رقم الحديث: ۳، المستدرک ج ۳ ص ۳۴۰، رقم الحديث: ۳، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۳)

غیر محتاط و اطمینان اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں اتنی روشنی نہیں تھی جتنی مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی اللہ اور اس کے رسول کی عطا میں مقابل کا یہ انداز بہت خطرناک ہے یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی تھیں فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ ماں باپ کے جسمانی توسل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ملی تھی اس لیے اس آنکھ کا حسن اور اس کی نفردوسری آنکھ سے زیادہ تھی۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی فضیلت بیان کرنے میں غلو اور مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کی صفات خدا کے برابر بیان کی جائیں نہ آپ کو خدا سے بڑھایا جائے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔ (صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۶۳۸)

نیز آپ نے فرمایا: بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت مت دو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۱) اور فرمایا: مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو اور نہ یونس بن متی پر (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۱) اور ان سب احادیث کا ایک محمل یہ ہے کہ مجھے خدا کے برابر نہ کرو یا مجھے خدا سے نہ بڑھاؤ اور اس محمل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق غلو کیا تھا میں تم کو وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۴۴۵) اس توجیہ کے بیان کرنے کے سلسلہ میں کلام طویل ہو گیا کیونکہ ہمارے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں بہت افراط اور تفریط ہے بعض لوگ آپ کی شان بیان کرنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور آپ کے فضائل میں قطع برید کرتے ہیں اور بعض اس میں افراط کرتے ہیں اور حد سے گزر جاتے ہیں میں نے اصلاح کی اپنی سی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ ان سطور میں اثر آفرینی فرمائے۔ (آمین) اب میں اس حدیث کے بقیہ تشریح طلب اجزاء کی وضاحت کرتا ہوں۔ فاقول وبالله التوفیق وبه الاستعانة بلسق۔

معقہ کا معنی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب پر معقہ طاری ہو گا، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔ (الترمذی ص ۶۸) معقہ کا معنی موت ہے اور کبھی اس سے مراد بے ہوشی بھی ہوتی ہے جیسے اس آیت میں ہے وحر موسیٰ صعقاً (الاعراف: ۱۴۳) اس آیت میں جن لوگوں کا معقہ سے استثناء کیا ہے ان کے معذاتوں میں

ظہان القرآن

اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شہداء ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ ان کی محسن میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، اور ان میں سے ہر ایک محتمل ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے، میں از خود نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا (وہ بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلائل

علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۴۵۱ھ نے فرمایا ہے کہ جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس سے انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور عام انسان سب مر جائیں گے، سو عام لوگوں کے حق میں معتد کا معنی موت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں معتد کا معنی بے ہوشی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے حق میں موت کا معنی ایک حل سے دوسرے حل کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور موت کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں، اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم السلام تو اپنی وفات کے بعد اس حل کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۰۴۷، سنن اقصالی، رقم الحدیث: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۶۳۶)

نیز شب معراج تمام انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ مسجد القسطنطنیہ میں جمع ہوئے، خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کو نبی ﷺ نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح مسلم، فضائل انبیاء: ۱۵۶، ۲۳۷۳)

اس طرح کی احادیث بہت زیادہ ہیں جن کے مجموعہ سے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں طور کہ ہم ان کا اور اک نہیں کر سکتے، ہر چند کہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے کہ وہ بھی موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھا سوائے اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے، اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں ہر شخص پر معتد طاری ہو گا، سو ان کے جن کو اللہ چاہے، غیر انبیاء کے معتد کا معنی ہے وہ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے۔ اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آجائیں گے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ حقیقتاً سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور تمام لوگوں سے پہلے اپنی قبر مبارک سے باہر آئیں گے، خواہ وہ انبیاء ہوں یا ان کے غیر، ماسوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق نبی ﷺ کو تردد تھا، آیا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا وہ پہلے معتد سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور اس کے قائم مقام طور کی بے ہوشی تھی، بہر حال جو بھی شکل ہو اس حدیث کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو ان کے غیر میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(المعجم، ج ۶، ص ۲۳۳-۲۳۱، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبیؐ پر فضیلت جزی کی تحقیق

علامہ قرطبی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبیؐ پر فضیلت جزی حاصل تھی کہ وہ یا تو پہلے معذ سے بے ہوش نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ہر صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فضیلت ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۵ طبع لاہور عمدة القاری ج ۳ ص ۳۵۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ فضیلت جزی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے اور یہ فضیلت کلی کے متانی نہیں ہے۔

(اشعة المطالع ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ بیچ کار لکھنؤ)

ملا علی بن سلطان محمد نقاری المتوفی ۱۰۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فضیلت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ اس ذات سے بڑھ جائیں جو ان پر فضائل کثیرہ اور متعدد وجود سے مقدم ہیں۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ اربعیہ ملکن ۱۳۹۰ھ)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام ابوبشر اور اول انسان ہیں اور نبیؐ پر ان کی یہ فضیلت جزی ہے لیکن فضیلت کلی نبیؐ کو ہی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ اپنی مٹی کی دعا کی وجہ سے اپنی ولادت کے وقت میں شیطان سے محفوظ رہے اور انہوں نے پگورے میں کلام کیا اور بچپن ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ لیکن فضیلت کلی کے حامل صرف نبیؐ ہیں۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۷۶۶ھ نے ایک اور جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ”میں (از خود) نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔“ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبیؐ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ حقیقتاً سب سے پہلے آپ ہوش میں آ کر قبر سے نکلیں گے۔ اور آپ ہی علی الاطلاق سب سے پہلے اٹھیں گے۔ اور جو گروہ سب سے پہلے قبروں سے اٹھے گا اس میں علی الاطلاق سب سے پہلے آپ اٹھیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گروہ سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النوادی ج ۱۰ ص ۶۲۳۳ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ)

قاضی عیاض اور علامہ نووی کے اس جواب کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبیؐ پر فضیلت جزی بھی نہیں رہی۔ نبیؐ علی الاطلاق سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔

(صحیح مسلم فضائل: ۳ (۲۲۷۸) ۵۸۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۶۷۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۱۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۰۸ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۳۷۷۸ سنن احمد ج ۱ رقم الحديث: ۱۰۹۸ طبع جدید دار الفکر مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱ ج ۳ ص ۳۳۲ المستدرک ج ۲ ص ۳۶۵ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۳ کنز العمال رقم الحديث: ۳۱۸۷۹)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۳ھ اور علامہ نووی شافعی متوفی ۷۶۶ھ کے جواب کو علامہ ابی مالکی متوفی ۸۴۸ھ علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ علامہ سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی

۵۲ھ نے بھی اپنی شروعات میں نقل کیا ہے:

(اکمل اکمل المسلم ج ۸، ص ۷۳، معجم الاکمل ج ۸، ص ۷۳، مجمع القاری ج ۳، ص ۲۵۱، البیان ج ۲، ص ۲۰۳، اشعث

اللمعات ج ۳، ص ۴۵)

بظاہر اس حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی ﷺ پر فضیلت لازم آتی ہے۔ مدت دراز سے میں اس اشکال کا جواب دیتا چاہتا تھا اور اس حدیث کی کھل تحقیق کرنا چاہتا تھا اس کے بلوجود نہ جانے کسی وجہ سے شرح صحیح مسلم میں اس کی تشریح مجھ سے رہ گئی، زیر تفسیر آیت میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر بے ہوش ہونے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں اس کا حوالہ ہے اس مناسبت سے میں نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا اور اس کی تفصیل اور تحقیق کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کو اثر آفریں بنائے۔ (آئین اب پھر میں بقیہ آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغام اور اپنے کلام سے فضیلت دی، پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

دیدار نہ کرانے کی تلافی میں کلام سے مشرف فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کو طلب کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تلافی میں اور دوسری عظیم نعمتیں عطا فرمائیں گویا کہ ہوں فرمایا کہ اگر تم کو دولت دیدار حاصل نہیں ہوئی تو تم رنجیدہ نہ ہو میں تمہیں ایک اور عظیم نعمت عطا فرما رہا ہوں وہ میری رسالت اور میرا کلام ہے، سو تم اس نعمت پر میرا شکر ادا کرو۔ اس آیت میں فرمایا ہے میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے اوروں کو بھی رسول بنایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو رسالت اور کلام دونوں کے مجموعہ سے نوازا ہے۔ اور یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ رسالت اور کلام کے ساتھ میں نے تم کو مخلوق پر فضیلت دی ہے بلکہ فرمایا ہے لوگوں پر فضیلت دی ہے، کیونکہ مخلوق میں فرشتے بھی ہیں اور فرشتے اللہ کا کلام بلا واسطہ سنتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی نعمت پر شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے لوازم اور تقاضوں پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی، سو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں، عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا۔ (الاعراف: ۱۴۵)

تورات کی تختیوں کا مادہ، تعداد اور نزول کی تاریخ

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مکرّم بیان کرتے ہیں کہ تورات سونے کے قلموں سے لکھی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات زمر کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی، اس میں ہر چیز کا بیان تھا اور اس میں صحیح لکھی ہوئی تھیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر

آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بنو اسرائیل پھڑے کے سامنے بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں تو جوش غضب سے ان کے ہاتھوں سے تورات گر کر ٹوٹ گئی پھر وہ ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سر سے پکڑ لیا پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کے چھ حصے اور پانچا لپے اور ایک حصہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات نازل کی گئی تھی وہ میری کے تھیں پر لکھی ہوئی تھی اور اس لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ تورات کی تختیاں یا قوت کی تھیں اور میں کتابوں کہ وہ زمرہ کی تھیں اور اس پر سونے سے لکھا ہوا تھا اور رخصت جبارک و تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور آسمان والوں نے قلم چلنے کی آواز سنی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۶۳، ۱۵۶۲ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے حکیم بن جابر سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا کسی چیز کو پیدا کرنے میں اپنا ہاتھ نہیں لگایا اپنے ہاتھ سے جنت میں پودا لگایا ورس (ایک قسم کی گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) اور زعفران کو اس کی مٹی بنایا اور اس میں مشک کے پھاڑے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (الدر المشرع ج ۳ ص ۵۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام عبد الرحمن بن محمد بن علی بن الجوزی الحلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

تورات کی الواح کے متعلق سات قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ زمرہ کی الواح تھیں سعید بن جبیر نے کہا: یا قوت کی تھیں مجاہد نے کہا: بن زمرہ کی تھیں ابو العلاء نے کہا: ایک قسم کے کپڑے کی تھیں حسن بصری نے کہا: لکڑی کی تھیں وہب بن منبہ نے کہا: پتھر کی تھیں مقاتل نے کہا: زمرہ اور یا قوت کی تھیں۔ ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سات الواح تھیں ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: دو تختیاں تھیں اور یہ فراک اختیار ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: دس تھیں مقاتل نے کہا: نو تھیں۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۵۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے تھے اور یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عطا فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۱۰ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

تورات میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل مذکور ہونے کی توجیہ

امام غزالی محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی تھی۔

ہر چیز سے مراد عموم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اپنے دین میں حلال حرام اور اچھی اور بری چیزوں کے متعلق جن احکام کی احتیاج تھی وہ سب تورات میں لکھی ہوئی تھیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ فرمایا ہے: ہر چیز سے مراد احکام شرعیہ ہیں مثلاً فرض واجب حلال اور حرام وغیرہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر چیز کی حکمتیں اور عبرتیں وغیرہ ہیں۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۵۸ طبع بیروت)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۱۸ھ نے لکھا ہے کہ عرف اور مکلورہ میں کل شئی سے مراد حقیقتاً عموم نہیں ہوتا جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی کے پاس ہر چیز ہے یا میں شہر میں گیا اور میں نے ہر چیز خرید لی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۵۳)

میں کتابوں اس سے عموم بھی مراد ہو سکتا ہے جب کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ان کو دنیا میں صلاح اور آخرت میں نفع کے لیے جس قدر احکام کی احتیاج تھی اللہ تعالیٰ نے وہ تمام احکام تورات کی الواح میں لکھ دیے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی“۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جس قدر احکام شریعہ دیے تھے تورات میں ان تمام احکام کی تفصیل لکھ دی تھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اجمال احکام بیان فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل سنت اور قیاس سے معلوم ہوئی ہے، لیکن بنو اسرائیل کے لیے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام تفصیلات تورات ہی میں لکھ دی تھیں۔ مثلاً نماز کا قرآن مجید میں اجمال حکم ہے، پانچ اوقات کی تفصیل اور محسن درج نہیں نہ نماز کی رکعات کی تعداد کا بیان ہے اور ہر رکعت میں کیا پڑھنا ہے اس کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ حج کے فرائض، ارکان، شرائط اور موانع کا ذکر نہیں ہے، لیکن تمام امور کی تفصیل سنت میں ہے اسی طرح بعض احکام قیاس سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً خمر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے لیکن دیگر نشہ آور چیزوں کی حرمت قیاس سے ثابت ہے۔ بنو اسرائیل کے لیے قیاس اور اجتہاد نہیں تھا ان کے ہاں سنت اور حدیث کی شرعی حیثیت تھی۔ ان کے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی لہذا جو تفصیلات ہم کو سنت اور اجتہاد سے معلوم ہوئی ہیں وہ تمام تفصیلات اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں لکھ دی تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں احکام بھی لکھے اور تمام احکام سے متعلق ہر تفصیل لکھ دی اس لیے فرمایا ہم نے تورات کی الواح میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

تورات کے احکام کا درجہ بہ درجہ ہونا

اس کے بعد فرمایا اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں۔

آیت کے اس حصہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تورات میں کچھ ایسے حکم بھی ہیں جو بہترین نہیں ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ یہ معنی ”معلوم مخالف کے اعتبار سے لیا گیا ہے“ اور ہمارے نزدیک قرآن اور حدیث میں معلوم مخالف معتبر نہیں ہے اور تورات کے تمام احکام بہترین ہیں اور جن ائمہ کے نزدیک معلوم مخالف معتبر ہے ان کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ تورات کے احکام درجہ بہ درجہ ہیں اور بعض احکام بعض سے زیادہ بہتر ہیں۔

۲۔ بنو اسرائیل کو برے کاموں سے روکا گیا تھا اور نیک کاموں کا حکم دیا گیا تھا اور برائی سے رکنا نیکی کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ معاف کروں یا قصاص لینے سے بہتر ہے اور صبر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ سو ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ قصاص لینے کی بجائے معاف کر دیں اور بدلہ لینے کی بجائے صبر کریں اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكُونُونَ
وَجَرَائِزَ سَبِيحَةٍ يَسْتَلْهِمُ عَفْوَ وَأَصْلَحَ
فَاجْرُهُ عَلَى الْإِيمَانِ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ
(الشوری: ۴۰-۴۱)

اور وہ لوگ جن پر جب (کسی کا) ظلم پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی کی خصل برائی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کے بعد فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ
الْأُمُورِ (الشوری: ۴۲)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور امت کے کاموں (بہترین کاموں) میں سے ہے۔

۳۔ تورات میں فرائض، نوافل اور مباح کاموں کے احکام ہیں، فرائض اور نوافل پر عمل کرنا بہترین عمل ہے اور صرف فرائض پر عمل کرنا اس سے کم درجہ کا ہے اور مباح پر عمل کرنا اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ اسلام میں بھی احکام درجہ بہ درجہ ہیں، پہلے فرائض کا مرتبہ ہے پھر واجبات کا، پھر سنن کا، پھر مستحبات کا، پھر مباحات کا۔

اس کے بعد فرمایا: ”عقرب میں تم کو فاستوں کا گھر دکھاؤں گا۔“ حسن اور مجاہد نے کہا اس سے مراد جہنم ہے۔ عطیہ عوفی نے کہا اس سے مراد فرعون اور اس کی قوم کا گھر ہے جو کہ مصر ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد جابرہ اور عمارتہ کے گھر ہیں، جو ان کو اللہ نے شام میں دخول کے وقت دکھائے تھے۔ سدی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ میں عقرب میں تم کو ان لوگوں کا انجام دکھاؤں گا جنہوں نے میرے احکام کی مخالفت کی تھی، سو یہ تہدید اور تحذیر ہے۔ (زاد المسیر ج ۳، ص ۲۳۰)

الواح تورات میں نبی بیٹھیں اور آپ کی امت کی خصوصیات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۵ھ بیان کرتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے آخر میں پیدا ہوگی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی، تو ان کو میری امت بنادے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے بہترین امت ہے وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ پر ایمان لائیں گے، تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت پہلی کتاب پر اور آخری کتاب پر ایمان لائے گی اور وہ گمراہوں سے قتل کرے گی، حتیٰ کہ کائنات کے کذاب سے قتل کرے گی تو ان کو میری امت بنا دے! فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو کھائے گی اور اس کو اس پر اجر ملے گا تو اس کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ (قتادہ نے کہا تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی شخص صدقہ کرتا اور اس کا وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک انگ بھیجتا وہ اس صدقہ کو کھا لیتی اور اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو وہ بونہی پڑا رہتا اور اس کو درد نہ دے اور پرندے کھا جاتے اور بے شک اللہ نے تمہارے فقراء کے لیے تمہارے اغنیاء سے صدقات کو لیا اور یہ اس کی تم پر تخفیف اور رحمت ہے) کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ اس امت کا جب کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیاں اور اس کی دگنی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے، اس امت کا کوئی شخص جب کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے اور جب وہ عمل کرے تو پھر اس کا ایک گناہ لکھا جاتا ہے تو اس کو میری امت بنادے! فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ وہ امت لوگوں کی دعوت قبول کرے گی اور یمن کی دعا قبول کی جائے گی تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے! پھر حضرت موسیٰ نے کہا اے اللہ! مجھے امت احمد بنادے! فرمایا: میں تم کو وہ ایسی چیزیں دے رہا ہوں جو میں نے کسی کو نہیں دیں، میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ فضیلت دی ہے، یہ ایک چیز ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور دوسری چیز یہ ہے کہ موسیٰ کی قوم سے ایک امت ایسی ہوگی جو حق کے ساتھ ہدایت دے گی اور حق کے ساتھ بدل کرے گی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام مکمل راضی ہو گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۳، رقم الحدیث: ۸۹۶۵)

امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب تورات میں ان خصوصیات کو پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کی ہیں تو اپنے رب سے کہا: اے رب! وہ کون سے نبی ہیں جن کو اور جن کی امت کو تو نے اول و آخر بتلایا ہے؟ فرمایا وہ محمد نبی اسی عربی حرمی تہامی ہیں جو قذیر بن اسماعیل کی اولاد سے ہیں ان کو میں نے محشر میں اول بنایا ہے اور ان کو میں نے (دنیا میں) آخر بتلایا ہے اور ان پر رسولوں کو ختم کر دیا ہے اے موسیٰ! میں نے ان کی شریعت کے ساتھ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ان کی کتب کے ساتھ تمام کتابوں کو اور ان کی ملت کے ساتھ تمام سنتوں کو اور ان کے دین کے ساتھ تمام ادیان کو۔ کہا اے رب! بے شک تو نے مجھے منتخب کیا ہے اور مجھ سے کلام فرمایا ہے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تم میرے معنی ہو اور وہ میرے محبوب ہیں قیامت کے دن میں ان کو بلندی پر اٹھاؤں گا اور ان کے حوض کو سب سے بڑا حوض بناؤں گا اور ان کے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے اور ان کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ کہا اے رب! تو نے ان کو مکرم اور مشرف بتلایا ہے فرمایا: اے موسیٰ! مجھ پر حق تھا کہ میں ان کو مکرم بناتا اور ان کو اور ان کی امت کو فضیلت دیتا کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام غیب پر ایمان لائیں گے۔

کہا اے میرے رب! یہ ان کی نعمت ہے فرمایا ہاں! کہا اے میرے رب! کیا تو نے ان کو جمعہ کیا ہے یا میری امت کو؟ فرمایا بلکہ جمعہ ان کے لیے ہے نہ کہ تمہاری امت کے لیے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں ایک امت کی یہ صفت دیکھی ہے کہ ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے وہ کون ہیں؟ آیا وہ بنو اسرائیل ہیں یا کوئی اور ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے وضو کے آثار سے (قیامت کے دن) ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پل صراط سے بکلی اور آندھ کی طرح گزرے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پانچ نمازیں پڑھے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ بدکاروں کی شفاعت کریں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کا کوئی شخص کوئی گناہ کرے گا پھر وضو کرے گا تو اس کا گناہ بخش دیا جائے گا اور جب وہ نماز پڑھے گا تو بغیر کسی گناہ کے نماز پڑھے گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تیرے رسولوں کی تبلیغ کی گواہی دے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے مل غنیمت کو حلال کر دیا جائے گا جو دوسری امتوں پر حرام تھا وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے تمام روئے زمین تمیم کا آلہ اور مسجد بنا دی جائے گی وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہیں کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم ایسی ہوگی کہ اس کا ایک آدمی کھلی امتوں کے تیس آدمیوں سے افضل ہو گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تجھ سے محبت کرے گی تیرے ذکر میں ہنسا لے گی تیری خاطر غضب میں آئے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے اعمال کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور فرشتے ان کو گلے لگائیں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے درمیانی طبقہ کے لوگوں سے آسمان حساب لیا جائے گا اور ان کے ظالموں کو بخش دیا جائے گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب!

مجھے اس امت میں سے کر دے' فرمایا اے موسیٰ! تم ان میں سے ہو اور وہ تم میں سے ہیں' کیونکہ تم بھی میرے دین پر ہو اور وہ بھی میرے دین پر ہیں لیکن میں نے تم کو اپنی رسالت اور ہم کلام ہونے کی فضیلت عطا کی ہے سو تم شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۵۵-۵۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں' وہ اگر تمام نشانیوں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اختیار کر لیں گے کیونکہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور وہ ان سے غفلت برتتے رہے۔ (الاعراف: ۱۳۶)

اللہ کی آیات سے کفار کے دلوں کو پھیرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے پر کفار کی مذمت کیوں فرمائی ہے؟ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (الانشقاق: ۳۰)
فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ
ان کو کیا ہوا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟
انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔
(المدثر: ۳۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ حسن بھری سے منقول ہے کہ جب کفار اپنے کفر میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جس میں ان کا قلب مرجاتا ہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت مفید نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیتا ہے اور ان کے دلوں پر مر لگاتا ہے۔

تکبر کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں تکبر کرنے والوں پر بھی وعید فرمائی ہے۔ تکبر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ فرماتے ہیں: دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ انسان اللہ کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے، اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لیے تک و دو کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرے اور اس میں وہ بڑے اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام غزالی رحمہ اللہ عمیر ازی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

"وہ تکبر کرتے ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل المخلوق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور یہ تکبر صرف اللہ کو زیبا ہے کیونکہ وہی ایسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے وہی تکبر کی صفت کا مستحق ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی صفت محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے

لے یہ حق ہے اور دوسروں کے لیے باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام رافضی اسفہانی اور امام رازی نے تکبر کا جو معنی بیان کیا ہے وہ درست ہے لیکن تکبر کا شرعی معنی وہ ہے جو نبی ﷺ کی اس حدیث سے مستقل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا: آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو، آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے، تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔

(صحیح مسلم الاصلین: ۳۷۷، ۳۵۹ (۹۱) سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۰۹۹، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۹۹۸، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۵۹،

مسند احمد ج ۱، ص ۳۵، رقم الحدیث: ۳۳۱۰، جامع الاصول: رقم الحدیث: ۸۲۱۰)

تکبر کے معنی کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس محل میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ اس کو دوزخ میں (داخل) کر دے گا، جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ حدیث سنی تو وہ رونے لگے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: اے عبداللہ بن قیس تم کیوں رورہے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے ارشاد کی وجہ سے، آپ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تم جنت میں ہو گے۔ پھر نبی ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اس میں انہوں نے جملہ کیا اور شہوت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث کو تین بار دہرایا، انصار میں سے ایک شخص نے کہلایا نبی اللہ! میں جمل سے محبت کرتا ہوں، میں تلوار محافل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں اپنی جوتی اور اس کے قسموں کو حسین بناتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا میری مراد یہ نہیں ہے، تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔ اس نے کہلایا نبی اللہ! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مل ہو وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے، پھر کوئی شخص اس کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کرے، اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے کہ ایک شخص ناک چڑھا کر آئے اور جب وہ پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے، پس یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان کی عیادت کی اور بکری کا دودھ دیا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔

(الطالب العلیم: رقم الحدیث: ۲۶۷۵، علامہ احمد بن ابی بکر میری متوفی ۸۳۰ھ نے اس حدیث کو مسند عبد بن حمید اور حاکم سے نقل کیا ہے۔)

اتخلف المسلمة الممطرة بزيادة المسانيد العشرة، ج ۸، ص ۳۹۰)

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی آیات

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی سب ذیل آیات ہیں:

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّكْبِرٍ
اسی طرح اللہ ہر مغرور تکبر کے دل پر مرگا دیتا ہے۔

حَبَّارِ (المومن: ۳۵)

اور ہر تکبر معاند ہلاک ہو گیا۔

وَنَحَابِ كُلِّ حَبَّارٍ عَنِيدٍ (ابراہیم: ۱۵)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

أَنَّهُ لَا يُؤْتِي الْمُسْكِرِينَ (النحل: ۲۳)

رَأَى الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي
مَسِيحًا حُلُونًا جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المومن: ۲۰)
تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ عزت میرا تہند ہے اور کبریا (بڑائی) میری چادر ہے جس شخص نے ان میں سے کسی کو بھی کھینچا میں اس کو عذاب دوں گا۔ امام ابو داؤد کی روایت میں ہے جس نے ان میں سے ایک کپڑے کو بھی کھینچا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ (صحیح مسلم البروالصل: ۱۳۶، (۲۳۰) ۱۵۵۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۳ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۷۳ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۸، ۲۳۹)

عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں چوٹی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہٹایا جائے گا جس کا نام بوس ہے اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۰۰ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۹۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹ رقم الحدیث: ۶۱۷۷ للادب المفرد رقم الحدیث: ۵۵۷ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۴)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبر بن میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبر بن کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۳)
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم سے زمانہ جاہلیت کے بوجھ کو اتار دیا ہے اور تمہارے باپ دادا کی بڑائی کو ختم کر دیا ہے اب لوگوں کی دو قسمیں ہیں نیک پرہیزگار وہ اللہ عزوجل کے نزدیک کرم ہے اور قاجر بد بخت وہ اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت و ولادہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۷ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۴)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ اور جنت نے مباحثہ کیا دوزخ نے کہا: مجھ میں متکبرین اور متجربین داخل کیے گئے ہیں اور جنت نے کہا: مجھے کیا پروا ہے جب کہ مجھ میں صرف کمزور عاجز اور حواضع لوگ داخل کیے گئے ہیں۔ (الحدیث: ۱ صحیح مسلم المتفقین: ۲۵، (۲۸۳۶) ۷۰۳۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۵۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا تکبر، خیانت اور قرض۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۵۷۸ مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۳۲)

حضرت عمار بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کیا میں تم کو اہل

جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر کمزور شخص جس کو بے حد کمزور سمجھا جاتا ہو اگر وہ اللہ پر (کسی کام کی) قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم ضرور پورا کرے گا اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش، اکڑ کر چلنے والا، متکبر۔

۱ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۵۷، ۶۰۷۱، ۳۹۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۶
حضرت نسیم بن حمزہ انصطانی جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا: کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور انکبیر المتعل (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً سب سے بڑا ہے) کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے بدلہ میں دنیا لے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو و لعب میں وقت گزارے اور قبروں کو لہو و جسم کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شہوات سے حرام کو حلال کرے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کر دے اور کیسا برا ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کر دے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۶، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۳۳)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد شدہ غلام بلفح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسکین، متکبر، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جانے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۶، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

حضرت ابوسعید جریڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے، پس کسی عربی کو غمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا اور کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے اور مسند بزار میں اس طرح ہے: تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے۔ تمہارا باپ آدم ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔

۱ المعجم الاوسط ج ۵ رقم الحدیث: ۳۳۳، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۴۳، ۳۵۸۳، حنفیہ المیشی نے لکھا ہے کہ مسند ابی یوسف کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۰، مطبوعہ دار الفکر، طبع جدید)

حضرت انس بن مالک جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا دوسرا نبلی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور نبی کریم نے فرمایا: میں نے دوسرے سے کہا اے نبلی۔ دوسرے نے اس کو کہا اے حبشی۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اس طرح نہ کہو تم دونوں (سیدنا) محمد کریم کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابی یوسف ج ۷ رقم الحدیث: ۳۳۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۶، المطالب العلیہ رقم الحدیث: ۲۵۲۳، تحف السادة الصالحة ج ۷)

رقم الحدیث: ۳۰۷

تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے کپڑا نکالنے کا مکروہ تحریمی ہوتا اور تکبر کے بغیر مکروہ تحریمی نہ ہوتا
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کریم نے فرمایا: اللہ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) نکالا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳، صحیح مسلم لباس ۲۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳، سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۷۸۳)

الحدیث: ۵۳۲۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۰، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶، رقم الحدیث: ۵۸۸۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۶۹)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود جو بیڑ کاتبند (ٹخنوں سے) نیچے لٹکا رہتا تھا ان سے اس کے متعلق استفسار کیا گیا انہوں نے کہا میں ایسا شخص ہوں جس کی پنڈلیاں پٹی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۰۶، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی ۱۳۰۶ھ)

تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ کو رد المحتار حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جس شخص نے بغیر قصد تکبر کے تہبند ٹخنوں کے نیچے ہاتھ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا غارش ہو یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھلپے تو اس پر کھیل اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو اور لمبی قمیص یا لباس تہبند اور کوئی چیز ڈھلپنے کے لیے میسر نہ ہو۔ (محرم القاری ج ۲، ص ۲۹۵، مطبوعہ ادارہ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

نیز علامہ یعنی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے اپنے تہبند کے ایک جانب پھسل جانے کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۷۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا تہبند بلا قصد پھسل جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر حال میں تہبند لٹکانے کو مکروہ کہتے تھے اس کے جواب میں علامہ ابن بطل نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کی تشدیدات میں سے ہے ورنہ حضرت ابن عمر تو خود اس حدیث کے راوی ہیں ان سے یہ حکم کیسے غلط ہو سکتا ہے۔

(محرم القاری ج ۲، ص ۲۹۶، مطبوعہ ادارہ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ بدر الدین یعنی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کسوف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جلدی سے اپنا تہبند کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۷۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند کھینچ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

(محرم القاری ج ۲، ص ۲۹۶، مطبوعہ ادارہ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

غیر راوی طور پر تہبند قدموں سے نیچے گھسٹ رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر وہ تہبند یا شلوار اتنی لمبی رکھنا کہ وہ قدموں کے نیچے گھسٹ رہی ہو 'حرام' ہے 'خوف' تکبر کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ اس میں بہر حال اسراف ہے اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے آلودگی کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ البتہ اگر لباس قدموں کے نیچے نہیں گھسٹ رہا تھا صرف ٹخنوں سے نیچے تھا تو یہ بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے اور تکبر کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتونی ص ۵۵۷ لکھتے ہیں:

بخاری کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند کھینچ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(المرقات ج ۸، ص ۲۳۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متونی ۵۲۷ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص تکبر اسراف اور طغیان (سرکشی) کی نیت سے اپنے تہبند کو لٹکاتا ہے اور اس کو کھینچتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف لطف و عنایت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر تہبند اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً سردی ہو یا کوئی بیماری ہو (مثلاً ٹخنے کے نیچے کوئی زخم ہو جس پر کھیل بیٹھتی ہوں ان سے زخم کو بچانے کے لیے ٹخنہ ڈھلپنے) تو بالکل مکروہ نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲، ص ۵۳۷-۵۳۶، مطبوعہ مطبع نجف کمار، کھٹوا)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حرام وہ صورت ہے جب کوئی شخص عجب اور تکبر سے کپڑا نکالے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۵۵۵ مطبوعہ مکتبہ)
نیز شیخ محقق فرماتے ہیں:

طعام اور لباس میں توسیع اسراف اور تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر مباح ہے۔
(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۵۵۸ مطبوعہ نج کمار لکھنؤ)

قلوٹی عالمگیری میں مذکور ہے:

مرد کا تہبند ٹخنوں سے نیچے نکالنا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح خرائب میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتبہ امیریہ کبرئی بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل دہلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پانچوں کا کہیں (ٹخنوں) سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبل کہتے ہیں اگر براہ عجب و تکبر ہے تو قطعاً ممنوع و حرام ہے اور اس پر
دعید شدید وارد۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو نکالیا قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ امام
ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی الفاظ متقاربہ کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو
بلکہ ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے جیسے کہ تکبر کی قید سے تم کو خود معلوم ہو گا حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری
ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے فرمایا تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا براہ تکبر کرتا ہو احادیث میں جو اس پر دعید ہے اس سے
یہی صورت مراد ہے کہ یہ تکبر اسبل کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ دعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت
تذہبی دیتے ہیں۔ قلوٹی عالمگیری میں ہے اگر اسبل تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح خرائب میں ہے۔

بالجملہ اسبل اگر براہ عجب و تکبر ہے حرام ورنہ مکروہ اور خلاف اولیٰ نہ حرام و مستحق دعید۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے
کہ پانچہ جانب پائین نیچے ہوں اور اگر اس طرف کہیں سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا رہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں اس
طرح کا نکالنا حضرت ابن عباس بلکہ خود حضرت سرور عالم ﷺ سے ثابت ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے
کہ عکرمہ نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس نے چادر باندھی اور اگلی جانب سے چادر ان کے قدم کی پشت پر تھی اور چادر کی پچھلی
جانب اوپر اٹھی ہوئی تھی میں نے پوچھا آپ نے اس طرح چادر کیوں باندھی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو
اس طرح چادر باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۰۹۹) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور عدول ہیں جن سے
امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں اس جگہ سے
معلوم ہوا کہ اسبل کی نفی میں ایک جانب سے اونچا کرنا کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ نصف ساق تک
پانچوں کا ہونا بہت عزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الا برار میں تک ہوتی تھی۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۲۵ ایضاً ص ۲۹۵ مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۸ھ)

تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس رکھنے کے جواز پر شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کی تصریحات

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیسی الشافعی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے یہ تصریح کی ہے کہ کپڑا نکالنے کی تحریم تکبر کے ساتھ خاص ہے۔ خواہ ہر احادیث کا یہی تقاضا ہے

اور اگر بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے تو پھر یہ مکروہ تحریمی ہے۔

(شرح المصنوع ج ۸ ص ۲۰۸ مطبوعہ ادارہ القرآن کراچی ۱۴۱۳ھ)
علامہ نووی شافعی اور علامہ کرمانی شافعی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵ مطبوعہ کراچی شرح کرمانی للبغاری ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ بیروت)
حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۴۳ھ لکھتے ہیں:
(موطائیم مالک کی) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے بغیر تکبر کے اپنے تہبند کو گھسیٹا (یعنی تہبند اتار دیا)
تھا کہ زمین پر گھسٹ رہا تھا اور نہ اس میں کوئی اکڑ تھی تو اس کو وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی۔ البتہ تہبند، قیص اور باقی کپڑوں کو
گھسیٹنے ہوئے چلنا ہر حال میں مذموم ہے اور جو تکبر سے کپڑا گھسیٹے اس کو یہ وعید ہر حال لاحق ہوگی۔

(التحذیر ج ۳ ص ۲۴۳ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور فتح المالک تبویب التحذیر لابن عبد البر ج ۹ ص ۳۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ
بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی "الاستاذکار" میں تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنے تہبند یا کپڑے کو تکبر یا اکڑ سے نہیں گھسیٹا تو اس کو یہ وعید مذکور لاحق
نہیں ہوگی اور خیلاء اور بطر کا معنی ہے تکبر کرنا، اکڑ کر چلنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔

(الاستاذکار ج ۲ ص ۱۸۶-۱۸۷ مطبوعہ موسسہ الرسالہ)

علامہ شمس الدین محمد بن مغل قبلی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

صاحب النظم نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو تکبر کا خوف نہ ہو اس کے لیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مکروہ نہیں ہے اور
اولیٰ اس کو ترک کرنا ہے۔ (کتاب الفروع ج ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۵ھ)

ابن کثیر حوالہ جلت سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر تکبر اور اکڑ کر چلنے کی نیت کے بغیر تہبند یا شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو
اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تحریمی یا خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ شلوار یا پاجامہ یا تہبند انسان کی قامت اور اس
کے قد سے لہجہ ہو کہ قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو اگر ایسا ہو تو یہ علامہ ابن عبد البر کی تصریح کے مطابق مذموم ہو گا بلکہ
اسراف اور زمانہ قدیم کی عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہو گا۔
ٹخنوں سے نیچے پائے لٹکانے میں علماء دیوبند کا موقف

(سوال ۱۴۳) زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت ہے جب کہ براہ تکبر و خیلاء ہو جیسا کہ عرب کا دستور تھا
کہ اس پر غر کیا کرتے تھے اور جب کہ تکبر نہ ہو محض خوبصورتی اور زینت کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے (الی قولہ) چنانچہ
احادیث میں اکثر یہ قید مذکور ہے کہ من جرارہ حبلاء (جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا) وغیرہ میں خیلاء کی قید ضرور
ہے اور جو حدیثیں مطلق ہیں جیسے ما أسفل من الکعبین ففی النار (جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے) وہ
بھی حسب دستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ مطلق و مقید دونوں دو واقعہ پر
آئے ہوں جیسے کفارہ قتل و کفارہ ظہار اور اتحدوا واقعہ کے وقت حسب اصول خفیہ مطلق مقید پر محمول ہو جاتا ہے جیسے کفارہ قسم
کا۔ قرائت ابن مسعود میں تنبیہات کے ساتھ مقید ہو جاتا۔ نیز اس کی موید وہ حدیث ہے کہ حضرت نے ما أسفل من
الکعبین کی وعید بیان کی اور فرمایا: من جر ثوبه حبلاء لن یسفل الله الیه یوم القیامہ (جس نے تکبر کی

وجہ سے اپنا کپڑا گھسینا قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا تو حضرت ابو بکر جیڑنے نے فرمایا: یا رسول اللہ! میری ازار لنگ پڑتی ہے الا ان اتعاهد (مگر یہ کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں) تو حضرت نے فرمایا: تم بن لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں (رواہ ابوداؤد، کذا فی المسکوۃ) پس اگر مطلقاً جرازار (تسبند گھسینا) ممنوع ہو تا تو آپ اجازت نہ دیتے تو معلوم ہوا کہ یہ وعید خیلاء (تکبر) ہی کی صورت ہے اور بلا اس کے جائز ہے اس شبہ کا حل مطلوب ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۵۵ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نور الانوار میں ایک حکم میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی بحث میں ہے: صدقہ فطر کے سبب میں دو نصیں وارد ہیں اور اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہے پس ان کے درمیان جمع کرنا واجب ہے یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ علوش واحدہ اور حکم واحدہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یہ اس وقت ہے جب مطلق اور مقید دونوں حکم میں وارد ہوں تضاد کی وجہ سے لیکن جب مطلق اور مقید اسباب یا شروط میں وارد ہوں تو پھر کوئی مضائقہ اور تضاد نہیں ہے پس یہ ممکن ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی تنقید کے ساتھ سبب ہو اور ماسبب فیہ (زیر بحث صورت) میں حکم معصیت ہے اور مطلق جر اور جر الخیلاء اسباب اس کے ہیں یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس مطلق جر کو بھی حرام کہیں گے اور جر الخیلاء کو بھی۔ (مطلق تسبند گھسینا بھی حرام ہے اور تکبر کی وجہ سے گھسینا بھی حرام ہے)

(امداد الفتاویٰ ج ۳، ص ۱۲۲-۱۲۱، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مطلق کو مقید پر محمول کرنے یا نہ کرنے کے قواعد

شیخ تھانوی کا ذکر جواب صحیح نہیں ہے۔ اس جواب کا رد کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے اور نہ کرنے کے قواعد کی وضاحت کر دیں تاکہ عام قارئین بھی اس مسئلہ کو آسانی سے سمجھ لیں۔ فقہاء احناف کے نزدیک جب کسی واقعہ میں ایک حکم ایک جگہ مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ حکم میں تضاد ہو گا۔ ایک جگہ مطلق ہے اور ایک جگہ مقید ہے اس کی یہ مثل ہے:

اللہ تعالیٰ نے قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا کہ وہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے پھر اس کے بعد فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

اور جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے

(المائدہ: ۸۹) رکھے۔

اس آیت میں تین دن کے روزے مطلق ہیں لیکن حضرت ابن مسعود جیڑنے کی قرأت میں ہے فصيام ثلاثة ايام متتابعات تین دن کے مسلسل روزے۔ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے۔ اب اگر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے تو حکم میں تضاد لازم آئے گا۔ اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے اور تین دن کے پے درپے روزے رکھنا قسم کا کفارہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید حکم میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے لیکن جب مطلق اور مقید سبب میں وارد ہوں مثلاً ایک واقعہ میں ایک جگہ حکم مطلق ہے اور دوسری جگہ اس واقعہ میں حکم کا سبب مقید ہے تو اب مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایک حکم کے کئی سبب ہو سکتے ہیں تو جائز ہے کہ ایک سبب مطلق ہو اور دوسرا سبب مقید ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو اور دوسری حدیث میں ہے ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔ پہلی حدیث میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور

دوسری حدیث میں مفید ہے، یعنی مسلمان غلام کا ذکر ہے۔ اب مطلق کو مقید پر نہیں محمول کیا جائے گا کیونکہ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا سبب سر (فخص) ہے، پہلی حدیث میں اس حکم کا سبب مطلق سر یعنی (مطلق) غلام ہے اور دوسری حدیث میں مقید سر (فخص) یعنی مسلمان غلام اس حکم کا سبب ہے اور ایک حکم کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان میں تضاد نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

(نور اللانوار ص ۱۵۹-۱۶۰ مطبوعہ کراچی، التوفیق والعلوم، ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ کراچی، ميسرہ القریب ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۰، کشف

الاسرار ج ۲ ص ۵۳۵-۵۳۴)

شیخ تھانوی کے دلائل پر بحث و نظر

اس تمہید کے بعد ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ شیخ تھانوی کا جواب صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ زیر بحث صورت میں حکم معصیت (نافرمانی) ہے اور مطلق جر اور جر للیاء اسباب اس کے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۲)

جر ثوب یا جر ثوب للیاء (کپڑا گھسیٹنا یا تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹنا) یہی تو بینہ معصیت اور نافرمانی ہے۔ تھانوی صاحب اسی کو حکم بھی قرار دے رہے ہیں اور اسی کو حکم کے اسباب بھی قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح کون الشیء سبب السفسہ (کسی چیز کا خود اپنا سبب ہونا) ہے اور یہ بدعت باطل ہے، سبب مقدم ہوتا ہے اور اس کا حکم موخر ہوتا ہے اور جب ایک چیز خود اپنا سبب ہوگی تو وہ اپنے آپ پر مقدم ہوگی اور یہ علمی اصطلاح میں دور ہے جو عقلاً محل اور باطل ہے۔

نیز تھانوی صاحب نے لکھا ہے اس بحث میں حکم معصیت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۲) واضح رہے کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک حکم منطقی یا نحوی ہے۔ اس کی تعریف ہے ایک امر کا دوسرے امر کی طرف ایجاب یا سلباً استناد اور دوسرا حکم شرعی ہے اس کی تعریف ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم جو مکلفین کے الفعل سے متعلق ہو۔ (التعلیقات ص ۶۶-۶۵، مطبوعہ مکہ مکرمہ) اور مطلق اور مقید کی اس بحث میں حکم سے مراد حکم شرعی ہے یعنی اللہ اور رسول کا حکم۔ پہلے حکم کی مثل ہے کفارہ قسم میں تین دن کے یا مسلسل تین دن کے روزے رکھنا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسرے حکم کی مثل ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کر دیا ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کر دینا یہ رسول پر حکم کی مثل ہے۔

اس جواب میں دوسری غلطی یہ ہے کہ اس جواب میں معصیت کو حکم کہا گیا ہے حالانکہ اللہ جل وعلا اور اس کے رسول ﷺ معصیت کا حکم نہیں دیتے بلکہ معصیت نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس حدیث میں سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص فعل پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ کرنے کی وعید سنائی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث اس مخصوص فعل (تکبر سے کپڑا گھسیٹنے) کی ممانعت یا اس سے اجتناب کے حکم کو مستحسن ہے، ہم اس حدیث کو بیان کر کے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ عن السبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبه خیلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة قال ابو بکر: يا رسول الله ان احد شقی اراری یستر عی الا ان اتعاهد دالک منه فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لست ممن یصنعه خیلاء۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کے سبب سے اپنا کپڑا گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! میرے تہجد کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے، سو اس کے کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو یہ (تہجد گھسیٹنا) تکبر سے کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳)

بیان القرآن

اس حدیث میں تبند ٹھہنے پر وعید کو نبی ﷺ نے وجود اور عدا خلاء (کبیر) پر معلق فرمایا ہے۔ وجود کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص کبیر سے تبند ٹھہنے اس پر آپ نے وعید سنائی ہے اور عدا کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا: تم کبیر سے ایسا نہیں کرتے یعنی تم کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔ شیخ تھانوی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ خلاء سبب ہوتا ہے محمد کا اس لیے سبب بول کر مسبب مرلو لیا گیا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۳) یعنی آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم کبیر سے ایسا نہیں کرتے اس کا معنی ہے تم عدا ایسا نہیں کرتے اور کبیر سے مراد محمد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل باطل ہے کیونکہ سبب بول کر مسبب مراد لینا نماز ہے اور نماز کا ارادہ اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محل یا متعذر ہو اور یہی اس کلام کو حقیقت پر محمول کرنے اور کبیر کا معنی مراد لینے پر کوئی عقلی یا شرعی مانع نہیں ہے اس لیے کلام رسول کو اپنی خواہش کا معنی بللو جب پرانا باطل ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ کپڑا نکالنے یا ٹھہنے کی علت کبیر ہے تو جس صورت میں کبیر نہیں ہو گا اس صورت میں وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ دیکھئے رہا بافضل کی حرمت کی علت قدر اور جنس کا تعلق اور حج کا ادھار ہونا ہے اور جب یہ علت نہیں ہوگی تو رہا بافضل حرام نہیں ہوگا۔ یا جیسے نماز کی شرط وضو ہے جب وضو نہیں ہو گا تو نماز نہیں ہوگی یا جیسے مثلاً مغرب کی نماز کا سبب غروب آفتاب ہے جب غروب آفتاب نہیں ہو گا تو مغرب کی نماز فرض نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب کپڑا نکالنے میں کبیر نہیں ہو گا تو اس کی وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ بعض اہل حدیث میں کپڑا نکالنے پر وعید ہے مگر وہی خلاء یا کبیر کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً:

عن امی سريرة بنی شبر عن السبی بنی شبر ما
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
اسفل من الکعبین من الارار ففی النار۔ تبند کا جو حصہ ٹخنوں سے لگے باہر گھوم دو رخ میں ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض اوقات کسی حکم یا کسی فعل کی کوئی شرط یا اس کا کوئی سبب یہ طور قید بیان فرماتے ہیں اور پھر اس حکم یا فعل کو اس قید کے بغیر بھی بیان فرماتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو تا کہ اب وہ قید معتبر نہیں ہے، وہ قید اب بھی معتبر ہوتی ہے اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ حدیث دلیل ہوتی ہے جس میں اس قید کا ذکر فرمایا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

عن السبی بنی شبر لیس فی مال زکوۃ حتی
نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک سال نہ گزر جائے کسی مال
یحول علیہ الحول۔ میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے وجوب زکوۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ بے شمار احادیث ہیں جن میں اس شرط کا ذکر نہیں ہے اس کے باوجود وجوب زکوۃ میں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس شرط کا ذکر ہے۔ ہم صرف ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں وجوب زکوۃ کے لیے اس شرط کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی بے شمار احادیث ہیں:

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
علیہ وسلم قد عفوت عن الخیل والرقیق
فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں سے زکوۃ معاف کر دی۔
فہاتوا صدقة الرقة من کل اربعین درهما
تم ہر چالیس درہم سے ایک درہم چاندی زکوۃ دو اور ایک سو
درہم و لیس فی تسعین و مائة شیء فاذا
نوسے درہم میں بالکل زکوۃ نہیں ہے اور جب دو سو درہم ہو
بلغت مائتین فمبہا خمسة دراهم۔ جائیں تو اس میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۷۶)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں تبند ٹھہنے یا ٹھٹھوں سے بچنے ٹٹٹٹے پر وعید بیان فرمائی اور اس کو تکبر پر متعلق فرمایا اور بعض احادیث میں اس قید کا ذکر نہیں فرمایا تو جن میں اس قید کا ذکر نہیں ہے وہیں بھی اس قید کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ احادیث دلیل ہیں جن میں آپ نے اس قید کا ذکر فرمایا ہے جس طرح ہم نے زکوٰۃ میں صل گزرنے کی شرط کے متعلق بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے عی محمد ہے جس نے مجھے اس مسئلہ کو حل کرنے کی توفیق دی اور شاید کہ قارئین کو کسی اور جگہ یہ تفصیل اور اس مسئلہ کا حل نہ مل سکے۔

شیخ کشمیری اور شیخ میرٹھی کے دلائل
شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک کپڑے کو ٹھیننا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور اگر تکبر کے بغیر کپڑا ٹھینا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہوگی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کی کپڑا ٹھیننے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تبند نہیں ٹھینتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے تبند ٹھیننے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تبند نہ باندھیں ان کا تبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کی مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابوبکر کا آپ سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بہ طور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تبند ٹھیننا ممنوع ہے) اور اگر ان کے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر نے یہ سوال کیا تھا یا رسول اللہ! میرے تبند کی کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۳) اور کسی مناسب امر کو بہ طور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تبند ٹھیننا اس شخص کے لیے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تبند باندھ سکتا ہو اس لیے نفا تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔ شیخ بدر عالم میرٹھی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ شریعت نے صرف ٹھیننے کو تکبر قرار دیا ہے کیونکہ جو لوگ اپنے کپڑوں کو ٹھینتے ہیں وہ صرف تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اپنے زمانہ میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے (مشاہدہ لکھنا چاہیے تھا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر ہمارے زمانہ میں اس طرح نہ ہوتا تو عرب میں ہر حال اس طرح ہوتا تھا اور اب اس حکم میں سبب کو سبب کے قائم مقام کرنا ہے (کپڑا ٹھیننا سبب ہے اور تکبر سبب ہے اور کپڑا ٹھیننے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ تکبر کا سبب ہے۔ سعیدی غفرلہ) جیسے نیند حدیث (وضو ٹوٹا) نہیں ہے لیکن وہ پٹھوں کے ذمیلے ہونے کا سبب ہے جس سے غموا ہو خارج ہو جاتی ہے اس لیے نیند کو حدیث کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح سفر مشقت کے قائم مقام ہے اور مباشرت فاحشہ بھی کسی چیز کے ٹٹٹنے کا عائد سبب ہے اس لیے مباشرت فاحشہ کو حدیث اکبر کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح کپڑا ٹھیننا بھی تکبر کا سبب ہے اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جس کا ادراک کرنا مشکل ہے جیسے سفر میں مشقت اور نیند میں حدیث اور مباشرت فاحشہ میں کسی چیز کا ٹٹٹنا۔ اس لیے کپڑا ٹھیننے پر ممانعت کا حکم لگا دیا گیا علاوہ ازیں ہم نے تجربہ کیا

ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے اسی وجہ سے نیک اور اچھے نام رکھنے کا حکم ہے اور جس شخص نے کپڑا کھسینا وہ اس بات سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے باطن میں تکبر سرایت کر جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ نصف پڑیوں تک تبند باند ہو۔ اور اگر تم انکار کرو تو ٹخنوں میں تمسار احق نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۳۳ - سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۴۳)

اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث احکام لباس سے ہے اور ٹخنوں سے نیچے ہمارا حق نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت میں تکبر کی خصوصیت نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو بھی ایک پشت سے زیادہ لباس لٹکانے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ ان کو لباس لٹکانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب میں تکبر یا عدم تکبر کا فرق نہیں کیا۔

(فیض الباری مع الخاشیہ ج ۳، ص ۲۷۳-۲۷۴، مطبوعہ مجلس علمی سورت حد ۱۳۵۷ھ)

شیخ کشمیری، شیخ میر غمی اور جسٹس عثمانی کے دلائل پر بحث و نظر
شیخ بدر عالم میر غمی نے لکھا ہے جس طرح نیند حدیث کا سبب ہے اور مباشرت فاحشہ حدیث اکبر کا سبب ہے اور سفر مشقت کا سبب ہے، اسی طرح ہم جراثیم (کپڑا کھسینے) کو تکبر کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کی ابتداء میں جسٹس محمد تقی عثمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نیند کا حدیث کے لیے سبب ہونا اور مباشرت فاحشہ کا حدیث اکبر کے لیے سبب ہونا خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں بند رہتا ہے۔ اس پر دوسری چیزوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ان چیزوں کو شارع علیہ السلام نے سبب قرار دیا ہے اس لیے وہ ثابت ہیں۔ اور ہماری اور آپ کی وہ حیثیت نہیں ہے کہ ہم از خود کسی چیز کو کسی چیز کا سبب قرار دیں اور وہ حجت شرعیہ ہو جائے۔ نیز شیخ کشمیری اور شیخ میر غمی کا کلام جراثیم (کپڑا کھسینے) میں ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ ہمارے نزدیک وہ لباس جائز ہے جو بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو اور پسینے والے کے قد سے متجاوز نہ ہو اور اس کے جواز میں مذہب اربعہ کے فقہاء متفق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر بہت طویل کلام کیا ہے جس کو جسٹس محمد تقی عثمانی نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ بدر عالم میر غمی کے کلام کا خلاصہ لکھا ہے اور آخر میں یہ طور حاصل بحث یہ لکھا ہے کہ اگر انسان قصد اسہل (ٹخنوں سے نیچے تبند باندھے) کرے تو وہ مطلقاً منوع ہے، خواہ وہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے اور اگر اس کا تبند بلا قصد ٹخنوں سے نیچا رہا تو یہ وہ صورت ہے جس کو نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے جائز فرمایا تھا۔

(مکمل فتح العلم ج ۳، ص ۱۲۳، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

جو کام بلا قصد ہو وہ خارج از بحث ہے کیونکہ اگر کوئی کام پر مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اسہل ثوب اگر انسان کی قیامت سے متجاوز نہ ہو اور بغیر تکبر کے ہو تو وہ مذہب اربعہ کے فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور جراثیم مطلقاً منوع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس لیے جسٹس صاحب کا اسہل ثوب کو مطلقاً منوع کہنا غیر مسوع ہے۔ البتہ مشہور دیوبندی محدث شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۲ھ نے فقہاء مذہب اربعہ کے مطابق لکھا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانا حرام نہیں ہے۔ مکروہ تنزیہی ہے۔

(الطریق المسیح ج ۳، ص ۳۹۵-۳۸۳، مطبوعہ لاہور)

نخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہماری تحقیق یہ ہے کہ احادیث میں جرثوب اور اسہل الازار کے الفاظ ہیں۔ جرثوب کا معنی ہے کپڑا گھسیٹنا اور اسہل الازار کا معنی ہے تہبند کا نخنوں سے نیچے ہونا۔ اگر کوئی مرد جرثوب کرے یعنی اس کا تہبند یا شلوار کا پانچہ نخنوں سے بہت نیچا ہو حتیٰ کہ اس کے قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو تو یہ بغیر تکبر کے بھی مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں بغیر کسی ضرورت اور بغیر کسی فائدہ کے کپڑے کو ضائع کرنا ہے۔ سو یہ اسراف کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کپڑا قدموں کے نیچے زمین پر گھسٹتا رہے گا تو نجاست کے ساتھ آلودہ ہو گا اور کپڑے کو مکمل نجاست میں ڈالنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ عہد رسالت میں عورتیں کپڑا گھسیٹ کر چلتی تھیں اور مردوں کے لیے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے اگر جرثوب بغیر تکبر کے ہو پھر بھی مکروہ تحریمی ہے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی نے اس کو مذموم فرمایا ہے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۲۴۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۳۳۳) اور اگر جرثوب (کپڑا گھسیٹنے) کے ساتھ تکبر بھی ہو تو یہ شدید مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے۔ اور اگر اسہل الازار ہو یعنی تہبند یا شلوار کا پانچہ نخنوں کے نیچے ہو لیکن اس کے قد اور قامت کے برابر ہو گھسٹ نہ رہا ہو تو اگر اس میں تکبر نہیں ہے صرف زینت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ صرف خلاف اولیٰ ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے اور اکڑا کر چلے اور اتڑاتا ہے تو پھر یہ تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حرمت کی علت صرف تکبر ہے اگر ایک مرد نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھتا ہے اور اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار سمجھتا ہے اور ان کو حقیر سمجھتا ہے تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے اس لیے حرمت میں اصل تکبر ہے۔

ہماری اس تحقیق کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی اس عبارت میں ہے:

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے نخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا مکمل مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے نخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہوگی، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر نخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے۔ کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس غرض سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شامل (رقم الحدیث: ۳۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم الحدیث: ۹۷۸۳-۹۷۸۴) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا تاکہ ایک شخص نے کہا اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقاء ہے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نیا نکلا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ نے آدھی پنڈلیوں

تک تبند ہوا تھا (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۳) اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑا گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ (الی قولہ) قامت سے نیچے کپڑا نکالنا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے 'احمد بن منیع نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم تبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تبند کو گھسیٹنا تکبر سے ہے۔ (الحج)

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۳-۲۶۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

مٹھنوں سے نیچے لباس رکھنے کے متعلق حرف آخر

حافظ ابن حجر مستقلانی نے اس طویل عبارت کے شروع میں ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر کپڑا مٹھنوں سے نیچے لٹک رہا ہو اور وہ اس کی قامت کے برابر اور بغیر تکبر کے ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہے اور اگر وہ اس کی قامت سے متجاوز ہو اور اس کے قدموں تلے گھسٹ رہا ہو تو پھر وہ حرام ہے۔ جسٹس تقی عثمانی نے یہ پوری عبارت نقل کی ہے پھر بھی نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قصد کپڑا نکالنا مطلقاً حرام ہے اور یہ نتیجہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کے خلاف ہے بلکہ اگر اس کو اجماع حقدین کے خلاف کہا جائے تو بعید نہ ہوگا

شیخ محمد زکیا سارنپوری متوفی ۱۳۳۶ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں حافظ مستقلانی کی اس تمام عبارت کو نقل کیا ہے 'اخیر میں انہوں نے لکھا ہے جو شخص تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹے اس کو وعید لاحق ہوگی اور جو شخص کپڑا الٹا ہونے کی وجہ سے اس کو گھسیٹے یا کسی اور عذر کی وجہ سے اس کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔ (ادب المساک ج ۶ ص ۲۰۸-۲۰۹ مطبوعہ سارنپور ہند)

ہمارے نزدیک اگر کسی شخص کا کپڑا الٹا لبا ہے کہ وہ قدموں تلے آکر گھسٹتا ہے تو اس کو پہننا جائز نہیں ہے 'اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو چھوٹا کرے یا دو سرا پورا لباس پہنے۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسبل ثواب اور جر ثوب میں فرق نہیں کیا۔

بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ علماء دیوبند کا تبند یا شلوار کے پانچوں کو بغیر تکبر کے بھی مٹھنوں سے نیچے لٹکانے کو حرام قرار دینا مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء کے خلاف ہے۔ مگر کی قامت تک کپڑے کا طول بلا تکبر جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کپڑا قامت سے متجاوز ہو اور قدموں تلے آکر گھسٹ رہا ہو ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے۔

میں نے اس مسئلہ پر شرح صحیح مسلم میں بھی کافی سطر سے لکھا ہے 'لیکن یہاں بہت زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اس مسئلہ میں لوگ بہت تشدد کرتے ہیں اور جس کا پانچہ مٹھنوں سے نیچے ہو اس کو نماز دہرانے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ مفتی رشید احمد نے احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطور کو نفع دے دے بنائے اور ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے جو مسائل شریعہ میں ایسی تشدید کرتے ہیں جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں۔ جب کہ دین آسان اور سہل ہے۔ اور نبی ﷺ نے دین میں سختی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین و علی آلہ المطہرین واصحابہ الکاملین وازواجه الطیبات امہات المومنین ووسائلہ المسلمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی ان کے سب (بیک) عمل ضائع ہو گئے ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔ (الاعراف ۷: ۳۷)

کفار کی نیکیوں کا ضائع ہو جانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا تھا جو باحق تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور ان کے اسی تکبر اور تکذیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا اب وہ تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے وہ نیکی کا راستہ دیکھنے کے باوجود اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ برائی کا راستہ دیکھیں تو فوراً اس کی طرف لپک پڑیں گے۔ اس مقام پر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہتا کہ ان میں سے بعض کافروں نے کچھ نیک عمل بھی تو کیے تھے مثلاً رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ماں باپ کی خدمت، کمزوروں کی مدد، غداروں، یتیموں اور یتیموں کی کفالت، رفقاء عامہ کے کام مثلاً کتوں میں کھانا، سرائے بنانا، سڑکیں بنانا، آیا ان کو ان نیک کاموں کی کوئی جزا ملے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا چونکہ انہوں نے کفر کیا، ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا اس لیے ان کے تمام نیک اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اعمال صالحہ کے قبولیت کی شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنَسَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيٰوةً قَلِيَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحمل ۹)

مرد ہو یا عورت جس نے بھی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ضرور ان کو ان کے کئے ہوئے نیک کاموں کا اجر عطا فرمائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم کافروں کے تمام اعمال کو ضائع فرما دیں گے۔

وَقَدْ مَنَّآ لَی مَا عَمِلُوا مِّنْ عَمَلٍ فَلَحَقْنَاهُ
هَبَآةً مِّنْثُورًا (الفرقان ۲۴)

کفار ہمارے پاس جو بھی اعمال لے کر آئیں گے ہم ان کو (ضائع) بکھرے ہوئے غبار کے ذرے بنا دیں گے۔

مَنْ يَكْفُرْ بِالْإِسْلَامِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ
(النائدہ: ۵)

جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کی نیکیوں کی وجہ سے آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْقَرُونَ (البقرہ: ۷۶)

کفار کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کیا اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش دے۔

(صحیح مسلم الايمان ۳۶۵، (۲۱۳) ۵۰۷)

تاہم یہ معاملہ بہ طور عدل ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کافر کو اسلام لانے کے بعد اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر عطا فرماتا ہے یا کسی کافر کی نیکیوں کے عوض اس کے عذاب میں تخفیف کر دے تو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ ابولہب اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف اسی وجہ سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربت اور حسن سلوک کی وجہ سے

ابو طالب اور ابولسب کو عام قلعہ سے مستثنیٰ کر لیا گیا۔

فرائض اور واجبات کے ترک پر مواخذہ کی دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے: "ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے" اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حرام اور ناجائز کام وہ کرتے تھے اس پر ان کو سزا ملے گی اور جو کام وہ نہیں کرتے تھے اس پر ان کو سزا نہیں ملے گی، یعنی سزا فعل پر ہوگی اور ترک فعل پر سزا نہیں ہوگی۔ تو کافروں نے جو فرائض اور واجبات کو ترک کیا اس آیت کی رو سے ان کو اس پر سزا نہیں ملے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے وقت میں فرض اور واجب کو ادا کرنے کے بجائے کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے سو ان کو ان کاموں پر سزا ملے گی جو وہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے اوقات میں کرتے تھے کیونکہ جس وقت میں فرض ادا کرتا تھا اس وقت میں کوئی اور کام کرنا حرام تھا۔ وہ سزا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں فرض اور واجب کے ترک پر بھی سزا کی وعید سنائی ہے:

فِي ثَلَاثِ مَنَاسٍ ۝ عَنِ الْمُحَرِّمِينَ ۝
مَا سَأَلْتَكُمْ فِي شَيْءٍ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُنْ بِشَيْءٍ
الْمُتَصِلِينَ ۝ وَلَمْ نَكُنْ نَطْلُبُ الْمُتَصَلِينَ ۝
(المائدہ: ۴۲-۴۰)

وہ جنہوں میں ایک دوسرے سے بھرموں کے متعلق سوال کر رہے ہوں گے (بھرموں سے پوچھیں گے) تم کو کس گناہ نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حرام کاموں کے ارتکاب پر عذاب ہوگا اسی طرح فرائض اور واجبات کے ترک پر بھی عذاب ہوگا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے بھرموں کا ایک مجسمہ بنایا جس سے بیل کی آواز

لَهُ خَوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يَكْلِمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا

نکلتی تھی، کیا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے، (بھیر بھی)

اِتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ۝ وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا

انہوں نے اس کو مجبور بنایا اور وہ ظالم تھے ۝ اور جب ان کی خود فریبی کا طعم چاکا تو انہوں نے جان لیا کہ

أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۚ قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ

وہ گمراہ ہو چکے ہیں، تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الْخُسِرِينَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غصناک ہو کر تاسف سے کہا، تم نے

قَالَ يَبْنَؤُا خَلْفَتُوْنِيْ مِنْ يَّعْدِيْ اَعْجَلْتُمْ اَمْرًا يَّكُمْ وَالْقَىٰ

یہ کہ جانے کے بعد میرے پیچھے کیے بڑے کام کیے، کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی؟

الْاَلُوْاحَ وَاَخَذَ بِرَاسِ اَخِيْهِ يَجْرُهُ اِلَيْهِ ط قَالَ ابْنُ اَمْرِ اَنَّ

اٹھ انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہلائے میری ماں

الْقَوْمَ اسْتَضَعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاءَ

کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے تھے آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں

وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ط قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ

اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیے ○ کوئی نے دعا کی ہے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف

وَاَدْخَلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ط وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ط

کر مجھے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرماتے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے لیوانے کے بعد اپنے دیوہوں سے چھڑے کا ایک مجسمہ بنالیا جس سے بتل کی آواز نکلتی تھی کیا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا تھا نہ ان کو راستہ دکھا سکتا تھا (پھر بھی) انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے ○ (الاعراف: ۳۸)

بنو اسرائیل کے پچھڑا بنانے اور اس کی پرستش کرنے کے متعلق روایات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون سے قہر ہو گئے، طور پر جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر سے نجات دی اور فرعون کو غرق کر دیا، حضرت موسیٰ ارض طیبہ میں پہنچے، اللہ تعالیٰ نے وہاں ان پر من اور سلوٹی نازل کیا، اور اللہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس سے طاقت کریں۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے طاقت کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنی قوم پر خلیفہ بنالیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس سے معلوم کیے بغیر ان سے وعدہ کر لیا کہ وہ تمہیں راتوں کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اللہ کے دشمن سامری نے کہا تمہارے پاس موسیٰ نہیں آئیں گے اور تمہاری اصلاح صرف خدا کرے گا جس کی تم عہد کرتے ہو، حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو قسم دی کہ تم ایسا نہ کرو تم ایک دن اور ایک رات حضرت موسیٰ کا اور انتظار کرو اگر وہ آ جائیں تو فیماورنہ پھر تم جو جی میں آئے کرنا۔ پھر دوسرے دن بھی حضرت موسیٰ نہیں آئے تو سامری نے پھر وہی بات کی۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دس دن اور پچاس دن کی مدت ہو گئی ہے۔

ابو بکر بن عبد اللہ المحزلی بیان کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگا: ہم نے قبیلوں کی عید کے دن ان سے ہمت سے دیورات عاریتہ لیے تھے اور جو لوگ آپ کے پاس ہیں وہ

جلدی جلدی ان زیورات کو بیچ کر خرچ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ فرعون کی قوم سے عارت لیے تھے اور اب وہ زندہ نہیں ہیں کہ ہم ان کو وہ زیورات واپس کر دیں اور ہم کو پتا نہیں کہ آپ کے بھائی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ جب آئیں گے تو ان کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہوگی یا تو وہ اس کی قربانی پیش کریں گے پھر آگ اس کو کھا جائے گی اور یا ان کو صرف فقراء کے لیے وقف کر دیں گے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: تم نے ٹھیک سوچا اور ٹھیک کہا۔ پھر آپ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس شخص کے پاس آل فرعون کے جتنے بھی زیورات ہوں وہ ہمارے پاس لے آئے۔ وہ ان کے پاس تمام زیورات لے آئے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اے سامری! تم اس خزانے کو رکھنے کے زیادہ حقدار ہو۔ سامری نے ان زیورات پر قبضہ کر لیا اور وہ غیبت و دشمنی خدا سونے کو ڈھلنے والا تھا اس نے اس سے ایک پھڑے کا مجسمہ بنایا اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشن سے ایک مٹھی بھر مٹی لی تھی اس نے اس پھڑے کے کھوکھلے پیٹ میں وہ مٹی ڈال دی تب وہ مجسمہ پھڑے کی سی آواز نکالنے لگا اس نے صرف ایک بار یہ آواز نکالی تھی۔ سامری نے کہا میں راتوں کے بعد جو حضرت موسیٰ نہیں آئے تو وہ دراصل اسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَدًّا لَهُ حَوَارٍ مَقَالُوا
هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى قَتِيلًا (طہ ۸۸)
سامری نے ان کے لیے پھڑے کا بے جان مجسمہ بنا کر نکالا
لوگوں نے کہا: یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود موسیٰ تو بھول
گئے۔

سامری یہ کہتا تھا کہ موسیٰ تو بھول گئے تمہارا اصل خدا تو یہ ہے۔

(جامع البیان ۷: ۹۷ ص ۶۵-۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سامری کے متعلق علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ ساموہی ایک بستی کی طرف منسوب تھا جس میں بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا تھا وہ اسی سال پیدا ہوا تھا اس کی ماں نے اس کو پہاڑ کے ایک غار میں چھپا دیا تھا۔ حضرت جبرئیل اس کو غذا پہنچاتے رہے تھے اس وجہ سے وہ حضرت جبرئیل کو پہچانتا تھا جب جبرئیل سمندر کو عبور کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تاکہ فرعون بھی سمندر میں آجائے تو سامری نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے کچھ مٹی اٹھالی تھی۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کا یہی معنی ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مِيرِي ۝ قَالَ بَصُرْتُ
بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ
الرَّسُولِ فَكَذَّبْتُهَا وَأَكْذَبَكَ سَوَلَّتْ لِي
نَفْسِي ۝ (طہ ۹۴-۹۵)

(موسیٰ نے سامری سے) کہا اے سامری تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو وہ سروں نے نہیں دیکھی تو میں نے رسول (جبرئیل کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اس کو (پھڑے کے پتے میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۷ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو خطبہ دیا اور فرمایا تم جب مصر سے روانہ ہوئے تو تمہارے پاس قوم فرعون کی امانتیں تھیں اور عارت لی ہوئی چیزیں تھیں اور میرا خیال ہے وہ چیزیں

تمہارے پاس ہیں اور میں ان امتوں کو اور مانگی ہوئی چیزوں کو تمہارے لیے حلال نہیں قرار دیتا۔ اب ہم وہ چیزیں ان کو واپس تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور قوم کو حکم دیا کہ جس شخص کے پاس بھی ان امتوں اور مانگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں لا کر ڈال دے۔ جب لوگوں نے سب کچھ ڈال دیا تو حضرت ہارون نے اس میں آگ لگا دی اور فرمایا یہ چیزیں ان کے لیے رہیں نہ ہمارے لیے ہوں گی۔ اور سامری کا اس قوم سے تعلق تھا جو بیل کی عبادت کرتی تھی۔ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا ان کا پڑوسی تھا۔ اس نے بھی وہی مصائب اٹھائے تھے جو بنو اسرائیل نے اٹھائے تھے۔ اس کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے حضرت جبریلؑ کی سواری کے نقش قدم کو دیکھ لیا تھا اور اس سے ایک مٹھی خاک کی اٹھالی تھی۔ حضرت ہارون نے اس سے پوچھا کہ تیری مٹھی میں کیا ہے اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ آپ یہ دعا نہ کریں کہ جب میں اس مٹھی کو ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بن جائے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: تم اس کو گراؤ اور اس کے لیے دعا کی۔ اس نے کہا میں بیل بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے اس گڑھے میں سے تمام لوہے، ہٹل اور زیورات وغیرہ کو نکالا تو وہ ایک کھوکھلا بیل بن گیا اور اس سے بیل کی سی آواز آ رہی تھی۔

قلوہ نے کہا: جب سامری نے پھجڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت اور خون کا بنا دیا اور اس سے آواز آ رہی تھی۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ خدا وہ پھجڑا از خود آواز نہیں نکالتا تھا لیکن اس کی دیر (مقعد) میرزا سے ہو اس کے اندر داخل ہوتی تھی اور اس کے منہ سے نکل جاتی تھی اور اس ہوا کے گزرنے سے وہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ آواز نکالتا تو بنو اسرائیل سجدہ میں گر جاتے اور جب وہ خاموش ہوتا تو وہ سجدہ سے اپنا سر اٹھا لیتے تھے۔

ضحاک سے روایت ہے کہ اس نے صرف ایک بار آواز نکالی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ وہ ان سے بات کرتا تھا نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا (لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ بار بار بیل کی سی آواز نکالنا اس کے بات کرنے یا کسی بات کے جواب دینے کے ہم معنی نہیں ہے)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۶۹-۱۵۶۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

کلام کرنے اور ہدایت دینے پر مدار الوہیت کی توجیہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے پھر بھی انہوں نے اس کو معبود بنا لیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ پھجڑا ان سے بات کر سکتا یا ان کو راستہ دکھا سکتا تو پھر بنو اسرائیل کا اس کو معبود قرار دینا صحیح ہوتا۔ حالانکہ محض کسی سے بات کرنے یا کسی کو راستہ دکھانے پر تو الوہیت کا مدار نہیں ہے اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

۱۔ الوہیت کا مدار صفت حقیقہ پر ہے: حیات، علم، قدرت، کلام، سمع، بصر اور ارادہ۔ ان میں سے ایک صفت کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا یہ معنی ہے کہ وہ از خود کلام فرماتا ہے اور کسی غیر کی قدرت اور عطا کا اس میں دخل نہیں ہے اور جس کی یہ ایک صفت کلام حقیقی ہوگی اور بغیر کسی احتیاج کے ہوگی اس کی تمام صفت حقیقی ہوں گی اور اب آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ پھجڑا تو مطلقاً کلام نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کلام اس کی حقیقی صفت ہو اور وہ بغیر کسی احتیاج کے کلام کرے تو پھر اس کو معبود

قراردینا کس طرح صحیح ہو گا

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ ہدایت کو پیدا کرتا ہے اور یہ چھڑا جو مطلقاً ہدایت نہیں دے سکتا وہ ہدایت کو پیدا کر سکتا ہے تو پھر اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا

۳۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات و صفات کی ہدایت حاصل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر جو دلائل قائم کیے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر جو نشانیوں ہیں انسان ان میں صحیح طریقہ سے غور اور فکر کرے "میں وہی ہدایت دے سکتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ان نشانیوں کو پیدا کرے" اور یہ چھڑا جو اپنے وجود میں خود دوسروں کا مخرج تھا اور یہ ظاہر سامری کے بتانے سے وجود میں آیا یہ ان نشانیوں کو کیونکر بنا سکتا تھا تو یہ ہدایت دینے پر کیسے قادر ہو سکتا تھا۔ تو اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا۔

۴۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے کہ یہ چھڑا جو ان چیزوں پر بھی قدرت نہیں رکھتا جن پر عام انسان قادر ہیں تو تفہیم نے ایسے کو خدا مان لیا ہے۔

۵۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا تھا اور اس نے ان کی قوم کو ہدایت دی تھی اس وجہ سے اس آیت میں یہ تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ وہ کلام فرماتے والا ہے اور ہدایت دینے والا ہے۔ تم اس خدا کو چھوڑ کر کہیں چھڑے کی پرستش میں مشغول ہو۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: "اور وہ ظالم تھے" ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور کسی کا حق کسی دوسرے کو دینا۔ عبادت اللہ کا حق ہے۔ جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو وہ اللہ کا حق دوسروں کو دے رہا ہے اور یہی ظلم کرنا ہے بلکہ کائنات میں سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کی عبادت اور شرک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کی خود فریبی کا ظلم جاتا رہا اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

(الاعراف: ۱۴۹)

لما سقط فی ایدہم کا معنی

"ولما سقط فی ایدہم" عربی محاورہ میں اس کا معنی ہے: جب انہوں نے لغزش کی یا جب وہ بچھڑائے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے ہاتھوں میں عداوت گر گئی۔ بنو اسرائیل چھڑے کی عبادت کرنے پر مست ملام ہوئے تھے۔ اس لیے فرمایا "ولما سقط فی ایدہم" جب کوئی پسندیدہ اور مکرمہ چیز دل میں آئے تو یہ کہتے ہیں اور ہاتھوں سے دل کا استعارہ کرتے ہیں۔

سقوط کا معنی ہے کسی چیز کا اوپر سے نیچے گرنا۔ عرب کہتے ہیں سقط المطر بارش گری اور حمل سقط ہونا کہتے ہیں جب باقاعدہ پیدائش ہو۔ جب انسان کسی عمل کا اقدام کرتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ عمل اچھا اور درست ہے اور اس عمل سے اس کو عزت اور بلندی حاصل ہوگی۔ اور جب اس پر یہ منکشف ہو کہ یہ عمل باطل اور فاسد تھا تو وہ گویا بلندی سے نیچے گر گیا اور جو عزت اور بلندی اس کو حاصل تھی وہ جاتی رہی۔ اس لیے جب کسی شخص سے خطایا لغزش ہو تو عرب کہتے ہیں والک سقط منہ اس کی سر بلندی اور سرفرازی گئی۔

اس کے بعد انہوں نے توبہ اور استغفار کیا۔ اور یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے کے بعد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غضبناک ہو کر تسف سے کہا تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے برے کام کیے کیا کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی اور انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو چھنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے ○ (الاعراف: ۱۵۰)

قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰ آیا طور سے واپسی پر مطلع ہوئے یا پہلے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا بنو اسرائیل کی گوسدہ پرستی کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ طور سے واپسی آنے کے بعد ہوا تھا یا پہاڑ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی گمراہی اور گوسدہ پرستی سے مطلع کر دیا تھا۔

لام ابن جریر طبری حوالہ ۳۳۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے کچھ آوازیں سنیں تو انہوں نے کہا میں لہو و لعب میں مشغول لوگوں کی آوازیں سن رہا ہوں اور جب انہوں نے یہ محاذ کیا کہ وہ چمڑے کی عبادت کر رہے ہیں تو انہوں نے تورات کی ألواح کو ڈال دیا جس کے نتیجہ میں وہ ٹوٹ گئیں اور وہ اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صحیح بات یہ ہے کہ قوم کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر ہی مطلع فرما دیا تھا۔ قرآن مجید کی صریح آیات اور حدیث صحیح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا آتَعْنَاكَ عَنْ قَوْمِكَ يَا مُوسَى ○ قَالَ هُمْ أُولَاءَ عَلَىٰ آثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ○ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَسْلَمْتَهُمُ الشَّيَاطِئُ ○ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَيْفًا (طہ ۸۶-۸۳)

(اور ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا) آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی اے موسیٰ ○ عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں اے میرے رب! میں نے آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے ○ فرمایا تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے ○ تو موسیٰ بہت غم و غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آئندہ سے دیکھنا سننے کی شل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تمہاری قوم منہ میں جلا کر دی گئی ہے تو انہوں نے تختیاں نہیں ڈالیں اور جب انہوں نے آئندہ سے دیکھ لیا تو تختیاں زمین پر ڈال دیں اور وہ تھکاؤٹ گئیں۔

(الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۵۳۵۱ الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۲۵۵۱ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۲۳۷ مسند ابی یوسف ج ۲ رقم الحدیث: ۲۰۰) صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۷ مسند رک ج ۲ ص ۲۲۱ تفسیر لام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۵۰۷ الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳ حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے ج ۵ ص ۱۵۳

غضب کا معنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا تعین

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غضب اور انوس کے ساتھ لوٹے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

غضب کا معنی ہے انتقام کے ارادہ سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا۔

(المفردات ج ۲، ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد الدین محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کے غضب کا معنی ہے اپنی غافلگی سے منع کرنا، غافلگی کرنے والے پر ناراض ہونا۔ اس سے اعراض کرنا اور اس کو عذاب دینا اور مخلوق کے غضب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے۔ اگر دین اور حق کی خاطر بندہ غضب میں آئے تو یہ غضب محمود ہے۔ اور اگر اپنی نفسی خواہشوں کے پورا نہ ہونے یا ناجائز حکم کے نہ ماننے یا اس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے غضب میں آئے تو یہ غضب مذموم ہے۔ (التلخیص ج ۳، ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو غضب میں آئے تھے وہ اللہ کی غافلگی اور شرک کی وجہ سے تھا آپ کا یہ غضب محمود تھا۔ انسان جو اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے غضب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس غضب کے روکنے اور انتقام نہ لینے کی ترغیب دی ہے۔

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جو لوگ غلی اور فراخی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور نیکو کاروں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور سبہ حیاتی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو صاف کر دیتے ہیں۔

اور جن لوگوں کو انہی کی سرکشی پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں ○ اور برائی کا بدلہ اسی کی خصل برائی ہے اور جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اور جو میر کرے اور معاف کر دے تو سبے شک یہ ضرور بہت کے کاموں سے ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران: ۹۳)
وَالَّذِينَ يَحْتَسِبُونَ كَثِيرًا أَتَيْنَ وَالْعَوَاجِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوریٰ: ۳۷)

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكْتُمُونَ ○ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوریٰ: ۴۰-۳۹)

وَلِمَنْ حَسَبَ وَغَفَرَ لِذَلِكَ لِمَنْ عَمِلَ الْأُمُورَ (الشوریٰ: ۴۳)

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں غضب کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

سنو غضب ایک اتارہ ہے جو ابن آدم کے پیٹ میں جتا رہتا ہے، کیا تم (غضبناک شخص کی) آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں کو نہیں دیکھتے؟ میں تم میں سے جو شخص غضب میں آئے وہ زمین کو لازم پکڑے، سنو! بہترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت دیر سے غضب میں آئے اور بہت جلد راضی ہو جائے، اور بدترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت جلد غضب میں آئے اور بہت دیر سے راضی ہو، اور جو شخص دیر سے غضب میں آئے اور دیر سے راضی ہو، اور جو شخص جلدی غضب میں

آئے اور جلدی راضی ہو تو یہ (بھی) انہی خصلت ہے۔

(مسند احمد ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۸۶، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۲۱ھ، حاشیہ شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸، امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم لوگ رقبہ کسی کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس شخص کے ہاں اولاد نہ ہو، آپ نے فرمایا وہ رقبہ نہیں ہے، رقبہ وہ شخص ہے جس کی (مبلغ) اولاد میں سے اس کی زندگی میں کوئی فوت نہ ہو (حتیٰ کہ وہ اس کے لیے فرط اور سلف ہو جائے) پھر فرمایا تم لوگ پہلوان کس کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس کو لوگ پچھاؤ نہ سکیں، آپ نے فرمایا وہ پہلوان نہیں ہے، پہلوان وہ ہے جو غضب کے وقت خود کو قابو میں رکھنے پر قادر ہو۔ (صحیح مسلم، البرہان ج ۱، ص ۱۰۶، (۳۶۰۸) ۵۸۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۵۵۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۳۶، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۱۷۷، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۷۷)

عروہ بن محمد السدوسی اپنے باپ سے اور وہ اپنی دادی علیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غضب شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو صرف پانی سے بجھایا جاتا ہے نہ پس جب تم میں سے کوئی شخص غضبناک ہو تو وہ وضو کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴، مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۶، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۱)

حضرت ابودر فزاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غضب میں آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر اس کا غضب دور ہو گیا تو نہماور نہ لیٹ جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴، مسند احمد ج ۵، ص ۱۵۲، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۲)

کیونکہ جو شخص کھڑا ہوا وہ اپنے ہاتھ پر چلانے پر بیٹھے ہوئے شخص کے بہ نسبت زیادہ قہر ہوتا ہے اور بیٹھا ہوا شخص اس کی بہ نسبت کم قہر ہوتا ہے اور لیٹا ہوا شخص اور بھی کم قہر ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان بن صہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں دو شخص ایک دوسرے پر سب و شتم کر رہے تھے اور جب ان میں سے ایک شخص دوسرے کو برا کہہ رہا تھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ شخص اس کو پڑھ لے تو اس کا غضب جاتا رہے گا تب ایک شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم پڑھو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اس نے کہا کیا مجھے کوئی بیماری ہوئی ہے؟ یا میں مجنون ہوں جوتو یہاں سے۔

(صحیح مسلم البرہان ج ۱، ص ۱۰۹، (۳۶۰۱) ۵۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۹، مسند احمد ج ۶، ص ۳۹۳، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۳۴، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے وصیت کیجئے اور مجھے زیادہ احکام نہ بتائیں یا اس نے کہا مجھے حکم دیجئے اور مجھے کم سے کم باتیں فرمائیں تاکہ میں بھول نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۸۸۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۷۷، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۰۵)

حضرت معلون انسؓ جی جیہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر ہو اور وہ اپنا غضب ضبط کرے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کو تمام لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جو چور چاہے لے لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۸ جامع للاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۳۰۶)

حضرت انسؓ جیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا غضب دور کیا اللہ اس سے اپنے عذاب کو دور کر دے گا اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔

(المعجم للاوسط ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۲۲ اس کی سند میں عبد السلام بن عائش ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸، عقیلی نے اس کو ضعیف میں بیان کیا ہے رقم الحدیث: ۸۵)

اگر انسان اپنے کسی ذاتی نقصان یا ذاتی معاملہ کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کو ضبط کرنا چاہیے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کے تقاضے پر عمل کرے، اگر اس برائی کو طاقت سے بدل سکتا ہو تو طاقت سے بدلے ورنہ زبان سے اس کی مذمت کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو دل سے برا جانے۔

تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے "انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں۔"

امام غزالیؒ نے عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کی الواح کو زمین پر ڈال دینا ان کے شدت غضب پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انسان اس قسم کا اقدام اسی وقت کرتا ہے جب وہ شدت غضب سے ہوش ہو جائے۔ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے تورات کی تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ اس کے کل سات اجزاء تھے چھ اس وقت اٹھالے گئے اور صرف ایک حصہ باقی رہ گیا۔ جو اجزاء اٹھالے گئے ان میں ہر چیز کی تفصیل تھی اور جو ایک حصہ باقی رہ گیا اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔

اور کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی تختیاں (زمین پر) ڈال دیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے تورات کی تختیوں کو اس طرح پھینکا کہ وہ ٹوٹ گئیں یہ قرآن مجید میں نہیں ہے اور یہ کہنا اللہ کی کتاب پر سخت جرات ہے اور اس قسم کا اقدام انبیاء علیہم السلام کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی ناصر الدین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب، فرط صدمہ اور حمیت دین کی وجہ سے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور جب انہوں نے وہ تختیاں پھینکیں تو ان میں سے بعض ٹوٹ گئیں۔ علامہ صغۃ اللہ آفندی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حمیت دین کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب اللہ کا احترام کیا جائے اور اس سے حفاظت کی جائے کہ وہ گر کر ٹوٹ جائے یا اس میں کوئی نقصان ہو یا اس کی بے حرمتی ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ شدت غضب اور فرط غم کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قابو ہو گئے اور غیر اختیاری طور پر ان کے ہاتھوں سے یہ تختیاں گر گئیں اور چونکہ ان سے ترک تحفظ صلور ہوا تھا تو اس ترک تحفظ کو مغلطاً ڈال دینے سے تعبیر فرمایا اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گنہ کا حکم رکھتی ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر کوئی عتاب نہیں کیا گیا حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کے ترک تحفظ کو مختلف ذلل دینے سے تعبیر فرمایا اور یہ کہا جائے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گنلا کا حکم رکھتی ہیں۔ ان آیات میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور میرے نزدیک اس مقام کی تقریر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا تو وہ حیثیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آگئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ کو جلد قاصع کرنے کے لیے غلٹ سے وہ الواح زمین پر رکھ دیں تاکہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں جس کو قرآن مجید نے ڈالنے سے تعبیر فرمایا اور اس میں کسی وجہ سے بھی تورات کی تختیوں کی اہانت نہیں ہے اور وہ جو طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ بعض تختیاں ٹوٹ گئیں تو وہ غلٹ سے زمین پر رکھنے کی وجہ سے ٹوٹیں اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرض نہ تھی اور نہ ان کو یہ گمان تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ یہاں پر صرف دینی حیثیت اور فرط غضب کی وجہ سے یہ غلٹ ان تختیوں کو زمین پر رکھنا مرلوا ہے اور بعض علماء نے تختیوں کے ٹوٹنے کے واقعہ کا انکار کیا ہے (جیسے امام رازی) ہر چند کہ یہ روایت سند بزار، سند احمد اور بخاری وغیرہ میں ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۶۶۰، ۶۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچنے کی توجیہ اور دیگر فوائد اس کے بعد فرمایا اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچے گئے۔

جو لوگ عصمت انبیاء پر طعن کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کسی شخص کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا اس شخص کا استخفاف اور اس کی اہانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اہانت کی اور یہ عصمت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف بہ طور اہانت نہیں کھینچا تھا بلکہ وہ ان کو اپنے قریب کر کے ان سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے پھر حضرت ہارون نے یہ کیوں کیا تھا کہ اے میری ماں کے بیٹے بے شک قوم نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بنو اسرائیل کے جالوں اور عاقبت مائدیشوں سے یہ خدشہ تھا کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون پر بھی اسی طرح غضب ناک ہیں جس طرح بنو اسرائیل پر ان کی گوسالہ پرستی کی وجہ سے غضب ناک تھے۔ اس لیے انہوں نے کہا اے میری ماں جائے اقوام نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور چھڑے کی عیادت ترک کرنے میں انہوں نے میرا حکم نہیں مانا۔ میں نے ان کو اس فعل سے روکا تھا لیکن میرے پاس ایسی قدرت نہیں تھی کہ میں ان کو یہ زور اس فعل سے روک دیتا۔ بنو اسرائیل میری بات نہیں سنتے تھے قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے۔ تو آپ ہمارے دشمنوں یعنی چھڑے کی پرستش کرنے والوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں اور میرا شمار ان خالوں میں نہ کیجئے جنہوں نے چھڑے کی عیادت کی تھی۔ یعنی ان سے مواخذہ کرنے میں مجھے ان کے ساتھ شریک نہ کیجئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب ا مجھے معاف فرما کہ میں نے حیثیت دین اور شدت غضب کی وجہ سے یہ اقدام کیا اور میرے بھائی کو معاف فرما کہ انہوں نے چھڑے کی عیادت کرنے والوں پر ایسی شدت نہیں کی جو ان کو کوئی چاہیے تھی اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما بے شک تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر جو کھینچنا تھا اس کی حسب ذیل چار تالیفیں ہیں:

۱۔ کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں حعارف تھا جیسا کہ لب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لیے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کالن کے سر کو پکڑ کر کھینچنا یہ طور اہانت نہ تھا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے رازدارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس خفیہ بات کرنے سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون نے بنو اسرائیل کو گوسلہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی۔ اور چونکہ ان کا غضب اللہ کے لیے تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے اپنے احوال سننے کے لیے ان کو اپنے قریب کیا تھا۔ حضرت ہارون کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون سے مواخذہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔ حسن بھری نے کہا تمام اسرائیلیوں نے پھڑے کی مہلت کی تھی کیونکہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے علاوہ اگر کوئی مومن بچا ہوتا تو حضرت موسیٰ اس کے لیے بھی دعا کرتے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے شدت جذبات کی وجہ سے حضرت ہارون سے کہا تھا

قَالَ يَهُودِيُّ قَامَتْكَ اِدْرَا اَيْتَهُمْ صَلُّوا اَلَا
تَنْبِيْهِمْ لِمَا فَعَصَوْا اَمْرِيْ ۝ (طہ ۴۰-۴۱)
موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہ ہونے
ہوئے دیکھا تو اس موقع پر میری اتباع کرنے سے آپ کو کیا چیز
مانع ہوئی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

اس کی طاعتی کرنے کے لیے حضرت موسیٰ نے ان کے لیے بھی دعا کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے بتایا ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی برائی کے مٹانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو وہ صرف زبان سے منع کرنے پر اکتفا کرے اور اس میں بھی جان جانے کا خطرہ ہو تو خاموش رہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غضب کی وجہ سے احکام نہیں بدلنے کیونکہ ہر چند کہ ان کی حالت غضب کی وجہ سے تورات کی تختیاں ساقط ہوئیں تھیں لیکن پھر بھی اس پر یہ حکم مرتب ہوا کہ چند تختیاں ان سے اٹھالی گئیں۔

حالت غضب میں طلاق دینے کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ص ۵۲ لکھتے ہیں:

ماخذ ابن قیم حنبلی نے غصبناک شخص کی طلاق کے مطلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں یہ کہا ہے کہ غصبان شخص کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کو مملوئی غضب حاصل ہوں یعنی غضب کی ابتدائی کیفیت ہو۔ اس کی عقل متغیر نہ ہو اور اس کو علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا قصہ کر رہا ہے۔ اس قسم میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ انتہائی غضب میں ہو اور اس کو علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ اس کا ارادہ ہو۔ اس قسم میں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال پابند نہیں ہوں گے اور تیسری قسم وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان متوسط ہو اس طور کہ وہ مجنون کی مثل نہ ہو۔ یہ قسم محل نظر ہے

نور دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اقوال بھی بخند نہ ہوں۔ حافظ ابن قیم کا کلام ختم ہوا۔ لیکن صاحب الغلیہ حنبلی نے اس تیسری قسم میں حافظ ابن قیم کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں اقوال بخند ہوں گے اور اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ہمارے موقف کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے مدہوش کی بحث میں لکھا ہے۔ (الی قول) پس اس مسئلہ میں مدہوش کی تعریف پر اکتفا کرنا چاہیے اور اسی پر حکم دائر کرنا چاہیے۔ اور جس شخص کے اقوال اور افعال میں اکثر و بیشتر خلل رہتا ہو یا بد چلے یا بیماری یا کسی آفت کی وجہ سے کسی کی عقل میں خلل آگیا ہو تو جب تک اس کی یہ کیفیت رہے (یعنی الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو اور اگلے سیدھے کلم کرتا ہو) اس کے اقوال اور افعال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا خواہ اس کو ان اقوال اور افعال کا علم ہو اور اس نے ان کا ارادہ کیا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ علم اور ارادہ معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کو اور اک صحیح حاصل نہیں ہے۔ آخر میں علامہ شاہی نے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص شدید غضب کی حالت میں طلاق دے اور بعد میں اس کو یاد نہ رہے کہ اس نے کیا کہا تھا اور وہ آدمی یہ گواہی دیں کہ اس نے طلاق دی تھی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں اگر اس کی عقل میں خلل ہو اور اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جن کو وہ سمجھتا ہو نہ ان کا ارادہ کرتا ہو تو یہ جنون کا اعلیٰ مرتبہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ والدوالیہ میں مذکور ہے کہ اگر وہ غضب کی ایسی حالت میں ہو کہ اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جو اس کو بعد میں یاد نہ رہیں تو وہ گواہوں کے قول پر اکتفا کرنا جائز ہے کہ یہ عبارت ہمارے بیان کی صراحتاً تائید کرتی ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ضل بریلوی حنفی ۳۰ ص ۳۷ لکھتے ہیں:

غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عاقل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی یہ علت مشہور و معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں۔ یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصہ کی طلاق واقع نہ ہو۔ حالانکہ طلاق نہیں ہوتی مگر بحالت غصہ۔ (الکافی رضویہ ج ۵ ص ۲۲۹ مطبوعہ سنی دارالاشاعت بیصل آباد)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

غصہ مانع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر دینی طلاق پر حائل ہوتا ہے تو اسے مانع قرار دینا گویا حکم طلاق کا راستہ بطلان ہے۔ ہاں اگر شدت غیظ و جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے 'خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے تو بے شک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی۔ (الی قول) اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہو گئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کیا میرے منہ سے نکلتا ہے تو اطمینان بندہ کے لیے اس کا ثبوت گواہان عاقل سے دے کہ اگرچہ عند اللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو اور اسے عورت کے پاس جانا دیا نہ "روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت ہٹائے نکاح اس کے پاس رہتا ہرگز طلاق نہیں ہو سکتا تو ضرور ہوا کہ زید اپنے دعویٰ پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں۔ (الکافی رضویہ ج ۵ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ بیصل آباد)

علامہ خیر الدین ربلی حنفی حنفی ۸۷ ص ۸۷ لکھتے ہیں:

شرح المجلدی سے نقل کر کے تائد غایہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح محقق ابن حمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ترمذی غزی نے اپنے متن خویر للابصار میں یہ تصریح کی ہے۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر عاقل

کی طلاق واقع نہیں ہوتی سوا اس کے کہ اس کی عقل نشہ کے جب سے زائل ہو جو کہ معصیت ہے تو اس صورت میں بہ طور سزا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ غیر عاقل میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کی عقل ان امور سے زائل ہوئی ہو۔ جنون، متہ، برسام، افتار (بے ہوشی) اور دھش، جنون ایک مشہور بیماری ہے اور متہ کا معنی ہے کم فہمی اور کلام کا غلط اور صحیح ہونا۔ اور تدبیر کا فلسفہ عقل کے اختلال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی وہ عقل مندوں کی طرح کلام کرتا ہے اور کبھی جنون کی طرح اور برسام ایک بیماری ہے جس میں بیمار ہڈیاں ہکتا ہے (بے سرو پاتا میں کرتا ہے) اور دھش کا معنی ہے عقل جاتی رہے بھول اور غفلت کی وجہ سے یا عشق کی وجہ سے اور جس نے مدہوش کی تفسیر حیرت زدہ کی ہے اس نے غلطی کی۔ کاموس میں لکھا ہے کہ مدہوش وہ شخص ہے جس کی عقل ذہول یا عشق کی وجہ سے جاتی رہی۔ جنون کے متعلق حکم یہ ہے کہ جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کو جنون ہو چکا ہے اور اس نے طلاق دی اور اس نے کہا مجھے دوبارہ جنون ہوا اور میں نے طلاق دی تو اس کی قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر پہلے اس کو جنون نہ ہوا ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ غائب، تاتار غائب اور دیگر کتب میں اسی طرح ہے۔ مدہوش کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر ایک مرتبہ پہلے وہ مدہوش ہو چکا ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر وہ پہلے مدہوش نہیں ہوا تو قضاء اس کا قول قبول نہیں ہو گا ہاں گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور دیا ہے۔ اس کا قول قبول ہو جائے گا۔ (التکویٰ الخیر علی حاشی الخلدیہ ج ۱ ص ۶۸-۶۹ مطبوعہ کوئٹہ)

شہادت کا معنی اور اس کا شرعی حکم

اس آیت میں ہے: فلا تشمت بسی الاعداء "تو آپ مجھ پر دشمنوں کو جتنے کا موقع نہ دیں۔"

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں:

شمت کا معنی ہے دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔

(المنہجات ج ۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ کٹر مدظلہ العالی ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت داؤد بن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے (دینی) بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم

فرمائے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳

نبی ﷺ نے شمت اعداء سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ میری تختیوں کے آنے، شمت اعداء اور سخت مصیبت سے اللہ

تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، المذکر ۵۳، (۲۷۰۷) ۶۴۷ صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۶۷ سنن البیہقی رقم الحدیث: ۵۳۹۵ سنن احمد ج ۲

ص ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت

میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمائے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء مغفرت کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے بھائی کا ظر واضح ہو گیا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ ان پر جو ذمہ داری تھی اس کو پورا

کرنے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی اور جلیل اسرائیلیوں نے جو گوسلہ پرستی کی تھی اس کو روکنے کی انہوں نے ہر ممکن

کوشش کی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو سختی سے باز پرس کی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اپنے بھائی

کے لیے بھی معافی چاہی کہ اگر ہا فرض ان سے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کو بھی معاف فرما انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبیرہ۔ لیکن اہل ار کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں اس لیے وہ استغفار کرتے ہیں۔ نگران سے جو اجتہادی خطا سرزد ہوتی ہے اس پر بھی استغفار کرتے ہیں ہرچند کہ اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ ایک اجر ملتا ہے لیکن وہ مقام علی کے پیش نظر اس پر بھی استغفار کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے دعا کی پھر اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔ اس میں اسلوب دعا کی تعلیم ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کاسب سے زیادہ محتاج ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعُجُلَ سِينَالَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ تَذَرِّمٍ

بے شک جن لوگوں نے بچڑے کو بہرہ بنایا تھا وہ مغرب اپنے رب کے مذاب میں مبتلا ہوں گے

وَذَلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۷﴾

اللہ دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے، ہم بتیاں باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور

الَّذِينَ عَمِلُوا الشَّيَاطِئَ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا بِرَبِّكَ

جن لوگوں نے بُرے عمل کیے پھر بد اعمالیوں کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا

رَبِّكَ مِنْ بَعْدِهَا الْغُفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۸﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى

رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو

الْغَضَبُ أَخَذَ الْآلُوهَاجَ وَفِي نُسخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ

انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور اپنے

هُم لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۹﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا

رب سے ڈرتے ہیں ○ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ

لَمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

وہ جالوس مقرر کردہ وقت (پر حاضر ہوں) پھر جب ان کو زلزلہ ہوا تو انہوں نے گرفت میں سے لیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب

أَهْلَكْتَهُمْ مِّن قَبْلُ وَإِنَّا أَنُتْهِكُنَا بِمَا فَعَلَ الشُّفَهَاءُ مِنَّا

اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا، کیا تو ہمیں سے ان تلافیوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا

إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ط

۱۔ تو تیری مہلت آزمائش تھی، جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے،

أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝ وَالْكِتَابُ

تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے ۝ اور ہمارے لیے

لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هَذَا إِلَيْكَ قَالِ

اس دنیا میں بھلائی کو دے اور آخرت میں، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے، اس پر

عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط

میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں، اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے،

فَسَاكِنُهَا الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ

تو مغرب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو انہوں سے کہیں گے اذکار دیں گے اور یہی

بِأَيِّتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَرْحَمَ

آیتوں پر ایمان لائیں گے ۝ جو اس عظیم رسول نبی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے

الَّذِي يَعْبُدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

پس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کے

يَأْمُرُهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

نبی کا حکم دے گا اور برائے سے روکے گا، جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي

اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گھبرائے ان سے ان کے بوجھ اتارے گا، اور ان کے غلوں میں پٹے ہوئے طوق

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا

انارے گا، جو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس کی

التَّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۖ وَلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٤﴾

پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے پھڑے کو معبود بنایا تھا وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے ہم بہت باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ (الاعراف: ۱۵۴) توبہ قبول کرنے کے باوجود بنو اسرائیل پر عذاب کی وعید کی توجیہ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھڑے کی عبادت کرنے والوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنِّكُمُ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْوُجُلَ فَنُتَبِّهُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ بِلِقَائِهِ لَكُنْتُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَنَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ (البقرہ: ۵۳)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بے شک تم نے پھڑے کو معبود بنایا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پس تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو سو ایک دوسرے کو قتل کر دے تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم فرماتے والا۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ یا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی ہے پھر یہ کس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اس سوال کے متعدد جواب ہیں:

۱۔ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو توبہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی سے پہلے مرتکب تھے۔

۲۔ اس آیت کا مصداق عام بنی اسرائیل ہیں اور عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس عذاب سے مراد انیس یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔

۳۔ اس آیت کے مصداق وہ یہودی ہیں جو نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ کیونکہ جس طرح آباء کے محاسن ایمان کے لیے باعث فخر ہوتے ہیں اسی طرح آباء کے محسوس ایمان کے لیے باعث عار ہوتے ہیں اور اس زمانہ کے یہودی بھی اپنے ان آباء کو مانتے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے۔

بدعت سینہ کی تعریف

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ہم انشاء کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ان کا انشاء یہ تھا کہ انہوں نے پھڑے کو معبود قرار دیا۔ جو شخص دین میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرتا ہے جس کی اصل کتاب اور سنت میں نہ ہو اور وہ شریعت کے کسی حکم کا بغیر ہو اور اس طریقہ کو کلمہ ثواب قرار دیتا ہو وہ شخص اللہ اور رسول پر انشاء کرتا ہے۔ اس لیے امام مالک بن انس نے بدعتی کو مفتری فرمایا اور اس آیت کو پڑھا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا ہر بدعتی کے سر پر ذلت ہوگی اور پھر انہوں نے اس آیت کی

خلوت کی۔ (جامع الاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے بدعت کی جو تعریف کی وہ بدعت سینہ کی تعریف ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے شہداء کو بلا پر ماتم کرنے اور نود کرنے کو شیعہ ہاٹ اجرو ثواب کہتے ہیں یا یہودیوں کو دھونے کی بجائے چھوٹ پر مسح کرنے کو کار ثواب کہتے ہیں اور چند صحابہ کے سوا باقی صحابہ کرام کو حرام کرتے ہیں اور اس کو ثواب کا نام کہتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ میلاد النبی اور بزرگوں کے لیے ایصال ثواب اور عرس وغیرہ کو بغیر شرعی دلیل کے حرام کہتے ہیں اور ان کو عینی محسن کے ساتھ یہ طور استہجاب کرنے کو بھی بدعت ناجائز اور حرام کہتے ہیں، لیکن امور مستحبہ کو حرام کہنا بھی شریعت پر افتراء ہے اور بدعت سینہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے برے عمل کیے پھر ایمان لائے اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے (اعراف: ۱۵۳)

توبہ کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مہموم اور شمول

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے برے عمل کیے پہلے وہ ان پر توبہ کرے بایں طور کہ ان برے اعمال پر علوم ہو اور ان سے رجوع کرے اور آئندہ ان برے کاموں کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور ان کا تذکر اور تلافی کرے مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں ان کو قضا کرے۔ اگر کسی کا مالی غصب کیا تھا تو اس کو واپس کرے۔ پھر کلمہ پڑھے اور یہ تصدیق کرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جو شخص اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اس آیت میں گناہوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا پھر کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر دوبارہ گناہ کیا اس کے بعد کہا اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر بارہ گناہ کیا اور کہا اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے (اے میرے بندے!) تو جو عمل چاہے کر میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(صحیح مسلم التوبہ ۲۹، ۱۷۵۲ (۲۷۵۸) صحیح ابوداؤد رقم الحديث ۵۵۰۷، مسند احمد ج ۲، ص ۲۹۶، مسند احمد ج ۲، ص ۳۰۵، جامع الاصول ج ۸، رقم الحديث ۵۸۷۶)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدہ پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اس کی وسعت اس کی رحمت اس کے علم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث میں استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے استغفار اور توبہ کرے بلکہ استغفار کا وہ معنی مراد ہے جو دل میں پیوست ہو جس سے گناہ پر اصرار کی گراہ کھل جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پچھلے گناہوں پر علوم ہو۔ اس صورت میں استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو فتنہ میں مبتلا ہو اور بہت توبہ کرنے والا ہو۔ (شعب الایمان ج ۵، رقم الحديث ۵۸۷۶)

(۷۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے بار بار گناہ صادر ہو اور وہ بار بار توبہ کرے اور جب وہ گناہ کرے تو وہ توبہ کرے، لیکن جو شخص صرف زبان سے استغفر اللہ کہتا ہے اور اس کا دل گناہ کرنے پر مصر ہوتا ہے تو اس کا ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہے۔ اور ایسی زبانی توبہ سے صدق دل سے توبہ کرنی چاہیے کہ آئندہ وہ ایسی زبانی اور بے مغز توبہ نہیں کرے گا۔ اور صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کرے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کبیرہ گناہ پر استغفار کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا اگرچہ پہلی بار گناہ کرنے سے زیادہ قبیح ہے کیونکہ دوبارہ گناہ کر کے وہ خود اپنی توبہ توڑ رہا ہے لیکن جب وہ دوبارہ زیادہ گناہ کرے گا اور کرم کے دروازہ پر فریاد کرے گا تو پہلی توبہ سے احسن ہے کیونکہ وہ اس شخص سے توبہ کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی گناہوں کو بخشے والا نہیں ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ارشاد ہے جو مرضی آئے کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس کو اب گناہ کرنے کی عام اجازت اور کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیے اور آئندہ کے لیے اس کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے یا یہ کہ اگر اس سے پھر گناہ سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اس کا یہ معنی بھی ہے جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشا رہوں گا۔

(النعم ج ۷، ص ۸۶-۸۵، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر ظاہر دلالت ہے کہ اگر انسان سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کا تکرار کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں سے ایک باری توبہ کرے تو اس کی توبہ صحیح ہے اور یہ جو فرمایا ہے جو مرضی آئے کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے کہ جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشا رہوں گا۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱، ص ۷۸۸-۷۸۹، مطبوعہ مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت کی وسعت اور اس کے رحم و کرم کے عموم و شمول میں بہت احادیث ہیں۔ ہم یہاں پر صرف ایک حدیث اور پیش کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو نے مجھ سے دعا کی اور دعا قبول ہونے کی امید رکھی۔ میں نے تیری کھلی سب خطائیں بخش دیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھ کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو تمام روئے زمین کے برابر بھی گناہ کر کے آئے یہ شرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس تمام روئے زمین جتنی مغفرت لے کر آؤں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۵۸۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ کا قصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں (الاعراف: ۱۵۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے غصہ کی تلافی کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ جان لیا کہ بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی اور ان کا

عذر صحیح تھا تو انہوں نے تورات کی جو تختیاں ڈالی تھیں وہ اٹھالیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا تھا اس وقت بھی انہوں نے غصہ میں دو کام کیے تھے۔ تورات کی تختیاں زمین پر ڈال دی تھیں اور حضرت ہارون کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ اور جب غصہ ٹھنڈا ہو گیا تب بھی انہوں نے اس کی عطا فی میں دو کام کیے۔ تورات کی تختیاں زمین سے اٹھالیں اور اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔

تورات کی تختیاں ٹوٹی تھیں یا نہیں

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے "الانوار" سے مراد وہی الانوار ہیں جو انہوں نے ڈالیں تھیں۔ (گویا الف لام حمد خارجی کا ہے) اور اس میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ ان تختیوں میں سے کوئی تختی ٹوٹی تھی نہ باطل ہوئی تھی اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ تورات کے سات اجزا میں سے چھ اجزا اٹھالے گئے تھے اور صرف ایک جز باقی رہ گیا تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تختیوں کو لوٹا دیا اور ان میں بیسہ وہ سب کچھ مذکور تھا جو پہلی تختیوں میں تھا۔ اس نقد پر "وفی نسخہا" کا معنی یہ ہو گا اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ ہدایت اور رحمت تھی اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں ڈالنے کے بعد بیسہ ان ہی تختیوں کو اٹھالیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھیں اور اب بھی "فی نسخہا" کا یہی معنی ہو گا کہ اس کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اس میں نیک کاموں کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں اور صالح حیات کے لیے اس میں مکمل دستور العمل ہے اور اگر اس میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ وہ ہمارے مقرر کردہ وقت پر حاضر ہوں پھر جب ان کو زلزلہ (یا رعد) نے گرفت میں لے لیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے ان ظالموں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا یہ تو تیری صرف آزمائش تھی جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں جلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے توبہ ہدایت عطا فرماتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے O (الاعراف: ۱۵۵)

ستر اسرائیلیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں مختلف روایات

اس آیت کے ضمن نزول میں کئی روایات ہیں:

امام عبدالرحمن بن محمد المعروف بابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، بشر اور بشیر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے، حضرت ہارون اپنے تخت پر لیٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر وقت طاری کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو بنو اسرائیل نے ان سے پوچھا حضرت ہارون کہیں ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو وقت دے دی۔ بنو اسرائیل نے کہا آپ نے ان کو قتل کیا ہے، آپ ان پر حسد کرتے تھے، کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہمت نرمی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم تصدیق کے لیے جن کو چاہو منتخب کر لو۔ انہوں نے ستر آدمی منتخب کیے اور جب وہ اس مقررہ وقت پر پہنچے تو انہوں نے حضرت ہارون سے پوچھا:

ضیاء القرآن

اے ہارون! تم کو کس نے قتل کیا ہے؟ حضرت ہارون نے کہا مجھے کسی نے قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وفات دی ہے۔ تب بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہم آئندہ آپ کی مافرمانی نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۷۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی مائلی متوفی ۷۱۸ھ نے شان نزول میں اسی روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۶۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

دوسری روایت یہ ہے: امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو منتخب کیا مگر وہ اپنے رب سے دعا کریں اور انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی اے اللہ! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو وہ نعمتیں دے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ دعا مانگو اور گزری تب ان کو ایک زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۷۳، جامع البیان ج ۷، ص ۹۸-۹۹، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو الیمان اندلسی المتوفی ۵۷۳ھ نے ان دونوں روایتوں کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۵، ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۵۱ھ، حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ آلوسی متوفی ۷۷۰ھ اور بہت مشہور مفسرین نے امام ابن جریر متوفی ۵۳۰ھ کی اس روایت پر اکتفا کیا ہے۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور چھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور چھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد سوتر تھی، سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے جاؤ اور اپنی اس گنہگار پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو۔ جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں، حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا، حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک ہول آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھلپ لیا۔ حضرت موسیٰ اس ہول میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ جاؤ، جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لاسکتا تھا۔ تو وہ اپنی پیشانی پر نقب ڈال لیتے تھے۔ جب قوم اس ہول سے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی۔ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور ہول چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ہائل ظاہر عیاں اور عیاں دیکھ نہ لیں، اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آ پڑی اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا، جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو وہ میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاکت ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے، بلا آخر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے وہ چھٹن لو ہو گئے۔ پھر بنو اسرائیل نے جو چھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۲ مطبوعہ دار العرف بیروت ۱۴۰۹ھ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۷۶ عالم الترہیل ج ۲ ص ۱۷۰ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۶ روح المعانی ج ۹ ص ۷۲ تفسیر ایضاً مع الکاذبونی ج ۳ ص ۳۳)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۵۲۷ھ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ابن کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا جس سے وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کیا۔ نیز امام ابن ابی حاتم نے سعید بن حیاء سے روایت کیا ہے کہ ابن ستر اسرائیلیوں کو بجلی کی کڑک نے اس لیے ہلاک کیا تھا کہ انہوں نے پتھرے کی عبادت کا حکم دیا تھا انہ اس سے منع کیا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷ مطبوعہ مکتبہ زرار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

سورة البقرہ میں الصاعقہ اور سورة الاعراف میں الرجفہ فرمانے کی توجیہ

سورة البقرہ میں فرمایا تھا ان کو "الصاعقہ" نے پکڑ لیا (البقرہ ۵۵) اور اس سورت میں فرمایا ہے ان کو "المرجمہ" نے پکڑ لیا۔ الصاعقہ کے معنی ہیں رعد یا بجلی کی کڑک اور الرجفہ کے معنی ہیں زلزلہ۔ علامہ بیضاوی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے اس سے مراد الصاعقہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بجلی اس زور سے کڑکی ہو کہ پہاڑ میں زلزلہ آگیا ہو اس لیے ایک جگہ اس کو الصاعقہ سے تعبیر فرمایا اور دوسری جگہ الرجفہ سے۔

علامہ ابو الحسن الملوودی المتوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

کلبی نے کہا اس سے مراد زلزلہ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد موت ہے۔ وہ سب مر گئے تھے پھر ان کو زندہ کیا۔ فراء نے کہا وہ ایک آگ تھی جس نے ان کو جلا ڈالا تھا۔ حضرت موسیٰ کا یہ گمان تھا کہ یہ ہلاک ہو گئے ہیں لیکن وہ ہلاک نہیں ہوئے تھے۔

(الکتب والعیون ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۵۷ھ لکھتے ہیں:

الرجفہ سے مراد ہے حرکت شدیدہ اور ان کو حرکت شدیدہ نے جو اپنی گرفت میں لیا تھا اس کے سبب کے متعلق چار قول ہیں:

- ۱- حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام لگایا تھا۔
- ۲- ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے دعا میں حد سے تجلوز کیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی نعمت مانگی تھی جو پہلے کسی کو ملی ہو نہ آئندہ ملے۔

۳- قتادہ اور ابن جریج نے کہا یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

۴- سدی اور ابن اسحاق نے کہا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کا مطالبہ کیا اور اللہ کا کلام سننے کے بعد کہا ہم اس کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (اراد المسیر ج ۳ ص ۲۶۹ مطبوعہ مکتبہ الاسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ ستر اسرائیلیوں کی وجہ سے ان کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی: کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا؟ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْرِمُ وَلَا تَزِدُّهُ عُذْرًا (الرمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان ستر اسرائیلیوں کے قصور کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا جیسے کہتے ہیں: کیا تم اپنی خدمت کرنے والے کی بے عزتی کرو گے؟ یعنی تم ایسا نہیں کرو گے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ تو ہم کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۳۷)

اس اعتراض کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی پریشانی میں مبتلا کرے گا۔ وہ اپنے اس کلام سے ان ستر اسرائیلیوں کی شفاعت کرنا چاہتے تھے جو اپنی بلائی اور حماقت کی وجہ سے رعد کی کڑک میں مبتلا ہو کر مارے گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذات کو درمیان میں ڈالا کہ یہ تو قصور وار ہیں لیکن اگر ان کی سزا برقرار رکھی گئی تو میں پریشانی میں مبتلا ہوں گا اور بنو اسرائیل ان کے متعلق مجھ سے سوال کریں گے سو تو مہربانی فرما اور میری خاطر ان کو زندہ کر دے۔

اللہ کے معاف کرنے اور مخلوق کے معاف کرنے میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں کہا تو سب سے اچھا بخشے والا ہے کیونکہ مخلوقات میں سے جب کوئی کسی کو بخشا ہے تو یا تو دنیا میں اس سے اپنی تعریف و توصیف کا غالب ہوتا ہے یا آخرت میں ثواب کا طلب گار ہوتا ہے یا معافی مانگنے والے کے حل کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے وہ معاف کر دیتا ہے یا یہ نیت ہوتی ہے کہ آج میں اس کو معاف کروں گا تو کل کوئی مجھے معاف کر دے گا۔ یا ماضی میں کبھی اس نے اس کو معاف کیا ہو تو اس کا احسان چکانے کے لیے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ فرض معاف کرنے سے مخلوق کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور بے غرض اور بلا غرض معاف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے تو مغرب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو من لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو کتابوں سے بھیجیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے (الاعراف ۱۵۶)

حضرت موسیٰ نے دنیا اور آخرت کی جس بھلائی کا سوال کیا تھا وہ کیا چیز تھی؟

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بقیہ حصہ اور تہ ذکر فرمایا ہے۔ دعا میں اصولی طور پر دو چیزیں طلب کی جاتی ہیں معجزیوں سے نجات اور مفید چیزوں کا حصول یعنی دفع ضرر اور جلب منفعت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں پہلے یہ کہا کہ ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ دعا کے اس حصہ میں اپنی امت کے لیے ہلاکت اور عذاب سے نجات کو طلب کیا اور دعا کے دوسرے حصہ میں کہا اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں اور اس میں جلب منفعت کی اور مفید چیزوں کو طلب کیا اور دنیا اور آخرت کی خیر اور حسنہ کو طلب کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں تلقین فرمائی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ ۲۰۲)

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما۔

دنیا کی بھلائی کیا ہے اور آخرت کی بھلائی کیا ہے؟ علامہ ابو الیمان اندلسی متوفی ۷۵۳ھ نے لکھا ہے ”دنیا کی بھلائی سے مراد ہے پاکیزہ حیات اور اعلیٰ صلہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد ہے جنت“ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور دنیا کی نیکیوں پر ثواب اور زیادہ

عمدہ بات یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد نعمت اور عبادت ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور اس کے علاوہ اور کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟ (المحرر المصطفیٰ ج ۵ ص ۱۹۰) علامہ بیضوی متوفی ۶۸۶ھ نے لکھا ہے "دنیا کی بھلائی سے مراد اچھی زندگی اور عبادت کی توفیق ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے" (الکافرونی مع بیضوی ج ۲ ص ۶۳) علامہ ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد گناہوں کی بخشش ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۵) علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد مغفرت اور جنت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد اس کی جزا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۵۷) باقی مفسرین نے بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو رسول الہی کی پیروی کریں گے جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کو عطا کر دی۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جو سوال کیا تھا کہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ میں (سیدنا) محمد ﷺ کی امت کو عطا کروں گا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۹) تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۸۰

اب یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو تفسیر علامہ ابوالمیمن اندلسی، علامہ بیضوی، علامہ ابن جریر اور علامہ قرطبی وغیرہم نے کی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے، اس میں سیدنا محمد ﷺ کی امت کی کیا خصوصیت ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اعمال صالحہ کریں گی اور جنت میں جائیں گی جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت بریدہ بن حبشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷، سنن الدارمی ج ۲ رقم الحدیث:

۲۸۳۵، المستدرک ج ۱ ص ۸۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۳۳، کتب الازہار لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۵۷۲، کنز العمال رقم الحدیث:

۳۳۵۳، کمال ابن عدی ج ۲ ص ۸۵۵، ج ۳ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۰، ۳۰۳)

اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکام شرعیہ آسان ہوں۔ کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ ان کو جہنم کی سولت حاصل نہیں تھی۔ مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہاں غنیمت حلال نہیں تھا، قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ کپڑے یا بدن پر جس جگہ نجاست لگ جائے اس کو کھانا پڑا تھا۔ گزہ کار اعضا کو کھانا ضروری تھا، قتل خطا اور قتل عمد میں قصاص لازمی تھا۔ دیت کی رخصت نہیں تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ روزہ کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا اور بہت سخت احکام تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ دنیا میں ان کے لیے احکام شرعیہ آسان ہو جائیں۔ یہ دنیا کی بھلائی تھی اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ کم عمل پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے۔ ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ چاہتے

تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سات سو گنا اجر عطا کیا جائے اور اس معنی میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ اس لیے یہ بھلائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی بجائے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا کر دی اس لیے فرمایا میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کو دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا جو ان سے بوجھ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کے نو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں (۱) نبی (۲) رسول (۳) امی (۴) آپ کا تورات میں مکتوب ہونا (۵) آپ کا انجیل میں مکتوب ہونا (۶) امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر کرنا (۷) پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا (۸) ان سے بوجھ اتارنا (۹) ان کے گلے میں پڑے ہوئے طوق اتارنا۔

نبی اور رسول کے معنی

علامہ مسعود بن عمر قشیری متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجا اور بھی اس میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۳)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہے کہ رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں اور صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں۔ اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔ اس لیے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا۔ اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔ (روح المعانی ج ۹، ص ۷۹) لیکن یہ فرق بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی کی جائے۔ یا خواب میں اس پر وحی کی جائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف میں سے ایک تیسرا وصف امی ذکر فرمایا ہے، ہم یہاں لفظ امی کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ امی کا ذکر فرمایا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی ﷺ پر امی کا اطلاق

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں۔

(الاعراف: ۱۵۷)

فَأَمَّا مَثَلُ الْفَخْرِ وَالْمُرْتَدِّ وَالْمُتَكَبِّرِ

اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں۔

(الاعراف: ۱۵۸)

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْهُمْ أَتَمِّبُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ الْأَمَارِي
اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو
پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں
رکھتے۔ (البقرہ: ۷۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ
جس نے ان پڑھ لوگوں میں اسیں میں سے ایک عظیم
(الجمعة: ۲) رسول بھیجا۔

ان کے علاوہ سورت آل عمران میں دو جگہ (۷۵، ۲۰۱) امیوں کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنے لیے امی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم امی لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۳، صحیح مسلم المصباح: ۱۵ (۱۰۸۰) ۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۱)

السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۳۵۱، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳، طبع قدیم جامع الاصول ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۹۳)

امی کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

امی وہ شخص ہے جو نہ لکھتا ہو اور نہ کتاب سے دیکھ کر پڑھتا ہو۔ اس آیت میں امی کا یہی معنی ہے "هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم" قطرب نے کہا امیہ کے معنی غفلت اور جہالت ہیں سو امی کا معنی قلیل المعرفة ہیں۔ اسی معنی میں ہے "وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ الْأَمَارِي" یعنی وہ امی ہیں جب تک ان پر تلاوت نہ کی جائے وہ از خود نہیں جانتے۔ فراء نے کہا یہ وہ عرب لوگ ہیں جن کے پاس کتاب نہ تھی اور قرآن مجید میں ہے "وَالسَّيِّئَاتِ لَا يَجِدْنَ إِلَّا بِحَدِّهِ مَكْتُوبًا عَمَدَهُمْ فِي النُّورِ وَالْأَسْحَابِ" ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ امی کے نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امی اس لیے فرمایا کہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے اور یہ آپ کی فضیلت ہے کیونکہ آپ حفظ کرنے سے مستغنی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سَنَفْرُغُكَ فَلَا نَسِي" غریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ نہیں بھولیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امی اس لیے فرمایا کہ آپ ام القرئی یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ (المفردات ج ۱، ص ۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے امامۃ لا ینکح ولا ینکح "ہم اہل عرب امی ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں" آپ کی مراد یہ تھی کہ ہم اسی طرح ہیں جس طرح اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ یعنی اپنی جبلت اولیٰ پر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ امی وہ ہے جو لکھتا نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے بعثت الی امۃ امیۃ "میں امی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں" یا امی سے عرب مراد ہیں کیونکہ عرب میں لکھنا بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ (التہذیب ج ۱، ص ۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد طاہر نجفی متوفی ۱۲۸۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے ہم اسی لوگ ہیں کہتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ یعنی اپنی ماں سے پیدائش کی اصل پر ہیں۔ لکھنا سیکھا ہے نہ حساب کرتے تو وہ اپنی اصل جبلت پر ہیں اور اسی نسخ پر ہے اسکن میں رسول بھیجا گیا۔ علامہ کہانی نے کہا اس میں ام القریٰ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والوں کی طرف۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب میں لکھنے والے بھی تھے اور ان میں سے اکثر حساب جانتے والے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لکھنا نہیں جانتے تھے اور حساب سے مراد ستاروں کا حساب ہے اور وہ اس کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ ابن میادنہ نبی ﷺ سے کہا آپ اسکن کے رسول ہیں۔ اس شیطان کا مطلب یہ تھا کہ آپ صرف عرب کے رسول ہیں دوسروں کے نہیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ دارالامان، الدینہ المنورہ ۱۳۱۵ھ)

علامہ زبیدی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

قاسوس میں ہے اسی وہ شخص ہے جو لکھتا نہ ہو یا اپنی ماں سے پیدائش کے حال پر باقی ہو اور اسی فی اور قلیل الکلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کو اسی اس لیے کہا جاتا ہے کہ عرب قوم لکھتی تھی نہ پڑھتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا اور آنحضور آپ لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے۔ اور یہ آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ نے بغیر کسی تغیر اور تبدل کے بار بار قرآن مجید کو پڑھا۔ قرآن مجید میں ہے "وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب" (الایہ) حافظ ابن حجر عسقلانی نے احادیث رافضی کی تخریج میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر لکھنے اور شعر گوئی کو حرام کر دیا گیا تھا۔ یہ اس وقت ہے اگر آپ شعر گوئی اور لکھنے کو اچھی طرح یاد رکھتے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہر چند کہ آپ کو شعر اور خط میں مہارت تو نہیں تھی لیکن آپ اچھے اور برے شعر میں تیز رکھتے تھے۔ اور بعض علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ پہلے آپ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن بعد میں آپ نے لکھنا جان لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنت تتلو من قبلہ (الایہ) آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور "اس سے پہلے" کی تہ کا یہ معنی ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو جان لیا کیونکہ آپ کا پہلے نہ جاننا معجزہ کے سبب سے تھا اور جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ نے اس کو جان لیا اور امام ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے مجاہد سے روایت کیا ہے "ما مات رسول اللہ ﷺ حنسی کسب و قرء" رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے لکھ نہیں لیا اور پڑھ نہیں لیا اور مجاہد نے شعبی سے کہا اس آیت میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ ابن وحید نے کہا کہ علامہ ابوذرؓ علامہ ابو الفتح نیشاپوری اور علامہ باہی مالکی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ باہی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، بعض افریقی علماء نے بھی علامہ باہی کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اسی ہونے کے بعد لکھنے کو جان لینا معجزہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے کیونکہ بغیر کسی انسان کے سکھائے کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی معجزہ ہے۔ ابو محمد بن مغز نے علامہ باہی کی کتاب کا رد لکھا ہے اور علامہ سمنانی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ بغیر علم کے لکھتے تھے جیسے بعض ان پڑھ بلوشتہ بعض حروف لکھ لیتے تھے حالانکہ ان کو حروف کی تیز اور شناخت نہیں ہوتی تھی۔ (تاج القاسوس ج ۸ ص ۱۹ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۷۰۷ھ اسی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کو اسی اس لیے کہا ہے کہ آپ امت عرب کی طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم اسی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر نے کہا ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو اسی

فرمایا 'یا آپ اپنی ام (میں) کی طرف منسوب تھے یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی ام سے پیدا ہوئے تھے' آپ کا یہ وصف اس تشبیہ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائش حالت پر قائم رہے (یعنی کسی سے پڑھنا لکھنا نہ سیکھنے) کے بلوجود اس قدر عظیم قلم رکھتے تھے سو یہ آپ کا معجزہ ہے۔ اسی کالفظ صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے ان پڑھ ہونا باعث فضیلت نہیں ہے جیسا کہ تکبر کالفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعث مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعث مذمت ہے۔ نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ سے کسی وقت لکھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا اور یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور احادیث ظاہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے بالکل نہیں لکھا اور آپ کی طرف لکھنے کی نسبت مجاز ہے اور بعض اہل بیت سے روایت ہے کہ آپ لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی معتد سند نہیں ہے ہاں ابوالشیخ نے اپنی سند کے ساتھ غیب سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں 'شعبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَشْفُلُونَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَحُطُّكُمْ بِسَمِيْنِكُمْ اِذَا لَارْتَابَ الْمُسْطَلُونَ ﴿۳۸﴾
اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو (العنکبوت: ۳۸) شبہ پڑ جاتا

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کسی استاد سے لکھا پڑھنا نہیں سیکھا تھا قریش مکہ کے سامنے آپ کی پوری زندگی تھی آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گزری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات گزشتہ انبیاء و رسل کے حالات 'تقدیم مذہب کے عقائد 'تاریخ' تمدن' اخلاق اور عمرانی اور عائلی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ اسی مختص انتہائی فصیح و بلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں اس کا وحی الہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا اگر انہوں نے کسی کتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذہب اور تاریخ کو پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہو سکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ دراصل ان کا حاصل مطالعہ ہے۔ ہر چند کہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور تمام علمی وسائل بروئے کار لا کر بھی ایسی بے نظیر کتب تیار نہیں کر سکتے تاہم اگر آپ نے اعلان نبوت سے پہلے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا ہوتا تو جھوٹوں کو ایک بات بتانے کا موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب آپ کا امی ہونا فریق مخالف کو بھی تسلیم تھا تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں کہنے کو تو ضدی اور معاند لوگ پھر بھی یہ کہتے تھے:

وَقَالُوا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ اَكُنْتُمْ اَنْتُمْ قَبِيْسُ
اس (رسول) نے لکھا الے ہیں 'سودہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے متعید کیا ہے اور یہی مقصود ہے۔ کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی راہ نکل سکتی تھی اور

اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہو سکتا اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہو سکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے متافی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے بعض اجلہ علماء کا یہ قول نقل کیا ہے:

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید سیۃ فاعده ہوگی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵، مطبوعہ بیروت)

اس استدلال پر یہ اشکل وارد ہوتا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا استدلال میں معتبر نہ ہونا اخلاقی نہیں ہے کیونکہ باقی ائمہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں، خصوصاً جب کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے بعثت کے بعد آپ کا لکھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر علمی اور عملی کمالات عطا فرمائے ہیں اسی طرح آپ کو لکھنے پڑھنے کا بھی کمال عطا فرمایا ہے، لکھنے کا علم ایک عظیم نعمت ہے، قرآن مجید میں ہے: "الذی علم بالقلم" علم الانسان ما لم يعلم (علقہ ۵-۴) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جس کو وہ جانتا نہ تھا۔ امت کے ان گنت افراد کو پڑھنے اور لکھنے کا کمال حاصل ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو یہ کمال حاصل نہ ہو اور اسی ہونے کا نقطہ یہ مغلوہ ہے کہ آپ نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست یہ علم عطا فرمایا ہے اور بعثت سے پہلے آپ لکھنے اور پڑھنے میں مشغول نہیں رہے تاکہ آپ کی نبوت میں کسی کو شبہ نہ ہو اور بعثت کے بعد آپ نے پڑھا اور لکھا اور یہ ایک الگ معجزہ ہے۔ کیونکہ بغیر کسی مخلوق سے کسب فیض کے پڑھنا اور لکھنا خلاف عدلت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر اعتراض کرتے ہوئے سید مودودی متونی ۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ان لوگوں کی جسارت خیرت انگیز ہے جو نبی ﷺ کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے، جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دیئے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قائل قبول نہیں ہو سکتی، پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کرور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی، ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاملہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کثرت محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علی نے لفظ "رسول اللہ" لکھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کثرت محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ (الی قولہ) ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں (الی قولہ) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور ﷺ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں،

باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۷۳-۷۴۔ مطبوعہ دار ترجمان القرآن لاہور)

الجواب

پہلی بات یہ ہے کہ سید مودودی کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت کے بعد نبی ﷺ کا لکھنا قرآن مجید کی اس آیت اور اس استدلال کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید نے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مطلقاً نفی نہیں کی، بلکہ نزول قرآن سے پہلے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کی ہے۔ لہذا نزول قرآن کے بعد جن احادیث میں آپ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ روایات قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر بکھرت کتب صحاح سے رسوں ﷺ کا لکھنا ثابت ہے اور سید مودودی کا ان احادیث کو بجائے خود کمزور کہنا لائق التفات نہیں ہے۔ ثالثاً سید مودودی نے جو یہ تاویل کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی اور کاتب سے لکھوا دیا ہو سو یہ احتمال بلا دلیل ہے اور الفاظ کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ رابعاً اس بحث کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سید مودودی نے نبی امی ﷺ کو عام ان پڑھ لوگوں پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے اگر آپ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکھرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں، باقی کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے، نہ لکھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور ان کی جہالت ہے اور رسول اللہ کا ای ہونا آپ کا کمال ہے کہ دنیا میں کسی استاد کے آگے زانو تلمذ نہ نہیں کیا، کسی کتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور براہ راست خدا سے علم پا کر اولین اور آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا۔

متن کے تائید قرآن درست

کتب خانہ چند ملت - پشت

اب ہم قارئین کے سامنے بکھرت حوالہ جات کے ساتھ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نبی ﷺ کی طرف لکھنے کا استدلال کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا، حتیٰ کہ اس بات پر صلح کی کہ آپ آئندہ سال عمرہ کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں، جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی، کفار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے، اگر ہم کو یہ یقین ہو تاکہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ منع کرتے لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب سے فرمایا رسول اللہ (کے الفاظ) مثلاً "حضرت علی نے کہا نہیں! خدا کی قسم میں آپ (کے الفاظ) کو ہرگز نہیں مانتا گا، تب رسول اللہ ﷺ نے (لکھا) شروع کیا، اور آپ اچھی طرح (مہارت سے) نہیں لکھتے تھے۔ پس آپ نے لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی کہ کوئی شخص مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوگا، سو اس کے کہلواریام میں ہو۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۴۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث ۶۱۳۳)

امام بخاری نے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں اس طرح

ہے:

جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی کفار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے اگر ہم کو یہ یقین ہو تاکہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو منع نہ کرتے لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں پھر آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ (کے الفاظ) کو مٹا دو حضرت علی نے کہا نہیں ماخذ اکی قسم میں آپ (کے الفاظ) کو نہیں مٹاؤں گا تب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پکڑا اور لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی۔ (الحديث) (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۶۸۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ ان احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت براہ کی روایت میں اضطراب ہے اور راویوں نے حضرت براہ کے جوں کے توں الفاظ نقل نہیں کیے۔ کسی روایت میں لکھنے کا مطلقاً ذکر نہیں کسی میں صرف "کذب" ہے اور کسی میں ہے "لیس بحسن یکتب"۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۴۷ "مطالعہ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن")

یعنی بعض روایات میں ہے۔ آپ نے لکھا اور بعض روایات میں ہے آپ اچھی طرح یعنی مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔

سید مودودی کا اس اختلاف کو اضطراب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ان روایات کا معنی مضطرب ہو جائے۔ اگر اس قسم کے اختلاف کو اضطراب کہا جائے تو پھر تمام احادیث سلف الاستدلال قرار پائیں گی۔

علاوہ ازیں جن احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ نور بھی صحابہ کرام سے مروی ہیں اور ان میں "کذب" اور "لیس بحسن یکتب" کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اب ہم دوسرے صحابہ کی روایات کو پیش کر رہے ہیں:

سعید بن جبر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جمعات کا دن اکیسا تھا وہ جمعرات کا دن! پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے سگریزے بھیگ گئے۔ پس میں نے کہا اے ابن عباس! جمعات کے دن میں کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا اس دن رسول اللہ ﷺ کا ورد زیادہ ہو گیا تھا آپ نے فرمایا میرے پاس (قلم اور کاغذ) لاؤ میں تمہیں ایک ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے پس صحابہ میں اختلاف ہو گیا اور نبی علیہ السلام کے پاس اختلاف نہیں ہوتا چاہیے تھا صحابہ نے کہا آپ کا کیا حل ہے؟ کیا آپ بیماری میں کچھ کہہ رہے ہیں؟ آپ سے پوچھ لو۔ (الحديث)

مسلم کی ایک روایت (۳۵۶) میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کا اختلاف اور شور نبی ﷺ اور آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۴۳۱ صحیح مسلم "الرویت" ۲۰ (۱۶۳۷) سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۰۲۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرض میں مجھ سے فرمایا میرے لیے ابو بکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا میں ہی (خلافت کا) مستحق ہوں اور اللہ اور مومنین ابو بکر کے غیر پر انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۱۱ (۲۳۸۷) ۶۰۷۳)

حضرت انس بن مالک جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ نے کہا وہ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر ہر گئی ہوئی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گویا کہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیکھ رہا تھا اس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۸۵۷ صحیح مسلم "باب" ۵۶ (۲۰۷۲) ۵۳۷۹ سنن الترمذی رقم الحديث: ۵۲۰۳ السنن الکبریٰ سنن ابی داؤد رقم

الحديث: ۸۸۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسریٰ کی طرف، قیصر کی طرف، نجاشی کی طرف اور ہر جابر بادشاہ کی طرف مکاتب لکھے۔ آپ ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔
(صحیح مسلم الجامع السید ۷۵، (۱۷۷۳) ۲۵۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۲۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۳۷)
امام بخاری اور امام مسلم نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں امام ابو داؤد اور امام دارمی نے صرف اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا اور ایک سفید ٹمچر آپ کو ہدیہ میں بھیجی، رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو خط لکھا اور اس کو ایک چادر ہدیہ میں بھیجی، اور آپ نے حکم دیا کہ وہ سمندر کے ساتھ جس شہر میں رہتے ہیں اس میں ان کو جزیہ پر رہنے دیا جائے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸، صحیح مسلم، فضائل، ۵۸۳۹، (۳۳۳) ۵۸۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۵، مسند احمد ج ۵، ص ۳۲۵)

حضرت سل بن ابی شہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سل اور حضرت حمید کسی کلم سے خیر گئے، پھر حضرت حمید کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن سل کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا گیا، وہ یہود کے پاس گئے، (الی ان قل) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا تو یہود تمہارے مقتول کی میت ادا کریں گے اور یا وہ اعلان جنگ کو قبول کر لیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ (فیصلہ) یہود کی طرف لکھ کر بھیج دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۳، صحیح مسلم الحدود، ۶ (۱۲۶) ۳۷۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۱، سنن التسلیٰ رقم الحدیث: ۳۷۲۳-۳۷۲۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حضرت عباس، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت سل بن ابی شہم رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کی روایات ہیں، ان میں سے کسی حدیث کی سند ضعیف نہیں ہے، اور ان تمام احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کی تصریح ہے اور ان سب کی یہ تاویل کرنا کہ لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ مجاز ہے اور جب تک کوئی عقلی یا شرعی استحاجہ نہ ہو کسی لفظ کو حقیقت سے ہٹا کر مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور بلاوجہ حدیث کے الفاظ کو اپنی مرضی کا معنی پہنچانا محض اجراع ہوس ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ قرآن مجید سے نزول قرآن کے بعد آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، نیز لکھنا اور پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور کمال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو تو یہ نعمت عطا فرمائے اور آپ کو اس نعمت سے محروم رکھے، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ کو لکھنا اور پڑھنا نہیں آتا تھا تو لازم آئے گا کہ اس نعمت اور کمال میں امت آپ سے بڑھ جائے اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہے، امت کو اپنے نبی پر مطلقاً فضیلت نہیں ہوتی، جزی نہ کلی۔

نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی تحقیق

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۷۱۶ھ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا محمد بن عبداللہ اور ایک روایت میں ہے آپ نے یہ لکھا، حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے (صحیح البخاری ۳۲۵۱، ۳۲۵۲) علامہ المستنزی علامہ ابودور اور علامہ ہاتمی نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے اور ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لکھنا نبی ﷺ کے الی ہونے کے متعلق نہیں ہے، اور نہ اس آیت کے معارض ہے، اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی

کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۳۸) اور نہ اس حدیث کے خلاف ہے ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۷۷، سنن ابوداؤد: ۴۳۸) بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ کا اور زیادہ ہوتا ہے اور یہ آپ کے صدق اور آپ کی رسالت کی اور قوی دلیل ہے آپ نے کسی سے سیکھے بغیر اور اس کے عادی اسباب کے حصول کے بغیر لکھا ہے لہذا یہ اپنی جگہ ایک الگ معجزہ ہے اور جس طرح نبی کریم نے کسی سے پڑھے بغیر اور علم کے دیگر اسباب حاصل کیے بغیر اولین اور آخرین کے علم کو جان لیا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے اسی طرح کسی سے سیکھے بغیر لکھنا بھی آپ کے اہی ہونے کے خلاف نہیں اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اس وقت آپ نے چند لکیریں ڈالی ہوں اور ان کا مضمون محمد بن عبداللہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان حروف کی شناخت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان کی شناخت نہ ہو اور ہر تھری پر آپ سے اہی کا لقب ساقط نہیں ہو گا اندلسی اور اندلس کے علاوہ دوسرے ممالک کے علماء نے اس نظریہ کی مخالفت کی بلکہ علامہ باجی کی تکفیر کی لیکن یہ درست نہیں ہے اور شریعت میں اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(المفہوم ج ۳، ص ۶۳۸، ۶۳۹، مطبوعہ دار ابن کثیر، روت ۱۴۱۷ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی کریم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر یہ لکھائی جاری کر دی یا تو آپ کے علم کے بغیر قلم نے لکھ دیا یا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے لکھنے کا علم دے دیا اور آپ کو پڑھنے والا بنا دیا جب کہ آپ اعلان نبوت کے بعد پڑھتے نہ تھے اور اس سے آپ کے اہی ہونے پر اعتراض نہیں ہوتا اور انہوں نے اس موقف پر شعبی کی روایات سے استدلال کیا ہے اور بعض سلف سے منقول ہے کہ جب تک نبی کریم نے لکھ نہیں لیا آپ کی وفات نہیں ہوئی اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کا لکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۳۸) اور نبی کریم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۷۷، ابوداؤد: ۴۳۸) اور بخاری اور مسلم کی حدیث میں جو ہے کہ آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اس کا معنی ہے کہ آپ نے اس کے لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نبی کریم نے حضرت معاذ بن جندبہ کو جو کہ آپ نے چور کے ہاتھ کاٹنے یا شراہ کو کوڑے لگائے۔

قاضی عیاض نے کہا لکھنے کے قائلین نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر نزول وحی سے پہلے آپ کتاب سے پڑھتے یا لکھتے تو کفار اس قرآن کے متعلق شک میں پڑ جاتے اور جس طرح آپ کا ظاہر کرتا جائز ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے اہی ہونے کے متعلق نہیں ہے۔ آپ کا صرف اہی ہونا معجزہ نہیں ہے کیونکہ نزول وحی سے پہلے آپ کا نہ پڑھنا اور نہ لکھنا اور پھر قرآن پیش کرنا اور ان علوم کو پیش کرنا جن کو اہی نہیں جانتے یہ ایک معجزہ ہے۔

اور جن لوگوں نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ لکھنے کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا۔ یہ تاویل ظاہر حدیث سے بلا ضرورت عدول کرنا ہے جب کہ حدیث کی عبارت یہ ہے کہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے پھر آپ نے لکھا اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے خود لکھا اور جس طرح قرآن مجید میں ہے ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لائق ہے۔ (البیہق: ۲۹) اس کے باوجود آپ نے منظوم کلام کا مثلاً۔

هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے، حالانکہ تیرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔
کیونکہ آپ نے شر کوئی کے قصد اور ارادہ کے بغیر یہ منظوم کلام فرمایا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ لکھنا بھی آپ سے اسی طرح صادر ہوا ہو۔ (شرح الطیبی ج ۸، ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۳۳۳ھ)

علامہ طیبی کی اس آخری توجیہ سے ہم متفق نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کو لکھنے کا علم تھا اور آپ نے قصد لکھنا تھا، غیر ارادی طور پر آپ سے لکھنا صادر نہیں ہوا۔ جو شخص آپ کے امی ہونے کی وجہ سے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کا انکار کرتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ ﷺ عالم ہیں یا نہیں۔ اگر وہ آپ کو عالم نہیں مانتا تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ آپ کو عالم مانتا ہے تو جس طرح لکھنا پڑھنا امی کے منافی ہے اسی طرح عالم ہونا بھی امی کے منافی ہیں۔ خصوصاً وہ جو تمام مخلوقات سے بڑے عالم ہوں، نبی ﷺ احکام شریعہ کے عالم ہیں اور اسرار الہیہ کے عارف ہیں ایک امی کی یہ صفت کیسے ہو سکتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے امی ہونے کے باوجود آپ کو ان علوم سے نوازا اسی طرح آپ کو لکھنے اور پڑھنے کے علم سے بھی نوازا

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۷۷۶ھ، علامہ ابی مالکی متوفی ۸۴۸ھ اور علامہ سنوسی متوفی ۸۹۵ھ ان سب نے قاضی عیاض کی عبارت نقل کی ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے علامہ باقی مالکی متوفی ۸۴۳ھ پر تشبیح کی ہے۔
(صحیح مسلم مع شرح النوادی ج ۸، ص ۴۹۶، اکمال اکمال المصنوع ج ۶، ص ۳۲۱-۳۲۲، معجم اکمال اکمال ج ۶، ص ۳۲۱)
علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ مقول ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (عمدة القاری ج ۲، ص ۲۰، مطبوعہ مصر)
نیز لکھتے ہیں:

اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲، ص ۱۷، مطبوعہ مصر)
صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے محمد بن عبد اللہ لکھا اس پر یہ سوال ہوا کہ آپ تو امی تھے آپ نے اپنا نام کیسے لکھا؟
علامہ عینی نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ امی وہ شخص ہے جو مہارت سے نہ لکھتا ہو نہ کہ وہ جو مطلقاً نہ لکھتا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں استدلال مجازی ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کا معجزہ تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸، ص ۳۳، مطبوعہ مصر)
علامہ عینی کا دوسرا جواب صحیح نہیں ہے اور ابن کی پہلی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے یہ جواب علامہ باقی کے مخالفین سے نقل کیا ہے صحیح جواب وہ ہے جس کو انہوں نے آخر میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، ہم یہ پوری عبارت پیش کر رہے ہیں ہر چند کہ اس کی بعض چیزیں علامہ طیبی کی عبارت میں آچکی ہیں:

علامہ ابو الولید باقی مالکی نے صحیح بخاری کی اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر استدلال کیا ہے جس میں ہے ”میں رسول اللہ ﷺ نے لکھا“ یہ محمد بن عبد اللہ کا فیصلہ ہے، حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔ ان کے زمانہ کے علماء اندلس نے ان پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے، ”کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ”وما کنت تنزلوا من“

قبلہ مس کتب ولا تعطہ بمبینک“ آپ نزول قرآن سے پہلے نہ تو کتاب سے پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ علامہ باقی نے اس کے جواب میں کہا کہ قرآن مجید میں نزول قرآن سے پہلے آپ کے پڑھنے اور لکھنے کی نفی ہے، اور جب معجزات سے آپ کی نبوت ثابت ہو گئی اور آپ کی نبوت میں شک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ کے پڑھنے اور لکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، اور یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے۔ علامہ ابن وحیہ نے کہا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے علامہ باقی کے موقف کی حمایت کی، ان میں شیخ ابو ذر ہروی، ابو الفتح خیشا پوری اور افریقہ اور دوسرے شہدوں کے علماء شامل ہیں۔ بعض علماء نے حضور ﷺ کے لکھنے پر امام ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے: مجاہد، عون بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے، جب تک آپ نے لکھ اور پڑھ نہیں لیا، مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس روایت کا ذکر کیا انہوں نے کہا عون بن عبد اللہ نے سچ کہا ہے، میں نے اس روایت کو سنا ہے، (حفظ ابن حجر لکھتے ہیں) سل بن حطلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معلویہ سے کہا کہ وہ اقرب اور عینہ کے لیے لکھیں۔ عینہ نے اس پر کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں متکس کا صحیفہ لے کر جلوں گا؟ (یعنی تم نے کچھ کا کچھ تو نہیں لکھ دیا؟) اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس صحیفہ پر نظر ڈالی اور فرمایا معلویہ نے وہی لکھا ہے جو میں نے لکھا تھا یونس کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نزول قرآن کے بعد لکھا ہے (سل بن حطلمہ کی روایت مذکورہ میں آپ کے پڑھنے کا ثبوت ہے۔ سعیدی غفرلہ) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض آثار سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے اور خوش خطی کی معرفت تھی، کیونکہ آپ نے کتاب سے فرمایا قلم اپنے گلن پر رکھو یہ تم کو یاد دلائے گا اور آپ نے حضرت معلویہ سے فرمایا دو ات رکھو اور قلم ایک کنار سے رکھو، باؤ کو لبا کر کے لکھو، سین دھانے دار لکھو اور مہم کو کا مات کرو۔ قاضی عیاض نے کہا ہر چند کہ اس روایت سے آپ کا لکھنا ثابت نہیں ہوتا لیکن آپ کو لکھنے کا علم دیا جانا مستبعد نہیں ہے، کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے، اور جسور نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور حدیث کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی تھے، اور مسور کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی نے لکھا تھا اور صحیح بخاری کی حدیث میں قدر عبارت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے صلح بلندہ کو لیا اور اس میں محمد رسول اللہ کو مٹا دیا پھر حضرت علی کو وہ سلطانہ دوبارہ دے دیا، پھر حضرت علی نے اس میں لکھا۔ علامہ ابن اثیر نے اسی پر اکتفا کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے ”آپ نے لکھا“ اس کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا، اور اس کی حدیث میں بہت مثالیں ہیں، جیسے ہے آپ نے قیصر کی طرف لکھا اور آپ نے کسریٰ کی طرف لکھا، اور اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر بھی محمول کیا جائے کہ نبی ﷺ نے اپنا اسم مبارک لکھا تھا، علائکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ لکھنے کے عالم ہوں اور آپ ای نہ ہوں، کیونکہ بہت سے لوگ مہارت سے نہیں لکھتے، اس کے باوجود وہ بعض الفاظ کو پہچانتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ پر رکھ سکتے ہیں خصوصاً اسماء کو، اور اس وصف کی وجہ سے وہ ای (ان پڑھ) ہونے سے خارج نہیں ہوتے۔ جیسا اکثر بلا شہ اسی طرح ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے ہاتھ پر لکھنے کا عمل جاری ہو گیا ہو اور آپ مہارت سے نہ لکھتے ہوں اور اس سلطانہ کو آپ نے حسب مشاکلہ دیا ہو، اور یہ اس خاص وقت میں انگ ایک معجزہ ہو، اور اس سے آپ ای ہونے سے خارج نہ ہوں۔ اشاعرہ کے ائمہ اصول میں سے علامہ السمنانی نے بھی جواب دیا ہے، اور علامہ ابن جوزی نے بھی ان کی ابلع کی ہے، علامہ سہلی نے اس جواب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر چند کہ یہ ممکن ہے اور آپ کے لکھنے سے ایک اور معجزہ ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ اس کے مخالف ہے کہ آپ ای تھے جو لکھنا نہیں، اور جس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ”اگر آپ نزول قرآن سے پہلے لکھتے ہوئے تو مگرین آپ کی نبوت کے حلق شک میں پڑ جاتے“۔ اس آیت نے تمام شکوک و

شہادت کی جڑ نکلتی ہے اور اگر نزول وحی کے بعد آپ کا لکھنا جائز ہوتا تو منکرین پھر شبہ میں پڑ جاتے اور قرآن کے معاندین یہ کہتے کہ آپ مہارت سے لکھتے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے 'علامہ سہلی نے اس کے جواب میں کہا یہ محال ہے کہ بعض معجزات بعض دوسرے معجزات کے مخالف ہوں اور حق یہ ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا 'علامہ سہلی کی ہمت ختم ہوئی 'حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ فقط اپنا نام لکھنا آپ کے اہل ہونے اور معجزہ کے مخالف ہے سو یہ بہت قلیل اعتراض ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۳، ۵۰۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس آخری ہمت سے یہ معلوم ہوا کہ جس حدیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کا ذکر ہے اس سے آپ کا لکھنا مراد ہے اور آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ یا آپ کے اہل ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: حافظ کا میلان اس طرف ہے کہ اس باب کی حدیث (یعنی حضور ﷺ کا اپنا نام لکھنا) اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس خاص وقت میں رسول اللہ ﷺ کا اہل ہونے کے بلوجود اپنا نام لکھنا آپ کا معجزہ ہے۔

(تکملة فتح العلم ج ۳ ص ۱۸۰ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا رسول اللہ ﷺ کے اہل ہونے اور معجزہ کے خلاف ہے اس میں نظر کبیر ہے یعنی بہت بڑا اعتراض ہے 'ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ نے اس نظر کبیر کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

'معجزہ قرآنیہ وجہ کثیرہ سے ثابت ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کر لی جاتی کہ قرآن لانے والے اہل ہیں تب بھی یہ معجزہ تھا اور جب اس پر یہ وصف زائد ہو کہ قرآن کو لانے والے پہلے پڑھتے اور لکھتے نہ تھے تو اس سے اس کا معجزہ ہونا بہ طریق کمال ظاہر ہوا۔ اور معاندین کے اعتراضات منہدم ہو گئے 'اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ ابتداء ہی سے قاری اور کاتب ہوتے اور قرآن پیش کرتے تب بھی یہ آپ کا معجزہ ہوتا اور یہ بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا خلوت کرنا آپ کے اہل ہونے کے متغی نہیں ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی آپ کے اہل ہونے کے متغی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا صرف اہل ہونا معجزہ نہیں ہے 'آپ نے جب پہلے لکھے پڑھے بغیر قرآن مجید کو پیش کیا تو یہ آپ کا معجزہ تھا پھر آپ نے قرآن مجید میں ایسے علوم پیش کیے جن کو اہل نہیں جانتے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے ایسے علوم پیش کیے جن کو تمام علماء نہیں جانتے اور وہ ایسے علوم ہیں کہ اگر آپ بالکل اہل نہ ہوتے تو پھر بھی ان علوم کو پیش کرنا آپ کا معجزہ تھا کیونکہ قرآن معجزات کثیرہ پر مشتمل ہے اور جن لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا یہ بلا ضرورت ظاہر معنی سے مدلل کرنا ہے۔ یہاں پر قاضی عیاض کی عبارت ختم ہوئی (ملا علی قاری کہتے ہیں) اس توجیہ میں مجھے قاضی عیاض کے ساتھ توازن ہو گیا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر ظاہر ہو گا جنہوں نے میری پہلی تقریر (ج ۸ ص ۷۸) کو پڑھا ہو گا۔ (مرقات ج ۸ ص ۹۰۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

شیخ ابن احسن اصلاحی اہل کاسنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل مدرسہ و کتب تعلیم و تعلم سے نا آشنا کو کہتے ہیں 'اس کا لفظ اسماعیلی عربوں کے لیے بطور لقب استعمال ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مدرسہ اور رسمی تعلیم و کتب سے نا آشنا اپنی بدویانہ سلوکی پر قائم تھے۔ اور اسی طرح بنی اسرائیل جو کہ

حاصل کتاب تھے ان کے مقابل کے لیے اسیت ایک امتیازی علامت تھی۔ (الی قول) چنانچہ قرآن نے اس لفظ کو عربوں کے لیے ان کو اہل کتاب سے محض تمیز کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی پہلو سے آنحضرت ﷺ کے لیے نبی اہی کا لقب استعمال ہوا ہے۔ (تذکرہ قرآن ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۰۶ھ)

یعنی نبی ﷺ کو اہی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ نے کسی دوسرے میں جا کر لکھا پڑھنا نہیں سیکھا، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست لکھا پڑھنا سکھادے اور آپ لکھیں اور پڑھیں تو وہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے، یا خواہ اسرائیل سے امتیاز کے لیے آپ کو اہی فرمایا سو یہ بھی آپ کے لکھنے پڑھنے کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے تمام اہل مکہ کو اس میں فرمایا حالانکہ ان میں لکھنے پڑھنے والے بھی تھے، کاتین دہی تھے اور بدر کے بعض قیدیوں کے پاس قدیہ کے لیے رقم نہیں تھی تو نبی ﷺ نے ان کا قدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کی اولاد کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ (مسند احمد رقم الحدیث ۲۲۶، المستدرک ج ۲ ص ۳۰)

تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے متعلق احادیث

نیز اس آیت میں ارشاد ہے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اس میں نبی ﷺ کا چوتھا اور پانچواں وصف مذکور ہے، تورات میں آپ کا لکھا ہوا ہونا چوتھا وصف ہے اور انجیل میں آپ کا لکھا ہوا ہونا پانچواں وصف ہے۔ احادیث صحیحہ معتبرہ میں رسول اللہ ﷺ کی ان صفات کا ذکر ہے جو تورات اور انجیل میں ہیں، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس صفت کے متعلق بتائیے جو تورات میں ہے۔ انہوں نے کہا اچھا اللہ کی قسم تورات میں آپ کی ان بعض صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، وہ یہ ہیں: اسے نبی، ایم نے آپ کو بھیجا اور آنحضور آپ شاید اور مبشر اور نذیر ہیں، اور اس میں کی پناہ ہیں، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ سخت مزاج اور درشت خو نہیں ہیں، اور نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں، لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سب سے شرمیلی قوم کو سیدھا کر دے گا، بایں طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سب سے اندھی آنکھوں، سرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷، طبع قدیم رقم الحدیث ۲۳۲، طبع جدید، الادب المفرد رقم الحدیث ۲۳۷، ۲۳۶، دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷، سنن دارمی رقم الحدیث ۵۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۷، جامع الاصول ج ۱ رقم الحدیث ۸۸۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۰۳۶)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد ﷺ کی صفت لکھی ہوئی ہے، اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ کے ساتھ دفون ہوں گے اور حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

(جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث ۸۸۳۸)

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد نبی ﷺ کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ زبور میں داؤد علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی تھی۔ اے داؤد! عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہو گا وہ صاف اور سید ہو گا، میں اس پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ وہ مجھ پر کبھی ناراض ہو گا، میں نے اس کے تمام اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ سب کام) ان کے ارتکاب سے پہلے ہی معاف کر دیے ہیں، ان کی امت پر رحم کیا گیا ہے، میں نے انبیاء کو جیسے نوافل عطا کیے ہیں ان کو بھی اسی طرح کے نوافل عطا کیے ہیں، اور میں نے نبیوں اور رسولوں پر جس طرح کے فرائض فرض کیے ہیں، ان پر بھی ویسے فرائض فرض کیے ہیں۔ حتیٰ کہ

جب قیامت کے دن وہ میرے پاس آئیں گے تو ان کا نور نبیوں کے نور کی طرح ہو گا کیونکہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کریں جیسا کہ میں نے اس سے پہلے نبیوں پر وضو فرض کیا تھا اور میں نے ان پر غسل جنابت فرض کیا ہے جس طرح نبیوں پر غسل جنابت فرض کیا تھا اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو حج کا حکم دیا تھا اور میں نے ان کو جلا کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو جلا کا حکم دیا تھا اے داؤد میں نے محمد (ﷺ) اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے میں نے ان کو چھ ایسی فضیلتیں عطا کی ہیں جو کسی اور امت کو عطا نہیں کیں میں خطا اور نسیان پر ان کی گرفت نہیں کرتا اور وہ بلا انتہ طور پر جو گناہ کریں پھر مجھ سے معافی طلب کریں تو میں ان کو معاف کر دیتا ہوں اور وہ آخرت کے لیے جو نیکی کریں میں اس کو دگنا چو گنا کر دیتا ہوں اور ان کی نیکیوں کا میرے پاس اس سے بھی افضل ذخیرہ ہے۔ اور جب وہ مصائب پر مبر کر کے کہیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون تو میں ان کو صلوٰۃ رحمت اور جنات النعیم کی طرف ہدایت عطا کروں گا اور جب وہ مجھ سے دعا کریں گے تو یا تو میں اس کو فوراً قبول فرماؤں گا یا اس کے عوض ان سے کوئی برائی دور کر دوں گا اور یا ان کے لیے آخرت میں اجر کو ذخیرہ کروں گا۔ اے داؤد محمد (ﷺ) کی امت سے جو شخص یہ شہادت دے گا کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں واحد ہوں اور میرا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ اس شہادت میں صلوٰۃ ہو گا تو وہ میری جنت میں اور میری کرامت میں میرے ساتھ ہو گا اور جس نے مجھ سے اس حل میں ملاقات کی کہ اس نے محمد (ﷺ) کی تکذیب کی ہو اور ان کے پیغام کی تکذیب کی ہو اور میری کتاب کا مذاق اڑایا ہو تو میں اس کی قبر میں اس پر عذاب اندیل دوں گا اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو فرشتے اس کے چہرے اور اس کی دہر پر ضرب لگائیں گے۔ پھر میں اس کو دوزخ کے سب سے پچھلے طبقہ میں ڈال دوں گا۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۸۱-۳۸۰ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۲ تہذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۴)

مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم نبی امی عربی کی تصدیق کرنا جو اونٹ کی سواری کریں گے زہر پھینکے گے پھل پھینکے گے جو کہ تاج ہے اور نخلین پھینکے گے اور ان کے پاس لاشی ہوگی ان کے سر کے بل تھکرا لے ہوں گے کشادہ پیشانی ہوگی خوبصورت بھویں ہوں گی بڑی بڑی آنکھیں ہوں گی بڑا دلہنہ ہو گا اور گہری سیاہ آنکھیں ہوں گی کھڑی ناک ہوگی فراخ پیشانی گھنی داڑھی ہوگی چہرے پر ہمیشہ موتیوں کی طرح ہو گا ان سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ ان کی گردن میں چاندی اور گلے میں سونا چھٹک رہا ہو گا ان کے گلے کے نیچے سے ٹٹ تک ہل ہوں گے۔ ان کی ہتھیلیاں اور قدم پر گوشت ہوں گے جب وہ لوگوں کے درمیان ہوں گے تو ان پر چھا جائیں گے اور جب وہ چلیں گے تو لگے گا جیسے بلندی سے ڈھلوان کی طرف آ رہے ہوں اور ان کی اولاد کم ہوگی۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۸ تہذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۳۵)

موجودہ تواریخ کے متن میں نبی (ﷺ) کے متعلق بشارتیں

موجودہ تواریخ میں بھی سیدنا محمد (ﷺ) کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تبارک و تعالیٰ نے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سنتوں پر تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن جواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو گا کہ میں مرنے چلوں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے

گاندے نے گاتو میں بن کا حلیہ اس سے لوں گا

(تورات استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵-۱۹ پر امام محمد نامہ ص ۱۸۳ مطبوعہ ہائیکل سوسائٹی لاہور)

اور مودعہ اموی نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وقت سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے O اور اس نے کہا: خد لوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے بن پر آشکار ہوا۔ اور کوہ فار بن سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے واسطے ہاتھ پر بن کے لیے آتش شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہو گا۔

(تورات استثناء باب ۲۳ آیت ۲۰-۲۱ پر امام محمد نامہ ص ۲۰۱ مطبوعہ ہائیکل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۷۳ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی: دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور بنی بیہوش کہ کرمہ میں دس ہزار محلہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے اس طرح یہ آیت بنی بیہوش پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ تورات کے پرانے (۱۹۷۳ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خد لوند سینا سے آیا اور شعیر سے بن پر ظہور ہوا فار بن ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دس ہاتھ ایک آتشیں شریعت بن کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس استثناء باب ۲۳ آیت ۲۰ ص ۱۹۲ مطبوعہ برٹش ایڈ فارن ہائیکل سوسائٹی انٹرنیشنل لاہور ۱۹۷۳ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

وانی من سوات اقدس۔ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی ص ۳۳۳ ۱۹۸۰ء)

لو نہیں معلوم نے ربوہ کے معنی لکھے ہیں: الجماعة العظيمة نحو عشرة آلاف۔ (المجد ص ۲۳۷) یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔

دیکھو میرا خلام (پچھلے ایڈیشنوں میں ”بندہ“ تھا۔ سعیدی غفرلہ) جس کو میں سنبھالوں میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی O وہ سب سے ہوئے سرکڑے کو نہ توڑے گا اور ٹھنڈائی جی کو نہ بجھائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا وہ مائدہ نہ ہو گا اور صحت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے O جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تین دن دیا جس نے زمین کو اور بن کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا۔ جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عطا کرتا ہے یعنی خد لوند یوں فرماتا ہے میں خد لوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا O اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا O تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور بن کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے O یہودیوں میں بھی میرا نام ہے میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی صورتوں کے لیے روانہ نہ کروں گا O دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں O

(تورات سمیاء باب ۲۲ آیت ۱-۹ مطبوعہ پاکستان ہائیکل سوسائٹی لاہور ص ۶۹۳ ۱۹۸۰ء)

اس آیت کی آیت نمبر ۲ میں ہے: وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اس آیت میں نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے: حضرت عمرو بن العاص کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۰)

اس باب کی آیت نمبر ۶ میں ہے میں ہی حیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ يَخَصُّصُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی اور حضرت عیسیٰ نے چلا کر کہا اے میرے خدا اے میرے خدا اتونے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ ملاحظہ ہو:

اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ذال کر ہٹا دیے۔ (الی قولہ) اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا اہلی۔ اہلی لما شفتبنتی؟ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا اتونے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی کی انجیل باب ۲۷: ۴۶-۴۵ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ص ۳۳-۳۴ ۱۹۹۲ء)

نیز اس باب کی آیت ۷ میں ہے کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور بن کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

اس آیت میں بھی نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے اور اس کی تصدیق ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ مَجْلَى السَّلَامِ ۝ وَ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (المائدہ: ۵۶-۵۷)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا اور کتاب مبین۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف لاتا ہے۔

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت ہے: اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے غیر مسمی قوم کو سیدھا کر دے گا۔ پس طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سبب سے اندھ می آنکھوں پر نور پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۰)

موجودہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے ۱۰۹ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بلا شلی تم سے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی ۱۱۰

(متی کی انجیل، باب ۲۱: ۴۲-۴۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ص ۲۵-۲۶ ۱۹۹۲ء)

یہ آیت بھی نبی ﷺ کی بشارت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْتِجُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ ۚ وَالسُّبُوتَ فَإِنْ يُكْفَرْ بِهَا هَؤُلَاءُ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی ہے۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر

قَوْمًا لِّسُوَايَ كَيْفَ رِئَسَ (الانعام ۸۶)

کریں تو بیشک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں ہیں۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے اور اگر میرے نام سے کچھ چاہو گے تو میں وہی کروں گا اور اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ اب تک تمہارے ساتھ رہے اور

(یوحنا کی انجیل باب ۴، آیت ۱۶-۱۷ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۹۹، ۱۹۹۲ء)

لیکن جب وہ مددگار آئے گا جن کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۴، آیت ۲۶ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۱۰۰، ۱۹۹۲ء)

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گنہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور دار ٹھہرائے گا گنہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اور راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے اور عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا اور

(یوحنا کی انجیل باب ۱۶، آیت ۱۳-۱۷ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۱۰۱، ۱۹۹۲ء)

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَتَّبِعُوا آلِيَّيَاسِينَ
الَّذِينَ آمَنُوا أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِثْلَهُمْ قَالُوا سُبْحَانَ
مَنْ هَذَا قَالُوا سُبْحَانَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
وَلَهُ السُّعُودُ (الصافات: ۱۶)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے نبی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور آنحضور کے بارے میں اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اس بشارت کی مزید تصدیق انجیل کی اس آیت میں ہے:

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا کی انجیل باب ۱۴، آیت ۳۰ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۹۹، ۱۹۹۲ء)

نیز ان آیات میں ہے وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا باب ۱۴، آیت ۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں تمام انبیاء علاقائی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے دو میان کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح مسلم فضائل ص ۱۵۳، ۲۳۶۵، ۶۰۱۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۶۷۵)

ان آیات میں ہے وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ (یوحنا باب ۱۴، آیت ۲۶)

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ سے فرماتا ہے:

إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہیں۔

(الشوری: ۵۲)

نیز اس آیت میں ہے: وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

اور قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے:

وَمَا يَسْطِقُ عَلَى الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ

اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔ ان کا فرمانا وحی

یُوحًی ۖ (الحجم: ۳-۲)

ہوتا ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ ہمیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

یہ پیش گوئی بھی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قیامت

تک ہونے والے تمام امور بیان کر دیے۔ جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح مسلم النسخ ۲۲: ۲۸۹، ۱۳۰، صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۶۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۲۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے مخلوق کی ابتداء سے خبریں

دینی شروع کیں حتیٰ کہ الٰہی جنت اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اہل ہمارے گھروں میں داخل ہو گئے۔ جس نے اس کو یاد

رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۱۳۳)

امریا المعروف اور نبی عن المسکر میں نبی ﷺ کی خصوصیات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا۔ یہ نبی ﷺ کا چھنا وصف ہے: نیکی کا حکم

دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ وہ

شرک نہ کریں رشوت اور تھوڑے معاوضہ کے بدلہ میں تورات کی آیتوں کا سودا نہ کریں سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور بشارات

سے متعلق آیتوں کو لوگوں سے نہ چھپائیں اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کے مقابلہ میں اپنے علماء اور راہبوں کے اقوال کو ترجیح نہ

دیں اور ہر قسم کے صغیرہ کو کبیرہ گناہوں کو ترک کر دیں۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا کام دوسرے نبیوں اور رسولوں نے بھی کیا ہے یہاں آپ کے اس وصف کو اللہ

تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کیونکہ آپ نہایت حکمت اور عمدہ چرائے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے تھے قرآن مجید

میں ہے:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَ

حکمت اور عمدہ فصاحت کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی

الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ

طرف بلائیے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت قائم کیجئے۔

أَحْسَرُ (النحل: ۱۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک اعرابی

آیا اور کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس کو ڈانٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا

پیشاب منقطع نہ کرو اس کو چھوڑ دو پس انہوں نے اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا (امام بخاری کی روایت میں ہے:

آپ نے فرمایا اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول پانی بہا دو تم اسنی کرنے کے لیے بیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بیجے گئے۔ (رقم الحدیث: ۳۲۰) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس امر الی کو بلایا اور فرمایا یہ مساجد پیشاب یا کسی اور گندگی ڈالنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں یہ تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں یا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر آپ نے ایک شخص کو ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر بہا دیا۔

(صحیح مسلم النوار ۱۰۰: ۲۸۵۰) ۶۳۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۵ سنن اقصائی رقم الحدیث: ۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲۸)

حضرت معلویہ بن الحکم سلمی جرح بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا نمازیوں میں سے کسی شخص کو چھینک آئی۔ میں نے کہا یہ حکم اللہ تو نمازی مجھے گھور کر دیکھنے لگے میں نے کہا اس کی میں روئے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ اور وہ اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے تب میں نے جان لیا کہ وہ مجھے چپ کرنا چاہتے ہیں سو میں چپ ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی آپ پر میرے میں باپ خدا ہو جائیں آپ نے مجھے مارا نہ ڈانٹا نہ برا کہا آپ نے فرمایا اس نماز میں لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ نماز میں تو صرف تسبیح تحمید اور قرآن کی قرأت ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد کی دوسری روایت میں ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرح نرمی کرنے والا کوئی معلم نہیں دیکھا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۳۱-۹۳۰ سنن اقصائی رقم الحدیث: ۱۳۱۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۵۰۲ مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۸) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ اس آیت کا حوالہ لیتے تھے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنُؤَلِّقَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ قَطًا عَنِيبًا لِّلْقَلْبِ لَاسْفَقُوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹) ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ کسی کام سے منع فرماتے تو اس کی حکمت بھی بیان فرما دیتے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو جرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے میں باپ کو لعنت کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے میں باپ پر کیسے لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے باپ کو گل دے گا تو وہ (جواب میں) اس کے باپ اور میں کو گل دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳ صحیح مسلم الامین ۱۳۶: ۴۰) ۲۵۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۳۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۷ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱-۲۲۳ ۸۵-۸۳)

آپ کا منشاء یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کے میں باپ کو گل نہ دے لیکن آپ نے اس کو ایسے موثر انداز میں فرمایا کہ جب تم کسی کے میں باپ کو گل دو گے تو وہ تمہارے میں باپ کو گل دے گا اور اس طرح تم اپنے میں باپ کو گل دینے کا سبب بنو گے۔ چنانچہ فرمایا تم اپنے میں باپ کو گل نہ دو۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ جس چیز کا حکم دیتے تھے خود اس پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ آپ نے ہمیں پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور خود بشمول تہجد چھ فرض پڑھتے تھے۔ آپ نے ہمیں طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود وصال کے روزے رکھے جس میں بغیر انظار اور سحر کے

روزے پر روئہ ہوتا ہے۔ اور یہ کئی کئی دن کے روزے ہوتے تھے۔ ہمیں مل کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا اور خود اپنے پاس مطلقاً نہیں رکھتے تھے، ہمارے ترکہ میں وراثت جاری کی اور اپنا تمام ترکہ صدقہ قرار دیا، ہمیں چار بیویاں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازدواج میں عدل کر کے دکھایا۔

اور آپ کی جو تھی خصوصیت آپ کی اثر آفرینی تھی، آپ نے انبیاء سابقین کے مقابلہ میں تبلیغ کا سب سے کم وقت پایا اور سب سے زیادہ اپنے پیروکار پھوڑے۔ آپ نے خود فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی (۸۰) اس امت کی صفیں ہوں گی اور باقی چالیس صفیں دوسرے انبیاء کی ہوں گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵) انبیاء سابقین کی تبلیغ سے انسان بھی بمثل مسلمان ہوتے تھے، آپ کی تبلیغ سے انسان مسلمان ہوئے، جنت مسلمان ہوئے، مکہ اور ہرنی نے گلہ پڑھا، شجرہ خمر سلام عرض کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا ہزارو بھی مسلمان ہو گیا!

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں

ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سر سر

آج دنیا میں کسی نبی کے پیروکار اپنے نبی کی صحیح تعلیم پر قائم نہیں ہیں صرف آپ کی امت ہے جو آپ کی تعلیم پر قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی!

اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی یہ صفت بیان کی کہ ”جو من کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا، یہ نبی ﷺ کا ستواں وصف ہے۔“

اس کا معنی یہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو انہوں نے اپنی خواہش سے حرام کر لیا ہے ان کو یہ نبی حلال کرے گا اور جن ناپاک چیزوں کو انہوں نے اپنی مرضی سے حلال کر لیا ہے ان کو یہ نبی حرام کرے گا یا اس کا یہ معنی ہے کہ جو پاک چیزیں بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں ان کو یہ نبی حلال کر دے گا مثلاً حلال جانوروں کی چربی، اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کر دے گا مثلاً خون، مواد جانور اور شراب وغیرہ۔ جو چیزیں حرام ذریعہ آمدنی سے حاصل ہوں ان کو بھی حرام کر دے گا۔ مثلاً سود، رشوت اور جو وغیرہ۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حلال اور حرام کرنے کا منصب عطا فرمایا ہے اور آپ کو یہ منصب عطا کیا ہے کہ آپ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کر دیں۔

حضرت مقدم بن سعدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی ایک مثل دی گئی ہے، ”سنو! عنقریب ایک شخص اپنے تخت پر سیر ہو کر بیٹھا ہو گا وہ یہ کہے گا کہ اس قرآن کو لازم رکھو، اس میں جو تم حلال پاؤ اس کو حلال قرار دو، اور اس میں جو حرام پاؤ اس کو حرام قرار دو، اور بے شک جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، سنو! تمہارے لیے پانچ گدھا حلال نہیں ہے، اور نہ ہر کھیلوں سے شکار کرنے والا درندہ اور نہ راستہ میں پڑی ہوئی ذی کی چیز سوا اس کے کہ اس کا مالک اس سے مستثنیٰ ہو۔“

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۸۲)

مسند احمد ج ۳، ص ۵۲، المستدرک ج ۱، ص ۱۰۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۷۳

الطیبات اور الخبائث کی تفسیر میں مذاہب اربعہ

امام غزالی بن محمد بن محمد رازی شافعی متونی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الطیبات سے یہ مراد لینا واجب ہے کہ جو چیزیں طبیعت کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہیں وہ حلال ہیں اور نفع بخش چیزوں میں اصل حلت ہے لہذا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہے وہ حلال ہے سوا اس کے کہ کسی اور شرعی دلیل سے وہ حرام ہو اسی طرح الخبائث سے مراد وہ چیز ہے جو نفس اور طبیعت کے نزدیک گھٹاؤنی ہو اور اس کا استعمال صحت کے لیے مضر ہو وہ حرام ہے کیونکہ ضرر رساں چیزوں میں اصل حرمت ہے سوائے ہر چیز حرام ہے سوا اس کے کسی اور شرعی دلیل سے وہ حلال ہو اسی قاعدہ کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کسی کی بیع حرام ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خبیث ہے اور اس کی شمن (قیمت) خبیث ہے اور جب وہ خبیث ہے تو پھر حرام ہے کیونکہ اس آیت میں ہے وہ تم پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں نیز خمر (انگور کے کچے شیرہ سے بنی ہوئی شراب) حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ر جس (نجس) فرمایا ہے۔ (المائدہ ۹۰) اور نجس چیز خبیث ہے اور خبیث چیز حرام ہے پس خمر حرام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۸۲ تا ۳۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متونی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

ان پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں جو ان پر حرام تھیں جیسے چربی (یا اونٹ) اور بٹاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں جیسے خون خنزیر کا گوشت اور سود اور رشوت۔ (تفسیر بیضاوی مع الکازر ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متونی ۶۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پاک چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا خبائث خنزیر کا گوشت اور سود وغیرہ ہیں۔ اسی بناء پر امام مالک نے گھٹاؤنی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے مثلاً سبب بچھو اور گھمڑا وغیرہ اور امام شافعی کے نزدیک طہیات سے مراد لذیذ چیزیں ہیں لیکن یہ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ شراب اور خنزیر بھی حلال ہو بلکہ یہ ان کے ساتھ خاص ہے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا اور ان کے نزدیک خبیث کالفاظ محرمات شرعیہ میں عام ہے۔ اور ان کے نزدیک گھٹاؤنی چیزیں بھی خبیث ہیں اس لیے وہ بچھو گھمڑے اور گرگٹ کو حرام کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متونی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

طہیات میں چار قول ہیں:

۱۔ اس سے مراد حلال چیزیں ہیں یعنی آپ حلال چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔

۲۔ جن چیزوں کو عرب پاک قرار دیتے تھے۔

۳۔ اس سے مراد چربی ہے جو بنو اسرائیل پر حرام کی گئی تھی۔

۴۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو مشرکین عرب حرام کہتے تھے۔

یعنی بحیرہ (جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور اس کا آخری بچہ نہ ہو تا تو اس کا کلن چیر دیتے پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے نہ پانی اور چارے سے ہٹاتے اور اس کو بحیرہ کہتے) اور سائب (جب سرور پیش ہو تا یا کوئی شخص بیمار ہو تا تو وہ یہ نذر مانتے کہ اگر میں سفر سے خیریت سے واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائب ہے) اس سے بھی بحیرہ کی طرح نفع اٹھانا

تبیان القرآن

جلد چہارم

حرام ہوتا اور اس کو بھی کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) اور دسید (بکری جب سات بچے جن چکتی تو اگر ساتوں بچہ نہ ہو تو اس کو صرف مرد کھاتے اور اگر ملوہ ہو تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اگر نر اور ملوہ دونوں ہوتے تو کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اس کو دسید کہتے اس سے بھی نفع اٹھاتا حرام ہوتا اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے) اور حام (جب اونٹ دس مرتبہ گیا بھن کر دیتا تو اس کو حامی کہتے اس سے بھی نفع اٹھاتا حرام کہتے اور اس کو کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) یہ تعریفیں علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ نے مہارک التزیل ج ۱ ص ۵۳۲ علی حاشی الخازن میں ذکر کی ہیں۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بخیر وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روک دیا جاتا پس کوئی شخص اس کا دودھ نہ دوہتا تھا اور ساتھ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کوئی چیز نہیں لادی جاتی تھی اور دسید وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار نہ جنتی اور دوسری بار ملوہ اس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے بشرطیکہ وہ اس طرح دو اونٹیاں جنتی کہ ان کے درمیان نہ ہو تا اور جو اونٹ مخصوص عدد کے مطابق گیا بھن کر تا اس کو حام کہتے تھے اس کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۴۷۳۳)

اور الخبائث میں تین قول ہیں:

۱- اس سے مراد حرام چیزیں ہیں۔

۲- جن چیزوں کو عرب خبیث سمجھتے تھے اور ان کو نہیں کھاتے تھے مثلاً سانپ اور حشرات الارض۔

۳- جن چیزوں کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے مثلاً مردار، خون اور خنزیر کا گوشت۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ جون پوری حنفی متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

الطیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان پر حرام کر دی گئی تھیں مثلاً چربی وغیرہ یا جو چیزیں شریعت میں حلال ہیں مثلاً جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا۔ سو ان چیزوں کے جن کو کسب حرام سے حاصل کیا گیا ہو اور الخبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نجس ہوں جیسے خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا جو چیزیں حکماً خبیث ہوں جیسے سود اور رشوت وغیرہ اور دوسری چیزیں جو کسب حرام سے حاصل کی گئی ہوں فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مچھلی کے علاوہ سمندری جانور حرام ہیں۔ کیونکہ وہ سب خبیث ہیں (کیونکہ ان سے گھن آتی ہے) اس میں امام شافعی پر رد ہے۔ کیونکہ وہ تمام سمندری جانوروں کو حلال کہتے ہیں۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۳۲۱، مطبوعہ مکتبہ خفایہ، پشاور)

لامام شافعی کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں اور امام مالک کے نزدیک جن سمندری جانوروں کی نظیر خشکی میں حرام ہے وہ سمندر میں بھی حرام ہیں مثلاً خنزیر اور کتہ۔ باقی سمندری جانور ان کے نزدیک حلال ہیں اور ان کے نزدیک وہ خبیث نہیں ہیں کیونکہ ان کو ان سے گھن نہیں آتی اور دراصل گھن کھانا ایک اضافی چیز ہے۔ بعض لوگوں کو بعض چیزوں سے گھن آتی ہے اور بعض دوسروں کو نہیں آتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم کا آنکھوں اور نواں وصف ذکر فرمایا جو ان سے بوجھ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

بنو اسرائیل کے بوجھ اور ان کے طوق کا اتارنا

اس سے مراد وہ شدید احکام ہیں جو بنو اسرائیل پر فرض کیے گئے تھے۔

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ ابو موسیٰ ایک بوتل میں پیٹاب کر رہے تھے، انہوں نے کہا ابو اسرائیل کو جب پیٹاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کٹ دیتے تھے۔

(مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۳۰۸، طبع جدید دار الفکر، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۸۳)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے گھر کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے اہل اور مل کے ساتھ گھر سے نکل کر دشمن کے مقابلہ کو جاؤ حتیٰ کہ تم سب پر موت آ جائے۔ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۸۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

اہل غنیمت ان پر حائل نہیں تھا، اس کو ایک آگ آکر جلا دی تھی، رخت کے دن شکار کرنا ممنوع تھا لہذا گار حطو کو کٹنا لازم تھا، قتل غلا ہو یا قتل عدو اس میں قصاص لازم تھا، رخت مشروع نہ تھی، غنیم کی سولت نہ تھی، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

سیدنا محمد ﷺ نے ان تمام مشکل اور شدید احکام کے بوجھ اور طوق اتار دیے اور ان کے مقابلہ میں آسان احکام مشروع فرمائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۳)

اس آیت میں نور سے مراد قرآن مجید ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ نازل نہیں ہوا، بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس کا نام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کی نبوت کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے اور علامہ آلوسی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کے بھیجے کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ بہر حال نور سے مراد قرآن مجید ہے اور آیت کے اس حصہ میں دو مضمون ہیں، ایک مضمون یہ ہے کہ ایمان وہ مستحب ہے جو آپ کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مومن نہیں ہے، نور دو سرا مضمون یہ ہے کہ آپ کی تعظیم اور توقیر کرنے کا حکم مقدم ہے اور قرآن مجید کی اتباع کرنے کا حکم موخر ہے، پہلے ہم آپ کی تعظیم اور توقیر کو بیان کر رہے ہیں۔

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

۱- سورۃ الاعراف: ۷۵ میں نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کرنے اور آپ کی نصرت اور حمایت کرنے کا صراحتاً حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل آیات میں بھی صراحت کے ساتھ نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم فرمایا ہے:

۲- اِنَّا ارْسَلْنٰكَ شَٰهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا
لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَ تَعْرِضُوْهُ وَّ تُوَفِّرُوْهُ
وَّ تَسْبِّحُوْهُ بِكُفْرٍ وَّ اَهْبَلًا (الفتح: ۸۴)

بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام کو اللہ کی تسبیح کرو۔

۳- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْا مِثْلَ بَيْتِ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَتَقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(الحجرات: ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ رمضان کے مہینہ سے پہلے روزے رکھنا مقدم کرتے اور نبی ﷺ سے پہلے روزے رکھنا شروع کر دیتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (المکمل للوسط ج ۳، رقم الحديث: ۲۷۳۲، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، ۱۴۰۷ھ)

امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے حضرت حسن جریڈی سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے قریش کے دن نبی ﷺ سے پہلے فسخ کر دیا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ فسخ کریں اور یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۰، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۷)

امام ابن جریر، امام ابی حاتم اور امام ابن مودیع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو نبی ﷺ کے کلام کرنے سے پہلے کلام کرنے سے منع کیا گیا۔

(جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰، ص ۳۳۰، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۶)

امام بخاری نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کوئی شریعت حکم نہ بیان کرو (کوئی فتویٰ نہ دو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی زبان سے فیصلہ فرمائے۔

(صحیح البخاری باب ۳۹، جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۰، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۷، الجامع لا حکام القرآن ج ۱۶، ص ۱۷۴)

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَحْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَحَهْرٍ بَعْضِكُمْ رِيبُغِضُ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اس (عظیم) نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں یہ بھی نہ چلے۔

ابن ابی ملیکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ دو سب سے افضل مسلمان ہلاک ہو جاتے، جب بنو قحیم کی جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی تو ان میں سے ایک (حضرت ابو بکر جریڈی) نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان پر اقرع بن حابس کو امیر بنائیے جو بنو جاشع کا بھائی ہے اور دوسرے (حضرت عمر جریڈی) نے کسی اور کو امیر بنانے کے لیے کہا، مانع نے کہا مجھے اس کا نام یاد نہیں ہے پس حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو، حضرت عمر نے کہا تم میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو، حتیٰ کہ اس معاملہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔

حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بلند آواز سے نہیں کہتے تھے بہت پست آواز سے بات کرتے حتیٰ کہ حضور ان سے پوچھتے کہ کیا کہا ہے، حضرت ابن الزبیر نے اپنے بھائی یعنی حضرت ابو بکر کا ذکر نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۸۳۵، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۷۷۷، سنن التسلی رقم الحديث: ۵۳۰۱، سنن کبری للسلی رقم الحديث: ۵۵۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳، جامع الاصول ج ۲، رقم الحديث: ۸۰۹، جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۵-۱۵۴، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۸-۵۳۷)

امام یزید، امام ابن عدی، امام حاکم اور امام ابن مودیع نے حضرت ابو بکر صدیق جریڈی سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب میں آپ سے صرف آہستہ آہستہ بات کروں گا۔

(مسند ابی یزید رقم الحديث: ۲۲۵۷، المستدرک ج ۳، ص ۷۴، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اس (عظیم) نیا کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو (النجرات: ۲) تو حضرت ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ میں سے ہوں اور نئی چیز کے پاس آنے سے رک گئے۔ نئی چیز نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا: اے ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی بیماری کا کوئی علم نہیں ہے۔ پھر حضرت سعد، حضرت ثابت کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق پوچھ رہے تھے، حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بولتا ہوں، لہذا میں اہل دوزخ سے ہوں، حضرت سعد نے نئی چیز سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہ اہل جنت سے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۶، صحیح مسلم الايمان ۷: ۱۱۹، ۳۰۷، جامع البیان ۷: ۲۷، ص ۱۵۴)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ زہری نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شمس نے کہا اے نبی اللہ! مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے سامنے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور میں بلند آواز سے بولنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ پسند نہ کرو کہ تمہاری اس کام پر تعریف کی جائے جس کو تم نے کیا ہو اور میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی تعریف چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع کیا ہے اور میں حسن و جمل کو پسند کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اے ثابت! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ زندگی میں تم نیک نام ہو اور تمہیں شہادت کی موت آئے اور تم جنت میں داخل ہو، سو انہوں نے نیک نامی کے ساتھ زندگی گزاری اور سبیلہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

(جامع البیان ۷: ۲۷، ص ۱۵۴، حلفہ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حبان، امام طبرانی اور ابو نعیم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے، الدر المنثور ج ۷، ص ۵۳۹)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۸۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم دیتا اور آپ سے گفتگو کرتے وقت آواز کو پست رکھنا، اور بعض علماء نے نئی چیز کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنے کو بھی منع کیا ہے اور بعض علماء نے علماء کے سامنے بھی آواز بلند کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، قاضی ابو بکر بن العربی نے کہا کہ حیات میں اور بعد از وفات نئی چیز کا احترام یکساں ہے، اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ آپ کے سامنے آواز بلند نہ کرے نہ آپ سے اعراض کرے۔

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس سے استخفاف اور اہانت مترشح ہو کیونکہ یہ کفر ہے اور اس آیت کے مخاطب مومن تھے، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انتہائی پست آواز سے آپ کے سامنے بات چیت کی جائے جیسا کہ کسی بارگاہ اور پرہیز گار کے سامنے ادب کے ساتھ پست آواز میں بات کی جاتی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ۱۶: ۱۶۷، ص ۲۷۸-۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۵۱۵ھ)

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے: عروہ نے نئی چیز کے اصحاب کو یہ غور دیکھا شروع کیا، اس نے کہا یہ خدا رسول اللہ ﷺ جب بھی تھوکتے تھے تو کوئی نہ کوئی صحابی اٹھ آگے کر دیتا، پھر اس لعاب مبارک کو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر ملتا اور جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو

سب اس کام کو کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے کہ لگتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ بات کرتے تو آپ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے تھے جب عروہ کفار قریش کی طرف واپس گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! یہ خدا میں کئی بلا شاہوں، قیصر و کسری اور نجاشی کے پاس وفد بنا کر گیا ہوں اور یہ خدا میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بلا شاہ کی ایسی تعظیم کی جاتی ہو جیسی تعظیم اصحاب محمد (سیدنا) محمد ﷺ کی کرتے ہیں یہ خدا جب وہ تھوکیں تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا ہے پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا ہے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو اس کو کرنے کے لیے سب ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۳۰-۲۷۳۱، مسند احمد ج ۳، ص ۳۳۰، طبع قدیم دار الفکر)

رسول اللہ ﷺ کے لوب، اجلال اور احرام کا صحابہ کرام اس طرح لحاظ کرتے تھے کہ آپ سامنے بالکل ساکت اور جامد بیٹھے رہتے تھے اور مطلقاً بولنے بھی نہیں تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور ان کے ہٹنے سے وہ پرندے اڑ جائیں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے ہم ایک قبر کے پاس پہنچے اور جب لحد بتائی جارہی تھی تو رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۰۵۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۷۸، مسند احمد ج ۳، ص ۲۹۵)

(۲۷۸-۲۷۹، طبع قدیم دار الفکر بیروت)

إِنَّ الَّذِينَ يَمُوتُونَ أَسْوَائَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ
اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ
لِيَلْقُوا لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا
بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست
رکھتے ہیں (ایہ) ادنیٰ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تعوی
کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب

(الحجرات: ۳)۔

امام ابن جریر لکھتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے وقت آواز پست رکھتے ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی ادائیگی اور گناہوں سے اجتناب کے لیے خاص اور صنفی کر لیا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ الحجرات ۲ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بہت پست آواز میں بات کرتے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۲۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یعنی نبی ﷺ کی تعظیم اور تکریم اور آپ کے لوب اور احرام کا صلہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم ہے اور آپ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا اور آپ کے ادب اور احرام کی رعایت نہ کرنا اپنے تمام نیک اعمال کو ضائع کرنا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُسَادُّونَكَ مِنْ ذُرَاةِ الْحُحْرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات: ۳)
بے شک جو لوگ آپ کو مجرہوں سے باہر پکارتے ہیں ان
میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر

یہ نبی ہیں تو ہم اور لوگوں کی بہ نسبت سعادت حاصل کریں گے اور اگر یہ بلا شلہ ہیں تو ہم ان کے زیر سایہ رہیں گے میں ان کو نبی
 ﷺ کے پاس لے گیا اور آپ کو بتایا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے پھر وہ نبی ﷺ کے حجروں کے پاس گئے اور زور سے پکارنے لگے یا
 محمد یا محمد تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ (التکم الکبیر رقم المحدث ۵۸۳ جامع البیان ج ۲ ص ۵۸-۵۷)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: دوسرے کے وقت نبی ﷺ آرام فرما رہے تھے تو کچھ لوگ آکر پکارنے لگے یا محمد یا محمد ہمارے پاس
 آئیں آپ بیدار ہو کر باہر آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۸۱)
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ
 غَيْرَ الْهَمِّ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو جَبَمٍ (الحجرات: ۵)
 اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ (خود) ان کی طرف باہر
 آتے تو یہ ان کے لیے زیادہ اچھا تھا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے
 یہ رحم فرمانے والا ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو غیبت سے بیدار کرنا بھی آپ کے ادب اور احرام کے خلاف ہے اور آپ کا نام لے
 کر آپ کو بلانا بھی آپ کے ادب اور احرام کے خلاف ہے بلکہ یا محمد کہہ کر خوشی سے نکلنا یا آپ کو یاد کرنے کے لیے یا محمد کہنا
 آپ کو متوجہ کرنے کے لیے یا محمد کہنا جائز ہے اور یا محمد کہہ کر آپ کو بلانا مجاز ہے یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر آپ کو بلانا
 مجاز ہے سورۃ الحجرات کی یہ تمام آیات آپ کے ادب اور احرام اور آپ کے اہل اور اکرام پر دلالت کرتی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا
 انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلْيُخَفِّرْ عَذَابَ آلِ يَمٍ
 اے ایمان والو! اپنے رسول کو راعنا نہ کہو انظرنا ہم پر
 نظر کریں! کو اور خوب سن لیا کرو اور کافروں کے لیے
 (البقرہ: ۲۳۳) دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی ﷺ سے راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ اور
 ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے راعنا ہماری رعایت فرمائیں یہودی
 لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا اور اس کا معنی تھا سنو تمہاری بات نہ سنی جائے انہوں نے اس موقع کو قیمت جانا اور کہنے
 لگے کہ پہلے ہم ان کو تھل میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں اور برسر کھنڈل میں کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آگیا ہے تو وہ نبی ﷺ کو
 مخاطب کر کے راعنا کہتے تھے اور آپس میں کہتے تھے حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ کو یہودی لغت کا علم تھا انہوں نے جب ان سے
 یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں نے آئندہ تم کو نبی ﷺ سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا
 دوں گا یہودی نے کہا کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ
 آئے) تو تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کو (ہم پر نظر رحمت اور سمجھائی فرمائیں) تاکہ یہودی کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں
 استعمال کریں اور پہلے ہی نبی ﷺ کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی راعنا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ
 مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
 غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِكَيْ لَا نَسْمِعَهُمْ وَطَقْنَا
 بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق و سباق سے بدل
 دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ
 سے کہتے ہیں) سنئے وہ انہیں کہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو اور

فِي الَّذِينَ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
وَأَسْمَعُ وَأَنْظُرَ مَا كَانَ بَيْنَ آلِهَتِهِمْ وَآقْوَمَ وَلَكِنْ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا
(النساء: ۳۶)

دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبان کو سوڑ کر راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمادی تو صرف قلیل لوگ ایمان لائیں گے۔

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان سوڑ کر راعنا کی جگہ راعن کہتے تھے اور راعن کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سبب کرنے کے لیے مسلمانوں کو راعنا کہنے سے منع فرمادیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا بلاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا بلاخلق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف قول ہیں خواہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو۔ آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ اہانت خلوہ صرامتہ ہو یا کنایہ ہو یا تخریص ہو یا تلوینا ہو۔ اسی طرح کوئی شخص آپ کو بددعا کرے، آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے، آپ کے عوارض بشریہ یا آپ کے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے۔ غرض جس شخص سے کوئی ایسا کام صلور ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قاتل واجب القتل ہے۔

خاصی میاض لکھتے ہیں:

محمد بن عثون نے کہا ہے: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۰۰ مطبوعہ مہد الخواص اکیڈمی ملتان)

بعض فقہاء حنیفہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلہ دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی، علامہ غللی لکھتے ہیں: جو شخص کسی نبی کو گلہ دینے سے کافر ہو گیا ہو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ وہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گلہ دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گلہ دینا بدعت کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

(اور مختار علی الرد ج ۲ ص ۴۰۰ مطبوعہ مکتبہ استنبول)

علامہ شامی حنفی عدم قول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی، اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۰ مطبوعہ مکتبہ استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلہ دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر متفق ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو مراحتاً گلی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابو بکر قاسی نے کتاب الاجماع میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو قذف صریح کے ساتھ گلی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اگر وہ توبہ کرے گائب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہو گا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اختلاف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گلی دی اس کو قتل کیا جائے گا خواہ اس نے توبہ کر لی ہو امام مالک کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور اختلاف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم مغرب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گلی دی وہ کافر ہو گیا خواہ مذاہب سے خواہ سجدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استزاء کیا یا اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہو گیا۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَ
نَلْعَبُ قُلْ يَا لَيْدُوْا بَيْنَهُ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِئُوْنَ ۝ لَا تَعْدُوا رُؤُوسًا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
رَبِّكُمْ (التوبة ۶۶-۶۵)

اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے آپ کہے کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول کا استزاء کر رہے تھے؟ اب غرث پیش کر دو کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

مشہور آراء و محقق شیخ ابن حبیہ لکھتے ہیں:

محمد بن سہون فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کے متعلق عذاب الہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا کافر ہے اور اس کو بلا شاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر گلی دینے والا ذمی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور مغرب ہم اس کی عبارت نقل کریں گے۔ اور امام احمد اور محمد بن کا بھی یہی مذہب ہے امام احمد نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے حنبلی کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد) سے سنا وہ فرماتے تھے جس شخص نے نبی ﷺ کو گلی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ (اصارم السلوک ص ۴۴ مطبوعہ نشر المکتبہ المکمل)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک ابن کے اصحاب سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا نہ بطور کفر شیخ ابوالحسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کسی شخص نے آپ کو گلی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اقرار کر دیا تو اس کو گلی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے۔ ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ

مومن قرار پائے گا۔ (الغنائج ۲: ص ۲۲۳-۲۲۲ مطبوعہ ملکن)

علامہ شاہی لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گھل دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی 'لہذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے' امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ تحت وغیرہ سے منقول ہے جب رسول اللہ ﷺ کو گھل دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گھل دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہو گا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اختلاف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (رد المحتار ج ۳: ص ۴۰۳-۴۰۴ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

فقہاء اسلام کی عبارت کا مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور واجب القتل ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مرتد وہ شخص ہو گا جو پہلے مسلمان ہو 'اگر کوئی غیر مسلم نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا کیا حکم ہے' سو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اور گستاخی کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی علیہ السلام کے متعلق ایسا لفظ بولے یا ایسا لفظ لکھے جو عرف میں توہین کے لیے مستحسن ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ (انبیاء سابقین سے مراد وہ نبی ہیں جن کی نبوت تمام چھ مذاہب میں مسلم ہو۔)

احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کی تصریحات

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ کعب کے پاس گئے اور کہا اس شخص نے یعنی نبی ﷺ نے ہمیں تم کا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سولہ کرنا رہتا ہے نیز کہا یہ خدا تم اس کو ضرور مظلوم میں ڈال دے گا اور کہا ہم نے اس کی پیروی کی ہے اور اب ہم اس کو چھوڑنا پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آخر کار ماجرا کیا ہو گا وہ اسی طرح کعب بن اشرف سے باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳۴-۴۰۳۵-۴۰۳۶-۴۰۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عجمی باندی ام ولد تھی۔ وہ نبی ﷺ کو برا کہتی تھی اور آپ کو سب و شتم کرتی تھی وہ عجمی اس کو منع کرتے رہتے تھے اور وہ باز نہیں آتی تھی ایک رات جب وہ نبی ﷺ کو سب و شتم کر رہی تھی انہوں نے آکر مڑول (گھتی یا بھارد) دیکھن والی لاشی لے کر اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور اس کی ٹانگوں میں ایک بچہ آکر اس کے خون میں تھڑ گیا صبح کو لوگوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے سب لوگوں

کو جمع کر کے فرمایا جس شخص نے بھی یہ کلمہ کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے وہ بیٹھا لوگوں کو پھلاتا ہوا آیا اور نبی ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! میں اس بات کی گامی ہوں کہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی اور براکتی تھی میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے بھی ہوئے اور وہ میری رفیقہ تھی گزشتہ رات وہ پھر آپ کو سب و شتم کر رہی تھی اور براکتی تھی میں نے اس کے پیٹ پر گتھی رکھ کر اس کو دبلیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا سنو! گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی اس کا کوئی قصاص یا توبہ نہیں ہوگا)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۱۱، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۸۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۵)

حضرت عرفت بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نصرانی نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ معاملہ پیش کیا انہوں نے حضرت عرفت سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں حضرت عرفت نے کہا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذا و پر عہد کریں ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں جہالت کرنے دیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجہ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا تم نے سچ کہا۔

(المعجم الاوسط ج ۹، رقم الحدیث: ۸۷۴۳، مطبوعہ ریاض، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۲۰۰، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۷)

حضرت عمیر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی۔ جب وہ نبی ﷺ کے پاس جاتے تو وہ آپ کو سب و شتم کرتی اور آپ کو براکتی تھی انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم کو معلوم ہے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ کیا اس نے اپنے کے بلو خود اس کو قتل کیا گیا ہے اور ان لوگوں کے بل پاپ مشرکہ تھے حضرت عمیر کو یہ خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے انہوں نے نبی ﷺ کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ آپ کے متعلق مجھے ایذا پہنچاتی تھی نبی ﷺ نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۳۴، ص ۶۵، مطبوعہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۹، ص ۲۰۰، مطبوعہ بیروت)

حصین بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور بتایا گیا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتا ہے انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کرتا ہم نے ان کو اس لیے امن نہیں دی کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کریں۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶، مطبوعہ بیروت)

غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء مذاہب اربعہ کی تصریحات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو جو حیلہ سے قتل کیا تھا اس کے سبب اور اس کے جواب میں علماء کا اختلاف ہے امام المازری نے کہا انہوں نے اس کو حیلہ سے اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے نبی ﷺ سے کیے ہوئے معاملہ کو توڑ

دیا تھا اور وہ آپ کی بھو کرنا تھا اور آپ کو سب و شتم کرتا تھا۔ اور اس نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اور وہ آپ کے خلاف لڑنے والوں کے ساتھ شریک جنگ ہوگا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸، ص ۵۰۲، مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز، ریاض، ۱۴۱۱ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

ذی سے کیا ہوا مطالبہ ختم ہو جاتا ہے خواہ اس کی شرط ہو یا نہ ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تم سے اس لیے صلح نہیں کی تھی اور اس کو بیت المقدس میں سولی پر لٹکایا گیا اور حضرت ابن عمر سے کہا گیا کہ ایک راہب نبی پیچھے کو سب و شتم کرتا ہے انہوں نے کہا اگر میں سخت تو اس کو قتل کر دیتا ہم نے اس کو اس لیے امن نہیں دی تھی۔ (الکافی ج ۲، ص ۱۸۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے خواہ وہ غیر مسلم ذی ہو اس میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے کیونکہ وہ اس صورت میں ذی کے قتل کو جائز نہیں کہتے۔

(اکمال الکمال للعلم ج ۶، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جسور فقہاء اختلاف کا مسلک یہ ہے کہ جو غیر مسلم ذی نبی پیچھے کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

اس طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ ﷺ کو ظاہر اسب و شتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ ابو اسحق ہمدانی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بخدا یا رسول اللہ وہ میرے ساتھ نکلی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا تو نبی پیچھے نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (شرح السیر الکبیر ج ۳، ص ۳۱۸، ۳۱۹، مطبوعہ افغانستان، ۱۳۰۵ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی پیچھے پر سب و شتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۳، ص ۷۱، مطبوعہ ادارة البیاعة المنیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب کوئی شخص علی الاعلان نبی پیچھے کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سیر ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی عورت علی الاعلان نبی پیچھے کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدی نے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتی تھی انہوں نے رات میں اس کو قتل کر دیا تو نبی پیچھے نے ان کے اس فعل کی تعریف فرمائی۔

(الدر المختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳، ص ۲۸۰-۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین حنفی متوفی ۵۲۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علی الاعلان نبی پیچھے کو سب و شتم کرے یا علوۃ سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ عورت ہو۔

(رد المحتار ج ۳، ص ۲۷۸، مطبوعہ بیروت، ۱۳۰۹ھ)

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل

حضرت عمرو بن العاص جوڑہ کہتے ہیں: میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی میری نگاہ میں بزرگ تھا اور آپ کے اجلال کی وجہ سے میں نگاہ بھر کر آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ میں آپ کا حلیہ مبارک بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے آپ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم ایمان ۱۹۲ (۱۲۱) ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت انس جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب مہاجرین اور انصار کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابو بکر اور عمر بھی ہوتے تھے۔ پس حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے سوا کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا وہ دونوں آپ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۷ھ)

حضرت اسامہ بن شریک جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آپ کے گرد اس طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پندے ہوں۔ (الحدیث: ۳۸۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵)

حضرت انس جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہ ﷺ کا سر مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام نے آپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور جب بھی آپ کا کوئی بال مبارک گرتا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا۔

(صحیح مسلم الروایہ ۷۵ (۲۳۲۵) ۵۹۲۹)

قضیہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کو مکہ میں مشرکین کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان سے کہا تم کعب کا طواف کرو تو حضرت عثمان نے کہا میں اس وقت تک کعب کا طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کعب کا طواف نہ کر لیں۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۵-۳۳)

حضرت براء بن عازب جوڑہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات پرچنا چاہتا تھا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے اس کو برسوں بتا رہا۔ (الشفاع ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم

قاضی عیاض ابو الفضل عیاض بن موسیٰ متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی توقیر اور تعظیم لازم ہے جس طرح آپ کی حیات میں لازم تھی اور اس کا موقع وہ ہے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے آپ کی حدیث کا ذکر کیا جائے اور آپ کی سنت کا ذکر کیا جائے اور آپ کا نام مبارک اور آپ کی سیرت طیبہ کا سماع کیا جائے اور آپ کی آل اور عترت کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کی تعظیم کی جائے۔

ابو ابراہیم نجاشی نے کہا ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ خضوع اور خشوع کی حالت میں ہو اور اس کی حرکات اور سکنت سے وقار ظاہر ہو اور اس پر اسی طرح ہیبت طاری ہو جیسے وہ آپ کے سامنے مودب کھڑا ہے۔

امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالک سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں مناظرہ کیا امام مالک نے ان سے کہا امیر المومنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ تم نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو

اونچا نہ کرو اور نہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بولو جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بولتے ہو (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔ (الحجرات: ۳)

اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی جو آپ کو حجروں سے باہر سے پکار کر بلاتی تھی اور ان کو بے عقل فرمایا اور آپ کا احترام اب بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں آپ کا احترام تھا۔

خليفة ابو جعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کر لیا اور پوچھا جب میں رسول اللہ ﷺ کے مواجد شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ سے اپنا رخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں بلکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شفاعت کو قبول فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو وہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (بھی) ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پاتے۔ (الساوا: ۶۳)

مسعب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور وہ اسی وقت جھک جاتے جب امام مالک سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا محمد بن المنکدر سید انشاء تھے ہم جب ان سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو ان پر اس قدر مگر یہ طاری ہوتا کہ ہم ان کے لیے رحم کی دعا کرتے اور میں نے حضرت جعفر بن محمد الصلیح کو دیکھا وہ سب کچھ اور پر مزاج شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور میں نے ان کو کبھی بغیر وضو کے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر امام مالک نے بیان کیا کہ.....

عبدالرحمن بن قاسم نبی ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کے رنگ کی طرف دیکھا جاتا لگتا تھا کہ ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت سے ان کی زبان خشک ہو گئی ہے اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے اور زہری بہت خوش مزاج اور لطیف شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو لگتا تھا کہ وہ اپنے مطلب کو بالکل نہیں پہچانتے یعنی رسول اللہ ﷺ کے تصور میں اس طرح مستغرق ہو جاتے کہ گرد و پیش سے بیگانہ اور بے خبر ہو جاتے۔ صفوان بن سلیم بہت بڑے عابد اور زبردست مجتہد تھے ان کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے اور ابن سیرین کہتے رہتے تھے اور جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی جاتی تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا اور عبدالرحمان بن مہدی جب نبی ﷺ کی حدیث پڑھتے تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور یہ آیت پڑھتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات: ۲) اور اس کی یہ تلوین کرتے کہ جس طرح نبی ﷺ کے بات کرتے وقت خاموش ہونا ضروری ہے اسی طرح اس وقت خاموش ہونا ضروری ہے جب آپ کی حدیث پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احترام

ابراہیم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس امام ابو حازم کی مجلس کے پاس سے گزرے وہ اس وقت حدیث بیان کر رہے تھے امام مالک وہاں سے چلے گئے اور کہا میرے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور میں نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو سننا پسند کیا۔

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن المسیب سے ایک حدیث پوچھی وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے وہ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر حدیث بیان کی اور کہا میں نے اس کو پسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں۔
ابو مصعب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس ہمیشہ بلو ضرور رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے۔
مصعب بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس جب حدیث بیان کرتے تو وضو کرتے تیار ہوتے 'عمدہ لباس پہنتے' پھر حدیث بیان کرتے۔ ابن ابی اویس نے کہا کہ امام مالک راستہ میں یا کھڑے ہوئے یا جلدی کے وقت حدیث بیان کرنا پسند کرتے تھے۔

عبد اللہ بن المبارک نے کہا میں امام مالک کے پاس تھا وہ ہم کو حدیث بیان کر رہے تھے 'ان کو پچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا' ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو کر زرد پڑ گیا لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث منقطع نہیں کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو لوگوں نے آپ کے چہرے کے تغیر کا سبب پوچھا امام مالک نے فرمایا میں پچھو نے ڈنک مارا اور میں صبر کرتا رہا اور میرا صبر صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے احرام کی وجہ سے تھا۔

عبد اللہ بن صالح نے کہا امام مالک اور لیث بغیر وضو کے حدیث نہیں لکھتے تھے 'اور قزوہ کہتے تھے کہ مستحب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نبی ﷺ کی احادیث نہ پڑھی جائیں' اور اعمش جب بے وضو ہوتے اور حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے۔ (الاشعاع ج ۲ ص ۳۵-۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر مقدم ہے
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ غلام پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں 'ایک نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر جس پر ہم نے سیر حاصل گفتگو کر لی ہے' اور دوسری چیز یہ ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ نے اربع قرآن پر مقدم فرمایا ہے 'یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی تعظیم کو قرآن مجید کے عمل پر مقدم رکھتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْنُتُوا أَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹)

اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اور تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

اس کے بلوجود حضرت ابو بکر نے غار ثور میں ساتوں کے بل پر اپنا سر رکھ دیا 'سانپ ڈنک مارتے رہے لیکن ابو بکر نے اپنا سر نہیں ہٹایا۔ محب طبری ابو جعفر احمد متوفی ۶۴۳ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے غار ثور میں پہنچے پھر کہا آپ پہلے غار میں داخل نہ ہوں جب تک کہ اس میں 'میں داخل نہ ہو جاؤں' مگر اس میں کوئی مضرت چیز ہے تو آپ سے پہلے مجھے ضرر لاحق ہو۔ وہ غار میں گئے تو انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو غار میں لے گئے اور غار میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنی قمیص پھاڑ کر اس کی دو جھیاں ان سوراخوں میں بھر دیں اور ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ حضرت ابو بکر کو یہ خوف ہوا کہ کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ ﷺ کو

ایذا نہ پہنچائے تو انہوں نے باقی ماندہ سوراخ پر اپنا پیر رکھ دیا وہ سب حضرت ابو بکر کو ڈنک مار رہا تھا اور حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب الشریع ج ۶ ص ۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی ۹۳۳ھ نے یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے:

حضرت ابو بکر غار میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے داخل ہوئے تاکہ کسی ناگہانی افتاد کو خود پر ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ محفوظ رہیں۔ انہوں نے غار میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی داخل کر دی تاکہ اس میں سے کوئی چیز نکل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ پہنچائے پھر سب ان کو ڈنک مارتا رہا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور حضرت ابو بکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اس سوراخ سے حضرت ابو بکر کو ڈنک مارا گیا اور انہوں نے بالکل حرکت نہیں کی، لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر گرے۔ آپ نے پوچھا اے ابو بکر کیا ہوا؟ انہوں نے کہا آپ پر میرے بل باپ خدا ہوں مجھے ڈنک مارا گیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا تو حضرت ابو بکر کی تکلیف جاتی رہی۔ (المواہب اللدیہ ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ علی بن یحییٰ بن محمد بن عبد بن العلی الترمذی ۳۳۳ھ نے بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے لعاب دہن لگانے کی تصریح ہے۔ (امان العیون ج ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البیہی ولولادہ مصر)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

غار کی رات حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پہلے مجھے داخل ہونے دیجئے، حضرت ابو بکر غار میں داخل ہوئے اور غار کی دیواروں میں ہاتھ لگا کر دیکھتے رہے اور جہاں سوراخ دیکھتے اپنی قمیص پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے حتیٰ کہ ان کی پوری قمیص پھٹ گئی اور ایک سوراخ رہ گیا اس میں انہوں نے اپنی ایڑی رکھ دی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائیں، سب اور بچھو حضرت ابو بکر کو ڈنک مارتے رہے اور انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی مبادا حضور بیدار ہو جائیں، لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور جب یہ آنسو حضور کے چہرے پر گرے تو آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ابو بکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھڑک ۱۹۷۷ء)

علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۳۲ھ نے بھی امام بیہقی اور امام ابی شیبہ کے حوالے سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔
(سبل اللہی والرشاد ج ۲ ص ۲۳۰)
حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۵۷۷ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے اور علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت المنتظم ج ۲ ص ۶۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اور اس کی دوسری مثل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
حَافِظُوا عَلَی الصَّلَواتِ وَالصَّلَوةِ
الْوَسْطٰی (البقرہ: ۲۳۸)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نیند کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی۔
امام ابو جعفر احمد بن محمد الحلوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت مہیس روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور آپ کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں تب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ ایہ تیری اور میرے رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج کو لوٹا دے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر میں نے اس کو غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔ (مشکل الآثار ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسماء بنت مہیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے مقام صبا میں ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ نے حضرت علی کو کسی کام سے بھیجا وہ واپس آ گئے اس اثنا میں نبی ﷺ (عصر کی) نماز پڑھ چکے تھے نبی ﷺ نے حضرت علی کی گود میں سر رکھا پھر آپ نے کوئی حرکت نہیں کی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا تب نبی ﷺ نے دعا کی: ”بے شک میرے بندے علی نے اپنے نفس کو میرے نبی پر روک لیا تھا سو اس پر سورج کی روشنی لوٹا دے۔“ حضرت اسماء کہتی ہیں سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ اس کی روشنی پانڈوں اور زمین پر واقع ہوئی۔ پھر حضرت علی اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی پھر سورج غائب ہو گیا۔ یہ واقعہ صبا میں ہوا تھا۔ (مشکل الآثار ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۱)

اس کی تیسری مثل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى
الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶)

اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کے لیے کھڑے (ہونے کا) ارادہ ہو تو اور تمہارا وضو نہ ہو) تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو کعبوں سمیت دھو لو۔

اس آیت کی رو سے بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے حالانکہ ایک سفر کے موقع پر جو مسلمان حضرت عائشہ کا ہار ڈھونڈنے گئے ہوئے تھے انہوں نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔

اہم مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں گئے جب ہم مقام بیداء یا ذات البیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لیے قافلہ کو ٹھہرا دیا اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس جگہ پانی تھا نہ لوگوں کے پاس پانی تھا تب لوگ حضرت ابو بکر کے پاس آ کر کہنے لگے کیا آپ حضرت عائشہ کے کارنامے کو نہیں دیکھ رہے؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرایا اور اس جگہ نہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے تب ابو بکر آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے حضرت ابو بکر نے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرایا اور اس جگہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں حضرت ابو بکر مجھے ڈانٹتے رہے اور جو اللہ نے چاہا وہ کہتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کاکھ کو مودہ رہے تھے۔ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا سر میرے زانو پر تھا اس لیے میں مل نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سوتے رہے حتیٰ کہ بغیر پانی کے صبح ہو گئی تب اللہ تعالیٰ نے تمہم کی آیت نازل کی اور مسلمانوں نے تیمم کر لیا۔ اس وقت حضرت اسید بن خیر نے کہا اے آل ابی بکر یہ کوئی تمہاری پہلی برکت تو نہیں ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے پیچھے سے ہار مل گیا۔

(صحیح مسلم کتاب الخیض ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسلمہ سے عارفتہ ہمارا لیا وہ ان سے گم ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو اسے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا پھر صبح کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی اور جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کی شکایت کی تب اللہ تعالیٰ نے تمہم کی آیت نازل کر دی اس وقت اسید بن خضیر نے (حضرت عائشہ سے) کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے جب بھی آپ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ پیدا کر دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی۔

(صحیح مسلم کتاب الجہل ۱۰۹ (۳۶۷) ۷۹۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸)

قرآن مجید نے جن کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے لوب و احترام کی خاطر ساتھ اور بھوکے پیٹ پر اپنی ایزی رکھ کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا اور قرآن مجید نے خصوصاً عصر کی نماز کی حفاظت کا حکم دیا اور حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے لوب و احترام کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی اور آپ کو غیہ سے بیدار نہیں کیا اور قرآن مجید نے نماز کے لیے وضو کو فرض قرار دیا ہے اس کے باوجود بعض مسلمانوں نے اس موقع پر صبح کی نماز بے وضو پڑھ لی ان حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا لوب اور احترام مقدم ہے اور قرآن مجید پر عمل موخر ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ

(اے رسولِ مکرم!) آپ کیسے، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملک میں تمام

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمَّا مَن

آسمان اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، سو تم اللہ پر

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَ

ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی لقب ہی جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور

اتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ

تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ۱۵۸ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا

ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۵۹ اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم

أُمَمًا وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ

کر دیا جب کوئی کی قوم نے ان سے ہانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا

يَعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اِثْنَا عَشَرَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ

معا مارو تو اس سے بارہ چٹے پھوٹ گئے ، ہر گردہ نے اپنے پاں پیٹنے

اَنَاسٍ مَّشْرَبُهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ

کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من دسٹری نازل

السَّلْوَى طُكُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا

کیا ، ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں ، اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَاِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا

جائز پر ظلم کرتے تھے ○ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

جہاں سے چاہو کھاؤ اور حطہ (معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ، ہم تمہاری

لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ سَتَزِيدُ الْكَافِرِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا

خطائیں بیش دیں گے اور کافروں کو سزا میں اضافہ کریں گے ○ اور ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات

مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ مَّاجِرًا مِّنْ

کو اس کے خلاف سے بدل دیا اور ان سے کہی گئی مٹی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب

السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

بیمبا کیوں کہ وہ ظلم کرتے تھے ○

۱۵۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملکیت میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو اسی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (اعراف: ۱۵۸)

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر قرآن مجید کی آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اس نبی امی

بسمان القرآن

جلد چہارم

لقب کی پیروی کریں گے جن کو یہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس رسول کی ابتلا کرنے کا ہم نے حکم دیا ہے ان کی رسالت کی دعوت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت تمام مخلوق کے لیے ہے اور تمام مخلوق آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی مکت ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت کے عموم اور شمول پر درج ذیل آیات بھی دلیل ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (اے رسول کرم!) ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ہی خوشخبری سناتے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱)
وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأَشِيرَ كُمْ بِهِ وَمَن بَلَغَ (الانعام: ۱۱۵)
وہ بڑی برکت والا ہے جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (کرم) بندے پر نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس کے ساتھ ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ (قرآن) پہنچے۔

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ہر نبی کو اپنی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھیں، اور میرے لیے تمام روئے زمین پاکیزہ اور پاک کرنے والی اور مسجد بنا دی گئی ہے، میں جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ سکے، اور ایک ملک کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم المسابہ ۳ (۵۲۰) ۳۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۳، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۳۵، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۳۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے مجھے جو اجماع الظہم (جامع مانع کلام) عطا کیے گئے ہیں اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (تھم کالود یا آلہ) اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کے آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

(صحیح مسلم المسابہ ۵ (۵۲۰) ۳۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۳۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میرے لیے تمام روئے زمین پاک کرنے والی (آلہ تھم) اور مسجد بنا دی گئی، اور پہلے انبیاء میں سے کوئی نبی اپنی عراب (سجھ) کے بغیر کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھتا تھا، ایک ملک کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی

مٹی ہے، جب میرے سامنے مشرکین آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں میرا رعب قائم کر دیتا ہے، اور پہلے نبی کو اس کی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنت اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، اور پہلے انبیاء خمس (پانچ) فیست میں سے پانچواں حصہ کو الگ کر دیتے تھے، پھر آگ آکر اس کو کھا جاتی تھی اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو اپنی امت کے فقراء میں تقسیم کر دوں، اور ہر نبی کو ایک شفاعت عطا کی گئی ہے (صحیح مسلم میں ہے ہر نبی نے اس شفاعت کو دنیا میں خرچ کر لیا) اور میں نے اس شفاعت کو اپنی امت کے لیے موخر کر لیا ہے۔ (مسند ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۲۳۳۸)

حضرت سائب بن یزید جو صحابہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر پانچ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے، اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۶۷۳)

وہ معجزات جو سیدنا محمد ﷺ کی ذات مبارکہ میں ہیں اور جو آپ سے صادر ہوئے

نیز اس آیت میں فرمایا سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو اسی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (اے محمد) آپ کہئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، اور رسالت بغیر معجزہ کے ثابت نہیں ہوتی اور آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں ایک تو آپ کی ذات خود معجزہ ہے اور دوسرے وہ معجزات جو آپ سے صادر ہوئے، آپ کی ذات خود معجزہ ہے اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے الٰہی ہونے سے فرمایا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، کیونکہ آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے، کسی استاد سے تعلیم نہیں حاصل کی اور نہ علماء میں سے کسی کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ علماء کا شہر نہیں تھا اور نہ کبھی رسول اللہ ﷺ زیادہ عرصہ کے لیے مکہ سے باہر گئے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اس عرصہ میں آپ نے کسی سے علم حاصل کر لیا ہو، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ میں علوم و معارف کے دریا موجزن کر دیے۔ پھر آپ پر اس قرآن مجید کو نازل کیا جس میں اولین و آخرین کے علوم ہیں تو بلوجود آپ کے الٰہی ہونے کے ان عظیم علوم و معارف کو بیان کرنا آپ کا زبردست معجزہ ہے۔

آپ کا الٰہی ہونا بھی آپ کی ذات میں معجزہ ہے، آپ کے سر کے بال فتح و کامرانی کی ضمانت ہیں، آپ اپنے کانوں سے قریب و دور کی آوازیں سنتے تھے، جنت اور ملائکہ اور خود خالق کائنات کا کلام سنتے تھے، آپ اپنی آنکھوں سے روشنی اور اندھیرے میں قریب اور دور یکساں دیکھتے تھے، جنت اور فرشتوں کو دیکھا، خود رب کائنات کو دیکھا، آپ اپنی زبان سے جو کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا، آپ کے لعاب مبارک میں برکت اور شفا تھی، آپ اپنے ہاتھوں سے زمینوں اور آسمانوں پر یکساں تصرف کرتے تھے، اور زمین و آسمان آپ کے قدموں کی زد میں تھے۔ غرضیکہ آپ کے جسم مبارک کا ہر عضو معجزہ تھا۔

آپ کے صدق، آپ کی دیانت، آپ کی امانت، آپ کی عدالت اور آپ کی شجاعت اور سخاوت کا دور و نزدیک جہ چاہا تھا۔ آپ کو الصادق الامین کہا جاتا تھا۔ یہ آپ کی ذات کا اعجاز تھا کہ جب آپ نے اعلان نبوت کیا تو حضرت خدیجہ الکبریٰ، حضرت صدیق اکبر، اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ کسی دلیل کو طلب کیے بغیر آپ پر ایمان لے آئے۔

اور جو معجزات آپ سے صادر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں مثلاً چاند کاشق ہونا، زوہبے ہوئے سورج کا نکل آنا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں کی بیشی ہو سکتی ہے نہ

کوئی اس کی مثل لا سکتا ہے اور علوم و فنون کی وسعت اور محققین کی کثرت کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کے اس دعویٰ کو جتنا نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتابیں تو رات انجیل اور قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگوں کا مصداق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس (عظیم) رسول نبی الہی پر ایمان لانا تمام لوگوں پر واجب ہے اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جو حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور حق کے ساتھ عدل کرتا تھا۔ اس گروہ کا مصداق کون ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

یہ قوم چین کے پار رہتی ہے یہ لوگ حق اور عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یہ لوگ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کرنے کو ترک کر دیا یہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ان کا کوئی آدمی ہم تک پہنچ سکتا ہے نہ ہمارا کوئی آدمی ان تک پہنچ سکتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اختلاف ہوا تو ان میں سے ایک گروہ حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور وہ اس پر قادر نہیں تھے کہ بنو اسرائیل کے درمیان رہ سکتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلوق سے دور زمین کے ایک کونے میں پہنچا دیا ان کے لیے زمین میں ایک سرنگ بنادی۔ وہ اس میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے حتیٰ کہ وہ چین کے پار پہنچ گئے۔ اور وہ اب تک وہاں دین حق پر قائم ہیں اور لوگوں اور ان کے درمیان ایک سمندر ہے جس کی وجہ سے لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۷۷ جامع البیان ج ۹ ص ۱۸۸ زاد المسیر ج ۳ ص ۷۷۷ معالم التنوید ج ۲ ص ۱۷۳)

الدر المنثور ج ۳ ص ۵۸۵ روح المعانی ج ۹ ص ۸۴

لیکن محققین نے اس تفسیر کو رد کر دیا ہے کیونکہ علوۃ ایسا ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ہو اور دنیا اس سے ملوث ہو جب کہ ذرائع ابلاغ اور آمد و رفت کے وسائل بہت زیادہ ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں یہودیوں کا ایک گروہ تھا جو دین حق پر قائم تھا اور وہ لوگ ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جو حبشہ اور ان کے اصحاب اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ تو بہت کم ہیں اور قرآن نے ان کو امت سے تعبیر فرمایا جو ان کی کثیر تعداد کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایک فرد پر بھی امت کا اطلاق فرمایا ہے:

إِنَّا إِسْرَٰهٖمَ كَنَآ اُمَّةً (السحل ۴۰)

بے شک ابراہیم! یہ تیرا نفس ایک امت تھی۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۷۷۷ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۸۷ روح المعانی ج ۹ ص ۸۴۸)

میرے نزدیک اس آیت کی زیادہ عمدہ تفسیر یہ ہے کہ بنو اسرائیل میں ہر چند کہ زیادہ تر ضدی بہت دھرم نافرمان اور فاسق تھے لیکن ہر دور میں ان کے اندر چند صالح لوگوں کی بھی ایک جماعت موجود رہی ہے۔ جیسا کہ امت کی توین میں اس کی

تفہیل کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں بنو اسرائیل کی عدم نکستیوں اور بد اعمالیوں پر شدت کے ساتھ سرزنش کی ہے وہاں ان کے اندر اس قلیل گروہ کی تعریف و تحسین بھی فرمائی ہے، حق اور عدل کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس قلیل گروہ میں علماء بھی تھے اور قضاة بھی، جو دین حق پر قائم تھے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، ان ہی کی نسل سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلام جیڑی اور ان کے اصحاب پیدا ہوئے، اس تفسیر کی تائید حسب ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

امام عبدالرحمن بن محمد الرازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں نے ایک امت ایسی پائی جو اپنے اموال کا صدقہ دے گی، پھر اس کی طرف وہ بل بوٹ آئے گا اور وہ اس کو کھالے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے ایک ایسی امت پائی جو پانچ نمازیں پڑھے گی اور وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے کر دے، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو رضی کرنے کے لیے یہ آیت نازل کی اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

ابو الصبیاء البکری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی جیڑی نے ایک یہودی عالم اور ایک عیسائی عالم کو بلایا اور کہا میں تم لوگوں سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں اور میں اس کو تم سے بہتر جانتا ہوں، پھر آپ نے یہودی عالم سے کہا یہ بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے کہا خدا کی قسم کوئی فرقہ نہیں ہوا، حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا۔ ان کے اکثر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے، پھر آپ نے عیسائی عالم سے کہا بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے بھی کہا خدا کی قسم ان میں کوئی فرقہ نہیں ہوا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ان کے بہتر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے، اور تم اے یہودی سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور یہی گروہ نجات پائے گا اور تم اے نصرانی سنو ابے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءٌ مَّا يَفْعَلُونَ (المائدہ: ۶۴)

اور ان میں سے کچھ لوگ اعتدال پر ہیں اور زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو بہت بڑے کام کر رہے ہیں۔

اور جو لوگ اعتدال پر ہیں وہی نجات پائیں گے، اور رہے ہم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف: ۱۸۵)

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان میں سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل اور انصاف کرتے ہیں۔

حضرت علی جیڑی نے فرمایا اس امت میں سے یہی گروہ نجات پائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۸۸-۱۵۸۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۵۸۵)

غرض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں نیک لوگوں کا گروہ بھی ہر دور میں رہا ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا جب موسیٰ کی قوم نے ان سے اپنی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا ان پاک چیزوں کو کھلو جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۰)

اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی نافرمانیاں

اس آیت سے مقصود بنو اسرائیل کے احوال کو بیان کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے پیدا ہوئے تھے تو ان کو باہم امتیاز کر دیا تاکہ یہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور ان میں لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی نوبت نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسیٰ کی قوم نے ان سے اپنی طلب کیا تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس آیت میں "اسحسب" فرمایا ہے اور سورہ بقرہ میں "فانفجرت" فرمایا تھا لغت میں ان دونوں کا معنی ایک ہے اور اسحسب اور انفجار میں کوئی فرق نہیں ہے اور بعض ائمہ نے فرق کیا ہے الانفجاس کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا پانی نکلنا اور الانفجار کا معنی ہے بہت زیادہ پانی نکلنا اور ان میں اس طرح تطبیق ہے کہ ابتداء میں تھوڑا تھوڑا پانی نکلا پھر بعد میں بہت زیادہ اور تیزی سے پانی نکلا اس کے بعد فرمایا ان پر ہم نے بادل کا سایہ کیا پھر فرمایا ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ من سے مراد ایک ٹیس شیریں ذائقہ دار چیز ہے اور سلویٰ سے مراد بھنے ہوئے شیریں ہیں ان سب چیزوں میں ان پر اللہ کی عظیم نعمتوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دھوپ کی تکلیفوں کو دور کیا اور نہایت آسانی سے ان کو کھانے اور پینے کی چیزیں فراہم کیں۔ اس کے بعد فرمایا ان پاک چیزوں کو کھلو جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ان ہی چیزوں کو کھلو اور ان کے علاوہ اور کسی چیز کو طلب مت کرو پھر فرمایا اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود کھانے کو ذخیرہ کیا یا اس وقت میں کھلایا جس وقت ان کو کھانے سے منع فرمایا تھا اور یا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اور چیزوں کو طلب کیا اور جب ملکوت وہ کام کرتا ہے جس سے اس کو منع کیا گیا تھا تو وہ دراصل خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اس لیے فرمایا انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ جب بندہ کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عذاب خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔ البقرہ: ۶۰ اور البقرہ: ۵۷ میں ان امور کی بہت تفصیل سے تفسیر کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے جمل سے چاہو کھلو اور چھٹکے (مخاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور مغرب نیکو کاروں کو مزید اجر عطا کریں گے پس ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۳-۱۶۴)

البقرہ: ۵۸-۵۹ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اور وہی اس کی مفصل تفسیر کی جا چکی ہے اس لیے ان آیتوں کی تفسیر کے لیے اس مقام کو دیکھ لیا جائے۔

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ

اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجیے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ نیچر کے دن

فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعَاءُ وَيَوْمَ لَا

تہادز کرتے تھے، جب نیچر کے دن پھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب نیچر کا دن نہ

يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٤١﴾

ہوتا تو وہ ان کے پاس (آتی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعْبُدُونَ قَوْمًا لَا إِلَهَ مَعَهُمْ أَوْ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نصیحت کرنے والوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے

مَعِدَّيْهِمْ عَذَابًا شَدِيدًا أَمْ كَانُوا مَعِدَّةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے یا عذاب شدید میں مبتلا کرنے والا ہے، انہوں نے کہا تاکہ تم تمہارے رب کے سامنے جنت پوری کر سکیں

يَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں اور جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو

عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا بَئِيسًا بِمَا كَانُوا

نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت برے عذاب میں جزا دیا کیوں کہ وہ نافرمان

يَفْسُقُونَ ﴿١٤٣﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً

کرتے تھے ○ پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا تم ذیل

خَاسِبِينَ ﴿١٤٤﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

بندہ بن جاؤ ○ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا

مَنْ يُسُوِّفُهُمْ سَوْءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ

جو ان کو بُرا عذاب چکھائیں گے، بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت زیادہ

لَغْفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۶۶ وَقَطَّعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمَا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ

بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے ۝ اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے بعض

وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ

نیک تھے، اور بعض ان سے مختلف تھے، اور ہم نے رامتوں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکش سے

يَرْجِعُونَ ۝۶۷ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ

پلٹ جائیں ۝ پھر ان کے بعد ایسے نااہل لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی

عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ

کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنت تیب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور

مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۝۶۸ أَلَمْ يُوْحَدْ عَلَيْهِمُ مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا

سامان آجائے تو وہ اس کو بھی لے میں گئے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے شکنجے سے سوا

عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۝۶۹ وَالذَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ

کچھ نہیں کہیں گے، اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے

يَتَّقُونَ ۝۷۰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۷۱ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا

آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے، کیا تم (یہ بات) نہیں سمجھتے ۝ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں

الصَّلَاةَ إِذَا لَبِثُوا أَجْرَ الْمُسْلِمِينَ ۝۷۲ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ

(قر) ہم نیکی کرنے والوں کا اجر مسلمانوں کے برابر نہیں کرتے ۝ اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس

فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۝۷۳ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

طرح) اٹھالیا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سایاں ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان

بِقُوَّةٍ وَإِذْ كُنَّا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۷۴

سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو، تاکہ تم متقی ہو جاؤ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سنچر کے دن تجلوز کرتے تھے، جب سنچر کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب سنچر کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے۔ (الاعراف: ۱۴۳)

نافرمانی پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو بند رہنا سنانے کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "الیہ" میں آباد تھی، یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا، اس جگہ سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں، ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے مچھلیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں، ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا، یہی ان کا حد سے تجلوز کرنا تھا۔ وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے، نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی۔ خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے، کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں، نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے، مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ، ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱، ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے، جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو مانعین نے کہا: یہ خدا ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے، انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے، پھر محصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب فرمایا، ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا بحر میں سے کوئی نہیں نکلا، جب کافی دیر ہو گئی تو وہ دیوار چھانہ کر گئے، دیکھا تو وہ تمام لوگ بند رہیں چکے تھے، ایک قول یہ ہے کہ جو ان بند رہیں گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے، وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے۔ وہ تین دن تک اس حال میں روتے رہے، پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ (تفسیر خازن ج ۱، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے معجزہ کا حکما ہے کہ چونکہ آپ اہی تھے۔ آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بکثرت مچھلیاں آتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہت دیکھ کر بھل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے پر جتنے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُلْهَوْا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ (العنکبوت: ۲۰)
کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (مصل) اس کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو متمیز کر دیتا ہے۔

اس آیت کے دیگر مباحث کہ موجودہ بندہ 'ان ہی بندوں کی فہل سے ہیں یا نہیں اور تمنع اور تمنع میں فرق کے لیے البقرہ ۵۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ یہ قصہ یہودیوں کے درمیان معروف اور مشہور تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا، یہاں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ وہ قوم ہے جس نے اتنی دیدہ دلیری سے اتنا زیروست گناہ کیا تھا اور ایسی کھلی نافرمانی کی تھی تو اگر یہ لوگ (سیدنا محمد ﷺ کے معجزات اور صاف صاف نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کریں اور اپنی ہمت دھری پر قائم رہیں تو ان سے کیا بعید ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نہیت کرنے والوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نہیت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب شدید میں مبتلا کرنے والا ہے انہوں نے کہا تاکہ ہم تمہارے رب کے سامنے حجت پوری کر سکیں اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں۔ پس جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نہیت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت بڑے عذاب میں مبتلا کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الاعراف: ۸۵-۸۴)

تبلیغ کا فرض کفایہ ہوتا

اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ اس شر کے رہنے والے تین گروہوں پر منقسم تھے 'ایک فریق وہ تھا جو ہفتہ کے دن ان پھیلیوں کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کرتا تھا، دوسرا فریق وہ تھا جو ان کو اس نافرمانی سے منع کرتا تھا اور ڈانٹتا تھا اور تیسرا فریق وہ تھا جو خاموش رہتا تھا، نافرمانی کرتا تھا اور نہ نافرمانی سے روکتا تھا اور اس فریق نے منع کرنے والوں سے کہا تم ان کو کیوں منع کرتے ہو جبکہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے، یعنی یہ لوگ گناہوں پر اصرار کر کے اب ایسی حد پہنچ چکے ہیں کہ اب ان کا گناہوں سے پلٹنا بہت مشکل ہے اس لیے اب ان پر وعظ اور نہیت بے اثر ہے لہذا اب ان کو نہیت نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر جہنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے اور ان کی گود میں قرآن مجید تھا، میں نے کہا اے ابن عباس! میں آپ پر قربان ہوں، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے سورۃ الاعراف کی ان آیتوں کی تلاوت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجرمین کو سزا دی اور ان کو مسخ کر کے بندر بنادیا اور جو فریق ان کو برائی سے منع کرتا تھا اس کا ذکر فرمایا کہ اس کو نجات دے دی اور تیسرا فریق جو خاموش رہا تھا اور ان کو منع نہیں کرتا تھا اس کا ذکر نہیں فرمایا آیا ان کی نجات ہوئی یا نہیں۔ اور ہم بھی کئی کاموں کو برا سمجھتے ہیں لیکن منع نہیں کرتے اللہ جلنے ہماری نجات ہوگی یا نہیں؟ عمرہ کہتے ہیں کہ میں آپ پر قربان ہوں، کیا اس فریق نے ان کاموں کو برا نہیں سمجھا تھا جب کہ اس نے یہ کہا کہ تم ان کو کیونکر منع کرتے ہو جب کہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے؟ حضرت ابن عباس میرے اس جواب سے خوش ہوئے اور مجھے دو ہینز چادریں دینے کا حکم دیا۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۱۲۸-۱۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا کہ برائی سے روکنا فرض علی الکفایہ ہے اور جب بعض لوگوں نے جو اسرائیل کو اس برائی سے روک

کر یہ فرض ادا کر دیا تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو گیا، اس لیے اس تیسرے فریق پر عذاب نازل نہیں ہوا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ (الاعراف: ۱۷۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا صبح کو جب وہ نافرمان لوگ اٹھے تو وہ ذلیل بندر بن چکے تھے، وہ تین دن تک اسی کیفیت پر برقرار رہے، لوگوں نے ان کو دیکھا پھر وہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان میں سے جو ان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے لیکن یہ قول اس آیت کے خلاف ہے، اس میں بھی اختلاف ہے کہ جن لوگوں کو مسیح کر کے بندر بنادیا گیا تھا، موجودہ بندر ان ہی کی نسل سے ہیں یا وہ اسی وقت ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل منقطع ہو گئی تھی، ان تمام امور کی تفصیل البقرہ: ۶۵ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں، ان آیات سے حسب ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

بعض احکام کا استنباط

- ۱۔ ایسے حیلے کرنا ممنوع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام باطل ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کا کوئی عمل باقی نہ رہے، البتہ کسی آدمی کی شخصی ضرورت کے لیے کوئی ایسی خفیہ تدبیر کرنا جس سے وہ ممنوع کام کے ارتکاب سے بچ جائے یہ انفرادی طور پر جائز ہے لیکن اس کو قاعدہ کلیہ بنالینا جائز نہیں، جیسے لوگ سود کھانے کے لیے بیچ مینہ کا حیلہ کریں یا دکن کی پگڑی لینے کے لیے اس دکن یا مکان میں ایک میز یا الماری رکھ کر اس کے عوض پگڑی کی رقم لے لیں۔
- ۲۔ ان آیات میں سد ذرائع کی اصل ہے یعنی جو کام کسی حرام کا ذریعہ ہو وہ بھی ممنوع ہے، ان کا سمندر سے ٹالیاں کھود کر حوضوں کی طرف لانا پھیلیوں کے شکار کا ذریعہ تھا، اس لیے اس کو بھی منع کر دیا۔
- ۳۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے، لیکن یہ فرض کفایہ ہے۔
- ۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت کے احوال آسان کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے جیسے ان اسرائیلیوں کو آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے دن پھلیاں بہت آتی تھیں۔

- ۵۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک نہیں آتا بلکہ تدریجاً آتا ہے جیسے بنو اسرائیل پر مختلف انواع کے عذاب آتے رہے، پھر ان کو بندر بنایا گیا، پھر ان سے حکومت چھینی گئی اور اصل عذاب آخرت میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بڑا عذاب چکھائیں گے، بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت زیادہ بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے، اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض ان سے مختلف تھے، اور ہم نے راحتوں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکشی سے پلٹ جائیں۔

(الاعراف: ۱۶۸-۱۶۷)

فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور معصیت پر دلیری کا ذکر فرمایا تھا اور یہ کہ ان کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

صح کر کے بندر بنادیا اور اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان کے لیے ذلت اور غلامی مقدر کر دی ہے اور یہ بھی ان کی بد اعمالیوں کی سزا ہے اور یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ کے رب نے یہود کے پہلے لوگوں کو ان کے انبیاء کی زبان سے یہ خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو ذلت اور غلامی کا مزہ چکھائیں گے ان پر جزیہ فرض کیا جائے گا ان کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور یہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر زمین پر زندگی گزاریں گے۔ سب سے پہلے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خراج کو لازم کیا پھر ان کو یونانیوں نے غلام بنایا پھر کلدانیوں، کلدانیوں اور بابلیوں نے ان کو محکوم بنایا پھر روم کے نصاریٰ نے ان کو غلام بنایا اور ان سے جزیہ اور خراج لیا پھر مسلمانوں نے ان سے جزیہ اور خراج لیا اس کے بعد قریب کے دور میں جرمنی میں ہٹلر نے ان کو جن جن کر قتل کیا اور ملک بدر کر دیا۔

رہا یہ کہ اب انہوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا ہے اور اسرائیل کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی ہے تو وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

صُرِّبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أُنْثَىٰ مَا تُغْنِيوْنَ إِلَّا
يَحْتَسِلُ بَيْنَ يَدَيْهِ السَّيِّئَاتِ
بجواس کے (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی کے
(آل عمران: ۷۴) ساتھ انہیں سارا مل جائے۔

اور اسرائیل کی حکومت کا قیام برطانیہ اور امریکہ کے سارے سے ہوا ہے اور اب بھی بظاہر وہیں یہودیوں کی حکومت ہے اور درپردہ برطانیہ اور امریکہ ہی کی حکومت ہے اگر آج ان کے سروں پر سے برطانیہ اور امریکہ کا سایہ اٹھ جائے تو وہ پھر محکومی اور غلامی کی زندگی گزاریں گے۔
یہودیوں میں نیکو کار اور بدکار

اور ان پر دو سزا عذاب یہ مسلط فرمایا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں رہتے ہیں ان میں صالح اور نیک لوگ بھی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے اور ان میں وہ بھی تھے جو ہمارے نبی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگ تھے جو شیجر کے دن پھلیوں کے شکار سے منع کرتے تھے اور جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور بعض وہ لوگ تھے جو نیکی اور پرہیزگاری میں ان سے کم تھے ان میں سے بعض فاسق و فاجر تھے اور بعض کافر تھے یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے یہ لوگ جھوٹ بولتے تھے اور سود کھاتے تھے اور رشوت لے کر احکام بدل دیتے تھے اور جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں فریقوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ فرمائے گا جیسے اوروں کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے نیک لوگوں کو جزا دے گا اور بدکاروں کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو آزمائش میں ڈالتا ہے ان کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتا ہے تاکہ یہ شکر بجالائیں اور مصائب اور آلام میں مبتلا کرے تاکہ یہ صبر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ایسے باطل لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی کا سلن لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور سلان آجائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے کیا ان سے کتب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے وہ

سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے کیا تم یہ بات نہیں سمجھتے۔

(الاعراف: ۱۶۹)

خَلْف اور خَلَف کا معنوی فرق

اس آیت میں ارشاد ہے: فَخِلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اور خَلَفَ کے معنی کے متعلق علامہ راغب اصفہانی متون ۵۵۰۲ لکھتے ہیں:

بعد میں آنے والے ردی اور برے لوگوں کو خَلَفَ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلفی الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ)

خلف اگر لام پر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے نیک لوگ اور اگر لام ساکن ہو تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے برے لوگ اور خلف (لام ساکن ہو تو) کی جمع خلوف ہے اور خلف (لام پر زیر ہو تو) کی جمع اخلاف ہے۔ اسی طرح سلف کا معنی ہے گزرے ہوئے نیک لوگ اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سلف کا معنی ہے گزرے ہوئے برے لوگ اور اس کی جمع سلوف ہے۔ (مثلاً ہمارے اعتبار سے صحابہ کرام اسلاف ہیں اور یزید اور شمر سلوف ہیں اور صحابہ کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ خلف ہیں اور یزید خلف ہے۔)

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۹ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر الدینیہ النورہ ۱۳۱۵ھ التہذیب ج ۲ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

۱۳۱۸ھ لسان العرب ج ۹ ص ۸۵-۸۳ مطبوعہ ایران ۱۳۰۳ھ)

گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طمع کی مذمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پھر بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے جانشین برے لوگ ہوئے جو اپنے اسلاف سے تورات کے وارث ہوئے۔ انہوں نے تورات کا مطالعہ کیا اور اس کے احکام کو حاصل کیا۔ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ بھی اسی آیت کا مصداق تھے۔ انہوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو اختیار کر لیا۔ وہ مل جمع کرنے پر حریص تھے اور اس معاملہ میں حلال اور حرام کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ وہ رشوت لے کر تورات کے احکام بدل دیتے تھے۔ اپنی ریاست چھین جانے کے خوف سے نبی علیہ السلام کی جو تورات میں صفات تھیں ان کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اور بعض آیات میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان کی بد اعمالیوں پر ان سے مواخذہ نہیں فرمائے گا وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہمارا سلسلہ انبیاء علیہم السلام سے منسلک ہے وہ مسلسل نافرمانیاں کرتے رہتے اور گناہوں پر اصرار کرتے اور جس چیز کو وہ پہلے باطل طریقہ سے لے چکے تھے اس کو دوبارہ بھی باطل طریقہ سے لینے سے گریز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے ”کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے“ انہوں نے تورات کو پڑھا تھا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ دوسروں کا مل باطل طریقہ سے لینا حرام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اس کے باوجود وہ اس عہد اور میثاق کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ کیا ان کو اتنی سی بات معلوم نہیں تھی کہ دار آخرت اور اس کی دائمی نعمتیں دنیا کی فانی لذتوں سے بہت بہتر ہیں تو پھر چاہیے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے اور ان بد اعمالیوں اور اپنی سرکشیوں سے باز آجالتے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جس طرح ان بد اعمال یہودیوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی نافرمانیوں کے باوجود اپنے آپ کو اخروی اجر و ثواب کا امیدوار گردانتے تھے سو آج کل کے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اپنی بد اعمالیوں کے باوجود خود کو اجر آخرت

کا امیدوار کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ عنقریب لوگوں کے سینوں میں قرآن اس طرح بوسیدہ ہو جائے گا جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتا ہے، وہ بغیر کسی شوق اور لذت کے قرآن کریم کو پڑھیں گے، ان کے اعمال صرف طمع اور حرص ہوں گے وہ خوف خدا سے گناہوں میں کمی نہیں کریں گے وہ برے کام کرنے کے باوجود تبلیغ کریں گے اور یہ کہیں گے کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

(سنن دارمی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (تو) ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۷۰)

اس کتاب سے مراد تورات ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو بار بار ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کی آجوں کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہیں توڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں فرمائے گا اور ان کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس طرح) اٹھالیا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۷۱)

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو، تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے، پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعے ہلاک کیے گئے، اور پھر زندہ کیے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا انہوں نے پھر انکار کیا، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں، ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آ رہی تھی، ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا، تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا ہمت نہ کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو، یعنی اس میں تدبیر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو، کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضی پر عمل کیا جائے، یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا، اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ بتلادیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۳۳۶-۳۳۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

وَاِذَا اخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَنۡهٰهُمْ

اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ

عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوۡا بَلٰی شَهِدْنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا

کرتے ہوئے فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر گواہی دیتے ہیں،) (یہ گواہی اس لیے کی)

یَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوۡلُوۡا اِنَّمَا اشْرٰكُ

تاکہ قیامت کے دن تم یہ (منہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ○ یا تم یہ (منہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء

اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعْدِهِمْ اَفَنُهِّلُكُمۡ بِمَا

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہیں، کیا تو ہمارے پشتوں کے نسل کی وجہ سے

فَعَلَّ الْمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ تُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾

ہیں ہلاک کر دے گا ○ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں ○

وَاشۡلُ عَلَیْہِمۡ نَبَا الَّذِیۡۤ اٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا

اور (اے رسولِ مکرم!) ان پر اس شخص کا حال بیان کیجیے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس

فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا

شیطان نے اس کا پیچھا کیا، سو وہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو جہنمی عطا کرتے مگر وہ پستی

اِلَی الْاَرْضِ وَاَتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا

کی طرف چلا اور اپنی خرابی نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال اس کہتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو

عَلٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا

تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو جاری آیتوں کو

کَذٰۤیۡرًاۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا

جھٹلاتے ہیں، آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجیے تاکہ وہ خود دھنکریں ○ کیسی بڑی

جھٹلاتے ہیں، آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجیے تاکہ وہ خود دھنکریں ○ کیسی بڑی

مَثَلًا لِّلْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بَيِّنَاتِنَا وَانْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾

مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو بھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے ۰

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدَىٰ ۖ وَمَنْ يُضِلِّ فَإِنَّكَ هُمُ

جس کو اللہ ہدایت سے نہ وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُونَ ﴿۱۶۳﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

اٹھائے دے ہیں ۰ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے جن اور انسان پیدا کیے

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا

جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں،

وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اور ان کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۱۶۴﴾ وَ لِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۚ فَادْعُوهُ

وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۰ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے

بِهَا ۚ وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا

اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں، جو کچھ وہ کرتے ہیں قریب

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۵﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ

ان کو اس کی سزا دی جائے گی ۰ اور میں لوگوں کو ہم سے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (میں) ہے جو حق کی

وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۶۶﴾

ہدایت دیتا ہے اور اس کے ساتھ عدل کرتا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پور (یا دیکھئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں! (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ۰ یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو اس کے بعد کی اولاد ہیں کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا؟ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں O الاعراف: ۱۷۲-۱۷۳

بنو آدم سے مشتاق لینے کے متعلق احادیث

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر اس پشت سے اولاد نکالی پھر فرمایا ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اور اولاد نکالی اور فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر عمل کس چیز میں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۳، سوط امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۶، مسند احمد ج ۱، ص ۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۶۶، الشریعہ ماجزی رقم الحدیث: ۱۷۰، کتاب الاسماء والصفات للسیوطی ص ۳۲۵، المستدرک ج ۱، ص ۳۷، ج ۲، ص ۳۲۳، ج ۲، ص ۵۳۳، التہذیب لابن عبد البر ج ۶، ص ۳-۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام رو میں جنم لگیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی پھر وہ سب رو میں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی۔ پوچھا اے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا۔ حضرت آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں عطا کیے تھے! پس حضرت آدم نے انکار کر دیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا۔ اور آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷، جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۵، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۶۴)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے مشتاق لیا ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو جو جنموں کی مانند نکلا پھر ان کی مدت حیات ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں!

(جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۰)

محمد بن کعب القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ روحوں کو ان کے اجسام سے پہلے پیدا کیا۔
(جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۷، الدر المنثور ج ۳، ص ۵۹۹، بحوالہ امام ابن ابی شیبہ)

میشاق لینے کا مقام

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرتے ہی ان کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔

امام ابن ابی حاتم، امام ابن مندہ اور امام ابو الشیخ نے کتاب العظمت میں اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر اس روح کو نکالا جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ (الدر المنثور ج ۳، ص ۶۸، جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۹)

امام احمد، امام الترمذی، امام ابن جریر، امام ابن مردد، امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (الدر المنثور ج ۳، ص ۶۸)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۲۷۸ھ نے لکھا ہے کہ جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی جھین میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ کلبی سے روایت ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا اور یہ کہ جب حضرت آدم کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا تو وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

میشاق حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکال کر لیا گیا تھا یا بنو آدم کی پشتوں سے

قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لیا اور احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر یہ میثاق لیا۔ اور یہ ظاہر یہ تعارض ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو بنی آدم مذکور ہے اس سے مراد حضرت آدم اور ان کی اولاد ہیں۔ اور اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور حدیث میں صرف حضرت آدم کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم اصل ہیں اور اصل کا ذکر کرنے کے بعد فرع کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنے والا فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے اسلو کر دیا کہ وہ حکم دینے والا ہے۔ (علامہ آلوسی نے یہ جواب علامہ بیضاوی سے نقل کیا ہے)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالذات نکالا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اولاد ان سے بالذات اور براہ راست پیدا ہوئی اس کو نکالا اور پھر ان کے بیٹوں کی پشت سے ان کی براہ راست پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام منظر اصلی تھے اس لیے کل اولاد کا اسلو ان کی طرف کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو تخیلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی پشت سے نکالا گیا اور اجمالاً حضرت آدم علیہ السلام کی

پشت سے نکلا گیا۔ قرآن مجید میں تفصیلاً بیٹوں کی پشت سے تمام اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو اجمالاً نکالنے کا ذکر ہے۔

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ دو مرتبہ میثاق لیا گیا ہو ایک مرتبہ حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو اور دوسری بار ان کے بیٹوں کی پشت سے اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے اولاد کو نکال کر میثاق لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔

میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ اقرار اضطراری تھا پس طور کہ ان پر حقیقت واقعی منکشف کردی گئی تھی اور انہوں نے عین یقین سے مشاہدہ کر لیا تھا تو ان کے لیے جائز ہو گا کہ وہ قیامت کے دن یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس وقت اقرار کیا تھا جب ہم پر یہ حقیقت منکشف کردی گئی تھی اور جب ہم سے یہ انکشاف زائل کر دیا گیا اور ہم کو ہماری آراء کے حوالے کر دیا گیا تو ہم میں سے بعض صحت اور صواب کو پہنچے اور بعض سے خطا ہوئی مگر انہوں نے اس دن نظر اور فکر سے استدلال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے صحت اور صواب کو پہنچ کر اقرار کیا تھا تو وہ قیامت کے دن یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح پہلے دن ہماری نصرت اور تائید کی گئی تھی اگر بعد میں بھی ہمیں یہ نصرت اور تائید حاصل ہوئی تو بعد میں بھی ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور شرک نہ کرتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی عقل اور بصیرت رکھ دی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کے ادراک پر قادر تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اقرار اضطراری تھا اور حقیقت واقعی ان پر منکشف کردی گئی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں جسمانی تولد کے بعد ان کو ان کی آراء کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے جھوٹا تم کو تمہاری آراء کے حوالے کب کیا گیا تھا کیا ہم نے تمہارے پاس اپنے نبی اور رسول نہیں بھیجے تھے جو تم کو خواب غفلت سے جگا رہے تھے اور تم کو اس عہد اور میثاق کی یاد دلارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر اور اپنے رسولوں کے صدق پر دلائل قائم کر دیے ہیں اور جب رسولوں نے یہ بتادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ازل میں یہ میثاق لیا تھا اور ان کا صدق مجزہ سے ثابت ہو چکا ہے تو اب جو شخص اس میثاق کا انکار کرے گا وہ معاند ہو گا اور اس عہد کا توڑنے والا ہو گا اور خبر صادق کی خبر کے بعد اس کے بھول جانے اور یاد نہ رہنے کا عذر معتبر نہیں ہو گا۔

کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۵ھ لکھتے ہیں:

ذی النون سے پوچھا گیا کیا آپ کو یہ میثاق یاد ہے؟ انہوں نے کہا گویا کہ لب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آ رہی ہے اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ لگتا ہے کہ یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۶) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

نئی چیز کا اصل کائنات ہونا

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکلا گیا تو سب سے پہلے نبی ﷺ کے ذرہ نے جواب دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا:

لَا تَبْسَاطُوعًا أَوْ كَرِهًا قَالْنَا أَنْبَسًا طَائِعِينَ
(حکم المسجدہ: ۴۱) ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔
خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ (تو) دونوں نے کہا

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی ﷺ کا ذرہ تھا۔ اور یہ کعب کی مٹی کا ذرہ تھا اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا پھر اسی کو پھیلا یا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور جب آپ کی تربت (مٹی) شریفہ کعب کی مٹی تھی تو آپ ﷺ کا دفن بھی مکہ میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا دفن ہوتا ہے لیکن کہا گیا ہے کہ جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی ﷺ کا مبداء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کا دفن اقدس ہے۔ اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی ﷺ تخلیق کی اصل ہیں اور تمام کائنات آپ کی تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام خلوق کی ام (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ کا لقب امی ہے۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) ان پر اس شخص کا حل بیان کیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جمکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی سو اس کی مثل اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہتھ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہتھ کر زبان نکالے یہ ان لوگوں کی مثل ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ کیسی بری مثل ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر غلم کرتے تھے ○ (الاعراف: ۱۷۷-۱۷۵)

واقئل علیہم نبال الذی کے شان نزول میں مختلف روایات

ان آیتوں میں نبی ﷺ کو جس شخص کا قصہ بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے قرآن مجید اور احادیث میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے نہ اس کی صفت اور اس کی شخصیت کا تذکرہ ہے۔ البتہ مفسرین نے اس کے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ سہول نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ وہ بنو اسرائیل کا ایک شخص تھا اور اس کا نام یلعزم بن ایر تھا۔ عمران بن حصین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام یلعزم بن باعرا یلعزم بن باعوراء تھا۔ یلعزم بن عامر نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام امیہ بن ابی الصلت تھا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۶۳-۱۶۰ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

عکرمہ نے کہا یلعزم نبی تھا اور اس کو کتب دی گئی تھی مجاہد نے کہا اس کو نبوت دی گئی تھی اس کی قوم نے اس کو رشوت دی کہ وہ خاموش رہے اس نے ایسا ہی کیا اور ان کو ان کے فسق و فجور پر ملامت نہیں کی۔ علامہ بلوروی نے کہا یہ اقوال صحیح نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی شخص کو نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے جس کے متعلق اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت ترک نہیں کرے گا اور مصیبت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام حسین بن مسعود القراء البغوی المتوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور ابن اسحاق وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو بلعم کی قوم بلعم کے پاس گئی۔ بلعم کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم تھا۔ ان لوگوں نے بلعم سے کہا موسیٰ بہت سخت آدمی ہے اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ اور وہ ہم کو ہمارے شہروں سے نکلانے اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے آیا ہے، وہ ہم کو قتل کر کے ہمارے شہروں میں بنو اسرائیل کو آباد کرے گا اور تم وہ شخص ہو جو مستجاب الدعوات ہے (جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ان کو یہاں سے بھاگ دے۔ بلعم نے کہا تم پر افسوس ہے وہ اللہ کے نبی ہیں، ان کے ساتھ فرشتے نور مومنین ہیں، میں ان کے خلاف کیسے بددعا کر سکتا ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے جو علم ملا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں نے ان کے خلاف بددعا کی تو میری دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے بار بار اصرار کیا تو اس نے کہا اچھا میں استخارہ کرتا ہوں اور اس کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ استخارہ کرنے کے بعد دعا کرتا تھا۔ اس کو فیند میں یہ بتایا گیا کہ ان کے خلاف بددعا نہ کرنا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا میں نے استخارہ کیا تھا اور مجھے ان کے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر اس کی قوم نے اس کو بدیہ اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا، انہوں نے دوبارہ اس سے بددعا کرنے کے لیے کہا، اس نے پھر استخارہ کیا اس دفعہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کی قوم نے کہا اگر اللہ کو یہ بددعا کرنا پسند نہ ہو تو وہ تم کو پہلی بار کی طرح صراحتاً منع فرمادیتا، وہ اس سے مسلسل اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ وہ ان کے کہنے میں آگیا وہ ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا گدھی نے اس کو کئی بار گرایا وہ پھر سوار ہو جاتا تھا۔ بلاخر اللہ کے حکم سے گدھی نے اس سے کلام کیا اور کہا افسوس ہے بلعم تم کہیں جا رہے ہو، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ فرشتے مجھے جانے سے روک رہے ہیں۔ کیا تم اللہ کے نبی اور فرشتوں کے خلاف بددعا کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ بلعم باز نہیں آیا وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بددعا کرنے لگا۔ وہ بنو اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان پر اس کی قوم کے خلاف بددعا کے الفاظ آ جاتے تھے، اس کی قوم نے کہا اے بلعم یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو ہمارے خلاف بددعا کر رہے ہو، اس نے کہا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، اللہ کی قدرت مجھ پر غالب آگئی، پھر اس کی زبان نکل کر اس کے سینہ کے اوپر لٹک گئی، اس نے کہا میری تو دنیا اور آخرت برباد ہو گئی۔ اب میں تمہیں ان کے خلاف ایک تدبیر بتاتا ہوں، تم حسین و جمیل عورتوں کو بنا سنوار کر ان کے لشکر میں بھیج دو، اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی ان کے ساتھ بدکاری کر لی تو تمہارا کلام بن جائے گا کیونکہ جو قوم زنا کرے اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اس کو کالیاب ہونے نہیں دیتا۔

بنو اسرائیل کے ایک شخص جس کا نام زمری بن شلوم تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود کستی نامی ایک کنعانی عورت کے ساتھ بدکاری کی جس کی پاداش میں اسی وقت بنو اسرائیل پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کا مشیر فتوح بن الحیر نامی ایک اسرائیلی شخص تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا، جب وہ آیا تو اس کو زمری بن شلوم کی سرکشی کا پتہ چلا تو اس نے خیمہ میں گھس کر زمری اور اس عورت دونوں کو قتل کر دیا۔ تب طاعون کا عذاب ان سے اٹھایا گیا لیکن اس اثناء میں ستر ہزار اسرائیلی طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے۔

مقاتل نے کہا کہ بلعم کے بلا شفاء نے بلعام سے کہا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف بددعا کرو، اس نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں میں ان کے خلاف بددعا نہیں کروں گا۔ بلا شفاء نے ان کو سولی دینے کے لیے صلیب تیار کی وہ ڈر گیا اور گدھی پر سوار ہو کر بددعا کرنے کے لیے گیا۔ گدھی راستہ میں رک گئی اور چلتی نہ تھی وہ گدھی کو مارنے لگا گدھی نے کہا مجھے کیوں مارتے ہو؟ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ پھر وہ لوٹ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب، ہم کس وجہ سے میدان تیرے میں بھٹک

رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلعام کی دعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! جس طرح تو نے میرے خلاف اس کی دعا سن لی ہے اسی طرح اس کے خلاف میری دعا بھی قبول فرما پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اس سے اسم اعظم چھین لیا جائے اور اس سے ایمان سلب کر لیا جائے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاسمہا یحییٰ یعنی اس سے ایمان اور اسم اعظم چھین لیا گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۵۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، سعید بن المسیب، زید بن اسلم اور یسٹ بن سعد نے بیان کیا کہ یہ آیت امیہ بن الصلت ثقفی کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے کتاب (تورات) کو پڑھا تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجے والا ہے اس کو امید تھی کہ وہ متوقع رسول وہ ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو رسول بنا دیا تو اس نے آپ سے حسد رکھا اور آپ کا کفر کیا وہ بہت حکمت والا اور نصیحت کرنے والا تھا۔ وہ بعض ممالک کے دورہ کر گیا جب وہ واپس آیا تو مقتولین بدر کے پاس سے گزرا۔ اس نے ان کے متعلق پوچھا اس کو بتایا گیا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ نے قتل کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہوتے تو اپنے رشتے داروں کو قتل نہ کرتے آخر کار وہ کفر پر ہی مر گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۶، معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)
امام فخرالدین رازی متوفی ۷۶۶ھ نے ان روایات کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو عامر راحب کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو نبی ﷺ نے قاصق فرمایا تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں راحب تھا۔ جب اسلام آیا تو یہ شام چلا گیا اور اس نے منافقین کو مسجد ضرار بنانے کا حکم دیا اور یہ قیصر کے پاس گیا اور اس کو نبی ﷺ کے خلاف لڑنے پر ابھارا اور یہ وہیں پر مر گیا۔ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے اور حسن اور اسم نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی ﷺ کو پہچانتے تھے اور قتلہ، مکرہ اور ابو مسلم کا قول یہ ہے کہ یہ ان تمام لوگوں کے متعلق عام ہے جن کو ہدایت دی گئی اور انہوں نے ہدایت سے اعراض کیا پھر ان سے ہدایت چھین لی گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا۔

اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو دلائل توحید کی تعلیم دی اور وہ ان کا عالم ہو گیا پھر وہ اللہ کی اطاعت سے اس کی معصیت کی طرف اور اس کی محبت سے اس کی ناراضگی کی طرف نکل گیا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس پر توحید کی ہدایت پیش کی لیکن اس نے ہدایت کو قبول نہیں کیا اور کفر پر برقرار رہا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس شیطان نے اس کا بیجا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جس شخص کو ہدایت دی گئی اور اس نے ہدایت سے اعراض کر کے خواہش نفس اور گمراہی کو اختیار کر لیا اور دنیا کی دلچسپیوں کی طرف راغب ہوا حتیٰ کہ وہ شیطان کا ہم نوا ہو گیا تو اس کا انجام آخرت کی ناکامی اور ناسرمدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کے حلی سے عبرت پکڑیں۔

پھر فرمایا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اس کے کفر کے درمیان اپنی حفاظت کو حائل کر دیتے بایں طور کہ اس کو قرا اور جبر ہدایت پر قائم کر دیتے لیکن بھلا اس کو ملنے کرنے کے متافی تھا اس لیے ہم نے اس کو اس کے اختیار پر قائم رکھا اور اس نے اپنے اختیار سے ہدایت کی بلندی کے بجائے گمراہی کی پستی کو اختیار کر لیا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

اس کی نظیر آیتیں ہیں:

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰكُمْ أَجْمَعِينَ (الانعام: ۱۳۹)
 كَوْيَسَاءَ اللَّهِ لَهْدَىٰ النَّاسَ جَمِيعًا
 سو اگر اللہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت عطا فرماتا۔
 اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔

(الرعد: ۳۱)

ان آیات میں علماء کے لیے بہت سخت حکم ہے، کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میںات کا علم عطا فرمایا اور اس کو اپنے اسم اعظم کی تعلیم دی اور اس کو مستجاب اللہ عوات بتایا یعنی اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب اس نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو وہ دین سے نکل گیا اور کتے کی مانند ہو گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی بہت زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو اس پر گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے سو اگر وہ شخص ہدایت سے اعراض کرے اور خواہش نفس کی پیروی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے بہت زیادہ دور ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا علم زیادہ ہو اور اس کی دنیا میں بے رغبتی زیادہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہی دور ہو گیا۔

(القرودس بمأثور الخطاب ج ۳، رقم الحدیث: ۵۸۸۷، الجامع الصغیر ج ۲، رقم الحدیث: ۸۳۹۷، کنز العمال ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۹۰۱۶)

اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ جو علم اللہ کی اطاعت کے واسطے کا ہو وہ گناہوں کا مادہ ہے۔ علم کی اصل عبادت کی طرف رغبت ہے اور اس کا ثمرہ سعادت ہے۔ اور زہد کی اصل خوف خدا ہے اور اس کا ثمرہ عبادت ہے۔ پس جب زہد اور علم مل جائیں تو سعادت کمال ہو جاتی ہے۔ محبت الاسلام نے کہا طلب علم میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے جو علم کو آخرت کے زاوراہ کے لیے طلب کرتا ہے، وہ علم سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو علم کو دنیا کے بل و متاع کے لیے طلب کرتا ہے اگر توبہ سے پہلے اس کو موت آگئی تو اس کے برے خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور اگر اس کو توبہ کی صلت مل گئی تو یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس پر شیطان غالب ہوتا ہے اور وہ اپنے علم کو بل کی کثرت کا ذریعہ بناتا ہے اور اپنے پیروکاروں کی کثرت کی بنا پر تکبر کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نیکوں میں سے شمار کرتا ہے، سو یہ شخص ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

مسند القرووس کی یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں موسیٰ بن ابراہیم ہے۔ امام دارقطنی نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے روضۃ العقلاء میں اس کو موقوف قرار دیا ہے، یہ حضرت علی کا قول ہے۔ امام ازدی نے کتاب الضعفاء میں حضرت علی سے روایت کیا ہے جس شخص کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو پھر اس کے دل میں دنیا میں محبت زیادہ ہو تو اس پر اللہ کا غضب زیادہ ہوتا ہے۔ (فیض القدر ج ۱، ص ۵۳۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ۱۳۱۸ھ)

بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ مماثلت کا بیان

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو اس کی مثل اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

قرآن مجید میں بلسھت کا لفظ ہے اور جب کتا شدید تھکاوٹ کی وجہ سے یا شدید گرمی اور پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالے تو اس کو عربی میں لہٹ کہتے ہیں۔

جو عالم دین دنیا کے بل و متاع کی وجہ سے دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے اس آیت میں اس کی مثل ہانپنے والے کتے

تبیان القرآن

سے دی گئی ہے۔ کتابہ ذات خود ذلیل جانور ہے اور ذلیل تر وہ کتاب ہے جو ہر وقت ہاتھارتا ہو اور زبان باہر نکالے رہتا ہو خواہ تھکوت ہو یا نہ ہو یا شدید گرمی اور پیاس ہو یا نہ ہو گویا کہ ہاتھارتا اور زبان باہر نکالنا اس کی طبیعت ثانیہ اور غلوت اعلیٰ بن گئی ہو۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کی عزت اور کرامت سے نوازا ہو اور اس کو لوگوں کے مال کے مال پکیل لینے سے مستغنی کر دیا ہو پھر وہ دین کے واضح احکام سے اعراض کر کے دنیا کی طرف جھکے اور اس خبیث عمل اور قبیح فعل پر برقرار رہے اور اس کو پسند کرے تو وہ اپنی طبعی دماء اور خست کی وجہ سے یہ مذموم کام کر رہا ہے اس کو اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ہر وقت ہانپنے والا کتا کسی ضرورت اور حاجت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی فطرت ثانیہ کی وجہ سے ہر وقت ہاتھارتا رہتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ کتے کے ساتھ اس لیے مثل دی گئی ہے کہ حدیث میں دنیا کو مردار اور اس کے طلب گاروں کو کتا قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو شجاع شیرازی بن شہزاد بن شیرازی علیہ السلامی التوفی ۷۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ دنیا کی مثل ایسے مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو گئے ہوں اور اس کو گھسیٹ رہے ہوں تو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم ان کی مثل کتے ہو اور ان کے ساتھ (اس مردار کو) گھسیٹو۔

(الفرردس بماثور الخطاب ج ۱، رقم الحدیث: ۵۰۲، الدر المستور رقم الحدیث: ۲۳۲، ص ۱۹۹، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۷۶، کنز العمال

رقم الحدیث: ۷۱۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کتے پر حملہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا اور اگر اس پر حملہ نہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زبان نکل کر ہاتھارتا اس کی فطرت ثانیہ اور غلوت اعلیٰ بن چکی ہے۔ اسی طرح جو شخص گمراہ ہو اور مال پر حرص ہو اس کو تم نصیحت کرو پھر بھی گمراہی پر برقرار رہے گا اور مال کی حرص کرے گا اور اگر اس کو نصیحت کرنا چھوڑ دو پھر بھی وہ گمراہی پر برقرار رہے گا اور مال کی حرص کرے گا۔

ہانپنے والے کتے کی مثال کا تمام گمراہوں اور کافروں کو شامل ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مثل بن تمام لوگوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پہلے اہل مکہ یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی ہدایت دینے والا ہادی آئے جو ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف ہدایت دے پھر جب ان کے پاس ایک ایسا شخص کریم آیا جس کی امانت اور دیانت میں ان کو کوئی شک نہیں تھا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اللہ کی اطاعت نہ کی۔ سو جب انہیں اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی دعوت نہیں دی گئی تھی جب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے اور جب انہیں یہ دعوت دی گئی تب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے تو ان پر یہ مثل منطبق ہو گئی کہ وہ اس ہانپنے والے کتے کی طرح ہیں کہ تم اس پر حملہ کرو تو پھر بھی وہ ہاتھارتا رہے گا اور حملہ نہ کرو تو وہ پھر بھی ہاتھارتا رہے گا۔

آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام شرعیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیسی بری مثل ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر علم کرتے تھے ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ کتے کی مثل ہے اور یہ کیسی بری مثل ہے کتے کی فطرت یہ ہے کہ وہ اجنبی شخص پر بھونکتے لگتا ہے اور اگر وہی شخص اسے کوئی روٹی کا ٹکڑا یا ہڈی ڈال دے تو وہ اس کے آگے دم ہلانے لگتا

ہے اس طرح جو بے ضمیر اور رشوت خور علماء اور حکام ہیں وہ لوگوں کو سخت سزاؤں اور جہانوں سے ڈراتے ہیں اور جب ان کو رشوت کی ہڈی پیش کر دی جائے تو وہ ان کے موافق ہو جاتے ہیں۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ ایک شخص کو اللہ کی آیات کا علم دیا گیا لیکن جب اس نے رشوت لے کر غلط کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ علم چھین لیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بے قصور کو نقصان پہنچانے کے لیے یا ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے رشوت و ناجائز کام ہے، پس اپنا حق لینے کے لیے یا اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے اگر رشوت دینا یا گزیر ہو تو رشوت دینا جائز ہے البتہ رشوت لینا ہر صورت میں ناجائز ہے۔ سورہ مائدہ میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی عالم کی تقلید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دلائل کا علم دیا جو اس سے چھین لیا گیا اور خاص طور پر علماء کو اس آیت سے ڈرنا چاہیے کیونکہ ایک عالم کی غلط کاری کی وجہ سے اس کا علم چھین لیا گیا۔ اس لیے علماء کو غلط کاموں کے ارتکاب سے خصوصاً رشوت لے کر غلط کام کرنے سے بچنا چاہیے مبادا ان کا انجام بھی ملحم بن باعوراء کی طرح ہو۔ حکومت بعض علماء کو مختلف مناصب، مراعات اور وظائف دے کر ان سے اپنے حق میں فتوے لیتی ہے اور اپنے موافق بیان دلاتی ہے اگر یہ فتوے اور بیان قرآن اور سنت کی نصوص صریحہ کے خلاف اور ان سے متضاد ہوں تو پھر یہ لوگ اپنے دور کے ملحم بن باعوراء ہیں اور انہیں اس کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے انسان اور جن پیدا کیے جن کے دل ہیں مکر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مکرا وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مکرا وہ ان سے سنتے نہیں) وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ○ (الاعراف: ۱۷۹-۱۷۸)

ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو بہت بڑی مثل سے واضح فرمایا ہے۔ اس لیے یہاں پر یہ فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں تو کسی شخص کا ہدایت یافتہ ہونا دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے اور کسی شخص کا گمراہ ہونا دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا پیدا کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور ان کا اختیار کرنا بندہ کی طرف منوط ہے، بندہ اگر ہدایت کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ہدایت کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس اختیار کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ بہت غامض بحث ہے۔ اس کی تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۲۷۹-۲۸۰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت پر اشکال کے حسب ذیل جوابات بھی دیے گئے ہیں:

۱۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت اور ثواب کی طرف ہدایت دے گا وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت سے گمراہ کر دے گا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اس نے اس ہدایت کو قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۳۔ جس نے ہدایت کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس پر خاص لطف و کرم فرمایا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم سے محروم ہو گیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

بست سے جنات اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بست سے انسان اور جن پیدا کیے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جن انسانوں اور جنات کے متعلق ازل میں یہ علم تھا کہ وہ کفر پر اصرار کریں گے اور

ان کی موت کفر پر ہوگی ان کو اللہ تعالیٰ نے انجام کار دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ عاقبت کا

ہے جس کا معنی ہے انجام کار۔ اس کی مثل حسب ذیل آیات ہیں:

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ فِرْعَوْنُ وَمَلَكٌ

اس کے محال حکومت کو زینت کا سامان اور دنیا کی زندگی کے

رَبُّنَا وَأَمْوَالُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا

بست اموال دے دیے ہیں تاکہ وہ انجام کار ہو گوں کو تیرے راستے

عَنْ سَبِيلِكَ (یونس ۸۸)

سے گمراہ کریں۔

سو اس (موسیٰ) کو فرعون کے گمراہوں نے اٹھایا تاکہ

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنُوا لَهُمْ عَدُوًّا

انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور رنج و غم کا باعث ہو جائے۔

وَحَرَكْنَا (الفصص ۸)

علامہ محمود بن عمر زعفرانی متنی ۸۵۲۸ لکھتے ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کے لوہاں حق کی معرفت کو قبول نہیں کریں گے اور یہ اپنی آنکھوں

سے غلو قات میں اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیات جب تلاوت کی جائیں گی تو یہ ان کو غور و فکر سے

نہیں سنیں گے کفر پر اصرار اور ضد اور ہمت و صبری کی وجہ سے ان کے قلوب پلوف ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں اور ان

کے کانوں میں ڈانٹیں ہیں۔ اس آیت سے مقصود یہود کا محل بیان کرنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں انتہا کو پہنچ چکے

ہیں 'حلاکہ ان کو علم یقین ہے کہ ان کی کتابوں میں جس نبی کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یہی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ اور یہ ان

بست سے لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں گویا کہ ان کو پیدا ہی دوزخ کے لیے کیا گیا ہے۔

(۱) کشاف ج ۲، ص ۱۷۸-۱۷۷، مطبوعہ قم، ایران ۱۳۱۳ھ

اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اگر یہ ضدی اور معاند مشرکین ایمان نہیں

لائے اور آپ کی فصاحت کو قبول نہیں کرتے تو آپ پریشان نہ ہوں یہ ضدی مشرکین ان لوگوں میں سے ہیں جن کو انجام کار

دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے آپ طول خاطر نہ ہوں آپ اپنے دینی معاملات میں اور اپنے شعبین کے ساتھ

مشغول رہیے اور ان کی پروا نہ کیجئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جنت تو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں ان کو آگ کے عذاب کی کیا تکلیف ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

جیسے انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر اس کو اینٹ ماری جائے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے حالانکہ اینٹ بھی مٹی سے بنی ہوئی

ہے۔ سو اسی طرح جنت کو بھی آگ سے تکلیف ہوگی خواہ وہ آگ سے بنے ہوئے ہیں۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے:

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الذاریات: ۵۶) میری عبادت کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اور انس کو پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ واضح تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں سو جو اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا اور دوزخ میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو پیدا نہیں فرمایا لیکن جو اپنے اختیار اور ارادے سے کفر کریں گے اور اپنے مقصد تخلیق کے خلاف کام کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ انجام کار دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور دوزخ میں داخل کرنا مقصد تخلیق نہیں ہے۔ اس لیے ان آیتوں میں تعارض نہیں ہے۔ عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی وحدانیت کے دلائل پر دل سے غور و فکر نہیں کرتے اور اس کائنات میں اس کے وجود پر جو نشانیاں ہیں ان کا آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی جو علامات کی جاتی ہے اس کو کانوں سے غور سے نہیں سنتے اور نہ وعظ اور نصیحت کو سنتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ امام فخر الدین رازی شافعی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ علم کا محل قلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ طور ذمت فقہ اور فہم کی ان کے دلوں سے نفی کی ہے اور یہ اسی وقت درست ہو گا جب فقہ اور فہم کا محل قلب ہو۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بست سے لوگوں کو علم نہیں ہے سو جو شخص شہادت سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کی حدود کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر لیں سنو ہر بلا شلہ کی ایک خاص حد ہوتی ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں اور سنو جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۵۴۱ صحیح مسلم المساجد: ۱۰۷ (۱۵۹۹) ص ۳۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۳۳۰ ۳۳۲۹ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۰۹۷ سنن النسائی رقم الحديث: ۴۴۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۹۸۳)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: سنو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہے سر میں نہیں ہے اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعیہ) اور جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ عقل قلب میں ہے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ

عقل دماغ میں ہے۔ علامہ باذری لکھتے ہیں عقل کے قلب میں ہونے کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں فشکون لہم قلوب یعقلون بہا کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے "اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے ان فی دلکذا لذکری لمن کان لہ قلب" بے شک اس میں دل والے کے لیے فصاحت ہے۔ ان آیات کے علاوہ اس حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عقل دل میں ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہو اور اس میں کوئی احتمال نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲، ص ۲۸، مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہونے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ بدایت کے خلاف ہے۔

دماغ کے عقل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بتایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے اور ہم بدایت جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا۔ اگر چربی بڑھ جانے اور مٹاپے سے عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز، ذہنی انتشار، انجنا خوف، نسیان، مایعہ لیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بدایت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا بدایت کا انکار کرنا ہے اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات، احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اور اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزِ موع کی گفتگو عرف، مملورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک، سوچ و بچار، احساسات، جذبات، خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال

آیا میرا دل اس کو نہیں ملتا مگر کہ دل تو صرف خون پس کرنے کا ایک آئینہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں لغت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و انزل من السماء ماء اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (۲۲: ۲۲) مگر یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا۔ نیز ارشاد ہے حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تعرب فی عین حسنة (۸۶: ۸۶) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ دھل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا مگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے اور عقائد اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکم کے بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

مذکورہ حدیث میں صراحتاً عقل اور ادراک کی دل کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہو گا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے۔ علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید و جدی لکھتے ہیں: عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل دماغ (مغز) ہے جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔

(دائرة المعارف القرن العشرين ج ۶ ص ۵۲۲ مطبوعہ بیروت)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے ایک قول یہ ہے اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔ (کتب التحریکات ص ۵۵ مطبوعہ ایران)

علامہ تھمازانی لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور اوراکت کی صلاحیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے عاقبات کا بواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۱۹ مطبوعہ دہلی)

علامہ زبیدی نے اشبیلی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملک ہے جس کی وجہ سے نفس میں علوم

اور اوراکت کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جو ہر ہے تو وہ ایک جو ہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبیات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ اور اک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔

(تاج العروس ج ۸ ص ۲۶ مطبوعہ مصر)

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کو ذکر کیا ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہ اور نظریہ کا نور اک کرتا ہے۔

(تاج العروس ج ۸ ص ۲۵ مطبوعہ مصر)

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہ اور نظریہ کا نور اک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم مطلب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (اقرب الموارد ج ۴ ص ۸۸ مطبوعہ ایران)

عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے۔ شمس الائمہ سرفی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت لازم ہوگی اور اس میں مومنہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے) در مختار کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی اور حسن جویہ کا قول ہے کہ اس میں مومنہ کی ارش داخل نہیں ہوگی کیونکہ جنابت (ضرب لگانے) کا محل مختلف ہے کیونکہ مومنہ کا محل اور ہے اور عقل کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب مومنہ بالوں کے ساتھ ہو ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جاننا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بھاسم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۹۹ مطبوعہ بیروت)

شمس الائمہ سرفی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے کھل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے۔ علامہ محسن بن سعید بخاری ماکلی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمن بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عدا ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو مومنہ کا قصاص لیا جائے گا اور مومنہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقبت دیت لو اکریں گے اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو مومنہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے اگر علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہو تو اس کے بل سے سماعت اور عقل کی دیت وصول نہیں کی جائے گی۔

(البدونۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۴۸۷ مطبوعہ بیروت)

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل و بالغ میں ہے۔ امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں:

القلب قطعة من دم حامدة سوداء وهو مستكس في المواد وهو بيت النفس و مسكن العقل۔
قلب سیاہ جسے ہوئے خون کا ایک ٹوٹھرا ہے یہ دل کی کوٹھڑی ہے نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔
(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ بیروت)

کفار کا جانوروں سے زیادہ گم راہ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انسان اور بقی حیوانات غذا حاصل کرنے کی قوت، نشوونما کی قوت اور تولید کی قوت میں مشترک ہیں نیز خواص ظاہرہ اور باطنہ میں بھی مشترک ہیں اور تخیل، توہم اور تذکر کے احوال میں بھی مشترک ہیں انسان اور بقی حیوانات کے درمیان صرف قوت عقیدہ اور فکریہ کی وجہ سے امتیاز ہے جو قوت حق اور خیر کی طرف ہدایت دیتی ہے تاکہ حق اور خیر کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ جب کفار نے قوت عقیدہ اور فکریہ سے کام لینے سے اعراض کیا اور اس کے توسط سے حق کی معرفت حاصل کرنے اور نیک کام کرنے سے روگردانی کی تو وہ جانوروں کی مانند ہو گئے بلکہ ان سے زیادہ گم راہ کیونکہ حیوانات کو ان فضائل کے حصول پر کوئی قدرت نہیں ہے اور انسان کو ان کے حصول کی قدرت دی گئی ہے اور جو لوگ قدرت کے بلوجود ان عظیم فضائل کے حصول سے روگردانی کریں ان کا مل ان سے زیادہ خسیس ہو گا جو عجز کی وجہ سے ان فضائل کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس لیے بھی کہ جانور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور کفار اپنے رب کے اطاعت گزار نہیں ہیں اور اس لیے بھی کہ جب جانوروں کو کوئی راہ دکھانے والا ہو تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور راستہ سے نہیں ہٹتے اور کفار کو انبیاء علیہم السلام سیدھا راستہ دکھاتے تھے لیکن وہ ان کی مخالفت کر کے گم راہی کو اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں غریب ان کو اس کی سزا دی جائے گی (الاعراف: ۱۸۰) آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بہت سے جنت اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور اس آیت میں فرمایا اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ غفلت اور عذاب جنم سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو اور اصحاب ذوق اور ارباب مشاہدہ کا وجد ان یہ ہے کہ دل جب اللہ کی یاد سے غافل ہو اور دنیا اور اس کی دلچسپیوں اور رنجینیوں کی طرف متوجہ ہو اور رغب ہو تو وہ حرم کی آگ اور زمر کے بعد اور تجلب میں واقع ہو جاتا ہے اور جب دل میں اللہ کی یاد اور اس کی معرفت ہوتی ہے تو وہ آفتوں اور مصیبتوں کی آگ اور ناگہانی نور نامرادی پر حسرتوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی

اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنی ہیں۔ کیونکہ یہ اسماء احسن معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الفاظ

ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ عزوجل پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ **ہو اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم الملک القدوس (الحمت) (مبج البھادی رقم الحدیث: ۳۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸)** اور ایک قول یہ ہے کہ ان اسماء سے مراد صفات ہیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اللہ کے اوصاف حسی ہیں۔ مثلاً اللہ علم قدیم کے ساتھ عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا خالق ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ ہو جاتی ہے وغیرہ۔ کیونکہ اسم کا اطلاق صفت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کو صرف ان ہی اسماء حسنہ کے ساتھ پکارے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توفیقہ ہیں نہ کہ اصطلاحیہ۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو یا جواد کہنا جائز ہے اور یا نعی کہنا جائز نہیں ہے اور اس کو یا عالم کہنا جائز ہے اور یا نقیہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اور یا عاقل کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے **وہو خادعہم (النساء: ۱۳۲)** اور **وہو مکروا ومکر اللہ (آل عمران: ۵۴)** لیکن دعا میں یا مخلوع اور یا مکار کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ افعال کے اطلاق سے مشتق کا اطلاق لازم نہیں آتا اور یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا رب ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں ہے یا خالق الخرزیر یا خالق الزبائش۔

مقاتل رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے نماز میں اللہ اور الرحمن سے دعا کی تو ایک مشرک نے کہا (سیدنا) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ ہم رب واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں (یعنی اللہ اور الرحمن) کو تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کو پکارو یا الرحمن کو ان اسماء میں سے جس نام کے ساتھ بھی پکارو اس کے اسماء حسنہ ہیں۔

(ماشبہ محی الدین شیخ زادہ علی السیادی ج ۲ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کی بحث میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسم مسی کا معنی ہے یا فیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء کا توفیقی ہو تب بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کا بیان کریں گے اور آخر میں اسم اعظم کے متعلق بیان کریں گے۔

فنقول وبالله التوفیق۔

اسم مسی کا معنی ہے یا فیر

علامہ دشتی ابی مالکی لکھتے ہیں:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ اسم مسی کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسی کا معنی ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اسم کا اطلاق کبھی کلمہ پر ہوتا ہے اور کبھی اسم کا اطلاق ذات اور مسی پر ہوتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ حقیقی اطلاق کون سا ہے اشاعرہ نے کہا کہ اسم کا اطلاق کلمہ پر حقیقت ہے اور مسی پر مجاز ہے اور معتزلہ کا قول اس کے برعکس ہے اور استدلالہ منصور نے کہا کہ اسم دونوں میں مشترک ہے۔

اشاعرہ کے دلائل میں سے یہ ہے کہ جب کسی غصین غصص کا نام پوچھا جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس غصص کا اسم کیا ہے؟ پھر جواب میں وہ کلمہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے وہ غصص دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسم کی حقیقت وہ کلمہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں سو اگر اسم مسی کا معنی ہو تو متعدد خداؤں کا ہونا لازم آئے گا۔

معتزلہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سبح اسم ربک الاعلی (الاعلیٰ ۱)** اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کیجئے اور تسبیح اللہ کی ذات کی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسم اس کی ذات کا معنی ہے۔ بہر حال اس مسئلہ میں ہر فرقہ کے

دلائل اور ان کے جوابات موجود ہیں۔ (اکمل اکمل المعجم ج ۹، ص ۷۳-۷۴، بیروت)
 اللہ تعالیٰ کے اسماء کے تو قیسی ہونے کی تحقیق
 علامہ وشتنی ابی مائی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اطلاق کیا ہو یا اس کے رسول ﷺ نے اس اسم کا اطلاق کیا ہو یا اس اسم کے اطلاق پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق کرنا) اور جس اسم کے اطلاق پر اذن شرعی ہو نہ ممانعت ہو اس میں اختلاف ہے۔ اس میں ایک قول توقف کا ہے اور ایک قول ممانعت کا ہے۔ علامہ ابن رشد نے اس قول کو امام اشعری اور امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ مقرر نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ ممانعت حکم شرعی ہے اور بغیر دلیل سعی کے ممانعت شرعی کا حکم صحیح نہیں ہے۔ مقرر نے کہا اگر اس لفظ سے کسی محل معنی کا وہم ہو تو پھر اس اسم کا اطلاق ناجائز ہے اور اگر کسی محل معنی کا وہم نہ ہو تو پھر اس قسم کا اطلاق جائز ہے۔ علامہ ہاتمی نے کہا ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے بشرطیکہ اس کی ممانعت پر اجماع نہ ہو۔ اس لیے سید اور حنن کا اطلاق جائز ہے اور عاقل اور فقیہ کا اطلاق ناجائز ہے۔ البتہ امام مالک نے سید اور حنن کے اطلاق سے منع کیا ہے۔ علامہ ہاتمی نے کہا اللہ تعالیٰ نے جن افعال کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے ان کے اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے محل ہے اور وہ قرآن میں مذکور ہیں تو ان کا اطلاق قرآن مجید میں آگیا ہے پس اتنا اطلاق جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اللہ بہمنہری بہم اس کی وجہ سے مستزنی کا اور سحر اللہ مسہم اس کی وجہ سے ساخر کا اطلاق جائز نہیں ہے اور متکلمین اللہ تعالیٰ پر مصلح واجب الوجود اور موثر کا اطلاق بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (اکمل اکمل المعجم ج ۹، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

اسماء حسنی میں اختلاف ہے آیا یہ تو قیسی ہیں یا نہیں۔ تو قیسی کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اور سنت کی نص کے علاوہ کسی اسم کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہ ہو۔ امام محمد بن رازی نے یہ کہا کہ ہمارے اصحاب کا مشہور قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیسی ہیں اور معتزلہ اور کرامیہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی لفظ کی اللہ پر دلالت عقلاً صحیح ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ قاضی ابوبکر اور امام غزالی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیسی ہیں اور صفات تو قیسی نہیں ہیں۔ (اس کے برخلاف جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اسماء غیر تو قیسی ہیں اور صفات تو قیسی ہیں۔ سعیدی غفرلہ) امام غزالی کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا وہ نام رکھیں جو آپ کے والد نے رکھا نہ آپ نے خود رکھا۔ اسی طرح مخلوق میں سے کسی بھی بزرگ شخص کا نام ہم از خود نہیں رکھ سکتے اور جب مخلوق کا نام از خود رکھنا ممنوع ہے تو خالق کا نام از خود رکھنا بہ طریق اولیٰ منع ہونا چاہیے۔ اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے اسم یا صفت کا اطلاق جائز نہیں ہے جس سے نقص گاہم ہو خواہ نص میں اس لفظ کا اطلاق ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کو ماہد، زامع اور فائق کہنا جائز نہیں ہے اگرچہ نص قرآن میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ عنعم الماہدون (الذاریات: ۴۸) محسن الرارعون (الواقف: ۷۳) فائق الحب والسوی (الانعام: ۹۵)

امام ابو القاسم گیسری نے کہا کہ کتاب، سنت اور اجماع سے جن اسماء کا ثبوت ہو ان اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے اور جس اسم کا ان میں ثبوت نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز نہیں ہے خواہ اس کا معنی صحیح ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس کے اطلاق کا شریعت میں ثبوت ہو عام ازیں کہ وہ مشتق ہو یا غیر مشتق ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور ہر وہ لفظ جس کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف صحیح ہے، عام ازیں کہ اس میں تاویل ہو یا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اس پر اسم کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔

امام رازی نے کہا کہ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جن صفات کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثبوت قطعی ہے ان کا اطلاق مفرد اور مضاف دونوں اعتبار سے صحیح ہے جیسے قادر، قاهر، یا

قلاں پر قادر ظلال پر قاهر۔

۲۔ جن صفات کا یہ طور مفرد اطلاق صحیح ہے اور بطور مضاف خاص شرائط کے ساتھ صحیح ہے۔ مثلاً خالق یا ہر چیز کا خالق کہنا

صحیح ہے لیکن بندہ اور خنزیر کا خالق کہنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ جن صفات کا بطور مضاف اطلاق صحیح ہے اور یہ طور مفرد صحیح نہیں ہے مثلاً فاشی کہنا صحیح نہیں ہے اور فاشی الخلق کہنا صحیح

ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ اگر شریعت میں اس کا سماع ثابت ہو تو اس اطلاق کو جائز گاور نہ نہیں، اور تیسری قسم وہ ہے کہ

شریعت میں اس کا بہ حیثیت افضل سماع ہے تو انہی کا اطلاق کیا جائے گا اور ان پر قیاس کر کے ان مشقات کا اطلاق نہیں کیا جائے گا

جیسے مکر اللہ اور ہسنہری، ہم سوا اللہ تعالیٰ پر ماکر اور مستری کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ لاہور)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ علامہ اسلام کا اس پر اطلاق ہے کہ جن اسماء اور صفات کے اطلاق کا اذن شرعی ثابت ہے ان کا اللہ تعالیٰ

کی ذات پر اطلاق جائز ہے اور جن کی ممانعت ثابت ہے ان کا اطلاق منع ہے اور جن اسماء کا شریعت میں اذن ہو نہ ممانعت ہو ان

کے اطلاق میں اختلاف ہے۔ شرطیکہ وہ ان اسماء میں سے نہ ہوں جو باقی لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم (نام) ہوں، کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی ذات پر اسماء اعلام کا اطلاق کسی کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ نیز ان اسماء کا اطلاق نقص کا موہم نہ ہو بلکہ صرح کا منظر

ہو، سو ایسے اسماء کے اطلاق کو اہل حق نے منع کیا ہے اور جمہور معتزلہ نے جائز کہا ہے۔ قاضی ابو بکر کا اسی طرف میلان ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ پر غہ اور شکری کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال مردود

ہے کیونکہ اگر اجماع ثابت ہو تو وہ اذن شرعی کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور بحث ان اسماء کے اطلاق میں ہے جن کے لیے اذن

شرعی نہ ہو۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۱ مطبوعہ بیروت)

علامہ مختارانی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو تو اللہ تعالیٰ پر موجود واجب اور قدیم وغیرہ کا اطلاق کیسے صحیح ہو گا کیونکہ ان کا شریعت میں ثبوت نہیں

ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطلاق اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی دلائل شرعیہ میں سے ہے۔

(شرح العقائد ص ۳۱ مطبوعہ کراچی)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیسی ہیں یعنی ان کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق اذن شرعی پر موقوف ہے اور یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے جو

لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ طور علم (نام) وضع کیے گئے ہیں بلکہ بحث ان اسماء میں ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔ سو

ان اسماء میں معتزلہ اور کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کسی صفت سے متصف ہونا صحیح ہو تو اس کا

اطلاق جائز ہے خواہ اس کا شرع میں ثبوت ہو یا نہ ہو۔ اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی ابو بکر نے یہ کہا کہ جب کوئی لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اور اس میں نقص کا وہم نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ پر عارف کا اطلاق جائز نہیں کیونکہ لفظ معرفت سے غفلت کے بعد علم کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے اسی طرح فقیہ کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو مظہم کی غرض کو سمجھ لے۔ اسی طرح عاقل کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ عاقل اس شخص کو کہتے ہیں جو غلط کام کرنے سے رکے اور شیخ اور ان کے جہین نے یہ کہا ہے کہ توقیف ضروری ہے اور یہی مختار ہے۔

(شرح المواقف ص ۶۸۵ مطبوعہ ہند)

واضح رہے کہ علامہ میر سید شریف نے شیخ کے جس قول میں توقیف کو مختار کہا ہے اس کا تعلق ان اسماء سے ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہوں کیونکہ نزاع اور بحث انہی میں ہے۔ رہے وہ اسماء جو غفلت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اعلام ہیں تو ان کے متعلق علامہ میر سید شریف نے تصریح کر دی ہے کہ وہ محل نزاع سے خارج ہیں اور ان کے اطلاق کے جواز پر سب کا اتفاق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق اجماع اور اتفاق سے ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس اسماء کی تفصیل جامع ترمذی میں ہے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو جس نے ان کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ہواللہ الذی لا الہ الا ہوالرحمن الرحیم الملک القدوس السلام المؤمن المہیمس العزیز العبار المتکبر الخالق البارئ المصور الغفار القہار الوہاب الرزاق المتاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصیر الحکم العدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقیت الحسب الحلیل الکریم الرقیب المحیب الواسع الحکیم الودود المعید الباعث الشہید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحیی المبدئ المعید المحی الممیت الحی القیوم الماجد الواحد الصمد القادر المقدر المقدم المؤخر الاول الآخر الظاہر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالک الملک ذو الجلال والاکرام المقسط الحامع الغنی المغنی المانع المصار النافع السور الہادی البدیع الباقي الوارث الرشید الصبور۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر نہیں ہے اور اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہ وہ ننانوے نام ہیں جس نے ان ناموں کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں یہ ہے میں تجھ سے ہر اسم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس اسم کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا جس اسم کو تو نے اپنے علم غیب میں مخصوص کر

لایا ہے، حافظ ابو بکر بن العربی مالکی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔ ابن العربی نے کہا یہ بہت کم ہیں۔ ان اسماء کی تحسین کا ذکر جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ بعض اسماء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کا تعین اسم اعظم اور لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ کراچی)

علامہ قرطبی نے کہا کہ جس شخص نے صحت نیت کے ساتھ جس طرح بھی ان کلمات کو گن لیا اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ لاہور)

اسم اعظم کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابو جعفر طبری، امام ابو الحسن الاشعری، امام ابو حاتم بن حبل، قاضی ابو بکر باقلانی وغیرہ نے اسم اعظم کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو بعض دوسرے اسماء پر فضیلت دینا جائز نہیں ہے اور امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کو اسم اعظم کہنا مکروہ قرار دیا ہے اور جن احادیث میں اسم اعظم کا ذکر ہے اس سے مراد عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء عظیم ہیں۔ امام ابو جعفر طبری نے کہا میرے نزدیک اس سلسلہ میں تمام اقوال صحیح ہیں۔ کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ لہاں اسم اعظم ہے اور کوئی اسم اس سے زیادہ عظیم نہیں ہے۔ امام ابن حبل نے کہا کسی اسم کے اسم اعظم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس اسم کے ساتھ دعا کرنے والے کو عظیم اجر ملے گا۔ امام جعفر صادق اور جنید وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ بڑا اللہ تعالیٰ کے جس اسم میں ڈوب کر دعا کرے وہی اسم اعظم ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اسم اعظم کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی شخص کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

بعض علماء اسم اعظم کے ثبوت کے قائل ہیں اور اس کی تحسین میں ان کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں کل چودہ قول ہیں:

- ۱۔ امام فخر الدین رازی نے بعض اہل کشف سے نقل کیا کہ اسم اعظم "ہو" ہے۔
- ۲۔ اسم اعظم "اللہ" ہے۔ کیونکہ یہی وہ اسم ہے جس کا اللہ کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا۔
- ۳۔ اسم اعظم "اللہ الرحمن الرحیم" ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے ایک حدیث روایت کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔
- ۴۔ اسم اعظم "الرحمن الرحیم الحی القيوم" ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے والہکم الہ واحد لا الہ الاہو الرحمن الرحیم اور سورۃ کل عمران کی ابتداء اللہ لا الہ الاہو الرحمن الحی القيوم اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

- ۵۔ "الحی القيوم" کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ جہضمی سے روایت کیا ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ بقرہ، آل عمران اور طہ۔ حضرت ابو امامہ کہتے ہیں میں نے ان سورتوں میں اسم اعظم کو تلاش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ "الحی القيوم" ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ربوبیت پر ان کی ولایت سب اسماء سے زیادہ ہے۔

- ۶۔ "الحنان المنان بدیع السموت والارض ذوالجلال والاکرام الحی القيوم" امام احمد اور امام حاکم نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ سنن ابو داؤد اور سنن نسائی میں اس کی اصل ہے اور امام ابن حبل نے اس

کو صحیح قرار دیا ہے۔

۷۔ ”بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام“ اس کو امام ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔

۸۔ ”ذوالجلال والاکرام“ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے یہاں ذوالجلال والاکرام کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی دعا قبول ہوگی۔

۹۔ ”اللہ لا الہ الا هو الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد“ امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو حضرت بریدہ بن حصیب سے روایت کیا۔ اسم اعظم کی روایت کے سلسلہ میں اس روایت کی سند سب سے زیادہ قوی ہے۔

۱۰۔ ”رَبِّ رَبِّ“ امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ اللہ کا اسم اکبر ”رَبِّ رَبِّ“ ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب بندہ ”رَبِّ رَبِّ“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”بیک میرے بندے! تو سوال کر تجھے دیا جائے گا۔“

۱۱۔ ”لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین“ امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت فضالہ بن عبیدہ بن جریج سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو مسلمان شخص ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا ”اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔“

۱۲۔ ”هو الله الذی لا الہ الا هو رب العرش العظیم“ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ امام زین العابدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو اسم اعظم کی تعلیم دے تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

۱۳۔ اسم اعظم اسم حسنی میں مخفی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا اسم اعظم ان اسماء میں ہے جن سے تم نے دعا کی ہے۔

۱۴۔ اسم اعظم کلمۃ التوحید ہے۔ اس کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵، ص ۲۲۵-۲۲۳، مطبوعہ لاہور)

الحاد کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (غلط رائے اختیار) کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں مغرب ان کو اس کی سزا دی جائے گی ○

علامہ حسین بن محمد راضی صوفی لکھتے ہیں:

الحاد کے معنی ہیں حق سے تہوڑ کرنا اور الحاد کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے یہ ایمان کے منافی ہے۔ دوسری قسم ہے اسباب کو شریک بنانا یہ ایمان کو کمزور کرتا ہے اور ایمان کی گرہ کو نہیں کھولتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جس کے ساتھ اس کو موصوف کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی ایسی تلمیح کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(المفردات ج ۲، ص ۵۷۷، مطبوعہ مکتبہ نزار معینی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی تفصیل

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد تین قسم پر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ ظاہرہ کا غیر اللہ پر المطلق کیا جائے جیسا کہ کفار نے اپنے جوں پر اللہ کے ناموں کا نام میں تصرف کر

کے اطلاق کیا۔ مثلاً انہوں نے لفظ اللہ سے اموات بتایا اور العزیز سے عزلی بتایا اور النان سے الناة بتایا اور مسیطہ کذاب نے خود اپنا نام الرحمن رکھا۔

۲۔ اللہ کا ایسا نام رکھنا جو اس کے حق میں جائز نہیں ہے جیسا عیسائی اللہ تعالیٰ کو مسیح کا باپ کہتے ہیں اور کرامیہ اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق کرتے ہیں اسی طرح معتزلہ اپنی بحث کے دوران کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا تو وہ جلیل ہو گا اور لائق مذمت ہو گا اور اس قسم کے الفاظ بے ادبی کے مظہر ہیں۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ہر وہ لفظ جس کا معنی صحیح ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق الاجسام ہے لیکن اس کو کیڑوں مکوڑوں اور بندروں کا خالق کہنا جائز نہیں ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تزیہ واجب ہے۔

۳۔ ہر وہ اپنے رب کا ایسے الفاظ کے ساتھ ذکر کرے جس کا معنی وہ نہیں جانتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے لفظ کا ذکر کرے جس کا معنی اللہ کی جیسا کہ لائق نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۱۷-۴۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیسی ہونے پر مذہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات امام غزالی محمد بن محمد رازی الشافعی المتوفی ۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ اگر ایک لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ثابت ہو تو کیا اس کے تمام مشتقات کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ نہ اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز ہے نہ انبیاء علیہم السلام کے اور نہ ملائکہ کے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا لفظ آیا ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرہ: ۳۱) عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ (النساء: ۱۱۳) لیکن اللہ تعالیٰ کو یا معلم کہنا جائز نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ کے لیے یحب کا لفظ آیا ہے یحبہم ویحبوبہ (المائدہ: ۵۴) لیکن اللہ تعالیٰ کو یا محب کہنا جائز نہیں ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا معاملہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں وارد ہے وعصی ادم ربہ فغوی (طہ: ۸۱) لیکن یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ آدم عاصی و غوی تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے یا ابت استاجرہ (قصص: ۳۶) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر (اجرت پر کام کرنے والا) کہنا جائز نہیں ہے اور قصہ یہ ہے کہ یہ الفاظ موہم ہیں اس لیے ان کا انحصار ان ہی نصوص میں واجب ہے اور ان سے مشتق الفاظ کے اطلاق میں توسع میرے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی المتوفی ۴۰۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ صرف ان ہی اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور حدیث کی ان پانچ کتابوں میں ہے۔ صحیح البخاری صحیح مسلم سنن الترمذی سنن ابوداؤد سنن النسائی۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر اسلام کے احکام کا دار ہے اور ان کتابوں میں الموطا بھی داخل ہے جو تمام تصانیف حدیث کی اصل ہے اور ان کے علاوہ باقی اسماء کو چھوڑ دو۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کو اس نام کے علاوہ کسی اور نام سے پکارے جو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رکھا ہے اس لیے یا حیوا کہنا جائز ہے اور یا علی کہنا جائز نہیں ہے اور یا رحیم کہنا جائز ہے اور یا رفیق کہنا جائز نہیں ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کا نام لینے میں غلطی کرنا زنج اور الخلاء ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو الیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ نے بھی زجاج کا ذکر کور للصدر قول نقل کیا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

۹ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے

اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے (الاعراف: ۸۷)

اس امت میں بھی حق کی ہدایت دینے والے اور حق کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے بہت سے جن لوہ انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الاعراف: ۷۹) اور

اس آیت میں فرمایا اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک گروہ ایسا (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ

عدل کرتا ہے۔ (الاعراف: ۸۷) اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے بھی بہت مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سے پہلے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عمل

کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور جب اس کلام کو دوبارہ ذکر فرمایا تو اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی امت ہے

اور حسب ذیل روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریر نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا یہ میری امت ہے یہ حق کے ساتھ لیتے ہیں دیتے ہیں

اور فیصلہ کرتے ہیں۔

فقہ نے کہا ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی اللہ ﷺ جب اس آیت کی قرائت کرتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور تم

سے پہلے ایک قوم کو بھی اس کی شکل دی گئی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھتے ومن قوم موسیٰ امۃ یہدون بالحق وہ

یہدئون۔ (الاعراف: ۱۵۹)

(جامع البیان ج ۷ ص ۱۸۰-۱۸۱ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۲ تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱ رقم الحدیث ۹۷ زوائد المسیر ج ۲

ص ۲۹۳ معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۳ اللہ المشرع ج ۲ ص ۷۶)

اجماع کے تحت ہونے پر احادیث

اس آیت میں اس کی صریح دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معلو یہ جڑی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ

اللہ کے امر (دین) پر قائم رہے گا جو شخص ان کو ناکام کرنا چاہے یا ان کی مخالفت کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ

ان کے پاس اللہ کا امر (موت) آجائے گا اور وہ اسی (طریقہ دین) پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۲۳ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶ سنن دارمی رقم الحدیث ۲۳۰ جامع الاصول

ج ۱ رقم الحدیث ۷۷۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان جڑی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب

رہے گا جو ان کو ناکام کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔

(صحیح مسلم الامام ۱۷۰۴ (۱۷۰) صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۷۵۴ سنن الترمذی رقم الحدیث

۲۲۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰ سند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ (صحیح مسلم للامام ج ۱ ص ۱۷۲) (۱۸۴۳) (۳۸۷۱)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

معاویہ بن قرۃ اپنے والد جھوٹے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل شام فاسد ہو جائیں تو اس میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے اور میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ کامیاب رہے گا جو ان کو ناکام کرنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۸۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۶ سند احمد ج ۷ رقم الحدیث ۲۰۳۸۳ طبع جدید سند احمد ج ۳ ص ۲۳۶ ج ۵ ص ۳۵ طبع قدیم صحیح ابن حبان ج ۱۲ رقم الحدیث ۷۳۰۲ المستم الکبیر ج ۸ ص ۵۶ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا جماعت پر ہاتھ ہے اور جو جماعت سے الگ ہو اور دوزخ میں الگ ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۱۷۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶ کتاب الاسماء والصفات ص ۲۲۲ کتاب السنن ج ۱ رقم الحدیث ۸۰۰ المستدرک ج ۱ ص ۱۵۵)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مالک اشعری جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تم کو تین چیزوں سے ہٹا دی ہے۔ تمہارے خلاف تمہارا نبی دعاء ضرر نہیں کرے گا جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ اور اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں ہوں گے اور تم بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۲۵۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۶۰ اس کی سند ضعیف ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک جوہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی اور جب تم اختلاف دیکھو تو سوا دعا عظم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۵۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بصیر غفاری جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں مجھے عطا فرمادیں اور ایک دعا سے مجھے منع فرمادیا میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت قحط سے ہلاک نہ ہو جیسا کہ پہلی امتیں ہلاک ہو گئی تھیں تو اللہ عزوجل نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے یہ سوال کیا کہ ان کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرے جس کے نتیجے میں بعض بعض سے لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع کر دیا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۹۶ طبع قدیم دار الفکر بیروت مسند احمد بن حنبل ج ۱۸ رقم الحدیث ۲۷۱۰۱ دار الحدیث قاہرہ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی المتوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن قیس انصاری جوڑی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت مرحوم پر پہنچایا اور میرے لئے مختصر مدت رکھی، ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے اور میں یہ بات بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ساتھ ہوگا اور بے شک اللہ عزوجل نے میری امت کے متعلق مجھ سے وعدہ کیا ہے اور ان کو تین چیزوں سے محفوظ رکھے گا۔ ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو کوئی دشمن نیست و بحد کرے گا اور نہ ان کو گمراہی پر جمع کرے گا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۵۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابو بکر عمرو بن عامر النخاع بن خالد الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن عامر الاشعری جوڑی کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہو۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ)

حضرت انس بن مالک جوڑی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہو۔ (یہ حدیث حسن ہے) (کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳)

حضرت ابو مسعود جوڑی نے فرمایا تم جماعت کے ساتھ لازم رہو، کیونکہ اللہ عزوجل سیدنا محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں)

(کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱، ص ۱۷۷، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۲۱۹)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا ہی نہیں چلے گا۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۸۳﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ

اُم میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، جیکے میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر

مِنْ جَنَّةٍ إِنَّهُ لَا يَلْدِيهِمْ مَيْمَنٌ ﴿۸۴﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَىٰ مَلَكُوتِ

مطلقاً جہنم نہیں ہے، نہ تو صرف کسم کلا ڈرانے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ عَسَىٰ أَنْ

خبر نہیں کیا اللہ ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے؛ اللہ اس میں کہ شاید ان کا مقررہ

يَكُون قَدْ أَقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۵﴾

وقت قریب آچکا ہے، پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس پیسنہ پر ایمان لائیں گے۔

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا

يَعْرِهُونَ ۖ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا قُلْ

چھوڑ دیتا ہے ۝ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے کہ

إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِئُهَا لَوْحٌ قَاهٍ أَلَا هُوَ ثَقُلَتْ فِي

اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر صرف وہی اس کو بطور میں لائے گا، آسمانوں اور زمینوں پر

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ

قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی، وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے

حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہی گویا آپ اس کی خبر میں ہیں، آپ کہیے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن بہت سے لوگ

يَعْلَمُونَ ۚ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ

انہیں جانتے ۝ آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ

اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا

چاہے، اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر جمع کر لیتا اور بے کوئی

مَسْنِي الشُّوْعَ ۚ إِنَّ آتَا لَتَذَيَّرُوا يَشِيرُ لِقَدَرٍ يُؤْمِنُونَ ۚ

تکلیف نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمان والوں کو (خدا آپ الہی سے) ڈرانے والا اور (آخری ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بہ تدریج چہی کی طرف اس طرح لے

جائیں گے کہ ان کو ہتھی نہیں چلے گا اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ۝

(الاعراف: ۱۸۳-۱۸۲)

مشکل الفاظ کے معنی

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ: یہ لفظ استدراج سے بنا ہے اس کا مادہ درج ہے۔ درجہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز

پہنت کر کسی جگہ رکھ دی جائے۔ اور استدراج کا معنی ہے کسی چیز کو درجہ بہ درجہ اور چھٹایا درجہ بہ درجہ اس کو نیچے اتارنا اور

جلد چہارم

طہان القرآن

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ

الَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُمْ

اس کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج لپیٹنا۔ علامہ طاہر بنی متوفی ۱۹۸۶ء نے لکھا ہے استدر ارج کا معنی ہے کسی شے کو تدریج سے پکڑنا۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۶۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کی ہلاکت کو قریب کر دیں گے اور ان کے عذاب کو اس طرح دگنا کر دیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چل سکے گا کیونکہ یہ لوگ جب بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں یا کوئی گنہہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نعمت اور خیر کے دروازے کھول دیتا ہے اس سے یہ بہت خوش ہوتے ہیں اور سرکشی اور گمراہی میں اور زیادہ منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جوں جوں ان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ توں توں زیادہ گنہہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اچانک ان کو عین غفلت میں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں مستدرج ہوں کیونکہ تو نے فرمایا ہے ہم ان کو بہ تدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔

املسی لہم: اس کا معنی ہے میں ان کو مصلحت دیتا ہوں۔ الاملاء کا معنی ہے مدت طویلہ۔ قرآن مجید میں ہے آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا واھجر نسی ملیا (مریم ۳۶) تو ایسی مدت کے لیے مجھ سے دور ہو جا اور ملو ان کے معنی ہیں دن اور رات۔ (الفردات ج ۲ ص ۳۳-۳۴) مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۸۱۳ھ)۔
”اں کبیدی منین“ کید کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اور متین کے معنی ہیں مضبوط۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں دنیا میں ان کو ان کے کفر پر اصرار کے باوجود باقی رکھتا ہوں اور ان کو جلدی سزا نہیں دیتا اس لیے کہ یہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے اور نہ مجھے سزا دینے سے روک سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کید یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب دے گا اور اس کو کید اس لیے فرمایا کہ کفار پر وہ عذاب اچانک آئے گا جس کا انہیں پہلے سے بالکل اندازہ نہیں ہو گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے اوہ تو صرف کھلم کھلا ڈالنے والے ہیں O (الاعراف ۱۸۳)

تفکر کا معنی

اولم یفکروا: فکر وہ قوت ہے جو علم کو معلوم کاراستہ دکھاتی ہے۔ یہ اعتبار نظر عقل کے اس قوت کی جولانی کو تفکر کہتے ہیں۔ یہ قوت صرف انسان میں ہوتی ہے حیوان میں نہیں ہوتی۔ اور اسی چیز کا تفکر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جس کی صورت عقل میں حاصل ہو سکے اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے متبرک ہے کہ اس کی صورت عقل میں حاصل ہو۔ اس لیے فرمایا:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيّ أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ
کیا انہوں نے اپنے دلوں میں کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (الروم: ۸)

اسی طرح اس آیت میں بھی فرمایا ہے کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا (الآیہ) غرض ہر جگہ حقائق کائنات میں تفکر کے لیے فرمایا کہیں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ میں تفکر نہیں کیا۔ (الفردات ج ۲ ص ۳۹۷-۳۹۸ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں: عقل سے کسی چیز کے معنی کی تلاش اور طلب کو تفکر کہتے ہیں اور کسی شے میں غور و فکر اور تدبیر کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔ جیسے جب ہم بصر (آنکھ) سے دیکھتے ہیں تو انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ حاصل ہوتی

ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم آنکھ کی پتلی کو مرئی (دکھائی دینے والی چیز) کی طرف متوجہ کریں تاکہ ہمیں آنکھ سے یہ رویت حاصل ہو۔ اسی طرح بصیرت کی رویت ہے جس کو علم اور یقین کہتے ہیں اور یہ بھی انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم انکشاف اور تجلی کو حاصل کرنے کے لیے عقل کی آنکھ کو مطلوب کی جانب متوجہ کریں اور اس فعل کو نظر عقل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انہوں نے فکر نہیں کیا۔ اس میں انہیں نامل اور تدبیر کرنے اور اشیاء کی معرفت کے لیے غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اگر وہ غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ نئی چیزیں جن کو جنون نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۲۰-۳۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

جاہل کفار نئی چیزیں کو کیوں مجنون کہتے تھے اور اس کا جواب

کہ میں بعض جمل نئی چیزیں کو دو دھوں سے جنون کی طرف منسوب کرتے تھے:

پہلی وجہ یہ تھی کہ نئی چیزیں کے افعال ان کے افعال کے مخالف تھے کیونکہ نئی چیزیں دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اللہ عزوجل کی یاد اور اس سے دعا کرنے میں مشغول رہتے تھے اس وجہ سے آپ کا فعل ان کے طریقہ کے مخالف تھا۔ لہذا انہوں نے اعتقاد کیا کہ آپ مجنون ہیں۔ حسن بصری اور قتادہ نے بیان کیا کہ آپ رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو قبیلہ بہ قبیلہ پکارتے اور فرماتے اے بنو فلان اے بنو فلان اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو کوئی کہنے والا کہتا کہ تمہارا یہ صاحب تو مجنون ہے رات سے لے کر صبح تک چلاتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے"۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۸۸) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نئی چیزیں کے معمولات پر غور کرنے کی دعوت دی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ نئی چیزیں ان کو عذاب الہی سے ڈرانے کے لیے رات بھر پکارتے ہیں العیاذ باللہ کسی جنون کی وجہ سے نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ نزول وحی کی وقت نئی چیزیں پر عجیب و غریب حالت طاری ہوتی تھی آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور رنگ زرد پڑ جاتا اور لگتا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ پس جمال یہ کہتے کہ آپ پر جنون ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ آپ پر کسی قسم کا جنون نہیں ہے کیونکہ آپ ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے فصیح الفاظ کے ساتھ قطعی دلائل اور قوی براہین پیش کرتے ہیں جس کی فصاحت کا معارضہ کرنے سے تمام دنیا کے عرب عاجز تھے۔ آپ کے سمت عمدہ اخلاق تھے اور آپ کی معاشرت نہایت پاکیزہ تھی آپ کی عادات اور خصلت انتہائی نیک تھیں آپ ہمیشہ اچھے کام کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ تمام صاحبان عقل کے مقتدا اور پیشوا تھے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جو انسان عمدہ اور پاکیزہ شخصیت کا حامل ہو اس کو مجنون قرار دینا کسی طور پر جائز اور درست نہیں ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ کافروں کو عذاب سے ڈرائیں اور مومنوں کو ثواب کی طرف راغب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں غور نہیں کیا اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس میں کہ شاید ان کا مقرر وقت قریب آچکا ہے پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ (الاعراف ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بیان فرمایا تھا اور چنانچہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر موقوف ہے اس

لے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی الوہیت اور توحید کا بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور فن کے درمیان جو کچھ ہے ان کی نشانیوں سے اپنی الوہیت پر استدلال فرمایا ہے۔ آسمانوں، زمینوں اور فن کے درمیان کی چیزوں میں سے ہم صرف سورج کی شعلے کے ایک ذرہ کو لیتے ہیں، کسی کھڑکی یا روشن دان سے جب سورج کی شعلہ اندر آتی ہے تو ہم چمکیلے ذرات پر مشتمل ایک غبار کو دیکھتے ہیں، ہم ان ذرات میں سے ایک ذرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص سمت اور خاص وضع پر ہے، سوال یہ ہے کہ ہمیں اور اوضاع اور احیاء تو غیر متعلق ہیں تو اس خاص سمت، خاص چیز اور خاص وضع کے لیے اس کا مخصص کون ہے؟ اس طرح وہ ذرہ اپنے حجم، اپنی صورت و شکل، اپنے رنگ، اپنی طبیعت اور اپنے اثرات میں تمام اقسام اور تمام صور اور اشکال اور تمام رنگوں اور تمام طبائع اور اثرات میں مسلولی ہے تو اس خاص حجم، خاص شکل و صورت، خاص رنگ، خاص طبیعت اور اثرات میں ان کا مخصص کون ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مخصص کوئی جسم ہے تو وہ جسم بھی ممکن ہو گا تو پھر ہم اس میں کلام کریں گے کہ اس ممکن کو عدم سے وجود میں لانے کا منہج کون ہے اور پوچھی سلسلہ چلا رہے گا اور قطع تسلسل کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ مخصص اور منہج جسم ممکن اور حادث نہیں ہے بلکہ وہ جسم کا غیر ہے اور قدیم اور واجب ہے اور یہ ضروری ہے کہ وہ قدیم اور واجب واحد ہو کیونکہ ایک سے زیادہ قدیم اور واجب ہوں تو وہ قدیم اور واجب میں مشترک ہوں گے اور کسی اور چیز کی وجہ سے باہم ممتاز اور متمیز ہوں گے، سو ان میں ایک چیز مشترک ہو گا وہ قدیم اور واجب ہے اور ایک چیز متمیز ہو گا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی محتاج ہوگی اور ہر مرکب اور محتاج ممکن ہوتا ہے اور امکان اور احتیاج وجوب، قدیم اور الوہیت کے متعلق ہے، اور ایک آسان دلیل یہ ہے کہ یہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب ایک نظم اور ایک طریقہ پر ہیں، اس پوری کائنات کا نظام نظم واحد پر چل رہا ہے، سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہو کر دوسری جانب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا، اسی طرح ہمیشہ آسمان پانی برساتا ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا، سیب کے درخت سے کبھی اخروٹ پیدا نہیں ہوا، کبھی کسی حیوان سے انسان یا کسی انسان سے حیوان پیدا نہیں ہوا اور اس پوری کائنات کا نظم واحد پر جاری رہتا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا نظم بھی واحد ہے۔

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ نے اس عالم کے سوا کہ دونوں عالم بنائے ہیں اور ہر عالم میں اس سے عظیم عرش ہے، اور اس سے اعلیٰ کرسی ہے اور ان آسمانوں سے وسیع آسمان ہیں، لہذا انسان کی عقل اللہ کے ملک اور ملکوت کا کس طرح احاطہ کر سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المذثر: ۳۱)

اور آپ کے رب کے فکر کی قدر اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اور جب انسان اللہ کی نشانیوں میں اور کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے اسرار میں سوچ و بچار کرے گا تو اس کے لیے یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

تو پاک ہے ہمیں صرف ان ہی چیزوں کا علم ہے جن کا علم تو

(البقرہ: ۳۲) نے ہمیں دیا ہے۔

آیا بغیر دلیل کے ایمان لانا صحیح ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظاہر کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کرنے کا حکم دیا ہے۔

قُلْ اَنْظُرُوا مَا دَاْفِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آپ کہئے کہ غور سے دیکھو آسمانوں اور زمینوں میں کیا کیا

نشانیاں ہیں۔

(یونس: ۱۰۱)

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ
بَسَّيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ
مَدَدْنَاهَا ۝ وَالْقِيٰنَا فِيْهَا رَوَاسِىً ۝ وَانْشَاْنَا فِيْهَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْجِۢۃً ۝ تَبٰۤرَكَ الَّذِى يَرْزُقُ
عَبْدًا مُّذْنِبًا ۝ (ق: ۱۰۸)

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو غور سے نہیں دیکھا کہ ہم
نے اس کو کیسا بنایا ہے اور کس طرح اس کو مزین کیا ہے اور
اس میں کوئی شکاف نہیں ہے ۝ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور
اس میں مضبوط پہاڑوں کو بچست کر دیا اور اس میں ہر طرح
کے خوش نما پودے لگائے ۝ یہ (اللہ کی طرف) ہر روز جوئے کرنے
والے بندے کے لیے بھرت اور نصیحت ہیں۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاٰیٰتِ كَيْفَ خُلِقَتْ

کیا یہ لوگ بغور ادٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا گیا ہے؟

(الغاشیہ: ۱۷)

وَ فِى الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُتَوَسِّلِیْنَ ۝ وَ فِى
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصَرُوْنَ ۝ (الداریات: ۲۰-۲۱)

اور زمین رکھنے والوں کے لیے زمین میں بہت نشانیاں ہیں
اور خود تمہارے نظروں میں تو کیا تم (ان نشانیوں کو) بغور نہیں
دیکھتے۔

ان آیات کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا کہ جو شخص غور و فکر کر کے دلیل سے اسلام قبول کرے اسی کا اسلام معتبر ہے
اسی وجہ سے امام بخاری نے "کتاب العلم" میں ایک باب (۱۱) کا یہ عنوان قائم کیا ہے قول اور عمل سے پہلے علم ہے، کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا عَلَّمْنَاۤ اٰتًاۤ اِلَّا اِلَٰهَآ اِلَٰهٌ ۝ (محمد: ۱۸)

اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء کی ہے، امام بخاری کا فتویٰ ہے کہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے سے پہلے دلیل سے اس کا علم
حاصل کرنا ضروری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص بغیر دلیل کا فکر پڑھے اس کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے ورنہ جب مسلمان کفار سے اسلام کے لیے جہاد کرتے تو کفار کے لیے یہ کتنا صحیح ہو تاکہ تمہارا
ہم سے جنگ کرنا اور ہم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ تم ہمیں دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت پر غور و فکر کرنے کی ہمت دو
نیز امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل
کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں
اور جب وہ یہ کہہ لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا صاحب اللہ پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱)

نیز اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ جب کافر یہ کہے کہ اشد ان لا الہ الا اللہ و اشد ان محمد عبدہ و رسولہ اور کہے کہ سیدنا
محمد ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور میں دین اسلام کے مخالف ہر دین سے بری ہوتا ہوں۔ اور وہ شخص بالغ اور صحیح

جلد چہارم

بیہان القرآن

العقل ہو تو اس شہادت اور اقرار کے بعد وہ مسلمان ہو گا اور اگر وہ اس شہادت اور اقرار سے منحرف ہو گیا تو وہ مرتد ہو گا اور علامہ سمیٹنی نے کہا ہے کہ سب سے پہلا واجب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ان تمام امور پر ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ نے کر آئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دلائل پر غور و فکر کرے بغیر حجت اور دلیل کے ایمان صحیح ہوتا ہے اس پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چرا رہی ہے ایک دن میں اس کے پاس گیا تو بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا اس کو بھیڑنا لے گیا تو مجھے افسوس ہوا اور میں بھی آخر بنو آدم میں سے ہوں میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا۔ مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا کیا میں اس باندی کو آزاد کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں؟ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کرو۔

(الوطار رقم الحديث ۱۵۵، صحیح مسلم المسند ۳۳ (۵۳۷) ۱۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۲۸۳، سنن الترمذی رقم الحديث ۳۱۸، سنن کبریٰ للعلانی رقم الحديث ۳۱، لسانہ کالج ۲۳ رقم الحديث ۳۸۳، ص ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بہکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۶)

کافروں کو گمراہی پر پیدا کرنے کا معنی

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں کو اللہ نے گمراہ کیا ہے ورنہ وہ قیامت کے دن یہ حجت پیش کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو گمراہ کر دیا تھا تو ہماری گمراہی میں کیا تصور ہے؟ اور ہمیں اس گمراہی پر سزا کا کس طرح عدل و انصاف پہنچتی ہو گا بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب مسلسل کفریہ عقائد پر جیسے رہنے کی وجہ سے کافروں کے دلوں میں گمراہی رائج ہو گئی اور وہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے اختیار سے اس چیز کو ضائع کر دیا جو انہیں ہدایت اور ایمان کی دعوت دیتی تو پھر ان کے دلوں اور دماغوں میں دعوت حق کو قبول کرنے کی استعداد لو جاتی رہی اور وہ اس طرح ہو گئے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے اس کے وقت پر صرف وہی اس کو تصور میں لائے گا آسمانوں اور زمینوں پر قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں آپ کہئے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۱۸۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

قرآن مجید کے بنیادی مضمون چار ہیں توحید، رسالت، تقدیر اور قیامت اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور قضاء و قدر کے متعلق آیات نازل فرمائی تھیں تو اب قیامت کے متعلق آیت نازل فرمائی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے فرمایا تھا شاید ان کا مقررہ وقت قریب آچکا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۵) تاکہ انہیں توبہ اور اصلاح پر براہِ گنجہ کیا جاسکے اس کے بعد فرمایا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں تاکہ ان کے دلوں میں یہ بت جاگزیں ہو کہ قیامت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھا گیا

ہے اور اس سے مسلمانوں کو توبہ اور لواد واجبات میں جلدی کرنے پر برائیت کیا جائے۔
مشکل الفاظ کے معانی

الساعة: ساعۃ کا لغوی معنی ہے زمانہ کا قلیل جز جو غیر معین ہو اور عرفی معنی ہے دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ اور اس کا شرعی معنی ہے قیامت یہ وہ وقت ہے جس میں تمام جہن ختم ہو جائے گا حضرت اسرائیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے اور کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

ایمان مرساھا: ایمان کا معنی ہے کب مرسى کا لفظ ارساء سے بنا ہے ارساء السفینہ کا معنی ہے سمندر میں لنگر ڈال کر جہاز کو ٹھہرانا اور یہاں مراد یہ ہے کہ قیامت کے وقوع اور حصول کا وقت کب ہے۔

لا یحلبھا: اس کا معنی ہے اس کو مشکف نہیں کرے گا یا ظاہر نہیں کرے گا۔

بغفۃ: البغفۃ کا معنی ہے کسی چیز کا اچانک بغیر توقع اور وہم و گمان کے واقع ہو جانا قلم بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت لوگوں پر ٹوٹ پڑے گی اور آنحضور کوئی شخص اپنا عوض ٹھیک کر رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے موشیوں کو پانی پلا رہا ہو گا اور کوئی شخص بازار میں سودا چ رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے تراندہ کو اوپر نیچے کر رہا ہو گا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۸۷-۱۸۶ الذر المشرع ج ۳ ص ۶۱۹)

حفی عنھا: الحفی کا معنی ہے کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش کرنا جو شخص کسی چیز کے متعلق سوال کرنے میں بہت مبالغہ کرے اس کو حفی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سئلوا النبی ﷺ حتی احفوه بالمسئلة۔ صحابہ نے نبی ﷺ سے سوالات کیے حتیٰ کہ سوالات میں بہت مبالغہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۰۸۹، صحیح مسلم فضائل ۱۳۷ (۲۳۵۹) ۶۰۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷ طبع قدیم)

وقت وقوع قیامت کو غفلت رکھنے کی حکمت

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی جس وقت قیامت واقع ہوگی اس وقت کو اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کی نظیر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

آیات ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْقَمَانِ (۳۳)

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا (طہ: ۱۵)

بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو غفلت رکھنا چاہتا ہوں۔

ہوں۔

اور وہ کہتے ہیں کہ قیامت کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ اگر تم

سچ ہو ۵ آپ کہتے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو

صرف اللہ کے عذاب سے علی الاعلان ڈرانے والا ہوں۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (المملک: ۲۵-۲۴)

وہ کہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ جانتے والا نہیں ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ بدوں سے قیامت کے وقوع کے وقت کو غفلت رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہو گا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے بہت زیادہ ڈریں گے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کہیں ایمان نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آجائے اور اللہ تعالیٰ کی

عیادت میں ہر وقت کوشش رہیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۴۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)
علم قیامت کے متعلق لوگوں کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات

امام ابن احنظہ امام ابن جریر اور امام ابو الشیخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حمل بن ابی ظہیر اور سمویل بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اگر آپ برحق نبی ہیں تو ہمیں بتائیے کہ قیامت کب آئے گی؟ کیونکہ ہمیں معلوم ہے وہ کیا چیز ہے تب یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ کب آئے گی؟ آپ کہنے لگے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ (الباقی)

امام عبد بن حمید اور ابو الشیخ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی حضرت جبرئیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا السلام علیک یا روح اللہ انہوں نے جواب دیا: علیک یا روح اللہ حضرت عیسیٰ نے کہا اے جبرئیل قیامت کب ہوگی؟ تو جبرئیل نے اپنے پر بھاڑے پھر کہا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا وہ آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہے اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ (الدر المنثور ج ۲، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ساتیوں میں سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم پر انوس ہے اتم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے اس کے سوا اور کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ رہو گے جس سے محبت کرتے ہو ہم نے پوچھا ہم بھی اسی طرح ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو ہم اس دن بہت زیادہ خوش ہوئے۔ امام مسلم کی روایت ۶۵۸۹ میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے محبت کرتا ہوں۔ ہر چند کہ میرے عمل ان کے عمل کی طرح نہیں ہیں امام مسلم کی روایت ۶۵۹۰ میں ہے اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ میں نے قیامت کے لیے بہت بھاری نمازوں، روزوں اور صدقات کی تیاری تو نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸، ۶۶۷۷، ۷۱۵۳، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۶۳۹، ۶۵۸۶، ۶۵۸۹، ۶۵۹۱)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مجلس میں مسلمانوں سے گفتگو فرما رہے تھے اسیثناء میں ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا بعض مسلمانوں نے کہا آپ نے اس کا سوال سن لیا تھا اور اس کو پسند نہیں فرمایا اور بعض نے کہا آپ نے سنا نہیں جب آپ نے اپنی گفتگو مکمل فرمائی تو آپ نے پوچھا وہ شخص کمال ہے جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب منصب مائل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۶، ۵۹۰۵، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۱، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۹۰۳)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کا علم نہیں تھا ہاں نبی ﷺ قرب قیامت کو اجمال طور پر جانتے تھے اور آپ نے اس کی خبر بھی دی ہے۔ (روح المعانی ج ۹، ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کتابوں کہ نبی ﷺ کو تفصیلی طور پر قیامت کے وقوع اور اس کے احوال کا علم تھا اور اس سلسلہ میں آپ سے بہت احادیث مروی ہیں جن کو ہم باحوالہ جات بیان کر رہے ہیں "فَتَقُولُ وَيْلًا لِلْمُتَّقِينَ"

نبی ﷺ کا علامات قیامت کی خبر دینا

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ارض حجاز سے ایسی آگ نمودار نہ ہو جس سے بھرئی کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸، صحیح مسلم النسخ ۴۲: ۱۵۶ (۲۹۰۲)، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کذابوں کا خروج نہ ہو جن میں سے ہر ایک یہ زعم کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(صحیح مسلم النسخ ۱۸۳: ۲۰۹ (۳۴۲)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵، مسند احمد ج ۲: ص ۲۵۰)

۷: ۵۲ جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، پس جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے اور جو لوگ اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں ان کا اس دن ایمان لانا مفید نہ ہو گا یا جن لوگوں نے اس سے پہلے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶، صحیح مسلم الامین ۲۳۸: ۱۵۷ (۱۵۷)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵، مسند احمد ج ۵: ص ۳۵، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۲۳۵: ۲۲۲۵، مسند احمد ج ۵: ص ۳۵، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۴- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درندے انسانوں سے باتیں نہ کریں اور انسان سے اس کے کوزے کا پھندا ہات نہ کرے اور اس سے اس کی جوتی کا تسمہ ہات نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۸، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۸۹۹)

۵- حضرت سلامہ بنت حر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ اہل مسجد امامت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہیں گے اور انہیں نماز پڑھنے کے لیے کوئی امام نہیں ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۸۷، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۹۰۸)

۶- قیس بن ابی حازم حضرت مراد اس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا نیک لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور تلخٹ (بھوی) باقی رہ جائیں گے جیسے جو کی بھوی باریک بھوریں باقی رہ جاتی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۳، مسند احمد ج ۳: ص ۱۹۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۲، جامع الاصول ج ۱۰: رقم الحدیث: ۷۹۰۹)

۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۰، صحیح مسلم النسخ ۵۳: ۲۱۸ (۲۹۰۷)، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳، الموطا رقم الحدیث: ۱۱۵)

۸- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۰، صحیح مسلم النسخ ۵۳: ۲۱۸ (۲۹۰۷)، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳، الموطا رقم الحدیث: ۱۱۵)

مسند احمد ج ۲ ص ۳۶ جامع الاصول رقم الحديث: ۷۹۱

۸- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمانہ متقارب ہو جائے سال ایک بار کی طرح گزرے گا اور مہینہ ہفتہ کی طرح گزرے گا اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھنٹہ کی طرح گزرے گا اور ایک گھنٹہ آگ کی چنگاری کی طرح گزر جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۹۲۹ جامع الاصول رقم الحديث: ۷۹۱۳)

۹- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت صرف اشرار (بدترین لوگوں) پر قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم المثنیٰ ۱۳۱ (۲۹۳۹) ۷۲۶۸ جامع الاصول رقم الحديث: ۷۹۱۶)

۱۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو ان میں سمت بڑی جنگ ہوگی اور لن کا دعویٰ ایک ہوگا اور حتیٰ کہ تیس دجالوں کذابوں کا ظہور ہوگا ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور حتیٰ کہ علم اٹھایا جائے گا اور زلزلے بکثرت ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بکثرت قتل ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۶۰۹ صحیح مسلم المثنیٰ ۱۷۱ (۲۸۸۸۰) ۷۱۲۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحديث: ۷۹۲۰)

۱۱- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت بیش اللہ کے دین کے لیے قتل کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور کسی کی مخالفت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ ان پر قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال پر ہوں گے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور اس کا مس ریشم کی طرح ہوگا اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ اس کی روح قبض کر لے گی پھر اشرار (بدترین لوگ) باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۶ (۱۹۲۳) ۳۸۷۳ جامع الاصول رقم الحديث: ۷۹۱۷)

۱۲- حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم کسی چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیوں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دھوئیں کا دجل کا دابہ الارض کا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مرتبہ مشرق میں ایک مرتبہ مغرب میں ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو عسکری طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم المثنیٰ ۳۹ (۲۹۹۱) ۷۱۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۳۹ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۱۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۰۴۱ جامع الاصول رقم الحديث: ۷۹۲۱)

۱۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا ہو آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھایا جائے گا اور جہل کا ظہور ہوگا اور زمانعام ہوگا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی۔

حتیٰ کہ پیاس مورتوں کا قیل ایک مود ہو گا۔

(صحیح مسلم العلم ۱۰ (۳۶۷۱) صحیح البخاری رقم الحدیث ۸۷ سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۳۵)

مسند احمد ج ۳ ص ۳۰ جامع الاصول رقم الحدیث ۷۳۳ (۷۳۳)

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متعاقب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور قتل کا ظہور ہو گا اور قتل بہت زیادہ ہو گا۔

(صحیح مسلم العلم ۱۰ (۳۶۷۲) صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۲۵۵)

سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۵۱ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵ جامع الاصول رقم الحدیث ۷۳۳ (۷۳۳)

۱۵۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مل غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے گا اور امانت کو مل غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرم نہ سمجھ لیا جائے گا جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنادیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گائے والیاں اور سائز رکھے جائیں گے اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو براکیں گے اس وقت تم سرخ آندھیوں زمین کے دھسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۱۷ جامع الاصول رقم الحدیث ۷۴۵۰ (۷۴۵۰))

۱۶۔ حضرت ابوباک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو ریشم کو شراب کو اور گائے بجانے کے آلات کو حلال کہیں گے اور ضرور کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جالوروں کا روج لے کر لوٹیں گے اور ہن کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ کل آنا اللہ تعالیٰ پہاڑ گر کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو ریشم شراب اور باجوں کو حلال کہیں گے) مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندہ اور خنزیر بنادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۰۳۹ جامع الاصول رقم الحدیث ۷۴۵۰ (۷۴۵۰))

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا (یعنی محمد اور دوسری روایت میں ہے اگر ایام دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتار لیا کر دے گا حتیٰ کہ اس دن میں ایک شخص کو میرے اہل بیت سے معوث کرے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہو جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہو گا وہ زمین کو اس طرح بدل اور انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۲۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۳۷ (۲۲۳۷))

۱۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مل بہت زیادہ نہ ہو جائے اور حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے مل کی زکوٰۃ لے کر نکلے تو اس کو کوئی شخص نہ ملے جو اس کو قبول کرے۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ ۶۰ (۱۰۱۲) ۳۳۰۲ الزکوٰۃ رقم الحدیث ۵۳۳۰ (۵۳۳۰))

۱۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے وہ حاکم عادل ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیرہ موقوف کر دیں گے اور مل کو بنائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور دنیاسے بہتر ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲، صحیح مسلم الامان: ۲۳۲ (۱۵۵) ۳۸۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۵)

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۹، صحیح مسلم الامان: ۲۳۳ (۱۵۵) ۳۸۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۶)

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یحییٰ ابن مریم زمین کی طرف نازل ہوں گے وہ شادی کریں گے اور امن کی اولاد ہوگی اور وہ زمین میں پینتالیس سال رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کیے جائیں گے میں میں اور یحییٰ بن مریم ایک قبر سے ابو بکر اور عمر کے درمیان سے کھڑے ہوں گے۔

(الوفالابن المحمذی ص ۸۱۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۸)

۲۲۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غینہ سے بیدار ہوئے در آنحایک آپ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے لا الہ الا اللہ اور اس کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا آپ نے فرمایا عرب کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپ پہنچا ہے یا جوج ماجوج کی بندش آج کے دن کھل گئی اس کی طرح پھر آپ نے دس کا عقد کیا حضرت زینب نے کہا یا رسول اللہ اکما ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہیں آپ نے فرمایا ہاں جب خباثت زیادہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۳، صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۷، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۰۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۵۳، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۷۳۸۶)

۲۳۔ مجمع بن جابر الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۸، صحیح ابن حبان ج ۱۵ رقم الحدیث: ۷۸۱، المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۱۰۷۷۷، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۰۸۳۵)

۲۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دابة الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کا عصا ہوگا وہ مومن کے چہرے کو عصا سے روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا حتیٰ کہ قبیلہ کے لوگ جمع ہو جائیں گے اور وہ کہے گا یا مومن یا کافر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۹۴۲)

۲۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل ارشاد روایت کیا ہے جس کے آخر میں آپ نے فرمایا یوم القیامت یوم عاشوراء ہے۔ (یعنی محرم کے مہینہ کی دس تاریخ)

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۳۷، ص ۳۳۱، مکتبہ النارۃ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ)

۲۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الجلد ۱۸: ۸۵۳، ۱۹۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

۲۷- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی، پھر استواء فرمایا پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا، زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی۔ (یہ حدیث حکما مرفوع ہے)

(کتاب الاسماء والصفات للصفی، ص ۳۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نبی ﷺ نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیوں بیان فرمائیں اور مؤخر الذکر تین حدیثوں میں یہ بھی بتا دیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن، دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہوگی، 'مہینہ' تاریخ، دن اور خاص وقت سب بتا دیا صرف سن نہیں بتایا، کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید کا ہو جاتا کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيَكُمُ الْآيَةُ إِلَّا فِي أَنْفُسِكُمْ (الاعراف: ۱۸۷)

قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی ﷺ قرآن مجید کے کذب نہیں صدق تھے اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق علماء اسلام کے نظریات قیامت کب واقع ہوگی، بارش کب ہوگی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، انسان کل کیا کرے گا اور کون شخص کس جگہ مرے گا، یہ وہ امور خمسہ ہیں جن کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بحث اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے یا نہیں۔ بعض علماء سلف نے نیک نیتی کے ساتھ یہ کہا کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں پر مطلع نہیں فرمایا، اور اکثر اہل اسلام نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً ان پانچ چیزوں کے علوم میں سے بھی حظ وافر عطا فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ان تمام اجملات کے بعد ہمارے علماء میں یہ اختلاف ہوا کہ بیشار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے، آیاتہ روز لول سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مغلوبہ یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہل ظاہر جنہیں خصوص مجھے ہیں، کسی نے کہا مشابہت کا کسی نے نفس کا، کثیر نے کہا ساعت کا اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔

(خالص الاعتقاد ص ۳۷، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، کراچی)

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ و علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق
جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئی منها غیر مستند
الی رسول اللہ ﷺ کان کاذباً فی دعواه۔
جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں
کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المعجم ج ۱ ص ۱۵۶ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علامہ ابن حجر عسقلانی علامہ احمد قسطلانی ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ
قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے:

(محرمہ القاری ج ۱ ص ۲۹۰ فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۲ ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۳۸ مرقات ج ۱ ص ۶۵ فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۷۲)
علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم ليس في الآية دليل على ان
الله لم يطلع نبيه على حقيقة الروح بل
يحتمل ان يكون اطلعه ولم يامر به انه
يطلعهم وقد قالوا في علم الساعة نحو
هذا والله اعلم
بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورہ نمل کی) آیت میں یہ
دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع
نہیں کیا بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت
پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو قیامت
کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۰۳)

علامہ زرقلی "المواہب" کی شرح میں لکھتے ہیں:

(وقد قالوا في علم الساعة) و باقی
الخميس المذكورة في آية ان الله عنده
علم الساعة (نحو هذا) یعنی انه علمها ثم
امر بكتُمها۔
علم قیامت اور اہل ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورہ
نمل کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں
تخلی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۱/۱۱

(شرح المواہب باللہ ص ۲۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه صلى الله عليه
وسلم اوتى علم الخمس امضا وعلم وقت
الساعة والروح وانه امر بكتُم ذالك۔
اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور
خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا
ہے اور آپ کو ان کے تخلی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص ۳۱۹ مطبوعہ بیروت المصنف الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ سلوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من
علم كرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ

الدنيا حتى اطلعه الله على تلك الشمس ولكنه امره بكتمها۔

نے دنیا سے اس وقت تک وقت نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمادیا لیکن آپ کو ان علوم کے قفل رکھنے کا حکم فرمایا۔

(تفسیر صادی ج ۳ ص ۲۱۵)

اور علامہ آلوسی نقل فرماتے ہیں:

لم يقبض رسول الله ﷺ حتى علم كل شيء يسكر العلم به۔

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وقت نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم ہونا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۳)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ويحوز ان يكون الله تعالى قد اطلع حبيبہ عليه الصلوة والسلام على وقت قيامها على وجه كامل لكن لا على وجه يحاكي علمه تعالى به الا انه سبحانه اوجب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم كتمه لحكمة ويكون ذلك من خواصه عليه الصلوة والسلام وليس عندي ما يفيد الحزم بذلك۔

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم اشی کا شہادہ والا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا خفا واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ ﷺ کے خواص میں ہے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل مائل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغيب فلا يظهر على غيبه المخصوص وهو قيام القيامة احداثم قال بعده لكن من ارتضى من رسول۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہو تم ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۹)

علامہ گلازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان الغيب ههنا ليس للمعوم بل مطلق او معين هو وقت وقوع القيامة بقريته السياق ولا يبعد ان يطلع عليه بعض الرسل من الملائكة او البشر۔

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۶ طبع ایران)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق است کہ در آیت دلیل نیست بر آنکہ حق تعالی مطلع نگر دایدہ است حبیب عود را صلی اللہ علیہ وسلم بر ماہیت روح بلکہ احتمال دارد کہ مطلع نگر دایدہ باشد و امر نکرد اورا کہ مطلع گردد این قوم را و بعضی از علماء در علم ساعت میزان معنی گفته اندالی ان قال ولے گوید منہ مسکین خعبہ اللہ بنور العلم والیقین وچگونہ حرارت کند مومن عارف کہ نفسی علم بہ حقیقت روح سید المرسلین و امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کند و دادہ است اورا حق سبحانه علم ذات و صفات خود و فتح کردہ ہر وہ فتح مہین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب حقیقت جامعہ و قطرہ است از دریائے ذرہ از بیضائے فافہم وباللہ التوفیق۔

سید عبدالعزیز دہلوی عارف کامل فرماتے ہیں:

و کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والواحد من اهل التصرف من امۃ الشریفۃ لا یمکنہ التصرف الا بمعرفۃ ہذہ الخمس۔

علامہ احمد رضا شافعی متوفی ۱۲۰۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

لا یعلم منی تقوم الساعة الا اللہ الامن ارتضی من رسول فانہ یطلعه علی من یشاء من غیبہ والولی تابع لہ باخذعہ۔

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے اور ہندو مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور ﷺ سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حیثیت ہے۔ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

(مدارج النبوة ج ۲ ص ۴۰)

رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہو گا؟ حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہو سکتا جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔

(الایریز ص ۴۸۳)

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سو اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر ہند نہیں رہے اویاء وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۷۸)

اعلیٰ حضرت احمد رضا قاضی بریلوی کے شخص اور نتیجے سے حسب ذیل حوالہ جات ہیں:
علامہ بکھوری شرح برہ شریف میں فرماتے ہیں:

لم يخرج صلى الله عليه وسلم من الدنيا الا بعد ان اعلمه الله تعالى بهذه الامور ای الخصصة

نہی پیچیدہ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں فیوض کا علم دے دیا۔

علامہ شتوتانی نے جمع التہامیہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا ہے کہ:

قد ورد ان الله تعالى لم يخرج النبي ﷺ حتى اطلعه على كل شئ

بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزلزلہ سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی بریلوی سے روایت:

هو صلى الله تعالى عليه وسلم لا يحصى عليه شئ من الشمس المدكورة في الابه الشريفة و كيف يحصى عليك ذالك والاقطاب السبعة من امنه الشريفة يعلمونها وهم دون الغوث فكيف بالغوث فكيف بسيد الاولين والآخرين الذي هو سبب كل شئ ومنه كل شئ

یعنی قیامت کب آئے گی، مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، کل کیا ہو گا۔ فلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں فیوض آپ کریمہ میں نہ کور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر غلطی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور ﷺ سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے۔ غوث کا کیا کتنا پھر ان کا کیا پھر چھانچوں سب انگوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ (پیچیدہ)

(خالص الاعتقاد ص ۳۳) مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی

اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا باعث

سورہ لقمان کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّادًا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (القمان: ۳۴)

بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم، اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ ہی جانتے والا، (جسے چاہے) خبر دینے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس پر یہ اشکل ہوتا ہے کہ ہر چیز کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ مشرکین ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے اس لیے بتایا گیا کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے کائناتوں اور نجومیوں کو ان کا علم ہے اس لیے بتایا گیا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

علامہ اسماعیل حق لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے، حالانکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے، روایت ہے کہ وصاتیوں میں سے حارث بن عمریؓ کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین تنگ ہے میں نے اس میں بچ ڈالنے ہیں، بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حلالہ ہے اس کے پیٹ میں ذکر ہے یا مونث؟ اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں لیکن میں کہاں مومن گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ دعوٰ تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے، نبیؐ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے کفر ہی پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبر دینا وحی الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے، لہذا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا اس بات کے متعلق نہیں ہے کہ ان غیب پر انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کے سوال اور کوئی مطلع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (احسن: ۳۶-۳۷)

(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو اس نے پسند فرمایا، جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا، جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِندَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهَا شَيْءٌ
اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا (بذات خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو عقلی رکھا، لیکن صاحب شرع کی زبان سے اس کی علامتوں کو ظاہر فرمادیا، مثلاً خروج دجل، نزول عیسیٰؑ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ مل کے پیٹ میں کیا ہے، اسی طرح ابو العزم اصطفیٰ شیراز میں بیمار ہو گئے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے اگر بالفرض شیراز میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دے۔ (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ سترست ہو گئے اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی، اور میرے شیخ نے میں سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر ہی فوت ہوئے تھے۔

(روح البیان ج ۷، ص ۱۰۵-۱۰۳، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے علم میں فرق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہیہ کو ملوی نہیں ہو سکتا، ملوی درکنار تمام لوہین و آفرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین

سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کہ ذہا کو ذہنوں سے ایک ذرا سی پوند کے کہو نہیں جھکے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ پوند کا کہو ڈالیں حصہ دونوں متقی ہیں اور متقی کو متقی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کے غیر

متنی در غیر متنی در غیر متنی ہیں 'اور قلوب کے علوم اگرچہ عرش و فرش' شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں آخر متنی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں 'شرق و غرب روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متنی ہے۔

بالنسل غیر متنی کا علم تنصیل قلوب کو لے کر نہیں سکتا 'تو جملہ علوم خلق کو علم الہی سے اصلاً نسبت ہوئی ہی محل قطعی ہے نہ کہ معقولہ تو ہم مساوات۔

۳۔ یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر وافر فیوض کا علم ہے یہ بھی ضرور بات دین سے ہے 'ہو ان کا منکر ہو وہ کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء تمام جنات سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطائے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے فیوض کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جلتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع

تھا۔ (خاص الامتداد ص ۲۳-۲۴) 'مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی'
علم کی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قاضی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یعنی 'یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدی 'ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قائل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے۔ یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔

تو آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے 'ان میں قطعاً یہی دو قسمیں مراد ہیں۔ فقہاء کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر جنائے تکفیر کی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ دوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ مثلاً اللہ علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہو تا درکنار خدا کے لیے محل قطعی ہے۔ کہ دوسرے کے دے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ مثلاً اللہ علم غیر محیط خدا کے لیے محل قطعی ہے 'جس میں بعض معلومات مجہول رہیں تو علم عطائی غیر محیط حقیقی 'غیر خدا کے لیے ثابت کرنا خدا کی صفت خاصہ ثابت کرنا کیوں کر ہوا۔

تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ نص میں کے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنا خدا کی صفت نہیں ہو سکتی لہذا کافر ہوا۔ یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے۔ کیا کوئی احمق سا احمق ایسا خبیث جنون گوارا کر سکتا ہے۔ (خاص الامتداد ص ۱۸) 'مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی'
علامہ ابن حجر کی موتی ۱۱۷۷ تحریر فرماتے ہیں:

وما ذکرناہ فی الامۃ صرح بہ السووی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاواہ فقال معاہدا لا یعلم ذالک استقلالاً و علم احاطۃ بکل المعلومات للہ تعالیٰ۔
یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی 'امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات ایسے کو محیط ہو۔

(فتاویٰ حدیثہ ص ۲۶۸) 'مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ۱۳۵۶ھ'

علامہ ابن حجر مکی نے علامہ نووی کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

معناه لا يعلم ذالك استقلالاً وعلم احاطة بكل المعلومات الا الله واما المعصرات والكرامات فحصلت باعلام الله تعالى للانبياء والاولياء لاستقلالاً.

(فتاویٰ الامام النووی ص ۱۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ البقرہ ۳۴ کی تفسیر میں الانعام ۵۰ کے متعلق لکھتے ہیں:

بدل علی اعتراضہ ہامہ غیر عالم بکل
المعلومات۔

(تفسیر کبرج المص ۴۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

نور امام فخر الدین محمد بن عمر وازی متوفی ۷۶۶ھ (الانعام: ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المیراد من قوله لا اقول لكم عیسیٰ خرائن
الله انی لا ادعی کونی موصوفاً بالقدرة
اللائقة بالاله تعالى ومن قوله ولا اعلم
الغیب انی لا ادعی کونی موصوفاً بعلم
الله تعالى وحصل بمجموع الکلامین
انه لا يدعی الالهیة

(تفسیر کبرج ۲، ص ۵۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۸۵۷ھ علامہ احمد شہاب الدین خلجی متوفی ۷۶۱ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۵۰ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے:

احاشیتہ الشیخ زادہ علی الجلاطین ج ۲، ص ۱۶۷، احاشیت القاضی ج ۳، ص ۶۵، روح البانی ج ۷، ص ۱۵۵

علامہ احمد شلب خٹائی متوفی ۶۶ھ شفا کی عبارت کے ساتھ مزج کر کے لکھے ہیں۔

(هذه المسحرة في) اطلاعه صلى الله
 تعالى عليه وسلم على الغيب (معلومة
 على القطع) بحيث لا يمكن انكارها
 او التردد فيها لاحد من العقلاء (الكثرة
 روايتها واتفاق معانيها على الاطلاع على
 الغيب) وهذا الايضاح في الايات الدالة على انه
 لا يعلم الغيب الا الله وقوله ولو كنت اعلم

ثَبِيحَانُ الْمَقْرُونِ

الغيب لا تنكثرت من العبر فان المنفى
علمه من غير واسطة واما اطلاعه صلى
الله تعالى عليه وسلم عليه باعلام الله
تعالى فله فامر متحقق لقوله تعالى فلا
يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من
رسول-

بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبیؐ کو علم غیب ملتا تو
قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں
کرتا سوائے پسندیدہ رسول کے۔

(ضمیمہ الریاض ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ 'لا اعلم الغیب (الانعام: ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا اعلم الغیب فیہ دلالة علی ان الغیب
بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ۔
آیت کے معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو وہ خدا کے
ساتھ خاص ہے۔

(تفسیر نیشاپوری علی حاشی جامع البیان ج ۸ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار العرفان بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی صاحب جامع الفصولین سے نقل فرماتے ہیں:

بمعاب ہامہ ہمکس التوفیق ہاں المصی
هو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام
او المنفی هو المحزوم به لا المظنون
ویؤیدہ قولہ تعالیٰ اتحمل فیہا من یفسد
فیہا الایۃ لانه غیب المعبر بہ الملائکۃ ظنا
منہم او باعلام الحق فینبغی ان یکفر لو
ادعاه مستقلا لا لو اعبر بہ باعلام فی نومه او
یظنہ بنوع من الكشف اذ لا منافاة بینہ و
بین الایۃ لمام من التوفیق۔
(یعنی فقہاء نے دعویٰ علم غیب پر حکم کفر کیا اور حدیثوں اور
ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار
نہیں ہو سکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں قطعی یوں ہو سکتی ہے
کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذات خود علم غیب
ملتا جائے 'خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی یا نفی قطعی کی ہے
نہ کہ قطعی کی 'اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے فرشتوں نے
عرض کی کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خون
ریزی کریں گے 'لہذا غیب کی خبر نہیں پوچھ کر مٹایا خدا کے بتائے
سے تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بغیر خدا کے بتائے علم غیب کا دعویٰ
کرے نہ یوں کہ براہ کشف جائے یا سونے میں خدا کے بتائے سے
ایسا علم غیب آیت کے کچھ متافی نہیں۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ متعدد کتب خفیہ میں مذکور ہے:

لو ادعی علم الغیب بفسہ یکفر۔

اگر بذات خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر

ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱)

نیز علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی التتارخانیہ وفی الصحیحۃ دکر فی
الملقطۃ انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض
علی روح النبیؐ وان الرسل یعرفون

تاتارخانیہ اور 'قادی جہ میں ہے ملقط میں فرمایا کہ جس
نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا کافر نہیں ہو گا۔ اس لیے
کہ اشیاء نبیؐ کو پہچان پر عرض کی جاتی ہیں۔ اور بیشک رسولوں

بعض الغیب قال الله تعالى عالم الغیب
فلا یظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من
رسول الله قلت بل ذکر وافی کتب العقائد
ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی
بعض المغیبات وردوا علی المعترلة
المستدلین بهذه الایة علی نفیها۔

کو بعض علم غیب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے
غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ علامہ
شامی نے فرمایا کہ بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ
بعض غیبوں کا علم ہو نا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے
اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا۔ ہمارے
ائمہ نے اس کا رد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ اس آیت کریمہ نے اولیاء
سے بھی مطلق علم غیب کی نفی نہیں فرمائی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ اور علامہ سلیمان جمل متوفی ۷۳۴ھ لایعالم الغیب الا ان یطلعنی
والله علیہ ویقدر لی۔
لا اعلم الغیب کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ کے مطلع اور قادر کے
بغیر غیب کو نہیں جانتا۔

(باب الاول الخازن ج ۲ ص ۱۶۷ مطبوعہ پشاور حاشیہ الملک علی الجلالین ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ کراچی)
قاضی عبداللہ بن عمر بیہقی متوفی ۶۸۶ھ الانعام ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
لا اعلم الغیب عالم یوحی الی ولم
ینصب علیہ دلیل۔
آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وحی یا کوئی دلیل قائم نہ
ہو مجھے بذات خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(الوار التزیل علی حاشیہ القاضی ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)
علامہ احمد شلب الدین بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

وعنده مفاتح الغیب وجه اختصاصها
به تعالى انه لا یعلمها کما هی ابتداء الا
هو۔
یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اس
کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ
ابتداءً علمیتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں نکلتی۔

(حاشیہ القاضی ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)
علامہ احمد شلب الدین بخاری متوفی ۲۵۶ھ الحنبلہ ۲۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کانه قیل ما ادری قرب ذلك الموعد و
بعده الا ان یطلعنی الله علیہ لان علم
الغیب مختص به وقد یطلع علیہ بعض
خلقه۔
گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ قیامت کا
بعدہ قریب ہے یا بعید ہے سوا اس کے کہ اللہ مجھے اس پر مطلع
فرمادے۔ کیونکہ علم غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اپنی
بعض مخلوق کو اس پر مطلع فرماتا ہے۔

اور اس کے دو تین طریقہ لکھتے ہیں:
واختصاصه به تعالى لانه لا یعلم بالذات
والکنه علما حقیقیا یقینیا بغیر مسبب
کا اطلاع الغیر الا الله و علم غیره لبعضه
غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لیے خاص ہے کہ غیب کا
بالذات حقیقی اور یقینی بلا سبب علم (مثلاً غیر کو مطلع کر دینا) اللہ
تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ

بعض مخلوق کو غیب کا علم جو عطا فرماتا ہے وہ حقیقت میں غیب نہیں ہے وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے غیب ہے یا جن بعض لوگوں سے وہ پوشیدہ ہے ان کے اعتبار سے غیب ہے۔ اور اس اختصاص کے یہ متانی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ غیب لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ اختصاص مستثنیٰ کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور اضافی ہے۔ (یعنی رسولوں کے سوا اور کسی کو یقینی علم غیب نہیں ہوتا) (مناہجہ القاضی ج ۸ ص ۲۶۱ مطبع دار صادر بیروت)

ليس علما للغيب الا بحسب الظاهر و بالنسبة لبعض البشر (التي قوله) ولا يقدح في هذا الاختصاص كونه معلوما للغير باعلامه تعالى اذا الاختصاص اضافي بالنسبة الي من عدا المستثنى۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ الانعام: ۵۰ میں لا اعلم الغیب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں (یہ کتابوں کہ میں) تمام فیوض کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام مقدرات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے۔

نیز شیخ عثمانی "قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ" (النمل: ۲۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کل مضیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں (اللہ کا علم حصولی نہیں 'ضروری' ہے 'سعیدی غفرلہ) نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الہی کے ہو سکتا ہے اور نہ نتائج غیب اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں ہاں بعض بندوں کو بعض فیوض پر اختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا یا غیب کی خبر دے دی۔

ان عبارات میں علماء دیوبند نے بھی علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کا اعتراف کر لیا ہے اور دیگر کثیر علماء اسلام کی عبارت سے بھی ہم نے اس بحث میں علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کو واضح کر دیا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے عموم اور

علم ماسکان و مایکون کی تصریحات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

اس آیت سے علم کلی کے استدلال پر ہم نے اپنی کتاب مقام دلالت و نبوت میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس استدلال کی تائید میں بکثرت حوالہ جات نقل کیے ہیں اور اس استدلال پر وارد ہونے والے اعتراضات کا مکمل ازالہ کر دیا ہے۔ جو لوگ اس بحث کو تفصیل اور تحقیق سے جانتا چاہتے ہوں ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱- عن عمرو قال قام فبنا رسول الله ﷺ مقاماً فاجبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه۔

حضرت عمرو بن جحش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں، حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کو اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں، جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱، ص ۳۵۳، مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۲- عن حذيفة قال لقد خطبنا النبي ﷺ خطبة ما ترك فيها شيئا الى قيام الساعة الا ذكره علمه من علمه وجهله من جهله الحديث۔

حضرت حذیفہ بن یشیع بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۹۷۷، مطبوعہ کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۳- عن ابي زيد قال صلى بنا رسول الله ﷺ من بعد الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فسرل فصرل ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصرل ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاجبرنا بما كان وما هو كائن فاعلمنا حفظنا۔

حضرت ابو زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے خبر چھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام آسمان و زمین کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۹۰، مطبوعہ کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۴- عن ابي سعيد الخدري قال صلى بنا رسول الله ﷺ يوماً صلوة العصر يسهار ثم قام خطيباً فلم يدع شيئاً يكون الى قيام الساعة الا اخبرنا به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی، جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (سنن الترمذی ص ۳۱۹، مطبوعہ کراچی)

۵- عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ ان الله زوى لى الارض فرايت مشارفها و معاربها-

حضرت ثوبان چٹو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے پیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق و معارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز امام ابو داؤد اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۵۲ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۸ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۶- اعين معاذ بن جبل قال احتبس عسا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة من صلوة الصبح حتى كدنا نشر اى عين الشمس فخرج سريعاً فثوب بالصلوة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم و تحوز فى ضلوته فلما سلم دعا بصوته فقال لنا على مصافكم كما أنتم ثم انفلت اليها فقال اما انى ساعد ثيكم ما حبسنى عنكم الغداة انى قمت من الليل فتوصات فصليت ما قدر لى فتممت فى صلوتى فاستثقلت فاذا برى تبارك و تعالى فى احسن صورة فقال يا محمد قلت رب لبيك قال فيم يختصم الملاء الاعلى قلت لا ادرى رب قالها ثلاثا قال فرائنه وضع كفهم بين كتفى قد وجدت برد اما مله بين ثديي فتحلانى كل شئ و عرفت الحديث الى ان قال قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح سالت محمد ابن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هذا صحيح-

حضرت معاذ بن جبل چٹو بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں آنے کے لیے دیر کی تھی کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کی گئی رسول اللہ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی پھر آپ نے سلام پھیر کر آواز بلند ہم سے فرمایا جس طرح اپنی منوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہو گئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے تقدیر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں ارنگہ آئی پھر مجھے گہری نیند آگئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی ص ۴۶۶ کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

۷- نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني ربي في احسن صورة فقال يا محمد فقلت لبيك ربي وسعديك قال فيم يختصم الملاء الاعلى قلت ربي لا ادري فوضع يده بين كتفي حتى وجدت بردها بين ثديي فعلمت ما بين المشرق والمغرب.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا میرے رب نے کہا اے محمد میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء الاعلى کس چیز میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی لٹک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(المحدث سنن الترمذی ص ۴۶۶ کراچی)

۸۔ امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني ربي عروجل الليلة في احسن صورة احسبه يعني في النوم فقال يا محمد تدري فيم يختصم الملاء الاعلى قال قلت لا قال النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده بين كتفي حتى وجدت بردها بين ثديي اوقال نحرى فعلمت ما في السموات والارض.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا آج رات کو نیند میں میرا رب عروجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملاء الاعلى کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہی ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی لٹک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸)

۹۔ امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع كفيه بين كتفي فوجدت بردها بين ثديي حتى تجلبي لي ما في السموات وما في الارض.

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی لٹک کو اپنے سینے میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہو گئیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۳۶)

ملفوظ الہی ذکر کرتے ہیں:

۱۰۔ عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله عز وجل قد رفع لي الدنيا فاننا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة كأنما انظر الى كفي هذا رواه الطبراني ورجاله وثقوا على ضعف كثير.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے ہر چند کہ اس حدیث کے راوی

ظہیان القرآن

ضعیف ہیں لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۷۷، بیروت)

نبی ﷺ کے علم کے عموم اور علم ماکان و مایکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

حضرت سواد بن قارب جو بیٹا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره

وانك مأمون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن قارب جو بیٹا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے آپ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ فرمایا افساحت یا سواد اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔ اس حدیث کو بکثرت علماء اسلام نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کے اسامیہ یہ ہیں امام ابو نعیم، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، علامہ ابن عبد البر، علامہ سیوطی، علامہ ابن الجوزی، حافظ ابن کثیر، علامہ بدر الدین عینی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ طبری، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی، علامہ محمد بن یوسف الصلی الشافعی۔

(دلائل التبیوت لابی نعیم ج ۱، ص ۳۳، دلائل التبیوت للسیوطی ج ۲، ص ۲۵، استیعاب علی حاشیہ لاصطح ج ۲، ص ۳۳، الروض الانف ج ۱، ص ۳۰، الرواق ج ۱، ص ۳۳، السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۱، ص ۳۳، حرمۃ القاری ج ۱، ص ۸، الحاشیہ الکبریٰ ج ۱، ص ۱۷، بیروت، انسان البیون ج ۱، ص ۳۳، مختصر سیرت الرسول ص ۶۹، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۲، ص ۲۰۹)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك ما لم تكن تعلم من خبر
الاولين والآخرين وما كان وما هو كائن

اولین اور آخرین کی خبروں اور ماکان و مایکون میں سے جو
کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا۔

(جامع البیان ۵: ۲، ص ۳۷۳، بیروت)

قاضی میاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقده من ملكوت السموات
والارض وخلق الله وتعميس اسماء الحسنی
وآياته الكبرى وامور الآخرة واشراط الساعة
واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان
وما يكون محال لم يعلمه الا بوحی

آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ
تعالیٰ کے اسماء کی تمجید، آیات کبریٰ، امور آخرت، علامات
قیامت، اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ماکان و مایکون کا
علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی ﷺ نے بغیر وحی کے نہیں
جانا۔ (الثغاف ج ۲، ص ۱۰۰، لبنان)

لما علی قادری لکھتے ہیں:

ان علمه (صلی اللہ علیہ وسلم) محیط
بالکلیات والحزئیات

رسول اللہ ﷺ کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔
(المرقات ج ۱۰، ص ۱۵۱)

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں:

کون علمها من علومه صلى الله عليه وسلم ان علومه تتنوع الى الکلیات والحرثیات وحقائق و دقائق وعوارف و معارف تتعلق بالذات والصفات وعملها اسمایکون سطر امن سطور علمه ونهر امن بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم۔

روح و قلم 'علوم نبی ﷺ سے ایک کھڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں 'کلیات' 'جزئیات' 'حقائق' و 'دقائق' 'عوارف' اور 'معارف' کہ ذات و صفات الہی سے متعلق ہیں اور روح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نر ہے۔ پھر باری ہر وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ برہ ص ۱۱۶ مطبوعہ بیروت کوئٹہ شہد ۱۳۰۶ھ)

خلفہ ابن جریر مستقلی لکھتے ہیں:

الثانية والاربعون اطلاع على ما سيكون
الثالثة والاربعون اطلاع على ما كان مما
لم يسبق له احد قبله۔

نبوت کی پالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ماسکون (امور مستقبلہ) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ماکان (امور ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(اخره بعلمه) اي متلبا بعلمه
المحيط الذي لا يعزب عنه مثقال ذرة في
السموات والارض ومن ههنا علم صلى الله
عليه وسلم ما كان وما هو كائن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے 'یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماکان و مایکون کو جان لیا۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۲۲)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سلم يقبض النبی صلى الله عليه وسلم
حتى علم كل بشی يمكن العلم به۔

رسول اللہ ﷺ کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۳)

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔ (توضیح البیان فی حفظ الایمان ص ۱۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ایمان والوں کو (عذاب الہی سے) ڈرانے والا اور (آخری ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں۔ (الاعراف: ۱۸۸)

شیخ اسماعیل دہلوی کا رسول اللہ ﷺ کی آخرت میں نفع رسانی پر انکار اس آیت سے بعض لوگ نبی ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ

کو اپنے لیے نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے تو دوسروں کو نفع کب پہنچا سکتے ہیں اور اس کی تائید میں ایک حدیث سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۹ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب الخلافت والامارت میں لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم نے ذکر کیا کہ نقل کیا ابو ہریرہ نے کہ جب اتري یہ آیت کہ ذرا دے تو اپنی برادری کو جو تار کھتے ہیں تم سے تو پکارا تو خبر نے اپنے ملے والوں کو پکارا کھانکے پکارا اور جدا جدا بھی۔ سو فرمایا اے اولاد کعب بن لوی کی بچھاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہیں اختیار رکھتا تمہارا اللہ کے یہاں کچھ یا یوں فرمایا کہ بیشک میں نہیں کام آنے کا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے اولاد موہ بن کعب اے اولاد عبدالشمس کی بچھاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے اولاد عبد مناف کی بچھاؤ تم اپنی جان کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے فاطمہ بچھاؤ تم اپنی جان کو آگ سے مانگ لے مجھ سے جتنا چاہے میرا مل نہ کام آؤں گا میں حیرے اللہ کے یہاں کچھ کف یعنی اور جو لوگ کسی بزرگ کے قریبی ہوتے ہیں ان کو اس کی حمایت پر بھروسہ ہوتا ہے اور اس پر مشرور ہو کر اللہ کا خوف کم رکھتے ہیں۔ سو اس لیے اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ اپنے قریبیوں کو ذرا دیوے۔ سو انہوں نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنار دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار میں ہو سو یہ میرا مل موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ نفل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست کر لے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط قرابت کسی بزرگ کی اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آتی جب تک کچھ معاملہ اللہ ہی سے صاف نہ کرے تو کچھ کام نہیں نکلا۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۲۹ مطبوعہ مطبعہ طبعی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کی تقریر کا رد اور ابطال

شیخ اسماعیل دہلوی کی یہ تقریر حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ شیخ اسماعیل دہلوی نے اس حدیث کا حوالہ غلط دیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب الخلافت والامارت میں نہیں باب الانذار و التحذیر کی فصل ثانی میں ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں ص ۴۶۰ پر ہے اور بیروت کی طبع شدہ مشکوٰۃ میں رقم الحدیث ۵۳۷۳ ہے۔ صحیح البخاری میں رقم الحدیث ۲۷۵۳ ہے اور صحیح مسلم میں الایمان ۳۲۸ (۴۰۴) ۴۹۱ ہے۔ ترمذی میں رقم الحدیث ۳۱۹۳ سنن الترمذی میں رقم الحدیث ۳۷۴۴ السنن الکبریٰ للبیہقی میں رقم الحدیث ۷۷۳ اور مسند احمد میں ۶۱۸۷ ہے۔

۲۔ مشکوٰۃ میں اس حدیث کو امام مسلم کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ کے عذاب سے ڈرانے کے بعد یہ جملہ ہے البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے میں عنقریب صلہ رحم کروں گا۔ غیر ان لکم رحماً سابلہا بابلہا لہا شیخ اسماعیل دہلوی نے حدیث کے اس جملہ کو چھوڑ دیا حالانکہ مشکوٰۃ میں مسلم کے حوالے سے یہ جملہ موجود ہے۔ جہاں سے انہوں نے اس حدیث کو شروع کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے منطبق ہے:

قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (المنع ۳)
 آپ کہئے کہ اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی
 نفع پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو کسی چیز کا اختیار
 رکھتا ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (الاعراف ۱۸۸)
 آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک
 نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔

اور اس میں توحید کا بیان ہے اور نبی ﷺ ہر چند کہ مومنین کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے کیونکہ آپ شفاعت
 کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلقاً نفع رسائی سے منع فرمایا تاکہ انہیں عذاب سے
 ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کر لیں اور حق کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا
 تعلق ہے۔ میں مغرب صلہ رحم کروں گا میں یعنی میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ قرابت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں
 گا۔ (المرقات ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لاہور ص ۹۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی ص ۱۰۵ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قرابت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو ترکوں گا اور صلہ اور
 احسان کا پانی چھڑکوں گا۔ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی ﷺ کی شفاعت اس امت کے گنہگاروں
 کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشان کے لیے اور اعلیٰ سے حق میں شفاعت ثابت ہے اس کے باوجود
 اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف باقی ہے۔ (اشعۃ المطالع ج ۳ ص ۴۷-۴۸ مطبوعہ مطبع نجف کربلا)
 اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ ﷺ کا آخرت میں نفع پہنچانا
 امام احمد بن حنبل حنفی ص ۲۴۱ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اس منبر پر فرما رہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں
 کہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی، بیشک میری قرابت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے
 اور اسے لوگوں کو جب تم خوش پر آؤ گے تو میں خوش پر تمہارا پیشوا ہوں گا۔ (الحديث)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸ دار الفکر طبع قدیم اس حدیث کی سند حسن ہے مسند احمد ج ۱۰ رقم الحديث ۱۱۰۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی
 امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر جو حق سے زیادہ قریب ہوں اور پھر جو حق سے قریب ہوں پھر انصار کی
 شفاعت کروں گا پھر ان کی جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی پھر اہل یمن کی پھر بقی عرب کی پھر اجماع کی۔

(المعجم الكبير ج ۲ رقم الحديث ۳۵۵۵ الکامل لابن عری ج ۲ ص ۷۰ کنز العمال رقم الحديث ۳۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۱)

۳۸۰ الفردوس بماثر الطالب رقم الحديث ۲۹ اس حدیث کی سند میں حص بن ابی داؤد حروک ہے نور یث بن سلیم ضعیف ہے التلانی
 المنصور ج ۲ ص ۷۳

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو
 دوزخ میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمایا۔ (الفردوس بماثر الطالب ۳۳۰۳ کنز العمال رقم الحديث ۳۳۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، حنفی البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے اہل بیت کے متعلق یہ وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا۔۔۔۔۔ میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳، ص ۱۵۰، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، الکامل لابن عدی ج ۵، ص ۱۷۳، کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۴۱۵۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی، پھر حضرت علی نے صفہ میں عقیل، حضرت حسین اور حضرت عباس سے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت علی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر سبب (نکاح) اور نسب قیامت کے دن منتقل ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳، ص ۱۵۲، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۲، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۳، السنن

الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۸، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۲۵۸، مجمع الزوائد ج ۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸، البیہقی البیہقی رقم الحدیث: ۶۳۰۹)

حضرت عبد اللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوا کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس عورت کے ساتھ بھی نکاح کروں اور میں اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی نکاح کا رشتہ دوں میرے ساتھ جنت میں ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۵۸، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۷۷، المستدرک ج ۳، ص ۷۷، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۹۸، کنز

العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۳، اسی سے مستند روایت حضرت عبد اللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے، المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا میں جس کو بھی نکاح کا رشتہ دوں اور جس سے بھی نکاح کروں وہ اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۳۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مجھ سے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی تو میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔ (کامل ابن عدی ج ۵، ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عبد المطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی نیکی کی اور اس نے اس کو دنیا میں اس کا صلہ نہیں دیا تو کل جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو مجھ پر اس نیکی کا صلہ دیا جائے گا۔

(المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۶۹، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۵۳)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا اور آپ کی وجہ سے غضب ناک ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں اب وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۳، ۳۰۸، ۷۵۷، صحیح مسلم ایمان ۲۵۷، ۲۰۹، ۵۰۰، مستدرک احمد ج ۱، ص ۲۰۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

جامع الاصول رقم الحديث: ۱۸۳۳

نفع رسائی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ

مؤخر الذکر پانچ حدیثوں کے علاوہ باقی مذکور الصدر تمام احادیث کو علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی نے بھی بیان کیا ہے (وسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۵-۳) ان احادیث کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے یہ بات معارض نہیں ہے کہ نبی ﷺ کسی ایک کو بھی اللہ سے مطلقاً نفع یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں بلکہ آپ شفاعت علامہ اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا مولیٰ عزوجل مالک کرے گا اسی طرح نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستغنی نہیں کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑاؤں گا۔ اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر براگینتہ کرنے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں فقیر یہ اس کی تراوت تمہیں پہنچاؤں گا یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ ان احادیث میں تطبیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میرے اولیاء متقی ہوں گے (الادب المفرد) اور نبی ﷺ نے فرمایا میرا ولی اللہ ہے اور صالح مومنین ہیں۔ صحیح مسلم الامین: ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۳ مسند ابوعوانہ ج ۱ رقم الحديث: ۹۶ سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کر دی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم الذکر ۳۸) ۶۷۲۶ (۲۶۹۹) سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۹۴۶ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۵ کنز العمال رقم الحديث: ۴۸۸۴

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو موخر کر دیا اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا اس لیے یہ حدیث نجات کے منافی نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پامالی پر بہت غیور ہے اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے عہد میں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے مولیٰ نے آپ کو مالک بنادیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (وسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۷-۶) مطبوعہ سبیل الایضی لاہور (۱۳۹۱ھ)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ ﷺ کی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے عباس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرا سود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بیشک مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۱۵۹۷ ۲۸۰ صحیح مسلم الحج ۲۳۸ (۳۷۰) ۳۰۴۳ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۱۸۷۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۸۶۶ سنن التسلی رقم الحديث: ۲۹۳۷ الوطار رقم الحديث: ۸۳۵ مسند احمد ج ۱ ص ۱۶ طبع قدیم رقم الحديث: ۹۹ طبع جدید دار الفکر

جامع للاصول ج ۳، رقم الحدیث ۱۳۳۹

اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے نفع اور نقصان پہنچانے کی نفی کی ہے لیکن چونکہ بعض دوا کل سے حجر اسود کا نفع اور نقصان پہنچانا ثابت ہے اس لیے جسور علماء نے شمول علماء دیوبند اس حدیث میں بلاذات کی قید لگائی ہے یعنی تو بلاذات نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، لیکن اللہ کی عطا سے نفع بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (فتح الملہم ج ۳، ص ۳۲۲، مطبوعہ مکتبہ المجار کراچی)

شیخ خلیل احمد سارنپوری متوفی ۱۳۳۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (بذل الجہود ج ۳، ص ۳۰، طبع ملتان)

علامہ مینی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بغیر اذن الہی کے نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (امداد القاری ج ۹، ص ۲۳۰) علامہ باجی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (المستطی ج ۲، ص ۱۲۸) علامہ تھانی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (ارشاد الساری ج ۳، ص ۵۶) ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (مرقات ج ۵، ص ۳۲۵) اور علماء دیوبند میں سے شیخ عثمانی نے (فتح الملہم ج ۳، ص ۳۲۲) اور شیخ خلیل احمد نے (بذل الجہود ج ۳، ص ۳۰) میں لکھا ہے کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا، حضرت عمرؓ نے جو حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تو ایک پتھر ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ تو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس میں حضرت عمرؓ کی مراد بیان کرتے ہوئے حقد میں علماء اسلام اور خصوصاً علماء دیوبند سب ہی نے بلاذات کی قید لگائی ہے کہ حجر اسود بلاذات نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو نفع رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں حج کی گواہی دے گا وہ یہ نفع ضرور پہنچائے گا۔ اسی اسلوب پر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ سَعًا وَلَا ضَرًّا اَلَا مَشَاءُ اللّٰہِ (اعراف ۱۸۸) آپ کہتے ہیں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے۔ علماء اہل سنت یہاں بھی بلاذات کی قید لگاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بذات نفع اور ضرر نہیں پہنچاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ میں نفع رکھا ہے وہ نفع آپ پہنچاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے، آپ کی تبلیغ اور آپ کی شفاعت سے ارب ہا انسانوں کو نفع پہنچے گا اور وہ سب آپ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ یہ کوئی کم نفع ہے؟ لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاذات کی قید لگنا اور ذاتی اور عطائی اختیارات کی تقسیم خالص مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ قید خانہ زاد اور مینہ زاد ہے۔ قرآن مجید نے آپ کی ذات سے مطلقاً نفع رسائی کی نفی کر دی ہے اور ذاتی اور عطائی کی تقسیم اہل بدعت کی ایجاد اور اختراع ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ایک پتھر (حجر اسود) کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کے قول لا اسمع میں بلاذات کی قید لگالیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لیے قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ میں بلاذات کی قید لگائیں تو مجرم قرار پائیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

رسول اللہ ﷺ کی اس نفع رسائی سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انہیں محمد رسول اللہ کے توجہ کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت تک کوئی شخص جنت کا مستحق نہیں ہو گا جب تک وہ محمد رسول اللہ نہیں کہے گا، اللہ اکبر! جن کے نام کی نفع رسائی کا یہ عالم ہے ان کی ذات کی نفع رسائی کا کیا عالم ہو گا اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی کا انکار کرتا ہے وہ آپ کا نام نہ لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھلا دے!

رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط، تفریط اور اعتدال پر مبنی نظریات
رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط پر مبنی یہ عقیدہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکا

الاعراف: ۳۳ کی تفسیر میں ہم نے اس شعر کے رد اور بطلان پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اور نبی ﷺ کی نفع رسانی میں تفریط پر مبنی یہ عبارات ہیں:

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

وعرفت ان اقرارهم بشوحيذ الربوبية لم
يدخلهم في الاسلام وان قصدهم
الملائكة والانباء برمدون شفاعتهم
والنقرب الى الله بذلك هو الذي احل
دماءهم واموالهم۔

اور تم جان چکے ہو کہ ان لوگوں کا توحید و یوہیت کا اقرار کرنا
ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا، اور ان لوگوں کا انبیاء اور
ملائکہ کی شفاعت کا قصد کرنا اور ان سے اللہ کا قرب حاصل کرنا
یہی وہ چیز ہے جس نے ان کی جانوں اور مالوں کو مباح کر دیا ہے
(یعنی ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا جائز ہے)

(کشف الشبہات ص ۹، مطبوعہ المکتبہ السلفیہ، بالمدینہ النورہ ۱۳۸۹ھ)

شیخ اسماعیل رابوی متوفی ۱۳۳۱ھ لکھتے ہیں:

وغير خداعه وقت میں کافر بھی اپنے جنوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان
کو اس کے مقتل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور فتنیں مانتی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی
سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے کہ اس کو اللہ کا مخلوق اور بندہ ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک
میں برابر ہے۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۶، مطبوعہ مطبعہ ملی لاہور)

مخلوق کی نذر اور منت مالی ہمارے نزدیک ناجائز اور حرام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو جب کہ مستقل سامع اعتقاد نہ کرے
جیسا کہ ان کو بندہ سمجھنے سے ظاہر ہوتا ہے تو ان کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے اور عمدہ صحابہ اور تابعین میں یا محمد
کہنے کا رواج تھا۔ (کمال ابن اثیر ج ۳، ص ۲۳۶، مجددیہ ج ۶، ص ۲۲۳، فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۶۸)

یہ دونوں چیزیں غیر زامی ہیں ہمارا اعتراض اس پر ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو وکیل اور سفارشی سمجھنے پر بھی
شرک کا فتویٰ دیا ہے اور اس کو ابو جہل کے برابر شرک قرار دیا ہے اور مسئلہ شفاعت میں اس سے بڑھ کر تفریط کیا ہوگی
اور رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں توازن اور اعتدال پر مبنی نظریہ وہ ہے جس کو اس مقام پر اہل سنت کے مفسرین نے
بیان فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف ابو الیمان اندلسی المتوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں ان ہی امور پر قادر ہوں جن پر اللہ عزوجل نے مجھے قدرت دی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ
کے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہیں۔

(البحر المحیط ج ۵، ص ۲۳۱، مائتہ الفاضلی ج ۵، ص ۲۳۳، زاد المسیر ج ۳، ص ۲۹۹، الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۰۱)

امام رازی کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم محیط اور قدرت کاملہ کی نفی کی گئی

ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ بیضوی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بطور اظہار عبودیت یہ کہلوا یا گیا ہے۔

(انوار اتریل علی حاشیہ ص ۲۳۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور مراد یہ ہے کہ میں اپنے نفس کے لیے نفع اور ضرر کا کسی وقت بھی مالک نہیں ہوں مگر جس وقت اللہ تعالیٰ بھلائے چاہتا ہے تو مجھے اس پر ظہور فرماتا ہے اور اس وقت میں اس کی مشیت سے اس کا مالک ہوتا ہوں اور یہ استثناء متصل ہے، شیخ ابراہیم کورانی نے کہا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت اللہ تعالیٰ کے لڑن اور اس کی مشیت سے موثر ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج ۹، ص ۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علم غیب کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے): اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی

تکلیف نہ پہنچتی۔ (الاعراف: ۱۸۸)

اس آیت سے ظاہر رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے چونکہ غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں جیسا کہ ہم نے قیامت کی بتائی ہوئی نشانیوں کے سلسلہ میں غیب کی خبروں پر مشتمل بکثرت احادیث بیان کی ہیں اور انشاء اللہ ابھی مزید احادیث بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات کا بھی ذکر کریں گے جن سے رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیا جانا واضح ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں علم غیب کی نفی از خود غیب جاننے کی نفی پر محمول ہے اور ہم اس کی تائید میں مفسرین کرام کے اقوال بھی نقل کریں گے، سو پہلے ہم غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے، پھر رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات کو ذکر کریں گے، پھر اس سلسلہ میں احادیث کا ذکر کریں گے اور آخر میں اس آیت کی توجہ میں مفسرین کے اقوال ذکر کریں گے، فسقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

غیب کا لغوی معنی

علامہ محمد الدین مبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں علم غیب اور ایمان بالغیب کا بکثرت ذکر ہے اور ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں حاصل ہو یا نہ ہو۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ الغیبة (وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو) کو صلت دو حتیٰ کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے پر اگندہ بالوں کو سنوار لے اور موئے زہار صاف کر لے۔ (مسند احمد ج ۴، ص ۲۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک غیب عورت کسی شخص کے پاس کچھ خریدنے گئی اس نے اس سے چھیز چھاڑی تو اس عورت نے کہا تم پر افسوس ہے میں غیب ہوں (یعنی میرا شوہر غائب ہے) تو اس شخص نے اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد ج ۱، ص ۱۲۹) نیز حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کے لیے ظہر غیب (اس کے غیاب) میں دعا کرتا ہے تو اس دعا کے ساتھ جو فرشتہ موکل ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ آمین!

(صحیح مسلم الذکر ۸، ۲۷۳۲، ۶۸۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب ملاقات ہو تو اس کو

سلام کرے 'جب اس کو چھینک آئے تو اس کو جواب دے (یہ محکم اللہ کے) جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے 'جب وہ فوت ہو تو اس کو قبول کرے 'جب وہ فوت ہو تو اس کے جنازہ پر جائے 'اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور غیب میں (اس کی غیر حاضری میں) اس کی خیر خواہی کرے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۲) سنن ترمذی میں ہے 'جب وہ حاضر ہو یا غائب ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔ (رقم الحدیث: ۲۷۳۶)

(التمایہ ج ۲ ص ۳۵۸-۳۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ مع زیارات) علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۷۸ھ لکھتے ہیں:

العیب کا معنی ہے ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو 'امام ابو اسحق نے ہر مضمون بالعیب کی تفسیر میں کہا وہ ہر اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور اس کی نئی چیزیں نے خبر دی ہے جیسے مرنے کے بعد حیات 'جنت اور دوزخ' اور جو چیز ان سے غائب ہے اور اس کی نئی چیزیں نے خبر دی ہے وہ غیب ہے نیز غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ ہو 'خواہ وہ اس میں ہو 'کہا جاتا ہے کہ میں نے در اء غیب سے آواز سنی یعنی اس جگہ سے سنی جس کو میں نہیں دیکھ رہا۔

(لسان العرب ج ۱ ص ۶۵۳ مطبوعہ ایران ۱۳۰۵ھ) علامہ محمد طاہر ثنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام اذیہ کہ وہ دل میں ہو یا نہ ہو۔ (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۸۲ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان 'المدينة المنورة' ۱۴۱۵ھ)

غیب کا اصطلاحی معنی

قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں: غیب سے مراد وہ عقلی امر ہے جس کا نہ تو اس (فہم) اور اک کر سکیں اور نہ ہی اس کی بہت عقل نقاشا کرے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے علم کی کوئی دلیل (ذریعہ) نہ ہو 'اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں 'ان کو اس کے سوا (الانعام: ۵۹) - کوئی نہیں جانتا۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ ہو (خواہ عقلی دلیل سے اس کا علم ہو خواہ خبر سے) جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت اور اس کے احوال کا علم۔

(انوار التزئیل مع انکار دینی ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ) علامہ محی الدین شیخ زاوہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کی دوسری قسم میں جو قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جس کے علم پر کوئی دلیل ہو اس سے مراد عام ہے وہ دلیل عقلی ہو یا نقلی ہو 'کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کی صفات پر عقلی دلائل قائم ہیں (اور ان کو عقل سے جانا جاسکتا ہے) اور قیامت اور اس کے احوال پر دلائل عقلیہ قائم ہیں (اور ان کو قرآن اور احادیث سے جانا جاسکتا ہے) اور یہ دونوں قسمیں غیب میں 'اور غیب کی اس دوسری قسم کو انسان ان دلائل سے جان سکتا ہے 'اور وہ غیب جس کا علم اللہ سبحانہ کے ساتھ مختص ہے وہ غیب کی قسم اول ہے اور سورۃ الانعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔

(حاشیہ شیخ زاوہ علی تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

الغیب وہ چیز ہے جو نہ حواس کے تحت واقع ہو اور نہ بجاہت عقل اس کا تقاضا کریں اور اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کی خبر سے ہوتا ہے۔ (الفردات ج ۲ ص ۲۷۵ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ الباری مکہ مکرمہ ۱۳۸۱ھ)

علامہ احمد شلب الدین خفاجی متوفی ۷۹۹ھ لکھتے ہیں:

غیب کا معنی ہے جو چیز آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسی طرح جو چیز حواس سے اور انسان سے غائب ہو اس پر بھی غیب کا اطلاق ہوتا ہے اور غیب لوگوں کے اعتبار سے ہے اللہ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب نہیں ہے کیونکہ رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے عالم الغیب والشلوہ اس کا معنی ہے جو چیز تم سے غائب ہے اور جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو اللہ ان سب کا علم ہے اور یومسون بالعب میں غیب کا معنی ہے جن چیزوں کا حواس سے اور اس نہ ہو سکے اور جن کا بجاہت عقل تقاضا نہ کرے اور ان کا علم صرف رسل علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔

(ضمیمہ الریاض ج ۲ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَئِنْ اللَّهَ لَبَحْتَسِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران ۱۷۹)

اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کر دے لیکن (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ جن لیتا ہے سے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

دَالِكُمْ مِنْ أَشْيَاءِ الْغَيْبِ يُوحِيهِ إِلَيْكُمْ (آل عمران ۴۴)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَنِّي غَيْبِي أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الحج ۷۰-۷۱)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا مگر جو ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیب بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو وحی ملتی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۸۳ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں خبر صادق، حواس سلیمہ اور عقل اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۷۹ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو وحی جاتی ہے مگر جس قدر

خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے اس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے وہ امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ تاج کتب لیسٹڈ لاہور کراچی)

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے متعلق احادیث کا ضعیف عیاض بن موسیٰ ہاشمی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں:

نیا پیچہ کو جس قدر خوب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو یقینی طور پر معلوم ہیں کیونکہ وہ احادیث معنی متواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر متفق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(الثناء ج ۱۱ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۳ صحیح مسلم الجلد ۲۳ (۲۸۹) ص ۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰ سند احمد ج ۵ ص ۳۸۵ جامع الاصول ج ۵ رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

۲۔ حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں ماسکوں و مایکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حاکم والا تھا۔

(صحیح مسلم الجلد: ۲۶ (۲۸۳) ص ۷۳۳ سند احمد ج ۳ ص ۳۱۵ سند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۶۰۲۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴۳ جامع الاصول ج ۵ رقم الحدیث: ۸۸۸۵ الاعلیٰ والاشافی ج ۳ رقم الحدیث: ۲۱۸۳ دلائل النبوة للسیوطی ج ۶ ص ۳۳۳)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دیں شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۳ امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے سند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۱۸۸۳۰ مطبع دار الحدیث کراچی)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے

احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

۴۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۸ مطبوعہ قاہرہ المجمع الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۳۷ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

۵۔ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۵ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۳ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ائمہ حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور کہ مکرمہ بیچہ المقدس یمن، شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور امن کی خبر دی اور یہ کہ کل خیر حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے فتح ہو گا اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تقسیم کریں گے اور ان کے درمیان جو حقے پیدا ہوں گے اور امت میں جو اختلاف پیدا ہو گا اور وہ پھیلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے اور کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور بھران کی حکومت قائم نہیں ہوگی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے بنو امیہ اور حضرت معلویہ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت علیؑ کی لڑائی کی خبر دی اور حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر دی اور آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تین سال تک خلافت رہے گی اور پھر بلا شہادت ہو جائے گی۔ تیس دجالوں کے خروج کی خبر دی قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی۔ قدر یہ اور واقعہ کے ظہور کی خبر دی ابناء فارس کے دین حاصل کرنے کی خبر دی اپنی کشدہ افغانی کی خبر دی جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مرے گئے یہ خبر دی حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی حضرت سہ کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے واصل ہوگی حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی سرائقہ کے لیے سونے کے کنگڑوں کی خبر دی اور بہت باتوں کی خبر دی اب ہم ان تمام امور کے متعلق تفصیلاً

احادیث بیان کر رہے ہیں۔

۵۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکڑ دیا ہے سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سکڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیے گئے ہیں۔ (الحدیث)

(دلائل النبوت للبیہقی ج ۶ ص ۲۲ صحیح مسلم المصنف ۲۸۸۹ ج ۶ ص ۷۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

الحدیث: ۲۱۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲

۶۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہا نے دولت پکڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے معلویہ! اگر تم کو کسی علاقہ کا والی بنادیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا حضرت معلویہ نے کہا مجھے اس وقت سے یہ یقین تھا کہ مجھے کسی منصب کا والی بنایا جائے گا اور اس کی وجہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۳۶ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۳)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت مدینہ میں ہوگی اور ملکیت شام میں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۸ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۳۷)

۸۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے گھر آئے انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کا سر سٹلایا رسول اللہ ﷺ سو گئے پھر جیتے ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو سمندر کے راستے جہاد کریں گے۔ حضرت ام حرام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے آپ نے ان کے لئے دعا کی پھر سو گئے۔ پھر آپ جیتے ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ (بخاری کی روایت میں ہے: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ رقم الحدیث: ۴۹۲۳ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ حضرت ام حرام بہت ملتان حضرت معلویہ کے زمانے میں سمندر کے راستہ جہاد میں گئیں وہ اپنی سواری سے گر گئیں من کو سمندر سے نکلا گیا تو جلن بجلی ہو چکی تھیں۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸ صحیح مسلم اعمال ۱۶۰ (۱۹۲) ۳۸۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۹۹ سنن اترذی رقم الحدیث: ۱۱۵۲ سنن ابوالصلی رقم الحدیث: ۳۱۷۱ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۵۲-۳۵۱)

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو میں بنو نضلاں اور بنو نضلاں کا نام لوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۵-۳۶۰۴ صحیح مسلم انفس ۷۳ (۲۹۱) ۷۱۹۲ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۶۵-۳۶۴)

۱۰۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا جس نے غلہ کی شکایت کی پھر وہ سراسر شخص آیا جس نے راستہ میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے الحیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا میں نے اس کو دیکھا تو نہیں لیکن مجھے اس کی خبر دی گئی ہے آپ نے فرمایا اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ایک مسافر کو دیکھو گے جو الحیرہ سے سفر کر کے کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا میں نے اپنے دس میں کہا پھر اس شہر کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنہوں نے شہروں میں فتنہ اور فساد کی تلک بھڑکادی ہے۔ (پھر فرمایا) اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹی بھر سونایا چاندی لے کر نکلے گا اور اس کو لینے والے کو ڈھونڈے گا اور اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اس کو قبول کرے اور تم میں سے ضرور ایک شخص قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمہ کرے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا جو تم سے زائد تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تلک سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقہ) سے اور جس کو کھجور کا ٹکڑا ملے تو وہ کوئی نیک بات کہہ دے حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسافر کو دیکھا جس نے الحیرہ سے سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہریرہ کے خزانوں کو کھولا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور وہ نشانی دیکھو گے جو نبی

شیان القرآن

ﷺ نے فرمائی تھی کہ ایک آدمی بھر (سونا یا چاندی) لے کر نکلے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۹۵، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۳)

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسریٰ فوت ہو گیا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(صحیح مسلم السنن ۷۵ (۲۹۸) ۷۴۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۷، صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم

الحدیث: ۶۸۸۹، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۷۴۷۲، طبع جدید، مسند الشافعی ج ۲، ص ۱۸۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۹۳، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۱۷۷)

۱۲۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کی پوشین لائی گئی اور ان کے سامنے رکھ دی گئی اور قوم میں حضرت سراقہ بن مالک بن جشم بھی تھے، حضرت عمر نے کسریٰ بن ہرمز کے کنگن، حضرت سراقہ بن مالک کو دیے، انہوں نے ان کو اپنے ہاتھوں میں پس لیا جو ان کے کندھوں تک پہنچ گئے۔ جب حضرت عمر نے حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو فرمایا الحمد للہ! امام شافعی نے کہا حضرت عمر نے حضرت سراقہ کو یہ کنگن اس لیے پہنائے تھے کہ نبی ﷺ نے حضرت سراقہ کی کلائیوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا تھا گویا کہ تمہارے ہاتھ کسریٰ کے کنگن پہنے ہوئے ہیں، امام شافعی نے کہا جب حضرت عمر نے کسریٰ کے کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے تو کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے کسریٰ بن ہرمز سے کنگن چھین کر سراقہ بن جشم کو پہنائے جو بنو منج کا ایک اعرابی ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۶-۳۲۵)

۱۳۔ حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں، جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں، اس نے اپنے نبی کے لیے ان کو روشن کیا، جس طرح پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا۔

(علیہ السلام ج ۶، ص ۱۰۹، الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۰، ۳۱۸۷۹، حاشیہ البیہقی نے کہا اس حدیث

کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، اس میں سعید بن سنان، حوالی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۸۷)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے سلمان کی کمی، غربت اور افلاس کی شکایت کی آپ نے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کہ جو کچھ مجھے تم پر اشیاء کی قلت کی بہ نسبت اشیاء کی کثرت کا زیادہ خوف ہے، یہ خدا یہ دین تم میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سرزمین فارس، سرزمین روم اور سرزمین مصر فتح کر دے گا۔ (الحدیث) (دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۷)

۱۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَأَخْرِجْ مِنْهُمْ لَعْنًا يَلْحَقُوا بِهِنَّ

(الحجۃ: ۳۰) تعلیم دیتے ہیں اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں، جو ابھی ان سے

لاحق نہیں ہوئے۔

تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ لوگ کون ہیں یا نبی ﷺ نے اس کو جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ اس نے دو یا تین مرتبہ سوال کیا اور ہم میں حضرت سلمان فارسی جویشہ بھی تھے تو نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہو تو ان کی طرف کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹۷، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۳۰ (۲۵۳۶) ۶۳۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۷) ۱۶- حضرت ابو ہریرہ جویشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل کا ملکی نظام ان کے نبی چلاتے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، صحابہ نے پوچھا پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا پہلے کی بیعت سے وفا کرو، پھر پہلے کی، اور ان کے حقوق لو اکرو، کیونکہ اللہ عزوجل ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے عوام کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۵، صحیح مسلم الامارہ: ۳۳ (۱۸۳۲) ۳۶۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱) ۱۷- حضرت سفینہ جویشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت تیس سل رہے گی پھر اللہ جس کو چاہے گا ملک دے دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۱، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳، دلائل التبیوت ج ۶، ص ۳۳۶) حضرت ابوبکر کی خلافت دو سل چار ماہ رہی (دس دن کم تھے) حضرت عمر کی خلافت دس سل چھ ماہ چار دن رہی، حضرت عثمان کی خلافت بارہ دن کم بارہ سل رہی اور حضرت علی کی خلافت دو یا تین ماہ کم پانچ سل رہی۔

(دلائل التبیوت ج ۶، ص ۳۴۲-۳۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) ۱۸- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اپنے مرض الموت میں فرمایا میرے لیے ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی (خلافت کی) تمنا کرے ولا تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں (خلافت کے) زیادہ لائق ہوں اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۱ (۲۳۸۷) ۶۰۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۵، مسند احمد ج ۶، ص ۲۲۸، دلائل التبیوت ج ۶، ص ۳۳۳)

۱۹- حضرت انس جویشہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے (ایک راوی کا خیال ہے کہ حضرت انس نے حرا پہاڑ کہا تھا) اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ لرزنے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۵، ۳۶۸۱، ۳۶۸۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۷، مسند احمد ج ۵، ص ۳۳۱، ۳۳۲، دلائل التبیوت ج ۶، ص ۳۵۵)

۲۰- حضرت انس بن مالک جویشہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: ۲) اے ایمان والو! نبی کی آواز کے اوپر اپنی آوازیں کو بلند نہ کرو۔

تو حضرت ثابت بن قیس جویشہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دونخ سے ہوں اور نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے، نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا اور فرمایا اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرا پڑوسی ہے اور مجھے اس کی بیماری کا کوئی علم نہیں، پھر حضرت سعد نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے

دریافت کرنے کا ذکر کیا، حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے میری آواز سب سے اونچی ہے، میں اہل بدخ سے ہوں، حضرت سعد نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا آپ نے فرمایا بلکہ وہ اہل جنت میں سے ہے، امام مسلم کی ایک روایت میں ہے (رقم الحدیث: ۳۱۰) کہ جب حضرت ثابت ہمارے درمیان چلتے تھے تو ہم یقین کرتے تھے کہ یہ جنتی ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۶، صحیح مسلم للایمن ۷۸۷ (۱۱) ۳۰۷) حضرت ثابت میلہ کذاب کے خلاف جلو کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

(دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۵۵، المستدرک ج ۳، ص ۲۳۲، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۳۲۲)

۲۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کھن رکھے گئے ہیں، میں ان سے گھبرا گیا اور مجھ کو وہ ناگوار لگے پھر مجھے اجازت دی گئی کہ میں ان کو پھونک سے اڑا دوں، سو میں نے پھونک مار کر ان کو اڑا دیا۔ عبید اللہ نے کہا ان میں سے ایک منی تھا جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور وہ سراسیلہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۳، صحیح مسلم الریاء ج ۲، ص ۵۸۶ (۲۲۷۴)، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۹، صحیح ابن جہان ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۶۵۳، مسند احمد ج ۳، ص ۲۳۳، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۵۶، طبع جدید)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں لیکن وہ ان میں اختلاف اور نزاع پیدا کرنے کے لیے مایوس نہیں ہے۔

(صحیح مسلم للنسائی ج ۶، ص ۲۸۱۲ (۲۸۱۲)، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳۱۳)

۲۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی وہ روئے لگیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے کیا سرگوشی کی تھی جس پر آپ روئیں اور پھر سرگوشی کی تو آپ ہنسیں، حضرت فاطمہ نے فرمایا آپ نے مجھ سے سرگوشی کر کے مجھے اپنی وفات کی خبر دی تو میں روئی پھر سرگوشی کر کے یہ خبر دی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ لاحق ہوں گی تو پھر میں ہنسی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم فضائل صحابہ ج ۱، ص ۷۸ (۲۲۵۰)، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۶۷، مسند احمد

ج ۶، ص ۲۸۲، الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۲۳۷، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۶۵)

۲۴۔ حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ بن الحارث کی ملاقات کے لیے رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے اور آپ نے ان کا نام الشہیدہ رکھا تھا، وہ قرآن کی حافظہ تھیں، جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماریوں کی تیمارداری کروں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو شہادت عطا فرمائے گا اور آپ ان کو الشہیدہ کہتے تھے، اور نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کی امامت کیا کریں، ان کو مل نصیحت میں سے ایک باندی اور ایک غلام ملا تھا، جن کو انہوں نے بے پردہ کر دیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزلو ہو)، حضرت عمر کے دور خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا اور دونوں بھاگ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو پکڑ لیا گیا اور ان دونوں کو سولی پر لٹکایا، مدینہ میں ان کو سب سے پہلی سولی دی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج فرمایا تھا، آپ فرماتے تھے چلو الشہیدہ

کی زیارت کے لیے چلیں۔

(مسند احمد ج ۶، ص ۳۰۵، طبع قدیم احمد شاکر نے اس کی ایک سند کو ضعیف اور دوسری سند کو صحیح کہا ہے۔ مسند احمد ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، طبع دار الحدیث قاہرہ، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ المستدرک ج ۱، ص ۱۶، رقم الحدیث: ۵۴، صحیح ابن خزیمہ، ج ۲، ص ۸۹، رقم الحدیث: ۱۷۷۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۳۰، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۸۱، المصابہ رقم الحدیث: ۳۲۹۸، الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۱۸۶، اسد الغابہ رقم الحدیث: ۳۳۱، کتاب الشجاعت ج ۳، ص ۳۳۳)

۲۵۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور سوچا آج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں گا، آپ مسجد میں نہیں تھے، میں آپ کی تلاش میں نکلا آپ اریس نامی کنویں کی منڈیر پر کنویں میں ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، میں اس کے دروازہ پر چلا گیا اور میں نے سوچا کہ میں آج رسول اللہ ﷺ کا دربان بنوں گا، تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ آنے والے نے کہا ابو بکر! میں نے کہا تمہیں پھر رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور ان کو جنت کی بشارت دو، حضرت ابو بکر آکر رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر نے دروازہ پر دستک دی، میں نے کہا تمہیں اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو، وہ آکر رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے دروازہ پر دستک دی، میں نے کہا تمہیں اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور جنت کی بشارت دو، ان مصائب اور فتنوں کے ساتھ جو ان کو لاحق ہوں گے۔ (ملخصاً)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳، صحیح مسلم فضائل المصائب: ۲۹ (۲۳۰۳) ۶۰۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۴، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۲۳)

۲۶۔ حضرت صہب بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ عنقریب واقع ہونے والے ہیں، اس وقت ایک شخص کھڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپنے ہوئے گزرا، نبی ﷺ نے فرمایا یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہو گا، میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے پھر آپ کی طرف رخ کر کے پوچھا یہ؟ آپ نے فرمایا ہاں!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۳۰، المعجم الکبیر ج ۲۰، ص ۷۴، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۳۴)

۲۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا۔ پھر آپ نے حضرت عثمان بن عفان کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص فتنوں میں مظلوماً قتل کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

۲۸۔ ابوسہلہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر صابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲، ص ۳۳، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۳۰۷۷، طبع جدید)

۲۹۔ حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر کے متعلق فرمایا جس وقت وہ خندق کھود رہے تھے آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا اے ابن عبد افسوس ہے اتم کو ایک باغی گروہ قتل کر دے گا۔

(صحیح مسلم المثنیٰ ۱۷۰ (۲۹۱۵) ۱۸۷ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۳۸، دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۳۲۰)

۳۰۔ فضالہ بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت ابو فضالہ جریڈی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گیا میرے والد نے کہا کاش آپ کی جگہ مجھ پر اہل آجاتی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں مڑوں گا حتیٰ کہ مجھے امیر بنا دیا جائے اور میری یہ داڑھی خون سے رنگین ہو جائے یعنی میں شہید ہو جاؤں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو فضالہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۲ طبع قدیم احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۸۰۲ طبع دار الحدیث قاہرہ المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳ الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۳۶-۱۳۷ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۳۳۸)

۳۱۔ حضرت ابو بکر جریڈی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا مردار ہے امید ہے کہ اللہ اس کے سب سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح فرمادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۱۳۳ مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۹)

۳۲۔ عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں اور آپ دوپہر کے وقت ایک شیشی اٹھائے ہوئے ہیں جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ہاتھ باپ نہ ہوں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے میں آج دن سے لے کر اب تک یہ خون جمع کرتا رہا ہوں۔ ہم نے وہ دن یاد رکھا پھر معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اسی دن شہید کیا گیا تھا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲، ۲۸۳ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۱۵۵ ج ۳ رقم الحدیث: ۲۵۵۳ طبع دار الحدیث قاہرہ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۲۸۳۷ ج ۲ رقم الحدیث: ۲۸۷۲ حنفی البیہقی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹۳ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۳۶ المستدرک ج ۲ ص ۳۳۳ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابی نے ان کی موافقت کی ہے)

۳۳۔ حضرت عباس بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو کسی کام سے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا انہوں نے آپ کے پاس ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ لوٹ آئے حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں نے اپنے بیٹے کو آپ کے پاس کسی کام سے بھیجا تھا وہ آپ کے پاس ایک شخص کو دیکھ کر لوٹ آئے اور بات نہ کر سکے آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ وہ شخص کون تھا وہ شخص جبریل علیہ السلام تھے اور (حضرت ابن عباس) اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ یثیمنانہ ہو جائیں اور بن کو علم دیا جائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۷۹، ۲۸۳۸ طبع جدید المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۵۸۳، ۲۸۳۶ حنفی البیہقی نے کہا ہے کہ مسند احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۶)

۳۴۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غنیمت تم مصر کو فتح کرو گے اور یہ وہ زمین ہے جس میں قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے تم وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا کیونکہ ان کا ذمہ اور رحم ہے۔ (ذمہ سے مراد حرمت اور حق ہے اور رحم سے مراد یہ ہے کہ حضرت ہاجر، حضرت اسماعیل کی والدہ مصری تھیں)

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۲۷، (۲۵۴۳) ۶۳۷۵، مسند احمد ج ۶، ص ۱۷۳)

۳۵۔ حضرت ابو دائد شیبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف گئے تو مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ذات انواط بنا دیجئے جیسا ان کے لیے ذات انواط ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا بھلا اللہ ایہ تو ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہو گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷، صحیح ابن حبان ج ۵، رقم الحدیث: ۴۷۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۰۷۳، مصنف ابن

ابی شیبہ ج ۵، ص ۱۷۱، المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹، ۳۲۰)

۳۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ ہر سوسل کے سر پر (صدی کی انتہا یا انتہا پر) اس امت کے لیے اس شخص کو مبعوث کرے گا جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا۔ (یعنی بدعات کو مٹائے گا اور جن احکام پر مسلمانوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ان پر عمل کرائے گا۔)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۱، جامع الاصول ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۱)

۳۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ لی اور جب سلام پھیر لیا تو فرمایا مجھے بتاؤ یہ کون سی رات ہے کیونکہ اس کے ایک سوسل بعد ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا جو روئے زمین پر اب زندہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۱۷، (۲۵۳۷) ۳۷۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن

الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۸، سنن کبریٰ للسلیمان رقم الحدیث: ۵۸۷)

۳۸۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودیہ نے ایک بھنی ہوئی بکری میں زہر ملا یا پھر وہ نبی ﷺ کو پیش کی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کا ایک دست لیا اور اس میں سے کھلایا اور آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بھی اس میں سے کھلایا پھر نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے کہا اپنے ہاتھ روک لو اور نبی ﷺ نے اس یہودیہ کو بلوایا اور فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملا یا تھا؟ اس نے کہا ہاں آپ کو کس نے خبر دی؟ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دست کی طرف اشارہ کیا مجھے اس نے خبر دی ہے۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم نے کس لیے کیا کیا تھا؟ اس نے کہا میں نے سوچا اگر یہ نبی ہیں تو ان کو اس زہر سے نقصان نہیں ہو گا اور اگر یہ نبی نہیں ہیں تو ہماری خلاصی ہو جائے گی۔ نبی ﷺ نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو سزا نہیں دی اور آپ کے بعض اصحاب جنہوں نے اس بکری کا گوشت کھلایا تھا وہ فوت ہو گئے اور نبی ﷺ نے اس بکری سے کھائے ہوئے گوشت کی وجہ سے پیٹھ کے اوپر گردن کے نیچے فصد لگوائی۔ بنو بیاضہ کے آزاد شدہ غلام نے یہ فصد لگائی تھی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۵۱۰، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۳۳، جامع الاصول

ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۷

۳۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خبر فتح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک بکری تختہ میں پیش کی گئی جو زہر آلود تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جتنے یہودی ہیں ان سب کو جمع کرو، یہودیوں کو جمع کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں؟ کیا تم مجھ سے بیچ بولو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا ہمارا باپ فلاں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ تب یہودیوں نے کہا آپ نے بیچ کہا اور نیک کام کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں کیا تم مجھے بیچ بیچتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! اور اگر ہم نے جھوٹ بھی بولا تو آپ کو ہمارے جھوٹ کا علم ہو جائے گا جیسا کہ آپ کو ہمارے باپ کے متعلق علم ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے دوزخ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس میں تھوڑی دیر رہیں گے پھر ہمارے بعد تم لوگ دوزخ میں جاؤ گے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ، یہ خدا ہم تمہارے بعد اس میں کبھی بھی نہیں جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو کیا تم بیچ بیچتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا تم کو اس کام پر کس چیز نے براگینت کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ضرر نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۳۵۱، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۹، جامع الاصول ج ۱۱، رقم

الحدیث: ۸۸۸۶)

۴۰- انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے، آپ قبر کھودنے والے کو وصیت فرما رہے تھے کہ بیروں کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، اور سر کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، جب آپ واپس ہوئے تو ایک عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا، آپ نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، پس کھانا لایا گیا، آپ نے اپنا ہاتھ رکھا، پھر قوم نے اپنا ہاتھ رکھا، سب نے کھایا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا آپ اپنے منہ میں ایک لقمہ چبا رہے تھے، آپ نے فرمایا مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے بغیر لیا گیا ہے، پھر اس عورت کو بلایا گیا اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے کسی کو قہقہہ (بکریاں فردخت کرنے کی جگہ، منڈی) کی طرف بھیجا تھا، تاکہ میرے لیے بکری خرید لی جائے، تو بکری نہیں ملی، میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا، میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے وہ بکری مجھے بھیج دی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کھانا تیروں کو کھلا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۳، جامع الاصول ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۹، مشکوٰۃ رقم

الحدیث: ۵۹۳۲)

۴۱- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ بدر کے دن) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، اور آپ نے زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، اور زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، اور زمین پر ہاتھ رکھا، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے بغیر و قدرت میں میری جان ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ رکھا تھا کوئی شخص اس سے بالکل متجاوز نہیں ہوا (اسی جگہ گر کر مرا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو

تبعیان القرآن

تھیسٹ کر بد رکے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار بد رکے مرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کل فلاں یہاں گرے گا انشاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸، صحیح مسلم النافعین: ۵۵ (۲۸۷۲) ۷۰۸۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳، مسند احمد ج ۳، ص ۲۵۸-۲۵۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۳۸)

۳۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے اس وقت بڑے زور سے آندھی چلی لگتا تھا کہ سوار دفن ہو جائیں گے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک منافق کی موت کی وجہ سے یہ آندھی بھیجی گئی ہے جب ہم مدینہ پہنچے تو ایک بہت بڑا منافق مر چکا تھا۔

(صحیح مسلم النافعین: ۱۵ (۲۷۸۲) ۶۹۰۸، مسند احمد ج ۳، ص ۳۱۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹، جامع الاسول ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۵)

۳۳۔ حضرت ابو موسیٰ جریجہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کچھ چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا۔ جب بکثرت سوال کیے گئے تو آپ غضب ناک ہوئے پھر آپ نے لوگوں سے کہا تم جو چاہتے ہو مجھ سے سوال کرو ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ سالم ہے شیبہ کا آزاد کردہ غلام جب حضرت عمر نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۹۷)

۳۴۔ حضرت سل بن سہد جریجہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کل میں یہ جعزہ ضرور اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں وہ تمام رات مسلمانوں نے اس بے چینی میں گزاری کہ آپ کس کو جعزہ عطا فرماتے ہیں صبح کو تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کو اس جعزے کے عطا کیے جانے کی امید تھی آپ نے پوچھا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے پھر حضرت علی کو مسلمانوں نے بلایا وہ لائے گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی وہ تندرست ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں بھی تکلیف ہی نہ تھی آپ نے ان کو جعزہ عطا فرمایا حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ میں ان سے اس وقت تک قتل کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں تب آپ نے فرمایا اطمینان سے جانا حتیٰ کہ تم ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو یہ بتانا کہ ان پر اللہ کا کیا حق واجب ہے اللہ کی قسم اللہ تمہارے سبب سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۷، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۳۳ (۲۳۰۶) ۷۰۶، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۰۳، جامع الاسول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۹۵)

۳۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جریجہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری اس بیماری میں عیادت کی جس کی وجہ سے میں موت کے کنارے پہنچ گیا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنی تکلیف ہے! میں مل دار ہوں اور میری صرف ایک بیٹی ہے کیا میں اپنا دو تملیٰ مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا کیا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! پھر آپ نے فرمایا تملیٰ مال صدقہ کرو تملیٰ مال بہت ہے اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور تم اللہ کی رضا جوئی کے

لیے جو خرچ بھی کرو گے تم کو اس میں اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس پر بھی اجر ملے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے اصحاب کے پیچھے رہ جاؤں گا۔ (یعنی حج کے بعد ان کے ساتھ مدینہ نہ جاسکوں گا؟) آپ نے فرمایا تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو بھی کرو گے تمہارے درجے اس سے زیادہ اور بلند ہوں گے اور شاید کہ تم بعد میں زندہ رہو اور تم سے ایک قوم کو فائدہ اور دوسری کو نقصان ہو اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو قائم رکھ اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹا لیکن سعد بن خولہ پر افسوس ہے حضرت سعد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ان پر اس لیے افسوس کیا کہ وہ مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ (حضرت سعد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تک زندہ رہے انہوں نے ایران کو فتح کیا جس سے مسلمانوں کو نفع اور مجوسیوں کو نقصان ہوا)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۹، صحیح مسلم الموطا: ۵، ۱۷۸) ۲۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۸، سنن ابوالقیس رقم الحدیث: ۳۲۲۶، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۳، مسند احمد ج: ۱، ص: ۱۷۹، ج: ۲، ص: ۳۱۵-۳۱۲)

۳۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس قوم سے جنگ نہ کرو جو بائوں والے چمڑے کی جوتیاں پہنیں گے اور حتیٰ کہ تم ترکوں سے قتل نہ کرو جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی اور ناک چھٹی ہوگی اور ان کے چہرے ہتھوڑوں سے کوئی ہوئی ڈھالوں کی مانند ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۷، صحیح مسلم الموطا: ۳، ۲۷۳) ۲۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۱، مسند احمد ج: ۲، ص: ۲۳۹، مسند حیدری رقم الحدیث: ۱۰۰، جامع الاصول ج: ۱۰، رقم الحدیث: ۷۸۷۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم یہود سے قتل کرو گے اور تم ان پر مسلط ہو جاؤ گے حتیٰ کہ ایک پتھر کے ٹکڑے کا کہ اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی ہے۔ اس کو قتل کر دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۳، صحیح مسلم الموطا: ۷، ۲۷۳) ۲۷۷، مسند احمد ج: ۲، ص: ۳۱۷)

۳۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ کیا کہ اگر میں اس غزوہ کو پاؤں تو میں اس میں اپنی جان اور مال کو خرچ کروں اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو میں سب سے افضل شہید ہوں گا اور اگر میں لوٹ آیا تو میں جہنم سے آزاد ہوں گا۔ (سنن ابوالقیس رقم الحدیث: ۳۱۷۳، ۳۱۷۴، مطبوعہ دار السلفۃ، بیروت)

۳۸۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور اہل احد پر نماز جنازہ پڑھی پھر آپ منبر کی طرف مڑ گئے (یعنی مسجد کی طرف تشریف لے گئے) آپ نے فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور بے شک اللہ کی قسم میں اب بھی اپنے حوض کی طرف ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں اور بیشک اللہ کی قسم! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم الموطا: ۳۰، ۲۲۹۱) ۵۸۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۲۲، ۲۲۲۳، سنن ابوالقیس رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

۳۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کا ندیہ چار سو (درہم) مقرر کیا اور حضرت عباس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس بالکل مال نہیں ہے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا تو وہ مال کہاں

ہے جو تم نے اور ام الفضل نے مل کر دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس صم میں کام آگیا تو یہ مل میرے ان بیٹوں کا ہے الفضل عبد اللہ اور قثم حضرت عباس نے کہا اللہ کی قسم! مجھے لب یقین ہو گیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اس بات کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ (اسل الہدی والرشاوح ج ۳ ص ۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

۵۰۔ امام ابن سعد عبد اللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے دن نوفل کو قید کیا گیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اپنی جان کے قیدیہ میں وہ نیزہ دو جو جدہ میں ہے انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ کے بعد میرے علاوہ کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ میرے پاس جدہ میں نیزہ ہے۔ (اسل الہدی والرشاوح ج ۳ ص ۶۸)

۵۱۔ عاصم بن زید السکونی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب نبی ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا ان کے ساتھ نبی ﷺ بھی باہر نکلے آپ ان کو وصیت فرما رہے تھے حضرت معاذ سوار تھے اور نبی ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے جب آپ نصیحت سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے معاذ امید ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے اور شاید کہ تم میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزر دو رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے خیال سے حضرت معاذ رونے لگے نبی ﷺ نے فرمایا اے معاذ مت روؤ کیونکہ (آواز سے) رونا شیطان کا کام ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے مسند احمد ج ۲۶ رقم الحدیث: ۲۱۹۵۳ دلائل النبوت للسیوطی ج ۵ ص ۴۰۵-۴۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے بالخصوص قیامت کے احوال کی جو خبریں دی ہیں ان کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے چکچک احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علم ماسکان و ماسکون کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے دس احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے غملا غیب کی جو خبریں دی ہیں اس کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث سے اکیاون احادیث بیان کی ہیں سو آپ کے علم غیب کے متعلق یہ کل پچاسی احادیث ہیں اور ہر حدیث متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے مزین ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے متعلق تمام احادیث کا احاطہ اور احصاء نہیں کیا اور طوالت کی وجہ سے بے شمار احادیث کو ترک کر دیا اس سے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب عطا فرمایا تھا وہ علم کا ایسا عظیم سمندر ہے جس کا تصور بھی ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ احادیث مجھ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے بکثرت واقعات کی خبر دی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے عظیم معجزوں میں سے ہے تو ان احادیث اور آیت کریمہ "لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من المعیر" (الاعراف: ۱۸۸) میں کیسے تطبیق ہوگی تو میں کہوں گا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ سے بطور تواضع اور ادب یہ کلمات کہلوائے ہوں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے مطلع اور قادر کے بغیر میں غیب کو نہیں جانتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کرنے سے پہلے یہ کلمات کہلوائے ہوں پھر جب اللہ نے آپ کو مطلع کر دیا تو آپ نے غیب کی خبریں دیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداء الا من ارتضیٰ من رسول۔ (الحج: ۳۲)

یا اس آیت میں کفار کے سوا کس کا جواب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے غیبات پر مطلع فرمایا تو آپ نے ان کی

خبریں دی اور یہ آپ کا مجرہ ہو گیا اور آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل۔ (باب التویل للخازن ج ۲ ص ۲۷ مطبوعہ پشاور)
علامہ سلیمان جمل متوفی ۷۳۰ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۷۷۰ھ نے بھی ان جوابات کو ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان نے ان جوابات کو اختیار کیا ہے اور علامہ آلوسی نے ان جوابات میں تامل کی دعوت دی ہے۔

(حاشیہ المجل علی الجلالین ج ۲ ص ۲۱۷ روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۷)

علامہ آلوسی کا مختار جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم غیب کے استمرار کی نفی ہے یعنی اگر میں ہمیشہ غیب کو جانتا ہوتا تو خیر

کثیر کو جمع کر لیتا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر علم کی نفی کرائی گئی ہے اور جن احوادث میں علم کا

ثبوت ہے وہ اللہ کے بتانے سے ہے۔ (نہیم الریاض ج ۲ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

یہ کلام براہ ادب و تواضع ہے، معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ذات سے غیب نہیں جانتا جو جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی

اطلاع سے (خازن) حضرت مترجم (اعلیٰ حضرت) قدس سرہ نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو سکتا ہے

جو ذاتی قدرت رکھے اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو، کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے تو اس کے تمام

صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہو تا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا

بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور برائیوں سے مراد تنگی اور تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے یہ

بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو اور برائی سے بد بخت

لوگوں کا بلوجود دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصل کلام یہ ہو گا کہ اگر میں نفع اور ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اسے منافقین و کافرن

جیسے سب کو مومن کر ڈالتا اور تسماری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

(خزانة العرفان علی حاشیہ کنز الامان ص ۲۸۲ مطبوعہ تاج کینی لینڈ لاہور)

علماء دیوبند نے بھی اس سے ملتی جلتی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں

علماء دیوبند کا نظریہ

منفی محمد شفیع دیوبندی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا

مالک نہیں، دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہوتا میرے لیے ضروری ہو اور اگر مجھے علم غیب

ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا۔ اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ رہی

رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو

حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور معرتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ

معرت و تکلیف پہنچ گئی۔ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر آپ صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کا ارادہ کر کے حدود حرم تک پہنچ

گئے مگر حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح غزوہ اُحد میں آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی، اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

اور شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں پر عملایہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلایق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم و قدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی جٹا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں جٹا ہو گئے۔

اس آیت نے بھی یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ ظہور مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ جن کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

ہاں اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے خصوصاً ہمارے رسول کریم ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول کو عالم الغیب نہیں کہنا جاسکتا۔

(معارف القرآن ج ۴، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۹۳ء)

اس کی مزید وضاحت اس تفسیر سے ہوتی ہے جو شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۷۶ھ نے التلخیص میں سپرد قلم کی ہے۔

ہاں بعض بندوں کو بعض غیب پر با اختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمایا یا غیب کی خبر دے دی، لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ ظاہریہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الہامی کے خلاف موعوم ہوتے ہیں، اس لیے علماء محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لحدت صحیح ہوں (الی قولہ) واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرآن و دلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل و قرینہ نہ ہو وہ مراد ہے۔ اور الاعراف: ۱۸۸ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں: بہر حال اس آیت میں کھول کر بتا دیا کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جملاء سمجھتے ہیں۔ ہاں شریعت کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کمال ہونا چاہیے اور تنگ بینت کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو باوجود علم ماکن و ماکون ہونے کے علم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ غیب جانتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو غیب کا علم دیا گیا نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

تبیان القرآن

علم غیب عطا ہوتا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ علم الغیب وارد ہے کمافی مرآۃ الفاتح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود محدث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے کہ ان پہ علم علم الغیب مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفا علم بذات مقبول ہے۔ کشف میں ہے المراد به الحمی الذی لا ینفذ فیہ ابتداء العلم اللطیف الخبیر ولہذا لا یحوران یطلق فیقال فلان یعلم الغیب (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے جس میں ابتدا صرف اللہ تعالیٰ کا علم بخزائنہ ہوتا ہے۔ اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلان شخص غیب کو جانتا ہے)

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس ﷺ قطعاً بے شمار غیوب و مآکن و مایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عز وجل کو کہا جائے گا جس طرح حضور اقدس ﷺ قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عز وجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عز وجل و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانصاف میں فرماتے ہیں کم من معتقد لا یطلق القول به خشية ابهام غیرہ مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد و الاطلاق (کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا۔ مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے) اس لیے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے) یہ سب اس صورت میں ہے کہ متقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ابہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشف میں فرماتے ہیں و اسمالم یجوز الاطلاق فی غیرہ تعالیٰ لانہ یتبادر منہ تعلق علم بہ ابتداء فیکون مناقضاً و اما اذا قید و قبل اعلمہ اللہ تعالیٰ الغیب او اطلعه علیہ فلا محدود فیہ (اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مقبول یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو متقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۸۷ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

علم مافی اللہ (کل کا علم) کے بارہ میں ام المؤمنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مافی اللہ تھا (کل کا علم تھا) وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جمالت ہے علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔

(مکتوبات ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی دونوں نے ہی یہ تصریح کی ہے کہ علوم اولین و آخرین کے حامل ہونے اور بکثرت غیوب پر مطلع ہونے کے بلوجود نبی ﷺ کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا ہر چند کہ از روئے لغت اور معنی صحیح ہے لیکن اصطلاحاً صحیح نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

وہ (اشد ہی) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ

تاکہ وہ اس سکون میں رہ سکے، پھر مرد نے جب اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیہ حامل ہو گیا وہ اس کے ساتھ چل پھری

فَلَمَّا أَتَتْكَ ذَعَاكَ اللَّهُ رَبُّهُمَا لِيُنِيبَ إِلَيْكُمْ تَكُونُونَ

مٹتی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اشد سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں معجز و سالم بنیادیا تو ہم ضرور

مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۸۸﴾ فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيهَا

شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ﴿۱۸۸﴾ پس جب اشد نے انہیں معجز و سالم بنیادیا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک

أَتَاهُمَا فَفَعَلَ اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸۹﴾ أَيْشُرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ

ٹھیک ایسے، اور اشد اس سے بلند ہے جس میں وہ شریک کرتے ہیں ﴿۱۸۹﴾ کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں

شَيْئًا وَهُمْ يَخْلُقُونَ ﴿۱۹۰﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسُهُمْ

کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ﴿۱۹۰﴾ اور وہ ان (شریکین) کے لیے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد

يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۱﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ

کر سکتے ہیں ﴿۱۹۱﴾ اور (لئے مشرکین) اگر تم ان تیرے کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں گے سواہے

عَلَيْكُمْ أَدْعُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۹۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

لئے یا برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ﴿۱۹۲﴾ بیشک اشد کو چہرہ کر

مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ

تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اور پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں

إِنْ كُنْتُمْ مُدْرِكِينَ ﴿۱۹۳﴾ أَلَمْ أَرْجُلْ يَمُشُونَ بِهَا أَمْ لَكُمْ أَيْدٍ

اگر تم پہنچے ہو ﴿۱۹۳﴾ کیا ان کے پیر میں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں

يُطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ

جن سے وہ پکڑ سکیں ، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں ، یا ان کے کان ہیں

يَسْمَعُونَ بِهَا قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظَرُونَ ﴿١٩٥﴾

جن سے وہ سن سکیں ، آپ کہیے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزمادو اور اس کے بعد مجھے (بالکل) جنت مت دو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب مرد نے اسے دُعا پ لیا تو اسے خفیف حاصل ہو گیا وہ اسی کے ساتھ چل پھر رہی تھی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بنادیا تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں ○ (الاعراف: ۱۸۹-۱۹۰)

ان روایات کی تحقیق جن میں مذکور ہے کہ حضرت آدم اور حوا نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سرہ بن جندب جہڑی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب حوا حاملہ ہو گئیں تو ان کے پاس ابلیس گیا، حوا کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس نے ان سے کہا تم اس کا نام عبدالحارث رکھ دو، انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا پھر وہ بچہ زندہ رہا، یہ کام شیطان کے دوسرے قتلہ امام عبدالرزاق نے قتلہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نام رکھنے میں شرک کیا تھا عبادت میں شرک نہیں کیا تھا۔

(تفسیر امام عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۹۶۸، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۸۸، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۱۳، المستدرک ج ۲،

ص ۵۳۵، الدر المنثور ج ۳، ص ۳۳)

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صرف عمر بن ابراہیم از قتلہ کی سند سے مروی ہے۔ اور اس کی روایت لائق احتجاج

نہیں ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا ہے اس نے قتلہ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا اس نے قتلہ سے ایسی احادیث روایت کیں ہیں جن میں اس کی کوئی موافقت نہیں کرتی۔ امام ابن حبان نے اس کا ضعف میں شمار کیا اور کہا جب یہ قتلہ سے روایت میں منقول ہو تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۵۹، رقم الحدیث: ۵۰۳۰، تہذیب الکمال، رقم الحدیث: ۳۲۰۰، لسان المیزان ج ۳، رقم

الحدیث: ۱۹۵۹)

حافظ علاء الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ روایت اہل کتاب کے آثار سے ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث صحیح ہے کہ جب اہل کتاب تم سے حدیث

بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور اہل کتاب کی روایات کی تین قسمیں ہیں، بعض وہ ہیں جن کا صحیح ہونا ہمیں کتب اور سنت سے معلوم ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا کذب ہمیں کتب اور سنت سے معلوم ہے۔ (مثلاً حضرت عیسیٰ کو یسوع کا سولی پر لٹکانا) اور بعض وہ ہیں جن کا صدق یا کذب متعین نہیں ہے۔ اور اس روایت کا کذب ہمیں معلوم ہے کیونکہ اگر دونوں میاں بیوی سے مراد حضرت آدم اور حوا ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ دونوں مشرک ہوں کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ہے پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور معصوم ہیں ان کا شرک کرنا علوہً محال ہے اور امام عبدالرزاق کی روایت کلبی سے ہے اور اس کا اصل سب کو معلوم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۵، مطبوعہ دارالاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے: سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم اور حوا کو زمین پر اتارا گیا تو حضرت آدم کی طبیعت میں شہوتِ ذالِ دی گئی اور انہوں نے حضرت حوا سے عملِ زوجیت کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ حرکت کرنے لگا اور وہ سوچتی تھیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان کے پاس الٹیس گیا اور کہنے لگا تم نے زمین پر اونٹنی گائے بکری دنبہ اور بھیڑ کو دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے تمہارے پیٹ سے ایسی ہی کوئی چیز نکلے، حضرت حوا یہ سن کر گھبرا گئیں اس نے کہا میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو تو پھر تمہارے مشابہ بچہ پیدا ہو گا۔ حواء نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت آدم نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے ہم کو جنت سے نکلوا یا تھا وہ بچہ مر گیا، حضرت حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں الٹیس پھر ان کے پاس گیا اور کہا میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو، اور الٹیس کا نام فرشتوں میں حادث تھا اس نے کہا ورنہ کوئی اونٹنی یا گائے یا بکری یا بھیڑ پیدا ہوگی یا تمہارے مشابہ بچہ ہو تو میں اس کو مار دوں گا جیسے میں نے پہلے بچہ کو مار دیا تھا۔ حواء نے اس واقعہ کا حضرت آدم سے ذکر کیا انہوں نے گویا اس پر ناگواری ظاہر نہیں کی تو حواء نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ سعید بن جبیر نے ان آیات کا صدق حضرت آدم اور حوا کو قرار دیا ہے۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۹۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۳۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۶۲۳)

یہ روایت بھی باطل ہے۔ کیونکہ حضرت آدم نے اگر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور علم رکھا تھا اور اس کے لفظی معنی کا لفظ نہیں کیا تھا تو پھر یہ نام رکھنا شرک نہ ہوا کیونکہ اسامہ اعلام میں الفاظ کے معنی امید کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ان آیات کا صدق قرار دینا صحیح نہ ہوا اور اگر حضرت آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور صفت رکھا تھا تو پھر یہ شرک ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں ان سے شرک کیسے متصور ہو سکتا ہے یہ کیوں کر متصور ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کو الٹیس کا بندہ قرار دیں۔

جعلاً له شرکاء (انہوں نے اللہ کے شریک بنائے) کی توجیہات

اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے تو دونوں نے اللہ سے دعا کی نیز دوسری روایت میں ہے جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے یہ دعا کرنے والے اور شریک ٹھہرانے والے کون تھے؟ مفسرین کرام نے ان آیات کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

۱۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا جمل اور ان کا شرک بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم میں سے ہر شخص کو پیدا کیا ہے اور اسی کی جنس سے اس کی بیوی بنتی اور جب شوہر نے اپنے بیوی سے عملِ زوجیت کر لیا اور وہ حاملہ ہو گئی تو دونوں

طہان القرآن

میاں اور بیوی نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بنادیا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شرک کرنے لگے۔ دہریے کہتے ہیں کہ بچہ کا اس طرح پیدا ہونا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ستارہ پرست کہتے ہیں کہ یہ ستاروں کی چال اور ان کی تاثیر سے پیدا ہوا نور بت پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کے جوں اور دیوی دیوتاؤں کی دین ہے۔ نور یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ فطرت ہو یا ستارے، بت ہوں یا دیوی اور دیوتا، سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اسی نے اولاد کو بھی پیدا کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بدھاپے میں اسی نے بنادیا، حضرت زکریا جب بدھاپے میں اولاد سے ناامید ہو چکے تھے تو انہوں نے اسی کو پکارا اور اسی سے دعا کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی پوز می اور بانجھ بیوی کو فرزند عطا کیا۔ سو اولاد کی طلب کے لیے اسی کے آستانہ پر سر جھکا چاہیے اور اولاد پانے کے بعد اسی کا شکر ادا کرنا چاہیے، البتہ اولاد کی طلب کے لیے نیک لوگوں اور بزرگوں سے دعا کرنا جائز ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔

طلب اولاد کے لیے اگر نذر ماننی ہو تو اللہ کی عبادت مقصودہ کی نذر ملنی جائے، نذر عبادت ہے اس لیے کسی دلی یا بزرگ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، اگر کسی بزرگ کی دعا سے اولاد ہو یا ان کے وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اولاد ہو، تب بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا ان کی دعا سے اولاد ہوئی، اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کے عطا کرنے سے اولاد ہوئی ہے اور فلاں بزرگ وسیلہ ہیں، اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ نے اولاد عطا کی ہے تو یہ سبب کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اس مجازی نسبت کا ذکر کرنے کی بجائے حقیقی نسبت کا ذکر کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے جس نے اس بزرگ کی دعا قبول فرمائی اور جائز حد تک اس بزرگ کی بھی تعظیم کرے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر لوانہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۸۸، سنن الترمذی رقم الحديث: ۸۷۸، مسند احمد ج ۲، ص ۲۵۸، مشکوٰۃ رقم الحديث: ۳۰۴۵، مجمع الزوائد

ج ۵، ص ۲۱۷)

۲۔ اس آیت میں ان قریش سے خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے، اور وہ قصی کی اولاد تھے، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کی بیوی عریہ قریشہ بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بنادیا تو ان دونوں میاں بیوی نے اس کی دی ہوئی نعمت میں اللہ تعالیٰ کے شرک گھڑ لیے اور انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے لیے نام رکھے۔ عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد قصی اور عبد الملت اور اس کے بعد ان کے متبعین کے متعلق فرمایا سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں۔

۳۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیات حضرت آدم اور حواء کے متعلق ہیں تو یہ آیتیں مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہیں اور اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں ہمزہ استفہام کا مقدر ہے یعنی جعل لہ شرکاء اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بنادیا تو کیا انہوں نے اللہ کے شرک گھڑ لیے تھے؟ تو اے مشرک! تم کیوں اللہ کے لیے شرک گھڑتے ہو؟ اور اللہ اس چیز سے بلند ہے جس میں یہ مشرک اللہ کے لیے شرک بناتے ہیں۔

۴۔ اس صورت میں دو سراجواب یہ ہے کہ یہاں جملہ کا قائل اولاد عطا ہے اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم

مقام کر دیا جو جہاں میں ضمیر فاعل ہے اور معنی اس طرح ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بنادیا تو ان کی اولاد نے اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شریک گزریے۔

۵۔ قتوبہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ یہ آیتیں یسود اور نصاریٰ سے متعلق ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی دعا کے موافق صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس اولاد کو یسود و نصاریٰ بنادیا اور یوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

(جامع البیان ۲: ۹۷ ص ۱۹۷، زاد المسیر ج ۳ ص ۳۰۳)

۶۔ حوا ہر مرتبہ ایک ذکر اور ایک سوٹ دو بچے جنسی تھیں اور جہاں کا فاعل یہ دو بچے ہیں۔ یعنی جب ان کی دعا سے حضرت حوا کے دو صحیح و سالم بچے ہو گئے تو ان بچوں نے بڑے ہو کر اللہ کے شریک بنائے یا پھر ان کی اولاد اور اولاد نے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۳۰۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

غلط طریقہ سے نام لینے اور نام بگاڑنے کی مذمت

بعض تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں شرک فی التسمیہ (نام رکھنے میں شرک) کی مذمت فرمائی ہے۔ یعنی عبدالحارث، عبد العزیٰ، عبد اللات وغیرہ نام رکھنا شرک ہیں۔ اور عبد اللہ اور عبد الرحمن ایسے نام رکھنے چاہئیں۔ ہمارے زمانہ میں نام کے سلسلہ میں بہت فروگزاشت پائی جاتی ہے بعض لوگ اپنے بچے کا نام عبد الرحمن یا عبد القادر رکھتے ہیں اور لوگ اس کو رخصت صاحب خالق صاحب کہتے ہیں۔ کسی کا نام عبد الغفور ہوتا ہے اس کو لوگ غفور، غفور کہتے ہیں۔ کسی کا نام انعام الہی ہوتا ہے اور لوگ اس کو الہی صاحب کہتے ہیں یہ بڑے لکھے لوگوں کا حل ہے اور پنجاب میں جو ان پڑھ لوگ ہیں وہ غلام محمد کو گلا اور غلام رسول کو سولا کہتے ہیں اور جس کا نام کنیز فاطمہ ہو اس کو بھتو کہتے ہیں۔ یہ نام تو صحیح اور مستحب ہیں لیکن ان ناموں کو غلط طریقہ سے پکارنے والے سخت بے ادبی اور گنہگار مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَسْمُوا بِالْأَلْفَبَا بِفَسِ الْإِسْمِ الْمُسْنُوٰی
بَعْدَ الْإِسْمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ (الحجرات ۱۱)

اور ایک دوسرے کو بڑے القاب سے نہ بلاؤ کیسا برا نام
ہے ایمان کے بعد فاسق کہلاتا اور جو لوگ تو یہ نہ کریں سو وہی
لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

بچوں کا نام رکھنے کی تحقیق

دوسری بڑی خرابی نام رکھنے کے سلسلہ میں ہے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ نام رکھنے میں انفرادیت ہو اور ان کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ان کے بچے کا نام نیا اور اچھوتا ہو۔ خواہ اس کا مطلب معنی کچھ نہ ہو۔ اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ لوگ شرجیل نام رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مہمل لفظ ہے اصل لفظ شرمیل ہے۔ اسی طرح بی بی کا نام ثوبیہ رکھتے ہیں یہ بھی مہمل لفظ ہے اصل لفظ ثویہ ہے۔ بہترین نام عبد اللہ اور امہ اللہ ہیں ہم چاہتے ہیں کہ نام رکھنے کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے جو ہدایات دیں ان پر مشتمل احادیث کو یہل بیان کر دیں۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ ناموں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔

(صحیح مسلم الآداب ۲: ۲۱۳۲ (۵۴۸۳) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۸)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا نام بیہ (نیکو کار) رکھا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم

اپنی پاکیزگی اور بڑائی مت بیان کرو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکو کار ہے۔ صحابہ نے پوچھا ہم ان کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام نمنب رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۲، صحیح مسلم الاداب: ۱۹ (۲۱۳۲) ۵۵۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۲)

جن اسماء سے صاحب اسم کی پاکیزگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہو ایسے نام رکھنا پسندیدہ اور مکروہ ہیں جیسے آج کل لوگ نام رکھتے ہیں شمس الزمان، شمس الہدیٰ، اعظم خان، اکبر خان وغیرہ۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ شمس الدین اور محی الدین نام رکھنا ممنوع ہے اس میں خود ستائی کے علاوہ جھوٹ بھی ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے بھی ایسے ناموں کو ممنوع لکھا ہے اور علامہ نووی شافعی نے مکروہ لکھا ہے۔ (رد المحتار ج ۵، ص ۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عامیہ (گنہ کرنے والی) تھا۔ نبی ﷺ نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔

(صحیح مسلم الاداب: ۱۵ (۲۱۳۹) ۵۵۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۷، سنن

ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ برے ناموں کو تبدیل کر دیتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شرع بن حنن اپنے والد جلیل سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے قوم سے سنا کہ وہ ان کی کنیت ابوالحکم کے ساتھ ان کو پکارتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا ہے شک اللہ ہی حکم ہے اور اسی کی طرف مقدمات پیش کیے جاتے ہیں تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے؟ انہوں نے کہا میری قوم کا جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان حکم دیتا ہوں (فیصلہ کرتا ہوں) تو میرے حکم پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں (سو اس لیے میری کنیت ابوالحکم ہے یعنی حکم دینے والا) آپ نے فرمایا یہ اچھا نہیں ہے تمہارے بیٹے ہیں؟ شرع نے کہا میرے تین بیٹے ہیں۔ شرع، مسلم اور عبد اللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شرع، آپ نے فرمایا پس تم ابو شرع (شرع والا) ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۸۷)

اللہ کے اسماء صفت کی طرف اس کی اضافت کر کے کنیت رکھنا ممنوع ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ شخص اللہ کی صفت والا ہے جیسے کوئی شخص ابوالغفور، ابوالرحیم یا ابوالاعلیٰ کنیت رکھ لے۔
عبدالنبی نام رکھنے کا شرعی حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے میرا عبد (بندہ) اور میری بندی، تم سب اللہ کے عبد ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندی ہیں۔ لیکن تم کو کہنا چاہیے میرا غلام اور میری بندی یا میرا نوکر اور میری نوکرانی۔

(صحیح مسلم انفاذ الادب: ۱۳ (۲۲۳۹) ۲۷۶۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث:

۱۰۰۷۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۳)

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے، حرام نہیں ہے۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا

مملوک کا عہد ہے اور اس کی عہدیت کرتا ہے اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عہد کے تو اس میں شرک کی مشابہت کا خدشہ ہے لہذا اس سے احتراز کے لیے اولیٰ ہے کہ اس کو میرا نوکر اور میرا غلام کے اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عہد کی اضافت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَسْكِنُوا آلَ مَائِمَةٍ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (النور: ۳۳)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عہدار (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کر دو۔

اسی طرح احادیث میں بھی عہد کی اضافت مسلمان کی طرف کی گئی ہے۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لیس علی المسلم فی عہدہ ولا فی فرسہ صدقۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے عہد اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۳، صحیح مسلم زکوٰۃ ۸: ۲۲۳۷ (۹۸۲)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث ۶۲۸، سنن النسائی رقم الحدیث ۲۳۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

علامہ ابن بطل نے کہا کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عہد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت غلیظہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہر حال اللہ کا عہد ہے اب اگر وہ اسے میرا عہد کے تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آگیا۔

(عمدة القاری ج ۱۳، ص ۱۱۰، مطبوعہ ادارة البیارات المنیرہ ۱۳۳۸ھ)

بعض لوگوں کا نام عبد التبی اور عبد الرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے۔ علی بخش، حسین بخش، عبد التبی وغیرہ نام رکھنا (بہشتی زیور ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ ناشرین قرآن لینڈ لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے۔ عبد التبی اور عبد الرسول نام رکھنا سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے۔ اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ عبد التبی، عبد الرسول اور عبد المصطفیٰ نام رکھنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے اس لیے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام نبی، غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عہد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا غلام کہے۔ یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عیوضت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(التمایہ ج ۳، ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع بحار الانوار ج ۳، ص ۵۱۲، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ)

(النورہ ۱۳۱۵ھ)

علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۶۱ھ لکھتے ہیں:

اجلاء الشافعیہ میں سے علامہ ازہری نے کہا فتویٰ میں مذکور ہے کہ ایک انسان کا نام عبد التبی رکھا گیا میں نے اس میں توقف

بیان القرآن

کیا۔ پھر میرا اس طرف میلان ہوا کہ یہ نام حرام نہیں ہے، جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی نسبت سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا جائے اور لفظ عبد سے خلام کے معنی کا ارادہ کیا جائے اور اس نام کی ممانعت کی بھی گنجائش ہے جب جاہلوں کے عقیدہ شریک کا خدشہ ہو یا کوئی شخص لفظ عبد سے حقیقت عبودیت کا ارادہ کرے، علامہ دمیری نے یہ کہا ہے کہ عبد الہی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جب اس سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے کا قصد کیا جائے تو جائز ہے اور اکثر علماء کا میلان اس نام رکھنے کی ممانعت کی طرف ہے، کیونکہ اس میں اللہ کا شریک بنانے کا خدشہ ہے اور حقیقت عبودیت کے اعتقاد کا خطرہ ہے۔ جس طرح عبد الدار نام رکھنا منع ہے اور اسی قیاس پر عبد الکعب نام رکھنا حرام ہے۔

(فیض القدیر ج ۱، ص ۳۲۱-۳۲۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد حنفی لکھتے ہیں:

عبد الہی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم ہو گا کہ نبی ﷺ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اور اس دلیل کو مسترد کر دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص بھی عبد الہی کا لفظ سنتا ہے وہ اس سے خلام کا معنی سمجھتا ہے مخلوق کا معنی نہیں سمجھتا۔ ہاں اولیٰ یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھا جائے تاکہ یہ وہم نہ ہو۔

(حاشیہ فیض القدیر بر علی حاشی الرراج النیر ج ۱، ص ۵۱، المطبوعہ المطبعہ الخیریہ ۱۳۰۳ھ)

علامہ شاہی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد الہی نام رکھنا ممنوع ہے، علامہ منلوی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جبکہ اس نسبت سے مشرف ہونا مقصود ہو، اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے، جیسے عبد الدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵، ص ۳۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا میں آپ کا عبد اور خلام تھا۔ (النور والنبیاء ص ۲۳، مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد خلاف اولیٰ نہیں ہے کیونکہ آپ نے عبد کے ساتھ خلام کے لفظ کا ذکر فرمایا ہے جس سے عبد بمعنی مخلوق کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یا
ماں کے نام کی طرف؟

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۷، صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۷۳۵، ۱۷۳۸)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۹۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۵۸۸۸، سنن دارمی رقم الحديث: ۳۶۹۳، مسند احمد ج ۵، ص ۸۳، طبع قدیم، اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۶، رقم الحديث: ۲۱۸۵۹، مطبوعہ دار الحديث کابرو، موارد الطمان رقم الحديث: ۱۹۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۰۶، مشکوٰۃ رقم الحديث: ۳۷۷۷۷)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی مل کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

سعید بن عبد اللہ اودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوالمہدیؑ کے پاس گیا اس وقت وہ نزع کی کیفیت میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اس طرح عمل کرنا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر کی مٹی ہموار کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو جانا پھر کہنا اے فلاں بن فلاں، کیونکہ وہ تمہاری بات سنے گا اور جواب نہیں دے سکے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلاں تو پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلاں تو وہ کہے گا اللہ تم پر رحم کرے ہم کو ہدایت دو، لیکن تم کو اس کے کلام کا شعور نہیں ہو گا۔ پھر اس سے یہ کہنا کہ یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبدہ ورسولہ کی شہادت دیتے تھے اور تم اللہ کو رب مان کر، اور اسلام کو دین مان کر، اور (سیدنا) محمد ﷺ کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر راضی تھے۔ پھر منکر اور نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے گا میں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جس کو جواب تلقین کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم کو اس کی مل کا نام یاد نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا پھر پکارنے والا اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یا فلاں بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۷۹۷۹، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶، ص ۳۲۳، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۳، کنز العمال رقم الحديث: ۳۲۹۳۴، ۳۲۳۰۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اس شخص کو اس کی مل کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا لہذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

اس موضوع پر حسب ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے قیامت کے دن ان کو ان کے ناموں سے پکارے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۷۹۷۹، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶، ص ۳۲۳، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۳، کنز العمال رقم الحديث: ۵۳) حافظ سیوطی نے البدور السافرة میں یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے لیکن البدور السافرة میں امام طبرانی اور امام ابن مردودہ کے حوالوں سے اس طرح ذکر کی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے ان کو ان کی ملاؤں کی طرف منسوب کر کے پکارے گا۔ لیکن امام طبرانی کی روایت میں ملاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابوشامہ نے کہا ہے اس حدیث کا ایک راوی اسحق بن بشر ابو حذیفہ متروک ہے (مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۹) حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں: امام ابن حبان نے کہا اس کی احادیث کو انکار تعجب کے سوا لکھنا جائز نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے کہا یہ کذاب متروک ہے۔ علی بن مدینی نے بھی اس کو کذاب قرار دیا، یہ شخص ۲۶۰ھ میں بخاری میں فوت ہو گیا تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۳۵، رقم الحديث: ۷۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام ابن عدیؒ اسحاق بن ابراہیم الطبری کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ عزوجل کی طرف سے لوگوں پر ستر کرتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام ابن عدیؒ نے کہا یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔

(الکامل فی ضعیف الرجال ج ۱ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین ذہبیؒ اسحاق بن ابراہیم الطبری کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن عدیؒ اور امام دارقطنیؒ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا اور امام ابن حبانؒ نے کہا یہ ثقات سے موضوعات کو روایت کرتا ہے اس کی احادیث کو اعتبار قہج کے سوا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ نے اس کی متعدد باطل روایتوں کی مثل ذکر کی ہے حافظ ذہبیؒ نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۲۷ رقم ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بخاریؒ کی صحیح حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اشیاء پر حکم ان کے ظاہر کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۰۱ مطبوعہ اداره الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطلؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے (اصل) آباء پر پردہ رہے۔ (علامہ عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو امام طبرانیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے اور امام ابن عدیؒ نے اس کی مثل حضرت انسؓ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ علامہ ابن بطلؒ نے کہا کسی شخص کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا بہت زیادہ واضح ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چیزوں کے ظاہر پر حکم لگانا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی اس کے اسی باپ کی طرف نسبت کی جائے گی جو دنیا میں اس کا باپ مشہور تھا نہ کہ اس کے حقیقی باپ کی طرف اور یہی قول معتد ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

بچوں کا نام محمد رکھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں ہی قاسم ہوں اور تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۱۹۶ صحیح مسلم الادب ۵ (۲۱۳۱) ۵۳۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۷۲۸)

حضرت ابو وہبؒ جسمیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کے نام رکھو۔ اور تمام اسماء میں اللہ کو محبوب عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور حادث اور تمام ناموں میں سچے ہیں اور سب سے سچ نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۹۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۶۸)

حادث کے صلاق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حادث کا معنی ہے کسب اور کام کرنے والا اور ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے سو یہ نام اپنے معنی کے مطابق ہے اور ہام کا معنی ہے ارادہ کرنے والا اور ہر انسان کسی نہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ متلوی نے کہا ہے کہ عبد اللہ نام رکھنا مطلقاً افضل ہے اس کے بعد عبد الرحمن ہے اس کے بعد محمد نام رکھنا افضل ہے پھر احمد نام رکھنا پھر ابراہیم نام رکھنا ایک اور جگہ یہ ہے کہ عبد اللہ اور عبد الرحمن کے ساتھ ان کی مثل دوسرے نام لاحق ہیں مثلاً عبد الرحیم اور عبد المالک وغیرہ۔ اور یہ اس کے متعلق نہیں ہے کہ محمد اور احمد نام اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا وہی نام رکھا ہے جو اس کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد یا احمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ابن عساکر نے حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے کہا ہے اس باب میں یہ سب سے عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ)

”محمد“ نام رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض کی اسانید ضعیف ہیں لیکن چونکہ فضائل میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے ہاں تین بیٹے ہوئے اور اس نے کسی کا نام نہ رکھا اس نے جہالت کا کام کیا۔

(الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۷ المعجم الکبیر ج ۵ رقم الحدیث ۵۰۷۷ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۹ کنز العمال رقم الحدیث ۳۵۲۰۳ مسند الخارث ص ۱۹۹-۲۰۰)

حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بیٹ سے متروکہ ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن اس کا ضعف وضع تک نہیں پہنچا۔ امام مسلم امام ابو داؤد امام ترمذی امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے اس سے احادیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ حدیث مسند الخارث میں بھی ہے اور یہ مقبول کی قسم میں داخل ہے۔

(الکامل للمصنوع ج ۱ ص ۹۳-۹۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ کسی کا نام محمد نہ رکھے تو یہ بے وفائی کے کاموں میں سے ہے اور جب تم اس کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو برا کہو (کالی دو) اور نہ اس پر سختی کرو نہ اس پر ناک چڑھلاؤ نہ اس کو مارو اس کی قدر منزلت اور تعظیم و تکریم کرو اور اس کی قسم پوری کرو۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۹۰)

امام ابن عدی متوفی ۳۷۵ھ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں اس حدیث کی تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام دہلی متوفی ۵۰۹ھ نے حضرت علی بن جریج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے چار بیٹے ہوں اور وہ میرا نام کسی کا نہ رکھے اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۳ رقم الحدیث ۵۹۸۱) نیز امام بکیر نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس نام کی تعظیم کے سبب سے اس کی تعظیم اور توقیر کرو اور اس کی تکریم کرو اس کی تذلیل اور تحقیر نہ کرو اور اس پر سختی نہ کرو۔

(الجوامع رقم الحدیث ۲۰۱۰ الکامل للمصنوع ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو نہ محروم کرو۔ امام دہلی کی روایت میں یہ اضافہ ہے (نام) محمد میں برکت رکھی گئی ہے اور جس گھر میں محمد ہو اور جس مجلس میں محمد ہو۔

ضمیمہ القرآن جلد چہارم

(مسند البراء رقم الحدیث: ۳۵۹، مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۳۸، الفردوس بماثر المطلب، رقم الحدیث: ۳۵۳، کنز العمال رقم الحدیث:

۳۵۹۷، ۳۵۹۸) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام فراوی اپنی سند کے ساتھ مرفوع روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد اکھڑے ہوں اور جنت میں بغیر حاسب کے داخل ہو جائیں تو ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہو گا وہ کھڑا ہو جائے گا اور یہ گمان کرے گا کہ یہ اس کو ندا کی گئی ہے تو نام محمد کی کرامت کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔ (تزیہ الشریعہ مطبوعہ القاہرہ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند معطل (منقطع) ہے اور اس کی سند سے کئی راوی ساقط ہیں۔

(المآل المصنوعہ ج ۱، ص ۹۷، مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو امامہ جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا نام محمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

(تزیہ الشریعہ ج ۱، ص ۱۹۸، جامع الاحادیث الکبیر رقم الحدیث: ۲۳۲۵۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۲۳)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس باب میں جنتی احادیث وارد ہیں یہ ان سب میں عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن

ہے۔ (المآل المصنوعہ ج ۱، ص ۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ ان (شرکین) کے لیے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور (اے مشرک!) اگر تم ان بتوں کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں گے سو تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔

(الاعراف: ۱۹۱-۱۹۳)

بتوں کی بے مائیگی اور بے چارگی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا یہ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ آیت اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ ان آیات میں جن لوگوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے ان کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام سے نہیں ہے بلکہ اس سیاق اور سبق کا تعلق مشرکین سے ہے۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ مخلوق کسی چیز کو خلق کرنے پر قادر نہیں ہے۔

دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہو اور بت اپنی پرستش کرنے والوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان تو ان کی پرستش اور عبادت کرنا کیوں کر درست ہوگی۔ بلکہ بتوں کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی ان بتوں کو توڑ دے تو وہ اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتے تو جو اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے پر قادر نہیں ہے تو وہ تمہیں تکلیف اور مصائب سے کب بچا سکتے ہیں۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس طرح یہ بت حصول نفع اور دفع ضرر پر قادر نہیں ہیں اسی طرح ان کو کسی چیز کا علم بھی نہیں ہے اس لیے جب تم انہیں کسی نیک کام کے لیے پکارو تو یہ تمہارے پیچھے نہیں لگیں گے اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم ان کو کسی خیر اور اچھائی کے لیے پکارو تو یہ تمہاری پکار کا جواب نہیں دیں گے یا تم ان سے کوئی دعا کرو تو یہ تمہاری دعا کو قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو

پکارو یا خاموش رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اور پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچ ہو کیا ان کے پیروں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان جن سے وہ سن سکیں آپ کہتے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزمائو اور اس کے بعد مجھے (بالکل) ملت مت دو (الاعراف ۱۹۵-۱۹۳)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بت تو بے جان پتھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بر تقدیر فرض ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن جنوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ بے جان پتھر ہیں۔ جن کے حواس ہیں اور نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ حواس اور عقل رکھتے ہیں اور حرکت بلا راہ کر سکتے ہیں تب بھی زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری طرح بندے ہیں اور ان کو تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے پھر تم نے ان کو اپنا خالق اپنا رب اور اپنا معبود کہنے فرض کر لیا۔ پھر اس پر دلیل قائم فرمائی کہ ان کو تم پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور اگر تم ان کے رب اور معبود ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو ان کو پکارو تاکہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں۔

اس آیت میں جنوں کو پکارنے کا جو حکم دیا ہے وہ جنوں کے عجز کو ثابت کرنے کے لیے ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کسی کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے تو پھر وہ خدا کی صلاحیت کب رکھ سکتے ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اے شرکواتم اور وہ ایک جیسے ہیں بلکہ وہ تم سے بھی ارذل اور ادنیٰ ہیں کیونکہ تم تو چلنے پھرنے چیزوں کو پکڑنے اور سننے اور دیکھنے پر قادر ہو اور وہ تو اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

حسن بھری نے کہا ہے کہ مشرکین نبیؐ کو اپنے جنوں سے خوف زدہ کرتے تھے اس لیے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اور تمہارے بت اگر میرا کچھ باز سکتے ہیں تو باز لیں اور پھر مجھے بالکل ملت نہ دیں اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ بت کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ سو ان کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّ وَلِيَ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۶﴾

جینک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے ○

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصَرَكُمْ وَلَا

انہم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود

أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا

اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے ،

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾ خذِ الْعَفْوَ وَ

اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ سکتے ○ آپ خود درگزر کا طریقہ

شہان القرآن

أَمْرًا بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿٢١٩﴾ وَإِنَّمَا يَنْزَعُكَ مِنَ

اختیار کیجئے اور نیکی کا علم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ۵ اور (اے مخالف) اگر شیطان تمہیں کوئی

الشَّيْطَانِ نَزَعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ

دوسرے ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بیشک وہ بہت سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ۵ بیشک جو لوگ اللہ

اتَّقُوا إِذَا امْسَهُمْ طَافٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ

سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چومی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی

مُبْصِرُونَ ﴿٢٢١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٢٢﴾

آنکھیں کھل جاتی ہیں ۵ اور شیطانوں کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کیپتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کر نہیں سکتے) کوئی کی نہیں کرتے ۵

وَإِذَا أَلَمَتْ أَنفُسُهُمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ

اور (اے رسولِ مسلم) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں کوئی نشانی منتخب کر لی آپ کیسے کوئی مفسد

مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ مِن رَبِّي هَذَا ابْصُرْ مِنْ مِّنْكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً

چیز کی اتباع کرتا ہوں میں کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بعیت اور ذرا احکام کا بخیر ہے اور

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ۵ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو خود سے سناؤ اور غار شنس رہو تاکہ تم پر

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٢٤﴾ وَإِذْ كُنَّا فِي الْبَيْتِ لَكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً

رحم کیا جائے ۵ اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو

وَكُذُوبًا جَهْرًا مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ

اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے

مِّنَ الْعَاقِلِينَ ﴿٢٢٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

نہ ہر جاؤ ۵ بیشک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے

عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿٢٠٦﴾

سجرتیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے ○ اور تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بہ ظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ رہے۔ (الاعراف: ۸۸-۸۹)

اللہ اور رسول کے مقرب نیک لوگ ہیں

اس سے پہلے آیتوں میں یہ فرمایا تھا کہ جن کو حصول نفع اور دفع ضرر پر مطلقاً قدرت نہیں ہے اور اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ صاحب عقل کو یہ چاہیے کہ صرف اللہ کی عبادت کرے جو دین اور دنیا کے منافع پہنچانے کا دل ہے۔ دین کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا جس میں معیشت اور آخرت کا مکمل اور جامع نظام ہے اور دنیا کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے فرمایا وہ صالحین کا دل ہے یعنی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میرے باپ کی آل میرے مددگار نہیں ہیں! میرا دل اللہ ہے اور نیک مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۹۹۰، صحیح مسلم الامان ۳۶۶، (۲۱۵) ۵۰۸، مسند احمد ج ۳، ص ۲۰۳)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میرے دلی (دوست یا مقرب) نیک مسلمان ہیں خواہ وہ نسبتاً مجھ سے بعید ہوں۔ اور جو نیک نہیں ہیں وہ میرے دلی (مقرب) نہیں ہیں خواہ وہ نسبتاً مجھ سے قریب ہوں۔

عمر بن عبد العزیز اپنی اولاد کے لیے کچھ مال جمع نہیں کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا انہوں نے کہا اگر میری اولاد صلح اور نیک ہوئی تو اس کا دل اور مددگار اللہ ہے لہذا اس کو میرے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر میری اولاد مجرم اور گنہگار ہوئی تو میں اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ بِكَ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ○ (القصص: ۱۷)

فرمایا ہے سو اب میں ہر گز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔

(تفسیر کبیر ص ۳۳۵، غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳، ص ۳۶۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

دوسری آیت میں پھر یہ ذکر فرمایا کہ یہ بت نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی، سو یہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور اس کے بعد والی آیت میں فرمایا اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ بظاہر آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اس سے مراد بت ہیں یا مشرکین۔ اگر اس سے مراد بت ہیں تو ان کے دیکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے اور بالقابل ہیں اور چونکہ دیکھنے والا بالقابل ہوتا ہے اس لیے فرمایا وہ بظاہر دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بالکل نہیں دیکھ رہے! اور اگر اس سے مراد مشرکین ہیں تو پھر معنی یہ ہے کہ یہ کفار اور مشرکین ہر چند کہ یہ ظاہر آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن یہ چونکہ آپ کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عداوت سے دیکھتے ہیں تو گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے یا چونکہ وہ حق سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نبوت کے جو دلائل اور نشانی رکھی ہیں ان کا اثر قبول نہیں کرتے اس لیے گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ غفور درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ○

(الاعراف، ۱۹۹)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور نیک مسلمانوں کا حامی و ناصر ہے اور بت اور ان کے پیجاری کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے، کیونکہ صلح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کی جائے۔

معاف کرنے، نیکی کا حکم دینے اور جاہلوں سے اعراض کرنے کے الگ الگ محامل

بندوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ان سے تسلل اور درگزر کرنا مستحسن ہے اور بعض چیزوں میں ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی انسان ذاتی نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا مستحسن ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور حدود اللہ کو پامال کرے تو اس کے ساتھ انتہا کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے معاف کرنے کے حکم کا تعلق انسان کے ذاتی معاملات سے ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور روگردانی کا معاملہ ہو وہاں نیکی کا حکم دینا اور برائی پر ٹوکنا ضروری ہے، اور اگر نیکی کا حکم دینے پر کوئی شخص بد تمیزی اور جہالت سے پیش آئے تو پھر اس سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا اے جبرئیل اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا، پھر کہا اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیں جو آپ کو محروم کرے اس کو عطا کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے اس سے آپ تعلق جوڑیں۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۲۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر جو صحابہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر جو تم سے تعلق توڑے، تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ میں دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گناہوں پر روؤ اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔

(مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث ۱۷۳۵۸، ۱۷۳۵۷، شیخ احمد شاکر نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۳)

(رقم الحدیث: ۱۷۳۸۳)

غفور اور درگزر کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَالَّذِينَ يَحْتَسِبُونَ كِبَارَهُمُ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوری، ۳۷)

اور جو لوگ کبر و گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے

اجتناب کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے

ہیں۔

وَلَمْ يَصْبِرْ وَغَفَرَ لَكَ ذَلِكَ لِيَمْنَ عَزْمِ الْأُمُورِ
(الشوری: ۴۳)

اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہے۔

وَحَرَّاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ تَمْلِكُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری: ۴۳)

اور برائی کا بدلہ اسی کی خصل برائی ہے پھر جو معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَإِنْ تَعَفُّواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (التغابن: ۴۳)

اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ تم فرمانے والا ہے۔

وَلْيَعْفُواْ وَلْيَصْفَحُواْ أَلَا تُحِيتُونَ أَنْ تَعْفَرَ اللَّهُ لَكُمْ (السور: ۴۳)

اور انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں (اے ایمان والو) کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (التور: ۴۳)

آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عفو اور درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت سعد بن جبر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو اس کے بلوغت وہ اپنے غصہ کو ضبط کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶ مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث: ۱۵۶۳۷

حضرت عبداللہ بن مسعود جبر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کس شخص کو پہلوان کہتے ہو؟ ہم نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹ صحیح مسلم ابوداؤد: ۱۰۶ (۲۶۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ اللہ کی طرف سے انتقام لیتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۰ صحیح مسلم فضائل: ۷۷ (۲۳۲۷) الوطار رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی علوم کو مارا نہ عورت کو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۶)

حضرت ابو تمیم جبر بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نیک کام کو حقیر نہ جانتا اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو کشادہ جہیں اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرو اور پانی مانگنے والے کو اپنے ڈول سے پانی دینا۔ اگر کسی شخص کو تمہارے کسی عیب کا علم ہو اور وہ تمہیں اس کے ساتھ برا کہے تو تمہیں اس کے جس عیب کا علم ہو تم اس کو اس کے عیب کے ساتھ برا نہ کہنا تمہیں اس پر اجر ملے گا اور اسے اس کا گناہ ہو گا اور

تم تکبر سے توبہ نہ لگاتا کیونکہ اللہ عزوجل تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی شخص کو مغلل نہ دیتا میں نے اس کے بعد کسی کو گلی نہیں دی نہ بکری کو نہ اونٹ کو۔ (مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر طبع جدید)

حضرت ابوالمہدیؑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قدرت کے بلوجود کسی کو معاف کر دیا تنگی کے دن اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۷۵۸۵)

رسول اللہ ﷺ کے درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے ماں غنیمت تقسیم کرتے ہوئے بعض لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرب بن حابس اور عینہ کو سو سو اونٹ دیے اور عرب کے سرداروں کو بھی عطا فرمایا اور ان کو اس دن تقسیم میں ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور اس میں اللہ کی رضا جوئی کا قصد نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں نے دل میں سوچا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا میں آپ کے پاس گیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اہمیت پہنچائی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۳۶، صحیح مسلم زکوٰۃ: ۱۳۰، (۱۰۶۲) ۲۳۰۸، مسند احمد ج ۱، ص ۳۸۰-۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں مشرکہ تھی میں اس کو اسلام کی دعوت دیتا تھا ایک دن میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بہت ناگوار اور بری باتیں کہیں جن سے میں بہت رنجیدہ ہوا میں روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا اور وہ انکار کرتی تھی آج میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے مجھے ایسی باتیں سنائیں جن سے مجھے بہت رنج ہوا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، آپ نے دعا کی اے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں نبی ﷺ کی دعا کی وجہ سے خوش خوش گھر لوٹا میں نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو کہا وہیں ٹھہرو اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی اس نے غسل کیا کپڑے بدلے پھر کہا اے ابو ہریرہ! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبده ورسوله میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا اچھا ہوا۔ (صحیح مسلم نصاب: ۱۵۸، (۲۳۹۹) ۷۳۷۹)

انام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص نے بدر کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ کیا وہ اونٹ پر سوار تھیں قریش مکہ کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت زینب کا پیچھا کیا حتیٰ کہ مقام ذی طویٰ پر ان کو پالیا ہبار بن الاسود نے ان کو نیزہ مارا حضرت زینب گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲، ص ۳۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت جابر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ ہجرانہ سے واپسی پر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اچانک دروازہ سے ہبار بن الاسود داخل ہوا مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہبار بن الاسود ہے آپ نے فرمایا میں نے اس کو دیکھ لیا ہے ایک شخص اس کو مارنے کے لیے کھڑا ہوا نبی ﷺ نے اس کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے ہبار کھڑا ہوا اور اس نے کہا السلام علیک یا نبی اللہ! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا رسول اللہ! یا رسول اللہ! میں

آپ سے بھاگ کر کئی شہروں میں گیا اور میں نے سوچا میں عجم کے ملکوں میں چلا جاؤں پھر مجھے آپ کی نرم دلی، صلہ رحمی اور دشمنوں سے آپ کا درگزر کرنا یاد آیا، اے اللہ کے نبی ہم مشرک تھے اللہ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی، اور ہم کو ہلاکت سے نجات دی۔ آپ میری جہالت سے درگزر فرمائیں اور میری ان تمام باتوں سے جن کی خبر آپ تک پہنچی ہے، میں اپنے تمام برے کاموں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو اسلام کی ہدایت دے دی اور اسلام پہنچنے کے لیے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(الاصابہ ج ۶، ص ۳۱۳، رقم: ۸۹۵۱، اسد الغابہ، رقم: ۲۷۰۹، الاستیعاب، رقم: ۱۷۱۰، ۲)

ایک عباد بن الاسود کو معاف کر دینے کی مثل نہیں ہے، آپ نے ابو سفیان کو معاف کر دیا جس نے متعدد بار مدینہ پر حملہ کیا۔ وحشی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے عزیز چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا۔ ہند کو معاف کر دیا جس نے حضرت حمزہ کا کیچہ نکل کر دانتوں سے چبایا تھا، فتح مکہ کے بعد تمام ظالموں کو معاف کر دیا۔ عبد اللہ بن ابی جہر نہیں النافقین تھا جو آپ کو ہمیشہ اذیتیں پہنچاتا رہا، جس نے کہا تھا آپ کی سواری سے بدبو آتی ہے، جو غزوہ احد میں عین لڑائی سے پہلے اپنے تین سوساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا تھا، جس نے کہا تھا کہ عینہ پہنچ کر عزت والے، ذلت والوں کو نکل دیں گے، جس نے آپ کے حرم محترم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تصت باندھی اور آپ کو رنج پہنچایا۔ اس نے بھی جب مرتے وقت آپ کی قمیص اپنے کفن کے لیے منگوائی تو آپ نے صفا کر دی، آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ صفوان بن معطل، عمیر بن وہب، اور عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دیا۔ سراقہ کو امان لکھ دی اور بست سے ظالموں اور ستم شعاروں کے مظالم اور ان کی جفاؤں سے اعراض کر کے انہیں معاف کر دیا۔ غرض آپ کی پوری زندگی بعد المعصومین المعروف واعرض عن الجہلیس سے عبارت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی دوسرا ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ بہت سننے والا، سب کچھ جانتے والا ہے۔ (الاعراف: ۲۰۰)

نزغ شیطان کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متونی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

نزغ کا معنی ہے کسی چیز کو فاسد اور خراب کرنے کے لیے اس میں داخل ہونا۔

(المفردات ج ۲، ص ۶۳۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر الجزری المتونی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے:

نزغ کا معنی ہے کسی نوکدار چیز کو چھوٹا کسی کو کسی کے خلاف بھڑکانا، فسوذاً، نسغ الشیطان بیہم کا معنی ہے شیطان نے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور ان کے درمیان فسوذاًل دیا۔

(النسایہ ج ۵، ص ۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

و مساوس شیطان سے نجات کا طریقہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے اور جاہلوں کی جفا اور جہالت پر انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب اگر مجھے ان کی باتوں پر غصہ آئے تو کیا کروں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر شیطان آپ کو غضب میں لائے تو آپ اللہ کی پناہ

طبیان القرآن

طلب کریں۔ (جامع البیان ج ۷، ص ۲۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

نزع شیطان کا معنی ہے شیطان کا دوسرے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تھا ان کے درمیان شیطان نے دوسرے ڈال دیے تھے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو برا کہتا رہا پھر وہ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک کہ ہر ایک نے دوسرے سے معافی نہیں مانگ لی۔

محققین میں سے ایک استلو نے اپنے شاگرد سے کہا اگر شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کے خلاف کوشش کروں گا استلو نے کہا اگر وہ پھر اکسائے؟ کہا میں پھر کوشش کروں گا استلو نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا استلو نے کہا یہ بتاؤ اگر تم بکریوں کے ربوڑ کے درمیان سے گزر دو اور بکریوں کا محافظ کتا تم پر بھونکنے لگے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کو دور بھگانے کی کوشش کروں گا استلو نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا لیکن اگر تم بکریوں کے چرواہے سے مدد طلب کرو تو وہ کہتے کو تم سے دور کر دے گا اسی طرح جب شیطان تم کو کسی گناہ پر اکسائے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو وہ شیطان کو تم سے دور کر دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسرے شیطان کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض اور اس کے جوابات

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کا گناہ اور معصیت پر اقدام ناممکن ہو تا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اگر شیطان تم کو کوئی دوسرے ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ثانیاً جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض شیطان آپ کو کوئی دوسرے ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں اور اس سے شیطان کا آپ کو دوسرے ڈالنا لازم نہیں آتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَیْسَ أَشْرَکُکَ لِمَحْبُطٍ عَمَلُکَ
اگر بالفرض آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ (الزمر: ۲۵)

اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ العیاذ باللہ شرک کریں۔

اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِ
اگر آپ کہیں کہ میں نے اولاد ہوتی تو میں (اس کی) سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ (الزخرفہ: ۸۱)

ثانیاً شیطان کا صرف دوسرے ڈالنا عصمت کے منافی نہیں ہے، عصمت کے منافی یہ ہے کہ آپ شیطان کا دوسرے قبول کریں اور یہ اس آیت سے ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ
بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے۔
وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُکَ مِنَ الْعَوْنِ (الحجر: ۳۲)
مساوہ اگر اہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کا قرن لگا دیا گیا ہے اور ایک قرن فرشتوں میں سے لگا دیا گیا ہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ

ضمیمہ القرآن

جلد چہارم

بھی۔ لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا وہ مجھے نیک باتوں کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم مناقب ۶۹ (۲۸۱۳) ۶۹۷۵ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۷۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بہت بڑا جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز کو خراب کرے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اس کو دھکا دے کر بھاگ دیا اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ صبح کو تم سب اسے دیکھتے۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلمان کی یہ دعا یاد آئی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي
لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (ص: ۳۵)

سلمان نے دعا کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ پہنچے۔

(صحیح مسلم الساجد ۳۹ (۵۴۹) ۸۸۹ سنن کبریٰ طبرانی رقم الحدیث: ۱۳۴۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ شیطان کو نبی ﷺ پر کوئی غلبہ نہیں بلکہ نبی ﷺ ہی غالب تھے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ نبی ﷺ شیطان کا دوسرے قبول کریں۔

حالاً اس آیت میں یہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے کہ جب شیطان مسلمانوں کو کسی چیز کا دوسرے ڈالے تو وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○ (الاعراف: ۲۰۶)

طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ كَامَعْنٰی

علامہ رافع اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کو درغلانے کے لیے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو طائف کہتے ہیں کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے اس کو طائف کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلفی الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ)

علامہ البارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزیری متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

طائف کا اصل معنی جنون ہے پھر اس کو غضب شیطان کے مس کرنے اور اس کے دوسرے کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اس کو طائف بھی کہتے ہیں۔ (التلخیص ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

طائف کا معنی تحیل ہے اور طائف کا معنی شیطان ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں جب انہیں کوئی دوسرے لاحق ہو تو وہ اللہ عزوجل کی قدرت میں اور اللہ نے ان پر جو انعام کیے ہیں ان میں غور کرتے ہیں اور پھر معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انسان کس طرح غور و فکر کر کے انتقام لینے کو ترک کرے

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب انسان کسی دوسرے شخص پر غضب ناک ہو اور اس کے دل میں شیطان یہ خیال ڈالے کہ وہ اس سے انتقام لے تو پھر

- وہ انتقام نہ لینے کی وجوہات پر غور و فکر کرے اور انتقام لینے کے ارادہ کو ترک کر دے۔ وہ وجوہات حسب ذیل ہیں:
- ۱۔ انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ خود کتنے گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے پر قادر ہے، اس کے بلوجود اس سے درگزر کرتا ہے اور اس سے انتقام نہیں لیتا سو اس کو بھی چاہیے کہ وہ انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔
 - ۲۔ جس طرح اس کا مجرم بے بس اور مجبور ہے اسی طرح وہ بھی اللہ کا مجرم ہے اور اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہے۔
 - ۳۔ غضب ناک شخص کو ان احکام پر غور کرنا چاہیے جن میں اسے انتقام کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔
 - ۴۔ اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے غضب اور انتقام کے تقاضوں کو پورا کر دیا تو اس کا یہ عمل موذی درندوں کی طرح ہو گا اور اگر اس نے صبر کیا اور انتقام نہیں لیا تو اس کا یہ عمل انبیاء عظیم السلام اور اولیاء کرام کی مثل ہو گا۔
 - ۵۔ اس کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جس کمزور شخص سے آج وہ انتقام لینا چاہتا ہے ہو سکتا ہے کل وہ قوی اور قادر ہو جائے اور یہ کمزور اور ناتواں ہو جائے اور اگر وہ اس کو معاف کر دے تو پھر یہ شخص اس کا احسن مندر ہے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

انسان کس طرح غور و فکر کر کے گناہوں کو ترک کرے

امام رازی نے ترک انتقام کی جو یہ وجوہات بیان کی ہیں ان کو معصیت کی دیگر انواع میں بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔ جب بھی شیطان انسان کو کسی معصیت اور گناہ پر اکسائے وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر غور کرے کہ اللہ اس پر اتنی مہربانی کرتا ہے تو کیا یہ انصاف ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ نیز اس پر غور کرے کہ اگر اس نے یہ گناہ کیا تو اس سے شیطان راضی ہو گا اور اللہ ناراض ہو گا تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ اللہ کو ناراض اور شیطان کو راضی کرے۔ نیز یہ سوچنا چاہیے اگر آج اس نے اللہ کے حکم کو بھلا دیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کو بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسِفُكُمْ كَمَا نَسِفْنَا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا (الحاشیہ ۳۳)

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

اور یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے اس کو دنیا میں رزق دینے اور پرورش کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کر رہا ہے تو اس نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی اطاعت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو کیوں پورا نہیں کر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ ۳۰) گا۔

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں

اور یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ سے جو دعا کرتا ہے اللہ اسے قبول کر لیتا ہے تو پھر کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اللہ اس سے جو کچھ کہے وہ بھی اس پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُحِبُّ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا إِلَىٰ قَلْبِي سَتَجِدُنِي (السفرہ: ۱۸۶)

جب دعا کرنے والا دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔

اور یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے وہ گناہ کر لیا تو وہ فسق و فجار کی مثل ہو گا اور اگر اس نے اس گناہ سے دامن بچا یا تو وہ انبیاء کا قبیح اور اولیاء کی مانند ہو گا۔ اور جو شخص فسق و فجار کے کام کرے گا وہ کیسے یہ توقع کر سکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی اللہ کے نیک بندوں کی طرح ہوگی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ حَسِبْتَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ (جن لوگوں نے دلیری سے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان

تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الجنابہ: ۳۱)

کریا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں!

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں، اپنے شاگردوں، مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور برے کام نہیں کرتا اور جب تھا تو وہ صرف اللہ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہو گا کہ اس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے! حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ وَاحِدًا ۚ اِنَّهُمْ لَكُلُّهُمْ لَفِي زُرٍّ ۝ ثُمَّ لَكُمْ اُسْرُهُمْ يَوْمَ تَحْشُرُهُمْ فِي الْاُفْقِ ۚ (المائدہ: ۳۲)

اور یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے لوگوں کے ذرے سے برے کام چھوڑ بھی دیے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جب کہ اللہ کے ذرے سے اس نے گناہ اور برے کام چھوڑ دیے تو اللہ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَتَمَّ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْاُمَّارَ ۝ فَاِنَّ الْحَقَّ وَفِي الْمَوْدِ ۝ (النازعات: ۳۰-۳۱)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس (امارہ) کو (اس کی) خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

نیز فرمایا:

وَلَيْسَ بِعَاقٍ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ (الرحمن: ۳۳)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

خوف خدا سے مرنے والے نوجوان کو دو جنتیں عطا فرماتا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر حونی ۷۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاز بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا، حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے، اس کا ایک بوڑھا باپ تھا، وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا، اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا، وہ اس پر فریفت ہو گئی تھی، وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی، ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہو گئی، اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اَنۡفَقُوۡا اِذَا مَسَّہُمُ طٰلَافٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَدۡکُرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۝

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جانا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں

(الاعراف: ۳۶) اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے، کئی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے، باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے

پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو بلایا جلیا لیکن وہ مرد کا قتل انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا، صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمرؓ کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کمالات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمرؓ نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کی سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع، رقم ۱۱۳، ج ۱۹، ص ۱۹۱-۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر للاعراف، ۲۴، ج ۳، ص ۳۶۹، طبع دار الفکر بیروت، شرح الصدور ص ۳۳، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت، ۳۰، ۳۱، کنز العمال ج ۵، ص ۵۱۷-۵۱۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے۔ حسن بھری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عیادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا، ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی، وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا، پھر اس نے ایک چیخ ماری اور سبے ہوش ہو گیا۔ اس کا بچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا اے چچا! حضرت عمرؓ کے پاس جائیں ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا بچا حضرت عمرؓ کے پاس گیا، اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا تمہارے لیے دو جنتیں ہیں، تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱، ص ۳۶۹-۳۶۸، رقم الحدیث ۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۰ھ)

امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۶، ص ۳۷، طبع قدیم ج ۷، ص ۷۰۸، طبع جدید دار الفکر کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۵، روح المعانی ج ۷، ص ۱۱۶) حافظ ابن عساکر نے جو حدیث تفصیلاً روایت کی ہے اس پر حافظ ابن کثیر نے بھی اعلم کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

- ۱۔ گنہگار کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے گنہگار کو ترک کرنے اور جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔
- ۲۔ نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔
- ۳۔ نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمرؓ کی سنت ہے۔
- ۴۔ کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمرؓ کا طریقہ ہے۔
- ۵۔ صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔
- ۶۔ جن احادیث میں ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جن کو تم سن سکو، ان کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا جواب عداوت نہیں

من کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شیطانوں کے بھائی بندہ کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کمی نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۳۰-۳۱)

شیطان کے بھائی بندہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد انسانوں میں سے شیطان ہیں اور وہ لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین جنت کی مدد کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ شیاطین کے بھائی بندہ کفار ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول معظم!) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں نہ کوئی نشانی منتب کر لی! آپ کہئے کہ میں صرف اس چیز کی ابتلا کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ (الاعراف: ۳۰-۳۱)

کفار کے فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ شیاطین الانس اور شیاطین الجن لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوع کو بیان فرمایا ہے کہ وہ بطور سرکشی معجزات مخصوصہ طلب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے تھے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُتُ عَصَا ۖ أَوْ تَكُونُ لَكَ حَنَّةٌ مِّمَّنْ تَحْمِلُ وُجُوهَ قَوْمٍ لَّيَالِي نَهَارٍ ۖ فَلَمَّا تَفَجَّرَ الْأَرْضُ وَأَنْفَجَّتْ الْأَرْضُ أَدَّىٰ نُفُوظَ السَّمَاءِ كَمَا رَعَتْ عَلَيْنَا مِثْلَ آبٍ ۖ أَوْ تُنَادِي بِآلِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ قَائِلَاتُ ۖ أَوْ تَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُّعُوفٍ ۖ أَوْ تَرْفَعُ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ بِرُفُوفِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا مِثْلَ نَجْمٍ ۖ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ۖ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۖ (اسراء: ۹۰-۹۳)

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں دلائیں گے حتیٰ کہ آپ زمین سے ہمارے لیے کوئی چٹہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے درمیان آپ بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں یا آپ اپنے قول کے مطابق ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ ہمارے سامنے فرشتوں کو لے آئیں یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گہرہ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چہرے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں آپ کہئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر ہوں اور اللہ کا فرستادہ (رسول)

جب آپ نے ان کے فرمائشی معجزات پیش نہیں کیے تو وہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے آپ کو یہ معجزات نہیں دیے تو آپ اپنی طرف سے یہ معجزات کیوں نہیں پیش کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے کہ میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اللہ سے کوئی مطالبہ یا فرمائش کروں، اللہ تعالیٰ از خود جو چاہتا ہے میرے ہاتھ سے نشانی یا معجزہ صادر فرماتا ہے۔ اور ان کے فرمائشی معجزات کو پیش نہ کرنا اسلام کی تبلیغ، ہدایت اور میری نبوت کے اثبات کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے اور اس کا معجز ہونا بالکل ظاہر ہے، اور جو واقعی ہدایت کا طالب ہو اس کے لیے تو یہ قرآن ہی کافی ہے اور جس نے خواہ مخواہ کی حجت بازی کرنا ہو اس کے لیے سینکڑوں دلائل بھی ماکفی ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت تو علمی اور عقلی اعتبار سے ہے۔ نبی ﷺ نے بہ کثرت حسی دلائل بھی پیش کیے جن کو دیکھ کر بغیر غور و فکر کے ہدایت آپ کا وحی نبوت میں صادق ہونا

خبیان القرآن

ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ نے چاند کے وہ ٹکڑے کیے "آپ کی دعا سے ڈوبا ہوا سورج طلوع ہو گیا" پھر نے آپ کو سلام کیا "درخت اور اس کے خوشے آپ کے حکم پر چل کر آئے" مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا "کئی بار آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا اور کتنی مرتبہ کم کھلا بہت زیادہ آدمیوں کے لیے کافی ہو گیا۔ اس طرح کے اور بہت معجزات ہیں "لن تمام معجزات کو دیکھنے کے بلوجود سرکش اور ضدی کفار ایمان نہیں لائے" چونکہ یہ لوگ طلب ہدایت کے لیے نہیں بلکہ محض حجت بازی اور ضد بحث کے طور پر معجزات کو طلب کرتے تھے اس لیے ان کے فرمائشی معجزات پیش نہیں کیے گئے۔ نیز سابقہ امتوں میں کفار نے فرمائشی معجزات طلب کیے اور معجزات دکھائے جانے کے بلوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان پر آسمانی عذاب آیا "اب اگر ان کے فرمائشی معجزات پیش کر دیے جاتے اور پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب آنا چاہیے تھا۔ طلائعہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ
اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ
(الانفال: ۳۳) آپ ان میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○
(الاعراف: ۲۰۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی تھی کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کو غور سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔
قرآن مجید پڑھنے کے آداب

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں:

قلوٹی میں نہ کور ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ بہترین کپڑے پہنے، عمامہ باندھے اور قبلہ کی طرف منہ کرے، اسی طرح عالم پر علم کی تعظیم واجب ہے۔ گرمیوں میں صبح کے وقت قرآن مجید کو ختم کرے اور سردیوں میں اول شب میں۔ اگر وہ قرآن مجید پڑھنے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور اس کو ریاکاری کا خدشہ ہو تو اس وجہ سے قرآن کریم پڑھنے اور نماز پڑھنے کو ترک نہ کرے، اسی طرح باقی فرائض کو بھی خوف ریاکی وجہ سے ترک نہ کرے۔ لیٹ کر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قرائت کے وقت اپنی انگلیں ملائے۔ کسی شخص نے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد کیا ہو پھر اس کو باقی قرآن مجید یاد کرنے کی فرصت مل جائے تو نقلی نماز پڑھنے سے قرآن مجید کو یاد کرنا افضل ہے اور نقد کا علم حاصل کرنا باقی قرآن مجید کے حفظ کرنے سے افضل ہے اور بغیر علم کے زہد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن مجید خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲، خلاصۃ التتاریج ج ۱، ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ ایراجیم بن محمد حلبی متوفی ۵۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی جتنی مقدار سے نماز جائز ہوتی ہے قرآن مجید کی اتنی مقدار کو حفظ کرنا ہر ملک پر فرض عین ہے۔ اور سورہ فاتحہ کو اور کسی ایک سورت کو حفظ کرنا واجب ہے اور پورے قرآن کو حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور سخت عین پڑھنا نقل پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن مجید کو مصحف سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کے مصحف کو دیکھنے اور قرآن مجید کو پڑھنے

دونوں عبادتوں کو جمع کرنا ہے اور با وضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اچھے کپڑے پہن کر تعظیم اور اکرام کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا مستحب ہے۔ قرات سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے۔ اعوذ باللہ ایک بار پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ قرات کے دوران کوئی دنیاوی کام نہ کرے حتیٰ کہ اگر اس نے سلام کا جوہ دیا یا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہا تو اعوذ باللہ کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ فتویٰ الحجہ میں مذکور ہے اور النوازل میں مذکور ہے کہ محمد بن مقاتل سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے سورہ توبہ کو بغیر بسم اللہ پڑھے پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے کہا اس نے خطا کی۔ علامہ سمرقندی نے کہا سورہ توبہ کو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر پڑھنا شروع کرے اور یہ قول قراء کی تصریح کے مخالف ہے انہوں نے کہا سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ کو اس لیے نہیں لکھا کہ بسم اللہ امن ہے اور سورہ توبہ رفع امن کے لیے ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ بتا دیتے تھے کہ اس کو فلاں جگہ رکھو اور رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور آپ نے سورہ توبہ کا مقام نہیں بتایا اور میں نے دیکھا کہ اس کا قصہ الانفل کے قصہ کے مشابہ ہے کیونکہ الانفل میں عہود کا ذکر ہے اور اس میں رفع العہود کا ذکر ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں صحابہ کا اختلاف تھا بعض نے کہا الانفل اور براءۃ (توبہ) ایک سورت ہیں جو قتل کے لیے نازل ہوئیں اور بعض نے کہا یہ الگ الگ سورتیں ہیں اس لیے ان کے درمیان فاصلہ کو رکھا گیا اور بسم اللہ کو نہیں لکھا گیا۔ لہٰذا یہ ہے کہ چالیس دن میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا جائے دوسرا قول یہ ہے کہ سال میں دو بار قرآن مجید ختم کیا جائے امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جس نے سال میں دو بار قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کرے البتہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہ کرے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۴۹)

بستر لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ سنن ترمذی میں شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بستر لیٹ کر قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس کی ہر موذی چیز سے حفاظت کرتا ہے البتہ ادباً مانگیں ملانے، غسل خانہ میں اور مواضع نجاست میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۳، ص ۵۶۰، مطبوعہ بیروت، غیتہ المستملی، ص ۳۹۷-۳۹۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۱۳ھ)

قرآن مجید سننے کا حکم آیا نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا خارج از نماز کو بھی شامل ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے بعض بعض کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے کہ سلام علی فلاں سلام علی فلاں۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔

بشیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے لوگوں کو امام کے ساتھ نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا ابھی تک تمہاری سمجھ داری کا وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

یہ حدیث فقہاء احناف کی دلیل ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی چاہیے۔ اس حدیث کو امام ابن جریر کے

علاوہ امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، رقم الحدیث: ۸۷۳۰)

ان کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۱۷۱، ۱۷۲، الدر المنثور ج ۳، ص ۶۳۵)

طلحہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک داعی وعظ کر رہا تھا اور عبید بن جریج اور عطاء بن ابی رباح باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا آپ دونوں وعظ نہیں سن رہے اور وعید کے مستحق ہو رہے ہیں ان دونوں نے میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی فصاحت دہرائی انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے جب میں نے تیسری بار کہا تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا یہ حکم صرف نماز کے متعلق ہے۔

مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی روایت ہے کہ قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم اس وقت ہے جب قرآن مجید کو نماز میں پڑھا جائے۔

حضرت ابن عباس، ابراہیم نخعی، عامر قلوہ، ابن زید اور زہری سے بھی یہی مودی ہے کہ یہ حکم نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ صحابہ نے کما نماز کے علاوہ تلاوت کے دوران قرات میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نماز کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت نفل ہے خواہ وعظ میں ہو اس تلاوت کے دوران خاموش رہنا فرض نہیں ہے۔

مجاہد اور عطاء بن ابی رباح سے یہ روایت بھی ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سننے اور خاموش رہنے کا حکم نماز اور خطبہ میں ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم جمعہ کے خطبہ کے متعلق ہے۔ نیز مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ کے متعلق ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ دو وقتوں میں خاموش رہنا واجب ہے جب امام نماز میں قرآن پڑھ رہا ہو یا وہ خطبہ دے رہا ہو۔

حسن بصری، سعید بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح سے بھی یہ روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ دونوں کے متعلق ہے۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۲۴۰-۲۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید کی اس ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کو خواہ نماز میں پڑھا جائے یا خطبہ اور وعظ میں یا اس کی عام تلاوت کی جائے ہر صورت میں قرآن مجید جب پڑھا جائے تو اس کا سننا فرض ہے اور تلاوت اور قرات کے وقت خاموش رہنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد سننی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرات کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا لازم ہے خواہ یہ قرات نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔

آیا قرآن مجید سننا فرض عین ہے یا فرض کفایہ

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پہلو میں دوسرا شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور فقہ میں مشغول شخص کے لیے قرآن مجید سننا ممکن نہ ہو تو نہ سننے والے کا کلام قرآن مجید پڑھنے والے کو ہو گا اسی اصل پر اگر کوئی شخص رات کو چھت پر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ شخص گنہگار ہو گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳، ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شاہی حنفی متوفی ۵۲۲ھ لکھتے ہیں:

نماز اور خارج نماز میں قرآن مجید کو سننا مطلقاً واجب ہے، کیونکہ یہ آیت ہر چند کہ نماز کے متعلق وارد ہے، لیکن اعتبار خصوصیت سبب کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو۔ تب میں مذکور ہے کہ گھر میں پڑھ کر قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام کاج میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے اس کے پڑھنے سے پہلے کام شروع کیا ہو، ورنہ وہ معذور نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد علامہ شامی نے خلاصۃ القول کی عبارت نقل کی ہے کہ اگر فقہ میں مشغول شخص کے پاس کوئی قرآن پڑھے یا رات کو بچت پر پڑھے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو ان کے نہ سننے کا گناہ پڑھنے والے پر ہوگا کیونکہ ان کے نہ سننے کا سبب پڑھنے والا ہے۔ یا وہ سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کر کے اذیت پہنچا رہا ہے، اس میں غور کرنا چاہیے، اور شرح النبیہ میں یہ مذکور ہے کہ اصل میں قرآن کریم کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کی تلاوت کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض کے خاموش ہو جانے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے، جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے تاکہ مسلمان کے حق کی رعایت ہو اور بعض کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے اور باقی مسلمانوں سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ قرآن کریم پڑھنے والے پر اس کا احترام کرنا واجب ہے بایں طور کہ وہ بازاروں میں قرآن مجید نہ پڑھے اور نہ ان مقالمات پر قرآن کریم پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور اگر اس نے وہاں پڑھا تو قرآن مجید کی حرمت کو ضائع کرنے والا وہی شخص ہوگا، سو وہی گناہ گار ہوگا نہ کہ مشغول لوگ، تاکہ لوگوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں حرج نہ ہو۔ (غنیۃ المستمل ص ۷۷، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۳ھ) قاضی القضاۃ یحییٰ منقاری زاہد نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۶-۳۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد طحاوی حنفی متوفی ۷۳۱ھ نے غنیۃ المستمل کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے۔

(حاشیۃ الطحاوی علی الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ایراجیم حلبی صاحب غنیۃ المستمل متوفی ۷۵۶ھ نے قرآن مجید سننے کے حکم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور علامہ شامی اور علامہ طحاوی نے ان کی ابتلع کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لیے آسانی ہے، لیکن ان کی دلیل دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ انہوں نے قرآن مجید سننے کے حکم کو سلام کا جواب دینے کے حکم پر قیاس کیا ہے حالانکہ سلام کا جواب دینے کا حکم خبر واحد سے ثابت ہے اور اس کا جواب غنی ہے اور قرآن مجید سننے کا حکم خود قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت قطعی ہے، سو یہ اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرنا ہے، اور ثانیاً اس لیے کہ سلام کا جواب دینے میں مسلمان کے حق کی رعایت ہے اور قرآن مجید سننے میں اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے میں اللہ کے کلام کے حق کی رعایت ہے اور اللہ کے کلام کے حق کی رعایت بندہ کے حق کی رعایت سے کئی درجہ افضل ہے۔ نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک محفل میں تلاوت کی جارہی ہو اور ایک آدمی خاموش ہو کر سنے اور باقی شرکاء محفل تلاوت کی طرف توجہ نہ کریں اور آپس میں باتیں کرتے رہیں تو یہ امر جائز ہو حالانکہ اس میں قرآن مجید کی صریح بے حرمتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک قاضی منقاری زاہد کا یہ قول صحیح ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

قرآن مجید سننے کے حکم میں مذاہب فقہاء

اس سلسلہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف میں سے علامہ منقاری زاہد کے نزدیک قرآن مجید سننا فرض عین ہے اور یہی صحیح ہے اور علامہ حلبی کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

امام مالک کے نزدیک قرآن مجید نماز میں پڑھا جائے یا خارج از نماز اس کا سننا واجب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ وادافراء فانصتوا (صحیح مسلم رقم الحديث ۴۰۳) جب امام قرائت کرے تو خاموش رہو حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۵۷۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام مالک کی اور ان فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب امام بلند آواز سے قرائت کرے تو مقتدی قرائت نہ کرے اور امام دار قطنی کا اس حدیث پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر حفاظ کا اجماع نہیں ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ (المفسر ج ۲، ص ۲۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی قرآن مجید کا سننا فرض ہے کیونکہ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وادافراء القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف: ۲۰۳) اور حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قرائت کی تھی۔ پھر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی تھی؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں نے قرائت کی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب ہی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے قرآن پڑھنے میں دشواری کیوں ہو رہی ہے۔ پھر لوگ ان نمازوں میں قرائت کرنے سے رک گئے جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قرائت کرتے تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا۔

(الموطا رقم الحديث ۱۸۳، سنن الترمذی رقم الحديث ۹۸، سنن ابوداؤد رقم الحديث ۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث ۳۳۸-۳۳۹، مسند

احمد ج ۲، ص ۲۸۷، ۲۳۰، ج ۵، ص ۳۳۵، الکافی ج ۱، ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے۔ قاضی عبد اللہ بن عربی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے ظاہر الفاظ کا اقتضایہ ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مطلقاً واجب ہو اور علامۃ العلماء کے نزدیک خارج از نماز قرآن مجید کا سننا مستحب ہے اور جو علماء امام کے پیچھے مقتدی کی قرائت کو واجب نہیں کہتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور یہ استدلال ضعیف ہے۔ (انوار الحریل واسرار الملوئل مع حاشیہ انکار دلی ج ۳، ص ۸۶)

ڈاکٹر وجہ زحلی مصری لکھتے ہیں:

جن محفلوں میں قرآن مجید کی قرائت کی جائے ان میں قرآن کریم سننے اور خاموش رہنے کو ترک کرنا بہت سخت مکروہ ہے۔ مومن پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس کے سننے پر حرص ہو جیسا کہ وہ مجلس میں قرآن مجید کی تلاوت پر حرص ہوتا ہے۔ (التفسیر المنیر ج ۹، ص ۲۲۹-۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۴ھ)

صحیح یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کا سننا اور خاموش رہنا ہر حال میں اور ہر کیفیت میں واجب ہے خواہ نماز ہو یا غیر نماز ہو۔ (التفسیر المنیر ج ۹، ص ۲۳۲، مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب کی کسی ایک آیت کو بھی غور سے سنا اس کے لیے دینی چوگنی نیکی لکھی جائے گی اور جس نے اس آیت کی تلاوت کی وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور

ہوگی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۱، مسند احمد ج ۸، رقم الحديث: ۸۴۷۵، طبع قاہرہ، الجامع الصغير رقم الحديث: ۸۴۲۵)

امام کے پیچھے قرآن سننے میں مذہب اربعہ

امام ابو الخلیفہ ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازی الشافعی المتوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

آیا مقتدی پر بھی سورہ فاتحہ کی قرائت واجب ہے اس میں غور کیا جائے گا اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں آہستہ قرائت کی جاتی ہے تو مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قرائت واجب ہے اور اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں بلند آواز سے قرائت کی جاتی ہے تو اس میں دو قول ہیں کتاب اللام اور ابو حلیٰ میں مذکور ہے کہ اس میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی آپ پر قرائت دشوار ہو گئی، آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرائت کر رہے تھے، ہم نے کہا اللہ کی قسم ہیں ہم ایسا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے سوا ایسا نہ کیا کرو کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، اور امام شافعی کا قیام قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قرائت کی تھی آپ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی تھی، ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا (تبھی) میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری تلاوت میں دشواری کیوں ہو رہی ہے، جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قرائت کرتے تھے ان نمازوں میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرائت کرنا ترک کر دیا۔ (المذنب ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں

علامہ شمس الدین محمد بن منیع المقدسی الحنبلی المتوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

اثرم نے نقل کیا ہے کہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، ابن الزاغوانی نے شرح الخرقی میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور ہمارے اکثر اصحاب اس کے وجوب کو نہیں پہچانتے، اس کو نوادر میں نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس نماز میں آہستہ قرائت ہوتی ہے اس میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے۔ ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ ہر رکعت میں جب امام بلند آواز سے قرائت کرے تو مقتدی اس کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور انہوں نے کہا کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کفایت کرے گا اور سری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اور سکنت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(کتاب الفروع ج ۱، ص ۲۴۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۷۴۰ھ نے لکھا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (الاعراف: ۲۰۴)

(الکافی ج ۱، ص ۲۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن علی الخرشنی المالکی المتوفی ۷۸۱ھ لکھتے ہیں:

فرض نماز اور نفل نماز میں امام پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے امام کی قرائت مقتدی کی قرائت ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ البتہ سری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

(حاشیہ الخرشنی علی مختصر سیدی قطیب ج ۱، ص ۲۶۹، مطبوعہ دار صادر بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک نماز سری ہو یا جہری امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: ۳۰۳) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور جن نمازوں میں آہستہ قرائت کی جاتی ہے ان میں اگرچہ سنا ممکن نہیں ہے لیکن خاموش رہنا ممکن ہے۔ پس اس سے ظاہر نص کے اعتبار سے ان نمازوں میں خاموش رہنا واجب ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے امام کے پیچھے قرائت کرنے کو ترک کر دیا اور ان کے امام رسول اللہ ﷺ تھے۔ پس ظاہر ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے امر سے قرائت کو ترک کیا تھا اور حدیث مشہور میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے امام کو اس لیے امام بتایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف نہ کرو جب وہ تکبیر پڑھے تو تم تکبیر پڑھو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اس حدیث میں امام کی قرائت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳)

ہمارے نزدیک بغیر قرات کے کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی اور مقتدی کی نماز بغیر قرات کے نہیں ہے بلکہ یہ نماز قرات کے ساتھ ہے اور وہ امام کی قرات ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات اس شخص کی قرات ہے۔

(ابہ حدیث حضرت جابرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت انسؓ اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۵۰، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۸، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۸۹، رقم الحدیث: ۱۰۹۵، طبع جدید، زاد المعاد ابو میری ج ۲ ص ۳۳۳، رقم الحدیث: ۳۳۰، المعجم الاوسط ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۷۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۷۹۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۹۰-۱۹۱، کمال ابن عدی ج ۱ ص ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷، کتاب الاکار امام محمد ص ۱، کتاب الآثار لابن یوسف ص ۲۳، رقم الحدیث: ۳۳، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۲۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے اس لیے تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن نصیرہ ہے اور اسی (۸۰) کبار صحابہ سے امام کے پیچھے قرات کی ممانعت منقول ہے جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں اور کئی صحابہ سے یہ منقول ہے کہ امام کے پیچھے قرات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرات کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام کے پیچھے قرات نہ کرنے کے متعلق احادیث

مبلغ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال کیا جا تا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قرات کرے تو وہ فرماتے جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کے لیے کلنی ہے۔ اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو قرات کرے۔ مبلغ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرات نہیں کرتے تھے۔ (یہ صحیح حدیث ہے)

(الموطا رقم الحدیث: ۱۹۳، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۳۸۸، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۶۱، مواطا امام محمد ص ۹۳، شرح معانی

الآثار ص ۱۲۹)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرائت کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں صرف ایک شغل ہے اور تمہیں امام کی قرات کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرات کرتا ہے کاش اس کے منہ میں مٹی بھری جاتی۔

عبد اللہ بن مسعود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرات نہ کرو۔

ابو حمزہ نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کیا وہ امام کے پیچھے قرات کریں، حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۲۹، مطبوعہ مجتہبی پاکستان لاہور)

حافظ شلب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن مسعود سے امام کے پیچھے قرات کی ممانعت ثابت ہے اور حضرت ابو سعیدؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباس سے بھی روایات وارد ہیں۔

(الدرایہ مع اللہ ایہ الاولین ص ۱۳۱، مطبوعہ مکتبہ شرکت ملیہ لبنان)

جریر از سلیمان از قلادہ از حضرت عبداللہ بن مسعود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرات کرے تو خاموش رہو۔ (امام مسلم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

(صحیح مسلم ص ۶۳، (۳۰۳) ۸۸۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۷۳-۹۷۲)

ان احادیث کے علاوہ ہم متعدد حوالہ جات کے ساتھ یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات ہی اس کی قرات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۲۰۵)

ذکر خفی کی فضیلت

اس آیت میں یا تو خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ کو خطاب ہے یا اس سے ہر سننے والا مخاطب مراد ہے، اس آیت میں دل سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے یا آہستہ اور پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ ایک جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ ایک پشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(صحیح مسلم الذکر ۲۱، ۲۶۷، ۶۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۳، طبع قدیم، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۸۶۳۵، طبع قاہرہ)

آہستہ آہستہ ذکر کرنے یا دل میں ذکر کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ذکر کرنا اخلاص کے زیادہ قریب ہے اور اس کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔ اور ذکر فی نفسہ سے مراد یہ ہے کہ جن اذکار کا وہ زبان سے ذکر کر رہا ہے ان کے معانی سے واقف ہو، اور اس کا دل ذکر کے معانی کی طرف متوجہ ہو اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت میں ڈوبا ہوا ہو، کیونکہ اگر وہ خالی زبان

تہیان القرآن

جلد چہارم

سے ذکر کرے اور دل اس کے معنی کے تصور اس کی یاد اور خضوع اور خشوع سے خالی ہو تو وہ ذکر بے سود ہے بلکہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایسے ذکر سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ معتدل آواز کے ساتھ جہاں ذکر ممنوع نہیں ہے

دون الحھر من القول زبان سے آواز بلند کیے بغیر اس کا معنی ہے چلا چلا کر ذکر نہ کیا جائے یا گلا پھاڑ کر ذکر نہ کیا جائے جیسے کوئی شخص ہرے سے بات کر رہا ہو یا کسی دودھ کھڑے ہوئے آدمی سے چلا کر بات کر رہا ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے مسلمان بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ جزی کر دو تم کسی ہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم سننے والے اور قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے پھر آپ نے فرمایا در آنھا یکہ میں آپ کے پیچھے تھا اور میں کہتا ہوں لا حول ولا قوۃ الا باللہ گناہوں سے بچنا اور نیکی کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے پھر فرمایا اے عبد اللہ بن قیس! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی رہنمائی نہ کروں میں نے عرض کیا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کو لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۹، صحیح مسلم ذکر ۳۴ (۲۷۰۳) ۶۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۸، ۵۲۷، ۵۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۷، مسند احمد ج ۳، ص ۳۴۳، ۳۴۴)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ آپ نے گلا پھاڑ کر اور چلا چلا کر ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اور یہ حدیث معتدل آواز کے ساتھ ذکر باہر کے ملتی نہیں ہے۔

ذکر کے لیے صبح اور شام کے اوقات کی تخصیص کی حکمت

صبح اور شام کے اوقات کو ذکر کے ساتھ خاص فرمایا ہے، یوں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے اور کسی وقت اس کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیے لیکن ان اوقات کی خصوصیت یہ ہے کہ صبح کے وقت انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے اور نیند بہ منزلہ موت ہے اور بیداری بہ منزلہ حیات ہے اور اس وقت جہاں بھی غفلت سے نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اس لیے اس وقت میں اس خاص نعمت پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور شام کا وقت جو بہ منزلہ موت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ موت کے بعد ہی انسان اخروی نعمتوں سے ہم کنار ہوتا ہے نیز ان اوقات میں انسان پر سکون ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بہت مناسب اوقات ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فجر کے وقت رات کے فرشتے جا رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے آ رہے ہوتے ہیں تو دونوں فرشتے اس کے ذکر کو لکھ لیں گے اور اسی طرح شام کے وقت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں (الاعراف: ۲۰۶)

فرشتوں کی کثرت عبادت سے انسان کو عبادت پر ابھارنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی تلقین کی تھی اور دامن ذکر کرنے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کے محرکات اور بواعث کو مزید تقویت دی ہے اور فرمایا جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے بہت کرم اور مشرف ہیں وہ ظاہر اور معصوم ہیں وہ شہوت اور غضب کے محرکات سے بری ہیں اور کینہ اور حسد کے بواعث سے منزہ ہیں ان اوصاف اور کمالات کے بلوجود جب وہ دامن اللہ عزوجل

کی عبادت کرتے ہیں اور خضوع اور خشوع سے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انسان جو کہ جسمانی طاقتوں اور بشری کمالات کا مرقع ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کی آماجگاہ ہے تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرے۔ فرشتوں کی اطاعت اور عبادت کے متعلق قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم: ۴)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی کرتے ہیں جس کا نہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ إِلَّا مَقَامَ تَعْلُومٍ ۖ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ۖ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ (الصفت: ۲۱-۲۳)

اور ہم (فرشتوں) میں سے ہر ایک کے لیے اس کے قیام کی جگہ مقرر ہے ۖ اور بے شک ہم ہی صف باندھنے والے ہیں ۖ اور بے شک ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔

وَقَرَى الْمَلَائِكَةُ حَامِلِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (الرمرمہ: ۷)

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش الہی کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہوں گے۔

فرشتوں کی کثرت عبادت ان کی انضیلت کو مستلزم نہیں

قرآن مجید کی اس آیت میں فرشتوں کی طہارت اور عصمت اور قدر و منزلت کے باوجود ان کی اطاعت اور عبادت کو بیان کر کے عام مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت اور عبادت پر براہِ گنجینہ فرمایا ہے۔ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرشتے انبیاءِ عظیم السلام سے افضل ہیں کیونکہ ان آیات میں خطاب عام مسلمانوں کی طرف متوجہ ہے اور جہاں تک انضیلت کا تعلق ہے تو ہمارے مشکلمین نے تصریح کی ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عبادت البشر سے افضل ہیں اور عبادت البشر (نیک مسلمان) عبادت الملائکہ سے افضل ہیں اور جہاں تک فرشتوں کی کثرت عبادت اور اطاعت کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں رکھا گیا اور ان میں بھوک اور پیاس اور دیگر انسانی اور بشری تقاضے نہیں رکھے گئے اور ان کو اطاعت اور عبادت سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی چیز نہیں، نہ ان پر کسی کی کفالت کی ذمہ داری ہے اور انسان کے ساتھ یہ تمام عوارض ہیں سو ان عوارض اور ان تقاضوں کے باوجود انسان کا گناہوں سے رکنا اور اللہ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے جو ان عوارض اور موانع کے بغیر عبادت کرتے ہیں۔

حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے ولہ یسجدون کا تعارض اور اس کے جوابات

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور فرشتے اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے ملائکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا امام رازی نے امام غزالی سے اس سوال کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور آسمان کے عظیم فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے اثبات اور نفی کے محل الگ الگ ہیں۔ پھر امام رازی نے خود اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نفی عموم ہے اور حضرت آدم کے قصہ میں خاص فرشتوں کے سجدہ کا ذکر ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۴۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

امام غزالی اور امام رازی کی عظمتیں مسلم ہیں لیکن میرے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سجدہ عبودیت کی نفی ہے یعنی فرشتے اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا سجدہ نہیں کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم

سے سجدہ تعظیم کیا تھا اور اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت آدم کو صرف زمین کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا جبکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ فـسـجـد المـلـائـکـة کلہـم اجمعون الا ابلیس (البقرہ: ۳۰) تو ابلیس کے سوا سب کے سب فرشتوں کے اکتھے ہو کر آدم کو سجدہ کیا نیز البقرہ: ۳۳ کی تفسیر میں خود امام رازی نے یہ تصریح کی ہے کہ اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ سورۃ الحجر کی آیت میں جمع کا صیغہ ہے پھر اس کو کل اور اجمعون کی تاکیدات سے موکد کیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صرف ابلیس کا استثناء کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ البتہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ صرف زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور انہوں نے اس کو مستبعد جانا کہ اکثر ملائکہ کو حضرت آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس لیے محفوظ جواب یہی ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ تعظیم ادا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فرشتے سجدہ عبادت نہیں کرتے اور سیاق کلام بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین کی جا رہی ہے کہ فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت نہیں کرتے۔

سجدہ تلاوت کی تحقیق

سورۃ الاعراف کی یہ آخری آیت ہے اور قرآن مجید میں یہ پہلی آیت سجدہ ہے اور آخری آیت سجدہ سورۃ العلق کی آخری آیت ہے واسجد واقرب (العلق: ۱۹) آیات سجدہ کے متعلق فقہاء کے دو قسم کے اختلاف ہیں ایک اختلاف اس میں ہے کہ آیت سجدہ کا حکم کیا ہے آیا اس آیت کو پڑھنے یا سننے کے بعد اس آیت پر سجدہ کرنا سنت ہے یا واجب؟ اور دوسرا اختلاف آیات سجدہ کی تعداد میں ہے۔ ہم پہلے آیات سجدہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف بیان کریں گے اور پھر ان کی تعداد میں فقہاء کے مذاہب بیان کریں گے۔

سجدہ تلاوت کے حکم میں مذاہب فقہاء

امام مالک بن انس ابھی متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر کے اوپر سجدہ کی آیت تلاوت کی پھر منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا دوسرے جمعہ کو پھر اس آیت کو پڑھا تو مسلمان سجدہ کے لیے تیار ہوئے حضرت عمر نے کہا اپنی جگہ بیٹھے رہو بے شک اللہ نے ہم پر اس سجدہ کو فرض نہیں کیا مگر یہ کہ ہم سجدہ کرنا چاہیں پھر حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا اور لوگوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔ (سوالام مالک رقم الحدیث: ۳۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو اہنہ ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اس کو غور سے سننے والے دونوں کے لیے سجدہ تلاوت مشروع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور جب سجدہ کی آیت سے گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے اور اگر قرآن پڑھنے والا سجدہ تلاوت ادا نہ کرے تو اس کو غور سے سننے والا سجدہ کرے کیونکہ سجدہ دونوں کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ایک کے سجدہ ترک کرنے کی وجہ سے دوسرا سجدہ کو ترک نہ کرے اور جس شخص نے کسی شخص سے تلاوت سنی لیکن وہ اس کو غور سے نہیں سنا رہا تھا (آیت سجدہ کی طرف متوجہ نہ تھا) تو اس کے متعلق امام شافعی نے کہا میں اس پر سجدہ کرنے کی ایسی تاکید نہیں کرتا جیسے میں غور سے سننے والے کو سجدہ

کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو غور سے
سنے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو اس کے لیے بیٹھے۔ اور سجدہ تلاوت کرنا سنت ہے واجب
نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم میں سے
کسی شخص نے سجدہ نہیں کیا۔ (المذہب ج ۱، ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متونی ۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم
میں سے کسی نے بھی سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور حضرت عمر نے کہا اے لوگو! ہم آیات سجدہ کے ساتھ گزرتے تھے
تو جو سجدہ کر لیتا وہ درست کرتا اور جو سجدہ نہیں کرتا اس پر کوئی گناہ نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا۔

(الکافی ج ۱، ص ۲۷۲-۲۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علی بن ابی بکر الرضی عنہ نقلی متونی ۳۵۷ھ لکھتے ہیں:

تلاوت کرنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ تلاوت لو! اگر واجب ہے خواہ اس نے سننے کا قصد کیا ہو یا نہیں۔ کیونکہ نبی
ﷺ کا ارشاد ہے: سجدہ اس پر ہے جو اس کو سننے اور جو اس کی تلاوت کرے "لفظ" علی وجوب کے لیے آتا ہے اور حدیث میں
قصد کی قید نہیں ہے۔ (بدلیہ اولین ص ۱۳۳، مطبوعہ شرکہ مطبعہ ملکن)

علامہ الرضی عنہ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول
ہے۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المصنفی المتونی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سجدہ صرف اس شخص پر ہے جو آیت سجدہ کو سنتا ہے۔

(المصنف ج ۲، ص ۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

مفسر نے بیان کیا کہ ابراہیم نخعی، یحییٰ بن یزید اور سعید بن جبیر نے یہ کہا کہ جس شخص نے آیت سجدہ کو سنا اس پر سجدہ کرنا لازم
ہے۔ (المصنف ج ۲، ص ۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

سجدہ تلاوت کے وجوب پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان آیات سے بھی استدلال کیا ہے:

وَادْعَاهُمْ عَلَىٰ هُمْ الْقُرْآنَ لَا تَسْمَعُونَ
اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

(الانشقاق: ۳)

اس آیت میں سجدہ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے اور مذمت واجب کے ترک کرنے پر ہوتی ہے۔

فَاسْمَعُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا (النجم: ۳) پس اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

وَاسْمَعُوا اقْتَرَبَ (العلق) آپ سجدہ کریں اور (ہم سے) قریب ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں سجدہ کا امر کیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے سو ان آیات سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت ادا کرنا
واجب ہے۔

سجدہ تلاوت کی تعداد میں مذاہب فقہاء

امام مالک بن انس اصبحی متونی ۱۷۹ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عزائم سجود القرآن گیارہ سجدے ہیں ان میں سے متصل (الجزات سے آخر قرآن تک) میں کوئی سجدہ نہیں

تبيين القرآن

جلد چہارم

ہے۔ (یعنی النعم، الاشفاق اور العلق کے سجدات)۔ (ملفوظات، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ)

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف ہاشمی مالکی متوفی ۳۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے جمہور اصحاب کا یہی مذہب ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اور ابن وہب نے کہا عزائم سجود القرآن چودہ سجدے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا عزائم السجود پندرہ سجدے ہیں انہوں نے سورہ حج کا دو سرا سجدہ بھی شامل کر لیا۔

(المستطی ج ۱، ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ الحروف ہاشمی مالکی متوفی ۵۳۳ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں پندرہ سجدے ہیں۔ پہلا سجدہ سورۃ الاعراف کی آخری آیت میں ہے ولہ یسجدون (الاعراف: ۲۰۶) دو سرا سجدہ وظلالہم بالغدو والاصال (الرعد: ۱۵) تیسرا سجدہ ویفعلون ما یأمرون (التہل: ۵۰) چوتھا سجدہ ویزیدہم خشوعا (بنی اسرائیل: ۱۰۹) پانچواں سجدہ حررا سجدوا ویکبوا (مریم: ۵۸) چھٹا سجدہ یفعل ما یشاء (الحج: ۱۸) ساتواں سجدہ تفلحون (الحج: ۷۷) آٹھواں سجدہ نفورا (الفرحان: ۲۰) نویں سجدہ رب العرش العظیم (التہل: ۲۶) دسواں سجدہ وہم لا یستکبرون (السجدہ: ۱۵) گیارہواں سجدہ حررا کعبا واناب (ص: ۲۳) بارہواں سجدہ ان کسبہم ایماء یسجدون (م السجدہ: ۱۵) تیرہواں سجدہ واعبدوا (النجم: ۳۷) چودھواں سجدہ لا یسجدون (الاشقاق: ۲۱) پندرہواں سجدہ واسجدوا اقترب (العلق: ۱۸)۔ (احکام القرآن ج ۳، ص ۳۶۸-۳۶۹، دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۰۸ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ سجدات لتکون چودہ سجدے ہیں (علامہ ابن العربی مالکی کے حوالے سے جو ہم نے پندرہ آیات سجدہ ذکر کی ہیں ان میں سورۃ ص ۲۳ کے علاوہ باقی دی آیات سجدہ ہیں) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن مجید میں پندرہ سجدوں کی تعلیم دی۔ ان میں سے تین مفصل میں ہیں دو سج میں ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ سجود ثلاث گیارہ سجدے ہیں۔ اور انہوں نے مفصل کے تین سجدے ساقط کر دیے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی آپ نے مفصل کی کسی آیت پر سجدہ نہیں کیا۔ (مفصل کے سجدات سے مراد النعم، الاشفاق اور العلق کے سجدات ہیں)

(المذنب ج ۱، ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی ضلی متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

سجدات القرآن چودہ سجدے ہیں (سورہ ص کے سجدہ کے علاوہ باقی مذکورہ سجدات) ان میں سے دو سجدے الحج میں ہیں اور تین مفصل میں ہیں۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ پندرہ سجدے ہیں ان میں سے ایک ص کا سجدہ ہے کیونکہ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پندرہ سجدوں کی تعلیم دی ان میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سجدہ الحج میں ہیں۔ (سنن ابوداؤد) اور صحیح یہ ہے کہ سورہ ص کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ ص عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

تمام آیات سجدات اجمال سے ثابت ہیں سوائے مفصل کے سجدات کے اور الحج کے دو سرے سجدہ کے اور یہ سجدے حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ثابت ہیں اور حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا الحج

میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہیں اور جس نے یہ دو سجدے نہیں کیے اس نے ان کو نہیں پڑھا۔ (ابوداؤد)
(الکافی ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسنی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) الاعراف (۲) الرعد (۳) التمل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) الحج کا پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) التمل (۹) الم تزل السجدہ (۱۰) ص (۱۱) حم السجدہ (۱۲) النجم (۱۳) الاشعق (۱۴) اقرء۔ اس کی تعداد میں دیگر فقہاء سے ہمارے تین اختلاف ہیں پہلا اختلاف یہ ہے امام شافعی امام احمد اور بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک سورہ الحج کا دوسرا سجدہ (ارکعوا واسجدوا الحج: ۷۷) بھی سجدہ تلاوت ہے اور ہمارے نزدیک وہ نماز کا سجدہ ہے۔ (جن احادیث سے ان ائمہ نے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہیں۔ فتح القدیر میں تفصیل کے ساتھ ان کی وجہ ضعف بیان کی گئی ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت لیلیٰ بن کعب جرحیہ نے ان سجدات کو شمار کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے اور سورہ الحج کا ایک سجدہ شمار کیا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ تلاوت الحج میں پہلا سجدہ ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے۔ نیز جب سجدہ کا رکوع کے ساتھ ذکر ہو تو اس سے مراد نماز کا سجدہ ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے واسجدی وارکعی۔ (آل عمران: ۴۳)

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ سورہ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ سجدہ شکر ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان جرحیہ نے نماز میں سورہ ص پڑھی اور سجدہ تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ تلاوت کیا صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سجدہ ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اگر یہ سجدہ واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورہ ص پڑھ رہا ہوں جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دو ات اور قلم نے سجدہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم دو ات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حذر ہیں پھر آپ نے اس مجلس میں سورہ ص کو پڑھنے کا حکم دیا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر سجدہ کیا۔ (اس حدیث کا امام ترمذی اور امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور اس میں دو ات اور قلم کی جگہ درخت کا ذکر ہے اور اس میں درخت کی اس دعا کا ذکر ہے اے اللہ! مجھ سے اس سجدہ کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس سجدہ کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹ المستدرک ج ۱ ص ۲۲۰-۲۱۹)

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مفصل (النجم، الاشعق، العلق) میں تین سجدے ہیں اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ ہماری دلیل حضرت عمر بن حصین کی حدیث ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مفصل میں تین سجدے ہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۶-۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حرف آخر

الحمد للہ علی احسانہ آج بہ روز منگل مورخہ ۱۸ شعبان ۱۴۱۹ھ / ۸ نومبر ۱۹۹۸ء کو بعد از نماز ظہر سورۃ الاعراف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اللہ العالمین جس طرح ان سورتوں کی تفسیر کو آپ نے مکمل کر دیا ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کر دیں اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اس کو تاقیام قیامت فیض آفریں رکھیں اس کو موافقین کے لیے باعث استقامت اور مخالفین کے لیے باعث ہدایت بنائیں اور اس کتاب کو اور میری باقی کتابوں کو مخالفین کے شر اور فساد سے محفوظ رکھیں اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرمادیں۔ امین یا رب العالمین بحسبہ

حبيبك سيدنا محمد خاتم النبيين صلوات الله عليه وعلى اله الطاهرين واصحابه
الكاملين وارواحهم امهات المؤمنين والعلماء الراشخين والاولياء العارفين -





سُورَةُ الْاَنْقَالِ

(۸)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الانفال

انفال کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن مختلف اعتبارات کی وجہ سے اس کے معنی مختلف ہیں۔ جہاد میں فتح اور کامیابی کے اعتبار سے اس مال کو غنیمت کہتے ہیں اور یہ لحاظ کیا جائے کہ بغیر وجوب کے ابتداء یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے اس کو نفل کہتے ہیں اور بعض علماء نے غنیمت اور نفل میں عموم اور خصوص کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔ سو جو مال مشقت یا بغیر مشقت کے استحقاق یا بغیر استحقاق کے جہاد میں کامیابی سے پہلے یا اس کے بعد حاصل ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں اور مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے انسان کو جو مال حاصل ہو اس کو نفل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دشمن سے جنگ کے بغیر مسلمانوں کو جو مال فتنے حاصل ہوتا ہے اس کو نفل کہتے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد سامان سے جو چیزیں الگ کر لی جاتی ہیں ان کو نفل کہتے ہیں۔

يَسْتَلُوْكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (الانفال: ۵) لوگ آپ سے الانفال کے حلق سوال کرتے ہیں۔

اس آیت میں الانفال کا یہی آخری معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۲، ص ۶۵۸، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالسطوات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے مال غنیمت (جب ن اور ف پر زیر ہو) اور اس کی جمع انفال ہے۔ اور جب (ف پر جزم ہو) نفل ہو تو اس کا معنی ہے زیادہ۔ امام ابوداؤد حبیب بن مسلمہ جریڈ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ کان ینفل الربیع بعد
الخمیس والثلاث بعد الخمس اذ ارجع۔ رسول اللہ ﷺ فہم نکالنے کے بعد مال غنیمت کا جو تھا
حصہ تقسیم کرتے اور جہاد سے واپسی کے بعد فہم منہا کر کے
تھا حصہ تقسیم فرماتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱، مسند احمد ج ۳، ص ۱۲۰)

نیز امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجد کی طرف ایک لشکر

کے ساتھ روانہ کیا پھر چند مسلمانوں کو بہ طور کمک روانہ کیا۔

فکان سہمان الحبش اثنی عشر بعیرا
اثنی عشر بعیرا و نفل اهل السریة بعیرا
بعیرا و کانت سہمانہم ثلثة عشر ثلثة
عشر۔

اس فکر کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ آپ نے بہ طور کمک آنے والے کو ایک ایک اونٹ زیادہ عطا کیا تو ان کا حصہ تیرہ تیرہ اونٹ ہو گئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۱، الموطا رقم الحدیث: ۹۸۷، مسند احمد ج ۲، ص ۶۲)

احادیث میں نفل اور انفل کا ذکر بہت زیادہ آیا ہے اور بعض عہدات کا نام نوافل رکھا گیا ہے کیونکہ وہ فرائض پر زائد ہوتی ہیں۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یرال العبد یتقرب الی بالنوافل بندہ نوافل کے ذریعہ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲، مسند احمد ج ۲، ص ۶۲)

سورة الانفال کی وجہ تسمیہ

نفل کا معنی مل غنیمت ہے اور کفار سے چھینے ہوئے مسلمان سے جو چیزیں الگ کر لی جاتی ہیں ان کو بھی نفل کہا جاتا ہے اور اس سورت میں نفل کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہو گا۔ اس لیے اس سورت کا نام الانفال رکھا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں ایک کھوار لے کر آیا میں نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو مشرکین سے ٹھنڈا کر دیا ہے آپ یہ کھوار مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ نہ میری ملکیت ہے نہ تمہاری۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید آپ یہ کسی ایسے شخص کو عطا فرمادیں گے جس نے میری طرح مشقت نہ اٹھائی ہوگی پھر تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا تم نے مجھ سے یہ کھوار مانگی تھی اس وقت یہ میری ملکیت میں نہیں تھی اور اب یہ میری ملکیت میں آچکی ہے سوا ب یہ تمہاری ہے۔ اور تب یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال: ۱) یہ (مسلمان) آپ سے مل غنیمت سے زائد چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میرے بھائی عمیرہ کو قتل کر دیا گیا تھا اور میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا تھا میں نے اس کی کھوار پر قبضہ کر لیا اس کھوار کا نام ذاکینہ تھا۔ میں اس کھوار کو نبی ﷺ کے پاس لے کر گیا آپ نے فرمایا اس کھوار کو وہاں جا کر ڈال دو جہاں مل غنیمت کا مسلمان اکٹھا کر کے رکھا گیا ہے۔ میں واپس گیا اور اپنے بھائی کے قتل کیے جانے اور اس کھوار کے لیے جانے سے مجھے اس قدر رنج ہوا تھا جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورة الانفال نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جلا اپنی کھوار لے لو۔

(مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۲۷۰، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۳۷۸۹، سنن کبریٰ ج ۶، ص ۲۹)

اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۳۷۸۹، الدر المنثور ج ۴، ص ۳۰

سورة الانفال کا زمانہ نزول

امام نحاس، امام ابو الشیخ اور امام ابن مردودہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ امام ابن مردود نے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ پوری سورۃ الانفال بدر کے معاملات میں نازل ہوئی ہے۔ غزوہ بدر ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان المبارک میں رونما ہوا اور یہ تحویل قبلہ کے دو ماہ بعد ہوا تھا اور اس کے نزول کی ابتداء بدر سے واپسی سے پہلے ہوئی کیونکہ اس کی پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان بدر میں تھے اور ابھی مل غنیمت کی تقسیم شروع نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۃ الانفال کا مقام اس کی آیتوں کی تعداد اور سبب نزول

یہ سورت سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے سورۃ البقرہ نازل ہوئی پھر آل عمران اور پھر الانفال۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے جو سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ واضح رہے کہ ایک سورت کے بعد دوسری سورت نازل ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ دوسری سورت پہلی سورت کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے بلکہ کئی مرتبہ پہلی سورت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری سورت کا نزول شروع ہو جاتا تھا اور سورۃ البقرہ کے نزول کی تکمیل سے پہلے سورۃ الانفال کا نزول مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ سورۃ الانفال میں صرف ایک قسم کے احکام ہیں یعنی مل غنیمت اور جملہ سے متعلق احکام ہیں۔ اور سورۃ البقرہ میں عبادات اور معاشرتی اور تمدنی مسائل سے متعلق انواع و اقسام کے احکام ہیں۔

جامع بن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال کے نزول سے پہلے انھیں سورۃ تین نازل ہو چکی تھیں اور اس کا نمبر لو اسی ہے۔ اور یہ سورہ آل عمران کے بعد اور سورۃ الاحزاب سے پہلے نازل ہوئی۔ اہل مدینہ اہل مکہ اور اہل یمن کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد پچھتر ہے اور اہل شام کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد ستر ہے۔ اور اہل کوفہ کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد پچتر ہے۔

اس کے نزول کا سبب جنگ بدر کے دن اہل بدر کا مل غنیمت اور انفال میں اختلاف تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بعض صحابہ نے آپ سے انفال کے متعلق سوال کیا تھا جیسا کہ اس کی پہلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

غزوہ بدر کا خلاصہ

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ غزوہ بدر کی پوری تفصیل کتب سیرت میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں ایک کافر عمویہ بن الحضری مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ پر بہت برہمگی کا اظہار کیا اور کہا تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضری کے قتل نے تمام کفار قریش کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا۔ اسی دوران ابو سفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا ہوا تھا ابو سفیان نے وہیں سے کہ خبر بھیج دی۔ کفار قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ کفار قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے دفاع کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدس یہ شہید ہوئے ہیں۔ جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور منادیہ قریش میں سے جو لوگ بملوری اور مردانگی میں نام آور تھے

سب ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابو بکر صغریٰ، زید بن الاسود، عباس بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہم تھے۔ ستر کافر قتل کیے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت کریمانہ سلوک کیا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے تھی کہ ان سے نڈیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر کی رائے کو پسند کیا اور ان سے نڈیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس کی پوری بحث ان شاء اللہ متعلقہ آیات کی تفسیر میں آئے گی۔

غزوہ بدر کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو ابو سفیان کے (مقلد کے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت ابو بکرؓ نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے اعراض کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے دوڑادیں گے، اگر آپ ہمیں برک الخمار تک گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کریں گے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بلایا، لوگ آئے اور وادی بدر میں اترے۔ وہیں قریش کے پانی پلانے والے ملے۔ ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ قام غلام تھا صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے کہا مجھے ابو سفیان کا کوئی پتا نہیں لیکن میں ابو جہل، عقبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ بتایا تو صحابہ نے اس کو بیٹھا شروع کیا۔ اس نے کہا اچھا میں تمہیں ابو سفیان کے متعلق بتاتا ہوں، جب انہوں نے اس کو چھوڑ کر ابو سفیان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا مجھے ابو سفیان کا کوئی پتا نہیں لیکن میں لوگوں میں ابو جہل، عقبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے پھر مارنا شروع کر دیا، اس وقت نبی ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جب یہ سچ بولتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ بولتا ہے تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر حملہ نہیں ہوا۔ (یعنی جس جگہ آپ نے جس شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)

(صحیح مسلم مغازی، ۸۳، (۱۷۷۹) ۲۵۳۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۲۶۸۱، جامع الاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ خیمہ میں دعا کر رہے تھے اے اللہ! اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا یا رسول اللہ! آپ کے لیے یہ دعا کافی ہے، آپ نے اپنے رب سے بہت گڑگڑا کر دعا کی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سو رہے ہوئے خیمہ سے نکلے در آنہا، آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے (کافروں کا) یہ گروہ عنقریب شکست کھایا ہوا ہو گا اور یہ سب بیٹھے پھیر کر بھاگیں گے ○ بلکہ ان سے (اصل) وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت کڑی ہے۔ (التحریر ۳۵-۳۴) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۳، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۱۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم اصحاب محمد ﷺ (یہ باتیں کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد ملاوت کے اس لشکر کے برابر تھی جس نے ان کے ساتھ دریابار کیا تھا اور صرف مومن نے ہی ان کے ساتھ دریابار کیا تھا اور ان کی تعداد تین

سورس اور کچھ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۸ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۴۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جنگ بدر کے دن کم سن قرار دیا گیا اس دن مساجرین کی تعداد ساٹھ اور کچھ تھی اور انصار کی تعداد سو چالیس اور کچھ تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۶ جامع الاصول، رقم الحدیث: ۶۰۴۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور لڑاکا کہ کون ہم سے مقابلہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں انصار کے نوجوان مسلمانوں کے لشکر سے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے اپنا حسب نسب بتایا۔ عتبہ وغیرہ نے کہا ہمیں تم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم اپنے عم زادوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حمزہ آپ کھڑے ہوں، اے علی تم کھڑے ہو، اے عبیدہ بن حارث تم کھڑے ہو۔ پھر حضرت حمزہ عتبہ کے مقابل آئے اور شیبہ کے سامنے میں (حضرت علی) آیا حضرت عبیدہ اور ولید گتھم گتھا ہو گئے اور ہر ایک نے دوسرے کو لوملن کر دیا۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ اور ہم حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لشکر اسلام میں لے آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۵ مسند احمد ج ۳، ص ۱۸۳ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۰)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف (وہ کافر جس کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے اور وہ ان پرستِ علم کرتا تھا تا آنکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت سنگے داموں سے ان کو امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا) سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مکہ میں میرے مل و دولت کی حفاظت کرے، میں مدینہ میں اس کے مل و دولت کی حفاظت کروں گا۔ جب میں نے معاہدہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو اس نے کہا میں ”رحمن“ کے نام سے واقف نہیں ہوں، تم وہی نام لکھو جو زمانہ جاہلیت میں لکھتے تھے۔ بہر حال میں نے اس سے معاہدہ کر لیا۔ جنگ بدر کے دن میں پہاڑ پر پہنچا تاکہ اس کو قتل ہونے سے بچا سکوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا، وہ اس جگہ گئے جہاں انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا اے انصار کے جوانو! وہ امیہ بن خلف ہے، اگر آج امیہ بچ گیا تو میری نجات نہیں ہوگی۔ پھر حضرت بلال نے انصار کی ایک جماعت کے ساتھ ہمارا پیچھا کیا۔ جب مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے تو میں نے امیہ کا بیٹا ان کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اس کو قتل کرنے میں مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے ہمارا پیچھا کیا۔ امیہ ایک بھاری بھر کم آدمی تھا جب وہ ہم تک پہنچ گئے تو میں نے اس سے کہا تم لونٹ کی طرح بیٹھ جاؤ وہ اس طرح بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا جسم اس کے اوپر ڈال دیا تاکہ اس کی حفاظت کروں۔ وہ میرے پیچھے سے اس کو تلواریں مارنے لگے حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ایک کی تلوار میری ٹانگ پر لگی۔ حضرت عبدالرحمن ہمیں اپنے پیر کی پشت پر اس زخم کا نشان دکھایا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۱ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۰۵)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میرے دائیں بائیں انصار کے دو نوجوان کم سن لڑکے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میرے ارد گرد ان سے زیادہ طاقت ور لوگ ہوتے، اچانک ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا اے چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں اے بھتیجا تمہیں اس سے کیا کلام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، قسم اس ذات کی جس کے بغیر قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت

تک الگ نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ مر جائے جس کی موت پہلے مقرر ہو چکی ہے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا مجھے اس کی بات پر تعجب ہوا۔ پھر دوسرے نے مجھ سے اسی طرح کہا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے دیکھا ابو جہل لوگوں کے درمیان پھر رہا ہے۔ میں نے کہا کیا تم نہیں دیکھ رہے یہ ہے وہ شخص جس کے حلق تم مجھ سے سوال کر رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا وہ دونوں نوجوان تلواریں سے اس پر حملہ کرنے کے لیے ہاتھ کی طرح جھپٹے۔ اس پر حملہ کیا اور حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو اس کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تلواروں سے خون صاف کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں تلواروں پر نظر ڈالی پھر آپ نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے جسم سے جیوتا ہوا مسلمان معاذ بن عمرو بن الجموح کو دیا جائے اور ان نوجوانوں کا نام معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفرات تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۱۱، صحیح مسلم الجہاد: ۳۲، (۱۷۸۸) مسند احمد ج ۱، ص ۱۷۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۷۳، طبع جدید، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۱۰۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن فرمایا کون شخص ہمیں دیکھ کر یہ بتائے گا کہ ابو جہل کا کیا ہوا؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے گئے تو دیکھا اس کو عفرات کے دو بیٹے قتل کر چکے تھے، حتیٰ کہ وہ لٹکا ہوا چکا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہا تو ابو جہل ہے؟ (ابھی اس میں کچھ رمتی حیات تھی) اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی شخص کو قتل کیا تھا؟ صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے ابو جہل میں ابھی رمتی حیات تھی، اس کی ٹانگ پر تلوار لگی تھی۔ حضرت ابن مسعود نے کہا میں نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن ہاتھ اٹھے اللہ نے ذلیل کر دیا۔ اس نے کہا مجھے اس کی فکر نہیں۔ پھر اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی آدمی کو قتل کیا تھا یا کاش مجھے کسانوں کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہو۔ پھر میں نے اس کے اوپر اپنی تلوار ماری۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی مگر وہ اس سے کچھ نہ کر سکا۔ اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ اس نے مجھ سے کہا تمہاری تلوار کند ہے، میری تلوار پکڑ لو اور جڑ سے میری گردن کٹ دو۔ میں نے اس کی تلوار اس پر ماری۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی تلوار مل نصیحت کے حصہ سے زیادہ دی۔ جب نے ابو جہل سے واپسی کے لیے کہا تو ابو جہل نے کہا یہ خوف سے بزدل ہو چکا ہے۔ جب نے کہا مقرب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا پانخانہ خطا ہوتا ہے اور ہم میں سے کون بزدل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۶۳، ۳۹۶۲، ۳۹۶۱، صحیح مسلم الجہاد: ۱۱۸، (۱۸۰۰) ۳۵۸۱، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۰۳۲، ۶۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، ہم چاند دیکھنے لگے اور میری نگاہ تیز تھی۔ لہذا میں نے چاند دیکھ لیا اور میرے سوال اور کسی کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ میں نے حضرت عمر سے کہا کیا آپ چاند نہیں دیکھ رہے؟ وہ چاند نہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا میں غریب چاند دیکھ لوں گا جب میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں گا۔ پھر وہ ہمیں اہل بدر کے حالات بتاتے گئے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار کے گرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے ان شاء اللہ یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، ان شاء اللہ یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، جس جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نشان لگایا تھا، کوئی کافر اس جگہ سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ پھر ان تمام کفار کو ایک دوسرے کے اوپر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ رسول اللہ

ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے اس کو برحق جان لیا جس کا تم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا کیونکہ میں نے اس چیز کو برحق پایا جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ بے روح اجسام سے کیسے کلام فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے کلام کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو البتہ یہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

(صحیح مسلم صفت التار: ۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰۸۹ (۲۸۷۳)، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو (درہم)

مقرر فرمایا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۰، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور کہا

ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں، آپ نے فرمایا اس کا ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۸، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ کی رقومات بھیجیں تو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع کو چھڑانے کے لیے مل بھیجا اور انہوں نے وہ ہار بھی بھیج دیا جو ان

کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے ساتھ من کی رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو

آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا وہ ہار

بھی واپس کر دو۔ مسلمانوں نے کہا بے پرو چشم۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص سے یہ عہد لیا کہ وہ زینب کو آپ کے پاس آنے

کے لیے چھوڑ دے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور انصار کے ایک شخص کو بھیجا اور من کو حکم دیا کہ تم بطن

یا نج (ایک جگہ کا نام) پر ٹھہرو، حتیٰ کہ تمہارے پاس سے زینب گزریں، پھر تم من کو ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۲، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا قرآن بدر کے دن رسول اللہ

ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سوانیس موٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی

طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر با آواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی اے اللہ اتو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ اتو

نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ اہل اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت

نہیں کی جائے گی۔ آپ ہاتھ پھیلا کر با آواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ پھر حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور چادر پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور کہنے لگے یا نبی اللہ!

اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے، آپ کا رب آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی: (ترجمہ) جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی، میں تمہاری لگاتار ایک ہزار

فرشتوں سے مدد فرماؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی۔

ابو زبیل نے کہا حضرت ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے

آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "اے جیڑوم

آگے بڑھ" (جیڑوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چٹ کر پڑا، اس مسلمان

نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ اس دن مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جب مسلمانوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے فرمایا تمہارا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا یا نبی اللہ! یہ ہمارے عم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے قیدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، بخدا یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں۔ آپ عقیل کو حضرت علی کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں اور میرا فلاں رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ یہ لوگ کافروں کے بڑے اور ان کے سردار ہیں۔ حضرت عمرؓ جوشہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی اور میری رائے پسند نہیں آئی۔ دوسرے دن جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بتلائے کہ آپ اور آپ کا صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ انہوں نے مجھے بھی روٹا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے روٹا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے لگیں۔ صورت بتانوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس واقعہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے قیدیہ لینے کی وجہ سے مجھ پر پیش آیا ہے، بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ وہ درخت نبی ﷺ کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کفار کا زمین پر خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنالے۔۔۔۔۔ سو تم کو جو مل غنیمت حاصل ہے اس کو کھاؤ اور آٹھائیکہ یہ حلال اور طیب ہے۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مل غنیمت حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم الحاقی: ۵۸، (۱۷۶۳) ۳۵۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۹۱۳)

سورۃ الانفال کے مضامین کا خلاصہ

انفال (مل غنیمت کے ذخیرہ کے علاوہ کوئی زائد چیز) کے متعلق ایک سوال کا جواب "خوف خدا اور اللہ پر توکل کی تلقین، نماز، صدقہ و خیرات اور جہاد کی ترغیب۔" (النساء: ۷۶)

کفار کے قافلہ تجارت پر حملہ کرنے کے بجائے لشکر کفار کے خلاف جہاد کرنے کی اہمیت، فرشتوں کی مدد اور ان کا وجہ اطمینان ہونا، مسلمانوں کی تسکین کے لیے ان پر نیند طاری کرنا اور بارش نازل فرماتا، جو مسلمانوں کے لیے مفید اور کفار کے لیے مضر تھی۔ کفار کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا اور کفار کے مقابلہ سے چپہ موڑنے کی ممانعت، مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا، دراصل اللہ کا قتل کرنا تھا اور آپ کا خاک پھینکنا بھی درحقیقت اللہ کا خاک پھینکنا تھا۔ بدر کی فتح کے بعد کفار کو متنبہ کرنا کہ اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں کے خلاف شرارت کی تو تمہیں پھر سزا دی جائے گی اللہ مسلمانوں کا حامی ہے۔ (الانفال: ۷۹-۷۷)

مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا اور تا فراموشی کرنے سے ممانعت، جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو انہیں حاضر ہونے کا حکم، کم تعداد مسلمانوں کا کثیر تعداد کفار پر غالب آنا محض اللہ کی نصرت کی وجہ سے تھا۔ امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت، مل اور اولاد کا فتنہ ہونا، خوف خدا سے گناہ ترک کرنے پر مغفرت کی نوید، ہجرت کے وقت نبی ﷺ پر

اللہ کا احسان کہ اس نے آپ کو کفار کے شر اور ان کی سازش سے مہم و رکھ کفار کا یہ کہنا کہ اگر یہ قرآن برحق ہے تو اس کے انکار کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آئے گا حالانکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ نماز کے اوقات میں کافروں کا شور مچا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنا اور لوگوں کو اسلام سے روکنا اور اس وجہ سے ان کا مستحق عذاب ہونا۔ (الانفال: ۷۷-۸۰)

کفار کو قبول اسلام کا حکم دینا اور نہ ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم، خمس (مل غنیمت کا پانچواں حصہ) کے مصارف کا بیان، کفار کے تجارتی قافلہ کے مقابلہ میں لشکر کفار کے مقابلہ کی ترجیح، فتح بدر کا اسلام کی حجت ہونا، لشکر کفار کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر کے دکھانا اور لشکر اسلام کو کفار کی آنکھوں میں زیادہ کر کے دکھانا یہ محض اللہ کی تائید اور نصرت ہے۔ کفار سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم دینا اور آپس کے اختلاف اور بزدلی سے منع کرنا۔ ان کافروں کی روش سے اجتناب کا حکم جو اپنے زور اور طاقت پر اڑتے تھے اور شیطان کے بہکانے میں آگئے اور شیطان کا ان سے بری ہونا۔ (الانفال: ۳۸-۴۸)

منافقین کی مذمت، موت کے وقت کفار کی حالت کا بیان اور آل فرعون کے انجام سے ان کی مشابہت، آل فرعون پر عذاب کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ جن کافروں نے آپ سے عہد شکنی کی، ان کو میدان جنگ میں سزا دینے کا حکم، جو قوم عہد شکنی کرے اس کے معاہدوں کو توڑنے کا حکم، کفار سے جنگ کے لیے آلات حرب جمع کرنے کا حکم، اگر کفار باطل یہ صلح ہوں تو ان سے صلح کرنے کا حکم، اور اگر وہ دھوکا دیں تو آپ اللہ کی نصرت پر توکل کریں۔ اللہ کا مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنا اور آپ کے لیے اللہ کی نصرت اور مسلمانوں کی حمایت کا کافی ہونا۔ (الانفال: ۷۳-۸۹)

آپ کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو جہاد پر راغب کریں، پہلے میں مسلمانوں کو دو سو کافروں سے مقابلہ کا حکم دیا، پھر تخفیف کر کے سو مسلمانوں کو دو سو کافروں سے مقابلہ کا حکم دیا۔ کفار کا خون بہائے بغیر ان سے فدیہ لینے کا عدم جواز اور اجتہادی خطا کی وجہ سے مسلمانوں کے فدیہ لینے کو معاف کرنا۔ آپ کی وساطت سے بدر کے قیدیوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں کوئی نیکی ہے تو تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا اور اگر انہوں نے آپ سے خیانت کا ارادہ کیا تو جس طرح اب وہ شکست اور قید و بند سے دو چار ہوئے ہیں دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک دوسرے کی حمایت اور ولایت کی بنیاد رکھنا اور جو لوگ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کریں وہ مسلمانوں کی ولایت اور حمایت میں داخل نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ دینی معاملات میں مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد لازم ہے۔ یہ شرطیکہ اس سے تمہارے کسی سابقہ معاہدہ پر زور نہ پڑے۔ کفار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنا بہت بڑے فتنے اور فساد کا موجب ہے۔ مہاجرین، انصار اور مجاہدین کے لیے رزق میں وسعت اور مغفرت کی نوید، بعد میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے بھی پہلوں کے ساتھ لاحق ہیں۔ بعض رشتہ دار دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ رائج ہیں۔

(الانفال: ۷۵-۷۶)

سورۃ الانفال کے مقاصد

مل غنیمت کے احکام کا بیان کرنا، مسلمانوں کو چاہیے کہ باہم اتفاق سے رہیں۔ مسلمانوں کا غزوہ بدر کی طرف نکلنا اور قتل تعداد کے باوجود اللہ کی تائید اور نصرت سے کامیابی، دشمن کے خلاف جہاد کی تیاری کرنا، دین کی بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، جس سب سے مسلمان غزوہ بدر کے لیے نکلے۔ معرکہ بدر میں دونوں جماعتوں کے قتل کی کیفیت، منافقوں کے مکر و فریب سے احتراز کرنا، ان سابقہ امتوں کی مثل جنہوں نے اپنے رسولوں کی مخالفت کی اور اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ مسلمانوں اور کافروں کے

در میان معاہدوں کے احکام، قیدیوں کے احکام، دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کے احکام، ان تمام امور کو بیان کرنا اس سورت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے سورۃ الانفال کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا اور خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور مامون رکھنا۔ مجھے حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب عطا فرماتا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا اور اس کو قیامت تک مسلمانوں کے لیے اثر آفرین رکھنا۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین وعلی ازواجه امہات المؤمنین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین والاخیار التابعین والعلماء الراشخین من المفسرین والمحدثین والفقہاء المحنہدین وسائر المسلمین الی یوم الدین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

۲۲/ دسمبر ۱۹۹۸ء

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ سَبْعُونَ آيَةً وَعَشْرُ مِائَاتٍ

سورۃ انفال مدنی ہے اس میں پچتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ

(اے رسول! یہ آپ کے انفال (اموال غنیمت) کے تعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول ہیں)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا اَمْرًا ذَاتَ بَيْنٍ كُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

جو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم میں کلام (کامل) ہو تو اللہ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں ۝ وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے

وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

تو ان کے دل خوفزدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٧﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ۷ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہائے وسیعہ ہونے رزق

رِزْقِهِمْ يُنْفِقُونَ ﴿٨﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ

میں سے خرچ کرتے ہیں ۸ یہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے رب کے

دَرَجَاتٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ ذُرِّيٌّ كَرِيمٌ ﴿٩﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ

پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور معزز روزی ہے ۹ (بال غیبت کی تقسیم میں ان کا اختلاف

رَبِّكَ مِنْ يَدَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

کنا اسی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کے ہاتھ کی پکے گھر سے باہر آیا تھا اور ایک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو

لَكَرِهُونَ ﴿١٠﴾ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا

نا پسند کرنے والا تھا ۱۰ وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے، گویا کہ وہ

يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١١﴾ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ

آنکھوں دیکھتے موت کی طرف دیکھے جا رہے تھے ۱۱ اور (باد کر) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے

إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

ایک (غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (مغفل

الشُّوْكَةَ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَ

تمہارے ہاتھ کے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور

يَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿١٢﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

کافروں کی جڑ کاٹ دے ۱۲ تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٣﴾ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

خواہ مجرموں کو ناگوار ہو ۱۳ اور (باد کر) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا

لَكُمْ آتِي مِثْدَكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ

قرآن فرمائی کہ میں ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرماتے والا ہوں ۝ اللہ اللہ نے اس کو تمہارے

اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ

یہ صرت خوشخبری بنایا تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

بیشک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموال غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں 'آپ کہتے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم مومن (کامل) ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ (الانفال: ۱۰)

انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات

انفال کے معنی میں صحابہ کرام اور اخیار تابعین کا اختلاف ہے 'مکرہ' 'مجاہد' 'ضحاك' 'قلودہ' عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انفال کا معنی ہے: اموال غنیمت۔

عطاء ابن جریج اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ انفرادی طور پر مشرکوں سے مسلمان جو چیز حاصل کر لیں مثلاً غلام یا سواری وغیرہ وہ انفال ہے 'یا مشرکین سے جو چیز چھین لیں یا اس کے لباس سے اتار لیں مثلاً گھوڑا اور نکو اور وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے جو چیزیں الگ کر لی جائیں وہ انفال ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: انفال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: گھوڑا انفال میں سے ہے اور مشرکین سے چھینی ہوئی چیزیں انفال میں سے ہیں۔

نیز عطاء نے کہا: جو چیز بغیر جنگ کے مسلمان انفرادی طور پر مشرکین سے حاصل کر لیں وہ انفال ہے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ انفال کا معنی فتنہ ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے فرمایا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ انفال مال غنیمت سے وہ زائد چیز ہے جس کو امیر لشکر، لشکر کے بعض یا کل افراد کو بہ طور ترغیب اور تحریص عطا کرتا ہے جس میں من کی یا تمام مسلمانوں کی بہتری ہو 'اور وہ چیز کفار سے چھینے ہوئے مسلمان میں سے ہوتی ہے یا امیر لشکر تک وہ زائد پہنچتی ہے یا مشرکین کے اسباب میں سے ہوتی ہے 'ہم نے اس قول کو اولیٰ اس لیے کہا ہے کہ کلام عرب میں نقل اصل سے زائد چیز کو کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لشکریوں کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہو اور لشکری کو وہ چیز امیر لشکر نے عطا کی ہو جیسے کافر سے چھینا ہو مال 'وہ انفال ہے۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۲۲۸-۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں انفل کے ان تمام معانی کا احتمال ہے اور بعض کی بعض پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے، اگر حدیث سے کسی ایک معنی کی محکمیت ثابت ہو جائے تو وہی معنی متعین ہو جائے گا۔ ان معانی میں تناقض نہیں ہے اس لیے ان تمام معانی کا ارادہ کرنا جائز ہے اور اقرب یہ ہے کہ اس سے مراد فوج ہے جو نبی ﷺ کا مل ہے اور آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے یا تقسیم کے بعد اس میں سے جس کو چاہیں بطور ترغیب عطا فرمادیں اور جس مجاہد کو یہ ملے گا وہ اس کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہو گا۔ (تفسیر کبرج ۵، ص ۴۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۷۸ھ کا تفسار یہ ہے کہ انفل سے مراد مال غنیمت ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے عظیم غنیمت کو حاصل کیا، اس میں ایک تلواریں بھی تھیں، میں وہ تلواریں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور عرض کیا مجھے یہ تلواریں زیادہ دے دیں کیونکہ آپ کو میرا حل معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے۔ میں اس کو وہاں رکھنے گیا پھر میرے دل میں خیال آیا میں آپ کے پاس دوبارہ گیا اور کہا آپ مجھے یہ تلواریں دے دیں، آپ نے یہ آواز بلند فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: **يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ**۔ (الانفال ۱۱)

(صحیح مسلم فضائل صحابہ ۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

مال غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ آپ سے انفل کے متعلق سوال کرتے ہیں، نیز فرمایا اور آپس میں صلح رکھو، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مال غنیمت کے حکم میں اختلاف تھا، پھر انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے نبی ﷺ سے سوال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انفل (مال غنیمت) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں، وہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کر دیں۔ مال غنیمت کے حکم میں مسلمانوں کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسا ایسا کام کیا اس کو فلاں فلاں چیز زائد ملے گی، پس نوجوان آگے بڑھے اور بڑے بوڑھے جھنڈوں کے پاس کھڑے رہے اور ان کے ساتھ نہیں گئے، جب اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی تو بوڑھوں نے کہا تم ہماری پٹہ میں تھے، اگر تم شکست کھاتے تو ہماری طرف آتے، تو تم ہمارے بغیر مال غنیمت نہ لو، جوانوں نے اس کا انکار کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے یہ مال غنیمت ہمارے لیے رکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ** (الآیہ)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۳، السنن الکبریٰ للبخاری ج ۶، رقم الحدیث: ۴۹، المستدرک ج ۲، ص ۲۲۹، حاکم نے کہا یہ حدیث

صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، جامع البیان ج ۲، ص ۲۲۸، الدر المنثور ج ۴، ص ۴۹)

حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے، میں آپ کے ساتھ بدر میں حاضر تھا، مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی، مسلمانوں کی ایک جماعت ان کا پیچھا کر رہی تھی اور ان کو قتل کر رہی تھی اور مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کا مل جمع کر رہی تھی، اور تیسری جماعت رسول اللہ ﷺ کے گرد آپ کی حفاظت کر رہی تھی، مہلوا آپ کو دشمن کی طرف سے کوئی ضرر پہنچے، حتیٰ کہ جب رات ہو گئی اور مسلمانوں کی آپس میں

ملاقات ہوئی تو جن مسلمانوں نے بل غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا کہ اس بل میں اور کسی کا حق نہیں ہے اس بل غنیمت کو ہم نے اکٹھا کیا ہے اور جن مسلمانوں نے دشمن کا بیچا کیا تھا انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس بل غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو بھگایا ہے اور ہم نے اس کو شکست دی ہے اور جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس بل غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی مہلہ آپ کسی کافر کے حملہ کی زد میں آجائیں اور ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آپ سے سوال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہتے کہ انفل (کے حکم) کے لئے اور رسول اللہ ﷺ مالک ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بل غنیمت کو ان میں ان کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۵۲۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۸۲۶ طبع جدید دار الفکر مسند احمد ج ۱۶ رقم الحدیث: ۲۲۶۶۱ طبع دار الحدیث قاہرہ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ المستدرک ج ۲ ص ۳۲۶ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۵)

تفصیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متونی ۷۲۸ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فُس (بل غنیمت کے پانچویں حصہ) میں سے امام اجتہاد سے جو انعامات عطا کرے وہ انفل ہیں اور بل غنیمت کے باقی چار حصوں میں سے نفل (یہ انعام) نہیں دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اصل بل غنیمت سے نفل دینا اس لیے جائز نہیں کہ بل غنیمت کے مستحقین متعین ہیں اور وہ میدان جہاد میں گھوڑے دوڑانے والے مجاہدین ہیں اور فُس میں سے عطا کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے اور اس کے مستحقین غیر متعین ہیں امام مالک کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا ان کو بل غنیمت میں بہت زیادہ اونٹ ملے اور بل غنیمت میں سے ان کا حصہ بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ تھے اور ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ (الموطا رقم الحدیث: ۹۸ اور سنن ابو داؤد میں ہے کہ ان کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا تو ہر ایک کو تیرہ تیرہ اونٹ مل گئے۔) (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۳)

نیز امام مالک نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: عموماً بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے لوٹے اور حیرانہ کی طرف جانے لگے اور آپ کی چار درشت کی شاخوں سے الجھ کر گر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری چار اشادو کیا تم کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھ کو عطا کیا ہے میں وہ تمہارے درمیان تقسیم نہیں کروں گا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر اللہ مجھے تمہارے درختوں کے برابر اونٹ بھی عطا کرے تو میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کروں گا پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں قیام کیا تو فرمایا کسی کے پاس سوئی یا دھاگہ بھی ہے تو دے دے کیونکہ بل غنیمت عار ہے اور عار کا سبب ہے۔ اس کے بعد آپ نے زمین کو کید اور اونٹ کا ایک بل یا کوئی چیز اٹھا کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بل عطا فرمایا ہے اس میں سے فُس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے اور فُس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ (محل استدلال یہ آخری جملہ ہے کہ فُس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔) (الموطا رقم الحدیث: ۹۸ مسند احمد ج ۱۶ رقم الحدیث: ۲۲۸۲۶)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

تفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن علی شیرازی الشافعی المتوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص ایسا کارنامہ انجام دے جس کی وجہ سے دشمن پر فتح حاصل ہو، مثلاً وہ دشمن کی جاسوسی کرے اور اس کے راستوں کو یا اس کے قلعہ کا کھوج لگائے یا وہ ابتداء دار الحرب میں داخل ہو، یا سب کے بعد دار الحرب سے لوٹے تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو نفل دے (مل غنیمت کے حصہ سے زیادہ دے) کیونکہ حضرت عمار بن العاصت جہیز بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں جو تھائی حصہ زائد عطا فرماتے تھے اور لوٹنے وقت تھائی حصہ اور زائد کی مقدار لشکر کے امیر کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ جنگی مصلحت کے لیے خرچ کرتا ہے اور بہ قدر عمل دیتا ہے کیونکہ جو شخص ابتداء میں دار الحرب میں داخل ہوتا ہے اس وقت دشمن اس سے غیر محتاط ہوتا ہے۔ اور جو آخر میں دار الحرب سے لوٹتا ہے اس کو دشمن کے خوف کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ ابتداء دار الحرب میں داخل ہونے والوں کی نسبت آخر میں لوٹنے والوں کو زیادہ حصہ دیتے تھے۔ زائد حصہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جاتا ہے اور اس مال سے بھی دینا جائز ہے جو مشرکین سے لے کر جمع کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے تو یہ فحش کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو نفل (مل غنیمت سے زائد حصہ) فحش میں سے دیا جاتا تھا اور اس لیے بھی کہ فحش وہ مال ہے جس کو کسی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اس لیے وہ فحش کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا اور نفل کی مقدار کا مجہول رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عقد کا عوض ہے اور اگر نفل کفار کے مال سے دیا جائے تو پھر اس کا مجہول رکھنا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ابتداء میں جو تھائی حصہ رکھا اور لوٹنے میں تھائی رکھا اور یہ مل غنیمت کا ایک مجہول حصہ ہے۔ (کیونکہ مل غنیمت کی مقدار غیر معلوم ہے تو اس کا تھائی یا چوتھائی حصہ بھی غیر معلوم ہو گا) (المہذب ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے کسی شخص کو اس کے حصہ سے زیادہ دینا اور اس کی دو نوع ہیں:

نوع اول وہ ہے جس میں نفل کا اشتقاق کسی شرط کی وجہ سے ہو اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں: قسم اول یہ ہے کہ امیر جب دار الحرب میں جلا کے لیے داخل ہو تو وہ اپنے سامنے ایک لشکر کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد چوتھائی حصہ دینے کا اعلان کرے اور جب وہ واپس لوٹے تو پھر ایک لشکر کو حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد تھائی حصہ دینے کا اعلان کرے اور جب مل غنیمت اکٹھا ہو تو دونوں لشکروں کو حسب اعلان دے پھر باقی مل غنیمت ان دونوں لشکروں سمیت پورے بڑے لشکر میں تقسیم کرے۔ نوع اول کی دوسری قسم یہ ہے کہ امیر اس شخص کے لیے کسی زائد حصہ کا اعلان کرے جو مسلمانوں کے لیے کوئی مفید کام انجام دے، مثلاً امیر یہ کہے کہ جو شخص اس قلعہ میں داخل ہو گا اس کو یہ انعام ملے گا یا یہ کہے کہ جو شخص قلعہ میں نقب لگائے گا یا جو شخص کسی کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو یہ انعام ملے گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص کسی قاتل (کافر) کو قتل کرے گا اس کا سب سالانہ اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۸)

اور یہ انعام مسلمانوں کے مال سے دینا بھی جائز ہے اور مشرکین سے لے ہوئے مال سے دینا بھی جائز ہے۔ اگر مسلمانوں کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر مشرکین کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو پھر اس کی مقدار کا مجہول رکھنا بھی جائز ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے کسی قاتل کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا

مسلمان اس کا ہے اور مسلمان کی مقدار مجہول ہے۔

نوع ثانی یہ ہے کہ کسی مسلمان کی کسی خاص کارکردگی کی وجہ سے امام اس کو خصوصی زائد حصہ دے مثلاً اس نے جنگ میں زیادہ مشقت برداشت کی ہو یا کسی اہم محفلہ میں جاسوسی کی ہو یا وہ مقدمہ پیش میں ہو یا اور کوئی نمایاں کام کیا ہو تو اس میں بغیر پیشگی شرط کے بھی زائد حصہ دینا جائز ہے جیسا کہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عیسیٰ نے نبی ﷺ کے اونٹ لوٹ لیے حضرت سلمہ بن اکوع نے ان کا پیچھا کیا تو نبی ﷺ نے ان کو سوار کا حصہ بھی دیا اور پیادہ کا حصہ بھی دیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۷، الکافی ج ۳، ص ۱۳۹-۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

تفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرافضی المتوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر امام حالت جنگ میں کسی شخص کے لیے تفیل (زائد حصہ دینے) کا اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً یہ کہ جس شخص نے کسی قاتل (کافر) کو قتل کیا تو اسے اس کا سلب (مسلمان) ملے گا یا لشکر سے یہ کہ جس شخص کا لے جانے کے بعد تمہیں اس کا چوتھائی حصہ ملے گا کیونکہ جنگ پر ابھارنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”یا ایہا النبی حرمص المومنین علی الغنائ“ (الانفال: ۶۵) اے نبی آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔ اور یہ اعلان بھی ایک قسم کا جنگ پر ابھارنا ہے۔ تفیل (زائد حصہ دینے کا اعلان کرنا) اس طرح بھی ہو سکتا ہے اور کسی طرح بھی ہو سکتا ہے لیکن امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں سے حاصل کیے ہوئے تمام مال کا اعلان کر دے کیونکہ اس سے تمام مجاہدوں کا حق ضائع ہو گا ہیں اگر تمام لشکر کے لیے اعلان کر دے تو یہ جائز ہے اور جب مال غنیمت جمع کر کے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے تو پھر کسی کے لیے اعلان نہ کرے کیونکہ اب اس میں دوسروں کا حق سوکھ ہو چکا ہے البتہ فیس میں سے اب بھی اعلان کیا جاسکتا ہے کیونکہ فیس میں مال غنیمت لینے والوں کا بھی حق ہے اور جب کافر کا سلب (مسلمان) قاتل کو نہ دیا جائے تو وہ من جملہ مال غنیمت میں سے ہے اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہیں اور کافر کا سلب اس کے کپڑے اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے اور سواری پر جو زمین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی اس میں داخل ہیں اسی طرح سواری کے اوپر جو کافر کا مسلمان ہو وہ بھی اس میں شامل ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی چیز اس میں داخل نہیں ہے۔ پھر تفیل (خصوصی حصہ دینے کا اعلان) کا حکم یہ ہے کہ اس سے دوسروں کا حق منقطع ہو جاتا ہے اور مجاہدین اس کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال غنیمت دارالاسلام میں پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر امام نے یہ اعلان کیا کہ جس شخص کو کوئی باندی ملی وہ اس کی ہے اور کسی مجاہد کو ایک باندی مل گئی اور اس نے اس کا استبراء کر لیا (یعنی باندی کا حیض گزر گیا) تب بھی اس مجاہد کے لیے اس باندی سے مباشرت کرنا جائز ہے نہ اس کو فروخت کرنا۔ یہ امام حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے امام محمد کے نزدیک یہ دونوں امر جائز ہیں۔ (بدایہ النورین ص ۵۷۸-۵۸۰، مطبوعہ مکتبہ شرکتہ مطبعہ لبنان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے رہیں۔

(الانفال: ۲)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔ اس آیت کا مقنا یہ ہے کہ کامل ایمان کامل طاعت کو مستلزم ہے اور کامل ایمان اس وقت حاصل ہو گا جب اللہ کے ذکر سے مسلمان کا دل خوف زدہ ہو اور اللہ کی آیات سن کر اس کا ایمان قوی ہو اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرے نماز قائم کرے اور

صدق و خیرات ادا کرے، سوائے لوگوں کا یہ ایمان کامل ہے اور وہ برحق مومن ہیں۔
وجل کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: "وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ" علامہ راغب اصفہانی وجل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وجل کا معنی ہے خوف محسوس کرنا قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا مَنَّكُم وَجَلُّونَ ۝ قَالُوا لَا تَنْوَجِلْ (الحجر: ۵۳-۵۴) (فرشتوں نے) کہا آپ مٹ ڈریے۔
(المفردات، ج ۲، ص ۶۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات

قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں:

اللَّهُ تَنَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا
مُتَنَزِّبًا مِّمَّا نَزَّلَ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ
يُحْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيَّسُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ
إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الرمر: ۳۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا، ایسی کتاب جس کی تمام
باقی ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی ہوئی، جو مسلمان اپنے رب
سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں،
پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو
جاتے ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ (المؤمنون: ۱-۲)

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، وہ جو اپنی نماز میں
اللہ سے ڈرتے ہیں۔
بے شک جو لوگ اللہ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

إِنَّمَا إِلَهُكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا
تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِنَّا كُنْهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران: ۱۷۵)

یہ شخص شیطان ہے جو (تمہیں) اپنے دوستوں سے ڈراتا
ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرو، اگر تم
مومن ہو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخُشُّوا اللَّهَ ۝ (الحائدہ: ۳۳)

سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

إِنَّ الدِّيسَ يَحْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (الملک: ۴)

بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان
کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ
الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ (الزمر: ۴۰-۴۱)

اور رباؤہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے
ڈرا اور نفس (مارہ) کو اس کی خواہش سے روکا تو بے شک اس
کا ٹھکانا جنت ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ
(الرحمن: ۴۶)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا، اس
کے لیے دو جہتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو قسمیں ہیں ایک ہے عذاب کے خوف سے گناہوں کو ترک کرنا یہ خوف عام مسلمانوں کو ہوتا ہے بلکہ عام مسلمانوں میں سے بھی پرہیزگاروں کو ہوتا ہے اور دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے اور اس کی بے نیازی سے ڈرنا یہ خوف انبیاء اور مرسلین اولیاء کاملین اور ملائکہ مقربین کو ہوتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ قرب ہو تا ہے اس کو اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰)

حضرت ام جملہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کو جاننے والا ہوں۔

(صحیح مسلم صوم ۹، ۱۱۱۰) ۲۵۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۹ سنن کبریٰ للنسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۲۵ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (یا آپ کے بال سفید ہو گئے) آپ نے فرمایا مجھے سورہ صود سورۃ الواقعة اور سورۃ المرسلات نے بوڑھا کر دیا۔ (ان سورتوں میں قیامت کا ذکر ہے) یعنی قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے آپ کے بال سفید ہو گئے۔

(شاکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۷ مطبوعہ لاہور ج ۳ ص ۲۵ المستدرک ج ۲ ص ۲۲۲ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۷۹۰ کمال ابن عدی ج ۲ ص ۲۷۳)

حضرت ابوزر جریج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ آوازیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے بے شک آسمان چرچا رہا ہے (خوف خدا سے ڈری ہوئی آوازیں نکل رہا ہے) اور اس پر حق ہے کہ وہ چرچائے اور اللہ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو گے اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور تم گھر سے باہر صحن میں نکل جاؤ اور بے آواز بلند اللہ سے فریاد کرو۔ حضرت ابوزر نے کہا اللہ کی قسم امیری خواہش ہے کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۰) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن سنو تو میں نے سورۃ النساء پڑھی۔ حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا

فَكَثِيفٌ إِذَا جُفَا مِنْ كُلِّ امْتَوٍ شَيْئٌ وَ جُفَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَيْئٌ (النساء: ۴۱) لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۵۵۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۶۵ المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث: ۸۳۶۰ مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۵۲۲۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۲۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ ایک قبر کے

کنارے بیٹھ گئے اور آپ رونے لگے حتیٰ کہ قبر کی مٹی بھگ گئی۔ پھر آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! اس کی مثل کے لیے تیاری کرو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۵)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روؤ! اگر تم رونہ سکو تو رونے جیسی شکل بنا لو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندہ مومن کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلے خواہ وہ پھر کے سر جتنا ہو پھر وہ آنسو رخسار کے سامنے کے حصہ کو مس کرے اللہ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے درخت پر ایک پرندے کو بیٹھا دیکھ کر کہا تیرے لیے کتنی خیر ہے اے پرندے تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھا ہے کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتا

(کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن الخطابؓ نے زمین سے ایک ٹکڑا ٹھاکر کما کاش میں ایک ٹکڑا کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا کاش میں پیدا نہ ہوتا کاش میں بھولا ہوتا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۳)

حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ حرم بن حیان اور عبداللہ بن عامر اپنی سواریوں پر جا رہے تھے راستہ میں خشک گھاس ملی تو ان کی اونٹنیاں اس گھاس کی طرف دوڑیں اور ان میں سے ایک نے وہ گھاس کھالی۔ حرم نے عبداللہ سے کہا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم یہ گھاس ہوتے اور تم کو یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی عبداللہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس کو پسند نہیں کروں گا بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے گا بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں۔ حرم نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے دل کی بات مانی جائے گی تو میں یہ پسند کرتا کہ میں خشک گھاس ہوتا اور مجھے یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۷)

زیاد بن عرق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداءؓ نے کہا میری خواہش ہے کہ میں اپنے گھر کا ایک مینڈھا ہوتا گھر میں کوئی مسلمان آتا اور مجھے ذبح کر دیا جاتا اور گھر والے مجھے کھا لیتے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۸)

قلادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے کما کاش میں ایک مینڈھا ہوتا مجھے گھر والے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔ حضرت عمر بن حصینؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں گھاس ہوتا اور مجھے حیز ہوا کے دن آندھی اڑا کر لے جاتی۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۱۰)

اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کاش میں ایک درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا کاش میں پیدا نہ کی جاتی۔ (کتاب الزہد للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۱ الطبعات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۲-۲۵۱)

شماک بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے کما کاش میں پرندہ ہوتا۔ (کتاب الزہد للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۲)
قاسم بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے پاس ایک شخص نے کما کاش میں اصحاب انہیں سے ہوتا حضرت عبداللہ نے کما کاش مجھے مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔ (کتاب الزہد للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۳)

یعقوب بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر کما کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الزہد للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت عمرو بن مہمون الادوی جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک انصاری نوجوان ان کی خدمت میں آئے اور کہا اے امیر المومنین! آپ اللہ کی بشارتوں سے خوش ہو جائیں، آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں جس کا آپ کو علم ہے اور پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے عمل کیا پھر ان تمام فضائل کے بعد آپ کو شہادت نصیب ہوئی، حضرت عمرؓ نے کہا اے میرے بھتیجے! کاش یہ سب برائے سرایر ہو جائے، مجھ کو عذاب ہونے کا شبہ ہے۔ (الحديث: صحیح البخاری رقم الحديث: ۱۳۴۲)

حضرت عثمانؓ جو پیشہ کے آزاد کردہ غلام حائنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جو پیشہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں، حضرت عثمانؓ جو پیشہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر انسان کو اس سے نجات مل جائے تو بعد کی منزلیں زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس سے نجات نہ ملے تو بعد کی منزلیں اور مشکل ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جو بھی ہولناک منکر دیکھا قبر کا منکر اس سے زیادہ ہولناک تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۱۵، سنن النسائی رقم الحديث: ۱۸۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۲۵۸، عیون الاویاج ج ۹ ص ۲۵۲، صحیح ابن حبان ج ۹ رقم الحديث: ۲۴۴۳، مسند احمد ج ۹ رقم الحديث: ۷۴۳۰)

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم ان صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں جنت کی بشارت دے دی تھی، اس کے باوجود یہ صحابہ اللہ کی بے نیازی اور جلال ذات سے اس قدر خوف زدہ رہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتے یا میں ایک پرندہ ہوتا کہ حضرت عمرؓ جو پیشہ نے کہا کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا اور حضرت عثمانؓ جو پیشہ قبر کو دیکھ کر بے اختیار روتے تھے اور دیگر صحابہ بھی اللہ تعالیٰ کے جلال ذات اور حسب و کتب کی شدت سے گھبرا کر اور خوف کی زیادتی سے یہ کہتے تھے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کٹ کر پھینک دیا جاتا یا میں خشک گھاس ہوتا جس کو جانور کھا لیتے یا کوئی طلل جانور ہوتا جس کو مسلمان ذبح کر کے کھا لیتے اور مجھے حسب و کتب کا سامنا کرنا پڑتا اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ جاتا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس آیت سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔ محققین اور امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی، اس کی تحقیق یہ ہے کہ امام اعظم اور محققین کے نزدیک نفس ایمان میں اعمل داخل نہیں ہیں، اس لیے اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور نفس ایمان میں اعمل کے داخل ہونے کے ائمہ ثلاثہ اور محدثین بھی قائل نہیں ہیں اور ائمہ ثلاثہ اور محدثین ایمان کامل میں اعمل کے داخل ہونے کے قائل ہیں، اور ایمان کامل میں اعمل کے دخول کے امام اعظم اور محققین بھی قائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایمان میں ان سب کے نزدیک اعمل داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور ایمان کامل میں ان سب کے نزدیک اعمل داخل ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس سے ایمان کامل ہی مراد ہے۔

اصل میں یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر متی ہے، امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے ایمان کامل مراد ہوتا ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اعمل ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ اور امام اعظم کے

نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے نفس ایمان مراد ہوتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور دونوں جانب دلائل ہیں۔

اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے البقرہ ۳ میں کر دی ہے اس لیے جو قارئین ایمان کے تمام مذہب دلائل اور ان میں محاکمہ جانتا چاہیں وہ اس کا مطالعہ کر لیں۔

اس کے بعد فرمایا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں توکل کی تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۱۵۹ میں بیان کر دی ہے اس کے لیے تبیان القرآن ج ۲ ص ۳۹ کا مطالعہ فرمائیں اس آیت میں حصر فرمایا ہے یعنی یہ صرف اللہ سے ڈرنے والوں کی صفت ہے کہ وہ صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت اور اعانت پر اعتماد کرتے ہیں اور اللہ کے ماسوا سے بالکل مستغنی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (الانفال: ۳)

مال حرام سے نجات کے طریقے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تین باطنی صفات بیان فرمائیں تھیں۔

۱۔ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔

۲۔ اللہ کی آیات سن کر ان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

اور ان کے باطن کی پاکیزگی پر ظاہری پاکیزگی مترتب ہوتی ہے اور قلب کی ہلواء اور صفاء کا قالب پر اثر ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد ان کے ظاہر کی دو صفات بیان فرمائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں بدنی عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا اور اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرنا مالی عبادت ہے اس میں زکوٰۃ صدقات نماز اور جملہ کے لیے خرچ کرنا مساجد پر خرچ کرنا کنوئیں کھدوانا لاہرریاں قائم کرنا دینی مدارس کی امداد کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا داخل ہے اور ان تمام نیک کاموں میں حلال مال سے خرچ کرنا چاہیے حرام مال سے نیکل کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے جس مال حرام کی حرمت قطعی ہو اس کو صدقہ کرنا کفر ہے اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اور پھر بھی وہ دینے والے کو دے دے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ حرام مال سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال جس کا ہے اس کو واپس کر دے۔ اگر وہ شخص مرچکا ہو تو اس کے در ثاء کو واپس کر دے۔ اور اگر ان کا پانہ چل سکے تو اس مال کے مالک کی طرف سے اس کو صدقہ کر کے اس کا ثواب اس کو پہنچا دے اور اگر اس نے حرام ذرائع سے روپیہ کمایا ہو تو اس مال کو اپنے پاس نہ رکھے اور اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت سے کسی فقیر یا عبادت مند کو دے دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور

معزز روزی ہے۔ (الانفال: ۳)

میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف

آیات سابقہ میں تین باطنی اور دو ظاہری صفات ذکر کی گئی ہیں یعنی اللہ کا ذکر سن کر دل کا خوفزدہ ہونا آیات سن کر ایمان زیادہ ہونا اور صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت پر اعتماد اور توکل کرنا اور نماز قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جو مسلمان ان پانچوں صفات کے ساتھ متصف ہوں ان کے حلق فرمایا اولشکک ہم المومنون حقاً۔ ”دی برحق مومن

ہیں اور ظاہر ہے کوئی مسلمان جزم اور یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان صفات کے ساتھ متصف ہوں اور برحق مومن ہوں۔ کیونکہ جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ برحق مومن ہیں اور ان کے لیے ان کے رب کے پاس (جنت میں) بلند درجات ہیں اور بخشش اور عزت والی روزی ہے سو یہ کہنا کہ میں برحق مومن ہوں اس کہنے کو مستلزم ہے کہ میں جنتی ہوں اور کوئی شخص یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں جنتی ہوں تو وہ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق مومن ہوں ورنہ اس کا اس آیت کے نصف اول پر ایمان ہو گا اور باقی نصف پر ایمان نہیں ہو گا۔ اس بناء پر ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ ”انا مؤمن حقاً“ (میں برحق مومن ہوں) بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے ”انا مؤمن انشاء اللہ“ (انشاء اللہ میں مومن ہوں)۔

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کارسول اللہ ﷺ کے پاس گزر ہوا آپ نے ان سے پوچھا اے عمارت! تم نے کس حل میں صبح کی۔ انہوں نے کہا میں نے اس حل میں صبح کی اور آنحضرت ﷺ میں برحق مومن تھا آپ نے فرمایا غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہوں میں رات بھر بیدار رہا اور دن بھر بے سار رہا (یعنی روزہ سے رہا) اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا تھا وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے تھے اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا تھا وہ بھوک سے بلبلارہے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عمارت! تم نے معرفت حاصل کر لی ہے۔ تم ان (مذکورہ) تین اوصاف کو لازم رکھنا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۱، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث ۳۳۶۷، مسند البراء رقم الحدیث ۲۲، کتاب الزہد للبیہقی رقم الحدیث ۱۷۹، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷، کنز العمال رقم الحدیث ۳۶۸۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳)

امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اور امام قرطبی مالکی متوفی ۶۸۸ھ نے درج ذیل اثر سے بھی ائمہ ثلاثہ کے موقف پر استدلال کیا ہے۔

حسن بھری سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے کہا ایمان کی دو قسمیں ہیں: اگر تم مجھ سے اللہ فرشتوں کتابوں رسولوں اور یوم آخرت کے ایمان کے متعلق سوال کرتے ہو تو میں مومن ہوں اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مومن صرف وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ (الانفال: ۲) تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۵۳-۴۵۴ الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۲۹ بیروت)

بحث مذکور میں فریقین کے درمیان محاکمہ

اس بحث میں تحقیق یہ ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ نفس ایمان یعنی دل سے ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جس کو نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے۔

۲۔ ایمان کامل یعنی دل سے تصدیق کرنا زبان سے اقرار کرنا اور تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنا۔

نفس ایمان کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں اور ایمان کامل کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں اور انسان کو تصدیق بالقلب پر ہرچند کہ یقین ہوتا ہے لیکن مستقبل میں احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے متعلق وہ کچھ نہیں کہہ سکتا یا مستقبل میں وہ نیک عمل کرے گا یا نہیں۔ اس لیے ایمان کامل کے اعتبار سے اس کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ میں برحق مومن ہوں بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ انشاء اللہ میں مومن ہوں۔ امام ابو حنیفہ جب مطلقاً ایمان بولا

جائے تو اس سے نفس ایمان مراد لیتے ہیں اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ یہ کتنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں یا میں یقیناً مومن ہوں۔ ائمہ ثلاثہ جب لفظ ایمان مطلقاً بولا جائے تو اس سے مومن کامل مراد لیتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میں یقیناً مومن ہوں کتنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کتنا چاہیے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔

”میں یقیناً مومن ہوں“ کہنے کے دلائل

علامہ مسعود بن عمر سعد الدین قفازانی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

یہ شمول امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کثیر سلف صالحین کا یہ موقف ہے کہ یہ کتنا صحیح ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں اور امام ابو حنیفہ بن کے اصحاب اور اکثرین نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور فرشتوں کتابوں رسولوں تقدیر اور یوم آخرت کی تصدیق ہے اور اس تصدیق کے تحقق اور ثبوت میں کوئی شک اور تردد نہیں ہے اور جس شخص کو اس تصدیق کے تحقق میں شک اور تردد ہو گا وہ قطعی طور پر مومن نہیں ہو گا اور جب اس کو شک اور تردد نہیں ہے تو پھر انشاء اللہ میں مومن ہوں کہنے کو ترک کرنا اولیٰ ہے بلکہ یوں کتنا چاہیے کہ میں حقاً اور یقیناً مومن ہوں اور تصدیق میں شک اور تردد کے وہم کو دور کیا جائے۔ اور جو ائمہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کہنے کے قائلین ہیں ان کے دلائل اور ان دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں:

”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کہنے کے دلائل کا تجزیہ

۱۔ میں مومن ہوں کے ساتھ انشاء اللہ اللہ کے ذکر کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اور ادب کے لیے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مغرض ہیں اور اپنے نفس سے تکبر کو دور کرنے کے لیے اور تردد مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے صرف اس قول کی صحت معلوم ہوتی ہے نہ کہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کی ترجیح ”میں یقیناً مومن ہوں“ کہنے پر۔ اور تردد کا وہم بہر حال باقی رہتا ہے اور تبرک اور ادب کی ایمان کے ساتھ کیا تخصیص ہے یہ تو باقی نیک اعمال اور عبادات میں بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ تصدیق ایمانی جس پر نجات کی مدار ہے وہ ایک مخفی امر قلبی ہے اور شیطان اور خواہش اس کے معارض ہوتے رہتے ہیں۔ ہر چند کہ انسان کو اس کے حصوں کا یقین ہوتا ہے لیکن وہ اس خطرہ سے مامون نہیں ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز لاحق ہو جائے جو نجات کے منافی ہو خاص طور پر جب وہ احکام شرعیہ اور ممنوعات شرعیہ کی تفصیلات کو دیکھتا ہے تو اس کو بعض احکام اور ممنوعات اپنی خواہشات کے خلاف دکھائی دیتے ہیں اور بہت سی چیزیں جو اس کے نزدیک لذیذ اور پسندیدہ ہیں اور شرعاً ممنوع ہیں اور کتنی مرتبہ وہ احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنے نفس کے تقاضوں پر عمل کر لیتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے ایمان کو اللہ کی مشیت کے سپرد کر دے اور کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقریر ایمان کامل میں جاری ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان میں۔

۳۔ امام الحرمین نے یہ کہا ہے کہ ایمان فی الحال قطعاً ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جس ایمان پر کامیابی اور نجات کا مدار ہے یہ وہ ایمان ہے جو پوری زندگی میں موت تک قائم رہے اور کوئی شخص جزم اور یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تاحیات مومن رہے گا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا اس وجہ سے سلف صالحین نے یہ کہا کہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کتنا چاہیے اس لیے اب اشاعرہ پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ جب انسان ایمان کے ساتھ متصف ہے تو وہ یقیناً مومن ہے اور انشاء اللہ میں مومن ہوں کتنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ میں انشاء اللہ زندہ ہوں کتنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے کئی لوگ زندگی

میں نیک اور صلح ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ بدکاری پر ہوتا ہے اور کئی لوگ پوری زندگی مومن ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور انسان کچھ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر اور وہ اللہ کے علم میں مومن ہے یا نہیں وہ ہر چند کہ اس وقت قطعاً اور یقیناً مومن ہے اور اس میں کوئی شک اور تردد نہیں لیکن وہ کفر پر خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان اور ائمال صالحہ پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے۔ اس لیے انجام بخیر کی امید سے وہ کہتا ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں یعنی جس طرح اب میں قطعاً اور یقیناً مومن ہوں تو اگر اللہ نے چاہا تو میں تو مگر مومن ہی رہوں گا اور ایمان پر آئندہ بھی برقرار رہوں گا اور یہ قول برحق ہے اور اس آیت کے موافق ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا نَعْمَلُ دُخَانًا أَوْ لَهَبًا ۚ
أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِذَا تَسَيَّبَتْ
(الكہف: ۲۳-۲۴) اور آپ کسی چیز کے متعلق ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب آپ بھول جائیں تو آپ اللہ کو یاد کریں۔

یہ تقریر بالکل درست ہے لیکن اس تقریر پر مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یقیناً مومن ہوں نہیں کہنا چاہیے بلکہ میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حل کے اعتبار سے میں یقیناً مومن ہوں کہنا چاہیے اور مکمل اور خاتمہ کے اعتبار سے میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ محنت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر ہماری زندگی برقرار رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر ہمارا خاتمہ کرے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی ہر آفت اور بلا اور ہر فکر اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور ہمیں داریں کی فوز و فلاح عطا فرمائے اور آخرت میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب کی رفعت عطا فرمائے۔ (آمین)

(شرح القاصد ج ۵، ص ۲۱۷-۲۱۵، مطبوعہ "موسم فحاح" مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۳۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بل غنیمت کی تقسیم میں ان کا اختلاف کرنا اسی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے باہر لایا تھا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند کرنے والا تھا وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بلوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے گویا کہ وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے تھے۔ (الانفال: ۵-۶)

بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا اس کا پس منظر اور پیش منظر

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ قریش کا قافلہ شام سے مکہ آرہا تھا اور اس میں بہت زیادہ غلہ اور ساز و سامان تھا اس قافلہ کے ساتھ چالیس سوار تھے ان میں ابوسفیانؓ عمرو بن العاصؓ اور دوسرے کفار قریش تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس قافلہ کی خبر دی آپ نے مسلمانوں کو بتلایا وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ وہ قافلہ پر حملہ کر کے اس کا مال و متاع چھین لیں گے کیونکہ اس قافلہ میں مال بہت زیادہ تھا اور اس کے محافظ کم تھے جب وہ قافلہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلے تو اہل مکہ کو اس کی خبر ہو گئی ابو جہل نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر ندا کی اے اہل مکہ ہر مشکل اور رسوائی سے اپنے آپ کو بچاؤ اگر (سیدنا) محمد (ﷺ) نے قافلہ لوٹ لیا تو تم ہرگز فلاح نہ پاسکو گے ان ہی دنوں عباس بن عبدالمطلب کی بہن نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی سے کہا میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار آیا اور اس نے پکار کر کہا اے محمد صحن قوم تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑو اور اس نے پہاڑ سے ایک چٹان الگ کر لی اور مکہ کے ہر گھر میں اس چٹان سے ایک پتھر ٹوٹ کر پہنچ گیا عباس نے یہ خواب ابو جہل کو سنایا تو ابو جہل نے کہا کہ تر

مردوں کی نیت پر راضی نہ ہوئے تھے کہ تمہاری عورتوں نے دعوتی نیت کرنا شروع کر دیا، پھر ابو جہل تمام اہل مکہ کو لے کر نکلا اور یہ بہت بڑا لشکر تھا، ابو جہل کو بتایا گیا کہ ابو سفیان کے قافلہ نے ساحل کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور وہ محفوظ ہو چکا ہے، تم اب لوگوں کو دالیں مکہ لے جاؤ۔ اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم یہ بھی نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ ہم لوٹنوں کو ذبح کریں گے، شراب پیئیں گے اور ہماری باندیاں آلات موسیقی کے ساتھ گانا سنائیں گی اور تمام قبائل عرب ہمارے خروج کی خبر سن لیں گے، اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چند کہ قافلہ کو نہیں لوٹا لیکن وہ اپنی قوم کو لے کر میدان بدر میں آچکے ہیں، اور میدان بدر میں تمام قبائل عرب مل میں ایک بار بازار لگاتے تھے، اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے، تجارتی قافلہ یا لشکر قریش یا نبی (ﷺ) نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا قریش مکہ، ہر مشکل اور ہر مصیبت کا چیلنج قبول کر کے مکہ سے نکل کر یہاں آن پہنچے ہیں، تمہارے نزدیک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا پسندیدہ ہے یا لشکر کفار پر حملہ کرنا؟ اصحاب نے کہا بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی یہ نسبت تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ (ﷺ) کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا تجارتی قافلہ تو ساحل سمندر کے راستے مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور اب وہ تمہاری دست برد سے محفوظ ہے، اور ادھر ابو جہل اپنے لشکر کے ساتھ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہے۔ اصحاب نے پھر کہا یا رسول اللہ (ﷺ) قافلہ کا پیچھا کیجئے اور دشمن کو چھوڑ دیجئے، جب نبی (ﷺ) غضب ناک ہوئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اچھی باتیں کہیں، پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے، اور کہا آپ وہی کام کیجئے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم اگر آپ عدن کی طرف بھی روانہ ہوئے تو انصار میں سے کوئی شخص آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، پھر حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے، اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں ہم ہمیں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۲۴) بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک ہماری آنکھوں کی پلکیں جھپکتی رہیں گی، پھر رسول اللہ (ﷺ) مسکرائے اور آپ نے فرمایا اللہ کی برکت سے روانہ ہو، بے شک میں قوم کفار کے کرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (الحجۃ)

(دلائل النبوة، ج ۳، ص ۲۸۰-۲۸۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

اس قصہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ لشکر قریش سے مقابلہ کرنا صرف بعض اصحاب کو ناگوار تھا تمام صحابہ کو ناگوار نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند کرنے والا تھا، اور یہ فرمایا ہے کہ ”وہ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے“ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کی بجائے قافلہ کے مال و متاع کی وجہ سے اس پر حملہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے، حالانکہ رسول اللہ (ﷺ) ان کو یہ بتا چکے تھے کہ اس مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اور ان کی بحث یہ تھی کہ ہم تو قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تھے، اور آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا تاکہ ہم اس لشکر سے مقابلہ کرنے کی اچھی طرح تیاری کر لیتے، پھر ان پر لشکر کفار کا جو رعب اور ہیبت طاری تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال سے تشبیہ دی ہے جو آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہوں، ان کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کفار کے مقابلہ میں ان کی تعداد ایک تہائی تھی، اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور باقی پیادہ تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی بہت کم تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (قافلہ تجارت) تمہارے ہاتھ لگے 'اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۵ تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور ناحق کو باطل کر دے خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

(الانفال: ۸: ۷۰)

ابو سفیان کے قافلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان قریش کے چند سواروں کے ساتھ شام سے آرہا تھا وہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے جب نبی ﷺ کو اس قافلہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو بتایا کہ اس قافلہ میں بہت مال اور سامان ہے اور اس کے محافظوں کی تعداد بہت کم ہے تو صحابہ مدینہ سے باہر نکلے 'ان کا ارادہ صرف ابو سفیان اور اس کے سواروں پر حملہ کرنے کا تھا اور وہ صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے نکلے تھے اور ان کو یہ خیال نہیں تھا کہ کوئی بہت بڑی جنگ ہوگی 'جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۰۹)

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واد بعد کم اللہ احدی الطلائعین کی تفسیر میں فرمایا ابو سفیان تجارتی قافلہ لے کر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا تھا 'اہل مدینہ کہ یہ خبر پہنچی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے 'اہل مکہ کو یہ خبر پہنچ گئی تو وہ بہت غلٹ میں قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اس قافلہ پر غالب نہ آجائیں۔ اور عروہ قافلہ نبی ﷺ کی زد سے باہر نکل گیا 'اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا 'صحابہ کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ آسان اور زیادہ پسندیدہ تھا اور اس میں مال غنیمت کے حصول کی زیادہ توقع تھی۔ جب وہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ کی زد سے باہر نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا جو ابو سفیان کے قافلہ کی حفاظت کے قصد سے مدینہ کی سرحد پر پہنچ چکا تھا 'مسلمانوں کو ان کی عددی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی کی وجہ سے ان سے مقابلہ کرنا ناگوار لگا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۱۳)

اس سے پہلے ہم نے دلائل النبوة کے حوالے سے جو ذکر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے ناراض ہوئے۔ یہ بعد کی بات ہے جب واد بعد کم اللہ احدی الطلائعین نازل ہو چکی تھی اور یہاں جو ہم نے جامع البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ صحابہ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے 'یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے قصد سے بدر کی طرف روانہ ہوئے 'اور شیطان سراقہ بن جشم کی شکل میں اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے کہا (سیدنا محمد ﷺ) اور ان کے اصحاب تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور تمہاری شوکت اور قوت کے مقابلہ میں وہ لوگ ٹھہر نہیں سکتے 'پھر وہ مسلح ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے مقام روماء پر جاسوس بھیجے ہوئے تھے انہوں نے سکر آپ کو لشکر کفار کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم سے تجارتی قافلہ یا لشکر کفار میں سے کسی ایک کا وعدہ فرمایا ہے 'مسلمانوں کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ پسندیدہ تھا کیونکہ اس میں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہیں تھا 'اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۶)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے۔ پھر آیت ۸ میں فرمایا تاکہ حق کو ثابت کر دے اور ناحق کو باطل کر دے اور بظاہر یہ تکرار ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں حق کو ثابت کرنے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور دوسری آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد ہے دین اسلام اور قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت کرنا اور کفار کے باطل عقائد کا بطلان واضح کرنا اور معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح دین اسلام کے غلبہ اور سرفرازی کا سبب بنی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں O اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بتایا تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O (الانفال ۹-۱۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ حق کو ثابت کرے گا اور ناحق کو باطل فرمائے گا اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ جو لوگ دین حق پر قائم ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مصیبت اور امتحان کے موقع پر فریاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔

غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑ گڑا کر دعا کرنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ نے مشرکین کی تعداد کی طرف دیکھا اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو اور کچھ تھے پھر آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اے اللہ اتو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت ختم کی جائے گی رسول اللہ ﷺ اسی طرح دعا فرما رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی چادر کندھے سے ڈھلک گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کے کندھے پر رکھی اور آپ سے پٹ گئے۔ اور کہا اے اللہ کے نبی یا آپ پر میرے ماں اور باپ نہ ابوں آپ نے اللہ عزوجل سے بہت فریاد کر لی ہے عنقریب آپ کا رب آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں۔

(صحیح مسلم الجلاء ۵۸: ۱۷۳) ۲۵۰۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۸ مسند ابوزرارہ رقم الحدیث: ۱۶۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲۱ دلائل النبوة للبیہقی ج ۳ ص ۵۱-۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰ ج ۳ ص ۳۶۵-۳۶۶ جامع البیان رقم الحدیث: ۷۲۲۳ ج ۲ ص ۲۵۱

احادیث میں یہ یاد کر رہے ہیں کہ اس وقت نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے لیکن قرآن مجید میں جمع کا صیغہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کرام دعا کر رہے تھے اور بظاہر یہی اقرب ہے کیونکہ صحابہ کرام کو دشمن کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی سے بہت خوف تھا۔ تاہم ان میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے اور صحابہ اس پر آمین کہہ رہے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں۔ اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بتایا تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں

اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا یا نہیں۔ اس میں حقد میں اور متاخرین کا اختلاف ہے، ہم اس سلسلہ میں فرشتوں کے قتال کے متعلق پہلے احادیث اور آثار بیان کریں گے پھر اس مسئلہ میں علماء اسلام کے نظریات بیان کریں گے اور آخر میں اپنا موقف پیش کریں گے۔ فصول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے، قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا، البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا، ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے، پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ فصول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک گھوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہ رہا تھا، اے جیزوم آگے بڑھ، (جیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے پست گر پڑا۔ اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ پھٹ گیا تھا، جیسے گھوڑا لگا ہو، اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

سعید بن رافع بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا، ان کے عماموں کا رنگ سبز، زرد اور سرخ تھا، اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ابو رہم غفاری اپنے ابن عم سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زلو بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے، جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گا تو ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے، پھر ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے، اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا جو تھلکی ہیں، جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کی بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آکر ہم کو زحمت لیا، ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں، اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا، "جیزوم آگے بڑھو" اور ہم نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے

نہرو، پیچھے سے آؤ، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے، پھر ان کی طرح ایک اور جماعت آئی اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی، پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے دگنے نظر آئے، میرا غم زاو فوت ہو گیا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سائب بن ابی صیث اسدی، حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا، ان سے پوچھا پھر کس نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی، مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک ہتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا، اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا، حضرت عبدالرحمن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے، حتیٰ کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی صیث! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا پسند کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے، اے ابن عوف! اپنے قیدی کو لے جاؤ تو حضرت عبدالرحمن مجھے لے گئے۔ سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو غلطی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو موخر کرتا رہا بلاخر میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت حکیم بن حزام جرحیہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے۔ جس سے (سیدنا) محمد ﷺ کی تائید کی گئی ہے، اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔

امام واقفی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔" اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا، اور حضرت ابو بکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخ دکرے گا، پھر اللہ عزوجل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگاتار فرشتے نازل کیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زور عمامہ باندھے ہوئے ہیں، ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں، جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہوئے، پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آ گئی۔

امام واقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں ٹکڑیاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں، اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر اور ان کے قدم اکھاڑ دے، پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان کافروں کو قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے۔ اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کس سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔

(کتاب المغازی، ج ۱، ص ۸۱-۷۵، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت، الطبعة ۱۹۵۵)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن ربیعہ جرحیہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹلی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے

ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں جتنا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھلائی دکھاتا جس سے فرشتے نکلے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۲ ص ۸۱ جامع البیان ج ۳ ص ۵۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷۳)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

حضرت ابو داؤد مازنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں۔ سو میرے تلواریں مارنے سے پہلے ہی اس کا سرکٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔

(ازاد المسجد ج ۱ ص ۳۵۳-۳۵۴ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳ جامع البیان ج ۲ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

تکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابو سفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو ہتھیار گھوڑوں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے ابو رافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابو ایسر تھے۔ حضرت ابو ایسر دہلے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک چٹپٹ شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملائکہ نے کسی دن بھی قتل نہیں کیا باقی ایام میں وہ عددی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اویس جو جزیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قرندہ اور نصیر کا محاصرہ کرتے رہے اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی پھر ہم واپس آگئے سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سردھو رہے تھے اچانک آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم قرندہ اور نصیر کے پاس پہنچے اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۵۲-۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ص ۵۵ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے بخدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے آپ ان کی طرف نکلے۔ آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا اوھر نور بنو قرندہ کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس جو جزیہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو عثم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ بنو قرندہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹-۵۹۰ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی)

فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے فرشتوں کی آمد کا معاملہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم

نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے ان کی دہبھی کے لیے ان کو مطمئن کرنے کے لیے جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتل کیا تھا ان میں بعض سداضعیف ہیں اور بعض میں توہیل اور توجیہ ہے۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

جنگ بدر میں فرشتوں کے نازل کرنے کی آیات ہیں۔ ان کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے؟ سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمایا پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے:

إِذْ تَسْتَخِيضُونَ رِجَالَكُمْ فَأَسْتَحَابَ لَكُمْ أَنْتُمْ
مُحِبُّكُمْ بِأَنْفِ وَنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّفِينَ
(الانفال ۹۰) سے مدد کرنے والا ہوں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتل کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتل نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے لیکن انہوں نے عملی طور پر قتل میں کوئی حصہ نہیں لیا اور یہی جمہور کا قول ہے۔ لیکن ابو بکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں:

۱۔ تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے قوم لوط کے چار شہروں کی زمین کو تحت اثری سے لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس کو زمین پر پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

۲۔ قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ غلام کافر کو غلام محلاتی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

۳۔ اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آرہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہیے تھا حالانکہ یہ معقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے شبہات دی محض پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں سو ابو بکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتل کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتل کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تو اتر کے قریب ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ جنگبرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا ابو بکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کلمہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی کام پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سل بن صلیف جریڈ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر گوار مارے اور ہماری گوار پہنچنے سے پہلے اس کا سرد ہڑ سے الگ ہو جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ يَنْزِلُوا فِيكُمْ
فَقَبِلُوا الدَّيْنَ أَمْثَلًا كَقَبْلِهِمْ فَيَقُولُ قَدْ أَفْلَحَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْبِرُّوا مَثَلَهُمْ فَيَقُولُ قَدْ أَفْلَحَ
وَاضْبِرُّوا مَثَلَهُمْ كَمَلْ بَنَانٍ (الانفال: ۳۰)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو غلبہ میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کروں گا تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس جریڈ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے کافرانگ پہچانے جاتے تھے ان کی گردنوں کے اوپر گوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب تھی اور ہر ضرب ایسی تھی جیسے آگ سے جلی ہوئی ہو امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود جریڈ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ بلجود میری پوری کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا جب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل پر سکون رہیں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنادیا سو ہر وہ لشکر جو صبر و ضبط سے کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آکر اس کے ساتھ قتل کرتے ہیں حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتل نہیں کیا اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اعصار اور مدد کے لیے آتے تھے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں تسبیح پڑھیں اور لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتل نہیں کیا وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے لیکن

پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قلادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی۔ حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ شعبی نے کہا نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر بخاری مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے، نبی ﷺ اور مسلمانوں پر یہ فحش گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تمہارے لیے یہ کفنی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (آل عمران: ۳۴-۳۵) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ بن کی مدد کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ بن کی مدد کی گئی تھی، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور انھیں تو اللہ تعالیٰ بن کی تمام جنگوں میں مدد فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی سے ڈرے تو جب انہوں نے قرینہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال) ملائکہ سے مدد فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے متعلق ہے اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کی جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جویشہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں بست شدت سے قتل کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتل سے مدد نہ کی گئی ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں:

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ان کے ارلوے پختہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (در حقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت عجب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۸) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو، سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے، اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے، کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نقل فرمایا ہے اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے بن کو جنگ کے متعلق عمدہ تدبیریں القاء کریں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے خالی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھہرایا اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیر اندازوں کو پیچھے کھڑا کیا، اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض میرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا، امام ابن حجر نے اس کی نفی کی ہے اور

حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا ہے اور کسی جنگ میں قتل نہیں کیا۔ ابو بکر اصم نے اس کا مستحکم ثبوت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا، نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی، حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَقْتُلُكُمْ فَيَنْقُصُ بِكُمْ (الانفال: ۳۴) اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر آ رہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سرکٹ کٹ کر گر رہے ہوں، پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تو اتر سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ امام رازی نے جو ابو بکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو بکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کیس یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفضل قتل کیا ہے، البتہ سورہ انفال میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا، اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر کرتے ہیں، اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزل ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران: ۵۶، الانفال: ۱۰)

باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال ان دنوں میں مختلف تھے، جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کی، اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔

(السنن ج ۳، ص ۱۱۵-۱۱۴، مطبوعہ دار العرفہ بیروت)

قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عربی صوفی متوفی ۷۳۵ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں کے قتل کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتل کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(الوار التنزیل ص ۲۳۵، مطبوعہ دار قرآن للنشر والتوزیع مصر)

علامہ احمد شہاب الدین خفای حنفی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتل کیا تھا یا قتل نہیں کیا تھا، بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا، اس کی تفصیل ”کشاف“ میں ہے۔

(عتابہ القاضی ج ۳، ص ۲۵۶، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

علامہ جبار اللہ محمود بن عمر دمشقی متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا غزوہ بدر میں فرشتوں کو بھیجا صرف تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے تھا، جیسے بنی اسرائیل کے لیے سیکڑ کو نازل کیا گیا تھا۔ یعنی تم نے اپنی قلت تعداد اور ضعف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا اور فریاد کی تو تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا تاکہ تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے دل مطمئن ہوں اور (حقیقت میں) امداد صرف اللہ

کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم یہ نہ گمان کرو کہ فرشتوں نے مدد کی ہے، کیونکہ تمہاری اور فرشتوں کی مدد کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتوں کی مدد کرنا اللہ کی طرف سے بطور اسباب ہے اور جس کی اللہ مدد فرمائے وہی منصور ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امداد کو محض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے اور بعض املوٹ میں اس کی دلیل ہے حضرت ابواسید نے بیان ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور دیکھتا ہوتا تو تم کو وہ گھٹائی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صراحۃً یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتل کیا البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ يَنْزِلُوا بِكَ وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْبِرُوا أَصَابِقَ الْأَعْيُنِ وَأَنْصِبُوا مِنْكُمْ كُلًّا بَسًا - (الانفال: ۱۳)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، مقترب میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کروں گا، تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

علامہ جبر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اس آیت سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالنزل لڑائی میں حصہ لیا، لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (الحرر الوجیز ج ۸ ص ۲۷ مطبوعہ مکتبہ تجلیہ، مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے، ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنین سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (الحرر الوجیز ج ۵ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایات میں ہے بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر حاشیہ قرآن، مطبوعہ سعودی عرب)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

یہود و نڈمانی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوں۔ اس کا سر میری تلوار کے پتختے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر حاشیہ قرآن، مطبوعہ تاج کینی لینڈ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتل میں یہ کام نہیں لیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر القرآن، ج ۲، ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے، انہوں نے دو ٹوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتل کا قول کیا ہے اور نہ صراحہ اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتل ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکہ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتل میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا۔ فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرنا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جدل کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کفر کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا منجائش تھی، مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۷۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی ذریعہ بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتل میں حصہ لیں، اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتل میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیے۔ مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بڑھائی اور قتل میں بھی حصہ لیا، اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در مشور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتل ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۹۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے بعض کم سوادوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھلوا دینے کے لیے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں۔ ان کے خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ

یہ بات محض تمہاری تسلی کے لیے کہہ دی گئی تھی اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی مگر یا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چکمہ دیا اور خود ہی اپنا بھائی پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تمہیں چکمہ دے کر لڑا دیا آئندہ میرے بھرے میں نہ آنا فرشتوں و فرشتوں کی بات محض ایک بھڑی تھی شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی قلمند نہیں سمجھتے۔

(تذکرہ قرآن، ج ۲، ص ۳۳۵-۳۳۴، مطبوعہ داران فاؤنڈیشن ۱۹۷۱ء)

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی انہوں نے جس غیر سنجیدہ انداز سے تعبیر کی ہے وہ قابل صد افسوس اور مذمت ہے۔

شیخ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور تمامہ کاشملہ کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا اور بائیں اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جملہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جملہ کا حکم دیا گیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان شخص نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا اور وہ شخص کسی اور کو نہ دیکھتا اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں یہ فرق تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔ (منہج الصلحین، ج ۲، ص ۲۸، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو دہلی)

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض اس کے معنی ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے، ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے۔ اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ آل عمران: ۱۶۷ اور الانفال: ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

۲۔ اگر کفار کو فرشتوں نے قتل کیا تھا تو مجاہدین بدر کی کیا فضیلت رہ جاتی ہے؟

۳۔ جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے جن میں سے کچھ کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور باقی کو دوسرے مجاہدین نے اور تاریخ میں یہ محفوظ ہے کہ کس کافر کو کس مسلمان نے قتل کیا تھا تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(تفسیر نمونہ، ج ۷، ص ۱۰۵-۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، ایران ۱۳۶۹ء)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کے متعلق امام رازی کا تبدیل شدہ نظریہ

آل عمران: ۱۶۷ کی جو امام غزالی نے تفسیر کی ہے اس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں امام

رازی نے اس سے مختلف تقریر کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کی تقویت اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتل کیا تھا یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی دائیں جانب تھے۔ اور حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی بائیں جانب تھے اور اس لشکر میں حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی تھے۔ اور وہ فرشتے مردوں کی صورت میں سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہوں نے کفار سے قتل کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ ان فرشتوں نے غزوہ بدر میں قتل کیا تھا اور غزوہ احزاب اور غزوہ خنین میں قتل نہیں کیا تھا۔ اور روایت ہے کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا تھا وہ آواز کہاں سے آتی تھی جس کو ہم سنتے تھے اور بولنے والا نظر نہیں آتا تھا حضرت ابن مسعود نے کہا وہ فرشتے تھے تب ابو جہل نے کہا تو پھر انہوں نے ہم کو شکست دی ہے تم نے نہیں دی، اور روایت ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑا مارنے والے کی آواز سنی اس نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو وہ نیچے گر پڑا تھا اور اس کا چہرہ شق ہو گیا تھا اس انصاری نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمان سے مدد آئی تھی۔ علماء کی دوسری جماعت نے یہ کہا کہ فرشتوں نے قتل بالکل نہیں کیا وہ صرف مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بڑھانے کے لیے آئے تھے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے اور نہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ ہی کافی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ایک پر سے قوم لوط کے تمام شہروں کو تباہ اور برباد کر دیا تھا اور قوم ثمود کے شہروں کو اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو صرف ایک چٹخ سے ہلاک کر دیا تھا۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کی امداد کی کیفیت سورہ آل عمران میں بہت تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ غزوہ بدر میں فرشتے قتل کے لیے نازل نہیں ہوئے تھے اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَ يُنْظِرُكُمْ ۖ (الانفال: ۱۱۰)
لے تھا اور اس لیے کہ تمہارے دل مطمئن رہیں۔

فرمانے یہ کہا کہ ”واجبہ“ کی ضمیر لگاتار فرشتوں کی طرف لوتی ہے یعنی لگاتار فرشتوں کو بھیجا صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے تھا اور زجاج نے بھی یہی کہا ہے کہ لگاتار فرشتوں کو بھیجا صرف بشارت دینے کے لیے تھا اور یہ تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ فرشتوں کی امداد بشارت سے حاصل ہو گئی تھی حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے دعا کر رہے تھے اور آپ کی دائیں جانب حضرت ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا پھر رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آگئی پھر آپ نے حضرت ابو بکر کے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کی مدد کی بشارت لو میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرائیل گھوڑے پر سوار آ رہے ہیں۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کو نازل کرنے سے صرف خوشخبری دینا مقصود تھا اور یہ اس بات کی نفی کرتی ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ”مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔“ (الانفال: ۱۰۰) اور اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہر چند کہ فرشتے مومنین کی موافقت میں نازل ہوئے تھے لیکن مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس پر اعتکاف نہ کریں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی اعانت اور امداد اس کی ہدایت اور اس کے کلمے ہونے پر اعتکاف کریں۔ کیونکہ اللہ ہی عزیز اور غالب ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا اور وہی ایسا قاہر ہے جس پر کوئی قہر نہیں کر سکتا اور وہی حکیم ہے اور وہ اپنی حکمت سے جانتا ہے کہ کس جگہ نصرت کرنی چاہیے سو وہ اس جگہ نصرت فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۵ھ)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قاتل کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوتے تھے، اور انہوں نے خود جنگ نہیں کی۔ اس کے برخلاف بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی، لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے معارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا، نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا، حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے، اور متعدد زخمی ہوئے، نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمال نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوئی۔ اور پھر ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ تمام کافروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا، علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا، پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَلَمَ تَغْلِبُوهُمْ وَلَئِكَ اللَّهُ قَنَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَئِكَ اللَّهُ رَمَىٰ

(الانفال: ۱۷) آپ نے (حقیقتاً خاک) نہیں پھینکی، جس وقت (ظاہراً) آپ نے

(خاک) پھینکی تھی، وہ (خاک) اللہ نے پھینکی۔

ظاہراً صحابہ بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقتاً قتل نہیں کیا، اللہ نے ان کو قتل کیا ہے، اگر فرشتوں نے ظاہراً قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: اے مسلمانو! تم نے کافروں کو حقیقتاً قتل نہیں کیا، ان کو تو در حقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہراً کی نہ حقیقتاً، تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہراً نہ حقیقتاً، اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لیے تھا، جو فرشتے بدر میں اترے انہیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی، اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہوا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن رقامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد اہل بدر میں سے تھے) کہ حضرت جبرائیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اہل بدر کو کون سادہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں یا اس طرح کوئی اور بات فرمائی۔ حضرت جبرائیل نے کہا ہم بھی اسی طرح فرشتوں میں بدری فرشتوں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۲۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس جنگ میں ان کو مسلمانوں کی معیت کا شرف

اور مرتبہ دیا جائے۔

میں نے اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی ہے اور اہمات کتب حدیث میں مجھ کو فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر احادیث ملیں میں نے ان سب کا ذکر کیا، لیکن میں نے دیکھا یہ احادیث باہم متعارض اور مضطرب ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ احزاب میں بھی

قتل کیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بلکہ کافر بھی فرشتوں کو دیکھ رہے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو قتل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، البتہ بغیر کسی قاتل کے کافروں کے سرکٹ کٹ کر گر رہے تھے اس کے برخلاف قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا بلکہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قتل کیا تھا اور فرشتے صرف مسلمانوں کی دل جمعی کے لیے نازل ہوئے تھے میرے نزدیک احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ حجت ہیں لیکن قرآن مجید بہ ہر نوع احادیث پر مقدم ہے۔ نیز قواعد اسلام اور اصول اور روایت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ جنگ صرف مسلمانوں نے لڑی تھی۔ میں نے اس مسئلہ میں دیگر فقہاء اسلام کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے۔ بہر حال میرے قلب و ضمیر کے مطابق حق یہی ہے اور اگر حق دوسری جانب ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے اور میں اس سے تائب ہوں۔

آل عمران ۷۷-۷۸ کی تفسیر میں بھی میں نے یہی تقریر کی ہے لیکن اس کی اہمیت اور اقلہ کے پیش نظر میں نے چند مزید حوالہ جات کا اضافہ کر کے اس تقریر کو دوبارہ ذکر کر دیا ہے۔

إِذْ يُغَشِّكُمُ النُّعَاسُ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنْزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ

(یاد کرو) جب اندھ اپنی طرف سے تم پر غودگی طاری کر رہا تھا جو تمہارے لیے بے غوثی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے

مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُم رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ

بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس کے کہیں پک نہ سکے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو

عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝۱۱ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى

ٹھکانی بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جما دے ۱۱ اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب فرشتوں

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّثُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَالِقِيْنَ فِيْ قُلُوْبِ

کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو، میں منتریب ان کافروں کے دلوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالرُّعْبَ فَاَصْحٰۤىٔ يُّوۡفُوۡقَ الْاَعْنَاقِ وَاصْرِبُوۡا

میں رعب ڈال دوں گا، سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے سر جوڑ پر

مِنْهُمْ كُلَّ بَنٰٓئٍ ۝۱۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوۡا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُۥ ۚ وَمَنْ

مرب لگاؤ ۱۲ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو

يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُۥٓ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ ذٰلِكَ

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۱۳ ہے اللہ تعالیٰ

فَذَوْقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ

مژا) سوائے کچھ اور بیشک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ۵ اے ایمان والو ۱

أَمِنُوا إِذَ الْقَيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَزْهَفًا فَلَا تُؤْلَوْهُمْ أَلَدَبَارُ ۝

جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیش نہ پیرو ۵

وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَ ذِي الْقَعْدَةِ إِلَّا مَتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَدِّثًا

اور جس شخص نے جنگ کی حکمت مل یا ایک جماعت سے (کے قصد) کے بغیر میدان جنگ سے پیشہ پیری

إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَ

تو بے شک وہ اندر کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ

بِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ

کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے ۵ (وہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا، لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور (اے رسولِ معظم) آپ نے ان کو

إِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَفَعَهُ وَلِيُبَلِّىَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءٌ

نہیں پھیل جس وقت آپ نے ان کو ہٹا دیا لیکن وہ خاکِ اللہ نے پھیل گئی تاکہ وہ سب کو اپنی آزمائش کے ساتھ

حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنٌ كَرِيءٌ

گڑبڑا ہے، بیشک اللہ بہت سنے والا اور سب کو جاننے والا ۵ یہ تو تمہارے ساتھ ساتھ ہے اور اللہ کفار کی چاروں کو

الْكَافِرِينَ ۝ إِنْ تَسْتَفِيحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا

کمزور کرنے والا ہے ۵ آپ ان کافروں سے کہیے اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم (کفر اور شرک

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَكِنْ تُغْنِي عَنْكُمْ فِتْنَتُكُمْ

سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر نہیں سزا دیں گے اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو

شَيْءًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وہ تمہارے کسی کام نہ آئے گا اور بے شک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یاد کرو) جب اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا جو تمہارے لیے بے خوبی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کرے اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جمادے O اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو طہیت قدم رکھو، میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے ہر جوڑے پر ضرب لگاتے۔

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چھ انواع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمال طور پر فرمایا تھا کہ غزوہ بدر میں صرف اللہ کی طرف سے مدد تھی۔ اب اللہ تعالیٰ تفصیل سے اس امداد کو بیان فرما رہا ہے۔ الانفال کی آیت ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس امداد کی چھ انواع بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنا۔

۲۔ آسمان سے بارش نازل فرمانا۔

۳۔ مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا اور ان کے دلوں کو مضبوط کرنا۔

۴۔ مسلمانوں کے قدم جملا۔

۵۔ فرشتوں کی طرف سے وحی نازل فرمانا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

۶۔ کافروں کے دلوں پر رعب طاری کرنا اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت ڈالنا۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ یہ امداد کی نعمتوں کو بیان کریں گے۔ فسقول وبالله التوفیق۔

جس دن کی صبح جنگ ہوئی تھی اس رات مسلمانوں پر نیند کا طاری ہونا

نعمان غنودگی کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان بالکل مطمئن ہوتا ہے اور اس کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں پر یہ غنودگی اس رات طاری ہوئی تھی جس کی صبح کو انہوں نے کفار کے خلاف جہاد کرنا تھا اور اس رات ان کو نیند آجانا نہایت عجیب تھا کیونکہ ان کی تعداد کم تھی اور صبح ان کو اپنے سے تین گنا لشکر کا سامنا کرنا تھا۔ بظاہر اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے ان کو نیند نہیں آئی چاہیے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مطمئن اور مضبوط کر دیا۔ مسلمانوں میں سے حضرت مقداد بن اسود کے پاس ایک چنگبرے رنگ کا گھوڑا تھا جس کا نام سحر تھا۔ ایک گھوڑا حضرت زبیر بن العوام کے پاس تھا جس کا نام یحسوب تھا اور ایک گھوڑا مرثد بن ابی مرثد کے پاس تھا جس کا نام سیل تھا۔ انہی چنگبروں کے پاس ایک کھوار اور ایک زرہ تھی اور مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور ایک اونٹ پر باری باری تین مسلمان سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابو لہبہ اور حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں بھی ایک اونٹ تھا۔ ان صاحبوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ مستقل اونٹ پر سوار رہیں اور وہ پیدل چلتے رہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں ہو لو ورنہ تمہاری بہ نسبت اجر سے مستثنیٰ نہیں ہوں۔ اس کے برخلاف کفار قریش کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور ہر گھوڑے پر ایک زرہ پوش سوار تھا اور جو پیدل تھے ان کے پاس بھی زرہیں تھیں۔ وہ ہر روز نو دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور ان کے ساتھ باندیاں تھیں جو گاجا کر اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار پڑھ کر ان کو جوش دلاری تھیں اور ان کی آتش غضب کو اور بھڑکاری تھیں۔ اندر میں حالات مسلمانوں کو زیادہ فکر مند اور پریشان ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ اسی طرح بے چینی سے جاگ کر رات گزارتے تو صبح کو وہ لڑنے کے لیے تازہ دم نہ ہوتے، سو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور ان کی یہ امداد کی کہ ان پر نیند طاری کر دی اور جمعہ کی صبح کو جس دن جنگ ہوئی تھی وہ بالکل تازہ دم اور

جنگ کے لیے تیار تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، دلائل النبوة، سبل الهدی والرشاد، ملتصاح)
مسلمانوں پر اس رات غنودگی طاری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں
ہر نیند اور غنودگی اللہ کی طرف سے طاری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس غنودگی کو طاری کرنے کی نسبت جو اپنی طرف کی
ہے اور اس کو اہمیت سے بیان فرمایا تو ضرور اس میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:
- جب کوئی شخص اپنے دشمن سے خوفزدہ ہو اور اس کو اپنے اہل و عیال کی جان کا خطرہ ہو تو علاتا اس کو نیند نہیں آتی اور
جب اس کیفیت میں نیند آجائے تو یہ ضرور ایک غیر معمولی بات ہے۔

۲- وہ ایسی گہری نیند نہیں سوئے تھے کہ گرد و پیش بے ہنگام بے خبر ہو جاتے ورنہ دشمن ان پر اچانک ٹوٹ پڑتا اور ان سب
کو ہلاک کر دیتا۔ بلکہ ان پر صرف غنودگی طاری کی جس سے ان کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور صبح کو وہ تازہ دم اٹھیں اور اگر رات
کو دشمن ان کی طرف آتا تو وہ فوراً بیدار ہو جاتے اور دشمن ان کو بے خبری میں ہلاک کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

۳- ایک بڑی جماعت کے ہر شخص کو بیک وقت نیند کا آجائیا بھی غیر معمولی بات ہے۔
۴- نیند بے فکری اور سکون کے وقت آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دل و دماغ سے دشمن کے
خوف اور اس کی فکر کو دور کر دیا تھا اور تین سو تیرہ نفوس کے دل و دماغ میں بیک وقت ایک ہی قسم کی کیفیات کا طاری ہونا یہ
بھی ایک غیر معمولی بات ہے۔

ان مذکورہ وجوہ سے معلوم ہوا کہ اس رات مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنے میں کئی وجوہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی
نشانیں کا اظہار تھا اور رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔
بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ اور بارش کا نزول
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بدر کی طرف روانہ ہوئے اور مشرکین پہلے پہنچ چکے تھے اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا
ان کا پڑاؤ وادی کے اوپر کی جانب تھا اور نبی ﷺ وادی کی ٹہلی جانب تھے۔ کئی مسلمان جنبی ہو چکے تھے اور ان کے غسل کے لیے
پانی نہیں تھا اور کئی پیاسے تھے اور جو مسلمان جنبی تھے وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے جنابت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے شیطان نے
ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم کفار قریش پر غالب آنے کی کیسے توقع کر سکتے ہو حالانکہ تم میں کئی مسلمان بغیر وضو کے حالت
جنابت میں نماز پڑھ رہے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش نازل کی۔ انہوں نے غسل کیا وضو کیا اور پانی پیا۔ وہ جگہ ریتلی تھی
اور ریت کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے اب ان کے قدم ریت پر جمع گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے
دلوں سے شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو زائل کر دیا۔ (جامع البیہاں، ج ۹، ص ۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام ابن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا کہ کفار قریش نے وادی بدر کے آخری کونے پر پڑاؤ ڈالا تھا اور ان کے پیچھے ریت کا ٹیلہ تھا رسول
اللہ ﷺ اور مسلمان اس ٹیلے کے پیچھے تھے اور ریت کی زیادتی کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے اور پانی پر
قریش کا قبضہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور جہاں قریش تھے وہاں بارش کی وجہ سے کچھ ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام بیہقی نے زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبد اللہ بن ابی بکر وغیرہم سے غزوہ بدر کے متعلق ایک

طویل حدیث روایت کی ہے اس میں بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کے متعلق بیان کیا ہے:

قریش نے ولوی بدر کے آخری کنارے میں پڑاؤ ڈالا اور بدر کے سارے کنوئیں مدینہ کی طرف سے ابتدائی کنارے کے ریتے میدان کے وسط میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور اس جگہ چلنا آسان ہو گیا اور جس جانب کفار قریش تھے وہاں سخت کچڑ ہو گئی اور وہاں چلنا دو بھر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ سرعت سے روانہ ہوئے اور کفار قریش پر سبقت کر کے نزدیک ترین پانی کے کنوئیں پر پہنچ گئے۔ حضرت حبیب بن منذر نے کہا یا رسول اللہ! کیا اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس جگہ قیام کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہم اس جگہ سے سرمو تلو زہ کر سکیں یا آپ نے جنگ کی حکمت عملی کی وجہ سے اس جگہ کو منتخب فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ صرف جنگ کی حکمت عملی ہے۔ حضرت حبیب نے کہا یا رسول اللہ! تب یہاں سے اٹھئے اور ایسی جگہ قیام کیجئے کہ بدر کے تمام کنوئیں ہماری پشت پر ہوں پھر ایک کنوئیں کے سوا باقی تمام کنوئیں بند کر دیجئے۔ اور زمین کھود کر ایک حوض بنو دیجئے اور اس میں سارا پانی جمع کر لیں تاکہ اس حوض پر ہمارا قبضہ ہو ہم جب چاہیں وہاں سے پانی حاصل کر لیں اور قریش کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ مل سکے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا فیصلہ فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرما لیا۔ (دلائل النبوة، ج ۲، ص ۳۱۰-۳۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۱۵ھ)

بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ کی نعمتیں

کفار قریش نے پہلے پہنچ کا پانی پر قبضہ کر لیا تھا، مسلمان خوف زدہ اور پیاسے تھے اور بعض جنبی تھے انہیں پینے کے لیے پانی میسر نہ تھا نہ غسل کے لیے علاوہ ازیں ریت میں ان کے پاؤں دھنسنے رہے تھے اور ہوا سے ریت اڑ رہی تھی اور شیطان ان کے دلوں میں دوسو سے ڈال رہا تھا کہ اگر یہ دین سچا ہو تا تو تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان کی پیاس بجھ گئی اور انہوں نے غسل کر لیا کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے زمین کو کھود کر ایک حوض بنالیا تھا جس میں انہوں نے بارش کا پانی اکٹھا کر لیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ تم سے شیطان کی نجاست دور کرے اس سے یہ مراد ہے کہ اس بارش کے ذریعہ انہوں نے غسل کر لیا اور ان سے نجاست دور ہو گئی نیز اس سے شیطان کا ڈلا ہوا یہ دوسو باطل ہو گیا کہ اگر تم دین حق پر ہوتے تو اس طرح پیاسے اور جنبی نہ رہتے۔

بقیہ چار نعمتوں کی تفصیل

اس کے بعد فرمایا تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ یہ تیسری نعمت اور امداد کا بیان ہے کیونکہ بارش نازل ہونے کی وجہ سے ان کے دل مضبوط ہو گئے اور گھبراہٹ اور خوف ان سے دور ہو گیا۔ نعمت میں ربط کا معنی باندھنا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں کو باندھ دیا تاکہ اس میں خوف و گھبراہٹ نہ داخل ہو سکے۔

پھر فرمایا اور تمہارے قدموں کو جمادے یہ چوتھی نعمت اور امداد کا بیان ہے کیونکہ ریت میں مسلمانوں کے پاؤں دھنسنے رہے تھے اور ان کو چلنے میں مشکل اور دشواری تھی اور بارش ہونے کے بعد ریت بیٹھ گئی اور وہ قدم جما کر چلنے لگے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیے تو وہ جنگ میں ثابت قدم ہو گئے۔ کیونکہ اگر ان کے دل کمزور ہوتے تو یہ خدشہ رہتا کہ وہ جنگ کی شدت سے گھبرا کر بھاگ جائیں گے اور اس نعمت اور امداد کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان وادی بدر کی جس جانب تھے وہاں ریتلی زمین تھی اور کفار قریش جس جانب تھے وہاں دھول اور مٹی تھی اور بارش ہونے

سے ریت بیٹھ گئی اور مسلمانوں کے لیے آسانی ہو گئی اور جہاں دھول اور مٹی تھی وہاں بارش کی وجہ سے کچھڑ ہو گئی اور ان کا چلنا دو بھر ہو گیا تو اس بارش نے جہاں مسلمانوں کے لیے آسانی کی وہاں کفار کے لیے مشکل اور دشواری کی اور دشمن کی مصیبت بھی انسان کے لیے نعمت ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، یہ نعمت اور امداد کی پانچویں قسم ہے۔ اس نعمت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ جب فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ ان کے یعنی فرشتوں کے ساتھ ہے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ مسلمانوں کی مدد کرو اور ان کو ثابت قدم رکھو۔ اور فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کا یہ معنی ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور یہ نعمت اور امداد کی چھٹی قسم ہے، کیونکہ انسان کے جسم کا امیر اس کا دل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو قوی کر دیا اور ان کے دلوں سے کفار کے خوف کو زائل کر دیا اور پھر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس کے بعد فرمایا سو تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہے اور اس جملہ سے متصل ہے کہ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم مومنوں کو ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فرشتوں کو قتل اور جملہ کے لیے نہیں نازل کیا گیا تھا۔ ان کے ہر جوڑ پر وار کرو یعنی ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ ڈالو۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ جس طرح بھی چاہو ان کو مار ڈالو کیونکہ گردن کے اوپر سر ہے اور سر اشراف الاعضاء ہے اور جوڑا ضعف الاعضاء ہیں پس یہاں اشراف اور اضعف کا ذکر کر کے متنبہ کیا ہے کہ ان کو جس طرح چاہو قتل کر دو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو ان کو قتل کر دیا پھر ان کی انگلیوں اور ان کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو تاکہ یہ تم پر حملہ کرنے کے قائل نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ ہے (تمہاری سزا) سو اس کو چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ (الانفال: ۳۳-۳۴)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو براہ راست اور بلا واسطہ نعمتیں ہیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کی ہوئی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو بلا واسطہ نعمتیں ہیں، کیونکہ کسی جماعت کے مخالفین پر عذاب بھی اس جماعت کے حق میں نعمت ہوتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے، انہوں نے اللہ سے شقاق کیا۔ شقاق کا معنی ہے ایک شخص ایک شخص (جانب) پر ہو اور دوسرا شخص دوسری شق پر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ منظور نہیں ہے کہ وہ کسی ایک شخص پر ہو یا کسی ایک جانب ہو اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے شقاق کیا کہ وہ ایک جانب دین اسلام پر تھے اور وہ دوسری جانب کفر پر تھے۔

پہلی آیت میں فرمایا تھا جو اللہ اور اس کے رسول سے شقاق (تنازع) کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور اس

سکے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم میں روح کو لوٹائے بغیر اس میں حیات پیدا کر دے اور سماعت کا دار اک پیدا کر دے۔

(اکمال اکمال العلوم ج ۷، ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ مازری نے کہا اس حدیث سے بعض لوگوں نے سماع موتی (مردوں کے سننے) پر استدلال کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے عام حکم ثابت نہیں ہوتا یہ صرف متوکلین بدر کے ساتھ خاص ہے، قاضی عیاض مالکی نے ابن کارد کرتے ہوئے لکھا جن اہل بیت سے عذاب قبر اور قبر میں سوالات اور جوابات ثابت ہیں اور ان سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے اور ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اسی طرح اس حدیث سے بھی سماع موتی ثابت ہے دونوں کا ایک محمل ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان زندہ کر دیا ہو یا ان کے جسم کے کسی ایک عضو میں حیات پیدا کر دی ہو اور جس وقت اللہ ان میں سماعت پیدا کرنا چاہے وہ سن لیتے ہوں یہ قاضی عیاض کا کلام ہے اور یہی مختار ہے اور جن اہل بیت میں اصحاب قبر کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کا بھی یہی قصدا ہے۔ (معجم مسلم شرح النووی ج ۷، ص ۷۰۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ موت عدم محض اور فنا صرف نہیں ہے بلکہ موت روح کے بدن سے منقطع ہونے اور اس کی بدن سے مفارقت کا نام ہے اور وہ ایک محل سے دوسرے محل میں اور ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ مردہ اپنے اصحاب کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں تو مردہ ان کی جوتیوں کے چلنے کی آواز سنتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کے بعد قبر میں سوال و جواب کا ذکر ہے۔

(معجم البخاری رقم الحديث: ۱۳۳۸، ص ۱۳، معجم مسلم کتاب الجنۃ: ۷۱، ص ۲۸۷، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۰۴۸)

سماع موتی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ

مردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: مردہ کے گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا کہ مردہ کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور اس کے گھر والے اس پر رورہے ہیں، لہذا یہ ایسا ہی ہے کہ جب جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے اور اس میں مشرکین میں سے متوکلین بدر پڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا جو فرمایا تھا، حضرت عمر نے روایت کیا یہ میرا کلام سن رہے ہیں اور وہ بھول گئے۔ آپ نے فرمایا تھا ان کو علم ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ برحق ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى (النمل: ۸۰)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا تے۔

اور آپ ان کو سنا تے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔

(معجم مسلم البیہاق ج ۲، ص ۲۲۱ (۹۳۲)، سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۱۲۹، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۰۷۶)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۵۱۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیتوں سے استدلال کیا ہے ان سے مراد کفار ہیں گویا کہ وہ اپنی قبروں میں مردہ ہیں اور ان آیتوں میں سننے سے مراد ان کا نبی ﷺ کے ارشاد کو سمجھنا اور آپ کے پیغام کو قبول کرنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَآتَمَعَهُمْ وَلَوْ
أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ
(انفال: ۳۳) اور اگر (بالفرض) اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں
(آپ کا پیغام) ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) اللہ انہیں سنا بھی
دیتا تب بھی وہ اعراض کرتے ہوئے ضرور پیٹھ پھیرتے۔

اور یہ اس طرح ہے جیسے ان کے حواس خمسہ سلامت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو براہِ گونا گونا اور اندھا فرمایا کیونکہ سننے، بولنے اور دیکھنے کی جو غرض و نیت اور اس کے تقاضے ہیں وہ ان کو پورا نہیں کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کو اپنا پیغام نہیں سناتے جو اس پیغام کو فہم و تدبر سے نہیں سنتے اور نہ اس پیغام کو قبول کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ ان آیتوں میں حقیقتاً مردے مراد ہیں تب بھی ان آیات کا ان احادیث سے کوئی تعارض نہیں ہے جن سے مردوں کا سننا ثابت ہے کیونکہ اگر ان آیتوں سے بالعموم مردوں کے سننے کی نفی مراد ہو تب بھی عام میں تخصیص جائز ہے اور مخصوص وہ احادیث ہیں جن سے مردوں کا سننا ثابت ہے اور ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کسی وقت اور کسی حال میں مردے سن لیتے ہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں نے جو کچھ ان (مقتولین بدر) سے کہا اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۷) اور آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تم میرے کلام کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۲، التلخیص ج ۲ ص ۵۸۶، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ) حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں کے سننے کا انکار کرتی ہیں اور ان کے علم اور جاننے کا اعتراف اور اقرار کرتی ہیں امام بیہقی نے فرمایا علم سماعت کے متعلق نہیں ہے اور آیت کریمہ: آپ مردوں کو نہیں سناتے (التلخیص: ۳۰) کا جواب یہ ہے کہ آپ مردوں کو یہ حیثیت مردہ نہیں سناتے لیکن اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ سن لیتے ہیں جیسا کہ قتادہ نے بیان کیا ہے اور مقتولین بدر کے سننے کی حدیث صرف حضرت عمر نے روایت نہیں کی اور نہ اس روایت میں حضرت ابن عمر مضبوط ہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت ابو طلحہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل حدیث کو امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ سننے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سننے ہیں جس طرح تم سننے ہو لیکن وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ سن رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو لیکن یہ آج جواب نہیں دے سکتے!

(المعجم الكبير ج ۱۰: رقم الحديث: ۱۰۳۲۰ کتاب السنہ رقم الحديث: ۸۸۴ نیز امام ابن اسحاق نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۵۰)

اور نعت عجیب بات یہ ہے کہ امام ابن اسحاق نے مغازی میں یونس بن بکر کی سند جید کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضرت ابو طلحہ کی حدیث کی شکل کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۵۰)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: امام احمد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ مقتولین بدر کو کنویں میں پھینک دیا جائے۔ امیہ بن خلف کے علاوہ سب کو پھینک دیا گیا کیونکہ وہ اپنی زرہ میں پھول چکا تھا۔ جب ان کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے رب کے اس وعدہ کو سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا؟ کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا؟ آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں؟ آپ نے ان سے فرمایا انہوں نے جان لیا ہے کہ میں نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق ہے اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سن لیا۔ میں نے ان سے جو کہا تھا وہ برحق تھا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا انہوں نے جان لیا۔ (مسند احمد ج ۱۸: رقم الحديث: ۳۳۹ طبع قاہرہ مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۷۶ طبع قدیم دہلی النکاح) حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ روایت کیا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہم کو مسند احمد میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ البتہ امام ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: بہر حال حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اگر امام احمد کی یہ روایت (یا امام ابن اسحاق کی یہ روایت) محفوظ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے سابق انکار سے رجوع فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک دیگر صحابہ کی روایت سے یہ امر ثابت ہو گیا تھا جو اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقع پر حاضر نہیں تھیں۔ امام اسماعیلی نے یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ذکوان اور کثرت روایت اور علم میں خواص ہونے کے لحاظ سے تمام صحابہ پر فائق ہیں لیکن ثقہ اور معتد صحابہ کی روایت کو اسی وقت مسترد کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا مثل ثقہ روایت میں اس کے منسوخ یا مخصوص یا محل ہونے کی تصریح ہو۔ اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جبکہ جس چیز کا حضرت عائشہ نے انکار کیا ہے اور جس چیز کو دوسرے صحابہ نے ثابت کیا ہے ان کو جمع کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "انک لا تسمع الموتی" (النمل: ۸۰) "آپ مردوں کو نہیں سناؤ" یہ اس کے متعلق نہیں ہے کہ وہ اس وقت سن رہے تھے۔ کیونکہ اسلم کا معنی ہے سنانے والے کی آواز کو سامع تک پہنچانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو سنایا تھا بایں طور کہ اپنے نبی ﷺ کی آواز ان تک پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا وہ اب جان رہے ہیں یا ان کو اب علم ہو رہا ہے تو اگر حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے خود یہ الفاظ سنے تھے تو یہ دیگر صحابہ کی اس روایت کے متعلق نہیں ہے کہ وہ اب سن رہے ہیں بلکہ اس کی موید ہے علامہ سیبلی نے جو اس مقام پر بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث خرق عادت (معجزہ) پر دلالت کرتی ہے کیونکہ صحابہ نے کہا کیا آپ مردوں سے کلام کر رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا جو صحابہ کی روایت کے مطابق وہ اب سن رہے ہیں اور حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق ان کو اب علم ہو رہا ہے اور جب مردہ ہونے کی حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو اس حال میں ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے۔ اور یہ سماعت یا ان کے سر کے کانوں سے تھی یا ان کے دل کے کانوں سے تھی۔ اور دیگر صحابہ کی روایت کو حضرت عائشہ کی روایت پر اس لیے ترجیح ہے کہ وہ اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقع پر

موجود نہ تھیں، حضرت عائشہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ما انت بمسمع من فی القبور" (طہ: ۳۲) "آپ ان کو سننے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں"۔ اور یہ آیت اس آیت کی مثل ہے افانت تسمع الصم او تہدی العمی (الزمر: ۳) "تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اور اندھوں کو ہدایت دیں گے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور وہی توفیق دیتا ہے اور وہی دلوں کے کلاں تک فصاحت پہنچاتا ہے نہ کہ آپ، اور مردوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کفار کو مردہ اور بہرہ فرمایا، پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سناتا ہے جب وہ چاہتا ہے اور حقیقت میں نہ اس کا نبی بنا سکتا ہے نہ کوئی اور، پس اس آیت سے حضرت عائشہ کے استدلال کا رد وجہ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اول یہ کہ یہ آیت کفار کو اہل ایمان کی دعوت دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور ثانی یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس چیز کی نفی کی ہے کہ حقیقت میں وہ سننے والے نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سننے والا ہے۔ اور اللہ نے صحیح فرمایا ہے وہی جب چاہتا ہے ان کو سناتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(الروضة الانف، ج ۲، ص ۷۳، مطبوعہ لبنان، فتح الباری، ج ۷، ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے یہ آیات اپنے موقف میں تلاوت کیں، ان آیات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان آیات میں سماع کے پیدا کرنے کی نفی کی گئی اور سماع کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے رسول اللہ ﷺ پیدا نہیں کرتے، پھر کے کوئی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر کے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنایا، یہ تفسیر قولہ نے بیان کی ہے اور علامہ سیوطی نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر حاضر نہیں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو"۔ تو اس موقع پر انہی کی روایت مستحب ہے جنہوں نے یہ الفاظ سنے تھے، اور جب اس حالت میں ان کا جانا ممکن ہے تو ان کا سننا بھی ممکن ہے، یا تو ان کفار نے حضور ﷺ کے ارشاد کو اپنے سر کے کلاں سے سنا تھا اور یہ اس وقت ہے جب فرشتوں کے سوال کے وقت ان کی رو میں ان کے جسموں میں نورانی گئی تھیں جیسا کہ اکثر اہل سنت کا قول ہے۔ یا انہوں نے دل اور روح کے کلاں سے سنا جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ سوال صرف روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور روح کو جسم میں لوٹایا نہیں جاتا۔

(عمدة القاری ج ۱، ص ۹۳، مطبوعہ ادارة البحوث البیہیہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

ملا علی سلطان بن القاری متوفی ۸۴۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن حمام نے شرح اللہ ایہ میں یہ تصریح کی ہے کہ اکثر مشائخ حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ مردہ سننا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کتاب الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے کسی مردہ سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس کی قسم اس شخص کے متعلق تھی جو سوچ سمجھ کر اس کی بات کا جواب دے اور مردہ اس طرح نہیں ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) یہ جزیہ اس قصہ پر متصرع ہے کہ قسم کی بنا عرف پر ہوتی ہے اور مردہ سے بات کرنے کو عرف میں کلام نہیں کہتے اور اس سے حقیقت میں مردہ کے سننے کی نفی نہیں ہوتی، جس طرح فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا تو پھل کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی مگر اللہ تعالیٰ نے پھل کو گوشت فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَخْرِجُ الْبَحْرَيْنَا مُجْتَمِعَيْنِ يَجُوعٌ لِحْمِهِمَا
طَرِيقًا (النحل: ۱۰۳)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مل کر دیا تاکہ تم
اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔

حضرت عمر کی اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ نبی ﷺ یہ کس طرح فرما سکتے ہیں کہ تم میرے کلام کو ان (مقتولین بدر) سے زیادہ سننے والے نہیں ہو جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (النمل: ۸۰) اور فرمایا ہے: آپ ان کو سنائے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اس کو مسترد کرنا صحیح نہیں ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس حدیث اور قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ مردوں سے مردو قرآن مجید میں کفار ہیں اور نبی کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان کفار کو میرا پیغام سنا کر کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اس آیت میں مطلقاً سننے کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

صُمُّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ
وہ ہرے کو گئے اندھے ہیں پس وہ عقل سے کام نہیں لیں

(البقرہ: ۱۷۱) گے۔

ان کو ہر اہم کوٹا اور اندھا اس لیے فرمایا کہ وہ کان، زبان اور آنکھوں سے نفع نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ان کافروں کو ایسا پیغام نہیں سنا سکتے جس سے وہ آپ کے پیغام کو تسلیم اور قبول کر لیں علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ آیت اور اس کی مثل دوسری آیتوں کا محمل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے حواس کو حق بات سننے اور حق کو دیکھنے سے روک لیا تھا چنانچہ اللہ جس کو چاہے سناتا ہے اور اس میں ہدایت پیدا کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کی آیات میں فہم سے کام لے اور نصیحت حاصل کرے۔ دوسری آیت آپ ان کو سنائے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ کفر پر اصرار کرتے تھے ان کو اس آیت میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے ایمان لانے سے باز رکھنے میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِكَ اللَّهُ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (الفصص: ۵۷)

بے شک آپ اس کو ہدایت دانت نہیں دیتے جس کا ہدایت دانت ہوتا ہے آپ کو پسند ہو لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دانت دیتا ہے۔

دیتا ہے۔

پھر انہوں نے یہ جواب دیا کہ مقتولین بدر کو اپنا کلام سننا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت اور آپ کا معجزہ تھی۔ اور کفار کو زیادہ حسرت زدہ کرنا تھا جس کتابوں کہ یہ قلندہ کا قول ہے اور یہ جواب اور یہ قول مردود ہے کیونکہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور وہ دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کا سوال کرنا اور آپ کا جواب دینا خصوصیت کے متعلق ہے اور منکرین سماع موتی پر اس حدیث سے اشکال ہو گا کہ جب لوگ مردہ کو دفن کر کے واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲)

اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ یہ حدیث دفن کے بعد اول وقت تک کے ساتھ مخصوص ہے تاکہ مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دے سکے تو یہ جواب اس حدیث سے مردود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان میں گئے اور فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۴ مرقاة المفاتیح ج ۸ ص ۱۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں جو یہ حدیث ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہر چند کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ معنی کے اعتبار سے مطول ہے اور اس میں ایک ایسی غلطی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ نبی

مذکور سے ثابت نہ ہو اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ شاہ کا یہ کتاب صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔ ہم علامہ قرطبی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ سیوطی، علامہ محمود بن احمد عینی اور ملا قاری کی وہ توجیہات نقل کر چکے ہیں جن میں انہوں نے اس حدیث اور قرآن مجید کی آیات میں تطبیق دی ہے اور ہم قبر والے پر سلام پڑھنے کی حدیث بھی باحوالہ بیان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ اس حدیث کو مزید حوالہ جات اور دیگر احادیث کو بھی بحث کے آخر میں بیان کریں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۰۰ھ اس بحث میں فرماتے ہیں:

عرض: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد: نہیں، وہ جو فرما رہی ہیں حق فرما رہی ہیں۔ وہ مردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں، مردے کون ہیں، جسم، روح مردہ نہیں، اور بے شک جسم نہیں سنتا، سنتی روح ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ام المومنین کے حضور میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "ما انتم باسمع مسہم" تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ ام المومنین نے فرمایا اللہ رحم فرمائے امیر المومنین پر حضور ﷺ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا بلکہ فرمایا "انہم لیسلمون" بے شک وہ جانتے ہیں، امیر المومنین کو سہو ہوا، انہوں نے فرمایا "ما انتم باسمع مسہم" تو خود ام المومنین رضی اللہ عنہا مردوں کے علم کا اقرار فرماتی ہیں، سماع سے بے شک انکار فرماتی ہیں، اور وہ بھی اس کے ان معنوں سے جو عرف میں شائع ہیں، سماع کے عربی معنی ان آلات کے ذریعہ سے سنتا، یہ یقیناً بعد مرنے کے روح کے لیے نہیں، روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے اس جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔ پھر ام المومنین کا ان آیتوں سے استدلال اور بھی اس کو ظاہر کر رہا ہے۔ "انک لا تسمع الموتی" اور "وما انت بسمع من فی القبور" موتی کون ہیں؟ اجسام، قبور میں کون ہیں؟ وہی اجسام، تو پھر اجسام ہی کے سننے سے انکار ہوا۔ اور وہ یقیناً حق ہے۔ (پھر فرمایا) خود ام المومنین رضی اللہ عنہا کا طرز عمل سماع موتی کو ثابت کر رہا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ میرے حجرہ میں دفن ہوئے میں بغیر چادر اوڑھے بے حجابانہ حاضر ہوتی اور کہتی "انما ہوں زوجہ" میرے شوہر ہی تو ہیں، پھر میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دفن ہوئے، جب بھی میں بغیر احتیاط کے چلی جاتی اور کہتی "انما ہوں زوجہ" وہی شوہر نور میرے باپ ہی تو ہیں، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے، تو میں نہایت احتیاط کے ساتھ چادر سے لپی ہوئی حاضر ہوتی، اس طرح کہ کوئی عضو کھلا نہ رہے، "حیاء من عمر" عمر رضی اللہ عنہ کی شرم سے۔ تو اگر ارواح کا صحیح بھرنہ مانتیں تو پھر "حیاء من عمر" کے کیا معنی؟ (پھر فرمایا) تین باتوں میں ام المومنین کا خلاف مشہور ہے اور ان تینوں میں غلط فہمی، ایک تو یہی سماع موتی کہ وہ سماع عربی کا جسموں کے واسطے انکار فرماتی ہیں، اور اس کو غلط فہمی سے ارواح کے سماع حقیقی پر محمول کیا جاتا ہے۔ دوسرے معراج کے جسدی کے بارہ میں انکار مشہور ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں: "ما فقدت جسد رسول اللہ" جسد اقدس میرے پاس سے کہیں نہ گیا۔ حالانکہ آپ معراج منہا کے بارہ میں فرما رہی ہیں جو عینہ منورہ میں ہوئی نور وہ معراج تو کہہ معجز میں ہوئی۔ اس وقت ام المومنین خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بلکہ نکاح سے بھی شرف نہ ہوئی تھی اسے اس پر محمول کرنا سراسر غلطی ہے۔ تیسرے علم مانی اللہ کے بارہ میں ام المومنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مانی اللہ (یعنی آنے والی کل کا علم) تھا وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے، علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ

کشف پر میرید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۲۔ حامد اینڈ کمپنی لاہور)
دیوبند کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

سارع موتی کا مسئلہ گزر چکا ہے اور رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ ان کو سنائے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ قبر والوں کو ایسا پیغام نہیں سناتے جس پر ان کا قبول کرنا حشر تب ہو یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ان قبر والوں کو ہمارے اس جہان میں نہیں سناتے اور ان قبر والوں کا سنا عالم برزخ میں ہے۔ اور وہ ہمارے جہان کے اعتبار سے معدوم ہے اور یا یہ آیت اس طرح ہے جس طرح فرمایا ہے وہ ہرے 'گوئے' اندھے ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۱) یعنی ان کو سننے کے باوجود ہرے فرمایا۔ اسی طرح یہاں فرمایا کہ آپ ان ہرے کو نہیں سناتے۔ علامہ سیوطی نے کہا وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے 'اس کو قبول نہیں کرتے اور اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے اس لیے فرمایا آپ ان کو نہیں سناتے گو یا اس آیت میں کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ مجلس ملی ہند ۱۳۵۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

میں یہ کتابوں کہ مردوں کے سننے کے متعلق احادیث حد تو اتار کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو محمد ابن عبد البر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص مردہ کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر دنیا میں اس کو پہچانتا تھا تو اس کو پہچان لیتا ہے ' (یہ روایت بالمعنی ہے) حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے 'پس اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا البتہ علامہ ابن النعمان نے یہ کہا ہے کہ سارع موتی میں اصل نفی ہے اور جن مواضع میں سارع ثابت ہے ان کا استثناء کیا جائے گا۔ میں کتابوں کہ پھر اصل میں نفی کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ اور جب فی الجملہ سارع ثابت ہے تو پھر تخصیص کے اوعا کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں قرآن مجید میں فرمایا ہے "انک لا تسمع الموتی" اور "ما انت بمسمع من فی القبور" اور ان آیتوں سے بظاہر مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی ہوتی ہے 'اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے سننے کی نفی کی ہے 'سننے کی نفی نہیں کی اور ہماری بحث مردوں کے سننے میں ہے 'اور علامہ سیوطی نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کا نفع نہیں حاصل کرتے' کیونکہ مردوں کا سارع سے فائدہ حاصل کرنا دنیاوی زندگی میں مقصور ہے اور اب اس کا وقت گزر چکا ہے 'اسی طرح یہ کفار ہر چند کہ زندہ ہیں لیکن آپ کا ان کو ہدایت دینا غیر مفید ہے کیونکہ یہ نفع نہ اٹھانے میں مردوں میں مثل ہیں۔ پس ان آیتوں سے مردوں کے سننے کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ سننے سے ان کے فائدہ اٹھانے کی نفی مقصود ہے۔ میں کتابوں کہ نفی سارع سے ماننے اور عمل کرنے کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو کتنی مرتبہ نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ یعنی ماننا نہیں اور عمل نہیں کرتا سو قبر میں مردے بھی سنتے نہیں اور عمل نہیں کرتے۔ اس اعتبار سے زندہ کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ آپ کی بات مانیں گے نہیں اور اس پر عمل نہیں کریں گے' اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب مردوں کے لیے سنا ثابت ہے تو کیا وہ نفع بھی اٹھا سکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جو لوگ نکل پر فوت ہوئے وہ سننے سے نفع بھی حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ علیلاً باللہ کفر پر فوت ہوئے تو ان کے لیے نفع کہاں؟ وہ لوگ صرف آواز سنتے ہیں 'وہ سراجواب یہ ہے کہ ہم قبر میں جس سارع کے ثبوت کے درپے ہیں وہ عالم برزخ میں سارع ہے۔ اور قرآن مجید نے

مردوں کے جس سننے کی نفی کی ہے وہ ہمارے اس عالم کے اعتبار سے ہے۔

(لیس الباری ج ۲ ص ۲۶۸-۲۶۷، طبعاً، مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

سماع موتی کے ثبوت میں بعض دیگر احادیث اور آثار

اس سے پہلے ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ نے متولین پر کے متعلق صحابہ سے فرمایا (۱) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، اور اس پر مفصل بحث و نظر کا بھی ذکر کیا اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی (۲) کہ دفن کے بعد قبر میں مردہ جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا اور اس کی تائید میں صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کی (۳) کہ نبی ﷺ قبرستان گئے اور فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ یہ سلام کرنا اسی وجہ سے تھا کہ قبر میں مردے سننے ہیں۔ اب اس کی تائید میں ہم مزید احادیث پیش کر رہے ہیں۔

(۴) امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۴۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(الاستاذ کار ج ۲ ص ۱۶۵، رقم الحدیث: ۱۸۵۸، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

علامہ قرطبی اور علامہ منطوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو التعمید میں بھی روایت کیا ہے لیکن ہم نے التعمید کے دو نسخوں اور فتح الباری میں اس حدیث کو تلاش کیا اس میں یہ حدیث نہیں ہے، امام عبد البر نے اس حدیث کو صرف الاستاذ کار میں روایت کیا ہے۔

امام خزانہ متوفی ۵۰۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۷۷) اور اس کے حاشیہ پر حافظ عراقی نے لکھا ہے کہ عبد الحق الاشعری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے امام ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو کتب القبور میں روایت کیا ہے، اور امام بیہقی نے شعب اللایمان میں اس کو حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (اشعاف السلفۃ المستسن ج ۱۰ ص ۳۶۶) علامہ زین الدین بن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (احوال القبور ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت) محمد ناصر الجبلی نے اس کا دار البرزخ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۸۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو الاستاذ کار اور التعمید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ابو محمد عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم جوزیہ حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو محمد عبد الحق الاشعری نے یہ عنوان قائم کیا کہ مردے زندوں کے متعلق سوال کرتے ہیں اور ان کے اقوال اور اعمال کو پہچانتے ہیں پھر کہا کہ امام ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو پس اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس کو نہ پہچانتا ہو اور سلام کرے تب بھی وہ اس کے سلام کا

جواب دیتا ہے۔ عنقریب ہم اس حدیث کو باحوال ذکر کریں گے۔ (الروح ص ۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۰ھ)

علامہ عبدالرؤف منٹوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس قسم کی احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبر والے کی زیارت کرتا ہے اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس سے باتیں ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء دونوں کے لیے عام ہے اور اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ مشروع کیا ہے کہ وہ اہل قبور کو سلام کریں جس طرح سننے والے اور محل والے شخص کو سلام کیا جاتا ہے۔ حافظ عراقی نے کہا ہے کہ امام عبدالبر نے اس حدیث کو التعمید اور الاستدکار میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حافظ عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (لیغ القدر ج ۱۰ ص ۵۳۸ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن علی الخلیب المتوفی ۴۳۳ھ نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو بزرگ بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پس اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۰ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحدیث: ۸۰۳ شرح الصدور ص ۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ کنز العمال ج ۱۵ رقم الحدیث: ۲۲۵۵۶ مطبوعہ بیروت)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

(۶) سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جس قبر کے پاس سے گزرتے اس کو سلام کرتے تھے۔

(المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا ہم قبروں پر سلام کرنے کے لیے کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: کو السلام علی اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین برحمت اللہ المستفد منین منا والمستأخرون۔ (المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۲۲)

(۸) زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اور ابن کے ایک شاعر ایک قبر کے پاس سے گزرے حضرت ابو ہریرہ نے کہا سلام کرو اس شخص نے پوچھا کیا قبر کو سلام کروں حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر اس نے کسی دن دنیا میں تمہیں دیکھ لیا تھا تو وہ اب تمہیں پہچان لے گا۔ (المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۲۳)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۹) تذاوان بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب قبرستان میں داخل ہوتے تو فرماتے اس دیار میں رہنے والے مومنین اور مسلمانوں پر میرا سلام ہو تم ہم پر مقدم ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم تمہارے ساتھ ضرور ملیں گے اور ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۱۰) جندب ازدی بیان کرتے ہیں کہ ہم سلمان کے ساتھ حمہ کی طرف گئے۔ حتیٰ کہ جب ہم قبروں کے پاس پہنچے تو انہوں نے دائیں طرف متوجہ ہو کر کہا السلام علیکم یا اہل الدیار من المؤمنین والمؤمنات۔ الحدیث۔

(۱۱) مجاہد سے روایت ہے کہ وہ قبروں پر سلام عرض کرتے تھے۔

(۱۲) موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا سالم بن عبد اللہ رات ہو یا دن جس وقت بھی قبر کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے السلام علیکم میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا ان کے والد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(۱۳) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو ان میں سے کوئی شخص یہ کہے السلام علیکم یا اهل الدہار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم للاحقون انتم لنا قرط ونحن لکم تبع ونسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ (۱۴) عامر بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی زمین سے لوٹے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو کہتے السلام علیکم وانا بکم للاحقون پھر اپنے اصحاب سے کہتے کہ تم شہداء کو سلام نہیں کرتے تاکہ وہ تمہارے سلام کا جواب دیں۔

(۱۵) عبداللہ بن سعد الجاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم پہچانتے تھے تو کہو السلام علیکم اصحاب القبور اور جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم نہیں پہچانتے تھے تو کہو السلام علی المسلمین۔

(۱۶) ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ البقیع کی طرف جائیں ان کے لیے دعا کریں اور ان کو سلام کریں۔ (المصنف ج ۲ ص ۳۳۱-۳۳۲ مطبوعہ دارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الخیرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد سے لوٹے ہوئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا میں کو اسی دعا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔ (پھر صحابہ سے فرمایا) تم ان کی زیارت کرو اور ان کو سلام کرو۔ (المعجم للوسط ج ۳ ص ۳۳۱ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)

(۱۸) عبداللہ اللودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کرنا جس طرح حضور ﷺ نے ہمیں مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر پر مٹی ہموار کرنا پھر تم میں سے کوئی شخص اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو جائے پھر اس کو چاہیے کہ یہ کہے یا فلان بن فلانہ وہ اس کلام کو سنے گا اور جواب نہیں دے گا پھر کہے کہ یا فلان بن فلانہ تو وہ اٹھ کر سیدھا بیٹھ جائے گا پھر کہے یا فلان بن فلانہ تب وہ مردہ کے گالہ تم پر رحم کرے ہماری رہنمائی کرے۔ لیکن تم کو (ان کے کلام کا) شعور نہیں ہوتا پس اس شخص کو کہنا چاہیے یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو یہ شہادت دیتے تھے کہ ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده ورسوله اور تم اللہ کو رب مان کر راضی تھے اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو کلام مان کر پھر مگر اور نکیر میں سے ایک اپنے صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہے گا اب یہاں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جس کو جنت کی تحقیق کر دی گئی ہے پھر ان کے سامنے اللہ جنت کرنے والا ہو گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں اس کی میں کا نام معلوم نہ ہو تو آپ نے فرمایا تو پھر اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یا فلان بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸ رقم الحدیث: ۷۹۷۹ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۴ الحدیث: ج ۱ ص ۱۹ تنقیح تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۲۳) کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۳۰۶-۲۲۳۰۷

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں کہ حافظ ابو محمد عبدالحق نور شیعہ بن ابی شیعہ نے اس حدیث سے استدلال کیا

بہیان القرآن جلد چہارم

ہے۔ یہ حدیث احیاء العلوم میں بھی ہے اور بہت علماء نے اس سے استدلال کیا ہے اور شیخ فقیر امام مفتی الامام ابو الحسن علی بن حبہ اللہ شافعی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث پر عمل کر کے میت کو تلقین کرنی چاہیے۔ (الحذکر ج ۲ ص ۴۰، ۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو حق کے آباء کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو اصنام کی طرف نسبت کا ذکر ہے یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دفن کے بعد قبر کا واقعہ ہے۔ اس حدیث میں مردہ کے سینے کی صف تصریح ہے۔ اور چونکہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے اور یہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

ملا علی قاری نے علامہ لودی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک ضعیف حدیث اہل علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملکن ۱۳۹۰ھ)

امام ابو بکر حسین بن احمد بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۹۲۹۶، شرح الصدور ص ۲۰۲)

(۲۰) غیشا پور کے قاضی ابو ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا، قاضی کے پوچھنے پر بتایا کہ میں کفن چور تھا اور قبروں سے کفن چراتا تھا۔ ایک عورت فوت ہو گئی میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تاکہ میں اس کی قبر دیکھ لوں۔ رات کو میں نے قبر کھودی اور اس کا کفن اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس عورت نے کہا سبحان اللہ! ایک جنتی مرد جنتی عورت کا کفن اتار رہا ہے، پھر اس عورت نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو بخش دیا جنہوں نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی۔

(شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۹۲۹۶، شرح الصدور ص ۲۰۸)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۲۱) یحییٰ بن ابوبکر الخزازی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا، حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے، اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا، وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا، اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا، وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی، وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی، ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی اندر آ گئی۔ اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ مُكَايَفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ

(الاعراف: ۲۰۱) اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے، کئی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں

آیا اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹا تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے، باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا، باپ نے پوچھا اے بیٹا تم نے کوئی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ گھر والوں نے اسے بلایا مگر وہ نہ اٹھا، لکھنے سے مر جاتا تھا، انہوں نے اس کو غسل دیا اور اسے جاکر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی، صبح کو حضرت عمرؓ اس کے والد کے پاس توجہ کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے جاؤ، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمرؓ نے کہا اے نوجوان جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جہتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جہتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ مردین جامع رقم: ۱۱۳ ج ۱۹ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ، حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی نقی ہندی متوفی ۷۴۷ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر لا عرف ج ۲۶ ج ۲ ص ۲۶۹ طبع دار الفکر بیروت، شرح الصدر ص ۲۳ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ، کنز العمال ج ۲ ص ۵۱۱-۵۱۲ رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی قرطبی متوفی ۴۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

(۲۲) عطاء بن یسار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قبرستان میں جاتے اور فرماتے "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" ہمارے پاس اور تمہارے پاس وہ چیز آچکی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ اجمع الفرقہ والوں کی مغفرت فرما۔

جن علماء کا یہ مذہب ہے کہ مردوں کی روضہ میں قبروں کے صحنوں پر ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: اور بے شک نبی ﷺ نے بدر کے کنوئیں میں پڑے ہوئے مردوں کو خطاب فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، مگر یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (الی قولہ) لہذا نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ لوگوں کی جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے، مگر ان امور کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی ان کو صرف تسلیم کیا جائے گا اور ان کی اجراء کی جائے گی۔ امام عبد البر فرماتے ہیں جو شخص قبرستان میں جائے وہ ان کو سلام کرے اور وہ الفاظ کہے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔ (المعجم ج ۲۰ ص ۲۳۰ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ المکرّمہ ۱۴۳۳ھ)

(۲۳) عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن نبی ﷺ کو موجود نہ پایا میں آپ کے پیچھے گئی، آپ بجمع کے قبرستان میں گئے تو آپ نے فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین، تم ہمارے پیش رو ہو، اور بیشک ہم تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ! ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ہم کو ان کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔ (المعجم ج ۲۰ ص ۲۳۱ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ المکرّمہ ۱۴۳۳ھ)

(۲۴) حضرت علی بن ابی طالبؓ قبرستان میں گئے اور قبروں کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے ندا کی اے اللہ! قیوم! آیا تم ہمیں اپنی خبریں دے گے یا ہم تمہیں خبریں سنائیں؟ ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ تمہارے بل تقسیم کر دیے گئے اور عورتوں نے وہ سری شلوایاں کر لیں، مگر تمہارے گھروں میں اب تمہارے سوا اور لوگ رہتے ہیں، یہ ہماری خبریں ہیں، اب تم ہمیں اپنی خبریں سنو، پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو اللہ کی قسم! اگر یہ جواب دینے کی طاقت رکھتے تو یہ

کہتے کہ ہم نے تقویٰ سے بہتر کوئی زورواہ نہیں پایا۔

(۲۵) ابوحنیفہؒ نے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سخت گرم دن میں نکلا اور قبرستان میں گیا وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر سے ٹپک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک آواز سنی ”میرے پاس سے ہٹ جا“ اور مجھے ایذا نہ پہنچا“ تم جو کہتے ہو تمہیں اس کا علم نہیں ہے اور ہمیں علم ہے اور ہم کہتے نہیں ہیں ”تمہاری یہ دو رکعت نماز مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔“

(۲۶) ثابت بن مطلق بیان کرتے ہیں کہ میں قبرستان میں جا رہا تھا ”اچانک میں نے غیب سے ایک آواز سنی: اے ثابت ہماری خاموشی سے دھوکا نہ کھانا“ میں پر کتنے ہی لوگ مغموم ہیں۔

(۲۷) امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جبہ بقیع الفرقد کے پاس سے گزرے تو فرمایا السلام علیکم اهل القبور! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے شادیاں کر لیں اور تمہارے گھروں میں اب اور لوگ رہتے ہیں اور تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے تو غیب سے آواز آئی: اے عمر بن الخطاب! ہماری خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو نیک اعمال بھیجے تھے وہ مل گئے اور ہم نے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا اس کا نفع پایا اور ہم نے جو اپنے پیچھے مال چھوڑا وہ کھانا تھا۔ (التبیین ج ۲۰ ص ۲۳۲ مطبوعہ المکتبۃ الخدیجیہ مکہ المکرمہ ۱۴۳۳ھ)

ہمارے زمانہ میں بعض لوگ سماع موتی کا شدت سے انکار کرتے ہیں اس لیے میں نے احادیث صحیحہ و مقبولہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے اور مذہب اربعہ کے مستند علماء کی تصریحات بھی پیش کی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ علامہ قرطبیؒ مالکیؒ علامہ لودی شافعیؒ علامہ ابن قیم حنبلیؒ اور علامہ بدر الدین عینی حنفیؒ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رضاؒ بریلویؒ اور کتب فکر دیوبند کے محدث شیخ انور شاہ کشمیریؒ کی تصریحات بھی پیش کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو اثر آفریں ہمارے (آمین) انشاء اللہ العزیز ۸۰۱ اور خاطر: ۲۲ میں اس پر مزید بحث کی جائے گی۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین فائدہ المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ الراشدین وعلماہ ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو اور جس شخص نے جنگ کی حکمت عملی یا ایک جماعت سے لٹنے (کے قصداً) بغیر میدان جنگ سے پیٹھ پھیری تو جنگ وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (الانفال: ۱۵-۱۶)

زحف کا معنی

الانفال کی آیت ۵۵ میں ”زحاً“ کا لفظ ہے ”زحف“ کا لغوی معنی ہے: بچہ کا سر نہ یا گھٹنے کے بل آہستہ آہستہ گھسنا اور ”زحف العسکر الی الحد“ کا معنی ہے: لشکر کا کثرت کے سبب سے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا، زحف البعیر کا معنی ہے اونٹ کا تھک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا، اس آیت میں زحف سے مراد ہے دشمن کا بہت بڑا لشکر کیونکہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے لشکر کی تعداد تین گنا زیادہ تھی۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ مکتبۃ زار حنفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

میدان جنگ سے پسپائی کی دو جائز صورتیں

اس آیت کا منشا یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی فوج کی پسپائی جنگ کی کسی حکمت عملی کی بنا پر ہو مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا یا زیادہ موثر ہو تو اس صورت میں مسلمان فوج کا پسپا ہونا جائز ہے۔ اور جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان سپاہیوں کی ایک جماعت مرکزی فوج سے پھڑکنی ہے لب وہ اپنے بچاؤ کے لیے پسپا ہو کر مرکزی فوج سے ملنا چاہتی ہے تو اس قسم کی پسپائی بھی جائز

ہے، مسلمان فوج کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا صرف اس صورت میں ناجائز اور حرام ہے جبکہ وہ بزدلی سے محض جنگ سے بچنے کی خاطر میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگے۔

میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا بہت سخت گناہ اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے اجتناب کرو، پوچھا کیا یا رسول اللہ! وہ کون کون سی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ اللہ کا شریک بننا۔

۲۔ جلود کرنا۔

۳۔ جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔

۴۔ یتیم کا مال کھانا۔

۵۔ سود کھانا۔

۶۔ جنگ کے دن دشمن سے پیٹھ پھیرنا۔

۷۔ بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگانا۔

(صحیح مسلم الامین: ۳۵ (۱۸۹) ۲۵۶، صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۷۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۲۸۷۳، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۷۱، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحديث: ۳۷۶۱)

اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دگنی یا اس سے کم ہو تو پھر مسلمانوں کا میدان ان سے بھاگنا جائز نہیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل قرطبی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ میدان جنگ میں مسلمان کافروں کو پیٹھ نہ دکھائیں اور یہ حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ کفار مسلمانوں سے تعداد میں دگنے سے زیادہ نہ ہوں، اگر کفار مسلمانوں سے دگنے ہوں تو پھر مسلمانوں کا ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دو تین گنے زیادہ ہوں اور پھر مسلمان ان سے پیٹھ موڑ کر بھاگیں تو پھر یہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، ابن بادشون نے یہ کہا ہے کہ فوج کے ضعف، قوت اور عدد کی رعایت کی جائے گی، اگر کافر فوج کی تعداد ایک سو ہو اور مسلمان بھی ایک سو ہوں، لیکن وہ بہت بڑے کئے اور قوی اور توانا ہوں اور مسلمان دہلے پتلے اور کمزور ہوں تو عدد میں برابر ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ایسے کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا دو سو کافروں سے کسی حال میں بھاگنا جائز نہیں ہے اور اگر کافر دو سو سے زیادہ ہوں تو ان سے بھاگنا اگرچہ جائز ہے لیکن صبر و استقامت سے ان کے مقابلہ پر جسے رہنا اور ڈٹے رہنا احسن اور افضل ہے، غزوہ موہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کافروں کے مقابلہ پر تھے ان میں ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ مشرق تھے۔

فتح اندلس کی تاریخ میں مذکور ہے کہ جب ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلام طارق سترہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر اندلس پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، ان کے مقابلہ میں عیسائی حکمران ذریق ستر ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ طارق صبر و استقامت کے ساتھ ذریق سے جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے طارق کو فتح یاب کیا اور ذریق شکست کھا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۲۱-۳۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے مدد گئی تعداد میں کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے:

فَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ مَسِيرَةً يُغْلِبُوا
وَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ بِغُلَبَتِهِمْ أَلْفَيْنِ
يُؤَاذِنُ اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال: ۱۶)

پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے اور

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت قیامت تک کے لیے عام ہے یا یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ ممانعت قیامت تک کے لیے ہے۔

ابو نصرہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کے لیے اس دن بھاگنا جائز نہ تھا اور اگر وہ بھاگتے تو مشرکین ہی کی سمت بھاگتے کیونکہ روئے زمین پر اس وقت ان کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت یوم بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۳۸، السنن الکبریٰ للشیخ ج ۶، رقم الحدیث: ۳۴۰۳، المستدرک ج ۲ ص ۲۲۷، جامع البیان رقم

الحدیث: ۴۳۷۷، ۴۳۷۸، ۴۳۷۹، ۴۳۸۰، ۴۳۸۱، ۴۳۸۲، ۴۳۸۳، ۴۳۸۴، ۴۳۸۵، ۴۳۸۶، ۴۳۸۷، ۴۳۸۸، ۴۳۸۹، ۴۳۹۰، ۴۳۹۱، ۴۳۹۲، ۴۳۹۳، ۴۳۹۴، ۴۳۹۵، ۴۳۹۶، ۴۳۹۷، ۴۳۹۸، ۴۳۹۹، ۴۴۰۰، ۴۴۰۱، ۴۴۰۲، ۴۴۰۳، ۴۴۰۴، ۴۴۰۵، ۴۴۰۶، ۴۴۰۷، ۴۴۰۸، ۴۴۰۹، ۴۴۱۰، ۴۴۱۱، ۴۴۱۲، ۴۴۱۳، ۴۴۱۴، ۴۴۱۵، ۴۴۱۶، ۴۴۱۷، ۴۴۱۸، ۴۴۱۹، ۴۴۲۰، ۴۴۲۱، ۴۴۲۲، ۴۴۲۳، ۴۴۲۴، ۴۴۲۵، ۴۴۲۶، ۴۴۲۷، ۴۴۲۸، ۴۴۲۹، ۴۴۳۰، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۴۴۳۳، ۴۴۳۴، ۴۴۳۵، ۴۴۳۶، ۴۴۳۷، ۴۴۳۸، ۴۴۳۹، ۴۴۴۰، ۴۴۴۱، ۴۴۴۲، ۴۴۴۳، ۴۴۴۴، ۴۴۴۵، ۴۴۴۶، ۴۴۴۷، ۴۴۴۸، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۴۴۵۲، ۴۴۵۳، ۴۴۵۴، ۴۴۵۵، ۴۴۵۶، ۴۴۵۷، ۴۴۵۸، ۴۴۵۹، ۴۴۶۰، ۴۴۶۱، ۴۴۶۲، ۴۴۶۳، ۴۴۶۴، ۴۴۶۵، ۴۴۶۶، ۴۴۶۷، ۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۴۴۷۰، ۴۴۷۱، ۴۴۷۲، ۴۴۷۳، ۴۴۷۴، ۴۴۷۵، ۴۴۷۶، ۴۴۷۷، ۴۴۷۸، ۴۴۷۹، ۴۴۸۰، ۴۴۸۱، ۴۴۸۲، ۴۴۸۳، ۴۴۸۴، ۴۴۸۵، ۴۴۸۶، ۴۴۸۷، ۴۴۸۸، ۴۴۸۹، ۴۴۹۰، ۴۴۹۱، ۴۴۹۲، ۴۴۹۳، ۴۴۹۴، ۴۴۹۵، ۴۴۹۶، ۴۴۹۷، ۴۴۹۸، ۴۴۹۹، ۴۵۰۰، ۴۵۰۱، ۴۵۰۲، ۴۵۰۳، ۴۵۰۴، ۴۵۰۵، ۴۵۰۶، ۴۵۰۷، ۴۵۰۸، ۴۵۰۹، ۴۵۱۰، ۴۵۱۱، ۴۵۱۲، ۴۵۱۳، ۴۵۱۴، ۴۵۱۵، ۴۵۱۶، ۴۵۱۷، ۴۵۱۸، ۴۵۱۹، ۴۵۲۰، ۴۵۲۱، ۴۵۲۲، ۴۵۲۳، ۴۵۲۴، ۴۵۲۵، ۴۵۲۶، ۴۵۲۷، ۴۵۲۸، ۴۵۲۹، ۴۵۳۰، ۴۵۳۱، ۴۵۳۲، ۴۵۳۳، ۴۵۳۴، ۴۵۳۵، ۴۵۳۶، ۴۵۳۷، ۴۵۳۸، ۴۵۳۹، ۴۵۴۰، ۴۵۴۱، ۴۵۴۲، ۴۵۴۳، ۴۵۴۴، ۴۵۴۵، ۴۵۴۶، ۴۵۴۷، ۴۵۴۸، ۴۵۴۹، ۴۵۵۰، ۴۵۵۱، ۴۵۵۲، ۴۵۵۳، ۴۵۵۴، ۴۵۵۵، ۴۵۵۶، ۴۵۵۷، ۴۵۵۸، ۴۵۵۹، ۴۵۶۰، ۴۵۶۱، ۴۵۶۲، ۴۵۶۳، ۴۵۶۴، ۴۵۶۵، ۴۵۶۶، ۴۵۶۷، ۴۵۶۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، ۴۵۷۱، ۴۵۷۲، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴، ۴۵۷۵، ۴۵۷۶، ۴۵۷۷، ۴۵۷۸، ۴۵۷۹، ۴۵۸۰، ۴۵۸۱، ۴۵۸۲، ۴۵۸۳، ۴۵۸۴، ۴۵۸۵، ۴۵۸۶، ۴۵۸۷، ۴۵۸۸، ۴۵۸۹، ۴۵۹۰، ۴۵۹۱، ۴۵۹۲، ۴۵۹۳، ۴۵۹۴، ۴۵۹۵، ۴۵۹۶، ۴۵۹۷، ۴۵۹۸، ۴۵۹۹، ۴۶۰۰، ۴۶۰۱، ۴۶۰۲، ۴۶۰۳، ۴۶۰۴، ۴۶۰۵، ۴۶۰۶، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۴۶۰۹، ۴۶۱۰، ۴۶۱۱، ۴۶۱۲، ۴۶۱۳، ۴۶۱۴، ۴۶۱۵، ۴۶۱۶، ۴۶۱۷، ۴۶۱۸، ۴۶۱۹، ۴۶۲۰، ۴۶۲۱، ۴۶۲۲، ۴۶۲۳، ۴۶۲۴، ۴۶۲۵، ۴۶۲۶، ۴۶۲۷، ۴۶۲۸، ۴۶۲۹، ۴۶۳۰، ۴۶۳۱، ۴۶۳۲، ۴۶۳۳، ۴۶۳۴، ۴۶۳۵، ۴۶۳۶، ۴۶۳۷، ۴۶۳۸، ۴۶۳۹، ۴۶۴۰، ۴۶۴۱، ۴۶۴۲، ۴۶۴۳، ۴۶۴۴، ۴۶۴۵، ۴۶۴۶، ۴۶۴۷، ۴۶۴۸، ۴۶۴۹، ۴۶۵۰، ۴۶۵۱، ۴۶۵۲، ۴۶۵۳، ۴۶۵۴، ۴۶۵۵، ۴۶۵۶، ۴۶۵۷، ۴۶۵۸، ۴۶۵۹، ۴۶۶۰، ۴۶۶۱، ۴۶۶۲، ۴۶۶۳، ۴۶۶۴، ۴۶۶۵، ۴۶۶۶، ۴۶۶۷، ۴۶۶۸، ۴۶۶۹، ۴۶۷۰، ۴۶۷۱، ۴۶۷۲، ۴۶۷۳، ۴۶۷۴، ۴۶۷۵، ۴۶۷۶، ۴۶۷۷، ۴۶۷۸، ۴۶۷۹، ۴۶۸۰، ۴۶۸۱، ۴۶۸۲، ۴۶۸۳، ۴۶۸۴، ۴۶۸۵، ۴۶۸۶، ۴۶۸۷، ۴۶۸۸، ۴۶۸۹، ۴۶۹۰، ۴۶۹۱، ۴۶۹۲، ۴۶۹۳، ۴۶۹۴، ۴۶۹۵، ۴۶۹۶، ۴۶۹۷، ۴۶۹۸، ۴۶۹۹، ۴۷۰۰، ۴۷۰۱، ۴۷۰۲، ۴۷۰۳، ۴۷۰۴، ۴۷۰۵، ۴۷۰۶، ۴۷۰۷، ۴۷۰۸، ۴۷۰۹، ۴۷۱۰، ۴۷۱۱، ۴۷۱۲، ۴۷۱۳، ۴۷۱۴، ۴۷۱۵، ۴۷۱۶، ۴۷۱۷، ۴۷۱۸، ۴۷۱۹، ۴۷۲۰، ۴۷۲۱، ۴۷۲۲، ۴۷۲۳، ۴۷۲۴، ۴۷۲۵، ۴۷۲۶، ۴۷۲۷، ۴۷۲۸، ۴۷۲۹، ۴۷۳۰، ۴۷۳۱، ۴۷۳۲، ۴۷۳۳، ۴۷۳۴، ۴۷۳۵، ۴۷۳۶، ۴۷۳۷، ۴۷۳۸، ۴۷۳۹، ۴۷۴۰، ۴۷۴۱، ۴۷۴۲، ۴۷۴۳، ۴۷۴۴، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۴۷۴۷، ۴۷۴۸، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۱، ۴۷۵۲، ۴۷۵۳، ۴۷۵۴، ۴۷۵۵، ۴۷۵۶، ۴۷۵۷، ۴۷۵۸، ۴۷۵۹، ۴۷۶۰، ۴۷۶۱، ۴۷۶۲، ۴۷۶۳، ۴۷۶۴، ۴۷۶۵، ۴۷۶۶، ۴۷۶۷، ۴۷۶۸، ۴۷۶۹، ۴۷۷۰، ۴۷۷۱، ۴۷۷۲، ۴۷۷۳، ۴۷۷۴، ۴۷۷۵، ۴۷۷۶، ۴۷۷۷، ۴۷۷۸، ۴۷۷۹، ۴۷۸۰، ۴۷۸۱، ۴۷۸۲، ۴۷۸۳، ۴۷۸۴، ۴۷۸۵، ۴۷۸۶، ۴۷۸۷، ۴۷۸۸، ۴۷۸۹، ۴۷۹۰، ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۴۷۹۵، ۴۷۹۶، ۴۷۹۷، ۴۷۹۸، ۴۷۹۹، ۴۸۰۰، ۴۸۰۱، ۴۸۰۲، ۴۸۰۳، ۴۸۰۴، ۴۸۰۵، ۴۸۰۶، ۴۸۰۷، ۴۸۰۸، ۴۸۰۹، ۴۸۱۰، ۴۸۱۱، ۴۸۱۲، ۴۸۱۳، ۴۸۱۴، ۴۸۱۵، ۴۸۱۶، ۴۸۱۷، ۴۸۱۸، ۴۸۱۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۲۵، ۴۸۲۶، ۴۸۲۷، ۴۸۲۸، ۴۸۲۹، ۴۸۳۰، ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۴۸۳۳، ۴۸۳۴، ۴۸۳۵، ۴۸۳۶، ۴۸۳۷، ۴۸۳۸، ۴۸۳۹، ۴۸۴۰، ۴۸۴۱، ۴۸۴۲، ۴۸۴۳، ۴۸۴۴، ۴۸۴۵، ۴۸۴۶، ۴۸۴۷، ۴۸۴۸، ۴۸۴۹، ۴۸۵۰، ۴۸۵۱، ۴۸۵۲، ۴۸۵۳، ۴۸۵۴، ۴۸۵۵، ۴۸۵۶، ۴۸۵۷، ۴۸۵۸، ۴۸۵۹، ۴۸۶۰، ۴۸۶۱، ۴۸۶۲، ۴۸۶۳، ۴۸۶۴، ۴۸۶۵، ۴۸۶۶، ۴۸۶۷، ۴۸۶۸، ۴۸۶۹، ۴۸۷۰، ۴۸۷۱، ۴۸۷۲، ۴۸۷۳، ۴۸۷۴، ۴۸۷۵، ۴۸۷۶، ۴۸۷۷، ۴۸۷۸، ۴۸۷۹، ۴۸۸۰، ۴۸۸۱، ۴۸۸۲، ۴۸۸۳، ۴۸۸۴، ۴۸۸۵، ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۴۸۸۸، ۴۸۸۹، ۴۸۹۰، ۴۸۹۱، ۴۸۹۲، ۴۸۹۳، ۴۸۹۴، ۴۸۹۵، ۴۸۹۶، ۴۸۹۷، ۴۸۹۸، ۴۸۹۹، ۴۹۰۰، ۴۹۰۱، ۴۹۰۲، ۴۹۰۳، ۴۹۰۴، ۴۹۰۵، ۴۹۰۶، ۴۹۰۷، ۴۹۰۸، ۴۹۰۹، ۴۹۱۰، ۴۹۱۱، ۴۹۱۲، ۴۹۱۳، ۴۹۱۴، ۴۹۱۵، ۴۹۱۶، ۴۹۱۷، ۴۹۱۸، ۴۹۱۹، ۴۹۲۰، ۴۹۲۱، ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۲۴، ۴۹۲۵، ۴۹۲۶، ۴۹۲۷، ۴۹۲۸، ۴۹۲۹، ۴۹۳۰، ۴۹۳۱، ۴۹۳۲، ۴۹۳۳، ۴۹۳۴، ۴۹۳۵، ۴۹۳۶، ۴۹۳۷، ۴۹۳۸، ۴۹۳۹، ۴۹۴۰، ۴۹۴۱، ۴۹۴۲، ۴۹۴۳، ۴۹۴۴، ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۴۹۴۹، ۴۹۵۰، ۴۹۵۱، ۴۹۵۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۴، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۴۹۵۸، ۴۹۵۹، ۴۹۶۰، ۴۹۶۱، ۴۹۶۲، ۴۹۶۳، ۴۹۶۴، ۴۹۶۵، ۴۹۶۶، ۴۹۶۷، ۴۹۶۸، ۴۹۶۹، ۴۹۷۰، ۴۹۷۱، ۴۹۷۲، ۴۹۷۳، ۴۹۷۴، ۴۹۷۵، ۴۹۷۶، ۴۹۷۷، ۴۹۷۸، ۴۹۷۹، ۴۹۸۰، ۴۹۸۱، ۴۹۸۲، ۴۹۸۳، ۴۹۸۴، ۴۹۸۵، ۴۹۸۶، ۴۹۸۷، ۴۹۸۸، ۴۹۸۹، ۴۹۹۰، ۴۹۹۱، ۴۹۹۲، ۴۹۹۳، ۴۹۹۴، ۴۹۹۵، ۴۹۹۶، ۴۹۹۷، ۴۹۹۸، ۴۹۹۹، ۵۰۰۰، ۵۰۰۱، ۵۰۰۲، ۵۰۰۳، ۵۰۰۴، ۵۰۰۵، ۵۰۰۶، ۵۰۰۷، ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ۵۰۱۰، ۵۰۱۱، ۵۰۱۲، ۵۰۱۳، ۵۰۱۴، ۵۰۱۵، ۵۰۱۶، ۵۰۱۷، ۵۰۱۸، ۵۰۱۹، ۵۰۲۰، ۵۰۲۱، ۵۰۲۲، ۵۰۲۳، ۵۰۲۴، ۵۰۲۵، ۵۰۲۶، ۵۰۲۷، ۵۰۲۸، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۳۱، ۵۰۳۲، ۵۰۳۳، ۵۰۳۴، ۵۰۳۵، ۵۰۳۶، ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، ۵۰۳۹، ۵۰۴۰، ۵۰۴۱، ۵۰۴۲، ۵۰۴۳، ۵۰۴۴، ۵۰۴۵، ۵۰۴۶، ۵۰۴۷، ۵۰۴۸، ۵۰۴۹، ۵۰۵۰، ۵۰۵۱، ۵۰۵۲، ۵۰۵۳، ۵۰۵۴، ۵۰۵۵، ۵۰۵۶، ۵۰۵۷، ۵۰۵۸، ۵۰۵۹، ۵۰۶۰، ۵۰۶۱، ۵۰۶۲، ۵۰۶۳، ۵۰۶۴، ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، ۵۰۶۷، ۵۰۶۸، ۵۰۶۹، ۵۰۷۰، ۵۰۷۱، ۵۰۷۲، ۵۰۷۳، ۵۰۷۴، ۵۰۷۵، ۵۰۷۶، ۵۰۷۷، ۵۰۷۸، ۵۰۷۹، ۵۰۸۰، ۵۰۸۱، ۵۰۸۲، ۵۰۸۳، ۵۰۸۴، ۵۰۸۵، ۵۰۸۶، ۵۰۸۷، ۵۰۸۸، ۵۰۸۹، ۵۰۹۰، ۵۰۹۱، ۵۰۹۲، ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۰۹۵، ۵۰۹۶، ۵۰۹۷، ۵۰۹۸، ۵۰۹۹، ۵۱۰۰، ۵۱۰۱، ۵۱۰۲، ۵۱۰۳، ۵۱۰۴، ۵۱۰۵، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۰۸، ۵۱۰۹، ۵۱۱۰، ۵۱۱۱، ۵۱۱۲، ۵۱۱۳، ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۱۱۶، ۵۱۱۷، ۵۱۱۸، ۵۱۱۹، ۵۱۲۰، ۵۱۲۱، ۵۱۲۲، ۵۱۲۳، ۵۱۲۴، ۵۱۲۵، ۵۱۲۶، ۵۱۲۷، ۵۱۲۸، ۵۱۲۹، ۵۱۳۰، ۵۱۳۱، ۵۱۳۲، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۳۵، ۵۱۳۶، ۵۱۳۷، ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، ۵۱۴۰، ۵۱۴۱، ۵۱۴۲، ۵۱۴۳، ۵۱۴۴، ۵۱۴۵، ۵۱۴۶، ۵۱۴۷، ۵۱۴۸، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۱۵۱، ۵۱۵۲، ۵۱۵۳، ۵۱۵۴، ۵۱۵۵، ۵۱۵۶، ۵۱۵۷، ۵۱۵۸، ۵۱۵۹، ۵۱۶۰، ۵۱۶۱، ۵۱۶۲، ۵۱۶۳، ۵۱۶۴، ۵۱۶۵، ۵۱۶۶، ۵۱۶۷، ۵۱۶۸، ۵۱۶۹، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۱۷۲، ۵۱۷۳، ۵۱۷۴، ۵۱۷۵، ۵۱۷۶، ۵۱۷۷، ۵۱۷۸، ۵۱۷۹، ۵۱۸۰، ۵۱۸۱، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۱۸۴، ۵۱۸۵، ۵۱۸۶، ۵۱۸۷، ۵۱۸۸، ۵۱۸۹، ۵۱۹۰، ۵۱۹۱، ۵۱۹۲، ۵۱۹۳، ۵۱۹۴، ۵۱۹۵، ۵۱۹۶، ۵۱۹۷، ۵۱۹۸، ۵۱۹۹، ۵۲۰۰، ۵۲۰۱، ۵۲۰۲، ۵۲۰۳، ۵۲۰۴، ۵۲۰۵، ۵۲۰۶، ۵۲۰۷، ۵۲۰۸، ۵۲۰۹، ۵۲۱۰، ۵۲۱۱، ۵۲۱۲، ۵۲۱۳، ۵۲۱۴، ۵۲۱۵، ۵۲۱۶، ۵۲۱۷، ۵۲۱۸، ۵۲۱۹، ۵۲۲۰، ۵۲۲۱، ۵۲۲۲، ۵۲۲۳، ۵۲۲۴، ۵۲۲۵، ۵۲۲۶، ۵۲۲۷، ۵۲۲۸، ۵۲۲۹، ۵۲۳۰، ۵۲۳۱، ۵۲۳۲، ۵۲۳۳، ۵۲۳۴، ۵۲۳۵، ۵۲۳۶، ۵۲۳۷، ۵۲۳۸، ۵۲۳۹، ۵۲۴۰، ۵۲۴۱، ۵۲۴۲، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۲۴۸، ۵۲۴۹، ۵۲۵۰، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۴، ۵۲۵۵، ۵۲۵۶، ۵۲۵۷، ۵۲۵۸، ۵۲۵۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۲، ۵۲۶۳، ۵۲۶۴، ۵۲۶۵، ۵۲۶۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۲۶۹، ۵۲۷۰، ۵۲۷۱، ۵۲۷۲، ۵۲۷۳، ۵۲۷۴، ۵۲۷۵، ۵۲۷۶، ۵۲۷۷، ۵۲۷۸، ۵۲۷۹، ۵۲۸۰، ۵۲۸۱، ۵۲۸۲، ۵۲۸۳، ۵۲۸۴، ۵۲۸۵، ۵۲۸۶، ۵۲۸۷، ۵۲۸۸، ۵۲۸۹، ۵۲۹۰، ۵۲۹۱، ۵۲۹۲، ۵۲۹۳، ۵۲۹۴، ۵۲۹۵، ۵۲۹۶، ۵۲۹۷، ۵۲۹۸، ۵۲۹۹، ۵۳۰۰، ۵۳۰۱، ۵۳۰۲، ۵۳۰۳، ۵۳۰۴، ۵۳۰۵، ۵۳۰۶، ۵۳۰۷، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۵۳۱۰، ۵۳۱۱، ۵۳۱۲، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۵۳۱۶، ۵۳۱۷، ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، ۵۳۲۱، ۵۳۲۲، ۵۳۲۳، ۵۳۲۴، ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، ۵۳۲۷، ۵۳۲۸، ۵۳۲۹، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۵۳۳۴، ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷، ۵۳۳۸، ۵۳۳۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، ۵۳۴۴، ۵۳۴۵، ۵۳۴۶، ۵۳۴۷، ۵۳۴۸، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، ۵۳۵۱، ۵۳۵۲، ۵۳۵۳، ۵۳۵۴، ۵۳۵۵، ۵۳۵۶، ۵۳۵۷، ۵۳۵۸، ۵۳۵۹، ۵۳۶۰، ۵۳۶۱، ۵۳۶۲، ۵۳۶۳، ۵۳۶۴، ۵۳۶۵، ۵۳۶۶، ۵۳۶۷، ۵۳۶۸، ۵۳۶۹، ۵۳۷۰، ۵۳۷۱، ۵۳۷۲، ۵۳۷۳، ۵۳۷۴، ۵۳۷۵، ۵۳۷۶، ۵۳۷۷، ۵۳۷۸، ۵۳۷۹، ۵۳۸۰، ۵۳۸۱، ۵۳۸۲، ۵۳۸۳، ۵۳۸۴، ۵۳۸۵، ۵۳۸۶، ۵۳۸۷، ۵۳۸۸، ۵۳۸۹، ۵۳۹۰، ۵۳۹۱، ۵۳۹۲، ۵۳۹۳، ۵۳۹۴، ۵۳۹۵، ۵۳۹۶، ۵۳۹۷، ۵۳۹۸، ۵۳۹۹، ۵۴۰۰، ۵۴۰۱، ۵۴۰۲، ۵۴۰۳، ۵۴۰۴، ۵۴۰۵، ۵۴۰۶، ۵۴۰۷، ۵۴۰۸، ۵۴۰۹، ۵۴۱۰، ۵۴۱۱، ۵۴۱۲، ۵۴۱۳، ۵۴۱۴، ۵۴۱۵، ۵۴۱۶، ۵۴۱۷، ۵۴۱۸، ۵۴۱۹، ۵۴۲۰، ۵۴۲۱، ۵۴۲۲، ۵۴۲۳، ۵۴۲۴، ۵۴۲۵، ۵۴۲۶، ۵۴۲۷، ۵۴۲۸، ۵۴۲۹، ۵۴۳۰، ۵۴۳۱، ۵۴۳۲، ۵۴۳۳، ۵۴۳۴، ۵۴۳۵، ۵۴۳۶، ۵۴۳۷، ۵۴۳۸، ۵۴۳۹، ۵۴۴۰، ۵۴۴۱، ۵۴۴۲، ۵۴۴۳، ۵۴۴۴، ۵۴۴۵، ۵۴۴۶، ۵۴۴۷، ۵۴۴۸، ۵۴۴۹، ۵۴۵۰، ۵۴۵۱، ۵۴۵۲، ۵۴۵۳، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، ۵۴۵۶، ۵۴۵۷، ۵۴۵۸، ۵۴۵۹، ۵۴۶۰، ۵۴۶۱، ۵۴۶۲، ۵۴۶۳، ۵۴۶۴، ۵۴۶۵، ۵۴۶۶، ۵۴۶۷، ۵۴۶۸، ۵۴۶۹، ۵۴۷۰، ۵۴۷۱، ۵۴۷۲، ۵۴۷۳، ۵۴۷۴، ۵۴۷۵، ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ۵۴۷۸، ۵۴۷۹، ۵۴۸۰، ۵۴۸۱، ۵۴۸۲، ۵۴۸۳، ۵۴۸۴، ۵۴۸۵، ۵۴۸۶، ۵۴۸۷، ۵۴۸۸، ۵۴۸۹، ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۴۹۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، ۵۴۹۵، ۵۴۹۶، ۵۴۹۷، ۵۴۹۸، ۵۴۹۹، ۵۵۰۰، ۵۵۰۱، ۵۵۰۲، ۵۵۰۳، ۵۵۰۴، ۵۵۰۵، ۵۵۰۶، ۵۵۰۷، ۵۵۰۸، ۵۵۰۹، ۵۵۱۰، ۵۵۱۱، ۵۵۱۲، ۵۵۱۳، ۵۵۱۴، ۵۵۱۵، ۵۵۱۶، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۵۵۱۹، ۵۵۲۰، ۵۵۲۱، ۵۵۲۲، ۵۵۲۳، ۵۵۲۴، ۵۵

لَمْ يَتُوبَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ
يَمُنْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (التوبہ ۷۴)

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے اور
اللہ بہت بخشنے والا ہے جو توبہ فرماتے والا ہے۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۶۸-۲۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور قیامت تک
مسلمانوں پر مذکورہ دو صورتوں کے سوا میدان جنگ سے اس وقت تک بھاگنا جائز نہیں ہے جب تک کہ دشمن کی
تعداد دگنے سے تجاوز نہ ہو اور یہ آیت محکم ہے اور اس کا کوئی مانع نہیں ہے اور یہ کما حقہ نہیں کہ مسلمان اگر
بھاگتے تو مشرکین ہی کی طرف بھاگتے کیونکہ مدینہ میں انصار مسلمین موجود تھے اور جنگ احد اور جنگ خیبر میں بھاگنے
والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا اور اللہ تعالیٰ کا معافی کا اعلان کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہو
گیا تھا لیکن انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس آیت کے محکم ہونے اور قیامت
تک واجب العمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت جنگ بدر میں نازل اور جنگ ختم ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے امام
مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔

اگر دشمن کی تعداد دگنی ہو یا دگنی سے کم ہو اور پھر کوئی مسلمان جنگ سے بچنے کی کوشش کے لیے دشمن سے پیٹھ موڑ کر
بھاگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر
دے گا۔ حضرت زید بن خطاب روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا
"استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القيوم واتوب علیہ" تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ میدان
جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۵۷ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ مسلمانوں) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور اے رسول
مصلح! آپ نے وہ خاک نہیں بھیگی جس وقت آپ نے وہ خاک بھیگی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے بھیگی تھی تاکہ وہ مومنوں کو
اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ یہ تو تمہارے ساتھ معاملہ ہے اور
اللہ کفار کی چالوں کو کنزور کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۱۸-۱۹)

مسلمانوں سے کفار بدر کے قتل کی نفی کے محامل

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں:
جنگ بدر کے دن صحابہ آپس میں بحث کرنے لگے ایک نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے فلاں
کو قتل کیا ہے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: (سورۃ مسلمانوں) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن حاتم ج ۵ ص ۱۶۷ جامع البیان ج ۹ ص ۲۷۰ اللہ والشور ج ۳ ص ۳۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو قتل کرنے پر غرور نہ کرو اگر اللہ تمہاری مدد نہ فرماتا اور تمہیں حوصلہ اور قوت نہ عطا
فرماتا تو تم ان کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے بظاہر تم نے ان کو قتل کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کو اللہ نے قتل کیا ہے یا تم نے
ان کو کبلا قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو عطا قتل کیا ہے۔ یا تم نے ان کو صورتہ قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو معاف قتل کیا ہے۔
اس آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر اچھے اور نیک کام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی چاہیے اور جب انسان اللہ کی توفیق سے
کوئی اچھا اور نیک کام کرے تو اس پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔

ومارمیت اذرمیت کے شان نزول میں مختلف اقوال
اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کرتے ہیں:

ابی بن خلف نے پیچھے کے پاس ایک ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ) جب یہ ہڈی بوسیدہ ہو جائے گی تو اس کو کون زندہ کرے گا؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا اللہ اس کو زندہ کرے گا پھر تم پر موت واقع کرے گا پھر تم کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ جنگ احد کے دن ابی بن خلف نے کہا اللہ کی قسم! میں (سیدہ) محمد (ﷺ) کو دیکھتے ہی قتل کر دوں گا جب نبی (ﷺ) کو خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ انشاء اللہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ (جامع طبیان ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں:

جنگ احد کے دن ابی بن خلف اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا حتیٰ کہ نبی (ﷺ) کے قریب پہنچ گیا مسلمان اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ نبی (ﷺ) نے ان سے فرمایا تمھو! تمھو! نبی (ﷺ) نے اپنے دست مبارک میں نیزہ پکڑا اور ابی بن خلف کی طرف ٹاک کر مارا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک ہلی توڑ دی ابی بن خلف زخمی ہو کر اپنے اصحاب کی طرف پلٹا اس کے اصحاب اس کو اٹھا کر لے گئے اور کہا خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ یہ سن کر ابی بن خلف نے کہا خدا کی قسم! اگر میں لوگوں کے درمیان ہوتا تو وہ پھر بھی مجھے قتل کر دیتے۔ کہا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انشاء اللہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ اس کے اصحاب اس کو بے ہوشی کی کیفیت میں لے گئے وہ راستہ ہی میں مر گیا اور انہوں نے اس کو وہیں دفن کر دیا۔ ابن المسیب نے کہا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی "ومارمیت اذرمیت" یعنی آپ نے وہ نیزہ نہیں مارا جب آپ نے نیزہ مارا تھا لیکن اللہ نے وہ نیزہ مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۳ الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۴۳ الدر المنثور ج ۴ ص ۴۱ المستدرک ج ۲ ص

۳۲۷ اسباب النزول رقم الحديث ۷۷۷)

اس سلسلہ میں دو سرائقول یہ ہے:

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اور امام علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن حیر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن رسول اللہ (ﷺ) نے ایک کمان منگوائی تو ایک بہت لمبی کمان لائی گئی آپ نے فرمایا کوئی اور کمان لاؤ تو ایک درمیانی کمان لائی گئی رسول اللہ (ﷺ) نے اس کمان سے یہودیوں کے قلعہ کا نشانہ لگا کر تیر مارا جو کمانہ بن ابی الحنفیہ کو جا کر لگا جو اس وقت بستر لیٹا ہوا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی" یعنی آپ نے تیر نہیں مارا جس وقت آپ نے تیر مارا تھا لیکن اللہ نے وہ تیر مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن حاتم ج ۵ ص ۱۷۳-۱۷۴ اسباب نزول القرآن رقم الحديث ۷۷۷: ۲ الدر المنثور ج ۴ ص ۴۱)

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے اور یہی جمہور مفسرین کا مختار ہے:

جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے قتل ہوئیں تو رسول اللہ (ﷺ) نے خاک کی ایک مٹھی کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا یہ لوگ رو سیاہ ہو جائیں تو وہ خاک سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول اللہ (ﷺ) کے اصحاب بڑھ کر ان کو قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے اور ان کی کلبت کا اصل سبب خاک کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ (ﷺ) نے بھیگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی" اور (اے رسول معظم!) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں بھیگی جس وقت آپ نے بھیگی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے بھیگی تھی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۷۰-۲۷۱، تفسیر امام بن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۷۳، اسباب نزول القرآن رقم المصحف: ۳۷۳، ۱۴۲، ۱۳۱، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰، ۰) رقم المصحف: ۳۷۳، ۱۴۲، ۱۳۱، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰، ۰

نہی چھڑے سے خاک کی مٹی پھینکنے کی نفی اور اثبات کے محال

اس آیت سے پہلے نبی ﷺ سے خاک کی مٹی پھینکنے کی نفی کی ہے اور پھر اس کو ثابت کیا ہے اور بظاہر یہ تعارض ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ نفی اور اثبات کے محل الگ الگ ہیں اور معنی اس طرح ہے: آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی بظاہر پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی صورتاً پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی صورتاً پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی صورتاً پھینکی تھی۔

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے محمد (ﷺ) آپ نے خاک کی مٹی اس طرح نہیں پھینکی کہ آپ تمام کافروں کی آنکھوں میں وہ خاک پھینکا دیں، جب کہ آپ نے سورۃ "خاک کی مٹی پھینکی تھی" لیکن یہ مقصود اللہ نے پورا کیا اور وہ خاک تمام کافروں کی آنکھوں میں پھینکا دی تھی کہ وہ سب شکست کھا گئے اور آپ کافروں کی جڑ کاٹنے پر قادر ہو گئے۔ اس کا دوسرا محل یہ ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی پھینک کر لوگوں کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک پھینکی تھی لیکن اللہ نے لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا۔

(الانوار التذلل مع انکار دینی ج ۳ ص ۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ منصور بن الحسن القرطبی المتوفی ۸۷۰ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

ایمانہ مناسب یہ معنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاک کی مٹی حقیقتاً پھینکی تھی، لیکن اس خاک کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پھینکا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ (حاشیہ انکار دینی ج ۳ ص ۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ آپ نے حقیقتاً خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً اور صورتاً خاک کی مٹی پھینکی تھی، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ تمام بندوں کے افعال اسی طرح ہیں ظاہراً اور کسباً بندے فعل کرتے ہیں اور حقیقتاً اللہ تعالیٰ فعل کرتا ہے۔ یعنی فعل کا کسب بندہ کرتا ہے اور فعل کا اطلاق اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر نبی ﷺ کے خاک کی مٹی پھینکنے کی کیا خصوصیت تھی جو یہ فرمایا کہ آپ نے حقیقتاً خاک نہیں پھینکی جب آپ نے بظاہر خاک پھینکی تھی جب کہ تمام بندوں کے افعال اسی طرح ہیں۔ اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ بندہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قدرت پیدا کی ہے جو اللہ کے لڑن سے موثر ہوتی ہے پس جب اللہ بھلا چاہتا ہے تو وہ قدرت موثر ہوتی ہے اور جب وہ نہیں چاہتا تو وہ قدرت موثر نہیں ہوتی یہ بات نہیں ہے کہ بندہ میں بالکل قدرت نہ ہو جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ بندہ کی ایسی قدرت موثر ہے کہ اللہ جس فعل کو کرنا چاہے بندہ اس فعل کو بھی کرے اور جب یہ معاملہ اس طرح ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ نے جو خاک پھینکی تھی یہ وہی پھینکنا ہو جس پر وہ عظیم اثر مرتب ہوا اور نبی ﷺ نے حقیقتاً یہ فعل کیا اور یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ کو عطا کی گئی تھی اور جو اللہ کے لڑن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ یہ فعل خلاف علوت اور خلاف معمول تھا کیونکہ معروف اور معمول یہ ہے کہ بندہ کو جو قدرت دی جاتی ہے اس سے اس قسم کے عظیم آثار پیدا نہیں ہوتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نبی ﷺ سے نفی کی اور اس فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ گویا کہ یوں

کہا گیا کہ خاک کی اس مٹی کا پھینکنا ہر چند کہ حقیقتاً آپ سے صلور ہوا ہے اس قدرت کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کے لذن سے موثر ہوئی ہے لیکن چونکہ یہ بہت عظیم الشان کام ہے اور علوۃ افضل بشر کے خلاف ہے تو گویا کہ یہ فعل آپ سے صلور نہیں ہوا بلکہ اللہ جل شانہ سے بلا واسطہ صلور ہوا ہے اسی طرح یہ کتاب بھی صحیح ہے کہ آپ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن اللہ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب کیا اور اس طرح دونوں آیتوں کا فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ نے قتل کی نفی کی اور اپنی طرف قتل کرنے کی نسبت کی اور فرمایا سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن ان کو اللہ نے قتل کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس فعل کو حجت نہیں کیا اور نبی ﷺ کے متعلق فرمایا آپ نے خاک نہیں پھینکی جب آپ نے خاک پھینکی تھی پہلے آپ سے اس فعل کی نفی کی پھر آپ کے لیے اس فعل کو ثابت کیا اور وجہ فرق یہ ہے کہ قتل کرنا دینی اس قدر مستند اور محیر العقول کام نہیں تھا اس لیے عام اصول کے مطابق فرمایا کہ تم نے حقیقتاً ان کو قتل نہیں کیا جب تم نے ان کو ظاہراً قتل کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خاک پھینکی وہ تمام کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور وہ مرعوب ہو کر شکست کھا گئے اور چونکہ یہ فعل عام افضل بشر کے متعلق تھا اس لیے پہلے اس کی آپ سے مباحثہ نفی کی اور پھر اس کو حقیقتاً آپ کے لیے ثابت کیا اور چونکہ آپ نے حقیقتاً یہ فعل اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے کیا تھا اس لیے فرمایا اللہ نے یہ خاک پھینکی تھی۔ (روح المعانی، ج ۱، ص ۸۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

معجزات کا مقدور ہونا

نبی ﷺ کا خاک کی اس مٹی کو پھینکنا معجزہ تھا اور علامہ آلوسی کی تحقیق اور تقریر کے مطابق آپ نے یہ خاک اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے پھینکی تھی جو اس کے اذن سے موثر تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کی قدرت اور ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ البتہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے لذن کے تابع ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جزی فعل کے صدور کے وقت تازہ اذن لیا جائے بلکہ اس کے لیے اذن کلی کافی ہے۔ جیسے شفاعت بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے لیے بھی اذن مطلق کافی ہے اور ہر جزی شفاعت کے لیے تازہ لذن لینا ضروری نہیں۔ چنانچہ بکثرت احادیث میں ہے کہ صحابہ آپ سے استغفار کی درخواست کرتے اور آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور کہیں یہ وارد نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کے لیے تین تین بار استغفار کرتے سو یہی اصل معجزات کا ہے۔

اچھی آزمائش کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ وہ مومنوں کو اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے مغفرت نے کہا ہے کہ اس آیت میں آزمائش کا معنی انعام ہے یعنی نبی ﷺ کے اس خاک پھینکنے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عظیم نعمت عطا فرمائے گا اور وہ نعمت معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہے اور مل غنیمت اور اجر و ثواب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معرکہ بدر کی فتح کے بعد اللہ عزوجل مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالے گا کہ اس کے بعد کی جنگوں میں وہ بدر کی فتح کے جھنڈ میں چور ہو جاتے ہیں یا حسب سابق مجزو نیاز کے پیکر بنے رہتے ہیں یا آئندہ وہ اپنی قوت اور عہدی برتری پر اترا تے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ٹکارتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ کفار کی چالوں کو کنزور کرنے والا ہے یعنی اللہ سبحانہ کفار کے دلوں میں رعب ڈال دے گا حتیٰ کہ وہ بکھر کر کنزور ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ ان کافروں سے کہئے کہ) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم (کفر اور شرک سے) باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے

اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو وہ تمہارے کسی کام نہ آئے گا اور جنگ اللہ سونوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال: ۱۹)

اللہ نیک مسلمانوں کی نصرت اور حمایت فرماتا ہے، بدکاروں کی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے سامنے فیصلہ آچکا ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کی طرف متوجہ ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زہری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابو جہل بن ہشام نے دعا کی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اور رشتہ کو منقطع کرنے والا ہو اس کو آج کے دن ہلاک کر دے اس کی مراد تھی سیدنا محمد ﷺ اور اس کی اپنی ذات میں سے جو جھوٹا ہو۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ سے نبی ﷺ کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ ان دو لشکروں میں سے جو زیادہ عزیز ہو اور ان دو جماعتوں میں سے جو زیادہ مکرم ہو اور ان دو قبیلوں میں سے جو زیادہ بہتر ہو اس کو فتح عطا فرما۔

شماک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب مشرکین روانہ ہوئے تو وہ اپنے قافلہ کو دیکھ رہے تھے اور قافلے والوں ابو سفیان اور اس کے اصحاب نے مشرکین کی طرف مدد مانگنے کا پیغام بھیجا قافلہ تب ابو جہل نے دعا کی اے اللہ اہم دونوں میں سے جو تیرے نزدیک بہتر ہو اس کی مدد فرما۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۵۷) مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ

اس کے بعد فرمایا اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے۔

اس میں بھی کفار کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول سے عدولت رکھنے ان کی تکذیب کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز آ گئے تو یہ دنیا میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم قتل کیے جاؤ قیدی بنائے جاؤ اور یہ طور غنیمت تمہارے اموال کے لیے جانے سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم دائمی عذاب سے بچ جاؤ گے اور ثواب سے لاپلائی کیے جاؤ گے اور اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کی تو ہم دوبارہ مسلمانوں کو تم پر مسلط کر دیں گے اور تم غزوہ بدر میں مشاہدہ کر چکے ہو کہ اللہ کی تائید اور نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے اور تم کتنی ہی بھاری جمیعت کو لے کر کیوں نہ آؤ تم کو شکست سے نہیں بچا سکتی۔ اور اگر ان آیات کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو معنی اس طرح ہو گا:

جب نبی ﷺ اور مسلمانوں نے کفار کے مت پیوے لشکر کو دیکھا تو نبی ﷺ اور صحابہ نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر فتح اور نصرت کی دعا کی اور کہا اے اللہ اتنے کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا ہم سے وعدہ کیا ہے سو وہ ہمیں عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے ہم سے فتح طلب کی تھی سو لو اب فتح آچکی ہے۔ اور اگر تم انفل (اموال غنیمت) میں جھگڑا کرنے سے باز آ گئے اور قیدیوں کا فدیہ لینے سے رک گئے تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم ان جھگڑوں کی طرف دوبارہ پلٹ گئے تو ہم تمہاری مدد کرنے سے رک جائیں گے کیونکہ ہم نے تم سے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم دانا ہماری اطاعت کرو گے اور ہماری نافرمانی نہیں کرو گے اور اگر تم اسی روش پر برقرار رہو تو تمہاری تعداد کی کثرت بھی تمہیں کچھ فلاح نہیں دے سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی مسلمانوں کی نصرت اور حمایت کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے اعراض نہ کرو

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۚ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ

جب کہ تم سن رہے ہو ○ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم سنے سنے یا حالانکہ وہ

لَا يَسْمَعُونَ ۚ إِنَّ شَرَّ الدَّوَاۓٓ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ

نہیں سنتے تھے ○ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاہل وہ لوگ ہیں جو بھرے گونگے ہیں

الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۚ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ

جو عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بہانہ ہوتا تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا

وَكُلُوا سَمْعَهُمْ لَكُمْ كَلِمَاتٌ هُمْ مِعْرَضُونَ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور اگر (بالغرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور امرا میں کرتے ہوئے پشت پیر لیتے ○ اے ایمان والو !

اسْتَجِیْبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا

اللہ اور اس کے رسول کے بلائے پر (فدا) حاضر ہو، جب رسول تمیں اس چیز کی طرف بلائی جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ ۚ وَأَنَّهُ إِلَٰهٌ مُّحْشَرُونَ ۚ

اور تمہیں رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ مائل ہے اور بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ○

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا

اور اس مذاب سے ڈرتے رہو جو مہلت ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ وَذُكِّرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَعْصِفُونَ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ اور یاد کرو جب تم کم تعداد میں تھے، زمین میں کمزور کیے

فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ

جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں لپیٹ کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے

بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۚ يٰٓأَيُّهَا

تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو ○ اے ایمان والو !

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَ

اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تمہیں

أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لِلَّهِ

علم ہو ۰ اور یقین رکھو کہ تمہاری امانتوں اور اولاد تمہیں آزمائش ہیں اور

أَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۹﴾

بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے اعراض نہ کرو جب کہ تم

من رہے ہو ۰ (الانفال: ۲۸)

رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کا واجب ہونا

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ فرمایا ہے کہ جب تم کسی چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا حکم من رہے ہو تو اس حکم کی اطاعت کرو اور اس حکم سے اعراض نہ کرو۔ اس جگہ یہ نہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا کون سا حکم من رہے تھے جس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور اس سے اعراض کرنا حرام ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حکم کا ذکر نہ کر کے اس کے عموم پر متنبہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے اور جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو کوئی حکم دیں تو ان کے لیے اس حکم پر عمل کرنے یا عمل نہ کرنے کا اختیار ہی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَخَّرَ اللَّهُ عَنْهُ وَاللَّهُ يَخْتَارُ ﴿۳۰﴾

(الاحزاب: ۳۶)

اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو ہے شک وہ کھلی گمراہی میں جلا ہو گیا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں چونکہ غزوہ بدر اور جملہ کا ذکر آیا تھا تو اس قرینہ سے یہاں بھی جملہ کا حکم دیا مراد ہے اور جملہ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں انسان پر بہت دشوار ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کی وجہ سے خصوصاً جملہ کے حکم میں آپ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہر چند کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا واحد ہونا

اس آیت میں دوسری بحث یہ ہے کہ پہلے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر فرمایا "اور اس سے اعراض نہ کرو" چونکہ پہلے دو کی اطاعت ذکر ہے اس لیے یہ ظاہر حشہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی یعنی ان سے اعراض نہ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے۔ لام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے پیٹھ

نہ بھی ہو۔ اور پتہ پھیرنا اور اعراض کرنا رسول اللہ ﷺ کے حق میں متصور ہو سکتا ہے اس لیے واحد کی ضمیر ذکر کی اور مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اعراض نہ کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۵ھ)
اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واحد ہے الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر

(النساء: ۸۰) لی۔

اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے کہ اس کی اطاعت سے اعراض نہ کرو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝
يَهْدِي لِلذِّكْرِ الْمُنِيبِ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مِثْلُ السَّيْلِ ۝
الْمائدة: ۱۵-۱۶) آتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے نور اور کتب مبین (یعنی رسول ﷺ اور قرآن مجید) اس لیے یہاں بھی یہ ظاہر شبیہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی۔ یعنی اللہ ان کے ذریعہ۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کی ہدایت واحد ہے اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس کی ایک اور نظیر یہ آیت ہے:

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرَاحَبُوا

اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے کہ اس کو راضی کیا

(التوبة: ۳) جائے۔

یہاں بھی پہلے اللہ اور رسول کا ذکر ہے تو یہ ظاہر شبیہ کی ضمیر لانی تھی لیکن واحد کی ضمیر لائی گئی ہے تاکہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے الگ الگ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جتنا جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا مگر وہ نہیں سنتے تھے ۝

(الانفال: ۲۱)

یہ آیت اس سے پہلی آیت کی تاکید ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے لیے کسی حکم کو قبول کرنا اس حکم کو سننے کے بعد ہی ممکن ہے اس لیے کسی حکم کو سننا اس کو قبول کرنے سے کلیہ ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ کا معنی ہے جس نے اللہ کی حمد کی اللہ نے اس کو قبول کر لیا۔ پس اس آیت میں یہ فرمایا ہے تم ان لوگوں کی مثل نہ ہو جتنا جو زبان سے کہتے ہیں ہم نے اللہ کے احکام کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دلوں سے قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ منافقین کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندہ اور وہ لوگ ہیں جو ہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں

لیتے ۝ (الانفال: ۲۲)

عقلی میں دابہ چوپایہ کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں کفار کو جانوروں اور چوپایوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح جانور کسی نصیحت سے نفع حاصل نہیں کرتے اسی طرح یہ کفار بھی کسی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق فرمایا یہ ہرے اور گونگے ہیں کیونکہ یہ کسی حکم کو سن کر اس کو قبول نہیں کرتے اور کسی وعظ اور نصیحت کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اپنی زبان سے کبھی سچ بولتے ہیں نہ سچائی کا اعتراف کرتے ہیں سو یہ اپنے کانوں اور اپنی زبانوں سے کام نہیں لیتے

اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ کے علم میں من میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سزا دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سزا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے ○ (الانفال: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کی معلومات واقعہ اور اس کی معلومات فرضیہ

اس آیت کا لفظی معنی اس طرح ہے اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا تو وہ ان کو ضرور سزا دیتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے اور اللہ کو جس چیز کے ہونے کا علم نہ ہو اس کا ہونا مکمل ہے یعنی اللہ کو اس چیز کے متعلق یہ علم ہو گا کہ وہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز فی نفسہ نہ ہو اور اللہ کو یہ علم ہو کہ وہ ہے تو یہ علم خلاف واقع ہو گا اور جو علم خلاف واقع ہو وہ جمل ہوتا ہے اور اللہ کا علم واقع کے مطابق ہے لہذا جو چیز ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہو گا کہ وہ ہے اور جو چیز نہیں ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہو گا کہ وہ نہیں ہے اور چونکہ ان میں کوئی خیر نہیں تھی اس لیے اللہ کو علم تھا کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا یعنی اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا تو وہ ان کو دین حق کے دلائل اور آخرت کے متعلق نصیحتیں سنا تا اور ان کے ذہنوں اور دماغوں میں اس کی فہم پیدا کرتا اور اگر وہ یہ جاننے کے بلوجود کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور وہ دلائل اور نصائح سے کوئی نفع حاصل نہیں کریں گے پھر بھی ان کو دلائل اور نصائح سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔

امام محمد بن محمد رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی معلومات کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تمام موجودات (۲) تمام معدومات (۳) اگر ہر موجود نہ ہو تا تو اس کا کیا حاصل ہوتا (۴) اگر ہر معدوم موجود ہو تا تو اس کا کیا حاصل ہوتا۔ پہلی دو قسموں کا علم واقع کا علم ہے اور بعد کی دو قسموں کا علم مفروضات کا علم ہے اور یہ واقعات کا علم نہیں ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں منافقین کے متعلق یہ آیت ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الَّذِيْنَ تَاْفَقُوْا يَمْوَلُوْنَ لِاٰخِوَائِهِمْ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ
لَتَخْرُجُنَّ مَعَهُمْ وَلَا تَطِيْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ
اِنْ قُوْلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَّ
لَئِنْ قُوْلْتُمْ لَا يَنْصُرُوْهُمْ وَّلَئِنْ نَّصُرُوْهُمْ
لَيَكُوْلَنَّ الْاَدْبَارُ مِنْهُمْ لَا يَنْصُرُوْنَ ۝

(الحشر: ۲۴-۲۳)

کیا آپ نے ان منافقوں کو نہ دیکھا جو اپنے اہل کتاب کا فر
بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ
نکل جائیں گے اور تمہارے متعلق ہم کسی کی اطاعت نہیں
کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد
کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ (منافق) یقیناً جھوٹے
ہیں ○ اگر وہ (اہل کتاب) نکالے گئے تو منافق ان کے ساتھ
نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو وہ ان کی مدد نہیں
کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر
بھاگ جائیں گے پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی ○

اس آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ اگر منافقوں نے اہل کتاب کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یہ مفروضات کا علم
ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ منافقین کا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ وہ اہل کتاب کی مدد کریں گے تو ان کا اہل کتاب کی مدد کرنا
مکمل ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل فرض فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں
گے۔

اور مفروضات کے علم کی دوسری مثل یہ آیت ہے۔

وَلَوْ رَكَّبُوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ

اور اگر (بالفرض) یہ کافر دنیا میں دوبارہ بھیج دیے گئے تو پھر

(الانعام: ۲۸) یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر معدوم چیز موجود ہو جائے تو اس کا کیا حال ہو گا اور یہ ایک فرضی چیز کی

مثل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

میں کتابوں کہ قرآن مجید میں اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔

قُلْ إِنْ كُنَّا لِنَلْقَٰهُمْ لَنَلْقَٰهُنَّ وَلَدُكُمَا قَانَا آوَلُ

آپ کئے اگر (بالفرض) رحمان کا بیٹا ہو تا تو سب سے پہلے

الْعَبِيدُ بَنَی (الزحرف: ۸۷)

میں اس کی عبادت کرنے والا ہو گا۔

اس آیت میں بھی معدوم چیز کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ بھی فرضی چیز کا علم ہے۔

كُوْنُكَانَ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

اگر زمین و آسمان میں (بالفرض) اللہ کے سوا اور بھی خدا

ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام الٹ پلٹ ہو جاتا۔ (الانبیاء: ۲۲)

پس اگر (بالفرض) آپ کو اس چیز کے متعلق شک ہو جو ہم

فَسَلِّ الْاٰیٰتِیْنَ بِمَعْرَءٍ ذَا الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكَ

لے آپ کی طرف نازل کی ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے

(ہونس: ۷۳) جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

آپ کا قرآن مجید میں شک کرنا معدوم ہے لیکن بالفرض اگر اس کا وقوع ہو تو اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

لَیْسَ اَشْرَکُکَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل

(الزمر: ۲۵) ضائع ہو جائیں گے۔

آپ کا شرک کرنا محال ہے لیکن یہ فرض وقوع اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی

طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو اور تمہیں رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک

تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے (الانفال: ۲۴)

فرض نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلائے پر حاضر ہونا واجب ہے اور نفل نماز میں

ماں کے بلائے پر

جب کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی ماں اس کو نماز میں بلائے تو اس پر واجب ہے کہ نماز توڑ پر ماں کے بلائے پر

حاضر ہو جائے البتہ باپ کے بلائے پر نفل نماز نہ توڑے۔

امام بیہقی نے کھول سے روایت کیا ہے کہ جب تمہاری ماں تمہیں اس حل میں بلائے کہ تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کے

پاس حاضر ہو اور جب تمہیں تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث: ۷۸۸۳، الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۷۳، مطبع قدیم، مطبعہ المسند، مصر ۱۳۱۳ھ)

امام ابن ابی شیبہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے کہ، حل اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری ماں تم کو نماز میں بلائے تو

اس کی خدمت میں حاضر ہو اور جب تمہارا آپ بلائے تو حاضر نہ ہو۔

(الکتب المصنف ج ۲، ص ۱۴۳، رقم الحديث ۸۰۳۳، الام بن ابی شیبہ نے اس حدیث کو کھول سے بھی روایت کیا ہے، رقم الحديث ۸۰۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور فرض نماز میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے بلائے پر جانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بلائے پر حاضر ہونے کی دلیل مذکور الصدر قرآن مجید کی آیت ہے اور درج ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید بن معلی جریجو بیان کرتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں حاضر نہیں ہوا۔ (جب میں نے نماز پڑھ لی) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو (الاضل: ۲۴) امام ابو داؤد اور امام نسائی نے اس طرح روایت کیا ہے: میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا میرے بلائے پر تم کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحديث ۵۰۰۶، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، سنن ابو داؤد رقم الحديث ۳۴۵۵، سنن النسائی رقم الحديث ۳۳۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث ۴۷۵، سنن دارمی رقم الحديث ۲۳۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۶۸، مسند احمد ج ۲، ص ۲۸، المعجم الکبیر ج ۲، ص ۳۰۳)

اور امام ابو یوسف یحییٰ بن محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ جریجو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یا ابی! حضرت ابی نے مڑ کر کہا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وعلیک السلام اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی: اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں اور میں انشاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث ۲۸۸۳، سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحديث ۸۰۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ امام رویانی نے یہ کہا ہے کہ نماز میں آپ کے بلائے پر جانا واجب نہیں ہے اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نمازی یہ دیکھے کہ تاخیر سے کوئی حلو ہو جائے گا تو وہ نماز توڑ دے، مثلاً وہ دیکھے کہ ایک بیٹا شخص کو نہیں کی سیدہ میں جا رہا ہے اور اگر اس نے اس کو متنبہ نہ کیا تو وہ کو نہیں میں گر جائے گا تو وہ نماز توڑ دے۔ (روح المعانی ج ۲، ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مسلمانوں کے حق میں کیا چیز حیات آفریں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو، مفسرین کا اس میں

اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو مسلمانوں کے لیے حیات آفریں ہے۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد حق ہے۔ قلہ نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اس میں حیات اور محنت ہے اور اس میں دنیا اور آخرت کے فتنوں سے حفاظت ہے۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد جلوہ ہے۔ کیونکہ جلوہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عطا کی اور جلوہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف جارحیت سے روکا۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں حق کو مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ دشمن کے خلاف جلوہ کرنے کے حکم کو ملنا بھی حق میں داخل ہے اور قرآن کے حکم پر عمل کرنا بھی حق میں داخل ہے اور حق کو قبول کرنے میں ہی قبول کرنے والے کی حیات ہے کیونکہ دنیا میں اس کا ذکر جمیل باقی رہے گا اور اس میں بھی اس کی حیات ہے اور آخرت میں اس کو جنتوں میں دائمی حیات حاصل ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ان کے اسلام لانے کے بعد قبول حق پر قرار رہنے کی تلقین فرماتے تھے کیونکہ آپ کے تمام احکام حق تھے اور حضرت ابو سعید بن معلی اور حضرت ابی بن کعب جن کو آپ نے بلا کر یہ آیت سنائی تھی وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ کے حاکم ہونے کے محال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حاکم ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں: سعید بن جبیر نے کہا اللہ کافر اور اس کے ایمان لانے کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے اور مومن اور اس کے کفر کرنے کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کافر اور اس کے ایمان اور اللہ کی اطاعت کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا کافر اور اس کی اطاعت اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا انسان اور اس کی عقل کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ بندوں سے زیادہ ان کے دلوں کا مالک ہے اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ارادوں کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لا سکتا ہے نہ کفر کر سکتا ہے، نیک باہم کر سکتا ہے نہ گنہگار کر سکتا ہے۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

انسان اور اس کی موت کے درمیان اللہ حاکم ہو جاتا ہے اور انسان سے جو کام رہ گئے ہوں ان کی عطا نہیں کر پاتا۔ کیا ہے کہ جنگ بدر کے دن مسلمان کفار کی کثرت سے خوف زدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے وہ ان کے دل کو خوف کے بعد بے خوفی سے بدل دے گا۔ امام ابن جریر کا یہی مختار ہے کہ انسان کے دلوں کا اللہ زیادہ مالک ہے اور وہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے ایمان نہ کفر، نیکی نہ گنہگار۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ جب سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے تو نیک کاموں پر انسان صرح اور ثواب کا اور برے کاموں پر مذمت اور سزا کا کیوں مستحق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اللہ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ اللہ اپنے اس علم ازل کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بنو آدم کے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کا معنی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اکثر یوں قسم اٹھاتے تھے لا ومقلب القلوب ودلوں کو الٹنے پلٹنے والے کی قسم۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۴۳۹، سنن الترمذی رقم الحديث: ۱۵۳۰، سنن النسائی رقم الحديث: ۳۷۷۱، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵، طبع قدیم رقم الحديث: ۴۷۸۸، طبع جدید سنن دارمی رقم الحديث: ۳۳۵۵)

امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۳۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

شمر بن خوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یا ام المؤمنین! جب رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس ہوتے ہیں تو وہ زیادہ تر کس چیز کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ زیادہ تر یہ دعا فرماتے ہیں یا مقلب القلوب! میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کس قدر زیادہ یہ دعا کرتے ہیں یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینک! آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے وہ جس دل کو چاہتا ہے سیدھا رکھتا ہے اور جس دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ پھر حدیث کے راوی نے یہ آیت تلاوت کی ربنا لا تنزع قلوبنا بعد ادھد بنسنا (آل عمران: ۸) اے ہمارے رب ہمیں ہدایت یافتہ کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۵۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۸۴۲، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۴۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحديث: ۲۷۸۸، مطبوعہ بیروت الشریعہ لا جری ص ۳۸۷-۳۸۸، المعجم الکبیر للبخاری ج ۱ رقم الحديث: ۷۵۹، ج ۷ رقم الحديث: ۷۳۲، ج ۲۳ رقم الحديث: ۷۷۲، ج ۲۳ رقم الحديث: ۸۵، ج ۲۳ رقم الحديث: ۸۷۵، صحیح الرواد ج ۷ ص ۲۱۰، ج ۱۰ ص ۱۷۶، المطالب العلیہ رقم الحديث: ۳۳۳، کنز العمال رقم الحديث: ۲۷۸۳، ۲۷۸۴، ۲۷۸۵، موارد الطلکین رقم الحديث: ۲۳۱۹، المستدرک ج ۲ ص ۲۸۹، ۲۸۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دلوں کو الٹ پلٹ کرنے سے مراد ہے دل کے امراض اور احوال کو الٹ پلٹ کر دلوں کی فداات کو الٹ پلٹ کرنا مراد نہیں ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی فعل کا دائمی محرک اور باعث اور کسی فعل کا ارادہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَنُقَلِّبُ أَفْعَادَهُمْ ثُمَّ وَابَّصَارَهُمْ (الانعام: ۱۱۰)

ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں۔

یعنی ہم جس طرح چاہتے ہیں ان کے دلوں میں تصرف کرتے ہیں۔ معترض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم کافروں کے دلوں پر ہر لگا دیتے ہیں پس وہ ایمان نہیں لائیں گے اور ہر لگانے کا ان کے نزدیک یہ معنی ہے کہ ہم ان کے دلوں کو ان کے حل پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ جو چاہیں اپنے لیے اختیار کریں۔ اور لغت عرب کے اعتبار سے تقلیب کا یہ معنی صحیح نہیں ہے اور طبع (مر لگائے) کا معنی ترک کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اہل سنت کے نزدیک طبع (ہر لگانے) کا معنی ہے کافر کے دل میں کفر پیدا کرنا اور موت تک اس کو اسی حل پر برقرار رکھنا اور حدیث میں ہے اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے۔ حافظ

عسقلانی نے یہ روایت ہامنی کی ہے۔ اصل حدیث اس طرح ہے: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص جو بیٹا بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رخن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے مصرف القلوب ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم القدر ۱: ۱۷۱ (۲۶۵۳) السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحدیث ۷۸۶۱)

قاضی بیہدوی نے کہا دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے اور اس نے یہ تصرف اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کیا، اور نبی ﷺ جو یہ دعا فرماتے تھے یا مقلب القلوب میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے یہ تصرف اس کے تمام بندوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے اور کسی وہم کرنے والے کے اس وہم کو دفع کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس تصرف سے مستثنیٰ ہیں اور نبی ﷺ نے خصوصاً اپنے دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب نبی ﷺ کا پاکیزہ ترین دل بھی اللہ سبحانہ کی ہلا لینے کا محتاج ہے تو دوسرے لوگ جو آپ سے کہیں کم رتبہ کے ہیں وہ اس دعا کرنے کے کس قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۰۲ھ)

رحمان کی دو انگلیوں سے کیا مراد ہے

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم القرطبی المالکی الشافعی ۷۵۶ھ لکھتے ہیں:

انگلی کے ظاہر معنی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا محال ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہوں تو اس کا ہر جزو سرے جز کی طرف محتاج ہو گا اور وہ مجموعہ مستقر اور حادث ہو گا اور یہ الوہیت کے متعلق ہے اور بعض ائمہ نے اس حدیث کی تویل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مجاز بلاستعار ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری ہتھیلی میں ہے اور فلاں شخص تو میری مٹھی میں ہے اور اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص پر میں قادر ہوں اور متصرف ہوں اور میں جس طرح چاہوں اس پر تصرف کر سکتا ہوں اور جب اس سے بھی زیادہ مبہم کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری دو انگلیوں میں ہے یعنی میں بہت آسانی سے اس پر تصرف کر سکتا ہوں اور بعض علماء نے کہا اس انگلی سے مراد نعمت کو بھی لیا جاسکتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی میرے نزدیک اچھی انگلی ہے یعنی اس کی مجھ پر ایک نعمت ہے جیسا کہ ہاتھ سے نعمت مراد لیتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں تو یہاں صرف دو انگلیوں کا ذکر کیوں فرمایا ہے جس سے دو نعمتیں مقبول ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن وہ سب نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک قسم ہے نفع پہنچانا اور دوسری قسم ہے ضرر دور کرنا گویا کہ یوں کہا گیا کہ تمام بنو آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے تحت تصرف ہیں وہ جس سے چاہے ضرر دور فرمائے اور جس کو چاہے نفع پہنچائے۔ میں کہتا ہوں اس طور پر یہ جواب اس وقت درست ہو گا جب بنو آدم سے مراد صالحین ہوں جن کے دلوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے۔ باقی رہے کفار اور فساق تو اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے۔ ان کے دلوں پر مرنکار رہا ہے یا رنگ لگا رہا ہے۔ اور اس صورت میں یہ حدیث مقصود سے خارج ہوگی۔ اس لیے پہلی تویل زیادہ مناسب ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔ (یعنی انگلی کی کوئی تویل نہ کی جائے)

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! مصرف القلوب ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اس سے پہلی تویل کی تائید ہوتی ہے یعنی تمام بنو آدم کے دلوں کا رخن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہونا اس معنی میں

ہے کہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں پر بہت آسانی سے تصرف کرتا ہے۔

(المفسر ج ۳ ص ۶۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت اکمل المکمل المطبع ج ۹ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں ایک تو یہی جواب دیا کہ وہ انگلیوں سے مراد قدرت اور تصرف ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث پر بغیر کسی تویل اور توجیہ کے ایمان لانا چاہیے اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ حق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَبَسَ كَوْنُهُ شَيْءٌ (الشوریٰ ۲۶)

اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

(معجم مسلم مع شرح النووی ج ۱۰ ص ۶۱۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

میں کہتا ہوں کہ یہی جواب صحیح ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ رحمن کی انگلیوں میں اور وہ انگلیاں مخلوق کی انگلیوں کی مثل نہیں ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم اس میں اپنی طرف سے کوئی تویل اور توجیہ نہیں کرتے نہ ان کا معنی بیان کرتے ہیں نہ ان کی کیفیت کو ہم جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ کے چہرے اس کے ہاتھ اور اس کے نفس کا جو ذکر ہے وہ اس کی بلا کیف صفت ہیں اور یہ تویل نہ کی جائے کہ ہاتھ سے اس کی قدرت ہے یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدر یہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی بلا کیف صفت ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا بھی اس کی بلا کیف صفت ہیں۔

(الفتاویٰ الکبریٰ مع شرح الفتاویٰ الکبریٰ ص ۳۶۰-۳۷۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی العلیی دادلادہ مصر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (الغافل: ۲۵)
ظالموں پر عذاب کے نزول میں صالحین کا شمول

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ بنو آدم اور ان کے دلوں کے درمیان اللہ حائل ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتنوں، آزمائشوں اور عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر ظالموں پر عذاب نازل ہو تو وہ صرف ظالموں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تم سب پر نازل ہو گا اور نیک لوگوں اور بد کمروں سب پر یہ عذاب نازل ہو گا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان بد کمروں کو نہ رہنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۲۸۸ رقم الحدیث: ۳۳۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نئی پہچان کی نوج حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر نکلے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ آپ فرما رہے تھے عرب والوں کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپ پہنچا ہے آج کا دن یا جوج ماجوج کے سوراخ کی وجہ سے فتح کر لیا گیا ہے پھر آپ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنایا اور فرمایا اس کی مثل میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے حلاکت ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب بد کاری بہت زیادہ ہو جائے گی۔

(معجم ابوالدرداء رقم الحدیث: ۳۳۳۶ معجم مسلم القسطنطنیہ ج ۲ ص ۲۸۸ رقم الحدیث: ۲۸۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۷)

سنن الکبریٰ للشیخ رقم الحديث: ۱۳۷۳

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترذی کی روایت میں ہے اللہ کی حدود بخند کرنے میں سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثل اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے ہم لوہ کی مثل کا قرعہ لکھا اور بعض لوگوں کے ہم ٹہلی مثل کا۔ ٹہلی مثل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی مثل پر گئے پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم کشتی کے چنڈے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی مثل والوں کو ذمت نہیں ہوگی۔ اگر اوپر کی مثل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک دیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور ٹہلی مثل والے بھی۔

اصح البخاری رقم الحديث: ۲۸۱۶، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۸۰، صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحديث: ۲۹۷، مسند احمد ج ۶ رقم الحديث: ۱۸۳۸۹، طبع جدید، مسند احمد ج ۲، ص ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، طبع قدیم، سنن کبریٰ للیستی ج ۱۰، ص ۲۸۸ (۹)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔

اصح ابن حبان ج ۲ رقم الحديث: ۳۰۰، سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحديث: ۴۳۲۹، سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث: ۳۰۰۹، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۱، ۳۶۲، طبع قدیم، المعجم الکبیر للعلی بن ابی حمزہ ج ۲ رقم الحديث: ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور عذاب ہو پھر بھی نہ نصرت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بد لے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا، المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحديث: ۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷، مسند احمد ج ۲، ص ۳۶۱، ۳۶۲، طبع قدیم، سنن کبریٰ للیستی ج ۱۰، ص ۹ (۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جملہ یہ ہے کہ ظالم بلا شلہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی ج ۲ رقم الحديث: ۲۷۸، سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحديث: ۴۳۲۳، سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث: ۳۰۰۹، مسند ابوداؤد ج ۲ رقم الحديث: ۳۳۳، صحیح ابوداؤد ج ۲، ص ۴۷۳)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا ہے شخص باللہ سے ڈر، اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا۔ جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا۔ (المائدہ ۷۹-۷۸) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں باہر خد اتم ضرور نکلی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم

المائدہ: ۳۳ اور المائدہ: ۸۷ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے ان آیتوں کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو (الانفال: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور شکر گزاری کرے اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ پھر ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید سوکھ فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشت سے پہلے یہ لوگ تعداد اور قوت میں بہت کم تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بعد ان کو بہت قوت اور غلبہ حاصل ہوا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی سے گریز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم تعداد میں کم تھے اور تم کو زمین میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور تم دوسرے دشمنوں میں سزا کرنے سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو لوٹ لیں گے۔ اللہ نے تمہیں پناہ دی باہر سے تمہیں مکہ سے مدد بخٹھل گیا اور تم کفار کے شر سے محفوظ ہو گئے اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی یعنی جنگ بدر کے دن کفار پر تمہاری ہیبت طاری کر دی جس کے نتیجہ میں وہ تم سے تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود شکست کھا گئے اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی یعنی تمہارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ جبکہ تم سے پہلے امتوں پر وہ حرام تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں سختی سے آزمائش کی طرف اور مصیبتوں سے نعمتوں کی طرف منتقل کیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو انفل (مال غنیمت) کی تقسیم میں تمہارا جگہ نامناسب نہیں ہے۔

اسی طرح ہر دور میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر نعمتوں سے نوازتا ہے اور مصیبتوں سے نجات دے کر راحتوں کی طرف منتقل کرتا ہے لیکن مسلمان ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کو اپنا شعار نہیں بناتے۔ یاد خدا سے غافل رہتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ اپنے اہل سے خود کو اللہ کی نعمتوں کا نااہل ثابت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (الشوری: ۳۰)

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی کر توؤں کے سبب پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

اندلس میں آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد وہاں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جاتی رہی بلکہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور صرف عیسائی بننے والوں کو زندہ رہنے دیا گیا اور اب وہاں پر صرف برائے نام مسلمان ہیں اور سلطنت بغداد کو چنگیز اور ہلاکو نے تاراج کیا۔ برصغیر میں کئی صدیوں پر محیط مسلمانوں کی حکومت انگریزوں نے ختم کی اور ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کو غلام بنائے رکھا اور بلوراء النہر کی مسلم ریاستیں ایک بڑے عرصہ تک روس کی کلاونی بنی رہیں اور وہاں اسلامی اقدار اور آثار کو بڑی بے دردی سے مٹایا گیا اور ماضی قریب میں پاکستان کو دو لخت کیا گیا اور بھارت نے مشرقی پاکستان کو متحدہ پاکستان سے کٹ کر رکھ دیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ اسی طرح جو لوگ انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے اور اس کی نعمتوں کی نہ صرف ناشکری

کرتے ہیں بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں وہ جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اطاعت پر قائم رکھے اور گناہوں سے بچائے اور اپنا شکر گزار بندہ بنائے رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی لہاتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ ہمیں علم ہو (الانفال: ۷۳)

اللہ اور رسول سے خیانت کی ممانعت کے شان نزول میں متعدد روایات اس آیت کے متعدد شان نزول ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ ابو سفیان مکہ سے روانہ ہوا تو حضرت جبرئیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے تم اس کی طرف روانہ ہو اور اس خبر کو چھپا کر رکھنا۔ ایک شخص نے ابو سفیان کو یہ پیغام بھیج دیا کہ (سیدنا محمد ﷺ) تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں سو تم اپنے دفاع اور اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو تب اللہ عزوجل نے آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۳۵۸، ج ۷، ص ۲۹۳، اللہ المستور، ج ۳، ص ۳۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے 'ہو مرثد' کو اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ہم سب کھوڑوں پر سوار تھے، آپ نے فرمایا یہاں سے روانہ ہو اور روضہ خلیفہ پر پہنچ جاؤ۔ وہاں مشرکین کی ایک عورت ملے گی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکین کی طرف لکھا ہوا ایک خط ہوگا۔ ہم نے اس عورت کا پیچھا کیا جس جگہ کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی کی تھی وہاں وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جاری تھی۔ ہم نے اس سے کہا وہ خط لاؤ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھالیا اور اس کی تلاش کی، ہمیں اس کے پاس سے خط نہیں ملا۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ نے غلط نہیں فرمایا تھا تم وہ خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل سنجیدہ ہیں تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر ہمیں دیا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے، آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب سے پوچھا تم نے کس وجہ سے یہ کام کیا؟ حضرت حاطب نے کہا اللہ کی قسم! میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والا نہ رہوں، میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ میرا ان مشرکین پر کوئی احسان ہو جائے اس احسان کی وجہ سے اللہ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور رکھے اور آپ کے اصحاب میں سے ہر شخص کا وہاں کوئی قبیلہ ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کے اہل اور ان کے مال سے کافروں کے شر کو دور رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اور اس کے حق میں سوائے خیر کے اور کوئی کلمہ نہ کہنا۔ حضرت عمر نے کہا اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ اہل بدر سے نہیں ہے اور بے شک اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہو اور فرمایا تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔ یا فرمایا میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۵)

حضرت ابولبابہ انصاری کی توبہ

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۱۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

۳۔ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ابولبابہ بن عبد المنذر کو بھیجیں، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے۔ (ان کے نام میں اختلاف ہے، 'رقنہ'، 'بشر اور بشر عمن قول ہیں۔ آپ حضرت علی کی خلافت تک زندہ رہے۔ الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۱۸۰) تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا، جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے مردان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں، اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لیے حضرت ابولبابہ کا دل نرم ہو گیا۔ بنو قریظہ نے ان سے کہا اے ابولبابہ آپ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا) محمد ﷺ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں؟ انہوں نے کہا ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے یہ جان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ سیدھے واپس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی تھی۔

عبد اللہ بن ابی قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو (الانفال: ۲۷) امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجائے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے، اس دن سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابولبابہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ ﷺ ہنس رہے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے تھے؟ آپ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی گئی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کو یہ خوش خبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو تو؟ حضرت ام سلمہ حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے ابولبابہ تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا مسلمان انہیں کھولنے کے لیے جھپٹے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے، ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی وہ

یہ ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ مَیْثًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (التوبہ: ۴۴)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو کچھ برے کاموں کے ساتھ ملا لیا، مقرب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے جو رحم فرمائے والا ہے۔

(المیرۃ النبویہ للابن ہشام ج ۳ ص ۲۳۰-۲۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۵ھ جامع البیان ج ۷ ص ۷۷ رقم الحديث ۳۳۵۹ اسد الغلبہ ج ۶ ص ۲۶۰ رقم الحديث ۳۰۵۰ سبب النزول للواحدی رقم الحديث ۴۷۷۷)

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولہبہ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا یا نبی اللہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کردوں، نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے صرف تمہاری مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحديث ۱۳۹۷ المستدرک ج ۲ ص ۳۲ کنز العمال رقم الحديث ۷۰۳۳)

حافظ ابو عمرو سفین محمد بن عبد البر القرطبی التتبی ۳۳۵ھ نے حضرت ابولہبہ کی توبہ کا ایک اور سبب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت ابولہبہ جویشہ نے لوہے کی دونی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی راتیں باندھے رکھا۔ (علامہ ابن اثیر نے سلت سے نورانی لکھی ہیں) حتیٰ کہ ان کی سماعت بہت کم ہو گئی اور بیٹھنے بھی بہت کم ہو گئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لیے جانا تو ان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتی۔

حضرت ابولہبہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا حافظ ابن عبد البر نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولہبہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا اللہ کی قسم میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا اور کوئی چیز کھولوں گا اور نہ ہیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائے یا میں مرجلوں۔ وہ سلت دن بندھے رہے کچھ کھانا نہ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابولہبہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے انہوں نے کہا یہ خدا میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ آکر مجھے کھولیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کو کھولا۔ التوبہ ۱۰۳ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولہبہ اور ان کے علاوہ سلت آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پھر وہ غلام ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا نیک عمل توبہ تھا اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک سے رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابولہبہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قطعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال: ۲۷)

(الاستیعاب ج ۴ ص ۳۰۵-۳۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے محامل

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت نہ کریں اور اس کو اس لیے خیانت فرمایا

کہ یہ اللہ کے علیہ میں خیانت کرنا ہے اور رسول کی اس لیے خیانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں غیبت کی تقسیم کا دالی رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے۔ سو جس شخص نے اس میں غیبت میں خیانت کی اس نے اللہ اور رسول کی خیانت کی۔ اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے اور بھی محال ہیں: اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا ہے اور رسول کی خیانت آپ کی سنت کو ترک کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا یا ان کی ادائیگی میں کمی کرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ کو عمل ادا کرنا امانت ہے اور کسی بھی حکم شرعی میں کمی کرنا یا اس کو ترک کرنا خیانت ہے اور میں غیبت میں خیانت کرنا بھی اس میں داخل ہے ہر چند کہ ان آیات کا نزول میں غیبت میں خیانت کے متعلق ہے لیکن اعتبار عموم لفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد اور سبب کا نہیں ہوتا۔

ابن زید نے کہا اس قسم کی خیانت منافقین کرتے تھے ان کو معلوم تھا کہ وہ کافر ہیں اور وہ پھر بھی ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُفَّالًا
يُذَكِّرُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ وَلَا قُلُوبَهُمْ
(النساء: ۱۰۲) اور وہ (منافقین) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو یاد دلاتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

یہ منافقین تھے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دین کی وجہ سے امن دیا اور وہ خیانت کرتے تھے ایمان ظاہر کرتے تھے اور ان کے باطن میں کفر تھا۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کریں۔ امانت ادا کرنے کی تاکید اور خیانت کرنے پر وعید کے متعلق اس آیت کے علاوہ قرآن مجید میں اور یہ آیات ہیں:

قُلْ إِن مِّن مِّنكُمْ مِّن شَيْءٍ فَلْيُؤَدِّهِ إِلَىٰ
أَوَّلِيهِ أَوْ لِيُؤْتِيَهُ الْكَلِمَةَ
اَلْبَيِّنَاتِ
(البقرة: ۲۸۳) پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ
أَهْلِهَا
(النساء: ۵۸) بے شک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانت ادا کرو۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَنفَقْنَ مِنْهَا
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا
(الاحزاب: ۷۲) ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور ڈرے اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ
(المؤمنون: ۸) اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے والے ہیں۔

امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ

بولے 'جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائی تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم الايمان: ۱۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸، سنن التسلی رقم الحدیث: ۵۰۳۰، السنن الکبریٰ للعلی رقم الحدیث: ۳۷۷، معارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۷۶، سنن کبریٰ ج: ۶، ص: ۲۸۸)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت مت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۳۳، السنن رک: ج: ۲، ص: ۳۶، مسند احمد ج: ۳، ص: ۳، معارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۶۰، سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۶۰۰)

۳۔ حضرت نو اس بن سمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت بڑی خیانت یہ ہے کہ تمہارا بھائی تم سے کوئی بات کہے اور وہ اس میں سچا ہو اور تم اس کو جھوٹا کہو۔

(مسند احمد ج: ۳، ص: ۱۸۳، مجمع الزوائد ج: ۸، ص: ۹۸، تحف السادة المحمدية ج: ۸، ص: ۲۶۳، رقم الحدیث: ۶۰۲۳۰)

۴۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے خاص ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا خاص ہوں 'جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو تم اس کو ادا کرو 'جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو 'جب تم بات کرو تو سچ بولو 'تم اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو 'اپنی نظروں کو بچا رکھو اور اپنے ہاتھوں کو کسی کے آگے نہ پھیلاؤ۔ (شعب الایمان ج: ۲، رقم الحدیث: ۵۲۵۵، معارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۷۵، سنن کبریٰ ج: ۶، ص: ۲۸۸)

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے سے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے ماسوا امانت کے۔ قیامت کے دن ایک بندہ کو لایا جائے گا خواہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکا ہو۔ اس سے کہا جائے گا کہ اپنی امانت کو ادا کر۔ وہ کہے گا اے رب میں اب کیسے امانت کو ادا کروں اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے 'پھر کہا جائے گا اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ 'اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا پھر اس کے سامنے اس امانت کی مثل پیش کی جائے گی جس شکل و صورت میں اس کو وہ امانت دنیا میں پیش کی گئی تھی۔ وہ اس کو پہچان لے گا وہ اس امانت کے پیچھے دوزخ کے ایک گڑھے میں اترے گا حتیٰ کہ اس کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھے گا اور جب وہ گلن کر لے گا کہ وہ اس گڑھے سے باہر نکل رہا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گڑھے میں نیچے گرنا چلا جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے کہا نماز امانت ہے اور وضو امانت ہے اور وزن امانت ہے اور بیعت امانت ہے اور انہوں نے کئی چیزیں گنیں اور ان سب سے بڑی امانت وہ ہے جو لوگ کسی کے پاس کوئی چیز رکھتے ہیں۔ زاذان کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت براء بن عازب کے پاس گیا انہوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابن مسعود نے بیان کیا تھا۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تمہیں عظیم عطا ہے کہ تم امانت رکھو انے والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو۔

(معارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۳۵، شعب الایمان ج: ۲، رقم الحدیث: ۵۲۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

۶۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے لوگوں سے جو چیز اٹھالی جائے گی وہ امانت ہے 'اور آخر میں جو چیز باقی رہ جائے گی وہ نماز ہے اور بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کی نماز میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(شعب الایمان ج: ۲، رقم الحدیث: ۵۲۷۳، السنن الکبریٰ للعلی ج: ۶، ص: ۲۸۹، معارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۶۰)

۷۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے سے دھوکا نہ کھانا جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نماز پڑھے لیکن جو امانت دار نہیں وہ دین دار نہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، رقم الحديث: ۲۰۱۳، مصنف ابن أبي شيبة ج ۶، رقم الحديث: ۲۰۳۱، شعب الایمان ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۷۹، کنز العمال رقم الحديث: ۸۳۳۶، مکارم الاخلاق رقم الحديث: ۱۳۶)

۸۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی شخص کی نماز کو دیکھو نہ اس کے روزے کو یہ دیکھو وہ اپنی بات میں کس قدر سچا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ کس قدر امانت دار ہے اور جب اس پر دنیا پیش کی جائے تو وہ کس قدر متقی ہے۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۷۹، کنز العمال رقم الحديث: ۸۳۳۵)

۹۔ حضرت حذیفہ بن یمان جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کی تھیں، ایک تو پوری ہو چکی ہے اور دوسری کا میں انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری، پھر قرآن نازل ہوا اور لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے امانت اٹھ جانے کی پیش گوئی بیان کی اور فرمایا ایک شخص تھوڑی دیر سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکل جائے گی، اور چھالے کی طرح اس کا اثر رہ جائے گا جس طرح پیر کے نیچے انگارہ آنے سے آبلہ پڑ جاتا ہے اور اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک کنکری لے کر اس کو اپنے پیروں لٹکا دیا اور فرمایا پھر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی امانت داری اور دیانت داری سے کام نہیں لے گا حتیٰ کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک دیانت دار شخص ہوا کرتا تھا اور یہ کہ فلاں شخص کس قدر بیدار مغز، خوش مزاج اور زیرک ہے، لیکن اس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ نے فرمایا ایک وہ وقت تھا جب میں ہر شخص سے بغیر کسی خدشہ اور کھٹکے کے خرید و فروخت کر لیتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا دین اس کو خیانت سے روکے گا، اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو حاکم کے خوف سے خیانت نہیں کرے گا لیکن اس زمانے میں میں فلاں فلاں شخص کے علاوہ خرید و فروخت میں اور کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۴۹۷، صحیح مسلم ایمان: ۲۳۰ (۱۳۳)، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۱۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۵۳، مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، رقم الحديث: ۲۰۱۳)

۱۰۔ عطا خراسانی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا جو شخص اللہ عز و جل سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس نے کسی شخص کی امانت ادا نہیں کی ہوگی، اللہ عز و جل اس کی نیکیوں کو لے لے گا جب کہ وہیں دنار ہو گا نہ درہم۔ (مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۳۸)

۱۱۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا جب کسی گھر میں خیانت ہو تو اس سے برکت چلی جاتی ہے۔

(مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۵۱، مطبوعہ مطبعہ المدنی قاہرہ ۱۳۱۱ھ)

۱۲۔ حضرت انس بن مالک جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے گم ہوگی وہ امانت ہے اور آخر میں نماز گم ہوگی۔ ثابت بتائی نے کہا ایک شخص روزے رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے لیکن جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ امانت ادا نہیں کرتا۔

(مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۵۵، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحديث: ۸۶۹۹، حاشیہ العیسیٰ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

جمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲۹

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان اور مال میں ائمن سمجھیں۔ (مکارم الاخلاق رقم الحديث: ۱۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۹۳۳)

۱۴۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جنت میں جہار داخل ہو گا نہ بخیل نہ خائن اور نہ بد خلق۔ (مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۹)
 ۱۵۔ مجاہد نے کہا کہ دھوکا اور خیانت دونوں میں ہیں اور مکر اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۸ السنن رکب ج ۳ ص ۶۰۷)

۱۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں سچے کو جھوٹا کہا جائے گا اور جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۶۷ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

۱۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی خطبہ دیا تو اس میں فرمایا سنو جو امانت ادا نہ کرے وہ ایمان دار نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۷۷ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۸۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ موارد الطمان رقم

الحدیث: ۱۰۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۶ اس کی سند ضعیف ہے)

۱۸۔ میمون بن مهران نے کہا تین چیزیں ہر نیک اور بد کو ادا کی جائیں گی صلہ رحمی کرو خواہ نیک ہو یا بد عہد جس سے بھی کیا

ہے پورا کرو خواہ نیک ہو یا بد ہر ایک کی امانت ادا کرو خواہ نیک ہو یا بد۔ (مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۹)

۱۹۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی

وصیت کرتا ہوں اور سچ بولنے کی اور عہد پورا کرنے کی اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی اور یتیم پر رحم کرنے کی اور ملاحت سے ہٹ کر رہنے کی اور (ہر مسلمان کو) سلام کرنے کی اور تواضع اور عاجزی کی۔

(طیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۳۱ ۲۳۰)

۲۰۔ حضرت ابو حمید السعیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا مائل بنایا جب وہ

آیا تو اس نے کہا یہ چیزیں تمہارے لیے ہیں اور یہ چیزیں مجھے ہدیہ کی گئی ہیں۔ نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اللہ کی حمد کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم اپنے بعض مناصب پر عامل بناتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ یہ

چیز تمہارے لیے ہے اور یہ چیز مجھے ہدیہ کی گئی ہے وہ اپنی ماں کے گھر میں یا اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گیا پھر یہ دیکھا جا تا کہ اس کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہے یا نہیں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی

کوئی چیز لے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی۔ اگر وہ اونٹ ہے تو وہ بوڑھا رہا ہوگا اگر وہ گائے ہے تو وہ ذکراری ہوگی اور اگر وہ بکری ہے تو وہ میاں رہی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے تین دفعہ فرمایا اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۷۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۷ ۲۵۹۸ صحیح مسلم الامارہ: ۳۶ (۱۸۳۲) ۳۶۵۶ سنن ابوداؤد رقم

الحدیث: ۲۹۳۶ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۹ مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵ ۲۸۷ ۲۸۸)

القصہ: ۵۸ میں بھی ہم نے امانت اور خیانت پر کئی لحاظ سے بحث کی ہے۔ میرا حاصل بحث کے لیے اس تفسیر کو بھی دیکھنا

چاہیے۔ البتہ امانت اور خیانت کے موضوع پر یہاں زیادہ احادیث بیان کی ہیں اور بعض ابن اطارث کا یہاں ذکر نہیں کیا جو وہاں بیان کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یقین رکھو کہ تمہارے اسوئل اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے

پاس اجر عظیم ہے۔ (انفال: ۲۸)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت کی جن نعمتوں سے نوازا ہے اور جو اولاد ہمیں عطا کی ہے وہ ہمارے لیے امتحان اور آزمائش ہیں تاکہ اس آزمائش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم مال اور اولاد میں اللہ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور مال اور اولاد کی محبت ہمیں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہے یا نہیں اور تم یہ یقین رکھو کہ اپنے مال اور اولاد میں تم اللہ کے احکام کے مطابق جو عمل کرتے ہو اس کا اجر و ثواب اللہ ہی کے پاس ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تاکہ آخرت میں ہمیں اجر جزیل مل جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا تم میں سے ہر شخص فتنہ میں مبتلا ہے پس تم گمراہ کرنے والے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ (جامع البیان ج ۹، رقم الحدیث: ۵۰۷۳، ص ۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اولاد، رشتہ داروں اور مال و متاع کی محبت اگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت سے مانع ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

آپ کہئے کہ اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم نافذ کر دے اور اللہ فاسق لوگوں کو حذل مقصود پر نہیں پہنچاتا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَآخَوانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَوِّفُونَ أَتَبَىٰ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَوُونَ أَمْ يَأْتِي اللَّهَ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة: ۲۴)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی در حقیقت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَامْرُؤٌ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المنافقون: ۹)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق احادیث
رسول اللہ ﷺ نے مال کے فتنہ کے متعلق فرمایا:

حضرت محمود بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بحرن جزیرہ لینے کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرن سے صلح کر لی تھی اور حضرت عطاء بن حنظلہ کی قیادت میں مقرر کر دیا تھا۔ پھر حضرت ابو عبیدہ بحرن سے مل لے کر آئے انصار کو جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ سب فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے بعد ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گئے وہ سب آپ کے سامنے پیش ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو آپ مسکرائے پھر آپ نے فرمایا میرا گلن یہ ہے کہ تم سب کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ ابو عبیدہ بحرن سے کچھ

مل لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو اور اس چیز کی امید رکھو جس سے تم خوش ہو گے۔ پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر فخر کا خوف نہیں ہے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا تم پر اس طرح وسیع کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر دنیا وسیع کر دی گئی تھی۔ پھر تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے دنیا میں رغبت کی تھی جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔ تم بھی اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۸، صحیح مسلم الزحطہ ۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۶۶، مسند احمد ج ۳، ص ۲۲۷-۲۳۷) اور اولاد کے قتل ہونے کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے۔ اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آگئے انہوں نے سرخ قمیص پہنی ہوئی تھی وہ چلتے ہوئے لڑکھارہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے۔ ان کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھار دیا اور پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حج ارشلو فرمایا ہے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔ (الاختلاط: ۲۸) میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے لڑکھاتے ہوئے دیکھا تو پھر میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنے خطبہ کو منقطع کیا اور ان بچوں کو اٹھایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳، مسکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۶۸) اولاد کی محبت میں انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائے یا کسی عبادت کو ترک کر دے یا ان کی محبت میں کوئی ناجائز کام کرے تو یہ منوع ہے۔ نبی ﷺ نے رحمت اور رقت کے غلبہ سے اپنے ان نواسوں کو جو دوران خطبہ منقطع کر کے اٹھایا تو یہ کسی قسم کا منوع کام نہیں تھا بلکہ آپ کا ہر کام وحی الہی کی اتباع میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت حسین کریمین کا جو مرتبہ اور مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ان کا بلند درجہ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لیے آپ نے ان کو دوران خطبہ اٹھ کر اپنے پاس بٹھایا اور اپنے اس عمل سے آپ نے یہ مسئلہ بتلایا کہ کم سن بچوں پر شفقت کرنی چاہیے اور اگر دوران وعظ کسی داعیہ اور خطیب کو ایسی صورت حال سے سہتہ پڑ جائے تو اس کا اپنے بچوں کو دوران وعظ اٹھالینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ آپ کی سنت بھی ہے اور آپ کا بچوں کے اٹھانے پر یہ آیت پڑھنا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں یہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور متاز کر دے گا

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اور تمہارے (سیر) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

وَأَذِمْ مَكْرُيَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْيُنُوثُ أَوْ يَفْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے ہوں تو آپ کو تھکائیں یا قتل کریں یا جلا وطن کر دیں،

وَيَسْكُرُونَ وَيَسْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُسْكِرِينَ ۝۳۱ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے اور جب ان پر ہماری

أَيْتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا

آیات تکاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں دیکھیں ہم نے سننے دو ہم کی چلے ہیں، اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس (کلام) کی مثل بنا لیتے وہ تو صرف

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝۳۲ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ اور (یاد کیجیے) جب انہوں نے کہا اے اللہ: اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ وَإِنَّنَا بَعْدَ اب

حق سے ترمیم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی دوسرا) درود نازل فرما

أَلَيْهِمْ ۝۳۳ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ

سے آ ○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں، اور اللہ اس وقت

اللَّهُ مُعَذِّبُهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۳۴ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يَعَذِّبُهُمْ

انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہیں ○ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا

اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا

حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام)

أَوْلِيَاءَ ۚ إِنْ أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُنَافِقُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا

کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف منافق مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُونَ ۝۳۵ وَمَا كَانَ مَلَأَتْهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءٌ وَ

جانتے ○ اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی ناز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تالیاں

تَصْدِيكُهُ ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝۳۶ إِنْ

بہاتے تھے، سو اب عذاب کو چھو کیوں کہ تم کفر کرتے تھے ○ بے شک

الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَتَفَقَّوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں،

فَسَيَنْفَقُونَ نَهَايَهُمْ تُكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ

وہ منتریب اور بھی خرچ کریں گے، پھر یہ ان کے لیے باعثِ پشیمانی ہوگا پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٧﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ۰ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے،

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضًا عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ

اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے، پھر ان سب کا ڈھیر بنا دے، پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں

فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٣٨﴾

ڈال دے، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کر دے گا اور تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۰ (الانفال: ۳۹)

کبیرہ گناہوں کے اجتناب سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

اللہ سے ڈرتے رہنے کا معنی ہے تقویٰ اختیار کیے رہنا۔ اور تقویٰ کا معنی ہے ایمان لانے کے بعد تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور تمام عمرات اور مکروہات سے اجتناب کرنا۔ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے کبیرہ گناہوں سے بچنا اور دوسرا مرتبہ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا اور تیسرا مرتبہ ہے خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچنا اور اس آیت میں پہلا مرتبہ مراد ہے یعنی کبیرہ گناہ سے بچنا۔ کیونکہ اس پر جو دوسری جزاء مرتب کی ہے وہ ہے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔ اور شرط اور جزاء میں تغایر ہوتا ہے اس لیے اس آیت کا معنی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو اللہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

مومنوں اور کافروں کا دنیا اور آخرت میں فرق

اللہ سے ڈرتے رہنے اور تقویٰ اختیار کرنے پر جو پہلی جزاء مرتب کی ہے وہ ہے تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کر دے گا۔ اس سے مراد یا دنیا میں الگ اور ممتاز کرنا ہے یا آخرت میں۔ اگر دنیا میں مسلمانوں کو کافروں سے الگ اور ممتاز کرنا مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں اپنے احوالِ باطن اور احوالِ ظاہرہ کے لحاظ سے کافر سے ممتاز ہوتا ہے۔ احوالِ باطن سے اس لیے کہ کافر کے دل میں اللہ کا انکار ہوتا ہے اور مسلمان کے دل میں اللہ پر ایمان ہوتا ہے اور کافر کا دل کینہ، بغض، حسد اور مکروہ فریب سے پر ہوتا ہے اور مومن کا دل ان تمام اوصافِ رذیلہ سے پاک اور صاف ہوتا ہے۔ اور مسلمان جس قدر اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی معرفت کا نور بڑھتا جاتا ہے۔ اور جب اس کے دل میں یہ انوار اور تجلیات ہوں تو پھر ان اوصاف

۳۷-۳۹

رزقہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور احوال ظاہر میں مومن کافر سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے کہ مومن کو اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے جبکہ کافر اللہ کی تائید اور نصرت سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مومن آخرت میں کافر سے ممتاز ہو گا تو یہ بالکل ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر آخرت میں لطف و کرم فرمائے گا ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل و رسوا کر کے دوزخ میں داخل کر دے گا۔

پھر فرمایا: اور تم کو بخش دے گا۔ اگر دوسرے جرم میں گناہوں کے مٹانے سے مراد صغیرہ گناہوں کا معاف کرنا ہو تو بخشنے کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی شفاعت سے مسلمانوں کے کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا یا اپنے فضل محض سے کبیرہ گناہوں کو بخش دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہوں کو مٹانے سے مراد دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھنا ہو اور بخشنے سے مراد آخرت میں گناہوں کو بالکل ذائل کرنا ہو۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے شفاعت کر دی ہے تو آخرت میں شفاعت کیوں ہوگی؟

ایک دفعہ مجھ سے ایک عالم نے سوال کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات کو مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیک عمل ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو گنہ گار ہوں تو میں تمہارے گناہوں پر استغفار کرتا ہوں۔

(الرواقا احوال المصطفیٰ ص ۸۰۱)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے ان لوگوں کو دوزخ سے نکل لیا جائے گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو یا جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی نیکی ہو۔ ان کو جنت کے صحن میں ڈال دیا جائے گا۔ اہل جنت ان کے اوپر پانی چھڑکیں گے۔ پھر ان سے جلن کے آثار دور ہوں گے اور زندگی اور تروتازگی کے آثار نمودار ہوں گے۔

(صحیح مسلم الامان ۳۱۶، (۱۹۱) ۳۶۱)

تو جب نبی ﷺ نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے استغفار کر لیا تو پھر حشر میں شفاعت کیوں ہوگی اور جب دنیا اور قبر میں شفاعت ہو چکی تو پھر بعض گنہ گاروں کو دوزخ میں عذاب کیوں ہوگا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ ان ہی کے لیے شفاعت فرمائیں گے جن کی شفاعت کی اللہ آپ کو اجازت دے گا۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے بعض گنہ گاروں کی شفاعت کی اجازت آپ کو دنیا میں دے اور بعض کی شفاعت کی اجازت آپ کو حشر میں دے اور جن کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ان کی شفاعت کی اجازت آپ کو نہ دے بلکہ محض اپنا فضل ظاہر فرمائے کے لیے کسی کی شفاعت کے بغیر اپنے مجرد کرم سے ان کو بخش دے اور دوزخ سے نکل لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی شفاعت کی وجہ سے ان کو صرف صورۃ عذاب ہو اور حقیقتاً عذاب نہ ہو کیونکہ عذاب تو درد کے اور اک اور احساس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جب ان کو دوزخ میں ڈالے تو ان کا اور اک اور احساس زائل کر دے اور اس کو عذاب کا بالکل پتہ نہ چلے جیسے بیہوش کر کے سرجری اور جراحی کا عمل کرتے ہیں تو مریض کو چیر پھاڑ کا بالکل پتہ نہیں چلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے ان کو دوزخ سے نکل لے اور ان سے جلنے اور عذاب کے آثار کو دور کر دے۔ دوسرا جواب میں نے یہ دیا کہ ہو سکتا ہے دنیا میں آپ ان کی پردہ پوشی یا تخفیف عذاب کے لیے یا قبر کے عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں اور حشر میں بالکل عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل

اس کے بعد فرمایا اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور یہ اس کا کتنا بڑا فضل ہے کہ نیکی کرنے کا جذبہ بھی دل میں وہ پیدا کرتا ہے

تبیان القرآن

پھر اس نیک کام کو کرنے کے لیے بدن میں طاقت اور منہ میں زبان بھی وہ پیدا کرتا ہے۔ اس نیک کام کے لیے جن دیگر اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی وہ پیدا کرتا ہے۔ اس نیکی کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو بھی وہ دور کرتا ہے۔ پھر ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ تمہارے نیک کاموں کا اجر ہے! بعض اوقات ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ شخص اس نیکی سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً وہ ایک بھوکے کو کھانا کھلانا چاہتا ہے لیکن اس کے منہ میں کینسر ہے وہ کھا نہیں سکتا۔ ایک شخص کسی مریض کو صحت یاب کرنے کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرتا ہے لیکن اس کو کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا اور بعض اوقات کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو لیکن جس کے ساتھ ہم نیکی کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری نیکی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو جس کو ہم نے کھانا کھلادیا تو یہ بھی اس کا احسن ہے کہ اس نے کھانے والے میں کھانے کی صلاحیت پیدا کی۔ ہم نے جس کا علاج کیا تو یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے دواؤں میں شفا کی تاثیر رکھی اور ہم نے جس کے ساتھ نیکی کی تو یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے اس شخص میں ہماری نیکی قبول کرنے پر آمادگی پیدا کی سب کچھ تو اس نے کیا ہے پھر اس کا کتنا فضل ہے کہ ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ اپنی نیکیوں کا انعام اور اجر و ثواب لے لو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ (الانفال ۳۰)

کفار قریش کا نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کرنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے ہر قبیلہ کے سردار دار الندوہ میں جمع ہوئے وہاں ابلیس شیخ جلیل (یہ وہی شخص ہے) کی صورت میں آیا قریش کے سرداروں نے اس کو دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں شیخ نجد ہوں میں نے سنا کہ تم یہاں کسی امر میں مشورہ کے لیے جمع ہو میں نے چاہا کہ میرا مشورہ بھی اس معاملہ میں شامل ہو جائے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تم بھی آ جاؤ۔ شیخ نجد نے کہا تم اس شخص کا کوئی موثر بندوبست کرو ورنہ یہ تمہارے تمام معاملات پر قابض ہو جائے گا۔ کسی نے کہا اس شخص کو ذنجیروں میں جکڑ دو پھر حوادث روزگار کا انتظار کرو حتیٰ کہ یہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اور شعراء مثلاً زہیر اور ثابت ہلاک ہو چکے ہیں۔ شیخ نجد نے چلا کر کہا نہیں نہیں یہ رائے بالکل ناپختہ ہے اگر تم نے اس کو قید کر لیا تو اس کا رب اس کو قید سے نکل لائے گا اور اس کے اصحاب اس کو تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ پھر انہوں نے کوئی اور تجویز سوچی کسی نے کہا ان کو اس قمر سے نکل دو حتیٰ کہ تم سب کو اس سے نجات مل جائے۔ شیخ نجد نے کہا یہ رائے بھی ٹھیک نہیں ہے کیا تم کو اس کی زبان دانی، طلاقت لسانی اور دلوں میں اترنے والی شیریں بیانی کا علم نہیں ہے۔ یہ جہل بھی ہو گا اپنا ایک جھٹایا لے گا پھر تم پر حملہ کر کے تم سب کو ملیا میٹ کر دے گا۔ سو کوئی اور اسکیم بناؤ۔ تب ابو جہل نے کہا میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دیتا ہوں کہ تم نے اس سے بہتر مشورہ پہلے نہیں سنا ہو گا۔ سب نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا ہم ہر قبیلہ سے ایک لو خیز نو جوان اور ایک پختہ جوان کو لے لیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک برہنہ تلوار ہو اور سب مل کر یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور جب سب مل کر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کا خون ہر قبیلہ کے ذمہ ہو گا اور میں نہیں گمان کرتا کہ بنو ہاشم کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل سے جنگ کر سکے گا اور جب وہ قصاص لینے کو مشکل پائیں گے تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم کو ان کی ایذا رسانی سے نجات مل جائے گی۔ شیخ نجد نے بے ساختہ کہا یہ خدا کی وہ صحیح اور صائب رائے ہے جو اس شخص نے پیش کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی راہ صحیح نہیں ہے۔

ایک آذان کے پیچھے پھر ہم نے ان کو ڈھانپ دیا تو وہ کچھ نہیں دیکھتے ○

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال دی اور پھر آپ نے جہاں چاہا وہاں تشریف لے گئے۔ پھر ان کافروں کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تم یہاں پر کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا اللہ نے تمہیں نامراد کر دیا۔ اللہ کی قسم (سیدنا) محمد (ﷺ) یہاں سے چلے گئے ہیں اور وہ تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں تم ذرا اپنا جائزہ تولو۔ پھر ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس کے سر پر مٹی تھی۔ پھر وہ آپ کے گھر گئے تو دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو (سیدنا) محمد (ﷺ) سوئے ہوئے ہیں اور ان پر ان کی چادر ہے۔ وہ اسی طرح کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔ تو پھر وہ کہنے لگے خدا کی قسم اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف جا چکے تھے۔

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھ کر آپ کی جگہ سو گئے اور مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی توقع تھی۔ وہ حضرت علی کی گھات لگا کر بیٹھے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وضو کر رہے تھے جب انہوں نے دیکھا تو کہا افسوس یہ تم ہو یہ تم ہی کو نہیں بدل رہے تھے تمہارے صاحب تو کون نہیں بدلتے تھے۔ اور حاکم نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اللہ کی رضا کے عوض اپنی جان کو فروخت کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس روز کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یاد کیجئے! جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے مگر آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام کر دیا وہ نامراد ہو گئے اور اللہ عزوجل نے سیدنا محمد ﷺ کو کامیابی اور سرخروئی سے نوازا۔

(سبل الہدی والارشاد، ج ۳، ص ۲۳۳-۲۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں (بس رہنے دو) ہم سن چکے ہیں اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس کلام کی مثل بنا لیتے یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (الانفال: ۳۴) **نضر بن الحارث کے جھوٹے دعوے**

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کے شان نزول کے متعلق روایت کیا ہے کہ نضر بن الحارث ایک تاجر تھا اور وہ تجارت کے لیے فارس اور دیگر ممالک کا سفر کرتا تھا۔ اس نے وہاں دیکھا لوگ انجیل پڑھتے تھے اور رکوع اور سجود کرتے تھے۔ جب وہ مکہ میں آیا تو اس نے دیکھا کہ سیدنا محمد ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ بھی رکوع اور سجود کرتے ہیں تو نضر نے کہا ہم اس قسم کا کلام سن چکے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں یہ آیت نضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ تجارت کے لیے الحیرہ گیا۔ وہاں اس نے کلیہ اور دمنہ کے قصہ کہانیوں کی کتابیں خریدیں اور کسریٰ اور قیصر کی کتابیں خریدیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کی خبریں بیان فرمائیں تو نضر نے کہا اگر میں چاہوں تو میں اس طرح کی خبریں بنا سکتا ہوں۔ اور یہ شخص اس کے بلند

باتمب دعوے اور ڈیگیں تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا یہ زعم تھا کہ وہ قرآن کی مثل بنا سکتے ہیں جیسا کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے یہ زعم کیا تھا لیکن جب انہوں نے اس کی مثل بنانے کی کوشش کی تو وہ عاجز ہو گئے لیکن انہوں نے علتاً کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۲۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھیے) جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر سلا یا ہم پر کوئی (دوسرا) دردناک عذاب لے آ۔ (الغافل: ۳۲)

اس آیت پر یہ اشکل ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کفار کا یہ کلام نقل کیا ہے: اللہم ان کان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم اسی طرح سورہ اسراء میں بھی ان کا کلام نقل کیا ہے:

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے بحجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ ان کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں یا آپ اپنے کہنے کے مطابق ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ ہمارے سامنے اللہ کو اور فرشتوں کو (بے حجاب) لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم ہرگز آپ کے (آسمان پر) چڑھنے پر (بھی) ایمان نہیں لائیں گے

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَمُحَّرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ حَنَّةٌ يُضْرِبُ الْأَعْيُنُ فَتَنْفَعَنَا أَوْ نَهَارًا يَجْآلُهَا تَعْبِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا رَعْنَتْ عَلَيْهَا سُفُوفًا أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ يَرُوحُ زَوَاجِرٌ أَوْ نُفَرِّقُ فِى السَّمَاءِ وَلَسَ نُؤْمِنُ بِرُفُوقِكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِِدَةً (الاسراء: ۹۰-۹۳)

حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔

یہ کفار کا کلام ہے اور یہ کلام نظم قرآن کی جنس سے ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کفار نے قرآن کی مثل کلام بنالیا تھا۔ امام رازی نے اس اشکل کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ کلام مقدار میں بہت کم ہے اور اتنی کم مقدار کا کلام قرآن مجید سے معارضہ کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اتنی کم مقدار کے کلام میں فصاحت اور بلاغت کی وجوہ ظاہر نہیں ہو سکتیں اور یہ جواب اسی وقت چل سکے گا جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ قرآن مجید نے تمام سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج نہیں کیا بلکہ سورت طویلہ کی مثل لانے کا چیلنج کیا ہے جس میں کلام کی قوت ظاہر ہو سکے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۴۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تمام سورتیں معجزہ ہیں اور کوئی سورت بڑی ہو یا چھوٹی اس کی کوئی شخص نظیر نہیں لاسکتا۔ بلکہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت معجزہ ہے اور کوئی شخص کسی آیت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا اور اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں کفار کا جو کلام نقل کیا ہے یہ جیسے ان کا کلام نہیں ہے وہ اتنا فصیح و بلیغ کلام نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فصیح و بلیغ کلام میں نخل کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ درحقیقت اللہ کا کلام ہے کفار کا کلام نہیں ہے۔ البتہ کفار کے کلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں دھل کر بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ

لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (داخل ۳۳-۳۴)

کسی قوم میں جب اس کا نبی موجود ہو تو اس قوم پر عذاب نہیں آتا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ اگر قرآن حق ہے اور وہ اس کے مگر ہیں تو ان پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے اور کوئی عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ جب تک (سیدنا) محمد ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں ان پر عذاب نہیں آئے گا اور یہ آپ کی تعلیم کی وجہ سے ہے اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت جاری رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی والوں پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے نبی کو وہاں سے نکل نہیں لیا۔ جیسا کہ حضرت عہد، حضرت صلح اور حضرت لوط علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں سے باہر بھیج دیا۔ اس کے بعد ان کی بستیوں پر عذاب نازل فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب انبیاء علیہم السلام کا ان کے درمیان موجود ہونا نازل عذاب سے مانع ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے ہوتے ہوئے ان کے خلاف جہاد اور قتل کیوں مشروع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلسل کفر اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی بناء پر آسمان سے عذاب کا نزول اور چیز ہے جس سے کافروں کو صلیٰ استی سے مٹا دیا جاتا ہے اور ایمان کی دعوت کو مسترد کرنے کے نتیجہ میں ان سے قتل اور جہاد کرنا اور چیز ہے۔

کفار کے استغفار کی متعدد تفاسیر

کفار پر عذاب نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہالک سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اہل مکہ میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا جب کہ ان اہل مکہ میں مسلمان بھی موجود ہیں جو استغفار کرتے ہیں۔ ابن ابی زبئی نے کہا جب تک کہ میں مسلمان ہیں جو استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا اور جب مسلمان مکہ سے چلے گئے تو فرمایا اللہ ان پر عذاب کیوں نہ نازل کرے حالانکہ یہ مشرکین مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا تمہارے لیے دو امانیں تھیں۔ ایک نبی ﷺ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے حالانکہ آپ ان میں موجود ہیں اور نبی ﷺ کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد یہ امان تو آپ نہیں رہی اور دوسری امان قیامت تک کے لیے ہے اور وہ اللہ سے استغفار کرنا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۴۳) اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے۔

قلوہ نے بیان کیا ہے کہ اہل مکہ استغفار نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ استغفار کرتے تو ان کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ مگر وہ نے اس کی تفسیر میں کہا انہوں نے عذاب کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا اور نہ اس وقت ان پر عذاب نازل کرے گا جبکہ وہ اسلام میں داخل ہو رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت عذاب نہیں دیتا جب اس کے نبی اس قوم میں موجود ہوں وہ اپنے نبیوں کو ان کے درمیان سے نکل لاتا ہے پھر ان پر عذاب نازل فرماتا ہے اور جو ان میں سے پہلے ایمان لا چکے ہوں ان پر بھی عذاب نازل نہیں فرماتا اور مجاہد نے کہا جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں تو ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

امام ابن جریر نے کہا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں حتیٰ کہ اللہ آپ کو ان کے درمیان سے باہر لے آئے کیونکہ وہ کسی بستی کو اس وقت ہلاک نہیں کرتا جب ان میں ان کا نبی موجود ہو۔ اور نہ اللہ اس وقت ان پر عذاب نازل فرماتا ہے جب وہ اپنے کفر اور گناہوں پر استغفار کر

رہے ہوں۔ لیکن وہ اپنے کفر سے توبہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں پھر فرمایا اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اور اس کے متولی تو متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ سے نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد ان کو میدان بدر میں کھوار کے عذاب سے دوچار کیا۔ بعض علماء نے کہا یہ دوسری آیت پہلی آیت کے لیے تلخ ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ ان (دونوں) آیتوں میں خبر دی گئی ہے اور فتح خبر میں نہیں امر اور غنی میں واقع ہوتا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے مسجد حرام کے دلی تو صرف متقی مسلمان ہیں یعنی جو مسلمان اللہ کے فرائض کو ادا کرتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۳۶۶-۳۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ بیٹھیں اور تالیاں بجاتے تھے سو اب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے ○ (الانفال: ۳۵) مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

علامہ راقب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں پرندہ جو سیٹی بجانے کی آواز دلاتا ہے اس کو مکاء کہتے ہیں۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہے کہ ان کا سیٹی بجانا قلت غناء میں پرندوں کی سیٹیوں کے قائم مقام ہے۔ (المفردات ج ۲، ص ۳۷۷، مطبوعہ مکہ مکرمہ) صدی کا معنی ہے گونج دار آواز جو مثلاً کسی پاڑ یا گنبد سے ٹکرا کر آتی ہے۔ (المفردات ج ۲، ص ۳۶۶، مطبوعہ مکہ مکرمہ) علامہ محمود بن عمر دمشقی متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

الکاء ایک پرندہ ہے جو بہ کثرت بیٹھیں بجاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو مکاء کہتے ہیں اور قصہ یہ کا معنی ہے تلی بجانا۔ (الکشاف ج ۲، ص ۲۱۸، مطبوعہ امران)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قریش بیت اللہ میں برہنہ طواف کرتے تھے اور بیٹھیں بجاتے تھے۔ مجاہد نے کہا وہ نبی ﷺ کے طواف کرتے وقت معارضہ کرتے تھے آپ کے طواف اور آپ کی نماز میں خلل ڈالنے کے لیے بیٹھیں بجاتے تھے۔ مقاتل نے کہا جب نبی ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو وہ آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر بیٹھیں بجاتے تاکہ آپ کی نماز میں التماس اور اشتباہ پیدا کریں۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ان کا بیٹھیں اور تالیاں بجانا ان کی عبادت تھی۔ اور مجاہد اور مقاتل کے قول پر وہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے ایسا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس کا قول زیادہ قریب بہ صحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان افعال کو ان کی نماز قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جاہل صوفیاء کے رقص و سرود پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے بیٹھیں بجانے اور تالیاں پیٹنے کی جو خدمت کی ہے اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو رقص کرتے ہیں تالیاں پیٹتے ہیں اور بے ہوش ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سواب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔ اس عذاب سے مراد کھوار کا عذاب ہے جو ان کو جنگ بدر کے دن پہنچا اور

یا ان سے یہ قول آخرت میں کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، وہ غنیمت اور بھی خرچ کریں گے پھر یہ ان کے لیے باعثِ شیطانی ہو گا، پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ تاکہ اللہ غیبت کو طیب سے الگ کر دے اور سب خبیثوں کو اوپر سے رکھے، پھر ان سب کا ڈھیر بنادے پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی بدنی عبادات کا حل بیان فرمایا کہ ان کی بدنی عبادت بیسیاں بچانا اور تالیاں پیٹنا ہے۔ اور اب ان آیتوں میں ان کی مالی عبادات کا حل بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے یہ مال خرچ کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک ان کی مالی عبادت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اپنا مال مشرکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس مال کے ذریعے قوت حاصل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا یہ مال خرچ کرنا غنیمت ان کے لیے ندامت کا سبب ہو گا۔ کیونکہ ان کے اموال خرچ ہو جائیں گے اور ان کی تمنا پوری نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور کلمۃ اللہ کو کلمۃ اللہ پر غالب کر دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے اور کلمۃ اللہ کو پست کرتا ہے۔ پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے والوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور ان کو عذاب دے گا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ زندہ رہنے والوں اور مرنے والوں کے انجام پر اور اپنے انجام پر حسرت اور ندامت ہو گی۔ کیونکہ جو کافران کے ساتھ زندہ رہے ان کا مل اس جنگ میں ضائع ہو گیا اور وہ غمزدہ اور شکست خوردہ لوٹے اور جو ہلاک ہو گئے وہ قتل کیے گئے اور ان کے ہتھیار، سواری اور لباس اتار کر مجاہدین کو دیے گئے اور ان کو بہ عظمت دائمی عذاب اور آگ میں ڈال دیا گیا اور جس شخص نے اس مہم میں مال خرچ کرنے کا انتظام کیا تھا وہ حسب ذیل روایات کے مطابق ابوسفیان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الحکم بن حنیہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے جنگ احد میں مشرکین کے اوپر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا اور ایک اوقیہ اس وقت ۲۲ حقل کا تھا۔

محمد بن یحییٰ، عاصم بن عمر اور الحسین بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفار شکست خوردہ ہو کر مکہ لوٹے، ادھر ابوسفیان بھی اپنے قافلہ کو لے کر مکہ پہنچ گیا۔ تو عبد اللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ چند قریش کے ساتھ لے کر ان لوگوں کے پاس تعزیت کے لیے گئے جن کے باپ، بھائی اور بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور قافلہ کے دیگر تاجروں سے کہا کہ (سیدنا محمد ﷺ) نے تمہیں شکست سے دو چار کیا اور تمہارے بہترین جنگ جوؤں کو قتل کر دیا اب تم ان کے خلاف جنگ میں اس مال سے ہماری مدد کرو۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری بار جنگ میں ہم اس شکست کی طعنی کر لیں، تو تمام کفار تاجر اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ مشرکین مسلمانوں پر حملہ کرنے اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں بتایا کہ وہ ابوسفیان ہے یا کوئی اور، بلکہ بالعموم کفار کے مال خرچ کرنے کی خبر دی ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کس جنگ میں مال خرچ کر رہے تھے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے معرکہ بدر میں مال خرچ کرنے والے کافر مراد

تبعیان القرآن

ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جنگ احد میں مل خراج کرنے والے کافر مراد ہوں۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۳۲۳-۳۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا تاکہ اللہ غیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب غیثوں کو اوپر تھے رکھے پھر ان سب کا ذمہ بتا دے پھر اس (ذمہ) کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (الاغل: ۳۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان فرق کا ذکر فرمایا ہے اور کفار کو غیث فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو طیب فرمایا ہے۔ یہ ان کے درمیان دنیا میں فرق ہے اور آخرت میں فرق یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کفار کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

قُلْ لِلدِّينِ كَفْرٌ وَإِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۝۳۸ وَقَاتِلُوهُمْ

آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور

اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو اس معاملہ میں پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ۝ اور ان کے خلاف جنگ کرتے

حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ط فَإِذَا

رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرت) اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ

انْتَهُوا فَإِنِ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ بِصِيرٌ ۝۳۹ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوا

باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے ۝ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ط نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝۴۰

اللہ تمہارا کارساز ہے، وہ کیا اچھا کارساز اور کیا اچھا مددگار ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے

جائیں گے اور اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو اس معاملہ میں پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ۝ (الاغل: ۳۸)

سابقہ آیات سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہل جلتی اور بدنی جلتی بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان کو اسام

لانے کی دعوت دی ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے نبی مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے

اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا اور اگر

ان مشرکوں نے پھر آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تھی اور مشرکین کو شکست اور رسوائی سے دوچار کیا تھا وہ پھر ایسا ہی کرے گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں اللہ کی سنت پہلوں میں جنگ بدر میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح پچھلی امتوں کے کافروں نے جب اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان رسولوں کی نصیحت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت ناک عذاب سے دوچار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبَ لَنَا وَأَنْتَ رُسُلِي

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً ضرور یہ ضرور غلبہ مجھے ہو گا اور

(المجادلہ: ۳۱) میرے رسولوں کو ہو گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء: ۱۰۵) اور بے شک ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ ایمان لانے سے سابقہ گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَرُسُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الفرقان ۷۰-۷۸) اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور اس شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ○ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت سے رہے گا ○ البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور رحم فرماتے والا ہے ○

اور کفر کے ترک کرنے اور ایمان لانے سے گناہوں کے مٹ جانے کے متعلق امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے:

ابن شامہ مہری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص کے پاس گئے وہ اس وقت قریب المرگ تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے پھر انہوں نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہا اے اباجن! کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی؟ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی؟ حضرت عمرو بن العاص نے ان کی طرف منہ کر کے فرمایا ہمارے نزدیک سب سے افضل عبادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے۔ اور میری زندگی میں تین دور گزرے ہیں ایک وہ دور تھا کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی بغوض نہیں تھا اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ تھی کہ میں آپ پر قدرت پاتا اور آپ کو قتل کر دیتا۔ اگر میں اس دور میں مرجاتا تو میں بلاشبہ الہ دوزخ میں سے ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا اپنے ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے پوچھا اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے کیے

ظہان القرآن

ہوئے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ تھا۔ اور آپ کے جلال کی وجہ سے میں یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکوں اور اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا کہ میں آپ کا علیہ بیان کیوں تو میں اس پر قادر نہ تھا، کیونکہ میں نے آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اور اگر میں اس دور میں مر جاتا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔ پھر ہمیں چند مناصب پر فائز کیا گیا اور میں نہیں جانتا کہ ان میں میرا کیا حل ہے۔ پس اگر میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ ہو، نہ آگ ہو، اور جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی چھڑک دینا اور پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم للإمام: ۶۸۲، (۳۱) ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اسلام، ہجرت اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ اور حدیث کے الفاظ کے عموم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان اعمال سے حقوق شرعیہ اور حقوق آدمیہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ لہذا کافر حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کا مال غصب کیا ہو۔

(المغنی ج ۱، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا زمانہ جاہلیت کے اعمال کا ہم سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے برے عمل کیے اس سے جاہلیت اور اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے اس سے اول اور آخر کا مواخذہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۱، صحیح مسلم للإمام: ۱۸۹، (۱۲۰) ۳۱۱، مسند احمد ج ۱، ص ۳۶۲، ۳۷۹)

علامہ ابو العباس القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا دین اسلام میں دخول صحیح ہو۔ وہ اسلام میں اخلاص سے داخل ہو اور تاحیات اسلام پر قائم رہے۔ مرتد نہ ہو، اور اس حدیث میں اسماۃ کفر اور غفلت کے مقابلہ میں ہے۔ اور اس حدیث میں اسماۃ سے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہے، ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا اسلام اسی شخص کے سابقہ گناہوں کو مٹائے گا جس نے اسلام لانے کے بعد تاحیات کوئی گناہ نہ کیا ہو اور یہ قطعاً باطل ہے۔ قرآن مجید، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے۔ اور مواخذہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو گناہ کیے ہیں ان پر سزا ہوگی اور یہ مواخذہ اس شخص سے ہو گا جو غفلت سے اسلام میں داخل ہوا ہو یا اسلام کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔ (المغنی ج ۱، ص ۳۲۷، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں احسان اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے اسلام میں داخل ہوا ہو اور یہ کہ وہ حقیقی مسلمان ہو تو اس کے سابقہ گناہ قرآن مجید کے نصوص صریح، حدیث صحیح اور اجماع سے معاف کر دیے جائیں گے، اور برے عمل اور اسماۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے اسلام میں داخل نہ ہو بلکہ وہ صرف بہ ظاہر کلمہ شہادت پڑھے اور

دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ پس ایسا شخص منافق ہے اور وہ اپنے کفر پر باقی ہے۔ لہذا اس سے سورۃ اسلام کے اظہار سے پہلے اور اس کے بعد کے تمام گناہوں پر مواخذہ ہو گا اور اس کو سزا ملے گی کیونکہ وہ اپنے کفر پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم ہے۔

(شرح النوادی مع المسلم، ج ۱، ص ۸۱۰، مطبوعہ مکتبہ نزار الصطیفی مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

کافر کے سابقہ گناہوں کے بخشے میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم

اللہ تعالیٰ کافر کے جو پچھلے تمام گناہ بخش دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا لطف و کرم ہے۔ کیونکہ کفار انواع و اقسام کے کفر اور جرائم، فواحش و منکرات اور معاصی میں جمارہ جتے ہیں۔ اگر ان کے سابقہ گناہوں پر مواخذہ کیا جاتا تو وہ توبہ سے ان گناہوں کی تلافی کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مغفرت کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبول توبہ کو آسان کر دیا اور اسلام کے بعد ان کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا تاکہ ان کا دین اسلام میں داخل ہونا آسان ہو جائے اور اگر ان کو یہ معلوم ہو تاکہ ان کے پچھلے گناہوں پر ضرور مواخذہ ہو گا تو وہ توبہ کرتے نہ اسلام لاتے۔ کیونکہ انسان کو جب معلوم ہو کہ اس کو اس کے جرائم کی معافی نہیں مل سکتی تو پھر وہ بغاوت پر اتر آتا ہے اور کھل کر جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے۔ اس نے پوچھا روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک راہب (عیسائیوں کا پیر) کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی وہ گیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور ایک سینکڑن پورا کر دیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک عالم کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ توبہ اور اس کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور اپنے علاقہ کی طرف لوٹ کر نہ جانا وہ بری جگہ ہے۔ وہ وہاں سے چل پڑا۔ ابھی آدھے راستے پر پہنچا تھا کہ اس کو موت نے آلیا۔ پھر اس کے متعلق رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان مباحثہ ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیک عمل بالکل نہیں کیا۔ تب ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم (منصف) بنالیا۔ اس نے کہا ان دونوں زمینوں کے درمیان پیمائش کرو جس زمین کے وہ زیادہ قریب ہو اس کو اسی کے ساتھ لاحق کر دو۔ انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ تب اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔

امام مسلم کی دوسری سند کے ساتھ جو روایت ہے (۶۸۷۷) اس میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا (یعنی اس کے علاقہ کی زمین) اور اس زمین (جہاں نیک لوگ رہتے تھے) کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۷۰، صحیح مسلم، التوبہ: ۳۶، (۲۷۶۶) ۶۸۷۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

زندہ کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آ جائے تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور زندہ کی بھی کافر ہے سو اگر وہ اپنی زندگی سے باز آ جائے تو اس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ زندہ کی توبہ مقبول ہے جیسا کہ اس ظاہر آیت کا تقاضا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول نہیں

ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کو مخفی رکھتا ہے اور اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ ہم اس بحث میں پہلے زندگی کا معنی بیان کریں گے پھر زندگی اور دہری وغیرہ کا فرق بیان کریں گے پھر فقہاء کا اختلاف ذکر کریں گے اور آخر میں یہ بتائیں گی کہ اس کی توبہ قبول نہ ہونے کا کیا عمل ہے۔

زندقی کا معنی اور مفہوم

علامہ محمد طاہر ہندی متوفی ۱۰۷۸ھ علامہ فیسی متوفی ۱۲۳۳ھ سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

زندقہ مجوس کی ایک قوم ہے جس کو ننبوہ بھی کہتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نور مبداء خیرات ہے اور ظلمت مبداء شرور ہے۔ پھر اس لفظ کو ہر ملحد فی الدین کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اور یہاں اس سے مراد وہ قوم ہے جو اسلام سے مرتد ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ زندقہ سہائیہ کو کہتے ہیں جو عبد اللہ بن سبا کے اصحاب ہیں ان لوگوں نے طلب فتنہ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام کا انکار کیا۔ پہلے انہوں نے حضرت عثمان جوہی کے خلاف فتنہ پھیلایا پھر شیعوں سے مل کر ان کی جماعتوں میں گمراہ کیا حتیٰ کہ شیعوں نے حضرت علی جوہی کے معبود ہونے کا اعتقاد کیا حضرت علی نے ان سے توبہ طلب کی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ پھر حضرت علی جوہی نے ان کو عبرت ناک سزا دینے کے لیے ان کو جلادیا۔ اور علامہ ابن الاثیر متوفی ۷۴۰ھ نے جامع الاصول کی شرح میں لکھا ہے کہ زندگی وہ شخص ہے جو کفر کو چھپاتا ہو اور اسلام کو ظاہر کرتا ہو جس طرح منافق ہیں یا یہ ننبوہ کی ایک قوم ہے۔ (مجوس کی ایک قسم) یا وہ شخص ہے جس کا کوئی دین نہ ہو یا یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضرت علی نے جلادیا تھا جو بتوں کی پرستش کرتے تھے یا رافضی ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۴۴۲-۴۴۱ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۳۱۵ھ)

زندقی 'منافق' دہری اور ملحد کی تعریفوں کا باہمی فرق

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے عربی زبان میں زندگی کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کی نفی کرتا ہو اور جو شریک کو ثابت کرتا ہو اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرتا ہو اور مرتد اور زندگی کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ کبھی زندگی مرتد نہیں ہوتا جیسا کہ اصلی زندگی جو دین اسلام سے منحرف نہ ہوا ہو۔ اور کبھی مرتد زندگی نہیں ہوتا جیسے کوئی مسلمان مثلاً یہودی یا عیسائی ہو جائے (العیاذ باللہ) اور کبھی زندگی مرتد بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی مسلمان زندگی ہو جائے (العیاذ باللہ) اور اصطلاح شرع میں فرق زیادہ ظاہر ہے کیونکہ شریعت میں زندگی اس کو کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرے لیکن یہ دوسری قید مسلمان زندگی کے اعتبار سے ہے اور زندگی 'منافق' دہری اور ملحد میں فرق یہ ہے کہ کفر کو چھپاتا تو ان سب میں مشترک ہے لیکن منافق ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا اور دہری اس کے ساتھ ساتھ حوادث کی اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کا بھی انکار کرتا ہے۔ (یعنی خدا کو نہیں مانتا) اور ملحد وہ شخص ہے جو شریعت مستقیمہ سے انحراف کر کے جہات کفر میں سے کسی جہت کی طرف مائل ہو اور جو شخص ملحد ہو اور دین سے انحراف کرے اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرے اور نہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے فاعل محکم ہونے کا اعتراف کرے۔ اس قید کے اعتبار سے ملحد 'دہری' سے مغایر ہو گیا اور اس میں کفر کو چھپانے کی قید بھی نہیں ہے اس اعتبار سے وہ منافق سے مغایر اور الگ ہو گیا۔ اور نہ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ پیسے مسلمان ہو اور اس اعتبار سے وہ مرتد سے ممتاز ہو گیا لہذا ملحد کی تعریف کفر کے تمام فرقوں کو شامل ہے اور اس کا مفہوم سب سے عام اور وسیع ہے۔ یہاں تک ابن کمال پاشا کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا۔

(علامہ شاہی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں لیکن زندیق اس اعتبار سے کہ وہ کبھی کافر اصلی ہوتا ہے اور کبھی مسلمان زندیق ہو جاتا ہے۔ اس کی تعریف میں نبوت کے اعتراف کی شرط نہیں ہے اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کسی دین کا پابند نہیں ہوتا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

زندیق کی توبہ اور اس کو قتل کرنے کے شرعی احکام

علامہ عبد الواحد کمال ابن ہمام متوفی ۸۷۳ھ فرماتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ظاہر مذہب کے مطابق ساحر اور زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور زندیق وہ شخص ہے جو کسی دین کا پابند نہ ہو اور رہا وہ شخص جس کے باطن میں کفر ہو اور وہ اسلام کو ظاہر کرتا ہو وہ منافق ہے اور توبہ قبول نہ کرنے میں اس کا حکم بھی زندیق کی طرح ہے۔ زندیق کی توبہ اس لیے قبول نہیں کی جائے گی کہ وہ کسی دین کو بھی نہیں مانتا اور اپنے اس کفر کو مخفی رکھتا ہے اور اس کی زندیق کا علم اس طرح ہو گا کہ بعض لوگ اس پر مطلع ہو جائیں یا وہ خود اپنے کسی معتد علیہ کو بتائے۔ اس لیے اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ اور منافق بھی اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے اس لیے اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے گا اور جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی وہ منافق ہے اور زندیق اگر عہد ہو اور وہ کسی دین کے نہ ماننے کو منافق کی طرح مخفی رکھتا ہو تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر بالفرض وہ اپنی زندیق کا اعتراف کرتا ہو اور پھر تائب ہو جائے تو پھر واجب ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے جیسا کہ باقی دیگر ان کفار کا حکم ہے جو اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور پھر توبہ کر لیتے ہیں تو ان کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو اپنے باطن میں بعض ضروریات دین مثلاً حرمت خمر (انگوری شراب) کی حرمت کا انکار کرتا ہو اور بہ ظاہر اس کی حرمت کا اعتراف کرتا ہو۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحسینی المتوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو ظاہر الذہب قرار دیا ہے لیکن خانیہ کی بحث ظہر و باہت میں مذکور ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اگر ساحر یا اس زندیق کو توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے جو مشہور ہو اور اپنے مذہب کا داعی ہو پھر گرفتاری کے بعد وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر توبہ کرنے کے بعد اس کو گرفتار کیا جائے تو پھر اس کی توبہ قبول کی جائے گی (میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ہمام نے اس زندیق کی توبہ قبول نہ کرنے کے متعلق لکھا ہے جو اپنی زندیق کو مخفی رکھے لیکن جو اپنی زندیق کا اعلان کرے اور اس کی دعوت دے اس کا انہوں نے عام کافروں کی طرح حکم بیان کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(رد المحتار علی رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ بیروت)

زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے الگ الگ محمل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی متوفی ۱۱۵۲ھ لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ نے نجیس میں لکھا ہے اگر زندیق اپنی زندیق میں مصروف نہ ہو اور نہ اپنی زندیق کی دعوت دیتا ہو تو اگر وہ زندیق مشرکین عرب سے ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ مجوسی ہو تو اس کو اس کے شرک پر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ مرتد ہے اور اگر وہ ذمی ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے اور اگر زندیق اپنی زندیق میں مصروف ہو اور اپنی زندیق کی دعوت دیتا ہو تو اگر

تبیان القرآن

وہ گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کرے اور اپنی زندگی سے رجوع کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ واضح رہے کہ فقہاء نے جو کہا ہے کہ ساحریا زندگی کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا بھی یہی محمل ہے کہ سب و شتم کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ زندگی کی توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں جو اختلاف ہے وہ دنیا کے اعتبار سے ہے باقی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ بلا تعلق قبول کر لی جائے گی۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ بیروت)

زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر امام رازی کے دلائل اور تحقیق مقام
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ زندگی کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کی دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل سورۃ الانفال کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گنہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (انفال: ۳۸) یہ آیت کفر کی تمام انواع کو شامل ہے اور اس میں زندگی بھی داخل ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندگی کے حل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے واقعی زندگی سے توبہ کر لی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہم ظاہر حکم کرتے ہیں“ اور جب اس نے زندگی سے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زندگی زندگی سے رجوع کرنے کا مکلف ہے اور اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ توبہ کرے اور اگر اس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو لازم آئے گا کہ اس کو ایسی چیز کا مکلف کیا جائے جو اس کی طاقت میں نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوری: ۴۵)
وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام رازی نے زندگی کی جس توبہ کے قبول کرنے پر دلائل دیے ہیں یہ اللہ کے نزدیک توبہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ اور اس توبہ کے متعلق فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ توبہ قبول ہوگی۔ فقہاء کا اختلاف اس میں ہے کہ زندگی توبہ کر لے تو آیا اس کو قتل کرنے کا حکم ساقط ہو گیا نہیں اور دنیا میں اس کی یہ توبہ مفید ہوگی یا نہیں اور زندگی کی توبہ کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے ان کی یہی مراد ہے اور آخرت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم علامہ شاہی کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ رد گردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا اکابر ساز ہے وہ کیسا اچھا کار ساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔ (انفال: ۳۹-۴۰)

فتنہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اگر یہ کفار اپنے کفر سے باز آگئے تو ان کی بخشش کر دی جائے گی اور اگر انہوں نے دوبارہ وہی روش اختیار کی تو جس طرح پھیلی امتوں کو سزا دی گئی تھی ان کو بھی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کفار باز نہیں آتے تو وہ ان سے قتل کریں حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کفار سے قتل کرو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔ فتنہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن قتادہ اور سدی سے مروی ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ اور پھر رادین اللہ کے لیے ہو جائے اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام کی وجہ سے تنگ نہ کیا جائے اور شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی کر دی جائے۔

عروہ بن زبیر نے بیان کیا ہے کہ دعوت اسلام کی ابتداء میں مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا تب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دو مراعات یہ تھیں کہ جب مکہ کی گھاٹیوں میں انصار نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کی تو قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں ایذا دہنی شروع کی اور یہ دو مراعات تھیں پھر ہجرت کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار کے خلاف قتل کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور وہ اسلام لانے کی بناء پر مسلمانوں کو تنگ نہ کر سکیں۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۲۲۹-۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

صرف جزیرہ عرب سے کفر کا غلبہ ختم کرنا مقصود ہے یا پوری دنیا سے

”اور پھر رادین اللہ کے لیے ہو جائے“ امام رازی نے لکھا ہے کہ مکہ اور اس کے گرد و نواح میں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے۔ اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ تمام دنیا میں شرک نہ رہے اور تمام شہروں میں اسلام قائم ہو جائے۔ ہماری رائے میں اس آیت کا صحیح معنی یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کفر کا زور اور شرک کا غلبہ ہے کافروں سے جنگ کرتے رہو۔ اور مسلمان اپنے آپ کو ہر وقت جہاد میں سمجھیں اور ایسے اسباب اور وسائل کے حصول میں کوشش کریں جس سے وہ پوری دنیا سے شرک کا قلع قمع کر سکیں اور کافروں کے جن جن علاقوں کو فتح کریں وہیں تبلیغ کر کے کافروں کو مسلمان بنائیں تاکہ ان کی عددی قوت میں اضافہ ہو اور ہر دور میں جنگی ہتھیاروں کی جو تازہ ایجادات ہوں ان کو حاصل کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم میں ترقی کریں۔ اس دور میں مسلمانوں کی پس ماندگی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تبلیغ اسلام نہیں کی۔ مغلوں نے ہندوستان پر کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومت کے استحکام میں لگے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے لیکن مفتوحہ علاقوں میں تبلیغ اسلام کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جدید سائنسی علوم کے حصول میں کوئی قائل ذکر کوشش نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ پوری دنیا سے کفر اور شرک کا غلبہ ختم کیا جائے اور توحید اور اسلام کا پوری دنیا میں غلبہ ہو اور جب مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو وہ دنیا میں مغلوب اور محکوم ہو گئے، بعض علاقے انہوں نے جملہ کے ذریعے فتح ضرور کیے لیکن وہ سکون الدین کلمہ اللہ پر عمل نہیں کیا اور کافروں کو مسلمان کرنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی چنانچہ وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا کار ساز ہے۔ یعنی اگر کفار توبہ نہ کریں اور ایمان نہ لائیں تو تم ان کی پروا نہ کرو اللہ تمہارا امویٰ ہے وہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تم سے مصیبتوں کو دور کرے گا۔ وہ کیسا اچھا کار ساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ

اور (لئے سناؤ!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بیسک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے

لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ

اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قربت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسازروں

السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَعِينِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

فیصلہ کے دن تازل کی جس دن دو شکر مقابل ہوئے اللہ اللہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ۝ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوَّةِ الْقُصْوَىٰ

قادر ہے ۝ جب تم (وادی بدر کے) قریبی گناہے پر تھے اور وہ دور والے گناہے پر تھے

وَالرَّكِبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خُتْلَفْتُمْ فِي

اور (جھگڑائی) قافلہ تم سے پہلے جانب تھا، اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں

الْبَيْعِ لَا وَلَكِنْ لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ

مزد مختلف ہو جاتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا، تاکہ جو ہلاک

مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ خَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنْ

ہر وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے، اور بے شک

اللَّهُ لَسَبِيحٌ عَلَيْهِ ۝ إِذْ يُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَ

اللہ بہت سننے والا ہے (اور یاد دہی) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کو کم تعداد میں دکھا رہا تھا اور

لَوْ أَرَاكُمْ كَثِيرًا أَفْشَلْتُمْ وَتَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ

اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (لئے سناؤ!) تم ضرور بہت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تم کو)

سَلَامٌ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ

اس سے) سلامت رکھا ہے شک نہ وہ دون سیزا اور کو، خوبی جاننے والا ہے ۝ اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں

التَّقِيَّتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضَىٰ

کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے

اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹاٹے جاتے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مل غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (جز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر فیصلہ کے دن نازل کی جس دن دو لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ (الانفال: ۴۱)

ربط مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے جملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور جملہ میں جب مسلمان فتح یاب ہو جائیں تو میدان جنگ میں کفار کا جو مل اسباب اور ہتھیار وغیرہ ہاتھ آئیں وہ مل غنیمت ہے۔ سوا ب جملہ کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ مل غنیمت کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ مل غنیمت کے ساتھ نفل اور نفع کا حکم بھی متصل ہے۔ ہم مل غنیمت سے نفل اور نفع کا حکم بیان کریں گے تاکہ شرح صبیح کے ساتھ مل غنیمت کی تعریف اور اس کے احکام اور ان میں مذاہب معلوم ہو سکیں۔ نفل کی تفصیل اگرچہ پہلے گزر چکی ہے لیکن ہم ربط مضمون کی خاطر اس کا دوبارہ اعلاہ کر رہے ہیں۔

نفل، تفصیل اور سلب کی مختصر تشریح

نفل کا لغوی معنی ہے زیادتی اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے امام بعض مجاہدین کو جملہ پر براہِ گنہتہ کرنے کے لیے ان کے حصہ سے زائد کوئی چیز عطا کرے۔

تفصیل کا معنی یہ ہے کہ امام بعض مجاہدین کی کسی زائد چیز کے ساتھ تخصیص کر دے۔ مثلاً امام کے کہ جس نے فلاں چیز حاصل کر لی تو اس کا چوتھائی یا تہائی حصہ اس کو ملے گا یا کہ جس نے فلاں چیز پر قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہے۔

نہی پیچھے نے فرمایا جس نے کسی قتل (کافر) کو قتل کیا اس کا سلب (اس کا سامان) اسی کا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

اور سلب میں مقتول کے کپڑے اس کے ہتھیار اس کی سواری اور سواری کے آلات داخل ہیں۔

نفع کا معنی

نفع کا لغوی معنی ہے لوٹنا اور اصطلاح شرع میں نفع اس چیز کا نام ہے جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو نہ دوڑایا ہو۔ مثلاً وہ اموال جو امام المسلمین کی خدمت میں ارسال کیے جلتے ہوں یا وہ اموال جو اہل حرب سے

معاہدہ کی بناء پر لے گئے ہوں۔ اموال نے میں فتنے نہیں ہوتا کیونکہ فتنے غنیمت نہیں ہے۔ اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے بہ طور قہر اور غلبہ لیا جائے۔ اور مال نے بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ اس میں آپ اپنی مرضی سے تصرف فرماتے تھے خواہ اس مال کو آپ اپنے اوپر خرچ فرمائیں یا اپنے اہل و عیال پر یا جن پر آپ چاہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْحَفْتُمْ عَلَيْكُمْ غَيْبِلٌ وَلَا يَنْكَابُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ (الحشر: ۵)

اور جو مال اللہ نے ان سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹا دیا تو تم نے ان پر نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو از قبیل فتنے عطا فرمائے تھے۔ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے، آپ ان اموال سے اپنے اہل کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور باقی اموال کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۹۰۳، صحیح مسلم الجلد ۲۸ (۱۷۵۷) ۳۲۹۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۶)

رسول اللہ ﷺ اور بعد کے ائمہ مسلمین میں فرق یہ ہے کہ اہل حرب کی طرف سے جو مال ائمہ مسلمین کو بھیجا جائے گا، وہ عانت المسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی کفار پر ہیبت تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا دو مال کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے اور ائمہ کی ہیبت مسلمانوں کی وجہ سے ہے لہذا اس مال میں ائمہ کے ساتھ عام مسلمان بھی شریک ہیں۔

مال غنیمت کی تعریف

مال غنیمت اس مال کا نام ہے جو اہل حرب سے قہر اور غلبہ سے حاصل کیا جائے اور یہ قہر اور غلبہ فوج کے ذریعہ حاصل ہو گا۔ اور فوج یا حقیقتاً ہوگی یا حکماً اور حکماً فوج کا معنی ہے امام کا اذن۔ اور امام شافعی کے نزدیک اہل حرب سے غلبہ کے ساتھ جو مال جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ غنیمت ہے اور وہ فوج یا امام کے اذن کی شرط نہیں لگاتے۔ مال غنیمت کے چار حصے امیر لشکر، لشکر اسلام میں تقسیم کرے گا سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ اور پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۹، ص ۴۷۳، ۴۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء شافعیہ کا موقف

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا تفسار یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور اس خمس کی تقسیم کی کیفیت میں مشہور قول یہ ہے کہ اس خمس کے پھر پانچ حصص کیے جائیں گے، ان میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے ہیں نہ کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل سے۔ کیونکہ حضرت عثمان اور حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یہ آپ کے بھائی بنو ہاشم ہیں ان کی نفیست کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ ان کی نسل سے ہیں، آپ یہ بتائیے کہ آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو عبد المطلب کو عطا فرمایا اور ہم کو محروم کر دیا حالانکہ ہم اور وہ بہ منزلہ واحد ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جاہلیت اور اسلام میں مجھ

سے بالکل الگ نہیں ہوئے اور صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں، یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔
(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۹۸۰)

اور بقیہ تین حصے تیسوں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک فُس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گا اور اس کو مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا جہاں اس حصہ کو رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے، مثلاً بچہ دوس کے لیے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری کے لیے، اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر، اس کی تقسیم ان میں اس طرح ہوگی کہ مردوں کو دو حصے ملیں گے اور عورتوں کو ایک حصہ ملے گا۔ اور فُس کے باقی تین حصے تیسوں، مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

فُس کی تقسیم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متونی ۳۰۰ھ لکھتے ہیں:

فُس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے، ایک حصہ تیسوں کا ہے، ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: تم جتنا بھی مل غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے ہے اور تیسوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ (الانفال: ۳۱) اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو مل تم پر لوٹایا ہے اس میں سے اس بال کے برابر بھی میرے لیے جائز نہیں ہے سوا فُس کے اور وہ بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۳۹، ۳۴۰) نبی ﷺ نے فُس کو تمام مسلمانوں کے لیے قرار دیا اور تمام مسلمانوں کے لیے فُس کو صرف کرنے کا یہی معنی ہے کہ اس کو ان کے مصالح میں صرف کیا جائے، ان کی سرحدوں کی حفاظت پر اور گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر اس مل کو خرچ کیا جائے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ انتظامیہ کے ساتھ مختص ہے اور دوسری روایت ہے کہ گھوڑوں اور ہتھیاروں پر اس رقم کو خرچ کیا جائے۔

فُس کا دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں پر خرچ کیا جائے اور آپ کے قرابت دار بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں کیونکہ حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ نے فُس کو بنو ہاشم اور بنو المطلب میں تقسیم فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو المطلب میں فُس کو تقسیم فرمایا اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا حالانکہ آپ سے ان کی قرابت اور ہماری قرابت واحد ہے۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں، حضرت جبر نے کہانی نبی ﷺ نے اس فُس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو بالکل عطا نہیں فرمایا، جیسا کہ آپ نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کے درمیان فُس کو تقسیم فرمایا تھا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق فُس کو تقسیم فرماتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ اپنے قرابت داروں کو جو عطا فرماتے تھے حضرت ابوبکر ان کو وہ عطا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے قرابت داروں کو فُس میں سے عطا کرتے تھے۔ امام ابوداؤد کے علاوہ کسی نے یہ جملہ روایت نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر حضور کے قرابت داروں کو نہیں دیتے تھے۔ الخ۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اضافہ زہری نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶)

ص ۲۳۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۷۸ اور ان کے درمیان ہر طریق عموم تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر فرمایا ہے: اور (آپ کے) قرابت داروں کے لیے (ملاحظہ: ۴۱: ۴۱) اور اس لیے کہ اس حق کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے لہذا اس میں عموم ہو گا جس طرح میراث میں عموم ہوتا ہے۔ پس اس میں سے غنی اور فقیر اور مرد اور عورت سب کو دیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فسخ میں سے حضرت عباس کو عطا فرمایا تھا اور وہ غنی تھے اور آپ نے اپنی پھوپھی صفیہ کو عطا فرمایا تھا اور مردوں کو دو حصے اور عورتوں کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

جہاں تک قیاموں کے حصہ کا تعلق ہے تو یتیم اس کم سن بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا احتلام (بلوغت) کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا اور اس میں اس کے فقیر ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ غنی ہلال غنی بلباب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور مسکینوں کے حصہ میں مسکین سے وہ مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسافروں کے حصہ میں بھی وہی مسافر مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ (الکافی ج ۲ ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ) خمس کی تقسیم میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المالکی المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے۔ اللہ کے حصہ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ کا حصہ اور رسول کا حصہ واحد ہے اور اللہ کے لیے ہے فرمانا کلام کے استخارج (تفسیر) کے لیے ہے دنیا اور آخرت اور ساری مخلوق اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور دو سرا قول ابو العالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس غنیمت کو لایا جاتا اس غنیمت کے چار حصے آپ ﷺ شکر اسلام میں تقسیم فرماتے پھر آپ بقیہ خمس میں سے ایک ٹھکی بھر کر اٹھا لیتے اور اس کو کعب کے لیے وقف کر دیتے پھر بقیہ خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم فرماتے اس میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوتا ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ایک حصہ قیاموں کا ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۴۳ رقم الحدیث: ۳۳۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

اور رسول کے حصہ کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ رسول کے حصہ کا ذکر استخارج کلام کے لیے ہے جس طرح اللہ کے حصہ کا ذکر ہے۔ اور خمس میں سے کوئی چیز اللہ کے لیے ہے نہ رسول کے لیے ہے اور خمس کے چار حصے کیے جائیں گے ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لیے اور ایک حصہ قیاموں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور دو سرا قول یہ ہے کہ خمس میں سے ایک حصہ رسول کے لیے ہے اور اس کی کیفیت میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کے قرابت داروں کو بہ طور وراثت ملے گا دو سرا قول یہ ہے کہ یہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو ملے گا تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو گھوڑوں اور ہتھیاروں میں صرف کیا جائے گا چوتھا قول یہ ہے کہ اس کو عالتہ المسلمین کے مصالح میں صرف کیا جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی حیات میں خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے ایک حصہ نبی ﷺ کے لیے ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے ایک حصہ قیاموں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے

کے لیے ہے۔ جیسا کہ لاغل: ۴۱ میں تفصیل سے ہے۔ اس آیت کے شروع میں مذکور ہے: فَمِنْهُمْ مَنْ قَسَمَ لَیْسَ بِهِ شَیْءٌ مَّا مَلَکَتْهُمُ الشَّیْطَانُ بِأَسْفَلٍ مِنْهُمْ لَمَّا سَمِعُوا بِرَسُولِ اللَّهِ يُدْعَىٰ إِلَىٰ فِئَةٍ مِّنْهُمْ قَدْ فُتِنَ فَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَیْسَ بِهِ شَیْءٌ مَّا مَلَکَتْهُمُ الشَّیْطَانُ بِأَسْفَلٍ مِنْهُمْ لَمَّا سَمِعُوا بِرَسُولِ اللَّهِ يُدْعَىٰ إِلَىٰ فِئَةٍ مِّنْهُمْ قَدْ فُتِنَ فَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَیْسَ بِهِ شَیْءٌ مَّا مَلَکَتْهُمُ الشَّیْطَانُ بِأَسْفَلٍ مِنْهُمْ لَمَّا سَمِعُوا بِرَسُولِ اللَّهِ يُدْعَىٰ إِلَىٰ فِئَةٍ مِّنْهُمْ قَدْ فُتِنَ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے حصہ میں اور فدی القربی کے حصہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے علماء اختلاف رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ اب وہ مصالح المسلمین میں مشغول رہتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ فیس رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی جیسا کہ آپ کی زندگی میں معنی (مل غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ جو چاہتے اپنے لیے جن لیتے مثلاً کھوار، زرہ یا ہڈی) اور تحفے آپ کی خصوصیت تھی، پھر آپ کے بعد معنی اور تحفے میں کسی کی خصوصیت نہ تھی۔ اس لیے واجب ہے کہ فیس میں بھی کسی کی خصوصیت نہ ہو، اس لیے آپ کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کے لیے نہیں ہوگا۔

اور آپ کے قرابت داروں کے حصہ کے متعلق امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ اب بھی باقی ہے اور وہ اولاد بنو ہاشم کو ملے گا، اس میں فقیر اور غنی برابر ہیں، اور ہمارے نزدیک بنو ہاشم کے اغنیاء کو فیس میں سے نہیں دیا جائے گا، البتہ بنو ہاشم کے فقراء کو فیس میں سے دیا جائے گا اور ان کے لیے علیحدہ حصہ وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ فقراء کے حصے میں داخل ہیں بلکہ دوسرے فقراء پر مقدم ہیں۔ ہمارے نزدیک فیس کے تین حصے کیے جائیں گے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ فقراء کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ (بدائع الصنائع، ج ۹، ص ۵۰۰-۴۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضی اللہ عنہما لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء اور بعد راشدین نے فیس کے اسی طرح تین حصے کیے تھے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اور ان کی اقتداء کرنا کافی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم کی جماعت اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے دھوون اور میل پکیل کو پسند کیا ہے اور اس کے عوض میں تم کو فیس کا پانچواں حصہ عطا کیا ہے اور عوض یعنی زکوٰۃ اغنیاء کے لیے جائز نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کا عوض یعنی فیس بھی بنو ہاشم کے اغنیاء کے لیے جائز نہ ہو۔

(بدایہ اولین، ص ۵۷۷-۵۷۶، مطبوعہ شرکت علیہ لبنان)

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف نے از کلبی از ابو صلح از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں فیس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے، اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ تھا اور رسول کے قرابت داروں کا ایک حصہ تھا، اور یتیموں کا ایک حصہ تھا، اور مسکینوں کا ایک حصہ تھا، اور مسافروں کا ایک حصہ تھا۔ پھر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے فیس کے تین حصے کیے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں خلفاء راشدین کے اس فعل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور اسی بناء پر امام ابو یوسف کی کلبی سے یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ کلبی ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے ماسوا اس کے کہ وہ دوسرے راویوں کی موافقت کرے۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو یوسف نے جو خلفاء راشدین کا فعل نقل کیا ہے کہ وہ فیس کے تین حصے کرتے تھے اس کی تائید حسب ذیل

روایات سے ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق عن صفی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بن محمد بن علی ابن المنفیع نے واعلموا اسماء عن متهم من شیء فان لله خمسة (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا اللہ کا ذکر بطور تمہید ہے دنیا اور آخرت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور نفس رسول کے لیے ہے اور ان کے قرابت داروں کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان دو حصوں میں اختلاف ہوا کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ اور کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ خلیفہ کی قرابت کی وجہ سے ہے اور اصحاب محمد ﷺ کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ ان دو حصوں کو گھونٹوں میں اور فی سبیل اللہ جہاد میں خرچ کیا جائے اور یہ حضرت ابو بکر اور عمر کی خلافت میں تھا۔ (مصنف ج ۵ ص ۲۳۸ رقم الحدیث: ۴۳۸۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۱۱ رقم الحدیث: ۳۳۳۴۰ مطبوعہ بیروت) ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نفس کی تقسیم میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر عمل کیا۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۳۷ رقم الحدیث: ۴۳۷۹ مطبوعہ بیروت)

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حسن نے اس آیت (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اہل بیت کو کسی نے نہیں دیا حضرت عمر نے نہ کسی اور نے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ معاملہ امام المسلمین کی طرف منووس ہے وہ اس کو فی سبیل اللہ اور فقراء میں جہاں اللہ کا ارادہ ہو وہاں خرچ کرے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۱۱ رقم الحدیث: ۳۳۳۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

اس کے بعد فرمایا اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (کتاب) پر جو اللہ نے فیصلہ کے دن نازل کی یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ اس تفصیل کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا لہذا اے مسلمان اہل لشکر تم اس نفس میں طمع نہ رکھو اور مال غنیمت کے باقی جو چار حصے ہیں ان پر قناعت کرو۔

یوم الفرقان سے یوم بدر مراد ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں امتیاز کر دیا تھا اور محطن سے مراد مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کے دن اپنے معزز بندے یعنی نبی ﷺ پر جو چیز نازل کی اس سے مراد اس دن نازل ہونے والی آیات ہیں۔ اور وہ فرشتے جو مسلمانوں کے قدم جمانے کے لیے نازل ہوئے تھے اور دیگر نشانیاں مثلاً خاک کی مٹھی کا ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ جاتا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کہ تم تم لو میں تھے اور تم کو بڑی تعداد والوں پر غالب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم (وادی بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے غلی جانب تھا اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں ضرور مختلف ہو جاتے لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد جاننے والا ہے (الانفال: ۴۲)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

العدوة الدنیا کا معنی ہے وادی کا ایک کنارہ جو مدینہ کے قریب تھا۔ العدوۃ القصویٰ کا معنی ہے وادی کی دوسری جانب جو مدینہ سے دور تھی۔ الרכب اسفل منکم کا معنی ہے تجارتی قافلہ وادی بدر کے نیچے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تھا۔ ولکس لبقضی اللہ امر اکان مفعولاً یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پہلے سے وقت مقرر کیے بغیر کفار کے

بالمقابل لاکھ لاکھ تھیں جو کلمہ اللہ کے علم میں ہو چکا ہے وہ واقع اور خارج میں بھی ہو جائے اور وہ کلمہ اسلام کی سر بلندی اور کفر کی پستی ہے۔ لیہلک من ہلک عنہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب کر دکھایا تاکہ اب جو کفر کرے تو اللہ کی حجت پوری ہونے کے بعد کفر کرے اور روز قیامت کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ کی حجت یہ تھی کہ مسلمان کم تعداد میں ہونے کے باوجود اللہ کی تائید و نصرت سے اپنے سے تین گنے زائد کافروں پر غالب آ گئے۔ و بحی من حی عن ہینہ یعنی جو شخص ایمان لائے وہ شرح صدر کے ساتھ حجت ظاہرہ کو دیکھ کر ایمان لائے۔ ہلاکت اور حیات سے مراد کفر اور ایمان ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے موت اور زندگی مراد ہو یعنی مرے تو دلیل دیکھ کر مرے اور زندہ رہے تو دلیل دیکھ کر زندہ رہے۔

فتح بدر میں سیدنا محمد ﷺ کی دلیل نبوت

مسلمانوں کا لشکر ابتداء میں کمی اور تیاری نہ ہونے کی وجہ سے بہت خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا تھا جس جگہ ان کا قیام تھا وہ جگہ پانی سے دور تھی اور وہ زمین ریتلی تھی جس میں ان کے پیرو گھس جاتے تھے۔ اور کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے پاس ہتھیار بھی وافر مقدار میں تھے مسلمان خورد و نوش بھی بہت تھا اور وہ پانی کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کی زمین ریتلی نہیں تھی ان کے لیے چلنا آسان تھا اور ان کے پیچھے ان کا قافلہ تھا جس سے ضرورت کے وقت ان کو مدد حاصل ہونے کی امید تھی۔ یہ ظاہر یہ حالات کافروں کے موافق اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا اور جنگ کے وقت نقشہ بدلیا۔ مسلمانوں کو، ت بڑی فتح حاصل ہوئی اور کفار کو بدترین شکست ہوئی۔ اور یہ سیدنا محمد ﷺ کا عظیم معجزہ تھا اور آپ ﷺ کی نبوت پر بہت قوی دلیل تھی کیونکہ آپ ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس وقت مسلمانوں کی فتح کی پیش گوئی کی تھی جب ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کی فتح کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پس بدر کی فتح سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا اور اسلام کی صداقت پر قوی دلیل قائم ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی کفر میں ہلاک ہو گا تو دلیل قائم ہونے اور حجت پوری ہونے کے بعد کفر میں ہلاک ہو گا اور جو اسلام کی حیات حاصل کرے گا وہ دلیل قائم ہونے کے بعد شرح صدر سے اسلام کو قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور یاد کیجئے) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کی تعداد کم دکھا رہا تھا اور اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تم کو اس سے) سلامت رکھا ہے شک وہ درون سینہ امور کو بہ خوبی جاننے والا ہے ○ (الانفال: ۴۳)

کفار کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خیمہ میں کفار کی تعداد کم دکھائی آپ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ کافر تھوڑے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ واقعہ میں کفار زیادہ تعداد میں تھے تو ان کو کم تعداد میں دیکھنا یا دکھانا واقع کے خلاف ہے تو اللہ سے یہ کیسے تصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو تمام کفار نہیں دکھائے تھے بلکہ ان کی قلیل تعداد دکھائی تھی اور آپ کو ان ہی کی خبر دی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقع میں اگرچہ زیادہ تھے لیکن انجام اور مکمل کے اعتبار سے تھوڑے تھے۔ پھر فرمایا اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے لیکن اللہ نے تم کو سلامت رکھا۔ امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امر کو سلامت رکھا حتیٰ کہ

ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔

اس کا سنی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو ابتدا میں یہ علم ہو جانا کہ دشمن کی تعداد ان سے ختم گئے سے بھی زیادہ ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ آپس میں جنگ کے حلقے اختلاف کرتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا یا ان کو جنگ بدر میں شکست اور ہزیمت سے سلامت رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں (الغفلہ: ۴۳)

مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی اور مشرکوں کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ پہلی صورت میں مشرکین کی تعداد کم دکھانے کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان ان کی اصل تعداد دیکھ کر گھبرانہ جائیں اور دوسری صورت میں مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں زیادہ تیاری اور احتیاط نہ کریں تاکہ وہ آسانی سے شکست کھا جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ زیادہ کو کم دکھانا اللہ کی شان کے کس طرح لائق ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور کافروں میں ایک دوسرے سے اتنے فاصلہ پر ہوں کہ ہر فریق دوسرے کی اصل تعداد کا ادراک نہ کر سکا ہو اور ہر فریق کو دوسرے کی تعداد اصل سے کم دکھائی دی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار اپنے تکبر اور بلند بانگ دعوؤں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو پہلے ہی کم تھے ان کو اور بھی کم سمجھ رہے ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا

اے ایمان والو! جب تمہارا مخالفت فریق سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو

اللَّهُ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ

اور آپس میں مخالفت نہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک

اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گمراہی سے اترتے ہوئے

دِيَارِهِمْ بِطَرَاوِيءِ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

اور لوگوں کو (اپنا زور اور قوت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے

اللَّهُ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

اللہ اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ۝ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے

أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَآ غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي

لئے خوش نما بنادیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بیشک میں تمہارا

جَارُكُمْ فَلَمَّا تَرَ آءَاتِ الْفِتْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ

رفیق ہوں، اور جب دوڑیں شکریں نہ ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایڑیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

میں تم سے بری الذمہ ہوں بیشک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تمہارا مخالف لڑج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۝ (انفال: ۳۵)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اس نے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھیں۔ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک جنگ سے سابقہ پیش آچکا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کے آداب تعلیم فرمائے۔ جس میں پہلی چیز ہے جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ نبی ﷺ نے ایک اور چیز بھی بتلائی ہے کہ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ یا کسی بھی آزمائش اور بلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے لیکن جب ان پر جنگ مسلط کر دی جائے تو پھر ان کو اس جنگ میں ثابت قدم رہنا لازم ہے اور اس سے بیٹھ موزنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر جنگ میں ثابت قدم رہنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد دور ان جنگ ذکر کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

• امام ابو بکر عبدالرزاق بن حنبل صنفی متون اللہ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے کہ تم ان کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کیے جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب وہ اشتغال انگیز گیت گاتے ہوئے اور چلائے ہوئے آئیں تو تم زمین کو لازم پکڑ لیتا زمین پر بیٹھ جانا اور یہ دعا کرنا اے اللہ اہلے اور ان کے رب اہلاری پیشانیوں اور

ظہان القرآن

جلد چہارم

ان کی پیشیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور تو ہی ان کو قتل کرے گا۔ اور جب وہ تمہارے قریب پہنچیں تو تم ان پر حملہ کرو اور یہ یاد رکھنا کہ جنت نکواریوں کے نیچے ہے۔ (المصنف ج ۵، ص ۲۲۸، رقم الحدیث: ۹۵۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عنایت کا سوال کرو اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو اور اگر وہ چلائیں تو تم خاموش رہنا۔ (المصنف ج ۵، ص ۲۵۰، رقم الحدیث: ۹۵۱۸، مطبوعہ بیروت، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، رقم الحدیث: ۱۷۷۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۹، ص ۲۷، رقم الحدیث: ۸۰۵۲، مطبوعہ مکتبہ المدینہ ریاض ۱۴۱۵ھ)
دشمن اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت اور اجر و ثواب
امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دشمن سے مقابلہ میں صابر رہا حتیٰ کہ وہ شہید کر دیا گیا اس نے کسی دشمن کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنے میں جلا نہیں ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۵، ص ۷۳، رقم الحدیث: ۳۱۳۱، مطبوعہ ریاض)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دشمن سے مقابلہ میں صبر کیا حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا اس نے دشمنوں کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنے میں جلا نہیں ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۹، ص ۱۱۶-۱۱۵، رقم الحدیث: ۸۲۳۹، مطبوعہ ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین دوست چار ہیں۔ اور چار سو پر مشتمل بہترین فوج ہے اور چار ہزار پر مشتمل بہترین لشکر ہے اور جو لشکر بارہ ہزار پر مشتمل ہو وہ تعداد میں کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائے گا بشرطیکہ وہ صحیح بولیں اور ثابت قدم رہیں۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷، مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث: ۲۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۷۸، مجمع ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۱، موارد المصلح رقم الحدیث: ۱۲۳، مسند احمد ج ۱، ص ۲۹۳، سنن بیہقی ج ۹، ص ۱۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص دو آدمیوں سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے اور جو تین کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱، ص ۷۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۵۱، حنفیہ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۳۲۸)
دوران قتال اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو جہلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ دشمن سے مقابلہ کرتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ تو میرا بازو ہے اور میرا مددگار ہے، میں تیری مدد سے پھرتا ہوں اور تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں اور تیری مدد سے قتل کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۶، ص ۵۱۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن ابی لوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی حملہ آور جماعتوں کے خلاف دعا ضرر کی: اے

اللہ اکابر کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے کفار کی جماعتوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ان کے قدم ڈگادے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مطبوعہ بیروت)

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب غنیمتوں پر آواز بلند کرنے کو پسند کرتے تھے، قتل کے وقت، جنازہ کے وقت اور ذکر کے وقت۔

(المصنف ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۰، طبع بیروت، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۶)

سعید بن جبیر قتل کے وقت آواز بلند کرنے کو پسند کرتے تھے اور قرآن پڑھتے وقت اور جنازہ کے وقت۔

(المصنف ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۱، طبع بیروت)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کی تلاوت کرنے اور ذکر کرنے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو نماز پڑھنے اور قتل کرنے کا حکم نہ دیتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے وقت بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے: یا ایہا الذین امنوا اذا لقیتُمْ فِئۃً فانیسوا وادکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (الانفال: ۱۵) (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۹۳۲)

جن آثار میں قتل کے وقت بلند آواز سے ذکر سے منع کیا ہے، ان کا بغض یہ ہے کہ بہت چلا کر ذکر نہ کیا جائے جس سے دشمن کو مسلمانوں کی پوزیشن کا پتا چل جائے اور متوسط اور معتدل ہجر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

عطاء نے کہا جنگ کے وقت خاموش رہنا اور ذکر کرنا واجب ہے۔ پھر انہوں نے الانفال: ۴۵ کی تلاوت کی۔ میں نے پوچھا وہ بلند آواز سے ذکر کریں گے یا نہیں!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۹۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۰)

دوران قتال ذکر کے متعلق علماء کے اقوال

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ دوران جنگ دل سے اللہ کو یاد کرنا چاہیے اور زبان سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو انتہائی شدید حالت میں بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں یہ نتیجہ ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی وقت بھی اس کا دل اور اس کی زبان اللہ کے ذکر سے خالی رہے۔ اگر ایک شخص مغرب سے مشرق تک اپنے اموال کی تلاوت کرے اور دوسرا شخص مشرق سے مغرب تک تلواریں جھلکا کر تاجائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اور اجر ان سے زیادہ ہوگا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں اس ذکر کے متعلق علماء کے تین اقوال ہیں:

۱۔ جب مصائب اور مشکلات میں ہمیں گھبراہٹ ہو تو اللہ کا ذکر کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر سے طمأنینہ اور تسکین حاصل ہوگی۔

۲۔ اپنے دلوں کے ساتھ ثابت قدم رہو اور اپنی زبانوں سے اللہ کا ذکر کرو، کیونکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت دل پر سکون نہیں ہوتا اور زبان مضطرب رہتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا تاکہ دل پر سکون ہو اور زبان سے ذکر جاری رہے اور اس طرح ذکر کرے جس طرح اصحاب طاعت نے ذکر کیا تھا۔

رَبَّنَا آفِیْغْ عَلَیْہَا صَبْرًا وَیُتِّیْتْ اَفْدَامَنَا وَ
اے اللہ! ہم پر صبر عظیم دے اور ہمارے قدموں کو جما
دے اور ہمیں قوم کافرین پر فتح عطا فرما۔ (السفرہ: ۲۵)

ظہان القرآن

اور یہ حالت اسی وقت حاصل ہوگی جب انسان کی معرفت قوی ہو اور اس کی بصیرت روشن ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس وعدہ کو یاد کرو کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں اور مالوں کے بدلہ جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس میں کافی بحث کی گئی ہے کہ دورانِ قتل جس ذکر کا حکم دیا ہے اس سے مراد ذکر بالقلب ہے یا ذکر باللسان۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد زبان سے ذکر کرنا ہے اور دل اس ذکر کے موافق ہو یعنی اس کا ذہن اس ذکر کے معانی کی طرف متوجہ ہو ایسا نہ ہو کہ زبان سے اللہ کا ذکر ہو اور دل و دماغ کہیں اور ہو۔ محض کعب القریٰ نے کہا اگر کسی شخص کو ذکر ترک کرنے کی رخصت دی جاتی تو حضرت زکریا علیہ السلام کو رخصت دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

أَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَادَّكُرًا
رَتَّكَ كَيْبَرًا (آل عمران: ۴۸)

اور کسی شخص کو دورانِ قتل ترک ذکر کی رخصت دی جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذَا كُنْتُمْ فِي سَفَرٍ فَإِنْ تَسَاءَلُوا وَادَّكُرُوا اللَّهَ كَيْبَرًا (الانفال: ۴۵)

جب تمہارا مخالف فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہنا اور اللہ کا یہ کثرت ذکر کرنا۔

قلوہ نے کہا جس وقت بندہ تلواریں سے جملہ کی شدت میں ہو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر ذکر فرض کیا ہے۔ اور اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ یہ نفی ہو کیونکہ مواضعِ قتل میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے جبکہ ذکر کرنے والا تنہا ہو لیکن مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حملہ کرتے وقت بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحسن اور مستحب ہے ماکہ دشمن اسلام پر رعب اور بیت طاری ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مخالفت نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹری جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (الانفال: ۳۶)

اختلاف رائے کی بناء پر مخالفت نہ کی جائے

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یہ حکم دائمی ہے۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لیں خصوصاً جملہ کے معاملہ میں اور آپس میں مخالفت نہ کرو جیسا کہ بدر اور احد میں بعض مسلمانوں نے بعض کی مخالفت کی۔

غیر منصوص معاملات میں اختلاف رائے ممنوع نہیں ہے اور دلائل کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی انسان اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور اپنی رائے سے رجوع نہ کرے، لہذا یہ ممنوع ہے کہ کسی غیر منصوص معاملہ میں اپنی رائے سے اختلاف کی بنا پر فریق پائی کی مخالفت شروع کر دے اس کو سب و شتم کرے اور لعن و طعن کرے اور اس کی تکفیر کرنے سے بھی گریز نہ کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض فروعی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا لیکن انہوں نے اس اختلاف رائے کو ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کا رنگ نہیں دیا اور باہم احترام کو قائم رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی حالت میں جنہی کے لیے تنہا جائز نہیں قرار دیتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے۔ معراج کی شب اللہ عزوجل کا دیدار کرنے اور سنان موتی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ حج تمتع میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ جنہی کی تلاوت قرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس اختلاف رائے کو ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کا رنگ نہیں دیا اور باہم احترام کو قائم رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی حالت میں جنہی کے لیے تنہا جائز نہیں قرار دیتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے۔

اللہ عتہما کا جہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ رکوع میں تطبیق (رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر رکھنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ ضرورت سے زائد مال کے صدقہ کرنے کے وجوب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں اختلاف تھا لیکن انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ ائمہ مجتہدین کا مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی تعلیم و حکیم کرتے تھے۔

سو عصری اور اجتہادی مسائل میں اگر ایک عالم کی رائے دوسرے عالم سے مختلف ہو تو اس میں شدت نہیں کرنی چاہیے اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کرے اور عالم آدمی جس عالم کے دلائل سے متفق ہو اس پر عمل کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے یعنی قرآن اور سنت کے منصوص اور واضح احکام پر عمل کرو۔ اس کے بعد فرمایا ولا تنازعوا یعنی ایک دوسرے سے تنازع اور جھگڑا نہ کرو اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔ اس کا محمل یہ ہے کہ اجتہادی اور فرعی مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔

امام رازی نے یہ مشکل قائم کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور تنازع سے منع کیا ہے۔ اس سے لازم آیا کہ صرف قرآن اور حدیث کے احکام پر عمل کیا جائے اور قیاس کے احکام پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ قیاس تنازع کو واجب کرتا ہے پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر قیاس تنازع کو واجب نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، اولاً اس لیے کہ امام رازی نے فرمایا ہر قیاس تنازع کو واجب نہیں کرتا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض قیاس تنازع کو واجب کرتے ہیں تو ان پر عمل کرنا جائز نہ ہوا۔ ثانیاً یہ کہ تنازع سے کیا مراد ہے اختلاف یا مخالفت اور جھگڑا، اگر اس سے مراد اختلاف ہے تو اختلاف معیوب چیز نہیں ہے قرآن اور سنت میں اس کی بہت مثالیں ہیں روایات میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اور اگر اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالفت کرنا ہے تو وہ بدعت حق ہے اور وہ قیاس کے منافی نہیں ہے۔ عموماً ایک مجتہد کا قیاس دوسرے مجتہد کے قیاس سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت کو واجب نہیں کرتا، بلکہ ہر مجتہد اور اس کے متبعین کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنے قیاس پر عمل کریں اور ایک دوسرے کی مذمت نہ کریں اور نہ اس کی مخالفت کریں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنا ہے

اس آیت کا ایک اور محمل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے تمام مسلمان ایک نظام حکومت قائم کریں اور مسلمانوں کے تمام علاقے باہم متحد ہو کر ایک خلیفہ کے ماتحت ہوں اور ولا تنازعوا کا معنی یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی مملکتیں اور حکومتیں قائم کر کے وحدت ملی کو پارہ پارہ نہ کریں۔ کیونکہ اگر مسلمان ایک نظام خلافت کو توڑ کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے تو ان کے رعب اور طاقت کی ہوا اکٹڑ جائے گی اور وہ کم ہمت اور کم حوصلہ ہو جائیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کی ایک سلطنت تھی اور مسلم ریاستیں باہم متحد تھیں تو دشمنان اسلام کو مسلمان ملکوں پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور جب یہ اتحاد ٹوٹ گیا اور خلافت اسلامیہ چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تبدیل ہو گئی تو دشمنان اسلام نے مسلم ریاستوں کو تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جب تک اندلس میں ایک نظام حکومت قائم رہا وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی اور جب طوائف الملوک کا دور شروع ہوا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے سرزمین اندلس مختلف حکومتوں میں بٹ گئی تو عیسائی حکمرانوں نے ایک ایک کر کے

پورے اندلس پر قبضہ کر لیا اور وہیں کے مسلمانوں کو بیچ کرنا شروع کر دیا۔ متحدہ پاکستان بنگال اور غیر بنگال کے تعصب کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کی ہوا اکثر مٹی اور تدریج میں پہلی مرتبہ نوے ہزار مسلم افواج نے ایک ہندو جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جولو جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنا زور اور طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○ (الانفال: ۴۵)

مشکل الفاظ کے معنی

البطر: زجاج نے کہا نعمت میں سرکشی کو بطر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائے تو اگر وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی رضا جوئی میں خرچ کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں تو یہ ان نعمتوں کا شکر ہے اور اگر وہ ان نعمتوں کو اپنے احباب، اقرباء اور معاصرین پر فخر کرنے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ بنائے تو یہ بطر (اترا) ہے۔

رئاء الناس: کسی شخص کے باطن میں خرابی ہو اور وہ لوگوں کے سامنے اچھلی دکھانے کا قصد کرے تو یہ ریا ہے۔ ریا اور خفاق میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں کفر ہو تو یہ خفاق ہے اور اگر کوئی شخص عہدت کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں معصیت ہو تو یہ ریا ہے۔ امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قندہ سے روایت کیا ہے جن مشرکین قریش نے نبی ﷺ سے وادی بدر میں قتل کیا تھا وہ اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نکلے تھے ان سے کہا گیا کہ تمہارا قاتل پہنچ گیا ہے اور تمہارا مقصد پورا ہو گیا اب لوٹ آؤ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک عرب والے ہماری شان و شوکت کے قصے بہ طور مثل بیان نہیں کریں گے۔ اور روایت ہے کہ اس دن نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ آج یہ قریش اترتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے تیرے رسول سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ (در مشورج ۴ ص ۷۷، تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۲۴)

فخر اور ریا کی مذمت

اس آیت میں فرمایا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جولو جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک ہم وادی بدر نہ پہنچ جائیں۔ وہیں پر ہم اونٹ ذبح کریں گے اور شراب پیئیں گے اور ہماری بانہیاں ہمیں جوش دلانے والے نئے سنائیں گی اور جب بھی عرب ہمارا ذکر سنیں گے تو ہم سے خوف زدہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا معاملہ ان لوگوں کی طرح اپنا زور دکھانے اور ملنے کے لیے نہیں ہونا چاہیے اور نہ لوگوں میں اپنی شہرت کے لیے ہونا چاہیے تمہاری نیت خالص اللہ کی رضا جوئی اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے ہونی چاہیے۔

(جامع البیان ۱۰: ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہیں اور دوران قتل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ اور ان کو اس بات سے منع کیا کہ دشمن سے ان کے قتل کا محرک اور باعث اپنے زور اور طاقت کو دکھانا اور ملنا ہو بلکہ ان سے قتل کا باعث صرف اللہ کے احکام پر عمل اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی ہونی چاہیے۔ اسلام

کے تمام احکام کا حاصل یہ ہے کہ انسان مخلوق میں مشغول رہ کر اللہ کے احکام پر عمل کرتا رہے اور غرور و تکبر سے بچے۔ انسان گنہ گار اور اذیاء اور اعصار کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان مہلوت کر کے اس پر غرور اور غرور کرے۔ اس کے بعد فرمایا "اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے" اس میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ بسا اوقات انسان یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کام کو محض اللہ کی رضا کے لیے اذیاء سے کر رہا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ وہ تمہارے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ اسے علم ہے کہ تم کون سا کام حقیقت میں اللہ کے لیے کرتے ہو اور کون سا کام حقیقت میں دکھلوے کے لیے کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نمایاں کیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا رفیق ہوں اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایزیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری اللہ ہوں بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے (الانفال: ۳۸) ابلیس کا سراپہ کی شکل میں آکر کفار کو بہکانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن ابلیس کفار کے لشکر میں سراپہ بن مالک بن جشم کی صورت میں متسل ہو کر آیا اور کہنے لگا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور میں تمہارا مخالف ہوں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹی اٹھا کر مشرکین کے چہرے پر ماری پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اور حضرت جبریل ابلیس کی طرف بڑے اس وقت اس کا ایک ہاتھ مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اس شخص سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور وہ اور اس کا ساتھی پیٹھ موڑ کر بھاگے۔ اس شخص نے کہا اے سراپہ تم تو ہمارے رفیق تھے اب کہاں جا رہے ہو؟ ابلیس نے کہا بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ اس نے اس وقت کہا تھا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تھا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طلحہ بن عبید اللہ بن کریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کو کسی دن بھی اس قدر چھوٹا اس قدر رحمت سے دور اس قدر حقیر اور اس قدر غضبناک نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دن وہ اللہ کی رحمت نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کی اللہ کی طرف سے معافی دیکھتا ہے۔ اور جس قدر ذلیل وہ جنگ بدر کے دن تھا پوچھا گیا کہ اس نے جنگ بدر کے دن کیا دیکھا تھا؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس نے دیکھا کہ جبریل فرشتوں کی صفیں ترتیب دے رہے ہیں۔

(الموطا ج ۲ ص ۲۳۵ مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۱۸۷ رقم الحديث ۸۸۳۲ الاسد کالج ۳ رقم الحديث ۹۸ جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۷ التبیان ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ تہذیبیہ کراچی)

ابلیس کو سراپہ کی شکل میں مشکل ہونے کی قدرت دینے کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابلیس کے سراپہ بن مالک کی شکل میں مشکل ہونے سے کیا فائدہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ جب کفار قریش مکہ واپس لوٹے تو انہوں نے کہا سراپہ نے ہم کو شکست سے دو چار کیا۔ جب سراپہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا ہنہ انجھے تو تمہارے بدر جانے کی خبری نہیں ہوئی حتیٰ کہ مجھ تک تمہاری شکست کی خبر پہنچی اس وقت کفار قریش نے جان لیا کہ وہ شخص سراپہ نہیں بلکہ شیطان تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ غیر معمولی طاقت والا ہے تو اس نے مسلمانوں کے لشکر کو شکست کیوں نہیں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لشکر میں حضرت جبرئیل کو فرشتوں کے ساتھ دکھا اس لیے وہ خوف زدہ ہو کر ہٹ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کو یہ قدرت ہے کہ وہ بشری شکل میں مشکل ہو کر کفار کی مدد کر سکتا ہے تو پھر چاہیے تھا کہ وہ ہر جنگ میں ایسا ہی کرنا اور اس کے نتیجے میں کسی جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح یاب ہونے نہ دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف جنگ بدر میں ہی یہ قدرت دی تھی اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتے بھی نازل کیے تھے جو شیطان کا توڑ کر سکتے تھے اور باقی مہلت اور غزوات میں نہ فرشتوں کو نازل کیا اور نہ شیطان کو یہ قدرت دی اور جنگ بدر میں اس کو یہ قدرت دینے کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ ظاہر کرنا تھا۔ نیز اس میں یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جب لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں تو وہ ان سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُتَفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ

اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں (کفر کی) بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں

هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

کر ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے، اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بیشک اللہ بہت غاب

حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَقَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةَ

بڑی حکمت والا ہے ۝ اور کاش تم وہ منظر دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں۔

يَخْضِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝

ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر منہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ راب جلنے کا عذاب چکو ۝

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۝

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ

ان کی عادت فرعون کے تمہیں اللہ ان سے پہلے لوگوں کا مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے

اللَّهُ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدٌ

ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا، بیشک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب

ظہان القرآن جلد چہارم

الْعَقَابِ ۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا

ہیئے والا ہے ۵۲ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے

عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں اور بے شک اللہ بہت سنتے والا

عَلَيْهِمْ ۵۳ كَذٰبٌ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا

ہے حد جاننے والا ہے ۵۳ (ان کا معاملہ) فرعون کے تبیین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ان سے پہلے

بِآيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَاَعْرَقْنٰ اِلٰ فِرْعَوْنَ

لپتے رب کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کے تبیین کو غرق کر

وَكُلُّهُمْ كَاٰثِرٌ مُّظْلِمِيْنَ ۵۴ اِنَّ شَرَّ الدّٰوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

دیا اور وہ سب ظالم تھے ۵۴ بیشک زمین پر چلتے والوں میں اللہ کے نزدیک سب بدتر وہ لوگ ہیں جنہاں

كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۵ الَّذِيْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ

نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے ۵۵ ان میں سے بعض لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ ۚ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۵۶ فَاَمَّا

اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے ۵۶ پس اگر آپ

تَتَّقَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ

ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو دستکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ

يَذْكُرُوْنَ ۵۷ وَاَمَّا تَخَافُ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَاَنْبِذْ

جہت حاصل کریں ۵۷ اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کا عہد ہمارے برابر

اِلَيْهِمْ عَلٰی سِوَاۤءٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخٰۤیۡنِيْنَ ۵۸

ان کی طرف پھینک دیں ۔ بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا ۵۸

۵۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں (کفر کی) بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (الانفال: ۳۹)

ان آیات میں غزوہ بدر پر تبصرو اور اس کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں غزوہ بدر کے متعلق شیطان کی کارروائی بیان فرما کر اس پر تبصرو فرمایا تھا۔ اس آیت میں غزوہ بدر کے متعلق منافقین اور دوسرے بعض کافروں کے خیالات بیان فرما کر ان پر تبصرو فرمایا ہے۔

منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی عذر کے غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مکہ میں یہ ظاہر اسلام کا اقرار کیا تھا۔ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ بدر میں آئے جب انہوں نے مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو کہا ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور اسلام کے متعلق ان کو شرح صدر نہیں تھا یہ مشرکین قریش کے ساتھ تھے انہوں نے یہ ظاہر کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اصحاب محمد کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے جو وہ اتنی کم تعداد کے بلوجود اپنے سے تین گنے زائد لشکر سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۹-۲۸ - مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے اور اسی پر اعتماد کیا اور اللہ کی قضاء پر راضی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو جو شخص اس کی پناہ میں ہو وہ محفوظ رہے گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے اور اس کی قضاء پر راضی ہو گئے تاکہ اللہ ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کاش تم (وہ منظر) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو اب جلنے کا مزہ چکھو۔ یہ ان کلموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (الانفال: ۵۵-۵۰)

مقتولین بدر کی بوقت موت کیفیت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں آنے والے کفار کی زندگی کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں ان کی موت کے وقت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں خصوصیت سے بدر میں قتل ہونے والے کفار کی موت کے احوال مراد نہ ہوں بلکہ عمومی طور پر کفار کی موت کے وقت ان کا بھی حال ہوتا ہو۔

فرشتے کہیں گے کہ لو اب حریق (جلنے) کا عذاب چکھو علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ لو اب آخرت کا عذاب چکھو ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ لوہے کے گرزوں کے اور جب وہ ان گرزوں سے کفار پر ضرب لگائیں گے تو اس سے آگ بھڑکے گی۔ شیخ زادہ نے کہا ایک قول یہ ہے کہ الحریق آگ کا اسم ہے۔ فرشتے کافروں کی روح نکالتے وقت ان کو گرزماریں گے جس سے ان کے زخموں میں آگ بھڑکے گی اور فرشتے ان سے استزاء کہیں گے لو اب آگ کا مزہ چکھو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یہ ان کلموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے“ یعنی تم نے کفر اور دیگر گناہ جو کیے یہ ان

کی سزا ہے۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہے ”یہ اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا“ ہاتھوں سے مراد خود ان کے نفوس ہیں اور نفوس کو ہاتھوں سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ اکثر کام انسان اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔ عذاب کے مستحق کو عذاب نہ دینا بھی جائز ہے

علامہ زمخشری نے یہ کہا ہے کہ کفار کو یہ عذاب دو سیوں سے ہو گا ایک جب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا جب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ کفار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس طرح مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۲۹ مطبوعہ ایران)

اس تفسیر کو یہ لازم ہے کہ ظلم کی نفی بھی عذاب دینے کا سبب ہے کیونکہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا۔ اور اس قول میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا بھی ظلم ہے اور یہ بدعت باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض گناہوں کو عذاب نہیں دے گا اور ان کو بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشتے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور شرک سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس لیے علامہ زمخشری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کے عذاب کے دو سبب ہیں ایک سبب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کفار کے عذاب کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ان کا کفر اور گناہ ہیں اور بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے وہ اس سبب کی قید ہے۔ کیونکہ اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو یہ ممکن ہو گا کہ اللہ کفار کو بغیر گناہوں کے بھی عذاب دے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ قید لگا کر یوں فرمایا یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے ورنہ ایک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ان کو بغیر گناہوں کے عذاب نہیں دے گا اور یہ ان کو عذاب دینے کا دوسرا سبب نہیں ہے ورنہ یہ طور مفہوم مخالف یہ معنی ہو گا کہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ بندوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا تھا۔ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا شرعاً ظلم ہے نہ عقلاً۔

علامہ زمخشری کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سو اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۳، صحیح مسلم سابقین ص ۲۸۶ (۲۸۷) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶، ۲۵۷، ج ۲ ص ۲۲۷، ۲۲۸)

اللہ کسی بندہ پر کوئی ظلم نہیں کرتا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مقید کی نفی کی جائے تو وہ نفی قید کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ بندوں پر ظلم تو کرتا ہے مگر بہت زیادہ ظلم نہیں کرتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور وہ کثرت ظلم پر دلالت کرتا ہے اور بندے بھی کثیر ہیں اور ظلم کی کثرت بندوں کی کثرت کے مقابلہ میں ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو اطلاق کی تقسیم اطلاق کی طرف ہوتی ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی ایک بندہ پر ایک ظلم بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی عداوت فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل کر لیں اور بے شک اللہ بہت سنیے والا بہت جاننے والا ہے۔ (الانفال: ۵۳-۵۴)

کفار بدر کا متبعین فرعون کے مماثل ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے داری بدر پر حملہ کرنے والے کافروں کو دنیا میں شکست کی ذلت سے دوچار کیا اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ اب ان آیتوں میں یہ بتا دیا ہے کہ ان کافروں کو جو دنیا اور آخرت میں عذاب دیا ہے وہ صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ تمام کافروں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے اور سب منکروں کے ساتھ اس کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کا اپنے کفر میں وہ طریقہ ہے جو فرعون کے متبعین کا اپنے کفر میں طریقہ تھا۔ تو ان لوگوں کو قتل کر کے اور قید کر کے ایسی سزا دی گئی ہے جیسی سزا فرعون اور ان کے متبعین کو سزا میں فرق کر کے دی گئی تھی۔ پھر فرمایا اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ کی ہے کہ اس دنیاوی عذاب کے علاوہ ان کو آخرت میں بھی عذاب دیا جائے گا جیسا کہ قوم فرعون کو بھی عذاب کرنے کے بعد آخرت میں عذاب دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لائی اور اپنے کفر کو ڈٹی رہی اور حضرت موسیٰ کی مخالفت کرتی رہی تو ان کو دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا اسی طرح یہ کفار بدر بھی سیدنا محمد ﷺ کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ کی مخالفت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس لیے ان کو بھی دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا۔

اہل مکہ پر اللہ کی ان نعمتوں کا بیان جن کی انہوں نے ناشکری کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدل کر اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت نہیں کرتی۔ یعنی چاہیے یہ تھا کہ وہ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتی اور خود کو اس نعمت کا اہل قرار دیتی لیکن جب وہ شکر کرنے کے بجائے کفران نعمت کرے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اس نعمت کی اہلی نہیں ہے تو پھر اللہ اس نعمت کو عذاب سے تبدیل کر دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار مکہ کو اس عذاب سے پہلے کون سی نعمت ملی تھی؟ وہ مکہ میں عیش و عشرت اور بہت زیادہ آسودگی اور خوش حالی کی زندگی نہیں گزار رہے تھے اور وہ اس وقت کی متمدن دنیا میں رزق کی فراوانی کے ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے اور علم و حکمت اور مال و دولت کے لحاظ سے کسی نمایاں حیثیت کے حامل نہیں تھے تو ان کو ایسی کون سی نعمت حاصل تھی جو ان کے کفر کی وجہ سے جاتی رہی؟ اس سوال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل عطا فرمائی اور صحیح و سالم اعضاء کے ساتھ پیدا کیا اور نیک کام کرنے اور برے کاموں سے رکنے کی قدرت عطا فرمائی۔ چاہیے تھا کہ وہ خود اپنی عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور خود اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت نہ کرتے اور فسق و فجور اور قتل و غارت گری سے اجتناب کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام یہ کیا کہ عقل سلیم کی رہنمائی کرنے کے لیے ان میں ایک نبی ان ہی میں سے بھیجا جس کی سابقہ زندگی آئینہ کی طرح شفاف تھی اس کی صداقت، دیانت، امانت اور محنت ان سب کے نزدیک مسلم تھی اور جب انہوں نے دعویٰ نبوت کیا اور اللہ کی توحید کا اعلان کیا تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے قریش مکہ کو چاہیے تھا کہ وہ ان کا دعویٰ مان لیتے۔ پھر تیسری نعمت ان کو یہ عطا کی کہ اس نبی کو ایسے قاطع معجزات عطا کیے کہ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد عقل کے نزدیک ان کی نبوت کو مان لینا واجب تھا لیکن انہوں نے اس نعمت کی بھی ناشکری کی وہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں بت پرستی پر ڈٹے رہے اور ضد اور عداوت سے نبی پیچھے کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ یہ مخالفت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ مدینہ میں نبی پیچھے اور آپ کے اصحاب پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ سو انہوں نے اللہ کی پے در پے نعمتوں کے مقابلہ میں مسلسل کفر کیا اور جب ان کے اعمال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کے اہل نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو عذاب سے بدل دیا۔ دنیا میں ان کو شکست کی ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا اور آخرت میں ان کے لیے دائمی دردناک عذاب تیار کیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب وہ ہے جو قاضی بیضوی نے دیا ہے کہ مان لیا کہ قریش مکہ بہت خوش حالی، فراخی اور وسعت کی حالت میں نہ تھے لیکن وہ جس حال میں بھی تھے وہ بدر کی شکست کی ذلت، جس میں ان کے ستر افراد مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور اس ذلت کے مقابلہ میں ان کی پہلی زندگی جس پر شکست کا داغ نہ تھا بر حال بعد کی زندگی سے بہتر تھی اور اس زندگی کے مقابلہ میں نعمت تھی لیکن جب انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو دنیا میں شکست کی ذلت کے عذاب اور آخرت میں دائمی عذاب سے بدل دیا اور ان کا اس دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا ان کے اپنے کفر اور معصیت کی وجہ سے تھا اللہ تعالیٰ کا ان پر کسی وجہ سے عظم نہیں تھا۔

جو قوم خود کو کسی نعمت کا نااہل ثابت کرتی ہے اللہ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی بد اعمالیوں سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔ یہ قاعدہ جس طرح پچھلی امتوں میں اور کفار مکہ میں جاری ہوا اسی طرح یہ قاعدہ بعد میں اقوام مسلم میں بھی جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع سلطنت کی نعمت عطا کی لیکن جب انہوں نے خلافت کو ملوکیت سے تبدیل کر لیا اور اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت کیا تو وہ اسلامی سلطنت جو تین براعظموں، افریقہ، یورپ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے ملکوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ اسپین میں طوائف الملوک کے علاوہ وہاں کے حکمران شراب اور رقص و موسیقی کی رعینوں میں ڈوب گئے اور وہاں نہ صرف اسلامی مملکت کا خاتمہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو یہ تیغ کیا گیا یا جبرائیل یا جلا وطن کر دیا گیا۔ برصغیر میں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومتوں کے استحکام میں ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرتے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی اور وہ ڈیڑھ سو سال تک انگریز کی غلامی میں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی لیکن اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں مسلمانوں نے جو بیس سال تک اسلامی نظام نافذ نہیں کیا اعلیٰ الاعلان سودی نظام جاری کیا اور

مغربی انداز فکر، مغربی جمہوریت اور مغربی اقدار کو سینہ سے لگائے رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدمی نعمت چھین لی اور مشرقی پاکستان، پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔ اب بھی باقی ماندہ پاکستان کے وہی طور طریقے ہیں اور ہمیں اس دن سے ڈرنا چاہیے کہ یہ باقی ماندہ نعمت بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افراد کے انفرادی گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن کسی قوم کی اجتماعی تقصیر سے فطرت درگزر نہیں کرتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت ہے کہ جو قوم اپنے آپ کو کسی نعمت کا اہل ثابت نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کا معاملہ) فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو تکذیب کی، تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کے متبعین کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے (الانفال: ۵۴)

اس آیت کا پہلی آیت کی تفصیل ہونا

اس آیت میں دسی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا اور یہ آیت پہلی آیت کی تاکید ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ قوم فرعون کو عذاب دیا گیا اور اس آیت میں اس عذاب کی تفصیل ہے کہ قوم فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور اس میں اس کی تفصیل فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کی اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے خود کو نعمت کا مائل ثابت کیا اور اس آیت میں اس کی تفصیل کی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی اور دیگر گناہ کیے اور یہ بتایا کہ ان کی نعمتوں کو جو عذاب سے تبدیل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لائے (الانفال: ۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ قریش کی ایک جماعت ہے جس کا تعلق بنو عبد الدار سے تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی تھی اور اللہ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں اور ان کے ایمان نہ لانے سے پریشان نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے بعض لوگوں نے آپ سے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ

نہیں ڈرتے (الانفال: ۵۶)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

اس کا ربط بھی پہلی آیت سے ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق کفار ہیں جو اسے محمد ﷺ

آپ سے بار بار عہد کر کے توڑ دیتے ہیں انہوں نے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں سے بعض لوگوں نے اس لیے فرمایا کہ یہ معاہدہ بنو قریظہ کے ہر فرد سے نہیں ہوا تھا بلکہ بنو قریظہ کے اکابر سے ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ بنو قریظہ تھے جنہوں نے جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑا مشرکین کو ہتھیار فراہم کیے۔ پھر انہوں نے کہا ہم سے غلطی ہو گئی آپ نے ان سے دوبارہ معاہدہ کیا انہوں نے اس معاہدہ کو پھر جنگ خندق میں توڑ دیا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۳۳ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۷)

اس کے بعد فرمایا "اور وہ نہیں ڈرتے" یعنی وہ اللہ سے اس عہد شکنی میں نہیں ڈرتے یا اس سے نہیں ڈرتے کہ اس طرح لوگ ان کی مذمت کریں گے کہ ان لوگوں کے عہد کا اعتبار نہیں ہے یہ بار بار عہد کر کے اس کو توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو دھتکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ عبرت حاصل کریں ○ (الانفال: ۵۷)

مشکل الفاظ کے معانی

فاما تشغفہم: جھٹ کا معنی ہے کسی چیز کے حصول میں مہارت حاصل کرنا۔ تشغف کدہ اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی چیز کو اپنی غیر معمولی بصارت اور مہارت سے دیکھ لو۔ پھر مجازاً اس کو صرف کسی چیز کے اور اک حصوں اور پانے کے معنی میں استعمال کیا گیا یعنی جب تم ان کو میدان جنگ میں پاؤ یا پکڑ لو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۰)

مشر دہم: تشرید کا معنی ہے کسی چیز کو مضطرب اور متفرق کر دینا۔ تہتر کر دینا اور کسی شخص کے ساتھ ایسا کام کیا جائے جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ یعنی آپ جب بنو قریظہ کو میدان جنگ میں نہ پائیں تو ان کو اس طرح تہتر کر دیں جس سے دوسرے عہد شکنوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ عہد شکنی سے باز رہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۰)

نہی ﷺ کو یہ حکم اس لیے دیا کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ عہد شکنی کی آپ ان کو ایسی سزا دیں کہ دوبارہ کوئی شخص آپ سے عہد شکنی کی جرات نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا فائدہ ہو تو ان کا عہد برابر برابر ان کی طرف پھینک دیں۔ بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا ○ (الانفال: ۵۸)

فریق ثانی کی عہد شکنی کی وجہ سے معاہدہ ختم کرنے کی صورتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کسی قوم سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور اس کے دلائل ثابت ہوں تو پھر ان سے معاہدہ توڑ دینا واجب ہے۔ کیونکہ بنو قریظہ نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا پھر انہوں نے ابوسفیان اور اس کے حامی مشرکوں کی نبی ﷺ کے خلاف مدد کی تب رسول اللہ ﷺ کو یہ قوی گمان ہوا کہ یہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ساتھ بد عہدی کریں گے۔ ایسی صورت میں امام المسلمین پر واجب ہے کہ وہ ان سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دے اور ان سے اعلان جنگ کر دے۔ اور جب دوسرے فریق کی جانب سے علانیہ عہد کی خلاف ورزی ہو اور ان کی عہد شکنی پر قطعی یقین حاصل ہو جائے تو پھر عہد توڑنے کے اعلان کی بھی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ کیا کیونکہ خراہ نبی ﷺ کی حفاظت میں تھے اور اہل مکہ نے ان کو قتل کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ ختم کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا لشکر مراہطہ ان تک پہنچ گیا اور وہ مکہ سے چار فرسخ پر تھا علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان اس وقت ضروری ہے جب معاہدہ کی مدت ختم نہ ہوئی ہو یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور نہ ہوئی ہو یا ان کی عہد شکنی یقینی اور قطعی نہ ہو اور اگر معاہدہ کی مدت ختم ہو گئی یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور اور یقینی ہو تو پھر معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اہل مکہ سے کیے ہوئے معاہدہ کو ختم کرنے کے اعلان کے بغیر ان پر حملہ کیا کیونکہ انہوں نے علی الاعلان معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

تبیان القرآن

خزانہ نبی ﷺ کے حلیف تھے اور انہوں نے یوکنانہ کی مدد کرتے ہوئے خزانہ کو قتل کیا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۹۸-۳۹۷، الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۳۹۰-۳۸۹، روح المعانی، ج ۱۰، ص ۲۳)

مسلمانوں کے سربراہ کی عہد شکنی زیادہ مذموم اور زیادہ بڑا گناہ ہے

اس کے بعد فرمایا بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس میں یہ دلیل ہے اگر فریق ثانی نے عہد شکنی نہ کی ہو، نہ عہد شکنی کرنے کی کوئی علامت ہو تو پھر بغیر اعلان کے ان سے معاہدہ ختم کرنا یا توڑنا جائز نہیں ہے اور معاہدہ کی مدت کو پورا کرنا ضروری ہے۔

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معلویہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ حضرت معلویہ ان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئے حتیٰ کہ معاہدہ توڑ کر ان پر حملہ کیا تب ایک شخص گھوڑے یا خچر پر سوار آیا اور وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر معاہدہ پورا کرو عہد شکنی نہ کرو۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ حضرت عتبہ بن جحش تھے۔ حضرت معلویہ جیٹھ نے انہیں بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص اور کسی قوم کے درمیان کوئی عہد ہو تو نہ وہ کوئی گمراہ ہندو ہے اور نہ کوئی گمراہ کھولے حتیٰ کہ معاہدہ کی آخری مدت گزر جائے یا ان کی طرف ان کا عہد برابر برابر پھینک دے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث ۲۷۵۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۱۵۸۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اولین اور آخرین کو جمع کرے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۱۷۷، صحیح مسلم، الجہاد ۱۹ (۱۷۳۵)، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۸۷۳۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن اس کی عہد شکنی کے برابر جھنڈا نصب کیا جائے گا اور سنوا امیر المسلمین کی عہد شکنی سب سے بڑی ہے۔

(صحیح مسلم، الجہاد ۱۹ (۱۷۳۸)، ۲۲۵۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں عہد شکنی پر سخت وعید ہے، خاص طور پر مسلمانوں کی حکومت کے سربراہ اور امیر المسلمین کے لیے۔ کیونکہ اس کی عہد شکنی کا ضرر بہ کثرت مخلوق کی طرف پہنچتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ سربراہ مملکت اپنے عہد کو پورا کرنے پر ہر طرح قادر ہوتا ہے اور اس کو عہد شکنی کی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امیر المسلمین کی خیانت اور عہد شکنی یہ ہے کہ وہ اپنی رعیت سے کیے ہوئے وعدوں اور کفار سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرے اور ان کی خلاف ورزی کرے یا وہ اس امانت میں خیانت کرے جو مسلمانوں نے اس کو سربراہی سونپ کر اس کے پاس رکھی ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی ادا نہ کرے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرے اور بیت المال میں خیانت کرے اور قوی خزانہ کو قوی مفاد میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے ذاتی مفاد میں استعمال کرے۔ اسی طرح حکومت کے دیگر مسائل کو اپنے ذاتی فوائد کے لیے استعمال کرے تو وہ خائن اور عہد شکن ہے اور ان حدیثوں کی وعید کا مصداق ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنے امیر سے عہد شکنی نہیں کرنی چاہیے اور اس کی بیعت کرنے اور اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے خلاف فتنے پیدا نہیں کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیے اور اتحاد ملت میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہیے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ دوسروں کی عہد شکنی کی بہ نسبت سربراہ مملکت کی عہد شکنی بہت بڑا جرم اور عظیم گناہ ہے اس میں بہت خرابیاں ہیں۔ کیونکہ جب وہ معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کے بغیر دوسرے ملکوں سے معاہدہ توڑ دے تو

دشمنان اسلام ان کے کسی وعدہ پر اعتبار کریں گے نہ ان کی صلح پر۔ اس سے دنیا میں مسلمانوں کا بھرم جاتا رہے گا اور اس کا بہت نقصان ہو گا اور اس سے غیر مسلم مسلمانوں کی دعوت اسلام پر دین اسلام میں داخل ہونے سے متفر ہوں گے اور تمام دنیا میں ان کے مسلمان کی مذمت ہو گی۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۹)

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يَجِزُونَ ﴿۵۹﴾ وَأَعِدُّوا

اور کافر اس گمنام میں نہ رہیں کہ وہ صلح کئے، بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور اسے مسلمانوں

لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِم

تم ہر قدر استطاعت، ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندے ہوئے گھوڑے اور ان سے تم

عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ

اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو سب کر دو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو نہیں تم نہیں جانتے، اللہ

اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ

اجہیں جاتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا

إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْعَلْ لَهَا

جائے گا، اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہو تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۱﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا

اللہ اللہ پر توکل کریں، بے شک وہ بہت سنتے والا، بے حد جانتے والا ہے ○ اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا

أَنْ يَخْدَعُواكَ فَإِنْ حَسِبْتَ أَنَّ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ

ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی حمایت

وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ

سے آپ کی تائید فرمائیں ○ اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی، اگر آپ تمام زمین کی چیزوں کو بھی

جَمِيعًا مَّا آفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آفَتْ بَيْنَهُمْ

خرچ کر دیتے تو (از خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی،

إِنَّكَ عَنْ زُحَكِيمٍ ۝ يَأْتِيهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

بے شک وہ بہت غریب الا بڑی حکمت والا ہے ۝ اے نبی: آپ کو اللہ کوئی ہے اور آپ کی اتباع کرنے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

دلے / نہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ کل گئے بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۝

(الانفال: ۵۹)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جو کافر مسلمان سے لڑنے کے لیے وادی بدر میں آئے ہیں ان سے کس طرح مقابلہ کیا جائے اور ان پر غالب ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جو کافر آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اب وہ کافر باقی رہ گئے تھے جو مکہ میں تھے اور بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے، لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ اذیت پہنچائی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتا رہا ہے کہ یہ کافر جو بدر میں نہ آنے کی وجہ سے قتل یا گرفتار ہونے سے بچ گئے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ گئے وہ دنیا میں کسی اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے ورنہ آخرت میں تو ہر مل وائی عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے اور ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ (الانفال: ۶۰)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے (الانفال: ۵۸) میں یہ فرمایا تھا جو کافر آپ سے عہد شکنی کریں آپ بھی ان کا عہد ان پر پھینک دیں۔ اور اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ کافروں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار مہیا کریں، ایک قول یہ ہے کہ معرکہ بدر میں مسلمانوں نے پہلے سے مقابلہ کی تیاری نہیں کی تھی ہتھیار جمع کیے تھے نہ گھوڑوں اور دیگر سوار یوں کا بندوبست کیا تھا ہنگامی طور پر اچانک ان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی اور انہوں نے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں اور کفار سے جنگ کرنے کے لیے جس قدر ہتھیار، سواریاں اور افرادی قوت مہیا کر سکتے ہیں وہ کر لیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کسی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے اس کے اسباب کو جمع کرنا تو کل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب کے حصول کے بعد نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

تیر اندازی کے فضائل

ذیر تفسیر آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ”تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے قوت کو مہیا کرو“ اس آیت میں

قوت سے مراد اسلحہ کی تمام انواع اور اقسام ہیں اور اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جن دشمنان اسلام سے تمہارا مقابلہ ہو ان کے خلاف جو اسلحہ سب سے زیادہ زیادہ موثر ہو اس اسلحہ کو مہیا کرو۔ اور دو محمل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ہتھیار سب سے زیادہ مسلک ہو اس ہتھیار کو حاصل کر لو۔ حمد رسالت میں سب سے زیادہ مسلک ہتھیار تیر تھا اس لیے نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور تیر و کلن کے حصول کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر واعدوا للہم ما استطعتم من قوۃ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'سنو یقیناً قوت حیر اندازی ہے۔ سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے' (صحیح مسلم الامارہ ۱۶۷۷ (۱۹۷۷) ۳۸۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۵۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۸۸۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: غنقریب تمہارے لیے زمینیں فتح کی جائیں گی اور اللہ تمہیں کفنی ہو گا۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے سے عاجز نہ ہو۔

(صحیح مسلم الامارہ ۱۶۸۵ (۱۹۸۵) ۳۸۶۳)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر پھر اس کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۶۹۵ (۱۹۹۵) ۳۸۶۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ عزوجل ایک تیر کے سبب سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا تیر کا پٹانے والا جو تیر بنانے میں ثواب کی نیت کرتا ہو اور تیر کو حاصل کرنے والا اور تیر اندازی کرنے والا تم تیر اندازی کرو اور شہ سواری کرو اگر تم تیر اندازی کرو تو وہ میرے نزدیک گھر سواری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کھیل میں صرف تین چیزیں پسندیدہ ہیں کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا کسی شخص کا اپنی زوجہ سے دل لگی کرنا اور کلن سے تیر مارنا اور پکڑنا اور جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر اس کو پسند کر کے اس کو چھوڑ دیا تو یہ ایک نعمت ہے جس کو اس نے ترک کر دیا یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۵۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۹۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۸۸۱ سنن دارمی رقم الحدیث ۲۳۰۵ مسند احمد ج ۶ رقم الحدیث ۱۷۳۰۴)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک جماعت کے پاس سے گزرے وہ آپس میں تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے (کہ کس کا تیر نشانے پر پہنچتا ہے) نبی ﷺ نے فرمایا اے بنو اسماعیل تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ تیر انداز تھے۔ تم تیر مارو اور میں بنو فلان کے ساتھ ہوں تو ان میں سے ایک فریق نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا تم کیوں نہیں تیر مارتے انہوں نے کہا ہم کیسے تیر ماریں صلا کہ آپ ان کے ساتھ ہیں انہی ﷺ نے فرمایا تم تیر مارو میں تم سب کے ساتھ ہوں (صحیح ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۸۸۵)

اسلحہ کے استعمال کی تربیت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور کبھی یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔

اس دور میں تیر اندازی کے مصداق ایسی میزائل ہیں

نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں یہ دشمن کے خلاف بہت بڑا اور بہت موثر ہتھیار تھا۔ اس زمانہ میں تیر اندازی کی جدید شکل میزائل ہے۔ جس طرح تیر کو کلن میں رکھ کر طرف پر مارتے ہیں اس طرح میزائل کے وارہیڈ میں ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، ٹورنڈو، ان بم رکھے جاتے ہیں اور لانچنگ پیڈ سے

میزائل کو ہدف پر دانا جاتا ہے۔ سو جس طرح اس زمانہ میں تیر اندازی کا علم حاصل کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری تھا اسی طرح اس زمانہ میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی تیاری کا علم حاصل کرنا اور میزائل بنانے کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس دور میں ایٹمی صلاحیت کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور جب تک کسی ملک کو ایٹمی صلاحیت حاصل نہ ہو اس کی بقا کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے۔ جس سے وہ شہر تباہ ہو گئے اور جاپان وہ جنگ ہار گیا۔ اگر اس وقت جاپان کے پاس بھی ایٹم بم ہوتے تو امریکہ کبھی بھی جاپان پر ایٹم بم نہیں گرا سکتا تھا۔ امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ کے زمانہ میں شدید مخالفت کے باوجود امریکہ نے روس یا چین پر ایٹمی حملہ کی جسارت نہیں کی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان ملکوں کے پاس بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں اور امریکہ ان کے دور مار براہ صلی ایٹمی میزائلوں کی زد میں ہے۔

اس لیے آج مسلمانوں کو اپنی بقا کے لیے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری بلکہ سب سے اہم اور سب سے مقدم فرض ہے۔

ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے تفکر کرنا اور اس کیلئے سائنسی علوم حاصل کرنا افضل ترین عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے خالق کائنات میں غور و فکر کرنے اور تدبیر اور فکر کرنے کی ترغیب دی ہے:

اِنَّ فِیْ حَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِثَیْہِیْنِ الْبَلِّ وَالْتَہْلِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُثُوْبِہِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ حَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فِیْ عَادَابِ الْاَنۡبَاِ ۝

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبان عقل کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کودنے کے بل لپٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ محض بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خالق کائنات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام جو پیشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے تو وہ غور و فکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کس چیز میں غور و فکر کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ میں آپ نے فرمایا اللہ میں تفکر نہ کرو اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو۔

(ملیۃ الاولیاء ج ۶، ص ۶۸-۶۹، رقم الحدیث: ۷۸۱۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۱۳، تحف السادة السقین ج ۶، ص ۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرو اور اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط ج ۷، ص ۱۷۲، رقم الحدیث: ۶۳۱۵، شعب الایمان ج ۱، ص ۱۳۶، رقم الحدیث: ۱۲۰، کتاب العظمت، ص ۱۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں غور و فکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۱۹۷، رقم الحدیث: ۳۵۲۱۳، شعب الایمان ج ۱، ص ۱۳۶، رقم الحدیث: ۱۸)

علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ان احادیث کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کے اجتماع سے اس حدیث میں قوت حاصل

ہو گئی اور ان کا معنی صحیح ہے۔ (القائد المختار ص ۳۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ساعت میں تفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کتب العظمیٰ ج ۱ ص ۳۳ رقم الحديث ۳۳ الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحديث ۵۸۹۷)

حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے (الموضوعات رقم الحديث ۳۳۰۲) لیکن حافظ سیوطی نے علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی تخریج میں اس حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا ہے اور اس کا شاہد بھی ہے۔

(فیض القدر ج ۸ ص ۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں پر غور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید میں تفکر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس کے حساب لینے کے متعلق تدبیر کرے اور اپنے اعمال کے میزان میں وزن اور کمی کے متعلق اور پل صراط کی باریکی اور تیزی کے باوجود اس پر سے گزرنے کے متعلق سوچے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور کرے جس دن بچے خوف سے بوڑھے ہو جائیں گے جس دن ہر حائلہ عورت کا حمل سلاط ہو جائے گا اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچہ سے غافل ہوگی جس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ہر شخص اپنی بیوی اور بچوں سے اور بی اور باپ سے بھاگے گا جس دن اللہ تعالیٰ نیکو کاروں اور بدکاروں کو الگ الگ حصوں میں کھڑا کر دے گا اور اللہ جانے وہ نیکوں کی صف میں ہو گا یا بدوں کی صف میں ہو گا اور جب وہ ان امور میں غور و فکر کرے گا تو اس کے دل میں خوف خدا بہت قوی ہو گا اور اس کا مصلح نظر اور نصب العین صرف آخرت ہوگی وہ دنیا کی رنگینیوں اور مرغوبت نفس سے اعراض کر کے غلوں قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے گا اور اختلال رفت کے ساتھ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے گا اور جس کا ان امور میں تفکر کم ہو گا وہ مرغوبت نفس کا اسیر ہو جائے گا اس کا دل سخت ہو جائے گا اس پر غفلت غالب ہوگی وہ اگر عبادت کے لیے کھڑا بھی ہو گا تب بھی اس کا دل دنیا داری میں مشغول ہو گا و عطا نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا اور آخرت کے بجائے دنیا اس کا مصلح نظر ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری عبادت اعضاء ظاہرہ سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت دل سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت ظاہری عبادت سے افضل ہے اور کامل تفکر یہ ہے کہ انسان کا دل عالم شہادت اور عالم حواس سے نکل کر عالم الغیب میں تفکر کرے اور جس چیز میں غور و فکر کرے گا وہ جس قدر عظیم ہوگی اس کا تفکر بھی اسی قدر عظیم ہو گا۔ پس بعض علماء قلوقات اور مصنوعات میں تفکر کر کے اس کے خالق اور صانع کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور بعض احوال آخرت میں تفکر کر کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جہوت اور اس کی دیگر صفات میں تفکر کرتے ہیں اور کائنات کے ہر مخلوق سے اس صفت کی معرفت حاصل کرتے ہیں جو اس مخلوق کی محدث ہے۔ (فیض القدر ج ۸ ص ۴۲۱ موعظی مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ حقائق کائنات کا سراغ لگانا اور اس پر آشوب دور میں انسان کی ضرورتیں پوری کرنے کے اسباب اور عمل کو جدید سائنس سے معلوم کرنا انسان کی فلاح کے لیے مسلک اور لاعلاج امراض کا جدید میڈیکل سائنس سے علاج دریافت کرنا اور ملک اور قوم کے دفاع کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق غور و فکر کر کے ایٹمی ہتھیار اور میزائل بنانا تاکہ مسلمانوں کا ملک دشمنان اسلام کے حملوں سے محفوظ رہے اور اقوام عالم میں عزت اور آزادی کے ساتھ کھڑا رہ سکے اور ذرا امت کے شعبوں میں

سائنسی تکنیک سے ایسے طریقے معلوم کرنا جن سے فصل زیادہ پیدا ہو اور قدرتی آفات سے محفوظ رہ سکے مگر ملک خوشحال ہو اور دوسروں کا دست نگرانہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے علوم حاصل کرنا اور ایسے امور میں ایک لمحہ کا غور و فکر بھی ساتھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ اگر ملک سلامت اور آزاد ہو گا تو اس کے باشندے اللہ کی عبادت کر سکیں گے اور ملک غذا اور دوا میں خود کفیل ہو گا تو وہ دوسروں کے سارے کے بغیر خوشحال سے رہ سکیں گے۔ سو ملک کے تمام باشندوں کی عبادتوں اور ریاستوں اور نیک اعمال کا وجود ملک کی بقا اور اس کی آزادی پر موقوف ہے اور اس کی بقا اور آزادی عصری تقاضوں کے مطابق ایسی ہتھیار بنانے پر موقوف ہے۔ تو جن مسلمان سائنسی ماہرین نے یہ ہتھیار ہم اور میرا کل بنائے اور اس کے بنانے میں جو فکر کیا تو یہ فکر بہت عظیم عبادت ہے اور ملک کے تمام عبادت گزاروں کی عبادتوں کے اجر و ثواب سے ان کو بھی حصہ ملے گا۔ تاہم ہم ان سائنسی ایجادات کے خلاف ہیں جو عیاشی اور فحاشی کو فروغ دیتی ہیں خواہ وہ دوائیں ہوں یا آلات ہوں۔

جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی فضیلت اور اس دور میں ان کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اور تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔“ جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی بہت فضیلت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے کہ عرہ ہارقی کے پاس ستر گھوڑے تھے جن کو انہوں نے جہاد کے لیے تیار رکھا ہوا تھا۔ گھوڑوں کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لیے اجر کا باعث ہے ایک گھوڑا آدمی کے لیے اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے اور ایک گھوڑا آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہے۔ جو گھوڑا آدمی کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے اللہ کی راہ میں باندھ رکھا ہو اور چہرہ اگلا یا باغ میں اس کی رسی دراز کر دی ہو۔ وہ اس چہرہ اگلا یا باغ میں جہاں تک جا کر چرے گا وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ اس کی رسی کو کٹ دے اور وہ کسی ایک یا دو جنگوں کے پکڑ لگائے تو جتنے قدم وہ چلے گا یا جتنی لید کرے گا وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ گھوڑا دریا کے پاس سے گزرے اور اس کا پانی پئے خواہ اس کا مالک اس کو پانی پلانا نہ چاہتا ہو پھر بھی وہ اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور جو شخص سوال سے بچنے کے لیے گھوڑا باندھے اور اس کی سواری میں اللہ اور بندوں کے حقوق فراموش نہ کرے وہ اس کے لیے ستر کا باعث ہے۔ اور جو گھوڑا آدمی کے لیے گناہ ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے غر اور دکھلوے اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے رکھا ہو وہ اس کے لیے باعث گناہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰ صحیح مسلم زکوٰۃ ۲۳ (۹۸۷) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۷۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اکون ساعلم سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے پوچھا کون سا غلام سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس کے مالک کے نزدیک سب سے نفیس اور سب سے منگاہو۔

(صحیح مسلم الامان ۳۶ (۸۳) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۳)

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ کی راہ میں وہ گھوڑا رکھنا چاہیے جس کی قیمت سب سے زیادہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ کسی

چیز سے محبت نہیں تھی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۱)

حضرت ابو وہب جرحہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے موافق نام رکھو۔ اور اللہ عزوجل کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ اور گھوڑوں کو باندھ کر رکھو اور ان کی پیشانیوں کو اور ان کی رانوں کو طو اور دین کی سرحدی اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ان کو رکھو نہ کہ زمانہ جاہلیت کے بدلے لینے کے لیے اور ایسے گھوڑے رکھو جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سرخ اور سفید ہوں یا جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سفید ہوں یا ان کا ماتھا اور ہاتھ پیر کالے اور سیاہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶۷)

محمد رسالت اور بعد کے اودار میں مجاہدین گھوڑوں پر بیٹھ کر جلا کرتے تھے اور دشمن ممالک کا سفر کرتے تھے۔ اس دور میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو گھوڑوں کے بدلہ میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ دشمن ممالک پر حملہ کرنے کے لیے جنگی طیاروں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، فوجی ٹرک اور لڑاکا طیارے ان سب کے حصول میں وہی اجر و ثواب ہو گا جو پہلے گھوڑوں میں ہوتا تھا۔

نامعلوم دشمنوں کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے سوا دوسرے دشمن جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں ان کے سوا دوسرے دشمنوں کے مصداق میں اختلاف ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بنو قریظہ ہیں۔ سدی نے کہا اس سے مراد اہل فارس ہیں۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں تم انہیں نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور تمہارے ساتھ جلا کرتے ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد جنت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اللہ کے اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کے لیے ہتھیار مہیا کرنے اور باندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا اور مسلمان ان دشمنوں کو جانتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو بنو قریظہ اور اہل فارس کی عداوت کا علم تھا کیونکہ ان کو علم تھا کہ وہ مشرک ہیں اور وہ ان کے مخالف اور جنگجو لوگ ہیں اور دشمنوں کی دوسری قسم وہ تھی جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے جو بنو آدم کے غیر ہیں۔ وہ ان کے ٹھکانوں اور ان کے احوال کو نہیں جانتے ان کو صرف اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے کیونکہ بنو آدم جنت کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایک قول یہ ہے کہ گھوڑوں کی آواز سے جن خوف زدہ ہوتے ہیں اور جس گھر میں گھوڑا ہو جنت اس گھر کے قریب نہیں جاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان منافقین کو بھی نہیں جانتے تھے تو اس آیت سے ان کو کیوں مراد نہیں لیا جاسکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں سے نہیں ڈرتے تھے وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اور مسلمانوں کو ان کے خفیہ کا پتہ نہ چل جائے۔

(جامع البیان ۱۰: ۲۳-۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مسلمانوں کے نامعلوم دشمنوں کے مصداق کا تعین کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کے سوا دوسرے دشمن جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے، پس کوئی شخص کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو ان دشمنوں کا علم ہے، الا یہ کہ ان دشمنوں کی تعین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ہو اور آپ کا یہ ارشاد ہے کہ وہ جن ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کسی ایسے شخص کی عقل کو فاسد نہیں کرتا جس کے گھر میں گھوڑا ہو۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسلمہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دلو سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ بھی

روایت ہے کہ جنات اس گھر کے قریب نہیں جلتے ہیں جس میں گھوڑا ہو اور جنات گھوڑوں کی آواز سن کر ہٹ جاتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے یزید بن عبد اللہ بن عریب المکی سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جن ہیں۔ اور آپ نے فرمایا جن کسی ایسے گھر کو خراب نہیں کرتے جس میں عمدہ گھوڑا ہو۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۹)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۷)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: امام ابو الشیخ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ وہ جن ہیں اور جو شخص اپنے گھر میں گھوڑوں کو باندھے جن اس کے گھر کو خراب نہیں کرتے اور امام ابو الشیخ اور امام ابن مردودہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث روایت کی ہے یعنی شیطان کسی گھوڑے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر کی گرہ ہے لہذا شیطان کبھی اس پر قدرت نہیں پائے گا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام رازی نے فرمایا اس آیت کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ جب وہ مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کریں گے تو وہ خوف زدہ ہو کر اپنے خلق کو ترک کر دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے باز آجائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ آلات جہاد کی کثرت سے جنات کا خوف زدہ ہونا غیر معقول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں جو مسلمان ہیں کیونکہ مسلمان آپس میں بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میری رائے یہ ہے کہ جن احادیث سے اس آیت کا مصداق جنات کو بتایا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ اس لیے ہمیں خلاف عقل روایات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور جب اللہ اور اس کے رسول نے ان دشمنوں کی تحسین نہیں کی تو ہمیں اس کے ورپے نہیں ہونا چاہیے اور اس کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

دشمنان اسلام کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کی حکمت

کفار کو جب یہ علم ہو گا کہ مسلمانوں کے جہاد کی مکمل تیاری کر لی ہے اور جہاد کے تمام آلات اور اسلحہ کو حاصل کر لیا ہے تو وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ملکوں پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ جزیہ کی ادائیگی کے لیے تیار ہو جائیں گے اور بسا اوقات یہ خوف ان کے ایمان لانے کا سبب بن جائے گا اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کی مدد نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے اس رعب اور دبدبہ کی وجہ سے اقوام عالم میں مسلمانوں کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یعنی اے مسلمانو! تم آلات حرب اور جنگ کے لیے سوار یوں کے حصول میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں بھی اس کا اجر عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اس نے تمہارے لیے ثواب کا ذخیرہ کر لیا ہے جو تم کو قیامت کے دن پورا پورا دیا جائے گا۔

سورۃ الانفال کی ان آیات میں کفار کے خلاف جہاد کرنے اور مال غنیمت کی تقسیم کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس لیے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث بیان کریں اور جہاد کے فقہی احکام بیان کریں اور اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم، گرفتار شدہ قیدیوں کے احکام اور فدیہ کی تحصیل بیان کریں۔ مفسرین و باللہ التوفیق۔

جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ نَجَاتٍ
تُجِبُّكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ۚ تَوَكَّلُوا بِاللَّهِ وَ
رَسُولِهِ وَتُجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ۚ يَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكَنٍ
طَيِّبٍ فِيهَا مَعَ ذَلِكِ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝
(العنكب: ۳۰-۳۱)

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ
أُولِي الضَّرَرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ
الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى
الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكَذَٰلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَ
فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا
عَظِيمًا ۚ دَرَجَتَيْنِ مِنْهُ وَمَغْرُورٌ وَرَحْمَةٌ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (النساء: ۹۴-۹۵)

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ آعْظَمُ دَرَجَةً
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَيِّرُهُم
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا
نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ
عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (النوبة: ۲۲-۲۰)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ
أَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي

اپنے ایمان والوں کی ایسی تجارت کی طرف تمہاری
راہنمائی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے ۝ تم
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اپنے مالوں اور اپنی
جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے
اگر تم علم رکھتے ہو ۝ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں
ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہ رہے
ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں اور ہمیشہ کی جنتوں میں ایسی بہت بڑی
کامیابی ہے۔

بلا غدر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ
میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں
ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو
بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے
انجمنہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے
والوں پر بہت بڑے ثواب کی فضیلت دی ہے ۝ اللہ کی طرف
سے درجہ جات ہیں اور بخشش اور رحمت ہے اور اللہ بہت بخشنے
والا ہے ۝ بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی
راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے
نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب
ہونے والے ہیں ۝ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور رضا کی
اور جنتوں کی خوشخبری سناتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی
نعمت ہے ۝ وہ اس میں ابد تک ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی
کے پاس بہت بڑا اجر ہے ۝

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو
ان کے لیے جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے ۝ وہ اللہ کی راہ میں
قتال (جہاد) کرتے ہیں ۝ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے

التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ
مِنَ الْإِثْمِ فَاصْبِرُوا يَبَّيْحُكُمْ الَّذِينَ بَايَعْتُمْ
بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفُوزُ الْعَظِيمُ (التوبہ: ۳)

ہیں اس پر تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے اور
اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے؟ پس تم اپنی
اس سچ سے خوش ہو جاؤ جو تم نے سچ کی ہے اور میں بہت بڑی
کامیابی ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا یہ
کس کا کلام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ نفع والی سچ ہے ہم اس سچ کو ہرگز واپس نہیں کریں
گئے نہ اس کو رد کرنے کا مطالبہ کریں گے وہ جملہ کے لیے نکلا اور جلتے ہی شہید ہو گیا۔ (جامع البیان ج ۱۷ ص ۳۹)

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ
صَعًا كَانَتْهُمْ يُسَارًا مُرَّصُونَ (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں
اس طرح صف باندھ کر قتال (جہاد) کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ
پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

جہاد افضل اعمال ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے اپنی حیات کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان
کو اس کی جزا میں اس حیات سے افضل حیات عطا فرماتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَدُّوْنَ ۝ فَيَرْحَبُ
بِئْسَ أَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَ يَسْتَبْشِرُونَ
بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ عَلَيْهِمْ أَلَّا
يَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ
نہ کہہ دو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا
جاتا ہے۔ اللہ نے ان کو جو اپنے فضل سے دیا وہ اس پر خوش
ہیں اور بعد والے لوگوں کے حلق جو ابھی ان سے نہیں ملے
یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف ہو گا نہ وہ
لگتے ہیں۔

(آل عمران: ۱۶۷-۱۶۸)

جہاد کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا
اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا
جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ در آنحایک تم (جنگ کی
شدت میں) صابر ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ پھر
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا؟ اس نے کہا یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے
گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں قرض کے ماسوا بشرطیکہ تم صابر ہو ثواب کی نیت کرنے والے ہو
آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ بے شک جبرئیل نے یہ (قرض کے ماسوا کی قید) مجھے ابھی بتائی
ہے۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۷۷ (۱۸۸۵) ۴۷۹۷ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۷۱۱ سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا ایک شخص مل غنیمت کے
لئے قتل کرتا ہے اور ایک شخص اس لیے قتل کرتا ہے تاکہ اس کی بھلوری کا ذکر کیا جائے اور ایک شخص اپنے خاندان کی غیرت
کی وجہ سے قتل کرتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں قتل کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اس لیے قتل کرتا ہے کہ

اللہ کا دین سرپاوند ہو وہ اللہ کی راہ میں قتل کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۰، صحیح مسلم الامارہ: ۱۳۹-۱۵۱ (۱۹۰۳)، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۵۱۸، ۲۵۱۷، سنن

الترمذی رقم الحدیث: ۸۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت سل بن سعد السعیدی جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۳، صحیح مسلم الامارہ: ۱۳۹ (۱۸۸۸)، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس حل میں مرا کہ اس نے جہاد کیا نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی وہ خلاق کے ایک شعبہ پر مرا۔

(صحیح مسلم الامارہ: ۱۵۸ (۱۹۱۰)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۹۷)

امام مالک بن انس ابھی متوفی ۹۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کروں پھر مجھے قتل کر دیا جائے، پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے، پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ نے تین مرتبہ اس کو قسم کھا کر بیان کیا۔

(صحیح مسلم الجامع: ۱۰۹ (۱۸۷۶)، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۸۱، الموطا رقم الحدیث: ۹۹۹)

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہو گا، اور اللہ کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے، تو وہ قیامت کے دن اس حل میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو گا، رنگ خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔

(الموطا رقم الحدیث: ۱۰۰۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳، صحیح مسلم الجامع: ۱۰۵ (۱۸۷۶)، ۳۷۷۹)

حضرت ابو ہریرہ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے کا فتنہ اتار دے جتنا تم میں سے کسی ایک شخص کو چوٹی کاٹنے کا درد ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۰۸)

حضرت انس بن مالک جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی فوت ہو اور اس کے لیے اللہ کے پاس اجر ہو وہ دنیا میں واپس جانے سے خوش نہیں ہو گا، خواہ اس کو دنیا اور مافیہا مل جائیں، ماسوا شہید کے، کیونکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور پھر قتل کیا جائے کیونکہ وہ شہادت کی نصیبت دیکھ لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۷، صحیح مسلم الامارہ: ۱۰۸ (۱۸۷۷)، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

مسوق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود جو بیٹہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مگن مت کہو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے (آل عمران: ۱۶۹) حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تھا آپ نے فرمایا شہداء کی رو میں ستر ہندوں کے پیٹ میں ہیں، ان کے لیے عرش میں قدیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جہنم چاہتی ہیں چرتی ہیں، اور پھر ان قدیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ پھر ان کا رب ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے تم کسی چیز کو چاہتے ہو؟ وہ کہتے ہیں ہم کس چیز کی خواہش کریں کہ ہم جنت میں جہنم چاہتے ہیں چرتے ہیں۔ یہ مکالمہ تین مرتبہ ہو گا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو بغیر پوچھے نہیں چھوڑا جا رہا تو وہ کہیں گے

کہ ہمارے رب ہماری خواہش یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھے گا کہ ان کو اور کوئی خواہش نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم الامارۃ (۱۸۸۷) ۳۸۰۲ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۸۰۱)
جہاد کی حکمت اور اس سوال کا جواب کہ کافروں کو قتل کرنا اللہ اور رسول کی رحمت کے منافی ہے جہاد کی مشروعیت اور اس کی فضیلت اور اس کی ترغیب تحریریں اور تحریک میں آیات اور احادیث بہت زیادہ ہیں جہاد کی مشروعیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے لوصاف حیدہ میں سب سے خاص وصف آپ کی رحمت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جہاد سے انسان مارے جاتے ہیں اور ان کا خون بہتا ہے عورتیں بیوہ ہوتی ہیں اور بچے یتیم ہوتے ہیں اموال تلف ہوتے ہیں آب ویاں دیران ہوتی ہیں شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور بہت سی علمی اور تحقیقی متاع ضائع ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاد فتنہ اور فساد کا سبب ہے اور تباہی اور بربادی کا موجب ہے تو جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اس کو جہاد کی شریعت کے ساتھ مبعوث کرنا کس طرح حکمت کے مطابق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان مل جل کر تمدنی زندگی گزار رہے ہیں تو انسان اپنی ضرورت اور اپنے عیش و آرام کی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی پسند اور اپنے مزاج کے خلاف چیزوں کو دور کرنا چاہتے ہیں اور بسا اوقات وہ ان مقاصد کے حصول کے لیے نور آزمائی کرتے ہیں اور ہر زبردست ہر زبردست کو مغلوب کرتا ہے۔ اور بسا اوقات اس میں قتل اور خون ریزی کی نوبت آ جاتی ہے کیونکہ جب کسی شخص کو اپنا مطلوب حاصل نہ ہو تو وہ غیظ و غضب میں آ جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ جب ہاتل کی قربانی قبول ہو گئی اور قاتل کی قربانی قبول نہیں ہوئی تو قاتل نے ہاتل کو قتل کر دیا اور یہ اس دنیا میں قتل کا پہلا واقعہ تھا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلنَّاسِ إِنَّهُمْ لَنَارِقُونَ ﴿۱﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَقُودُكَ بِهَا ۚ وَلَقَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ كُنَّا نَسْتَفِيقُكَ ﴿۲﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلنَّاسِ إِنَّهُمْ لَنَارِقُونَ ﴿۳﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَقُودُكَ بِهَا ۚ وَلَقَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ كُنَّا نَسْتَفِيقُكَ ﴿۴﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلنَّاسِ إِنَّهُمْ لَنَارِقُونَ ﴿۵﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَقُودُكَ بِهَا ۚ وَلَقَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ كُنَّا نَسْتَفِيقُكَ ﴿۶﴾

اور آپ انہیں آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ سنائیں جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی تو دوسرے نے کہا میں تم کو ضرور قتل کروں گا پہلے نے کہا اللہ صرف متعین کی قربانی قبول فرماتا ہے ○

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتل اور خون ریزی انسان کی فطرت میں ہے اور اسلام دین فطرت ہے اور شریعت اسلامیہ میں باقی پچھلی تمام شریعتوں کے مقابلہ میں انسانوں پر زیادہ رحمت اور شفقت ہے اس لیے اسلام نے یہ چاہا کہ انسان اپنے سغلی جذبہات حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے اور زور اور سلطنت حاصل کرنے کے لیے جو قتل اور خون ریزی کرتا ہے اس کا رخ موڑ دیا جائے اور بجائے اس کے کہ انسان اپنی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انسانوں کا خون بہائے وہ عدل و انصاف کو فروغ دینے اعلیٰ حکمرانی اقدار کے حصول اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے مجرموں اور اللہ کے باغیوں کا خون بہائے تاکہ دنیا سے کفر اور شرک علم اور سرکشی اور فحاشی اور بے حیائی کی جڑیں کاٹ دی جائیں اور دنیا سے شر اور فساد دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ لَا دَفْعُ الْفُلُو النَّاسِ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَيَّ

اور اگر اللہ بعض (خالم) لوگوں کو بعض (عادل) لوگوں سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر

الْعَلَمِينَ (البقرہ: ۲۵۵) •

فضل فرماتے والا ہے •

وَلَوْ لَا دَفْعُ النَّاسِ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهَیْذَمَتِ سَوَاحِدُ وَبِيعَ وَصَلَوَاتُکُمْ وَمَسَاجِدُکُمْ یَذْکُرُ فِیْهَا اسْمُ اللَّهِ کَثِیْرًا وَلَیَّعْزِرَنَّ اللَّهُ مَنْ یَسْتَعِیْزُ اِنَّ اللَّهَ لَقَوِیُّ عَزِیْزٌ (الحج ۴۰)

اور اگر اللہ بعض (ظالم) لوگوں کو بعض (عادل) لوگوں سے دور نہ فرماتا تو راہبوں کی عبادت گاہیں، اور گرجے اور کلیسیاے اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ضرور منہدم کر دی جاتیں اور اللہ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ ضرور قوت والا ہے

ہمت غالب ہے •

اس حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کو مشروع کیا اور جہاد اور قتل کی مشروعیت سے صرف یہ مقصد تھا کہ لوگوں کو زمین پر اللہ کی عبادت پر قدرت مہیا کی جائے اور شر اور فساد کا قلع قمع کیا جائے یا اس کو کم کر دیا جائے اور تمام آسمانی مذاہب اور شریعتوں کا یہی مقصد رہا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ عزوجل نے کافروں، ظالموں، باغیوں اور مجرموں سے قتل کو مشروع کیا۔ ہر چند کہ قتل اور جہاد سے انسانوں کا خون بہتا ہے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں لیکن اس سے دنیا میں توحید، عدل و انصاف اور خیر کثیر کا حصول ہوتا ہے اور خیر کثیر کے حصول کے لیے شر قلیل کو برداشت کرنا لازمیر ہوتا ہے بلکہ اس شر قلیل کو برداشت کرنا خیر کثیر ہے اور شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک کرنا بجائے خود شر کثیر ہے۔

جہاد کے فرض عین ہونے کی صورتیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تین حالتوں میں جہاد فرض عین ہے۔
۱۔ امام المسلمین اور سربراہ مملکت اسلامیہ کسی شخص یا کسی جماعت کو جہاد اور قتل کے لیے طلب کرے تو ان لوگوں کے لیے جہاد کے لیے نکلنا فرض عین ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالُكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ ائِمُّوا فَنِ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْنَا إِلَى الْأَرْضِ ارْجِعُوا فَنِ سَبِيلِ اللَّهِ فَمَا تَنَافَعُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا تَتَوَفَّوْنَ بَعْدَ بَعْثِكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَ يَسْتَنْدِلُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَنْصُرُوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (التوبة: ۳۸-۳۹)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلو تو تم بوجہل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے حالانکہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے • اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے •

اور اس آیت کی دلالت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام المسلمین کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے میں سستی کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور جہاد کے لیے نہ نکلنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

امام المسلمین کے طلب کرنے پر جہاد کے فرض عین ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب (مکہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۸۴۵، ۳۰۷۷، صحیح مسلم الامارہ ۸۵، ۱۳۵۳، ۴۷۴۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۳۸۰، سنن الترمذی

رقم الحدیث: ۱۵۹۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۹۶ جامع الاصول ج ۶ رقم الحدیث: ۴۹۰۰

اور اس حدیث کی دلالت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے امام کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے کا امر فرمایا ہے اور امر واجب کے لیے ہوتا ہے۔

۲- جہاد کے فرض عین ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن مسلمانوں کے کسی شر پر حملہ کر کے اس میں داخل ہو جائے یا ان کی مملکت کے کسی حصہ پر قبضہ کر لے تو اس وقت دشمن سے قتال کرنا فرض عین ہے اور اس کی فرضیت اجماع سے ثابت ہے۔

۳- جزا کے فرض عین ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب دشمن سے صف بہ صف مقابلہ ہو رہا ہو تو اس وقت دشمن سے پیچہ پھیر کر محاکا حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا رَحُفًا قَاتِلُوهُمْ أَدْبَارًا (الانفال: ۱۵)

اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیچہ نہ پھیرو۔ اس آیت کی وجہ دلالت اور اس کی تفسیر للانفال: ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورتیں جب دشمن مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے نہ اس کے کسی حصہ پر قبضہ کرے نہ امام مسلمانوں کو جہاد کے لیے طلب کرے تو تبلیغ اسلام کے لیے کفار پر حملہ کرنا فرض کفایہ ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء: ۹۵)

اس آیت کی جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر اس طرح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں اور بلاغہد جہاد نہ کرنے والوں دونوں سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ البتہ جہاد کرنے والوں کو زیادہ اجر و ثواب کی بشارت دی ہے اگر ہر جہاد فرض عین ہو تا تو جہاد نہ کرنے والے گناہگار ہوتے اور ان سے اچھے اجر کا وعدہ نہ فرماتا کیونکہ مقصود تو اللہ کے دین کی سرکندی اور تبلیغ اسلام ہے سو جن مسلمانوں نے اس فریضہ کو ادا کر لیا تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو گئی جیسا کہ تمام فروع کفایہ میں ہوتا ہے۔

تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

سلیمان بن بریدہ اپنے والد جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے لشکر یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے اور اس امیر کے ساتھ جو مسلمان ہوتے ان کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتے۔ پھر فرماتے اللہ کا ایم لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کریں ان کے

غلاف قتل کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مسئلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو) کسی بچہ کو قتل نہ کرو اور جب تمہارا مشرکین میں سے اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دو، وہ ان میں سے جس چیز کو بھی مان لیں تم اس کو ان سے قبول کر لو اور پھر ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ۔ ان کو یہ دعوت دو کہ وہ اپنے شہر سے دارمہاجرین کی طرف منتقل ہو جائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کے وہ حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے حقوق ہیں اور ان پر وہ چیزیں فرض ہوں گی جو مہاجرین پر فرض ہیں۔ اور اگر وہ اپنے شہر سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو وہ مسلمان اعرابیوں کی طرح ہوں گے اور ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہو گا جو مومنین پر جاری ہے، اور مل غنیمت اور فتنے میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو گا، البتہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ جملو کریں تو پھر ان کا حصہ ہو گا۔ اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اور اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر ان سے جزیہ قبول کر لو اور ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو اللہ سے مدد حاصل کر کے ان سے قتل کرو، اور جب تم قلعہ میں بند لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو ضامن بناؤ تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بناؤ۔ لیکن تم اپنی اور اپنے اصحاب کی ضمانت دو، کیونکہ اگر تم نے اپنی اور اپنے اصحاب کی ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو یہ اس سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ضمانت توڑنے کی نسبت کرو، اور جب تم قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ کے حکم سے قلعہ سے باہر لاؤ تو تم اللہ کے حکم سے ان کو باہر نہ لانا لیکن تم ان کو اپنے حکم سے قلعہ سے نکالنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔

(صحیح مسلم الجہاد ۳: (۱۷۳۱) ۴۴۴۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۸)

جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جملو کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کی سرپلندی کے لیے کافروں سے جملو کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی ملک کے مسلمان بھی کافروں سے جملو نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہ گار ہوں گے۔

جب تک دنیا میں مسلم اقوام تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے جملو کرتی رہیں وہ دنیا میں عزت اور سرپلندی کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور جب انہوں نے جملو چھوڑ دیا اور پیش و طرب کی زندگی اختیار کر لی، مسلمان مشقت، جانفشانی اور بخت کوشی کی جگہ سہولت، آرام اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے لگے تو ذلت اور ٹھکوری ان کا مقدر ہو گئی۔ اسپین میں مسلمانوں کا عروج اور زوال، ہندوستان میں مسلمان، سلاطین کی سرپلندی اور ہستی اور عربوں کی اسرائیلیوں سے فتح اور قلت کار از اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے۔

آج پاکستان کی قوم بھی تہذیب اور کلچر کے نام پر سینما، وی سی آر اور ڈش پر پاکستانی اور ہندوستانی فلموں کے دیکھنے کے دفر شوق میں مبتلا ہے اور میوزک کے شور میں ڈوبی ہوئی ہے اور فلموں میں جو فحاشی اور نیم عریاں تہذیب دکھائی جاتی ہے اس کو علمی زندگی میں آرٹ اور فیشن کے نام پر فروغ دے رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر نوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عسکری تاریخ کی بدترین مثال قائم کی۔

جہاد کے مباح ہونے کی شرائط

جملو کے مباح ہونے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ دشمن دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ

نہ ہو۔

۲۔ مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گا۔ اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیے کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سلطان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خود کشی کے مترادف ہے۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۸۸)

جہاد کے وجوب کی شرائط

جہاد کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں: (۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) آزاد ہونا (۵) مرد ہونا (۶) معذور نہ

ہونا (۷) ضروریات کا خرچ موجود ہونا

اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ کافر جنگ میں اٹھو نہیں کیا جاسکتا۔ عقل کی شرط اس لیے ہے کہ مجنون جہاد نہیں کر سکتا اور بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ کمزور ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو میں نے اپنے آپ کو جنگ احد کے لیے پیش کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ نیا پیچھا آزاد شخص سے اسلام اور جہاد کی بیعت لیتے تھے اور غلام سے صرف اسلام کی بیعت لیتے تھے جہاد کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ اور مرد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہے اور وہ حج اور عمو ہے۔ غیر معذور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اندھا، لنگڑا اور بیمار نہ ہو اور یہ اس لیے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَبَسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ (الفتح: ۷۱) (جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور خرچ موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَبَسَ عَلَى الْقُعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْصِيِّ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبة: ۹)

(جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو زاد و اول (خرچ) نہیں پاتے جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کر لی ہو۔

اگر جہاد مسافت قصر سے کم پر ہو تو مدت جہاد میں اہل و عیال کا خرچ ضروری ہے اور ہتھیاروں کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر جہاد مسافت قصر پر ہو تو اس کے ساتھ ساتھ سواری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا آتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَبْتُهُمْ نَفِيضٌ مِنَ الدَّمِيعِ حَرًّا لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُونَ (التوبة: ۹)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں (جہاد کے لیے) سواری دیں تو آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو وہ اس حال میں واپس چلے گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کیونکہ ان کو یہ رنج تھا کہ ان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہے۔ (المنہج ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

مال غنیمت کی تقسیم کی تفصیل اور جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جب امام کسی شر کو صلح سے فتح کرے تو اس شر کی زمین اپنے محل پر رہے گی (عشری ہو تو عشری اور خراجی ہو تو خراجی) اور زمین ان کی ملکیت میں باقی رہے گی اور اگر وہ کسی شر کو جنگ سے فتح کرے تو اگر امام چاہے تو وہاں کی زمین اور اسواں سے فسخ نکالنے کے بعد اس کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو غلام بنالے اور اگر چاہے تو وہاں کے رہنے والوں کو اس زمین پر برقرار رکھے اور ان کے افراد پر جزیہ مقرر کرے اور ان کی زمین سے خراج وصول کرے۔ پہلی صورت اولیٰ ہے جبکہ مال غنیمت کی ضرورت ہو۔ اور اگر چاہے تو وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکل دے اور وہاں کسی اور قوم کو آباد کرے اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کرے (علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام کے اس اختیار پر یہ اعتراض ہے کہ یہ اجماع صحابہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے مضافات کی زمین لشکر میں تقسیم نہیں کی تھی اور نہ اس سے فسخ نکالا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو کچھ کیا تھا اس موقع پر وہی مناسب تھا۔ اور یہ لازمی امر نہیں تھا کیونکہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ جو طریقہ مناسب سمجھے اس پر عمل کرے) یہ حکم اس وقت ہے جب اس شر کے رہنے والے کافر ہوں اور اگر وہ مسلمان ہوں تو وہ زمین صرف عشری ہوگی۔ اگر قیدی مسلمان نہ ہوں تو امام چاہے تو ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے اور اگر چاہے تو ان کو زبی بنالے اور خواہ وہ مسلمان ہو گئے ہوں ان کو بلا عوض چھوڑنا حرام ہے کیونکہ ان کے ساتھ غنائم (مال لشکر) کا حق متعلق ہے۔ امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ
حَتَّىٰ إِذَا أَنتَحَضْتُمُوهُمْ فَسُدُّوا أَلْوَانَكُمْ
فَإِذَا تَمَاتَا فِئْتَمَتَا بِعُذَّةِ اللَّهِ الْحَرْبِ أُوْرَّاهَا
(محمد: ۴)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مار دو
یہاں تک کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو ان قیدیوں
کو مضبوطی سے باندھ لو پھر خواہ احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا
ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے اختصار
رکھ دے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم سورہ توبہ کی اس آیت سے منسوخ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْكَرِينَ كَيْفَ حَبِطَتْ أَعْيُنُهُمْ
(التوبہ: ۵)

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔

اور جنگ ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لینا حرام ہے اور جنگ ختم ہونے سے پہلے مالی فدیہ لینا جائز ہے (یعنی مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنا اور مسلم قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے (دور) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کی بھی زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنا جائز ہے اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو

چھوڑنا جائز نہیں ہے اسی طرح سیرکبیر میں مذکور ہے۔ امام محمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر کافر بہت بوڑھا ہو اور اس کی نسل کا بڑھنا متوقع نہ ہو اسی طرح الاختیار میں مذکور ہے۔ اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ الحیضہ میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔ السیر الکبیر میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا جائز ہونا زیادہ ظاہر روایت ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلہ میں دو مسلمان چھڑائے جو کہ مکہ میں قید تھے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) میں کہتا ہوں کہ ہم اسی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ فقہ کے متون میں جو یہ لکھا ہے کہ مالی فدیہ کے بدلہ میں مشرکین کو چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال کی ضرورت نہ ہو لیکن جب ان کو مال کی ضرورت ہو تو مشرکین کو مالی فدیہ کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں مالی فدیہ کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا) اسی طرح مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی نے السیر الکبیر کا جو حوالہ دیا ہے اس کی شرح میں شمس الائمہ اسرخی الخنئی متوفی ۸۳۸ھ لکھتے ہیں امام محمد شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے فرمایا مشرکین قیدیوں کے بدلہ میں ان مسلمان قیدیوں کو چھڑانا جائز ہے جو کفار کی قید میں ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اس کی شرح میں علامہ سرخی فرماتے ہیں۔

یہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ظاہر روایت ہے۔ اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ قیدی کے بدلہ میں قیدی کو چھڑانا جائز نہیں ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کو مشرکین کی قید سے چھڑانا واجب ہے اور یہ مطلوب صرف ان کے قیدی چھوڑنے سے حاصل ہو گا اور یہ مشرکین کے قتل کو ترک کرنے سے زیادہ برا نہیں ہے اور مسلمانوں کی منفعت کے لیے یہ جائز ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ امام کے لیے مشرک قیدیوں کو غلام بنانا جائز ہے اور مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کا نفع ان کے قیدیوں کو غلام بنانے سے زیادہ ہے اور ہمارے اس قول کی تائید حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عقیل کے ایک مشرک قیدی کے بدلہ میں دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔

(شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۱۵۸۷ مطبوعہ المکتب الحزبی الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق احادیث علامہ ابن حنبل اور علامہ سرخی نے مشرک قیدی کے بدلہ میں مسلمان قیدی کے چھڑانے کی جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو حنیفہ کا حلیف تھا۔ حنیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عصباء او ثنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے اور انہیں کہہ دیا کہ وہ شخص بندھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا اے محمد (ﷺ) آپ نے اس سے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا تاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ (یعنی عصباء) اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے اس کی بات کو عقیم گردانتے ہوئے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف حنیفہ

کے بدلہ میں پکڑا ہے۔ پھر آپ چلے گئے اس نے پکار کر کہا یا محمد (ﷺ) رسول اللہ ﷺ میراں اور رقیی القلب تھے آپ اس کے پاس لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ اس وقت کہتا جب تجھے اپنے معاملہ کا اختیار تھا (یعنی گرفتار ہونے سے پہلے) تو تو کھل طور پر کامیاب ہوتا۔ آپ پھر چل دیے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھلائیے اور میں پیاسا ہوں مجھے کچھ پلائیے۔ (آپ نے اس کو کوئی چیز دے کر فرمایا) یہ لو اپنی حاجت پوری کرو۔ پھر اس کو ان دو شخصوں کے عوض چھوڑ دیا گیا۔ (جن کو حقیقت نے گرفتار کیا تھا)

(صحیح مسلم ابوداؤد رقم الحديث: ۲۲۱۷ سنن الترمذی رقم الحديث: ۵۷۵ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحديث: ۲۲۱۷ سند حمیدی رقم الحديث: ۸۲۹ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۲۸۵۹ مصنف عبدالرزاق رقم الحديث: ۳۳۵۵ المستقی رقم الحديث: ۳۳۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۲ دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۸۸ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۸۰ رقم الحديث: ۳۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے ساتھ جملہ کیا۔ اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا۔ جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا ہم رات کے آخری حصہ میں اترے۔ پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا اور (ان کے) پانی پر پہنچے اور اس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا۔ میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے حیر کو دیکھا تو وہ سب ٹھہر گئے۔ میں ان سب کو گھیر کر لے آیا۔ ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چڑے کی کھل کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دھیرہ تھی۔ میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لے آیا، حضرت ابو بکر نے وہ لڑکی مجھ کو انعام میں دے دی۔ ہم عینہ میں پہنچے۔ ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے اتارے بھی نہ تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے بہہ کر دو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس نہیں اتارا ہے، اگلے دن پھر میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے بہہ کر دو تمہارا باپ سے اچھا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کا لباس تک نہیں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں مکہ کے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔

(صحیح مسلم ابوداؤد رقم الحديث: ۲۲۱۷ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۲۸۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۸۵۹ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۲۸۶۰ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۰ المعجم الکبیر رقم الحديث: ۳۳۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۲) نبی ﷺ نے مشرک قیدی کو بلا معوضہ احسن بھی آڑو فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور وہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا اے محمد (ﷺ) خیر ہے۔ اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان کریں

گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حتیٰ کہ اگلے روز پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میری وہی رائے ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا اور غسل کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله۔

اے محمد (ﷺ) بخدا پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ پسندیدہ کوئی چہرہ نہیں تھا اور اب آپ کا چہرہ انور مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا پہلے میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین پسندیدہ نہ تھا اور اب مجھے آپ کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا پہلے میرے نزدیک آپ کے شر سے زیادہ کوئی شر پسندیدہ نہ تھا اور اب آپ کا شر مجھے تمام شرور سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا اور آٹھ ایک میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ کہہ پہنچے تو کسی شخص نے ان سے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، لیکن میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور سن لو خدا کی قسم اب تمہارے پاس اس وقت تک بلکہ سے گندم کا کوئی دانہ نہیں پہنچے گا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں۔

(صحیح مسلم، الملوک ۵۸، (۷۷۳) صحیح البخاری رقم الحديث ۳۲۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحديث ۱۷۷۷)

نیز رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے کئی قیدیوں کو احساناً چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک قیدی ابو العاص بن ابی الریح تھے۔ چنانچہ امام ابن اسحاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے قیدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کو چھڑانے کے لیے قیدیہ بھیجا اور اس قیدیہ میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جیز میں رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو اپنے قیدی کو زینب کی خاطر چھوڑ دو اور زینب کا دیا ہوا فدیہ واپس کر دو۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیں سو انہوں نے حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۷۷۷ المستدرک ج ۲ ص ۲۳ مسند احمد ج ۶ ص ۷۷ السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۳ مطبوعہ

دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مطلب بن مطلب کو بھی بلا عوض احسان کر کے چھوڑ دیا۔ مطلب بن مطلب کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص کی کئی بیٹیاں تھیں اور

وہ محتاج تھا آپ نے اس کو بھی بلا عوض چھوڑ دیا۔ اس کا نام ابو عزنہ الجمحی تھا۔ آپ نے اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرح میں کئی اشعار کہے۔ پھر وہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ گرفتار ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۲ ص ۲۷۱-۲۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا:

اگر مطعم بن عدی زندہ ہو تا اور مجھ سے ان بدو زوہ (بدر کے قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں ان سب کو چھوڑ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۸۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:

۲۱۶، سنن کبریٰ لمیثقی ج ۹ ص ۱۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۵۰۸، ۱۵۰۷، ۱۵۰۶)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے پر صاحب ہدایہ کے اعتراض کا جواب

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں:

مصنف (صاحب ہدایہ) نے یہ کہا ہے کہ ان تمام واقعات کا حکم سورہ توبہ کی آیت اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ قُتِلُوا کہیں "مشرکین کو قتل کرو" سے منسوخ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بدر کے یہ واقعات سورہ توبہ نازل ہونے سے پہلے کے ہیں لیکن مصنف کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ قُتِلُوا کہیں مشرکین کو قتل کرو کا یہ حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے۔ اگر ان کو قتل کرنا ضروری ہو تا تو ان کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے اور یہ کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بلا معاوضہ احساناً چھوڑ دینا فدیہ لے کر چھوڑ دینا بھی غیر منسوخ اور محکم ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا لازمی اور حتمی حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہ امیر کی رائے اور صواب دید پر موقوف ہے اور اس کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ پہلے دنیا میں عام جنگی چلن یہی تھا کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیتی تھی۔ اس لیے اسلام نے بھی یہ اجازت دی کہ اگر کوئی قوم مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بناتی ہے تو مسلمان بھی اس قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیں۔ کیونکہ:

وَجَرَآءٌ سَيِّئَةٌ سَيِّئَةٌ تَشْلُهَا (الشوری: ۳۰) اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

لیکن اب جبکہ دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام نہیں بناتی تو اب کسی مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے اب جنگی قیدیوں کو فامامسا بعد و امافداء کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ کے احساناً اور امتناناً چھوڑ دینا چاہیے اور چونکہ اسلام انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا داعی ہے اور عدل و احسان کا نقیب ہے اور حسن عمل اور کار خیر میں کافروں سے آگے ہے اس لیے یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ جب فرق مخالف جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا و انہیں رکھنا تو مسلمانوں کے لیے بدرجہ اولیٰ ان کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلے سے بنائے لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق احکام تو

بیان کیے گئے ہیں لیکن جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کس ہدایت نہیں دی۔ اس کے برخلاف ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے جنگی چلن کے مطابق جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بھی بنایا تھا لیکن آپ نے بدر کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر کے حسن عمل کی مثل قائم کی بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا اور بعض کو بلا فدیہ رہا کیا اور ”فاما ما بعد واما فداء“ پر پورا پورا عمل کیا۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا رخصت پر عمل ہے اور ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا عزیمت پر عمل ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَحَرَّاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّمَّا يَنْفُلُهَا فَمَنْ عَفَا
وَأَصْلَحَ فَاجْرُهُ عَمَّا آلَتْهُ (النسوری: ۳۰)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے، پھر جو بخش دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم ہوتا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا کر حراء، سیئۃ سیئۃ منفلہا پر عمل کیا اور آزاد کر کے عفو و اصلاح پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے سے انکار کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بلا آخر نور رسالت ان پر غالب آگیا اور سواد عراق کے جنگی قیدیوں کو انہوں نے قتل کیا نہ لونڈی اور غلام بنایا بلکہ ان سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ قرار دیا اور اس واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ بنانا جائز ہے۔

علامہ کمال الدین ابن حمام متوفی ۸۶۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر مسلمانوں کا امیر چاہے تو جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دے اور انہیں ذی بنادے جیسا کہ حضرت عمر نے سواد عراق کے جنگی قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ (فتح القدر ج ۵، ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں حضرت عمر کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے سواد عراق والوں سے کیا تھا۔ اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ قتل کو ترک کرنے کا اختیار ثابت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اختیار اس آیت کے خلاف ہے فاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ”تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو“ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ مستثنیٰ اہل ذمہ اور عورتوں وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ لہذا امتنازع فیہ (یعنی جنگی قیدی) بھی حضرت عمر کے اس فعل کے سبب اس آیت کے اس عموم سے خاص کیے جائیں گے۔

(۱) لکھنا یہ مع فتح القدر ج ۵، ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھرا

ان دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا اس زمانہ کے مخصوص حالات کی بناء پر معمول تھا اور بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا طریقہ متروک ہو چکا ہے بلکہ سرے سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا اب معیوب سمجھا جاتا ہے تو اب جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے جواز کو اسلام کے ساتھ نتھی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسلام نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ اس کے جواز کو فقہاء نے بعض جزوی واقعات سے مستنبط کیا ہے اور یہ واقعات اخبار اعلیٰ سے ثابت ہیں جو زیادہ سے زیادہ غنیت کا قاعدہ دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا قرآن مجید کا حکم قطعی

ہے اور بعض جزوی اور ظنی واقعات کی بنا پر قرآن مجید کی نص قطعی کو ترک کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا عقل اور اصول کے خلاف ہے۔ جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کیا ہے تو انہی احادیث پر عمل کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے صریح حکم کے مطابق ہیں اور جو احادیث اس حکم کے خلاف ہیں ان کی توجیہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اب جبکہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی وجہ باقی نہیں رہی اس لیے اب اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے بارے میں صرف ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ
حَتَّىٰ إِذَا انْخَسَمْتُمْهُمْ فَاقْتُلُوا الْمُؤَنَاقَ قَائِمًا
مَّتَّابِعِدُوا فَمَا لَكُمْ لَأَنْتُمْ تَنْصَحَ الْحَرْبَ أَوْ رَاقِبًا
ذَٰلِكُمْ وَلَوْ بِخَشَاءِ اللَّهِ لَآتَيْنَاكُمْ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيهِمْ أَنِ مَبْعُوثٌ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پسلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے پانچ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دیا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے تا آنکہ جنگ اپنے جھجھکیاں ڈال دے یہی (اللہ کا حکم) ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کافروں سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس طریقہ کی وجہ یہ ہے کہ) وہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہو تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ (الانفال: ۶۱)

اس سے پہلی آیت میں دشمن کو مرحوب کرنے کے لیے اسلحہ مہیا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح قبول کرلو۔

دشمن سے صلح کرنے کا حکم آیا منسوخ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ مرزا شافعی متونی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قلہ نے کہا یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہے:

أَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

تم مشرکین کو قتل کر دو انہیں جہاں بھی پاؤ۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ (التوبہ: ۲۹)

جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان سے قتال کرو۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے لیکن یہ آیت صلح کے حکم کو مستثنیٰ ہے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بہتری ہو۔ اور جب مسلمانوں کے امیر کی رائے یہ ہو کہ ان سے صلح کی جائے تو پورے ایک سال صلح نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر مشرکین کی قوت زیادہ ہو تو دس سال تک بھی ان سے صلح کرنا جائز ہے۔ اور اس مدت سے زیادہ تک صلح کرنی جائز نہیں ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے کیونکہ آپ نے ان سے دس سال کی مدت تک کے لیے صلح کی تھی پھر انہوں نے مدت پوری ہونے سے پہلے مدد ظنی کی۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

دشمن سے صلح کرنے یا صلح نہ کرنے کے الگ الگ محمل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اصل جزیہ سے جزیہ قبول کر لیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کفار سے صلح کی اور ان کے بعد بہت سے ائمہ نے بلاد عجم کے کفار سے صلح کی۔ ان سے جزیہ قبول کیا اور ان کو ان کے محل پر چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ ان کو جزیہ سے اکھاڑنے پر قادر تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بہت سے کافر مشرکوں سے کچھ مال کی ادائیگی پر صلح کی۔ ان میں سے خیر بھی ہے۔ آپ نے خیر کو فتح کرنے کے بعد وہ زمین ان لوگوں کے حوالہ اس شرط پر کر دی کہ وہ اس زمین کی پیداوار کا نصف آپ کو لو اکریں گے۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے جو قرآنہ مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا تھا اور مشرکین سے کچھ قبول نہیں کیا جاتا (جزیہ صرف اہل کتاب سے قبول کیا جاتا ہے) ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر دشمن آپ کو صلح کی دعوت دے تو آپ اس کو قبول کر لیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اگر صلح کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور منفعت ہو یا وہ صلح کے ذریعہ کسی ضرر کو دور کر سکتے ہوں یا وہ صلح کرنے کے محتاج ہوں تو اگر وہ خود ابتداء صلح کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیر سے چند شرائط پر صلح کی اور بعد میں خود انہوں نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ نے انصاری "اکیدر" دومہ اور اہل بخران سے صلح کی اور دس سال کی مدت کے لیے قریش سے صلح کی پھر قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ صلح کرتے رہے۔

اور اگر مسلمانوں کے پاس قوت اور بہت بڑا لشکر ہو اور وہ غالب ہوں تو پھر ان کو صلح نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ
الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ
(۱۳۵) (محمد: ۳۵)

جنگ احزاب کے دن عینہ بن حنف فزادی اور عاتث بن عوف المزی آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھ غطفان کو لے کر چلے جاؤ اور قریش کو ان کے منصوبہ میں رسوا کر دو ہم تم کو مدینہ کی تہلکی بھجوریں دیں گے اور تم اپنی قوم کے ساتھ یمن سے چلے جاؤ۔ یہ صرف بات چیت تھی ابھی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہ اس پر راضی ہیں تو پھر آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبلہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ کو یہ معاہدہ پسند ہو تو ہم اس کو قبول کر لیتے ہیں یا اگر آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں یا آپ یہ معاہدہ صرف ہماری خاطر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ میں یہ معاہدہ تمہاری خاطر کر رہا ہوں کیونکہ تمام عرب جمع ہو کر تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تب حضرت سعد بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! ہم اور یہ لوگ پہلے مشرک تھے اور بت پرستی کرتے تھے۔ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اس کو پہچانتے تھے اس وقت بھی ان لوگوں نے ہم سے یہ توقع نہیں رکھی کہ وہ ہم سے مدینہ کی کوئی بھجور حاصل کر لیں گے وہ ہم سے بھجوریں خریدتے تھے یا ہم ان کو بہ طور مصالحتی کھلا دیتے تھے اور اب جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت دی ہے اور ہم کو ہدایت دی ہے تو کیا اب ہم ان کو اپنے اموال دے دیں گے۔ خدا کی قسم! ہم ان کو تلواریں کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا ہے اور عینہ اور عاتث سے فرمایا تم دونوں واپس

جاؤ ہمارے پاس صرف تگوار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۹۹-۳۹۷، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کمزور ہوں اور دشمن غالب ہو تو وہ دشمن کو مل دے کر بھی صلح کر سکتے ہیں اور اگر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو وہ مل لے کر بھی صلح کر سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال کی اس آیت کا تقاضا ہے اور اگر مسلمان طاقتور ہوں اور ان کے پاس بہت اسلحہ اور بہت زیادہ افرادی قوت ہو تو پھر دشمن سے صلح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت ۳۵ کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو بے شک آپ کو اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی جماعت سے آپ کی تائید فرمائی (الانفال: ۷۳) دشمن کی نیت فاسد ہونے کے باوجود صلح کا جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔ (الانفال: ۷۴) اور اس آیت میں صلح کے احکام میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کے لیے صلح کی پیشکش کریں تب بھی آپ بہ وقت ضرورت ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیں۔ کیونکہ احکام کا دار ظاہر ہوتا ہے اور صلح ایمان سے بڑی چیز تو نہیں ہے اور جب کوئی ایمان کا اظہار کرے خواہ دل میں کفر ہو تو اس کو قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر صلح کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر آپ کو دشمن سے خیانت کا خطرہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آیت اس پر محمول ہے جب آپ کو قوی قرائن اور علامات سے یہ معلوم اور ظاہر ہو جائے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو ان کا عہد ان کے منہ پر مار دیں، اور یہ آیت اس پر محمول ہے کہ ان کی خیانت صرف ان کے دل میں ہے اور ان کے عمل سے کوئی خیانت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ شر اور فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور فتنہ کو بھڑکانا چاہتے ہیں، بلکہ ان کے احوال سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ صلح کی درخواست پر ثابت قدم ہیں اور لڑائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ اللہ پر توکل کر کے ان سے صلح کر لیں اور اللہ کی مدد آپ کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی، اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی، بے شک وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے (الانفال: ۶۳)

اسلام کی نعمت سے عرب کے مخالف دھڑوں کا باہم شیر و شکر ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس قوم کی طرف بھیجا جس میں تعصب، حسیت اور جوش انتقام بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ اگر ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلہ کے شخص کو پھنڑ بھی مارتا تو جب تک وہ اس شخص سے بدلہ نہیں لے لیتا تھا، اس کو چین نہیں آتا تھا۔ پھر اسلام لانے کے بعد ان کی کلیا اس طرح پلٹ گئی کہ اسلام کی خاطر ایک شخص اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کو قتل کر دیتا تھا حتیٰ کہ جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے جنگ کے لیے لٹکارتا اس کے بیٹے ابو حذیفہ بن عتبہ اپنے باپ کے خلاف تگوار نکال کر مقابلہ کے لیے بڑھے لیکن نبی ﷺ نے ان کو ٹھکرایا (المغازی للہاتفی ج ۱ ص ۵۷) جنگ بدر میں حضرت ابو حذیفہ کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ اور بھائی ولید بن عتبہ تینوں جنگ کے آغاز میں ہی مارے گئے لیکن حضرت ابو حذیفہ کے صبر اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اسی طرح جذبہ جہاد سے سرشار کفار کے خلاف لڑتے رہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکر جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے

لڑنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے لٹکارا اور کہا میں عبدالرحمن بن عقیق ہوں مجھ سے کون مقابلہ کرے گا تو حضرت ابو بکر کھوار میان سے نکال کر آگے بڑھے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا اپنی ٹکوار کو میان میں رکھو اور اپنی جان سے ہمیں نفع پہنچاؤ۔ (المغازی للواقفی ج ۱ ص ۲۵۷، الاستیعاب ج ۲ ص ۳۶۸، رقم ۱۳۰۲) اور یہ سب لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہو گئے اور سب آپ کے احوال اور انصار بن گئے۔ ایک قوم یہ ہے کہ اس سے مراد اوس اور خزرج ہیں ان کے درمیان شدید خصومت تھی اور ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اسلام لانے کے بعد ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض جاتا رہا اور اس کی جگہ الفت اور محبت نے لے لی۔ اور اس شدید عداوت کو قومی محبت سے بدل دینا اور پرانی دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قدرت میں نہ تھا اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک مستحکم دلیل اور آپ کے صدق پر ایک ظاہر معجزہ تھا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے پہلے عرب قوم میں دائمی عداوت اور جنگ تھی وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور ایک دوسرے کا مل لوٹ لیتے تھے۔ لیکن جب سے وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ان کی باہمی عداوت اور دشمنی جاتی رہی اور دلوں کی سختی اور قسوت زائل ہو گئی اور اس کی جگہ ایک دوسرے سے شدید محبت اور الفت ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بن گئے۔

عارضی اور فانی محبت اور دائمی اور باقی محبت کے مبادی اور اسباب

تحقیق یہ ہے کہ محبت خیر اور کمال سے ہوتی ہے اور نفرت شر اور نقصان سے ہوتی ہے۔ پھر خیر اور کمال مادی اور جسمانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے اور جو کچھ مادی اور جسمانی چیزیں حادث اور تغیر پذیر ہوتی ہیں اس لیے مادی اور جسمانی چیزوں کے کمال اور ان کے حسن و جمل اور ان کی منفعت اور فائدہ کی وجہ سے جو محبت ہو تو جب ان چیزوں کا حسن اور کمال جاتا رہے گا اور اس کی افادیت زائل ہو جائے گی تو ان کی محبت بھی زائل ہو جائے گی۔ جو شخص کسی شخص سے اس کے حسن و جمل یا مل و دولت کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو جب اس کا حسن و جمل زائل ہو جائے گا یا اس کا مل ختم ہو جائے گا تو اس سے محبت بھی زائل ہو جائے گی۔

اس طرح خیر اور کمال مجرد اور روحانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے جیسے روحانیت، سعادت، علم و حکمت، عبادت و ریاضت، تقویٰ اور پرہیزگاری، رسول اللہ ﷺ کی صفات مبارکہ، اللہ عزوجل کی صفات قدسیہ، اس کا قرب اور اس کی توجہ، یہ دائمی اور سرمدی کمالات ہیں تو جو شخص ان کمالات کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو یہ کمال دائمی ہے اس لیے یہ محبت بھی دائمی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مادی کمال کی وجہ سے محبت عارضی اور مٹتی ہوتی ہے اور روحانی کمال کی وجہ سے محبت باقی اور دائمی ہوتی ہے۔ لوگ دنیا داروں سے جو محبت کرتے ہیں وہ ان کی دنیا زائل ہونے یا ان کے مرجانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور جو لوگ اویاء اللہ سے ان کے روحانی کمال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں وہ محبت ان کے وصل کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ لاہور میں بہت وسیع اور عریض جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کا مزار پر انوار بھی ہے۔ جہانگیر کا مقبرہ ویران پڑا رہتا ہے اور حضرت ہجویری کے مزار پر دن رات زائرین اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کا جوم رہتا ہے۔ قرآن مجید نے اس طرف اس اہمیت میں اشارہ فرمایا ہے:

الْأَجَلَاءُ يَوْمَئِذٍ يَعْتَصِمُ بِعَصِيٍّ عَذُورٍ أَلَا
الْمُتَّقِينَ (الزحرف: ۶۷)

قیامت کے دن گمراہ دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسواستقین کے۔

صحابہ کرام کی باہمی محبت کا سبب

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب دنیاوی کمال اور خیر کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے سو یہ محبت جلد زائل ہو گئی اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ کیا اور جب ان کا مطلوب اخروی سعادت ہو گئی تو ان کے دلوں کی سختی جاتی رہی اور وہ سب ایک دوسرے کے محب اور محبون ہو گئے اور یہ محبت دائمی ہے اور یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے دلوں سے ملوی چیزوں کی محبت کو نکال کر اس کی جگہ اخروی سعادت کی محبت پیدا کر دی اور عارضی محبت کو دائمی محبت سے بدل دیا۔ بے شک وہ بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین (الانفال: ۷۳)
حضرت عمر جب اسلام لائے تو مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی؟

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب کفار آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے یعنی وہ ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو اللہ کافی ہے۔ آپ دین اور دنیا کی ہر ضرورت میں صرف اس پر نظر رکھیں اور آپ کے لیے وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ یہ آیت غزوہ بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور مومنین سے مراد انصار ہیں۔ لیکن درج ذیل روایت اس کے خلاف ہے تاہم یہ روایت شدید ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ انیس مومنین اور تیس اسلام لائے تھے جب حضرت عمر اسلام لائے تو چالیس کا عدد پورا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین۔ (الانفال: ۷۳)

(المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۷۲ رقم الحدیث ۵۳۷۰ حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن بشر الکافلی ہے اور وہ کذاب راوی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۸)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اسحاق بن بشر الکافلی کے متعلق لکھتے ہیں:

ائمہ حدیث نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ علی بن مدینی نے لکھا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ امام ابن حبان نے کہا اظہار تعجب کے سوا اس کی احادیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔ امام الدار قطنی نے کہا یہ کذاب متروک ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۵ رقم ۱۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں دوسری علت یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال میں جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس کے بعد حضرت عمر نے اسلام قبول کیا تھا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد تو تراسی تھی جبکہ اس روایت میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد انیس تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کیا اور وہ بہت طاقتور اور دلیہ شخص تھے ان کی وجہ سے اور حضرت حمزہ جویشہ کی وجہ سے مسلمان قریش پر غالب آ گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود جویشہ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر تیار نہ تھے حتیٰ کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کر لیا اور جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے قریش سے جنگ کی حتیٰ کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت عمر اس وقت اسلام لائے تھے جب رسول اللہ

پھر کے اصحاب جشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۱ ص ۳۸۰-۳۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جن مسلمانوں نے جشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے کم عمر بچوں کے سوا ان کی تعداد تراسی تھی۔ اور اس میں ان کو شک ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ان میں تھے یا نہیں۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن خطابؓ بعثت کے کون سے سال میں اسلام لائے تھے اور اس وقت مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی اس میں کافی اختلاف ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی المتوفی ۲۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جشہ کی طرف ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔ امام محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بعثت نبوی کے چھٹے سال اسلام لائے تھے اور وہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال تھی۔ امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ بعثت کے پانچویں سال اسلام لائے تھے۔ امام ابو نعیم نے کہا انہوں نے حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے تین دن بعد اسلام قبول کیا۔ امام ابن سعد نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ اس وقت چالیس مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے۔ اسحاق بن بشر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس وقت ترانوے مرد اور تیس عورتیں مسلمان ہو چکے تھے پھر حضرت عمر اسلام لائے۔ (یہ نقل صحیح نہیں ہے اسحاق بن بشر نے اناطیس مردوں اور عورتوں کی روایت کی ہے سعیدی غفرلہ) شاید یہی روایت صحیح ہو کیونکہ جشہ میں تراسی مردوں اور عورتوں نے ہجرت کی تھی جیسا کہ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو ہجرتوں کے درمیان میں مسلمان ہوئے۔ پس حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اسحاق کذاب ہے۔ حدیث وضع کرتا ہے اور اس کی روایت ثقہ راویوں کی روایت سے منسلک ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

(سبل البدنی والرشاد ج ۲ ص ۳۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ شامی کو یہی مفاد ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسحاق بن بشر کالی کذاب ہے لیکن اس کی روایت وہ نہیں ہے جو انہوں نے نقل کی ہے۔ بلکہ اناطیس مسلمانوں کی تعداد کو اسی نے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے التعمیم الکبیر اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۴۲۸ھ نے بھی حضرت ابن عباس سے اناطیس کی روایت ذکر کر کے اس کو رد کیا ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۴۰۰) امام ابو الحسن الواحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسحاق بن بشر سے اناطیس کی روایت ذکر کی ہے۔ (اسباب النزول ص ۲۴ رقم الحديث ۴۸۳) خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس کا عدد پورا ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ

اے نبی! (مکہ مکرمہ) مؤمنین کو قتال پر براغیختہ کیجئے، اگر تم میں سے میں مہر کرنے والے

مِّنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں تو وہ دس پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو دس

مَائَةٍ يَغْلِبُوا الْفَاقِمِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيَّاهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

کرنے والے ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۵

إِنَّ خُفَّ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ

اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے

مِنْكُمْ مَائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ

ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسرے (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار صبر کرنے

يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ

والے ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۶

لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أُسْرَى حَتَّى يَتَخَنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ

یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں، حتیٰ کہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بھالے، تم اپنے لیے

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ كَوَّ

دینا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۷

لَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمْ فِيهَا آخِذُكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا

پہلے سے (مال غنیمت کو مٹا کر نہ لے کر) حکم کیا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوگا پس تم نے

مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾

جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں کھانا اور حلال اور طیب ہے، اور اللہ بخشنے والا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے ۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی (کرم)! سو منین کو قاتل پر راغب نہ کیجئے، اگر تم میں سے ہیں صبر کرنے

والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں

پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۵ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے، اور اسے معلوم ہے کہ

تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو کافروں پر غالب آجائیں گے اور اگر تم

میں سے ایک ہزار (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے ۵ (الانفال: ۶۶-۶۵)

مسلمانوں پر تخفیف کر کے مشکل حکم کو منسوخ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے ہیں (میر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے اور میں مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے“ تو یہ فرض کر دیا گیا کہ سو مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے ہیں (میر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے تو یہ بات مسلمانوں پر شق گزری۔ کیونکہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے تو پھر تخفیف کا حکم آ گیا کہ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں گزرواری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو میر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آجائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خوش دلی، ثابت قدمی، بہادری اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ حتیٰ کہ شروع میں مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ایک مسلمان دس دشمنوں کے مقابلہ کرے۔ پھر اللہ نے اس حکم میں تخفیف فرمادی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ فرار نہ ہوں۔ اور جب ان کا دشمن ان سے دگنا ہو تو اس کے مقابلہ میں ان کا بھاننا حرام ہے۔ یہ آیت اگرچہ صورۃً خبر ہے لیکن اس سے مراد امر ہے اور امر و جوب کا تقاضا کرتا ہے اس آیت سے امر مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بعد میں تخفیف فرمادی اور تخفیف اس کام میں ہوتی ہے جس کا حکم دیا گیا ہو خبر میں تخفیف نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو جس کام کا پہلے حکم دیا گیا تھا تخفیف کر کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

ابو مسلم خنک کا قائل نہیں ہے اس نے اس آیت کی یہ تویل کی ہے کہ اگر ان مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کا صبر ہو تو میں دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر اس درجہ کا صبر نہ ہو تو پھر ایک سو مسلمان دو سو پر غالب ہوں گے، لیکن یہ تویل درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر کی صورت میں ایک حکم دیا پھر بعد میں اس کے اندر تخفیف کر دی اور اگر پہلا حکم بدستور باقی رہے تو پھر تخفیف کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر تم میں سے ایک ہزار میر کرنے والے ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ غلبہ صرف اللہ کے اذن اور ارادہ سے ہوتا ہے اور اللہ کی تائید اور نصرت اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں اور مسلمانوں میں جنگ کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہ فرق جنگ کے ہدف اور نصب العین کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ میں اٹھنا اور بھروسے کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ کے محرک، داعی اور باعث کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔

نصب العین اور ہدف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ کافر اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو اور نہ جزا اور سزا کو ان کا جنگ سے مقصود صرف اس فانی دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے زیادہ سے زیادہ بھرہ مند ہونا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ حیات بعد الموت کے قائل

نہیں ہیں اس لیے وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس سے متفرق ہوتے ہیں اور زندگی پر زیادہ سے زیادہ حرص ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مومن اللہ کو اور روز آخرت کو مانتا ہے، حیات بعد الموت اور جزا اور سزا پر اس کا ایمان ہوتا ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر اس کو موت آجائے تو وہ شہید ہو گا اور اس کو پھر زندگی ملے گی اور رزق دیا جائے گا، اس کو دنیا کے ساتھ لگن نہیں ہو تا وہ عزم راسخ، اخلاص اور صحیح جذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں آتا ہے اس لیے وہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں کافروں کے خلاف لڑنے سے نہیں گھبراتا۔

کافر جنگ میں افرادی قوت، اسلحہ اور مادی چیزوں پر اتکا کرتا ہے۔ اور مومن کا اتکا صرف اللہ عز و جل کی اعانت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب کافر اور مومن میدان جنگ میں اترتے ہیں تو مومن کی فتح، کامیابی اور کامرانی کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔

کافر کا دل چونکہ اللہ کے نور، اس کی معرفت اور اس پر ایمان سے خالی ہوتا ہے اس لیے وہ لڑائی کے وقت کمزور اور بزدل ہوتا ہے اور مسلمان کا دل اللہ کے نور اور اس کی معرفت سے معمور ہوتا ہے اور وہ اللہ کے دین کی سر بلندی کے باعث جہاد میں شریک ہوتا ہے اس لیے وہ خوش دلی اور شرح صدر کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہا دے، تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ اگر پہلے سے (مل تحصیل کو مدلل کرنے کا) حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ (الانفال: ۶۸-۷۴)

مشکل الفاظ کے معانی

اسیری: یہ اسیر کی جمع ہے جیسے قیل کی جمع قیل ہے اور جرح کی جمع جرح ہے۔ اسیر کی جمع اساری بھی آتی ہے۔ عرب قیدی کو اسار (تسم) سے باندد دیتے تھے اس لیے قیدی کو اسیر کہتے تھے۔ بعد میں ہر گرفتار شدہ کو اسیر کہا جانے لگا خواہ اس کو باندھا گیا ہو یا نہیں۔ (التسلیہ، ج ۱، ص ۵۰)

بشخص: اشخاص کے معنی کسی چیز میں زیادتی اور مبالغہ کرنا ہے۔ حضرت زینب نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سختی اور تیز مزاجی سے کلام کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا لیس استبھا حتی انتعت علیہا پھر میں نے ان کو مسلت نہ دی حتیٰ کہ میں نے ان کو بہت زیادہ مبالغہ سے جواب دیے۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۸۳، (۲۳۲۲) ۷۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۱)

اور اس آیت میں اس کا معنی ہے کفار کو قتل کرنے اور ان کا خون بہانے میں مبالغہ کرنا۔ (التسلیہ، ج ۱، ص ۲۰۳)

بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث کے آخر میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ اپنی قوم کا خیال فرمائیں، ان سے نہ یہ لے لیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو قتل کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں متفق ہو جاؤ تو میں تم سے اختلاف نہ کرتا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا۔ تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہائے۔ (الانفال: ۷۴)

(المعجم الکبیر ج ۱۱، ص ۳۳۸-۳۳۷، رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴، المستدرک ج ۲، ص ۲۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶، رقم

الحدیث: ۳۳۲۵۰)

امام مسلم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کافروں کو گرفتار کیا، جب انہوں نے ان کو قید کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ آپ کے ہم زاد ہیں اور آپ کے قبیلہ کے لوگ ہیں میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی، امید ہے ان کو اللہ اسلام کی ہدایت دے دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے اے ابن الخطاب! انہوں نے کہا: ہمیں خدا کی قسم ایسا رسول اللہ امیری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم ان پر قدرت پا کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ علی، عقیل کی گردن اڑا دیں، اور میں فلاں کی گردن اڑا دوں، کیونکہ یہ کفار کے ائمہ اور منادی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف میلان فرمایا اور میری رائے کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ دوسرے دن جب میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر بیٹھے رو رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں، اگر مجھے از خود رونا آگیا تو میں روؤں گا ورنہ میں کوشش کر کے روؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اصحاب نے فدیہ کی رائے دی تھی اس کے سبب اس درخت تک ان کا عذاب آچکا تھا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں، تب یہ آیت نازل ہوئی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں کافروں کا بھی طرح خون بہائے۔ (طایبہ: ۶۹-۷۰)

(صحیح مسلم الجہاد ۵۸، ۱۷۶۳، ۳۵۰۷) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۱-۲۰۸،
مال دنیا کی طمع کی وجہ سے بعض صحابہ پر عتاب نازل ہوا نہ کہ رسول اللہ ﷺ پر فدیہ کو ترجیح دینے کی وجہ سے

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فدیہ لینے کی رائے کو ترجیح دی تھی اس پر یہ عتاب متوجہ ہوا ہے، لیکن یہ تفسیر قطعاً باطل ہے۔ یہ عتاب ان بعض صحابہ کی طرف متوجہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے جنہوں نے مال دنیاوی کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو حبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے تم اپنے لیے دنیا کامل چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور قدیم الاسلام صحابہ اور ابوبکر نے جو فدیہ لینے کی رائے دی تھی وہ آخرت کی وجہ سے دی تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کی آخرت ستور جائے گی اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو ملای اور افراوی قوت حاصل ہوگی۔ اور حدیث میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ بھی اگر نازل ہوتا تو ان ہی پر نازل ہوتا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کا رونا بھی ان ہی اصحاب پر نازل عذاب کے خوف کی وجہ سے تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے فرماتا ہے: اے مومنو! تم مشرکین سے دنیا کی متاع اور اس کی لذت کی وجہ سے فدیہ لیتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱۰، ص ۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص الحنفی المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

یہ محال ہے کہ عذاب نازل ہونے کی وعید کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہو یا اس کا تعلق فدیہ کے متعلق حضرت ابوبکر کی

رائے کو پسند کرنے سے ہو گیا کہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، آپ کا ہر قول اور فعل ابتلا و وحی سے ہوتا ہے۔
(احکام القرآن ج ۳، ص ۷۲، مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۵۸۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت جنگ بدر کے دن نبی ﷺ کے اصحاب پر عتاب کے لیے نازل ہوئی کہ تمہارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم ایسا فعل کرو جس سے یہ لازم آئے کہ نبی ﷺ نے کافروں کا زیادہ خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنالیا۔ تم دنیا کے مال کا ارادہ کرتے ہو، حالانکہ نبی ﷺ نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ جنگ کے وقت کافروں کو بقی رکھا جائے اور نہ آپ نے ہرگز دنیا کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ارادہ لڑنے والوں میں سے بعض صحابہ نے کیا تھا پس یہ ملامت اور عتاب ان کی طرف متوجہ ہے جنہوں نے متاع دنیا کی وجہ سے نبی ﷺ کو فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس کے علاوہ دوسرے معنی کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۴۰۳-۴۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لینے کو رہا کرنا کوئی پسندیدہ امر نہ تھا اور نہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا ماسکان لنہی ان یسکون لہ اسری حنی یشعس فی الارض کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی بنانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح کافروں کا خون نہ بہائے میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہا دیا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو قید کر لیا گیا تھا نبی ﷺ نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو گرفتار کیا تھا۔ دوسرے قریش میں سے جو بھور قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابو العتر، زمعہ بن الاسود، عامر بن اشام، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج کفار قریش جو جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے مارے گئے ان لوگوں کے مارے جانے سے کفار قریش کی کمر لوٹ چکی تھی۔ لہذا کفار قریش کے منادیہ سمیت ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا۔ یہ عمل اس وقت پسندیدہ اور اس آیت کے خلاف ہو تا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا گیا تو پھر آپ کا یہ عمل پسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بقی رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآٰخِرَةَ

(۱۷ مسلمانوں) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے

(الانفال: ۴۷) لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لینے کو قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مل دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی۔ دور نہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، مل دنیا کی طمع سے بری ہیں ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو۔ سو حضرت ابو بکر نے جو فدیہ لینے کو قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت کی بنا پر ہی تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا۔ لہذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

عتاب کی دوسری وجہ بلا اجازت مال غنیمت لینا ہے

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

لَوْ لَا يَكْتُفِبِ مِنَ الْوَسْبِ لَمَّا سَبَقَ لَكُمْ فَبِمَا
أَخَذْتُمْ عَذَابَ عَظِيمٍ (الانفال: ۶۸)
اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا
تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب
پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے
ممانعت نہیں کی گئی تھی پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہو سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مال غنیمت لینا حرام
تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت
نازل ہوئی۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت
حلال نہیں کیا گیا۔ آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور مال غنیمت کو کھا جاتی۔ سلیمان امش نے کہا اس بات کو اب ابو ہریرہ کے
سوا کون بیان کر سکتا ہے اور جب جنگ بدر ہوئی تو مال غنیمت کی طلت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا
شروع کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا
ہے جب تک آپ ابن میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ
حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۰۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۳۸۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحديث: ۳۸۷، المستدرک رقم
الحديث: ۱۰، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۳۸۰۶، مسند احمد ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۷، التمهید لابن عبد البر ج ۶، ص ۳۵۷، السنن الکبریٰ
للبیہقی ج ۶، ص ۲۹-۳۰)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے
اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد دہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ
ارشاد ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا وَطَيِّبًا
و اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے
(الانفال: ۶۹) اور انھیں کہ وہ حلال، طیب ہے۔

اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورہ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں
کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے
ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی۔ اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے
اور گرفتار کرنے کو پسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی
تو پھر یہی حکم نازل ہوا کہ میدان جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو پھر ان کو گرفتار کر لو اور گرفتار کرنے کے بعد ان کو فدیہ لے کر
چھوڑ دیا بلا فدیہ رہا کر دو۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اسلام ایک کمزور شلخ کی مانند تھا اور دشمنان اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم دیا اور
فدیہ لینے سے منع کیا (انی الواقع اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے سے منع نہیں کیا۔ سعیدی) اور جب مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی اور شجر
اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیں

اور اگر چاہیں تو بغیر فدیہ کے امتناعاً اور احساناً قیدیوں کو رہا کر دیں اور فرمایا فاما منابعد واما فداء۔

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۲۳ مطبوعہ بیروت)

بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کے جوابات

سورہ انفال کی ان آیات سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قید کر لیا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کیا اور ان انفال پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے یہ حکم نازل فرما چکا تھا کہ:

فَصَاصِرُ بُوَاقُوقِ الْاَعْصَاقِ وَاصِرُ بُوَاقِ مِثْمُ كَلِّ
سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر
ہتائن (الانفال: ۳)

جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

امام رازی نے ان نکات پر بڑی تیس بحث کی ہے، لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ماسکاں لنسبی ان ہسکون لہ اسری (کافروں کا اچھی طرح خون بہائے بغیر ان کو قید کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یوم بدر کو صحابہ کرام نے کافروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا اور زمین میں اچھی طرح خون بہانے کی یہ شرط نہیں ہے کہ تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے اور خون بہانے کے بعد صحابہ نے کافروں کو قید کیا تھا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے اور جب صحابہ کرام نے ایک جائز کام کیا تھا تو اس آیت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے یا معلو اللہ سرکار دو عالم ﷺ نے کوئی گنہ یا معصیت کی تھی۔ خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں خود اس فعل کا حکم دے کر اس کے جواز کو سوکھ کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:

فَاِذَا الْغِيْثُ الْاَنْزِلُ كَفَرُوْا فَصَرَّبَ الرَّقَابِ
حَتّٰى اِذَا اَنْخَنَتْهُمْ فَشَدُّوا الْوَتَاقِ
فَاِذَا مَتَّابِعُوْا فَاِذَا (محمد: ۳)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دیا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

باقی رہا یہ کہ جب یہ ایک جائز کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عتاب کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر اچھی طرح خون بہانے کی کوئی حد اور مقدار نہیں ہے اور اس کا تعین اور انضباط نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ اس قدر کثرت سے کافروں کو قتل کیا جائے کہ کفار کے دلوں پر رعب پڑے اور رعب چھا جائے تاکہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی جرأت نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حد تک کافروں کو قتل کرنا اجتہاد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ گمان فرمایا ہو کہ جس قدر کافروں کو قتل کیا جا چکا ہے ان سے یہ مقدار حاصل ہو گئی ہے اور فی الواقع وہ مقدار حاصل نہ ہوئی ہو تو یہ آپ کی اجتہادی خطا ہے کیونکہ اس حد کے سلسلہ میں کوئی نص نازل نہیں ہوئی تھی اور ہر چند کہ اجتہادی خطا بھی موجب اجر و ثواب ہوتی ہے اور اس پر مواخذہ یا ملامت نہیں ہوتی، لیکن مقربین قرب الہی کے اس درجہ پر نازل ہوتے ہیں کہ نیکو کاروں کی نیکیاں بھی ان کے ہاں برائی کے حکم میں ہوتی ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے ازراہ لطف و محبت بطور تعریض فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قیدی بنالے۔ صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ

تھیں ان کو قیدی بنانا نہیں چاہیے تھا یا تمہارا یہ اقدام غلط تھا بلکہ تعریض اور کنایہ سے کام لے کر نبی ﷺ کی شان کی عظمت اور مرتبہ کی رفعت کو ظاہر فرمایا کہ ایسے مواقع پر صراحت کو چھوڑ کر انہیں کے لیے تعریض اور کنایہ سے کام لیا جاتا ہے جن کا مرتبہ بلند اور پایہ اونچا ہوا

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معرکہ بدر کے متعلق ہے فاضربوا فوق الاعناق واضربوا
مہم کل بنان (الانفال: ۳) سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اور جب نبی ﷺ نے تمام کافروں کو قتل نہیں کیا اور ستر کافروں کو قید کر لیا تو اس حکم کی مخالفت ہوئی۔ اس کا نام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو ہتھیار کفار کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا یہ مطلب صحابہ کو تھا اور جب انہوں نے سب کافروں کو قتل کرنے کی بجائے بعض کافروں کو گرفتار کر لیا تو یہ حکم بدولت ان صحابہ سے ہوئی نبی ﷺ نے ان کو گرفتار کیا تھا نہ گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا نہ آپ کو شروع میں اس کا علم ہوا۔ جب صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا تب آپ کو علم ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب آپ کو علم ہو گیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ کافروں کے قتل کا حکم دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے یعنی حالت جنگ میں کفار کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا رہا کیا جائے۔ اگر حالت جنگ کے بعد بھی ان کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو آپ اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۴۵-۵۴۶ مطبوعہ بیروت)

اس سوال کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ستر کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمام کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لہذا جب صحابہ کرام نے ستر کافروں کو قتل کر دیا تو اس آیت کے حکم پر عمل ہو گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور گرفتار کرنے سے منع نہیں کیا تھا اس لیے اگر صحابہ نے بعض کافروں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تو اس میں انہوں نے کوئی حکم بدولت اور گناہ نہیں کیا اور جب کہ بعد میں وہ کافر اسلام لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد میں خود جنگ کے بعد کافروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ اقدام عین فناء الہی کے مطابق تھا۔ واللہ
الحمد علی ذلک۔

مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے سلسلے میں ہم نے بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کی تفصیل اور اس پر اعتراضات اور جوابات کو بیان کیا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا حلال اور لازماً نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ آزاد کر دینا ہے اور قرآن مجید کی بھی یہی ہدایت ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت فاما منابعد واما فداء سے واضح ہے اور بعض فقہاء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت فاقتلوا المشرکین حبث وحدثموہم (توبہ: ۵) سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو سے منسوخ ہے۔ کیونکہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم حالت جنگ پر محمول ہے یعنی حالت جنگ میں مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اگر یہ حکم عام ہوتا یعنی جنگ ہو یا امن ہر حال میں مشرکین کو قتل کر دو تو مستامن اور اہل ذمہ کو بھی قتل کرنا واجب اور ضروری ہوتا۔ حالانکہ تمام فقہاء نے مستامن اور ذمیوں کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ مستامنوں کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَعَارَكَ

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو

بہان القرآن

جلد چہارم

فَاجْرُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَنْتَ عَلَيْهِمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (التوبہ: ۲۹)
 اس کو پتا دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے
 اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ
 علم نہیں رکھتے۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پتا لور امن حاصل کر کے دارالاسلام میں
 داخل ہوں۔ اور اللہ ذمہ کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
 الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا
 يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ
 (التوبہ: ۲۹)
 اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ پر
 اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے
 رسول نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین
 حق کو نہیں اپناتے (ان سے اس وقت تک جنگ کرو) جب تک
 کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر (یعنی
 مسلمانوں کے تابع بن کر رہیں۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جو جزیہ ادا کریں اور مسلمانوں کی حکومت
 تسلیم کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے تحت زندگی گزاریں۔

جس طرح مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے قرآن مجید نے مسلمانوں اور زمینوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح اس حکم سے
 جنگی قیدیوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور اس استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

فَإِذَا كُفِبْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَصَرْبُ الرِّقَابِ
 حَتَّىٰ إِذَا أَتَّخَفْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا
 مَنًّا مَّعْدُودًا وَإِمَّا بَيْعًا حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا
 (محمّد: ۴)
 موجب قتل انکار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی
 گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو
 مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض
 ان پر احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں
 آزاد کر دو تا آنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اور اس آیت کی رو سے جنگی قیدی، مشرکین کو قتل کرنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں لہذا فاقتلوا المشرکین
 حیث وجدتموہم (التوبہ: ۵) ”جو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو“ اور واقتلوہم حیث ثقتتموہم
 (النساء: ۹۱) ”تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو“ حرب اور جنگ کی حالت پر محمول ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن جریر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت
 کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلے میں دو مسلمانوں کا فدیہ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۸۹، مطبوعہ کراچی) نیز امام
 مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی قیادت میں ایک لشکر جنگ کے لیے گیا۔ حضرت ابو بکر نے حضرت سلمہ کو ایک
 مشرک عورت بطور ہندی انعام میں دی رسول اللہ ﷺ نے وہ عورت حضرت سلمہ سے واپس لے لی اور اس کو فدیہ میں دے
 کر ان مسلمانوں کو چھڑایا جو مکہ میں کفار کی قید میں تھے۔

(صحیح مسلم ج ۲، ص ۸۹، مطبوعہ کراچی) ان حدیثوں میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی دلیل ہے (سعیدی)
 علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ مشرکین کو بالعموم قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ہمسوا میں ہے کیونکہ

ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی قتل کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(روح المعانی، ج ۲۶، ص ۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر پہلے سے مال غنیمت کو حلال کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا۔ پس تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (الانفال: ۶۹-۷۸)

بدر میں بلا اذن مال غنیمت لینے کے باوجود عذاب نہ آنے کا سبب کیا تھا؟

اس کا سبب مذکور ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔ آسمان سے ایک آگ نازل ہو کر مال غنیمت کو کھا جاتی تھی اور جب جنگ بدر کا دن تھا تو مسلمان مال غنیمت کے حلال ہونے کے حکم کے نزول سے پہلے مال غنیمت اٹھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اگر پہلے سے (یہ حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا۔ (الانفال: ۷۸)

امام ابو یحییٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۳۸۸-۳۸۷، طبع کراچی، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۰۹)

المستدرک رقم الحدیث: ۱۰۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۸۰۶، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲، ص ۲۹۰-۲۹۱، تصحیح ابی عبد البر ج ۶، ص ۳۵۷)

امام رازی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحابہ کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر منع نہیں کیا گیا تھا تو پھر نزول عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر ان کو اس سے پہلے مال غنیمت لینے سے منع کیا گیا تھا تو پھر ان کا مال غنیمت لینا فعل حرام قرار پایا اور اگر یہ کہیں کہ چونکہ منقریب مال غنیمت حلال ہونے والا تھا اس وجہ سے ان کا یہ کام تخفیف عتاب کا موجب ہے تو ہم کہیں گے پھر انہیں نزول عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ان کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع نہیں کیا گیا تھا لیکن ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کا بلا اجازت مال غنیمت لینا ان کے حق میں نزول عذاب کا باعث تھا کیونکہ جس کا مرتبہ جس قدر بلند ہو اس پر گرفت اتنی سخت ہوتی ہے اور چونکہ لوح محفوظ میں پہلے سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اس امت پر مال غنیمت حلال ہے اس وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں ہوا اور ان کو صرف ملامت کرنے پر اکتفا کی گئی۔

عذاب نہ آنے کا دوسرا سبب اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوح محفوظ میں پہلے سے اہل بدر کی معافی کا حکم لکھا ہوا ہے اگر یہ حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا۔ اہل بدر کی معافی پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے خلیفہ طور پر نبی ﷺ کے بعض جنگی اقدار کی کفار مکہ کو خبر دیا چاہی جب نبی ﷺ نے ان کا وہ خط پکڑ لیا اور ان سے یہ خط لکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اہل مکہ کا حلیف تھا میں چاہتا تھا کہ ان پر کوئی احسان کر کے وہاں اپنے قرابت داروں کی حفاظت کروں۔ میں نے یہ کلام کفر اور تدوین غلطی کی وجہ سے نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا

یہ بدر میں حاضر ہوا ہے اور ہمیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر پر متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۷ (۲۳۴۳) ۷۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۵۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۱، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۷۵۸۵)

امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ بدری صحابہ کو کفر کرنے، زنا کرنے اور شراب پینے سے نہیں منع کیا گیا اور ان پر بے کاموں کے ارتکاب پر ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا، نیز اگر اس حدیث کو مان لیا جائے کہ بدری صحابہ جو چاہیں کریں تو یہ اس کو مستلزم ہو گا کہ ان سے احکام شریعہ کا مکلف ہو، اسلئے اس کا کوئی عاقل قول نہیں کر سکتا۔ نیز اگر ان کو ہر کام کرنے کی اجازت اور رخصت ہے تو پھر بلا اجازت مال غنیمت لینے کی وجہ سے ان پر عتاب کیوں آیا اور طاعت کیوں کی گئی اور ان کے لیے اس درخت تک عذاب کیوں آجھڑا تھا؟

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)
امام رازی کی بہت بڑی علمی شخصیت ہے اور میں ان کی گرو راہ کے بھی براہ نہیں ہوں تاہم امام رازی کے اس اشکل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدری صحابہ کو قتل دی گئی ہے کہ وہ اپنی مغفرت کے متعلق تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کفر صلاہ ہونے نہیں دے گا اور گناہ کبیرہ سے بھی ان کو محفوظ رکھے گا اور اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو گیا تو مرنے سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا اور ان کا بلا اجازت مال غنیمت لینا اور پھر اس کے باوجود ان پر عذاب نہ آنا تو اس حدیث کے موید اور موافق ہے کیونکہ درخت تک عذاب آنے کے باوجود ان پر اسی لیے عذاب نہیں آیا کہ وہ بدری صحابہ تھے اور لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بدری صحابہ مغفور ہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کو طاعت کیوں کی گئی اور عتاب کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عتاب ہونا آخرت میں مغفرت کے مترادف نہیں ہے۔

امام رازی نے خود اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ حکم نہ کیا ہو تا کہ وہ اس واقعہ کو معاف کر دے گا تو ان کو بڑا عذاب پہنچتا اور یہ حکم اگرچہ تمام مسلمانوں کے لیے ثابت ہے لیکن اہل بدر کی عیالات بہت عظیم تھیں۔ انہوں نے اسلام کو قبول کیا اور سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت کی، بغیر ہتھیاروں اور تیاری کے کفار کے اپنے سے دشمنوں کا لشکر سے مقابلہ کیا تو یہ کما بعید نہیں کہ وہ بلا اجازت مال غنیمت لینے کے جس گناہ کے مرتکب ہوئے اور اس گناہ کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق ہوئے وہ ان کی عیالات کے ثواب کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور ان کا ثواب اس عذاب سے بہت زیادہ ہے تو اس گناہ کے معاف ہونے کی زیادہ توقع ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ پہلے دو جواب جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہیں ان پر امام رازی نے اعتراضات کیے اور ان کو مسترد کر دیا اور جو جواب اور جو تفسیر ان کی رائے پر مبنی ہے اس کو انہوں نے معتمد قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ہمارے علم کی ان کے علم کے ساتھ وہی نسبت ہو سکتی ہے جو زور کو آفتاب کے ساتھ اور قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے، اس کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک اس باب میں وہی تفسیر معتمد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر مبنی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ

لے نبی! ان قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر

اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا إِيَّاكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فقیر) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا إِخْيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ

اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور تم فرماتے والے ۝ اور اگر آپ کے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے

مِنْ قَبْلُ قَامَكُمْ مِنْهُمْ ۝ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ

خیانت کر چکے ہیں تو اللہ نے ان میں سے بھی لوگوں پر آپ کو فائدہ (غالب) کر دیا، اور اللہ بہت جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے ۝ بیشک

أَمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِلَهُمُ أَنْفُسُهُمْ فِي سَبِيلِ

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا

اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانْتَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۝

اور جن لوگوں نے (ہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ، اور

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا أَمَّا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ شَيْءٌ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی ، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے

حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں ، اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم

التَّصَرُّفِ الْأَعْلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

ہے ماسا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو

بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أِبْعَضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ

اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان میں سے بعض ، بعض کے ولی ہیں ، اگر تم ان احکام پر عمل نہیں

فَتَنَّا فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَثِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا

کر دے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور

جَهْدُ وَاِنِ سَبِيلَ اللَّهِ وَالَّذِينَ اَوْوَاوْا وَنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ

اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (ہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ برحق

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۴۵ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا

لوگوں ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے ۝ اور جو لوگ بعد میں

مِنْۢ بَعْدُ وَاٰجَزُوا وَجِهًا وَاَمَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولٰٓئِكَ

ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سودہ بھی تم میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ

میں قرابت دار (بطور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بہ شک اللہ ہر چیز کو

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۴۶

خوب جانتے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! من قیدیوں سے کہئے جو آپ کے قبضہ میں ہیں اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے ۝ (الانفال: ۷۰)

بد ر میں رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبر دینے سے متاثر ہو کر حضرت عباس کا مسلمان ہونا امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جس شخص نے عکرمہ سے سنا اس نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے (جنگ بدر میں) عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کیا وہ ابو الیسر کعب بن عمرو تھے۔ ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے ابو الیسرا تم نے اس کو کیسے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا اس محلہ میں ایک ایسے شخص نے میری مدد کی تھی جس کو میں نے اس سے پہلے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اس کی ایسی ایسی ہیئت تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد ایک کرم فرشتہ نے کی تھی۔ اور عباس سے فرمایا اے عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے پیچھے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث کاندیہ بھی دو اور اپنے خلیف عتبہ بن جعد کاندیہ بھی دو جن کا تعلق بنو الحارث بن فھر سے ہے۔ عباس نے ان کاندیہ دینے سے انکار کیا اور کہا میں اس فروہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہارے محلہ کو خوب جاننے والا ہے اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا دے گا۔ لیکن تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو سو تم اپنا فدیہ ادا کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ اس سے نہیں لوقہ سوتا (بہ طور مل غیبت) وصول کر چکے تھے۔ عباس نے کہا یا رسول اللہ! اس میں اوقیہ سونے کو میرے

فدیہ میں کاٹ لیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ وہ مال ہے جو اللہ نے ہمیں تم سے لے کر دیا ہے۔ عباس نے کہا میرے پاس اور مال تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا۔ اور تم نے یہ کہا تھا کہ اگر میں اس قسم میں کام آگیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دے، اتنا قسم کو دے اور اتنا عبد اللہ کو دے۔ تب عباس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳ طبع قدیم دار الفکر مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث ۲۳۱۰ طبع جدید دار الفکر شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ امام محمد بن اسحاق نور مکرہ کے درمیان راوی مجہول ہے، مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث ۲۳۱۰ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۲۱ھ حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی کا نام نہ کر رہے ہیں اور اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۶ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ دونوں سندیں متصل ہیں۔ طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۰۹-۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۱۸ھ طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا، حافظ ابی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ المستدرک ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الہدایہ مکرہ امام ابو نعیم الاصبہانی المتوفی ۳۴۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دلائل التبیۃ ج ۲ ص ۲۷۶ رقم الحدیث ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر المتوفی ۵۵۵ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ تنقیح تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۲۲۹-۲۳۰ علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السیسی المتوفی ۵۵۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الروض للأنف ج ۲ ص ۷۷ مطبوعہ مکتب امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو زہری اور ایک جماعت سے روایت کیا ہے، دلائل التبیۃ ج ۲ ص ۳۲-۳۳ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۵ھ نے بھی اس کا از محمد بن اسحاق از ابی یحییٰ از عطاء بن عباس ذکر کیا ہے اور یہ بھی سند متصل ہے السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۳۱۴ھ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۹ مطبوعہ لواء اللائیس بیروت ۱۳۸۵ھ علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۱۳۵۲ھ نے بھی اس کا اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے، سبل الہدی والرشاد ج ۲ ص ۶۸ مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، علامہ ابو الحسن بن محمد ہمدانی متوفی ۵۲۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، النکت والعیون ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۴ موسسہ الکتب الشافیہ بیروت امام الحسین بن مسعود القراء البغوی متوفی ۵۵۶ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں ہے میں کوئی دیکھا ہوں کہ آپ سچے ہیں لا الہ الا اللہ، بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس بات پر اللہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں تھا، معالم التریل ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۱۳ھ امام حاکم اور امام بیہقی کی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں، علامہ جلال اللہ محمود بن عمر زعفرانی متوفی ۵۵۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، الکشاف ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ اربعہ امام ابو الحسن علی بن احمد الواعظی المتوفی ۵۷۸ھ نے کلبی کی روایت سے اس کا ذکر کیا ہے، اسباب النزول ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۳۸۹ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ علامہ ابو القریح محمد بن علی جوزی متوفی ۵۵۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، زاد المسیر ج ۲ ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی ۶۷۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ علامہ عبد اللہ بن عمر بنخلوی متوفی ۷۸۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، التوکل التریل مع الکازرینی ج ۲ ص ۷۳ مطبوعہ دار الفکر

بیروت ۱۲۱ھ علامہ احمد خاکی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'ملاہ العاشی' ج ۲ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار علوم بیروت ۱۳۸۳ھ علامہ
محمد الدین مصطفیٰ قوجوی متوفی ۱۰۹۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'حاشیہ شیخ زکریا علی البیضاوی' ج ۲ ص ۳۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی
بیروت۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کا ذکر کیا ہے 'الدر المنثور' ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت علامہ علی بن محمد خازن متوفی
۷۲۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'لباب التذیل' ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعہ پشاور علامہ نظام الدین حسین بن محمد فی متوفی ۷۲۸ھ نے اس کا ذکر کیا
ہے 'غرائب القرآن' ج ۲ ص ۳۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۲۱ھ علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ نے اس کا ذکر کیا
ہے 'البحر المحیط' ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ ۱۳۳۳ھ شیخ محمد بن علی شکرانی متوفی ۸۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'فتح القدیر' ج ۳ ص ۲۲۱ مطبوعہ
دار المعرفہ بیروت شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالحل متوفی ۸۴۳ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'الفتوحات الاالیہ' ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ قدیمی کتب
خانہ کراچی علامہ سید محمود آلوسی نے اس کا ذکر کیا ہے 'روح المعانی' ج ۱۰ ص ۳۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت مفتی محمد
شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'معارف القرآن' ج ۴ ص ۲۹۰ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ شیعہ مفسرین میں
سے سید محمد حسین طباطبائی نے اس کا ذکر کیا ہے 'المیزان' ج ۹ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران شیخ فضل بن حسن طبری متوفی
۵۵۳ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'مجمع البیان' ج ۲ ص ۸۶۰ مطبوعہ طہران شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'منہج
اصولیین' ج ۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ ایران غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے 'فتح البیان' ج ۵
ص ۲۱۸-۲۱۷ مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت ۱۳۳۳ھ

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے 'لور یہ علم غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطا سے حاصل ہوا
تھا ہم نے اس کے ثبوت میں اس قدر حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر کتب فکر کے قدیم اور جدید
علماء اسلام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا علم غیب مسلم اور غیر زامی ہے۔
بدو کے قیدیوں سے جو مال غنیمت لیا گیا تھا مسلمان ہونے کے بعد ان کو اس سے زیادہ مال مل جانا
امام محمد بن اسحاق السطیبی متوفی ۱۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب کہتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ یا ایہا النبی قل لمن فی ابدیکم من الاسری
(الانفال: ۷۰) اللہ کی قسم میرے متعلق نازل ہوئی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں
نے کہا تھا کہ میرے ہیں اوقیہ (آٹھ سو درہم) جو مجھ سے لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا
انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا تھا۔
(سیرۃ امام ابن اسحاق مطبوعہ ۱۳۶۸ھ مطبوعہ معارف اسلامی ایران)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عباس بن عبد المطلب نے فرمایا یہ خدا کی آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ
ذکر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ سوال کیا کہ مجھ سے جو ہیں اوقیہ لیے گئے ہیں ان کو فدیہ کی رقم میں کٹ لیا جائے تو رسول
اللہ ﷺ نے اس کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے مجھے ان میں بیس اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی
تجارت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں میں اللہ عزوجل سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں۔

(المعجم الاوسط ج ۹ ص ۴۹ رقم الحدیث: ۸۱۰۳ مطبوعہ ریاض المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳۷ رقم الحدیث: ۱۱۳۹۸)
امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس نے فرمایا مجھ سے جو میں اوقہ لے گئے تھے اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے میں غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زمزم عطا فرمایا اور اگر مجھے زمزم کے بدلہ میں تمام اہل مکہ کا مال دیا جاتا تو وہ میں پسند نہ کرتا اور اس کے علاوہ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۵ مطبوعہ دار صادر بیروت ج ۱ ص ۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو زیادہ مال مل جاتا ہے لیکن اس آیت کا حکم تمام بدر کے قیدیوں کو شامل ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے۔ مثلاً آپ ان لوگوں سے کہئے جو آپ کے قبضہ یا آپ کی قید میں ہیں اور فرمایا جو قیدی ہیں اور فرمایا تمہارے دلوں میں اور فرمایا اللہ تمہیں اس سے زیادہ دے گا اور فرمایا جو تم سے لیا گیا تھا اور فرمایا تم کو بخش دے گا یہ سب عام الفاظ ہیں۔ اور جب خصوصیت مورد اور عموم الفاظ میں تعارض ہو تو ان الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اس آیت میں فرمایا ہے جو کچھ تم سے لیا گیا ہے وہ تم کو اس سے خیر (زیادہ اچھی چیز) دے گا اس خیر سے زیادہ مال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو مراد لیا جائے اور یہ کہ وہ کفر اور تمام بری باتوں سے توبہ کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے توبہ کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی، حال اور مستقبل، تمام زمانوں پر محیط ہے اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے۔ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کسی خیر کو جان لے گا تو تم کو اس سے زیادہ بہتر چیز عطا فرمائے گا جو تم سے بہ طور مل قیمت لیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا اس وقت علم ہوتا ہے جب وہ چیز حادث ہوتی ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے دلوں میں خیر کے جاننے کو شرط اور ان کو اس سے بہتر چیز عطا کرنے کو جزا بنایا ہے اور شرط اور جزاء کا تحقق مستقبل میں ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا جب ان کے دلوں میں خیر ہوگی تو اللہ اس کو جان لے گا۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا ظاہر تو اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں نے تقریر کی ہے لیکن جب دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا حادث ہونا محال ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہوں تو وہ کل حوادث ہو گا اور کل حوادث حادث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تدبیر اور واجب الوجود ہے اس لیے اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے۔ یعنی جب یہ معلوم (ان کے دلوں کی خیر) حادث ہو گا تو اللہ ان کو اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا جو ان سے لی گئی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۲۷۶ھ قدس سرہ العزیز نے اس آیت میں علم کا معنی علم ظہور کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کسی بھلائی کو ظاہر کر دیا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے (ند یہ) لیا گیا ہے۔

اب ہم اس آیت کے چند مزید تراجم پیش کر رہے ہیں:

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۶۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر داند خدا اور دل ہائے شائکی بدحد شمار بہتر از آنچه گرفتہ از خدا

شہادہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۷۷۱ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

اگر داند خد اور دل شامی البتہ بدھ شمار بہتر از آنچہ گرفتہ از شہد

شہد رفیع الدین متوفی ۱۷۳۳ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

اگر جانے گا اللہ بیچ دلوں تمہارے کے بھلائی دیوے کا تم کو بھلائی اس چیز سے کہ لیا گیا ہے تم سے۔

شہد عبد القادر متوفی ۱۷۳۰ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

اگر جانے اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ قدس سرہ اس آیت کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں تو اللہ

نے ان میں سے بعض لوگوں پر آپ کو قادر (مطلب) کر دیا اور اللہ بہت جاننے والا ہے حد حکمت والا ہے۔ (الانفال، ۷۱)

اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ ﷺ سے کفار کی خیانت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عباس اور ان کے اصحاب نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ آپ جو کچھ اللہ

کے پاس سے لے کر آئے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم آپ کے

متعلق اپنی قوم کو نصیحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا، آپ سے خیانت کی اور اس

قوں کے مطابق عمل نہیں کیا تو آپ افسوس نہ کریں یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کر چکے ہیں۔ انہوں نے کفر کیا،

آپ سے قتل کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

نبی ﷺ سے خیانت کرنے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ جس کو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا

ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا تو یہ آپ سے خیانت کی اور اس سے پہلے یہ اللہ کی وحدانیت

کا انکار کر کے اللہ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں۔ تیسری خیانت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے فد یہ لے کر ان کو آزاد کیا تو ان سے یہ

عہد لیا تھا کہ دوبارہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور مشرکین سے معاہدہ نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے اس عہد کی

خلاف ورزی کی اور آپ سے خیانت کی تو آپ افسوس نہ کریں یہ پہلے اللہ سے بھی عہد کر کے توڑ چکے ہیں اور اللہ سے عہد کر

کے اس کو توڑنے کی مثل ان آیتوں میں ہے:

قُلْ مَنْ يُضِيبُكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ السَّيْرِ وَالْبَحْرِ

تَدْعُوهُ تَضَرَّعًا وَخُفْيَةً لَّيْسَ أَنْتُمْ مِنْ هَدِيدٍ

لَتَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُضِيبُكُمْ

مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ نَسْتَعِثُّ أَنْتُمْ تَشِيرُونَ ۝

(الانعام ۷۳-۷۴)

آپ کہنے کہ تمہیں فطری اور سمندر کی تاریکیوں سے کون

نجات دیتا ہے جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر

اس نے ہمیں اس (مہیبت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور

شکرا ادا کرنے والوں میں سے ہوں گے ۝ آپ کہنے کہ اس

(مہیبت) سے اور ہر سختی سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر

بھی تم شرک کرتے ہو۔

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اسی کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس (منیبت) کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے شریک بنالیتا ہے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے ہٹائے آپ کہتے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھاؤ بے شک تم

دو زخموں میں سے ہو۔

وَإِذَا مَنَّ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ ذِيٍّ عَيْنٍ مُّبِينٍ
إِذَا جَازَاكَ نِعْمَةً يُسَىٰ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَىٰ
مِنْ قَبْلٍ وَجَعَلَ لِلّٰهِ إِتْدَادًا يُجِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ
قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ
النَّارِ (الرمرمہ: ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دلی ہیں اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے (الانفال: ۷۲)

عہد رسالت میں مومنین کی چار قسمیں

اس آیت (الانفال: ۷۲) میں اور اس سورت کی آخری آیت (الانفال: ۷۵) میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لانے والوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) مہاجرین اولین ان کا ذکر آیت ۷۲ کے اس حصہ میں ہے ان الذین امسوا وهاجروا وجاهدوا بائموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ (۲) انصار ان کا ذکر آیت مذکورہ کے اس حصہ میں ہے والذین امسوا وانصروا (۳) جن مومنین نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی ان کا ذکر الانفال: ۷۵ کے اس حصہ میں ہے والذین امسوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معکم (۴) وہ مومنین جنہوں نے فتح مکہ تک ہجرت نہیں کی ان کا ذکر (الانفال: ۷۲) کے اس حصہ میں ہے والذین امسوا ولم يهاجروا۔

مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر فضیلت

مہاجرین اولین نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے جہاد کیا کیونکہ جب وہ اپنے وطن کو چھوڑ آئے تو ان کے تمام مال و دولت اور ان کے مکانوں اور تجارت پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا۔ پھر انہوں نے مکہ سے ہرنے آنے کے لیے اور غزوات میں شرکت کرنے کے لیے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ کیونکہ انہوں نے بغیر ہتھیاروں اور بغیر عددی قوت اور بغیر تیاری کے فرزدہ بدر میں کفار کے خلاف جہاد کیا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے مقابلہ میں ان کو اپنا مال عزیز تھا نہ جان۔ اور چونکہ وہ ہجرت کرنے میں اور اللہ کی راہ میں مال اور جان خرچ کرنے میں بعد کے مسلمانوں پر سابق اور اول تھے اس لیے ہجرت اور جہاد میں وہ بعد کے مسلمانوں کے لیے امام پیشوا اور مقتدا بن گئے اس لیے ان کا مرتبہ اور اجر و ثواب بعد میں ہجرت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ
الْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (التوبة: ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب
سے پہلے ایمان لانے والے اور جن لوگوں نے نیک کاموں
میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے
راضی ہو گئے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ
قَاتَلَ أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا
مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكَذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى

جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا
اور جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح (مکہ
کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کا بہت بڑا اجر ہے اور
اللہ نے ان سب سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

(الحديد: ۱۰)

السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ

سبقت کرنے والے سبقت کرنے والے ہیں (اللہ
کے) مقرب ہیں۔

(الواقعه: ۱۰-۱۱)

مہاجرین اولین سابقین نے سب مسلمانوں سے پہلے ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اور اس کی راہ میں جہاد کر کے
بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے اس نیک عمل کی راہ دکھائی اس لیے قیامت تک کے مسلمانوں کی ان نیکیوں کا اجر ان کے
تمام اعمال کی زینت ہو گا حدیث شریف میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو
اپنا اجر بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور
جس شخص نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی اس کو اپنے کام کا گناہ بھی ہو گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے اعمال کا گناہ
بھی ہو گا اور ان کے اپنے کاموں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ ۶۹ (۱۱۷۷) سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۳ سنن احمد ج ۳ ص ۳۵۹
ص ۳۵۷ التلمیذ ج ۲ رقم الحديث: ۲۳۳۵ مستفہ عبدالرزاق رقم الحديث: ۲۱۰۲۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۵ کنز
العمل رقم الحديث: ۳۳۰۷۸)

لوگوں کی علوت ہے کہ جب وہ اپنی نوع کے لوگوں کو کوئی نیک کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی اس نیک
کام کرنے کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں پر کوئی مشکل کام اس وقت آسان ہو جاتا
ہے جب وہ اور لوگوں کو بھی وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ سو اس اعتبار سے مہاجرین اولین کو بعد کے مسلمانوں پر بہت بڑی
فضیلت حاصل ہے۔

مومنین انصار کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی طرف
ہجرت کی تھی تو اگر وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں جگہ نہ دیتے اور آپ کی مدد نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی
خدمت میں اپنی جان اور اپنے مال کے نذرانے پیش نہ کرتے اور مشکل مہمت میں اصحاب رسول کا ساتھ نہ دیتے تو ہجرت کے
مقاصد پورے نہ ہوتے۔ اس کے باوجود مہاجرین اولین کا مرتبہ انصار مدینہ سے کئی درجہ سے افضل ہے۔

۱۔ مہاجرین سابقین اولین ایمان لانے میں انصار اور بقی سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔ اور ایمان لانے کی تمام فضیلتوں کا
مبداء اور خشاء ہے۔

۲۔ مہاجرین اولین مسلسل تیرہ سال کفار قریش کی زیادتیوں اور ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے اور تمام سختیوں پر صبر کرتے رہے۔

۳۔ انہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، عزیز واقارب کو چھوڑا، گھر، تجارت اور باغات کو چھوڑا اور اسلام کی خاطر یہ تمام مصائب مہاجرین نے برداشت کیے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو قبول کرنے کا دروازہ مہاجرین اولین نے کھولا۔ انصار نے ان کی اقتداء کی اور ان کی مشابہت اختیار کی اور مقتدی مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا مشروع پھر منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اس جگہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ولایت سے مراد وراثت ہے یا ولایت سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس ولایت سے مراد وراثت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث کر دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں ان کو وراثت نہیں ملے گی اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں "تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ اور اب قرابت وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ مجاہد، ابن جریج، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، سدی اور زہری سے بھی اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۶۹-۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر نسخ نہیں ہے اور ولایت کا معنی نصرت اور اعانت ہے اور یہی تفسیر رائج ہے۔

ولایت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ولایت کا معنی

ولاء اور توالی کا معنی یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایسا حصول ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔

اور اس کا قرب کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ خواہ قرب بہ حیثیت مکان ہو یا قرب بہ حیثیت نسب ہو یا قرب بہ حیثیت

دین ہو یا بہ حیثیت دوستی قرب ہو یا بہ حیثیت نصرت اور اعتقاد قرب ہو۔

اور ولایت (واو کی زیر کے ساتھ) کا معنی نصرت ہے اور ولایت (واو کی زیر کے ساتھ) کا معنی ہے کسی امر کا والی ہونا اور

اس میں تصرف کرنا۔ اور ولی اور مولیٰ ان میں سے ہر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں یعنی ناصر اور کار ساز اور

اسم مفعول کے معنی میں یعنی منصور، واللہ ولی المؤمنین (آل عمران: ۶۸) اس کا معنی ہے اللہ مومنین کا ناصر اور کار ساز

ہے اور مومنین اللہ کے ولی ہیں یعنی اللہ کے منصور ہیں ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے

درمیان ولایت کی نفی کر دی ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والعصری اولیاء (المائدہ: ۵۱) یعنی یہود

اور نصاریٰ کو اپنا ناصر اور مددگار نہ بنو۔ اسی طرح فرمایا مالکم من ولائہم من شیء (الانفال: ۷۵) یعنی تم ان کی مطلقاً

نصرت نہ کرو۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۶۳-۶۶۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد الدین ابوالسلاطین السبکی بن محمد ابن الاثیر جزیری المتوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ولی ہے اس کا معنی ہے ناصر اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تمام عالم اور مخلوقات کا مربی اور منتظم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے والی ہے اس کا معنی ہے تمام اشیاء کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا اور ولایت کا لفظ تدبیر قدرت اور فعل کی خبر دیتا ہے اور جب تک کسی چیز میں یہ معنی جمع نہ ہوں اس پر والی کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں لفظ مولیٰ بہ کثرت استعمال ہوا ہے اور یہ ان معنی میں ہے رب، مالک، سید، منعم، معق (آزاد کرنے والا)، ناصر، محب، تابع، پردی، عم زاد، حلیف، عقید (جس سے معاہدہ کیا ہو) سرالی رشتہ دار، غلام، آزاد کردہ، ان میں سے اکثر معنی میں مولیٰ کا لفظ حدیث میں وارد ہے اور حدیث کا سیاق و سباق جس معنی کا مقتضی ہو مولیٰ کا لفظ اسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا مالک ہو یا اس کا انتظام کرے وہ اس کا مولیٰ اور ولی ہے اور کبھی ان اسماء کے مصداق مختلف المعنی ہوتے ہیں۔ پس ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی نسب میں قریب اور نصرت اور آزاد کرنے والا ہے اور ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی امارت ہے اور ولایت کا معنی آزاد شدہ ہے۔

(الخصایہ ج ۵، ص ۱۹۸-۱۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

چونکہ ولایت کا معنی نسبی قرابت بھی ہے اس لیے اس آیت میں وراثت کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کم سے کم فتح کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نصرت کے معنی پر محمول کیا جائے اور سیاق و سباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کفار سے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے دارالحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

یعنی جن مسلمانوں نے دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی، پھر انہوں نے دارالحرب سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے ان کی فوجی قوت یا مل سے مدد طلب کی تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کو تائید اور تائید نہ کریں۔ پس اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں جس قوم کے ساتھ ایک مدت معین تک کا تمہارا معاہدہ ہو تو پھر تم اس معاہدہ کو نہ توڑو جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین شرائط پر صلح کی۔ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا وہ اس کو انہیں واپس کر دیں گے اور مسلمانوں کی طرف سے جو مشرکین کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور یہ کہ اگلے سال مسلمان عمرہ کے لیے آئیں گے اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہریں گے اور اپنے ہتھیاروں کو میان میں رکھ کر آئیں گے مثلاً کھوار اور تیر کمان وغیرہ۔ پھر حضرت ابو جندل بیڑیوں میں چلتے ہوئے مسلمانوں کی طرف آئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۴۸ھ لکھتے ہیں:

جس وقت رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو صلح مکہ رہے تھے اس وقت سہیل کے بیٹے حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو جو خود اپنی بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے آئے اور اچانک رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو اپنی فتح کے متعلق کوئی شک نہیں تھا اور اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کا خواب تھا اور جب انہوں نے صلح اور رجوع کا معاملہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شرائط مان لی ہیں تو ان کو اتنا زیادہ رنج اور قلق ہوا کہ لگتا تھا وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔ جب سہیل نے اپنے بیٹے ابو جندل کو دیکھا تو ان کے پاس گیا اور ان کے منہ پر تھپڑ مارے اور ان کو گریبان

سے پکڑ کر اپنی طرف تھینے لگا اور اس نے کہا یا محمد (ﷺ) ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر وہ حضرت ابو جندل کو گریبان سے پکڑ کر تھینے لگا تاکہ ان کو قریش کی طرف لے جائے اور حضرت ابو جندل بلند آواز سے فریاد کرنے لگے اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا؟ یہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مسلمانوں کو ان کی فریاد کی وجہ سے اور زیادہ قتل ہوا تب رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اے ابو جندل! صبر کرو اور اجر و ثواب کی نیت کرو، تمہیں اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو اللہ نجات دینے والا ہے اور ان کے لیے کشادگی کرنے والا ہے، اور میں ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابو جندل دل شکستہ ہو کر اپنے باپ کے ساتھ چلے گئے اور معاہدہ پورا ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن ہشام لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ پہنچے تو آپ کے چچے ابو بصیر عقبہ بن اسید بھی مدینہ پہنچ گئے یہ ان مسلمانوں میں سے تھے جن کو مکہ میں قید کر کے رکھا گیا تھا۔ جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ پہنچے تو ان کی بازیابی کے لیے ازہر بن عبد عوف اور انیس بن شریق نے آپ کو خط لکھا اور بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ان کے آزاد کردہ غلام کو انہیں لینے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ دونوں ازہر اور انیس کا خط لے کر رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اے ابو بصیر! ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ تمہارے لیے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے نجات اور کشادگی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔ حضرت ابو بصیر نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کی طرف لوٹا رہے ہیں وہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیں گے! آپ نے فرمایا اے ابو بصیر! تم واپس جاؤ غریب اللہ تمہاری رہائی کی صورت پیدا کر دے گا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۳۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ لکھتے ہیں:

ابو جندل بن سہیل بن عمرو مکہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے ان کے باپ سہیل نے ان کو زنجیروں سے باندھ کر مکہ میں قید کیا ہوا تھا اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد یہ رہا ہو کر مقام البیض میں پہنچ گئے اور حضرت ابو بصیر سے مل گئے۔ (حضرت ابو بصیر کو جو دو آدمی لینے آئے تھے انہوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا مکہ بھاگ گیا تھا۔ وہ پھر مدینہ گئے لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے معاہدہ کی پاس داری کی وجہ سے ان کو قبول نہیں کیا۔ پھر یہ مدینہ سے نکل کر مقام البیض پہنچ گئے حضرت ابو جندل بھی ان سے آئے۔ اس طرح وہیں تقریباً ستر مسلمان مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس آ گئے ان کو مکہ سے آنے والا جو کافر ملتا یہ اس کو قتل کر دیتے اور کفار کے جو قافلے وہیں سے گزرتے ان کو لوٹ لیتے۔ حتیٰ کہ قریش نے رسول اللہ (ﷺ) کو خط لکھا کہ وہ مکہ سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کی شرط سے دست بردار ہوتے ہیں تب رسول اللہ (ﷺ) نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور یہ لوگ مدینہ آ گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۳۵۳-۳۵۴) پھر حضرت ابو جندل، حضرت ابو بصیر کے پاس رہے حتیٰ کہ حضرت ابو بصیر وہیں وفات پا گئے اور حضرت ابو جندل دیگر مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ (ﷺ) کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ اور رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ (ﷺ) کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں ۸ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

ہو گئے۔ (المطبوعات الکبریٰ ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، ان میں سے بعض، بعض کے دلی ہیں، اگر تم ان احکام پر عمل نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ (الانفال: ۷۳)

دو مختلف ملتوں کے ماننے والوں کے مابین دوستی اور وراثت جائز نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایت (نصرت اور وراثت) کو منقطع کر دیا ہے۔ اور مومنوں کو مومنوں کا دلی بنایا اور کافروں کو کافروں کا دلی بنایا۔ کفار اپنے دین اور معتقدات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اگر کسی کافر عورت کا مسلمان بھائی ہو تو وہ اس کا دلی نہیں ہے اور وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے درمیان ولایت نہیں ہے۔ اس کا نکاح اس کا ہم مذہب دلی کرے گا۔ جس طرح مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان دلی ہی کر سکتا ہے، اگر اس کا باپ یا دادا کافر ہو تو وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حضرت اسلمہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث ہو گا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۳، ۳۲۸۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو حاتم مزی بن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسے رشتہ کا پیغام آئے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت فتنہ اور فساد ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی وہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت دلی روزی ہے۔ (الانفال: ۷۴)

مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں تکرار ہے کیونکہ آیت ۷۲ میں بھی یہی مضمون بیان فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ۷۲ سے مقصود یہ تھا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف کی جائے کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور یہ برحق مومن ہیں۔ مہاجرین اولین نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا، انہوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، مل و دولت اور مکانوں اور بلعات کو چھوڑا۔ اسی طرح انصار نے بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو وہ بھی تم میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانفال: ۷۵)

ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف النوع احادیث

اس آیت سے وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ہجرت کی۔ اور اس ہجرت کا مرتبہ پہلی ہجرت

سے کم ہے۔ حدیبیہ کے بعد دو سال تک صلح کا زمانہ رہا پھر مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت بھی ختم ہو گئی۔ ہجرت کی تعریف یہ ہے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف نکلنا یا دارالخوف سے دارالامن کی طرف نکلنا جیسے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ یا حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ شہوات، منکرات، اخلاق ذمیدہ اور معاصی کو ترک کرنا ہجرت ہے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۲۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۴، صحیح مسلم الحج ۴۴۵ (۱۳۵۳) ۳۲۲۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۹۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۸۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۳)

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی حضرت مجاہد کو ملے کرنی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ مجاہد ہیں جو آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے، آپ نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر بیعت کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۷۹، ۳۰۷۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمریشی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی۔ ہم نے آپ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب ہجرت نہیں ہے، پہلے مسلمان اپنے دین کے سبب سے اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے، کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا ہے، اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰، مطبوعہ بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ پر؟ آیا کسی خاص قوم پر ہجرت فرض ہے؟ یا جب آپ رحلت فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ ﷺ ایک ساعت خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا وہ مسائل کہاں سے؟ اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو، اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مساجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مساجر ہو۔ (مسند ابی یوسف، رقم الحدیث: ۱۷۵۰)

حضرت معلویہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو، اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۴ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مساجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ رہے، ان کے (چوہوں میں) ایک ساتھ آگ جلتی ہوئی نہ دیکھی جائے۔

(المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۳۶، حذیفہ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۲۵۳)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ زمین اللہ کی زمین ہے

اور یہ لوگ اللہ کے بندے ہیں جس جگہ تم کو خیر ملے وہاں رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ رقم الحدیث: ۲۵۰۰ حنفی البیہقی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں بعض دلوپوں کو میں نہیں پہچانتا مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۵) ہجرت کے مختلف معانی

علامہ محمد الدین السبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں

حدیث میں ہجرت کا بہت زیادہ ذکر ہے ایک حدیث میں ہے حج کہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۷۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۶)

اور ایک حدیث میں ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۶ مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۲)

ہجر کالغوی معنی وصل کی ضد ہے یعنی فراق پھر اس کا غالب اطلاق ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے اور دوسری زمین کی خاطر پہلی زمین کو ترک کرنے پر کیا جانے لگا۔

ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآلٍ لَهُمُ الْجَنَّةُ (النسۃ: ۷۴)
بے شک اللہ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا۔

ایک شخص نبی ﷺ کے پاس اپنے المل و عیال اور مل چھوڑ کر آجاتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہ کرتا اور جس جگہ ہجرت کی تاحیات وہیں رہتا۔ اور نبی ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ مرجائے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی۔ اسی بناء پر آپ نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں موت پر الفسوس کیا وہ حج کے لیے مدینہ سے مکہ آئے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۹۵)

اور جب آپ مکہ میں آئے تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں مکہ میں موت نہ دے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۵) اور جب مکہ دارالاسلام بن گیا تو وہ مدینہ کی طرح ہو گیا اور ہجرت منقطع ہو گئی۔

ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جو دیہاتیوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے اس طرح کے افعال نہیں کیے جس طرح پہلی ہجرت کرنے والوں نے کیے تھے پس وہ مہاجر تو ہیں لیکن مہاجرین اولین کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اس سے یہی ہجرت مراد ہے۔

ان ہی احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے ہجرت کرو اور تکلف اور تصنع سے مہاجر نہ بنو۔ یعنی اللہ کے لیے اخلاص سے ہجرت کرو اور بغیر صحیح ہجرت کے مہاجرین کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ ان احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ہجرت (ترک تعلق و ترک سلام و کلام) کرے۔

(صحیح مسلم البرذالی ج ۱ ص ۲۵۰ ۲۵۱ ۶۳۱۲ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۸)

اس ہجرت سے وصل کی ضد مراد ہے۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کی کسی دنیاوی کوتاہی کی بناء پر اس سے ترک تعلق نہ کرے البتہ دین میں کسی بدعتیہ کی بناء پر یا کسی غیر شرعی کام کی بناء پر ترک تعلق جائز ہے کیونکہ اہل احواء اور اہل بدعت سے دائمی ہجرت (ترک تعلق) رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص غلانیہ معصیت سے توبہ نہ کرے اس

مذہبان القرآن

سے ہجرت ضروری ہے، کیونکہ جب حضرت کعب بن مالک اور ان کے دیگر اصحاب نے بلاغہ و غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے ہجرت کر لیں۔ یعنی ترک تعلق کریں حتیٰ کہ ان کی ازواج کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیا، مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے ترک تعلق رکھا اور ان کی ازواج نے ان سے ایک ماہ تک اور حضرت عائشہ نے ایک ماہ تک حضرت ابن الزبیر سے ترک تعلق رکھا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے بعض لوگ اللہ کا ذکر صرف اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ مہاجر ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے قلب نے زبان سے ہجرت کی ہوئی ہوتی ہے زبان ذکر کرتی ہے اور دل غافل ہوتا ہے، یعنی وہ اخلاص سے اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

(النسائی، ج ۵، ص ۲۱۳-۲۱۱، مطبوعہ دار المکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہجرت کی مختلف النوع احادیث میں تطبیق

ہجرت سے متعلق جن احادیث کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی، بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کر سکتا ہے اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے۔ اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

۱۔ جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔

۲۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، لب یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

۳۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی۔ ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آجائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔

۴۔ کفار کے علاقہ سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔

۵۔ جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت و آئندگی کی بربادی کا خطرہ ہو۔ جہاں اسلامی شعار، فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب، کلمہ اور سوسائٹی کے برے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں اور زمین کے جس حصہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور وہ آزادی کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ لدارۃ البیان المدینہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمعیت کی ضرورت تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فریست باقی رہی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار ایذا دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ (العیاذ باللہ) دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمُشْرِكِينَ ظَالِمِينَ
أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ
اللَّهِ وَآيَةً قَتَلُوا فِيهَا قَوْلًا لِّكَ مَا وَهَمُ
حَتِّهِمْ وَسَاءَ ثَمَرُ مِصْرٍ ۝ لَا أَلَا الْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ
حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ مَسِيلًا ۝ قَالُوا لَيْكَ عَسَى
اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
(النساء: ۹۱-۹۲)

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے! البتہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو (واقعی) بے بس (اور مجبور) ہیں جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں کاراستہ جانتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرماتے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔

جو شخص دارا کفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معلویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مشرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ شرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے اور سنن ابوداؤد میں حضرت سمیرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو شرکین کے درمیان رہتا ہے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ دارا کفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ)

دارا کفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں لاہجرۃ بعد الفتح کے بعد ہجرت نہیں ہے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر، لہذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے متعلق تین قول ہیں:

۱۔ پہلا قول: جو شخص دارا کفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دارا کفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

۲۔ دوسرا قول: مسلمان دارا کفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دارا کفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ

بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جلا میں شامل ہو سکیں اور دارا کفر میں کفار کی بد عہدی اور فتنہ سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بد چلتی اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۳- تیسرا قول: جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دارا کفر سے ہجرت نہ کر سکا ہو اس کے لیے دارا کفر میں رہنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو بہتر ہو گا۔

(فتح الباری، ج ۶، ص ۳۸، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

ہجرت کی اقسام

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

۱- دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت: جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر انگلینڈ، امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔

۲- دارا کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا: جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا۔ اسی طرح جو شخص دارا کفر میں اظہار دین پر قلم نہ ہو اس کا دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

۳- قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، سورہے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں چلے جائیں گے اور ہلکی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔

۴- برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔ (عمدة القاری ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ ادارة البیضاء المیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

ایک اور قسم کا بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے:

۵- ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔ بخاری)

ہجرت الی اللہ کی توضیح

اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الہی میں اس طرح ذائل لے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو، اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس منزل پر آجائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھانا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس لگتی، وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا۔ اس مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے صیغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے۔

اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

در دشت جنون من جبرئیل زبوں صیدے

یزداں بکند آوازے بہت مردانہ

یعنی انسان کے لیے مخلوقی صفات اپنا سہی کہ مظہر جبرئیل ہو تا بھی مکمل نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الوہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرئیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب اس سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور حکم الگ الگ اور مغایر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

ذوالارحام کی تعریف ان کے مصادیق اور ان کی وراثت کے ثبوت میں احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ذوالرحم کا معنی نفقہ میں مطلقاً ذوالقرابت ہے اور اصطلاح شرع میں ذوالرحم ہر وہ رشتہ دار ہے جس کا حصہ کتاب اللہ میں مقرر ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ وہ عصبہ ہو (یعنی میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار جیسے دادا، چچا، بیٹا، بھائی وغیرہ) اور جب صرف یہی ہو اور اس کے ساتھ ذوی القربوں 'عصبہ نسبی اور عصبہ نسبی نہ ہو تو میت کا کل مال اس کو مل جاتا ہے۔ (شرح المصابیہ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ زار مصلحتی الہامیہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

ذوالارحام کی مثالیں یہ ہیں جیسے بیٹی کی اولاد (نواسے، نواسی) پوتی کی اولاد (ٹٹا، ٹٹا کی ماں، بہن کی اولاد (بھانجے، بھانجیاں) بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) چھو بھیاں خواہ باپ کی سگی بہن ہو یا علاتی یا اخیانی، ماموں، خالہ، اخیانی چچا کی اولاد، ماموں کی اولاد، بچے چچا یا علاتی چچا کی اولاد۔

مقدمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اہل و عیال چھوڑ کر مرا اس کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال (الحق) وارث ہوں میں اس کی دیت ادا کروں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال اس کا وارث ہے وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۳۸)

ابو امامہ سل بن خنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو ایک تیر آکر لگا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا اور اس کے ماموں کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے اس کے متعلق حضرت عمر کو خط لکھا حضرت عمر نے ان کے جواب میں لکھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس کا کوئی مولانا ہو اس کا اللہ اور اس کا رسول مولا ہے اور جس کا اور کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۰۶۸، ۳۰۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۳۷، سنن کبریٰ بیہقی،

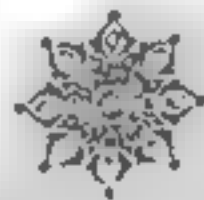
ج ۶، ص ۲۳، المستدرک رقم الحدیث: ۲۷۳، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۸)

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ / ۱۱ مارچ ۲۰۰۹ء کو بروز جمعرات بعد از نماز عشاء سورۃ الانفال کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ واللہ الحمد
لعلہ رب العلمین۔ اللہ العالین جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے قرآن مجید کی باقی

سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے اس تفسیر میں خطا اور زلل سے محفوظ رکھنا۔ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا اور اس کو منکرین اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھنا اور اس کو تاقیامت فیض آفریں رکھنا اور اس کو عقائد اور اعمال میں موثر بنانا۔ اس تفسیر کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور تمام مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں کو اس کی طرف متوجہ اور راغب کرنا اور محض اپنے فضل سے میرے تمام گناہوں کو معاف کرنا دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے شلوکام کرنا مجھے میرے والدین اور میرے اساتذہ اور میرے تلامذہ اس تفسیر کے ناشر اس کے کپوزر اس کے صحیح اس کے معاونین اور اس کے قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرماتا خصوصاً صحت اور سلامتی کے ساتھ ایمان پر قائم کرنا۔

واحد دعوا ان الحمد لله رب العلمین والعلوۃ والسلام علی سیدنا محمد
حاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المدنیین و علی الہ الطاہرین واصحابہ
الکاملین و علی ارواحہ امہات المؤمنین و علی علماء ملئہ و اولیاء امنہ و سائر
المؤمنین اجمعین۔





مآخذ و مراجع

کتاب الیه

- ۱ قرآن مجید
- ۲ تورات
- ۳ انجیل

کتاب احادیث

- ۴ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۵۰ھ مسند امام اعظم مطبوعہ محمد سعید ایچ سنز کراچی
- ۵ امام مالک بن انس اموی متوفی ۹۷ھ مسوط امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۶ امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۶ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷ امام ابو یوسف سفیان بن عیینہ متوفی ۱۸۲ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبہ اثریہ ساکنہ بل
- ۸ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ مسوط امام محمد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الآثار مطبوعہ لوارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۷ھ
- ۱۰ امام کسب بن جراح متوفی ۱۹۷ھ کتاب الزہد مکتبۃ المدینہ منورہ ۱۳۵۴ھ
- ۱۱ امام سلیمان بن داؤد بن جبار و علی بن حنفی متوفی ۲۰۳ھ مسند علی بن مطبوعہ لوارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۹ھ
- ۱۲ امام محمد بن لورین شافعی متوفی ۲۰۳ھ المسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۱۳ امام محمد بن عمر بن داؤد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المحاذی مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۱۴ امام عبد الرزاق بن حاتم صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المصنف مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۰۴ھ
- ۱۵ امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۸ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶ امام سعید بن منصور غزالی متوفی ۲۲۷ھ مسند سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۷ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف مطبوعہ لوارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۱۸ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ مسند ابن ابی شیبہ مطبوعہ دار الوطن بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۱۹ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۰۸ھ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۲۱ھ
- ۲۰ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۱ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ مسند داری مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۰۷ھ

- ۲۲- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۲۳- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، مطلق لفظ العبد مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۲۴- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، کتاب الفرد مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۲۵- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم مطبوعه مکتبه زوار معظمی الباز که کرمه ۱۴۳۷ھ
- ۲۶- امام ابو عبد الله محمد بن یزید ابن ماجه، متوفی ۲۶۳ھ، مسنن ابن ماجه مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ھ
- ۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، بمستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مسنن ابو داؤد مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۳ھ
- ۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، بمستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد مطبوعه نور محمد بکارتک تجارت کتب کراچی
- ۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، مسنن ترمذی مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ
- ۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، ثمال محمدیه مطبوعه المکتبه التجاریه که کرمه ۱۴۳۵ھ
- ۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، مسنن دار قطنی مطبوعه نشر المنه لکهن
- ۳۲- امام ابن ابی حاتم، متوفی ۲۸۷ھ، کلاحدو الشملی مطبوعه دار الرایه ریاض ۱۴۳۴ھ
- ۳۳- امام احمد محمد بن عبد الحاق یزید، متوفی ۲۴۱ھ، البحر الزخار المعروف به مسند احمد مطبوعه مؤسسه القرآن بیروت
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، مسنن نسائی مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، محل الیه هو الیله مطبوعه مؤسسه الکتب الشافیه بیروت ۱۴۳۰ھ
- ۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، مسنن کبری مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۳۷- امام ابو بکر محمد بن یارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابه مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۷ھ
- ۳۸- امام احمد بن علی المشی، قمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعه دار الماسون تراش بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۳۹- امام عبد الله بن علی بن جادود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المستقی مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۷ھ
- ۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمه، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمه مطبوعه کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۵ھ
- ۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۴ھ، مسند عمر بن عبد العزيز
- ۴۲- امام ابو حوانه یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۲۷ھ، مسند ابو حوانه مطبوعه دار الباز که کرمه
- ۴۳- امام ابو عبد الله محمد بن حکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول مطبوعه دار الریان التراث القاهره ۱۴۳۰ھ
- ۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحطاوی، متوفی ۳۲۲ھ، شرح مشکل الآثار مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۴۳۵ھ
- ۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحطاوی، متوفی ۳۲۲ھ، شرح معانی الآثار مطبوعه مطبعه مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ
- ۴۶- امام محمد بن جعفر بن حسین خراطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق مطبوعه مطبعه المدنی مصر ۱۴۳۴ھ
- ۴۷- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۳ھ، کلاحدو بن زبیب صحیح ابن حبان مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت
- ۴۸- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ مطبوعه مکتبه دار السلام ریاض ۱۴۳۳ھ
- ۴۹- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر مطبوعه مکتبه سلفیه مدینه منوره ۱۴۳۸ھ، کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ
- ۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر مطبوعه مکتبه العارف ریاض ۱۴۳۰ھ
- ۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت

- ۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ "مسند الشافعی" مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۲۰ھ "کتاب الدعاء" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۵۴- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی متوفی ۳۴۰ھ "عمل الیوم و لیلته" مطبوعه مؤسسه الکتب الشافعیه بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۵۵- امام عبد الله بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۵۰ھ "الکامل فی شعبه الرجال" مطبوعه دار الفکر بیروت
- ۵۶- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاپین المتوفی ۳۸۵ھ "الفتح و المنسوخ من المحدث" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۵۷- امام عبد الله بن محمد بن جعفر المعروف بابن الشیخ متوفی ۳۹۶ھ "کتاب المعظمه" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۵۸- امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ "المستدرک" مطبوعه دار الباز "که کرمه"
- ۵۹- امام ابو نعیم احمد بن عبد الله اصبغی متوفی ۴۳۰ھ "حلیه الاولیاء" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۶۰- امام ابو نعیم احمد بن عبد الله اصبغی متوفی ۴۳۰ھ "ذلا کل النبوة" مطبوعه دار الشافعی بیروت
- ۶۱- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "سنن کبری" مطبوعه نشر السنه ملکن
- ۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "کتاب الاسماء و الصفات" مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "معرف السنن و الامکار" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "ذلا کل النبوة" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "کتاب الاداب" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "کتاب فضائل الاولاد" مطبوعه کتبه المنارة "که کرمه" ۱۳۱۲ھ
- ۶۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "شعب الایمان" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۶۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۰ھ "البعث و النور" مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۶۹- امام ابو عمرو یوسف ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۰۵ھ "جامع بیان العلم و فضله" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۷۰- امام ابو شجاع شیرازی بن شیراز بن شیرازی قدس سره متوفی ۵۰۹ھ "الفرودس بامثال الطالب" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۷۱- امام حسین بن مسعود طوسی متوفی ۵۰۹ھ "شرح السنه" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۷۲- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۰ھ "مختصر تاریخ دمشق" مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۷۳- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۰ھ "تتمذیب تاریخ دمشق" مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۷۴- امام محمد بن عبد الله بن محمد الشافعی المعروف بابن الاثیر الجزیری المتوفی ۶۰۶ھ "جامع الاصول" مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۷۵- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی خلی متوفی ۶۷۳ھ "الاطباق القادریه" مطبوعه کتبه المنارة "که کرمه" ۱۳۱۰ھ
- ۷۶- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی الشاذلی المتوفی ۶۵۶ھ "الترغیب و الترہیب" مطبوعه دار المحدثات قاہرہ ۱۳۰۷ھ "دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۳ھ"
- ۷۷- امام ابو عبد الله محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ "مختصر کرمی" مطبوعه دار البخاری مدینہ منورہ
- ۷۸- امام علی الدین تیریزی متوفی ۷۳۳ھ "مشکوٰۃ" مطبوعه "صح الطابع دبی" دار ارقم بیروت
- ۷۹- حافظ جمال الدین عبد الله بن یوسف زلیحی متوفی ۷۷۰ھ "نصب الرایه" مطبوعه مجلس علی سورت ہند ۱۳۵۷ھ

- ۸۰- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۳ھ، الکافی المستوری، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۶۱ھ
- ۸۱- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۳۰۲ھ
- ۸۲- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۳۰۳ھ
- ۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، مورد الظہان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۸۴- امام محمد بن محمد جزیری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البیہقی ولولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۸۵- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر میری، متوفی ۸۳۰ھ، نداء ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۸۶- حافظ علماء الدین بن علی بن عثمان باردی، ترکمانی، متوفی ۸۳۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ لبنان
- ۸۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۸۸- حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۴ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۸۹- امام عبد الرؤف بن علی السنوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، تنویر الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۶۱ھ
- ۹۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۹ھ
- ۹۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمہ الزہراء
- ۹۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۶۳ھ
- ۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، کلید السافر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۶۲ھ، دار ابن خزمہ بیروت، ۱۳۶۳ھ
- ۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، کمدر المستشر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۶۵ھ
- ۹۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الخفاء، مطبوعہ مطبعہ عامہ، مکتبہ مصر، ۱۳۰۳ھ
- ۹۷- علامہ علی متقی بن حسان الدین ہندی، برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتاب تفاسیر

- ۹۸- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تہذیب التفسیر، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۹۹- امام حسن بن عبد اللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ ادلویہ مکہ مکرمہ، ۱۳۶۳ھ
- ۱۰۰- امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۳۶۰ھ
- ۱۰۱- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
- ۱۰۲- امام عبد الرزاق بن حسان صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۰۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۲۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتب ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۲۲۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۰۹ھ، دار الفکر بیروت
- ۱۰۵- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۲۲۰ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلیمان قاری ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۲۴۲ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ البیہقی، الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۶۱ھ
- ۱۰۷- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، بصاص خنی، متوفی ۲۵۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل الیڈی لاہور، ۱۳۰۰ھ

- ۱۰۸- علامه ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی 'متون ۳۷۷'، 'تفسیر سمرقندی' مطبوعه مکتبه دارالباز که کرمه ۱۳۳۳هـ
- ۱۰۹- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی 'متون ۳۸۵'، 'تفسیر القرآن' مطبوعه عالم الکتب بیروت
- ۱۱۰- علامه مکی بن ابی طالب 'متون ۳۸۳'، 'مشکل اعراب القرآن' مطبوعه انتشارات نور ایران ۱۳۳۳هـ
- ۱۱۱- علامه ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بلوری شافعی 'متون ۳۵۰'، 'تکتم العیون' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۲- علامه جلاله محمود بن عمر زعفرانی 'متون ۳۶۷'، 'کشاف مطبوعه نشر المیلاد قم ایران ۱۳۳۳هـ
- ۱۱۳- علامه ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری 'متون ۳۶۸'، 'الوید مطبوعه دار الکتب العربیه بیروت ۱۳۳۵هـ
- ۱۱۴- امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی 'متون ۳۶۸'، 'مسهب نزول القرآن' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی 'متون ۳۶۸'، 'الوید مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۵هـ
- ۱۱۶- امام ابو محمد الحسین بن مسعود القراء البغوی 'متون ۵۵۶'، 'معالم التنزیل' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳هـ
- ۱۱۷- علامه ابو بکر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربی 'متون ۵۵۳'، 'احکام القرآن' مطبوعه دار المعرفه بیروت
- ۱۱۸- علامه ابو بکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیه اندلسی 'متون ۵۵۳'، 'المراد الوجیر' مطبوعه مکتبه تجاریه که کرمه
- ۱۱۹- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری 'متون ۵۵۳'، 'مجمع البیان' مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶هـ
- ۱۲۰- علامه ابو القریح عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی خنبل 'متون ۵۵۹'، 'زاد المسیر' مطبوعه مکتب اسلامیه بیروت
- ۱۲۱- خواجه عبدالله انصاری سن علماء القرن السادس 'کشف الاسرار و معانی الاسرار' مطبوعه انتشارات امیر کبیر تهران
- ۱۲۲- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی 'متون ۶۰۶'، 'تفسیر کبیر' مطبوعه دار احیاء التراث العربیه بیروت ۱۳۳۵هـ
- ۱۲۳- علامه محی الدین ابن عربی 'متون ۷۳۸'، 'تفسیر القرآن الکرم' مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۲۷۸هـ
- ۱۲۴- علامه ابو عبد الله محمد بن احمد مالکی قرطبی 'متون ۷۶۸'، 'الجامع باحکام القرآن' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۵هـ
- ۱۲۵- قاضی ابو الخیر عبد الله بن عمر بنخلوی شیرازی شافعی 'متون ۷۸۵'، 'انوار التنزیل' مطبوعه دار فراس للنشر و التوزیع مصر
- ۱۲۶- علامه ابو البرکات احمد بن محمد نسفی 'متون ۷۸۷'، 'درار کالتزیل' مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۲۷- علامه علی بن محمد خازن شافعی 'متون ۷۸۷'، 'تلباب التلویل' مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۲۸- علامه نظام الدین حسین بن محمد فی 'متون ۷۸۸'، 'تفسیر نیشاپوری' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۲۲هـ
- ۱۲۹- علامه تقی الدین ابن جمیع 'متون ۷۸۸'، 'تفسیر الکبیر' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۹هـ
- ۱۳۰- علامه شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیه 'متون ۷۸۷'، 'بدائع التفسیر' مطبوعه دار ابن الجوزیه که کرمه
- ۱۳۱- علامه ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی 'متون ۷۸۳'، 'الحجر الحیدر' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳هـ
- ۱۳۲- علامه ابو العباس بن یوسف السمنی شافعی 'متون ۷۸۶'، 'مکدر المصنوع' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳هـ
- ۱۳۳- حافظ علاء الدین اسماعیل بن مرمون کثیر شافعی 'متون ۷۸۳'، 'تفسیر القرآن' مطبوعه اداره اندلس بیروت ۱۳۸۵هـ
- ۱۳۴- علامه علاء الدین منصور بن الحسن الکازرونی شافعی 'متون ۸۶۰'، 'حاشیه الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۲۲هـ
- ۱۳۵- علامه عبد الرحمن بن محمد بن قلوب محاسبی 'متون ۸۷۵'، 'تفسیر الشعلی' مطبوعه موسسه الاعلیٰ للطبع و النشر بیروت
- ۱۳۶- علامه ابو الحسن ابراهیم بن عمر البغای 'متون ۸۸۵'، 'نظم الدرر' مطبوعه دار الکتب الاسلامیه قاهره ۱۳۳۳هـ
- ۱۳۷- حافظ جمال الدین سیوطی 'متون ۸۸۷'، 'مکدر المشور' مطبوعه مکتبه آیت الله العظمیٰ ایران

- ۱۳۸- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۹۰ھ 'جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۳۹- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۹۱ھ 'مبایع التتول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۴۰- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی 'متون' ۹۹۵ھ 'حاشیہ شیخ زکریا علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند
- ۱۴۱- شیخ فتح اللہ کاشانی 'متون' ۹۷۷ھ 'منہج الصلوٰتین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۴۲- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عسکری 'متون' ۹۸۲ھ 'تفسیر ابو السعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۴۳- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری 'متون' ۱۰۶۶ھ 'محلیۃ القاضی' مطبوعہ دار سلور بیروت ۱۳۸۳ھ
- ۱۴۴- علامہ احمد جیون جوہوری 'متون' ۱۳۳۰ھ 'تفسیرات الاحمدیہ' مطبعہ کرمی بستی
- ۱۴۵- علامہ اسماعیل حقی 'متون' ۱۲۷۷ھ 'روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۴۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجل 'متون' ۱۲۰۳ھ 'الفتوحات الاثنیہ' مطبوعہ المطبعہ البیتہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۴۷- علامہ احمد بن محمد صلی باکی 'متون' ۱۲۲۳ھ 'تفسیر صلی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
- ۱۴۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی 'متون' ۱۲۲۵ھ 'تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بکسٹرو کوئٹہ
- ۱۴۹- شاہ عبد العزیز محمد شہدائی 'متون' ۱۲۳۹ھ 'تفسیر عزیز' مطبوعہ مطبعہ فاروقی دہلی
- ۱۵۰- شیخ محمد بن علی شوکانی 'متون' ۱۲۵۰ھ 'فتح القدر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۵۱- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی 'متون' ۱۲۷۰ھ 'روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۱۵۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی 'متون' ۱۳۰۷ھ 'فتح البیان' مطبوعہ مطبعہ امیر کبریٰ بولاق مصر ۱۳۰۷ھ مکتبہ العصر بیروت ۱۳۴۳ھ
- ۱۵۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی 'متون' ۱۳۲۲ھ 'تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۵۴- علامہ محمد رشید رضا 'متون' ۱۳۵۳ھ 'تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۵۵- علامہ حکیم شیخ فضلای جوہری مصری 'متون' ۱۳۵۹ھ 'الجواہر فی تفسیر القرآن' مکتبہ الاسلامیہ ریاض
- ۱۵۶- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۱۳۷۳ھ 'بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
- ۱۵۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی 'متون' ۱۳۷۷ھ 'تخرات القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لیڈہ لاہور
- ۱۵۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی 'متون' ۱۳۳۹ھ 'شیخ شہیر احمد عثمانی' 'متون' ۱۳۷۹ھ 'حاشیہ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لیڈہ لاہور
- ۱۵۹- علامہ محمد طاہر بن عاشور 'متون' ۱۳۸۰ھ 'تحریر و اشویر' مطبوعہ تونس
- ۱۶۰- سید محمد قطب شہید 'متون' ۱۳۸۵ھ 'فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۶۱- مفتی احمد یار خان نعیمی 'متون' ۱۳۹۰ھ 'تور القرآن' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ مہجرات
- ۱۶۲- مفتی محمد شفیع دیوبندی 'متون' ۱۳۹۶ھ 'معارف القرآن' مطبوعہ لواء المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۶۳- سید ابو الاعلیٰ مودودی 'متون' ۱۳۹۹ھ 'تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۶۴- علامہ سید احمد سعید کاظمی 'متون' ۱۴۰۶ھ 'احیاء' مطبوعہ کاظمی علی کیشٹر ملتان
- ۱۶۵- علامہ محمد امین بن محمد عسکری 'متون' ۱۴۰۶ھ 'مضوء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶۶- استاذ احمد مصطفیٰ المراقی 'تفسیر المراقی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۱۶۷- آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونه' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۷۲ھ

- ۱۶۸- جسٹس سید کرم شاہ لاہوری تہذیب القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۶۹- شیخ امین احسن اصلاحی جید قرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۰- علامہ محمود صلی اعراب القرآن و صرف و بیانہ مطبوعہ انتشارات ذریعہ
۱۷۱- استاد محی الدین درویش اعراب القرآن و بیانہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۲- ڈاکٹر وجہ زحلی تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ
۱۷۳- سعیدی حوی کلاس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۷۴- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۴۳ھ البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۵- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور
۱۷۶- علامہ محمد عبد العظیم زرکلی منزل المعرفان مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۷۷- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۵ھ الاشد کلام مطبوعہ دار السنۃ الرسالہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۱۷۸- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۵۵ھ تمہید مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ لاہور ۱۳۵۰ھ ۲ مکتبۃ التجار یہ مکہ مکرمہ ۱۳۸۷ھ
۱۷۹- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باکی مالکی اندلسی متوفی ۳۷۳ھ المستقی مطبوعہ مطبع السلاطین مصر ۱۳۳۲ھ
۱۸۰- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ غارۃ الاحوزی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۱- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابو داؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۲- علامہ ابو العباس احمد بن حمزہ ابیہم القرطبی مالکی المتوفی ۶۵۶ھ المغنم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۶۷ھ
۱۸۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
۱۸۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الططیبی متوفی ۷۴۳ھ شرح الططیبی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۳۱۳ھ
۱۸۵- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی مالکی متوفی ۷۷۸ھ اکمل اکمل المعظم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۸۷- حافظ بدر الدین محمود بن احمد یحییٰ خفی متوفی ۸۵۵ھ عمدة القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعة النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ
۱۸۸- علامہ محمد بن محمد شہنوی مالکی متوفی ۸۹۵ھ تکمل اکمل المعظم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸۹- علامہ احمد لعلانی متوفی ۹۰۰ھ شذوذ الساری مطبوعہ مطبعہ مدینہ مصر ۱۳۰۶ھ
۱۹۰- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۹۰۳ھ تلخیص القدر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۵ھ مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ
۱۹۱- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۹۰۳ھ شرح الشماکلی مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی
۱۹۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۹۰۵ھ جمع التوساکی مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی
۱۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۹۰۵ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ

- ۱۹۴- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۳۳۵ھ' مرآت مطبوعه مکتبه امه نوبه لبنان ۱۳۹۰ھ
- ۱۹۵- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۳۳۵ھ' بحر الزمان مطبوعه مطبعه امیریه که کرمه ۱۳۰۳ھ
- ۱۹۶- شیخ محمد بن علی بن محمد شاکلی 'متونی ۳۳۵ھ' تحفه الذاکرین مطبوعه مطبعه مصطفیٰ البیاضی و اولادان مصر ۱۳۵۰ھ
- ۱۹۷- شیخ عبدالحق محمد شاکلی 'متونی ۳۳۵ھ' شمس اللغات مطبوعه مطبعه تاج کدار کنتو
- ۱۹۸- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری 'متونی ۳۳۵ھ' تحفه الاحادیث مطبوعه نشر المکتبه
- ۱۹۹- شیخ انور شاکلی 'متونی ۳۳۵ھ' طیف الباری مطبوعه مطبعه مجازی مصر ۱۳۵۰ھ
- ۲۰۰- شیخ شبیر احمد عثمانی 'متونی ۳۳۵ھ' فتح العلم مطبوعه مکتبه المنجاری کراچی
- ۲۰۱- شیخ محمد ادریس کاند حلوی 'متونی ۳۳۵ھ' تطبیق الصیغ مطبوعه مکتبه طبعه لاہور

کتاب اسماء الرجال

- ۲۰۲- علامه ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی 'متونی ۵۹۷ھ' اصل التسمیہ مطبوعه مکتبه اثریہ فیصل آباد ۱۳۵۰ھ
- ۲۰۳- حافظ جمال الدین ابو المنجاری یوسف مزی '۷۳۲ھ' تہذیب الکمال مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۲۰۴- علامه شمس الدین محمد بن احمد ذہبی 'متونی ۷۴۸ھ' میزان الاعتدال مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۰۵- حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی 'متونی ۸۵۴ھ' تہذیب التہذیب مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۰۶- حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی 'متونی ۸۵۴ھ' تقریب التہذیب مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۰۷- علامه شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السیوطی 'متونی ۹۱۱ھ' القامد المت مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۰۸- حافظ جلال الدین سیوطی 'متونی ۹۱۱ھ' کمال المصنوعہ مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۰۹- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۱۰۳۳ھ' موضوعات کبیر مطبوعه مطبعه بیتانی رملی
- ۲۱۰- علامه اسماعیل بن محمد الجولانی 'متونی ۱۰۳۳ھ' کشف القامد منزل الالباس مطبوعه مکتبه الغزالی دمشق

کتاب لغت

- ۲۱۱- لسان اللغه خلیل احمد فراہیدی 'متونی ۱۰۷۵ھ' کتاب الحین مطبوعه انتشارات اسود ایران ۱۳۳۳ھ
- ۲۱۲- علامه اسماعیل بن حماد الجوزی 'متونی ۱۰۹۸ھ' الصحاح مطبوعه دار العلم بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۲۱۳- علامه حسین بن محمد رافع اصفہانی 'متونی ۱۰۹۸ھ' المفردات مطبوعه مکتبه نزار مصطفیٰ البیاضی کہ کرمه ۱۳۱۸ھ
- ۲۱۴- علامه محمود بن حمزہ مغشوری 'متونی ۱۰۸۳ھ' المفاتیح مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۱۵- علامه محمد بن اشیر الجوزی 'متونی ۱۰۹۸ھ' تہذیب مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۱۶- علامه یحییٰ بن شرک لودی 'متونی ۱۰۷۵ھ' تہذیب الاسماء و اللغات مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۱۷- علامه جمال الدین محمد بن محمد بن منکدر افریقی 'متونی ۱۰۷۵ھ' لسان العرب مطبوعه نشر ادب الحوزۃ قم ایران
- ۲۱۸- علامه محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی 'متونی ۱۰۷۵ھ' کتبخانہ موسیٰ الیمین مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۱۹- علامه محمد طاہر ثقفی 'متونی ۱۰۹۸ھ' مجمع بحار القانوار مطبوعه مکتبه دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۳۵۵ھ

- ۲۲۰ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
 ۲۲۱ لوئیس معلوف الیسوی، المنجد، مطبوعہ المطبعہ الخاویکہ بیروت، ۱۳۳۷ھ
 ۲۲۲ شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۳۰۵ھ، مفاتیح القرآن، مطبوعہ دار العلوم اسلام آباد
 ۲۲۳ ابو نعیم عبدالحکیم بن نضر جاندھری، قائمہ للصفات، مطبوعہ جامعہ ایڈمنسٹریشن اسلام آباد

کتاب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۲۲۴ امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر و المغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
 ۲۲۵ امام عبد الملک بن اشام، متوفی ۲۳۳ھ، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
 ۲۲۶ امام محمد بن سعد، متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۸ھ
 ۲۲۷ علامہ ابو الحسن علی بن محمد الخوارزمی، متوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۳۰۸ھ
 ۲۲۸ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، تاریخ الامم و الملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۲۲۹ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
 ۲۳۰ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۲ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد التواب الکیڈی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ
 ۲۳۱ علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سیسی، متوفی ۵۵۷ھ، الروض للأنف، مکتبہ قاروقیہ ملتان
 ۲۳۲ علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
 ۲۳۳ علامہ ابو الحسن علی بن ابی اکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ، آمد الغاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت
 ۲۳۴ علامہ ابو الحسن علی بن ابی اکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ، القائل فی الذریع، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
 ۲۳۵ علامہ خمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن قلان، متوفی ۶۸۸ھ، ذیات الامین، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
 ۲۳۶ علامہ علی بن عبد القانی قلی الدین سبکی، متوفی ۷۴۷ھ، الشفاء للقامنی زیارة خیر الامم، مطبوعہ کراچی
 ۲۳۷ حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۷ھ، البدایہ و النہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
 ۲۳۸ حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الامصاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
 ۲۳۹ علامہ نور الدین علی بن احمد محمودی، متوفی ۹۰۰ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۹ھ
 ۲۴۰ علامہ احمد عسقلانی، متوفی ۹۰۰ھ، الوصایہ اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۲۱ھ
 ۲۴۱ علامہ محمد بن یوسف اصحابی الشافعی، متوفی ۹۲۲ھ، سبل اللہ علی و الرشد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۴ھ
 ۲۴۲ علامہ احمد بن حجر کی شافعی، متوفی ۹۷۳ھ، المعواصن و الحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
 ۲۴۳ علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۱ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۲۴۴ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۳ھ، اراج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
 ۲۴۵ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۸ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۲۴۶ علامہ محمد عبد الباقی زرقلی، متوفی ۱۱۲۴ھ، شرح الوصایہ اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
 ۲۴۷ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۲۴۰ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کتب اینڈ کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۲۴۸- علامہ حسین بن منصور لوزجندی 'متون ۹۵ھ' قزوینی قاضی خان مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۹- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی 'متون ۸۳ھ' المیسوط مطبوعہ دار العرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۵۰- شمس الانامہ محمد بن احمد سرخسی 'متون ۸۳ھ' شرح سیر کبیر مطبوعہ المکتبۃ الشریعۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۲۵۱- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری 'متون ۵۳۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد الیڈی لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۲۵۲- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی 'متون ۵۵۸ھ' بذائع الصنائع مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی ۱۳۰۰ھ 'دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۵۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی 'متون ۵۵۳ھ' بذایہ لولین و آخرین مطبوعہ شرکت مطبعہ ملکن
- ۲۵۴- علامہ محمد بن محمود بامری 'متون ۷۸۶ھ' علیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۵۵- علامہ عالم بن الطلاء انصاری دہلوی 'متون ۷۸۶ھ' قزوینی آثار عامیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۸ھ
- ۲۵۶- علامہ ابو بکر بن علی حدادی 'متون ۸۰۰ھ' البحرۃ المنیرہ مطبوعہ مکتبہ الحدادیہ ملکن
- ۲۵۷- علامہ محمد شمس الدین بن یزید از کردی 'متون ۸۴۷ھ' قزوینی یزیدیہ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۵۸- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی 'متون ۸۵۵ھ' نیایہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۵۹- علامہ کمال الدین بن عمام 'متون ۸۷۱ھ' فتح القدر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶۰- علامہ جلال الدین خوارزمی 'کتابہ لوریہ و ضویہ سکر
- ۲۶۱- علامہ حسین الدین الرموزی المعروف بہ عمر لما سکین 'متون ۹۵۳ھ' شرح الکفر مطبوعہ جمعیت المعارف العربیہ مصر
- ۲۶۲- علامہ ابو اسحاق محمد بن محمد حلبی 'متون ۹۵۷ھ' فیتہ المستطی مطبوعہ سہیل الیڈی لاہور ۱۳۷۳ھ
- ۲۶۳- علامہ محمد خراسانی 'متون ۹۶۳ھ' جامع الرموز مطبوعہ مطبعہ نوری لاہور ۱۳۷۹ھ
- ۲۶۴- علامہ زین الدین بن نجم 'متون ۹۷۰ھ' البحر الرائق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۷۸ھ
- ۲۶۵- علامہ حامد بن علی قزوینی ردی 'متون ۹۸۵ھ' قزوینی حامدیہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۶۶- علامہ ابو السعود محمد بن محمد دہلوی 'متون ۹۸۷ھ' حاشیہ ابو سعید علی لما سکین مطبوعہ جمعیت المعارف العربیہ مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۶۷- علامہ خیر الدین ربی 'متون ۹۸۷ھ' قزوینی خیریہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۶۸- علامہ علامہ الدین محمد بن علی بن محمد حنفی 'متون ۱۰۸۸ھ' تلخیص الحدیث مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۲۶۹- علامہ سید محمد بن محمد حموی 'متون ۱۰۹۸ھ' غزیرہ بیروت مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۷۰- ملا نظام الدین متون ۱۱۳۵ھ 'قزوینی عالم گیری مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۷۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی 'متون ۱۱۵۲ھ' منہج الطالب مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۷۸ھ
- ۲۷۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی 'متون ۱۱۵۲ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ کوئٹہ
- ۲۷۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی 'متون ۱۱۵۲ھ' رسالہ کل امین عابدین مطبوعہ سہیل الیڈی لاہور ۱۳۹۱ھ
- ۲۷۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی 'متون ۱۱۵۲ھ' رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۷۵- امام احمد رضا قادری 'متون ۱۳۳۰ھ' جد المحتار مطبوعہ ادارۃ تحقیقات احمد رضا کراچی
- ۲۷۶- امام احمد رضا قادری 'متون ۱۳۳۰ھ' قزوینی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

- ۲۷۷- امام احمد رضا قادری 'متون' ۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ منجلیک کینی کراچی
۲۷۸- علامہ امجد علی 'متون' ۳۷۷ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈیٹر کراچی
۲۷۹- علامہ نور اللہ نعیمی 'متون' ۳۰۲ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کتبائیں پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ھ

کتاب فقہ شافعی

- ۲۸۰- امام محمد بن نوریس شافعی 'متون' ۲۰۳ھ کلام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ
۲۸۱- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب بلوردی شافعی 'متون' ۳۵۰ھ الفتاویٰ الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
۲۸۲- علامہ ابوالحسن شیرازی 'متون' ۳۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ
۲۸۳- امام محمد بن محمد غزالی 'متون' ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار النبی بیروت ۱۳۱۳ھ
۲۸۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متون' ۶۷۷ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۸۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متون' ۶۷۷ھ رد المحتار مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ
۲۸۶- علامہ جلال الدین سیوطی 'متون' ۷۹۷ھ الفتاویٰ للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لیسل آباد
۲۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربیع 'متون' ۱۰۰۳ھ تہذیب المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
۲۸۸- علامہ ابو النبیاء علی بن علی شبراہلی 'متون' ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو النبیاء علی تہذیب المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۲۸۹- امام یحییٰ بن سعید خوئی مالکی 'متون' ۵۷۷ھ الرد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۹۰- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی 'متون' ۵۹۵ھ بدایۃ المجتہد مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۱- علامہ ظہیر بن اسماعیل مالکی 'متون' ۷۷۷ھ مختصر ظہیر مطبوعہ دار سلور بیروت
۲۹۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب المغربي 'متون' ۹۵۳ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبۃ التجار لیبا
۲۹۳- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشانی 'متون' ۱۱۰۷ھ الخرشانی علی مختصر ظہیر مطبوعہ دار سلور بیروت
۲۹۴- علامہ ابو البرکات احمد درر مالکی 'متون' ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی 'متون' ۱۲۱۹ھ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۲۹۶- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متون' ۷۳۰ھ المغنی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ
۲۹۷- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متون' ۷۳۰ھ المکاشفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
۲۹۸- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ 'متون' ۷۲۸ھ مجموعہ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض
۲۹۹- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قلاح مقدسی 'متون' ۷۷۳ھ مکتب القروع مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۰۰- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروزی 'متون' ۸۸۵ھ المانہا مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شیعہ

- ۳۰۱- شیخ ابلاغہ (خطبات حضرت علیؓ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
- ۳۰۲- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۰۳- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۰۴- شیخ ابو منصور احمد بن علی البرسی من القرن السادس کا احتجاج موسسہ الاطالی للطبعوعات بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۰۵- شیخ کمال الدین یثرب بن علی بن یثرب الخیرانی المتوفی ۷۷۹ھ شرح شیخ ابلاغہ مطبوعہ موسسہ انصاریان
- ۳۰۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۳۷ھ
- ۳۰۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ تہران
- ۳۰۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ طلاء العیون مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ تہران

کتاب عقائد و کلام

- ۳۰۹- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المنتقد من انفال مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ
- ۳۱۰- علامہ ابو البرکات عبد الرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ کلامی الی الاسلام مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۳۱۱- شیخ احمد بن عبد الحلیم بن حمید متوفی ۷۲۸ھ العقیدۃ الواسطیہ مطبوعہ دار السلام ریاض ۱۴۳۳ھ
- ۳۱۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قشقرانی متوفی ۷۷۹ھ شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی
- ۳۱۳- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قشقرانی متوفی ۷۷۹ھ شرح القامد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۱۴- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۷۶ھ شرح الرواق مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۱۵- علامہ کمال الدین بن حمام متوفی ۸۷۶ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ الطلوعہ مصر
- ۳۱۶- علامہ کمال الدین محمد بن محمد الحروف بن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ الطلوعہ مصر
- ۳۱۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ۱۳۷۵ھ
- ۳۱۸- علامہ محمد بن احمد البخاری المتوفی ۱۱۸۸ھ کوا مع الانوار السیہ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۴ھ
- ۳۱۹- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۶۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ تاجدار حرم ہشتنگ کمپنی کراچی

کتاب اصول فقہ

- ۳۲۰- امام فخر الدین محمد بن محمد رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ الاصول مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
- ۳۲۱- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۴۳۴ھ
- ۳۲۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قشقرانی متوفی ۷۷۹ھ توضیح و ترویج مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۲۳- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الثمیری بن حمام متوفی ۸۷۶ھ التقریر مع التیسیر مطبوعہ مکتبہ الطارف ریاض
- ۳۲۴- علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۹۷۹ھ مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۳۲۵- علامہ احمد جونیوری متوفی ۱۲۳۰ھ تور الانوار مطبوعہ ایچ ایم سعید ایڈ کمپنی کراچی

۳۲۶- علامہ عبدالحق خیر آبادی 'متون ۱۸۳۸ھ' شرح مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتاب متفرقہ

- ۳۲۷- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن النکلی المتون ۱۸۸۶ھ 'قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۳۲۸- امام محمد بن محمد غزالی 'متون ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۲۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی 'متون ۲۶۸ھ' کاتذکرہ مطبوعہ دار البیاریہ مدینہ منورہ ۱۳۱۷ھ
- ۳۳۰- شیخ تقی الدین احمد بن حمید ضلی 'متون ۷۷۸ھ' کاتذکرہ جلیلہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی 'متون ۷۷۸ھ' کاتذکرہ مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ مصر
- ۳۳۲- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی 'متون ۷۷۸ھ' روض الریاض مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیالی داولان مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳۳۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جزبانی 'متون ۸۸۶ھ' کتاب التحریقات مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ
- ۳۳۴- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون ۹۱۱ھ' شرح الصدور مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۳۵- علامہ ابن حجر مکی 'متون ۹۱۱ھ' فتاویٰ حدیث مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیالی داولان مصر ۱۳۵۶ھ
- ۳۳۶- علامہ احمد بن حجر قسطلانی 'متون ۹۷۷ھ' انوار المعرفہ مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۳۳۷- علامہ احمد بن حجر قسطلانی 'متون ۹۷۷ھ' الدرر مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۳۸- امام احمد سرحدی مجدد الف ثانی 'متون ۱۰۳۳ھ' مکتوبات امام ربانی مطبوعہ مدینہ بہشتیگ کمپنی کراچی ۱۳۷۰ھ
- ۳۳۹- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی 'متون ۱۰۵۵ھ' اتحاف سادۃ السنین مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر ۱۳۵۵ھ
- ۳۴۰- شیخ رشید احمد گنگوہی 'متون ۱۲۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کمال مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۳۴۱- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ اشیر بھائی غلیفہ 'کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طبرن ۱۳۷۸ھ
- ۳۴۲- امام احمد رضا قادری 'متون ۱۳۴۰ھ' الملقوظ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
- ۳۴۳- شیخ وحید الرحمن 'متون ۱۳۳۸ھ' ہدیۃ الہدی مطبوعہ میو پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
- ۳۴۴- علامہ یوسف بن اسماعیل التہانی 'متون ۱۳۵۰ھ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۴۵- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون ۱۳۷۳ھ' بہشتی زیور مطبوعہ ناشرین قرآن لیسٹڈ لاہور
- ۳۴۶- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون ۱۳۷۳ھ' حفظ الامان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
- ۳۴۷- علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی 'ندایار سول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور ۱۳۰۵ھ



Nafse Islam

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد چہارم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک شال اردو بازار لاہور کے پروف ہور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔
محمد اہم فیضی

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM